

معارف ہمدانی

جلد دوم

ارث و شرح

جامع ہمدانی

جلد ثانی

مفتی محمد طارق

استاذ حدیث جامعہ فریدیہ اسلام آباد

مکتبہ تبیین القرآن

اعظم مارکیٹ، اقبال روڈ کمیٹی چوک۔ راولپنڈی

0333-5375336

معارف ترمذی

اردو شرح

جامع ترمذی

جلد ثانی

جلد دوم

مفتی محمد طارق

استاذ حدیث جامعہ فریدیہ اسلام آباد

مکتبہ تبیین القرآن

اعظم مارکیٹ، اقبال روڈ کیمٹی چوک۔ راولپنڈی

0333-5375336

جملہ حقوق بحق ”مکتبہ شیخ الہند راولپنڈی“ محفوظ ہیں

نام کتاب : معارف ترمذی جلد دوم
 مصنف : مفتی محمد طارق
 کمپوزنگ : محمد آصف لطیف 0343-5261568
 ناشر : مکتبہ شیخ الہند، کمیٹی چوک، راولپنڈی
 تاریخ اشاعت : جنوری ۲۰۱۱ء

ہماری مطبوعات ملنے کے پتے

اسلام آباد : مکتبہ فریدیہ، E-7 اسلام آباد
 لاہور : مکتبہ طیبہ، جامع مسجد الرحمن بلیو ایریا اسلام آباد
 اسلامی کتب خانہ، اردو بازار لاہور
 مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور
 مکتبہ الحسن، اردو بازار لاہور
 کراچی : ادارہ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی
 قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی
 مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی کراچی
 ادارۃ الانور، نیو ٹاؤن کراچی
 ملتان : جامعہ حقانیہ، ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
 فیصل آباد : مکتبہ العارفی، نزد جامعہ امدادیہ فیصل آباد
 کوئٹہ : مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
 اکوڑہ خٹک : مکتبہ سید احمد شہید، اکوڑہ خٹک
 مکتبہ رشیدیہ، اکوڑہ خٹک
 تیمر گڑھ : دینی کتب خانہ، تیمر گڑھ

اپنے شہر کے ہر بڑے کتب خانے میں ہماری مطبوعات دستیاب ہیں

فهرست

معارف ترمذی جلد دوم

ابواب الفتن، ابواب الروایا، ابواب الشهادة، ابواب الزهد، ابواب
صفة القيامة، ابواب صفة الجنة، ابواب صفة جهنم، ابواب
الايمان، ابواب العلم، ابواب الاستيذان والاداب، ابواب الامثال

اىمالى فهرست

اىواب الففن.....	١٣٣-٢٥
اىواب الروبا.....	١٦٣-١٣٥
اىواب الشهادة.....	١٦٩-١٦٣
اىواب الزهد.....	٢٥١-١٢٠
اىواب صفة القيامة.....	٣٥٦-٢٥٢
اىواب صفة الجنة.....	٣٠٢-٣٥٢
اىواب صفة جهنم.....	٣٣٢-٣٠٩
اىواب الايمان.....	٣٩٠-٣٣٣
اىواب العلم.....	٥٢٢-٣٩٢
اىواب الاستيذان والاداب.....	٦٦٦-٥٢٩
اىواب الامثال.....	٦٨٨-٦٦٨

فہرست

معارف ترمذی جلد دوم

- ۲۳..... عرض مؤلف
- ۲۵..... ابواب الفتن من رسول اللہ ﷺ
- ۲۵..... باب ماجاء لا یحل دم امرئ مسلم الا
- ۲۶..... شہادت عثمان
- ۲۸..... قتل کے چند اسباب
- ۲۸..... باب ماجاء فی قحوریم الذمائم والاموال
- ۲۹..... حج اکبر کا مفہوم
- ۲۹..... یوم الحج الاکبر کا مصداق
- ۳۰..... حجۃ الوداع کے چند احکام
- ۳۱..... باب ماجاء لا یحل لمسلم ان یزور مسلماً
- ۳۱..... ایذاء مسلم حرام ہے
- ۳۲..... باب ماجاء فی اشارة الرجل علی
- ۳۲..... باب التہفی عن قضاطی الشیخ مسلولا
- ۳۲..... الجرح کے استعمال میں احتیاط کا حکم
- ۳۳..... باب من صلی الصبح فہو فی ذمۃ اللہ عز وجل
- ۳۳..... نماز فجر کی فضیلت
- ۳۳..... باب فی لزوم الجماعة
- ۳۵..... جماعت کو لازم پکڑنے کا حکم
- ۳۶..... حجیت اجماع
- ۳۶..... باب ماجاء فی لزول العذاب اذا لم
- ۳۶..... تغیر مکر ترک کرنے پر عذاب کی وعید
- ۳۷..... باب ماجاء فی الامر بالمعروف
- ۳۸..... امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید
- ۳۹..... باب ماجاء فی تغییر المنکر بالید أو
- ۳۹..... تغیر مکر کے تین درجات
- ۴۰..... باب منه
- ۴۱..... نہی عن المنکر کی اہمیت
- ۴۱..... باب أفضل الجہاد کلمۃ عندی عند
- ۴۲..... عالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کی فضیلت
- ۴۲..... باب سؤال النبی ﷺ فلا تافی أمیہ
- ۴۲..... امت کے لئے تین اہم دعائیں
- ۴۲..... باب ماجاء فی الرجل ینکون فی الفتنۃ

- ۲۴..... ترجیح دینے کا حکم
- ۲۵..... باب مَا أَخْبَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَصْحَابَهُ بِمَا هُوَ
- ۲۵..... عرب میں ایک فتنہ کا ذکر
- ۲۶..... باب مَا جَاءَ فِي رَفْعِ الْأَمَانَةِ
- ۲۸..... سلب امانت کا ذکر
- ۲۹..... امانت سے کیا مراد ہے
- ۲۹..... باب لَقَدْ كُنْتُمْ مِّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ
- ۵۰..... پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلنے کے معنی
- ۵۰..... باب مَا جَاءَ فِي كَلَامِ السَّبَاعِ
- ۵۱..... ایک دشمن کوئی
- ۵۱..... باب مَا جَاءَ فِي انْشِقَاقِ الْقَمَرِ
- ۵۱..... شق قرعہ کا معجزہ
- ۵۲..... شق قرعہ کے واقعہ پر کچھ شبہات اور ان کا جواب
- ۵۳..... باب مَا جَاءَ فِي الْخُسْفِ
- ۵۳..... قیامت کی دس نشانیاں
- ۵۴..... باب مَا جَاءَ فِي طُلُوعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا
- ۵۸..... سورج کا مغرب سے طلوع ہونا
- ۵۸..... اشکال و جواب
- ۵۹..... باب مَا جَاءَ فِي خُرُوجِ يَاجُوجَ وَ مَا جُوجَ
- ۵۹..... کچھ یاجوج ماجوج کے بارے میں
- ۶۱..... سدود القرنین کا محل وقوع
- ۶۲..... حدیث میں ”شر“ سے کیا مراد ہے
- ۶۲..... باب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْمَارِقَةِ
- ۶۳..... خارجی فرقہ
- ۶۳..... خوارج کے بارے میں علماء کا فتویٰ
- ۶۴..... باب مَا جَاءَ فِي الْأَثَرِ
- ۶۴..... ۲۴..... ترجیح دینے کا حکم
- ۶۵..... باب مَا أَخْبَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَصْحَابَهُ بِمَا هُوَ
- ۶۷..... چند ہدایات و تعلیمات
- ۶۸..... باب مَا جَاءَ فِي أَهْلِ الشَّامِ
- ۶۹..... ارض شام کی فضیلت
- ۶۹..... طائفہ منصورین سے کون مراد ہیں
- ۶۹..... اشکال و جواب
- ۷۰..... باب مَا جَاءَ لَا تَزُجُّوا بَعْدِي كُفَّارًا
- ۷۰..... حجۃ الوداع کا ایک حکم
- ۷۰..... باب مَا جَاءَ أَنَّهُ تَكُونُ فِتْنَةٌ الْقَاعِدُ فِيهَا
- ۷۱..... حتی الامکان فتنہ سے اجتناب کیا جائے
- ۷۱..... فتنہ کے وقت قتال کا حکم
- ۷۲..... باب مَا جَاءَ سَتَكُونُ فِتْنَةٌ كَقَطْعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ
- ۷۳..... فتنوں کا ذکر
- ۷۵..... باب مَا جَاءَ فِي الْهَزْمِ
- ۷۶..... قتل کی کثرت ہوگی
- ۷۶..... باب مَا جَاءَ فِي اتِّخَاذِ السَّيْفِ مِنْ خَشَبٍ
- ۷۷..... لکڑی کی تلوار بنانے کا حکم
- ۷۷..... باب مَا جَاءَ فِي أَشْرَاطِ السَّاعَةِ
- ۷۹..... علامات قیامت
- ۸۱..... باب
- ۸۳..... پندرہ خصلتیں بہت سے غذاؤں کا سبب
- ۸۴..... باب مَا جَاءَ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ بَعِثْتُ أَنَا
- ۸۵..... مجھے اور قیامت کو ایک ساتھ بھیجا گیا
- ۸۵..... بعثت انا والرسالة میں اعراب کے لحاظ سے دو احتمال

- ۱۰۳..... باب ماجاء فی نزول عیسیٰ بن مریم ۸۶
 ۱۰۳..... نزول عیسیٰ علیہ السلام ۸۶
 ۱۰۴..... باب ماجاء فی الدجال ۸۷
 ۱۰۶..... دجال کا ذکر ۸۷
 ۱۰۶..... دجال کا ذکر قرآن میں کیوں نہیں ۸۸
 ۱۰۷..... باب ماجاء من آئین یخروج الدجال ۸۹
 ۱۰۷..... دجال خراسان سے نکلے گا ۹۰
 ۱۰۸..... باب ماجاء فی علامات خروج الدجال ۹۰
 ۱۰۸..... جنگ عظیم اور فتح قسطنطینیہ ۹۰
 ۱۰۹..... باب ماجاء فی فتنة الدجال ۹۱
 ۱۱۳..... دجال کے بارے میں مفصل حدیث ۹۲
 ۱۱۶..... دجال زمین پر کتنا عرصہ رہے گا ۹۳
 ۱۱۷..... ان علاقوں میں نماز روزے کا حکم جہاں دن رات ۹۳
 ۱۱۸..... نزول عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہوگا ۹۴
 ۱۱۹..... باب ماجاء فی صفة الدجال ۹۵
 ۱۱۹..... دجال کی آنکھیں کس طرح ہوں گی؟ ۹۶
 ۱۲۰..... باب ماجاء فی أَنَّ الدَّجَالَ لَا يَدْخُلُ الْمَدِينَةَ ۹۶
 ۱۲۱..... دجال مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا ۹۷
 ۱۲۱..... الایمان یمان کے معنی ۹۸
 ۱۲۲..... باب ماجاء فی قتل عیسیٰ بن مریم الدجال ۹۹
 ۱۲۲..... باب ۹۹
 ۱۲۳..... باب ماجاء فی ذکر ابن صیاد ۱۰۰
 ۱۲۷..... ابن صیاد کی حقیقت ۱۰۰
 ۱۲۹..... باب ۱۰۰
 ۱۳۰..... حیات خضر کا مسئلہ ۱۰۱
- ۸۶..... باب ماجاء فی قتال القزق ۸۶
 ۸۶..... ترکوں سے لڑائی ہوگی ۸۷
 ۸۷..... باب ماجاء إذا ذهب کسری فلا کسری بعده ۸۸
 ۸۷..... فارس وروم کی فتح کی پیش گوئی ۸۸
 ۸۸..... باب لا تقوم الساعة حتی تخرج ناز ۸۹
 ۸۹..... ارض حجاز اور قمر عدن سے آگ کا ظہور ہوگا ۹۰
 ۹۰..... باب ماجاء لا تقوم الساعة حتی ۹۰
 ۹۰..... نبوت کے جموٹے دعویٰ دار ۹۰
 ۹۰..... باب ماجاء فی تفسیر کذاب ومہیز ۹۱
 ۹۱..... قبیلہ ثقیف کے دو شخصوں کے بارے میں پیش گوئی ۹۲
 ۹۲..... باب ماجاء فی القرن الثالث ۹۳
 ۹۳..... غیر القرون کا ذکر ۹۳
 ۹۳..... باب ماجاء فی الخلفاء ۹۴
 ۹۴..... بارہ خلفاء کا ذکر ۹۵
 ۹۵..... باب ماجاء فی الخلافة ۹۶
 ۹۶..... خلافت راشدہ کی مدت ۹۶
 ۹۶..... خلیفہ نامزد کرنے کا مسئلہ ۹۷
 ۹۷..... باب ماجاء أَنَّ الخلفاء من قریش إلى أن ۹۸
 ۹۸..... قریش کے لئے خلافت کا استحقاق ۹۹
 ۹۹..... ایک قطائی شخص کے بارے میں پیش گوئی ۹۹
 ۹۹..... باب ماجاء فی الأئمة المصليين ۱۰۰
 ۱۰۰..... گمراہ کن اماموں کا اندیشہ ۱۰۰
 ۱۰۰..... طائفہ منصورہ کا ذکر ۱۰۰
 ۱۰۰..... باب ماجاء فی المهدي ۱۰۱
 ۱۰۱..... امام مہدی ۱۰۱

- باب ماجاء فی التَّهْمِ عَنْ سَبِّ الرِّيحِ ۱۳۱
 ہوا کو برا بھلا مت کہا جائے ۱۳۲
 باب ۱۳۲
 جاسر کا ذکر ۱۳۳
 حضرت حمیم داری ۱۳۴
 باب ۱۳۴
 باب ۱۳۴
 باب ۱۳۵
 جہالت و غفلت وغیرہ کے اسباب ۱۳۵
 باب ۱۳۶
 ایک خاص فقہ کا ذکر ۱۳۷
 باب ۱۳۸
 باب ۱۳۸
 اچھے اور برے کی پہچان ۱۳۹
 باب ۱۳۹
 ایک معجزہ کا ذکر ۱۴۱
 کسری کی ہلاکت کا واقعہ ۱۴۱
 عورت کی حکمرانی کا مسئلہ ۱۴۱
 باب ۱۴۳
 فقہ کے زمانے میں اعمال کا ثواب ۱۴۴
 ارض الفتن ۱۴۴
 خراسان سے کالے جھنڈوں کا ظہور ہوگا ۱۴۴
 أبواب الرؤیا من رسول اللہ ﷺ ۱۴۵
 باب أَنَّ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ ۱۴۵
 خواب کی قسمیں اور ان کا درجہ ۱۴۵
 خواب میں جزء نبوت ہونے کے معنی ۱۴۶
 قادیانیوں کا ایک غلط استدلال ۱۴۷
 باب ذَهَبَتِ النَّبِيُّ قَوْلُ بَقِيَّتِ الْمُبَشِّرَاتِ ۱۴۸
 صرف مبشرات باقی ہیں ۱۴۹
 رسول اور نبی کی تعریف میں فرق ۱۴۹
 باب ماجاء فی قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ مَنْ رَأَى ۱۴۹
 من رانی فی المنام کے معنی ۱۵۰
 حضور ﷺ کو خواب میں دیکھنے سے متعلق دو اہم باتیں ۱۵۱
 باب ماجاء إِذَا رَأَى فِي الْمَنَامِ مَا يَكُونُ مَا يَضَعُ؟ ۱۵۱
 ناپسندیدہ خواب دیکھنے کے مسنون اعمال ۱۵۲
 باب ماجاء فی تَغْيِيرِ الرُّؤْيَا ۱۵۲
 کسی عالم اور عقلمند کے سامنے خواب کو بیان کیا جائے ۱۵۳
 باب ۱۵۳
 باب ماجاء فی الَّذِي يَكْذِبُ فِي خُلُوعِهِ ۱۵۴
 جھوٹا خواب بیان کرنے پر سخت وعید ۱۵۴
 باب ۱۵۴
 خواب میں دودھ کی تعبیر ۱۵۵
 باب ۱۵۵
 قیص کی تعبیر دین سے ۱۵۵
 باب ماجاء فی رُؤْيَا النَّبِيِّ ﷺ ۱۵۶
 خواب میں ترازو دیکھنا ۱۶۰
 ورقہ بن نوفل کے متعلق حضور اکرم ﷺ کا خواب ۱۶۰
 شیخین کی مدت خلافت اور کارناموں سے ۱۶۱
 مدینہ کی وباء کا جھفہ منتقل ہونے کا خواب ۱۶۱
 نبوت کے دو جھوٹے دعویدار ۱۶۲

- حضرت صدیق اکبرؓ نے خواب کی تعبیر میں کیا غلطی کی۔ ۱۶۳
- طلوع شمس سے پہلے خواب کی تعبیر کا حکم۔ ۱۶۳
- ابواب الشهادات من رسول اللہ ﷺ۔ ۱۶۴
- باب ماجاء فی الشہداء علیہم خیر؟۔ ۱۶۴
- بہترین گواہ۔ ۱۶۴
- باب ماجاء فی من لا تجوز شہادۃ۔ ۱۶۵
- کن لوگوں کی گواہی شرعاً معتبر نہیں۔ ۱۶۶
- باب ماجاء فی شہادۃ الزور۔ ۱۶۸
- جموٹی گواہی شرک کے برابر ہے۔ ۱۶۸
- باب۔ ۱۶۹
- جموٹی گواہی کے خوف۔ ۱۶۹
- ابواب الزہد من رسول اللہ ﷺ۔ ۱۷۰
- زہد کے لغوی اور اصطلاحی معنی۔ ۱۷۰
- دو قابل قدر نعمتیں۔ ۱۷۱
- پانچ اعمال کی تاکید۔ ۱۷۱
- باب ماجاء فی المناذرة بالمعقل۔ ۱۷۲
- سات چیزوں سے پہلے اعمال صالحہ میں سبقت کر لو۔ ۱۷۳
- باب ماجاء فی ذکر الموت۔ ۱۷۳
- موت کو کثرت سے یاد کرنے کی ترغیب۔ ۱۷۳
- باب۔ ۱۷۴
- حضرت عثمانؓ قبر پر خوب روتے۔ ۱۷۴
- باب من أحب لقاء الله أحب لقاء الله لقائه۔ ۱۷۵
- لقاء الله کے معنی۔ ۱۷۶
- باب ماجاء فی انذار النبی ﷺ قومه۔ ۱۷۶
- نزول آیت کے بعد حضور کا اپنی قوم کو ڈرانا۔ ۱۷۷
- باب ماجاء فی فضل البکاء من خشية الله تعالى۔ ۱۷۹
- خوف خدا سے رونے کی فضیلت۔ ۱۷۹
- باب ماجاء فی قول النبی ﷺ: لَوْ تَعْلَمُونَ۔ ۱۷۹
- زیادہ ہنسنا پسندیدہ نہیں۔ ۱۸۰
- باب ماجاء فی: مَنْ تَكَلَّمَ بِالْكَلِمَةِ۔ ۱۸۱
- لوگوں کو ہنسانے کے لئے جموٹی باتیں کرنے۔ ۱۸۱
- باب۔ ۱۸۲
- لا یعنی باتوں سے اجتناب کا حکم۔ ۱۸۲
- باب ماجاء فی قلة الکلام۔ ۱۸۳
- قلت کلام کی فضیلت۔ ۱۸۳
- باب ماجاء فی هَوَانِ الدُّنْيَا عَلَى اللَّهِ۔ ۱۸۴
- اللہ کے ہاں دنیا کی بے وقعتی کا ذکر۔ ۱۸۶
- باب ماجاء أَنَّ الدُّنْيَا سَجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ۔ ۱۸۶
- دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے۔ ۱۸۷
- باب ماجاء مَقْلُ الدُّنْيَا مَقْلُ أَرْبَعَةِ نَفَرٍ۔ ۱۸۷
- تین باتوں پر حضور ﷺ کی قسم۔ ۱۸۸
- اہل دنیا کا حال چار افراد کی طرح ہے۔ ۱۸۸
- باب ماجاء فی هَمِّ الدُّنْيَا وَخَبَرِهَا۔ ۱۸۹
- دنیا کی محبت اور اس کی فکر سے اجتناب کا حکم۔ ۱۹۰
- باب ماجاء فی طولِ الغمرِ للمؤمن۔ ۱۹۱
- لمبی عمر کی فضیلت حسن عمل پر ہے۔ ۱۹۲
- باب ماجاء فی أَعْمَارِ هَذِهِ الْأُمَّةِ مَا بَيْنَ۔ ۱۹۲
- امت محمدیہ کی عمر کا ذکر۔ ۱۹۲
- باب ماجاء فی تقاربِ الزَّمَنِ وَقَصْرِ الْأَمَلِ۔ ۱۹۳
- تقاربِ زمان کے معنی۔ ۱۹۳

- باب مَا جَاءَ فِي قِصْرِ الْأَمَلِ..... ۱۹۴ صحابہ کرام کا فقر و فاقہ..... ۲۱۶
- لبی لبی امیدوں سے اجتناب کا حکم..... ۱۹۵ باب مَا جَاءَ أَنَّ الْغِنَى غَنَى النَّفْسِ..... ۲۱۷
- باب مَا جَاءَ أَنَّ فِتْنَةَ هَذِهِ الْأُمَّةِ فِي الْمَالِ..... ۱۹۵ حقیقی مالدارى..... ۲۱۸
- باب مَا جَاءَ فِي أَخْذِ الْمَالِ بِحَقِّهِ..... ۱۹۶ مال ایک فتنہ ہے..... ۱۹۶
- باب مَا جَاءَ لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ..... ۱۹۶ حلال طریقے سے مال حاصل کرنے کی فضیلت..... ۲۱۹
- ابن آدم کا حریصانہ مزاج..... ۱۹۶ باب..... ۲۱۹
- باب مَا جَاءَ قَلْبُ الشَّيْخِ شَابَ عَلَى حُبِّ الثَّنَتَيْنِ..... ۱۹۷ مال و دولت کے غلام پر لعنت کا ذکر..... ۲۱۹
- بڑھاپے کی دو خصلتیں..... ۱۹۷ باب..... ۲۲۰
- اصل زہد..... ۱۹۷ مال و جاہ کی حرص دین کو تباہ کر دیتی ہے..... ۲۲۰
- ابن آدم کا حق..... ۱۹۸ حدیث کی ترکیب نحوی..... ۲۲۰
- انسان کے لئے نافع مال..... ۱۹۹ باب..... ۲۲۱
- کامل توکل کی فضیلت..... ۲۰۰ دنیا کے عیش و آرام سے حضور ﷺ کی بے رغبتی..... ۲۲۱
- رزق میں وسعت و برکت کا ایک سبب..... ۲۰۱ باب..... ۲۲۲
- دنیا کی اصل نعمتیں..... ۲۰۱ کیسے بندے کو دوست بنایا جائے..... ۲۲۲
- باب مَا جَاءَ فِي الْكَفَافِ وَالصَّبْرِ عَلَيْهِ..... ۲۰۲ باب..... ۲۲۲
- قابل رشک مؤمن کی صفات..... ۲۰۲ میت کے ساتھ قبر تک تین چیزیں جاتی ہیں..... ۲۲۳
- نبی کریم ﷺ کی دنیا سے بے رغبتی..... ۲۰۴ باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ كَثْرَةِ الْأَتَّكْلِ..... ۲۲۳
- باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْفَقْرِ..... ۲۰۵ کھانا زیادہ سے زیادہ کتنی مقدار میں کھایا جائے..... ۲۲۴
- محبت کے ساتھ فقر و فاقہ ہوگا..... ۲۰۵ باب مَا جَاءَ فِي الزَّيَاءِ وَالشُّمْعَةِ..... ۲۲۴
- باب مَا جَاءَ أَنَّ فَقْرَاءَ الْمُهَاجِرِينَ يَدْخُلُونَ..... ۲۰۶ ریا کاری اور شہرت کی مذمت..... ۲۲۸
- فقراء مالداروں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے..... ۲۰۷ باب..... ۲۲۹
- باب مَا جَاءَ فِي مَعِيشَةِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَهْلِهِ..... ۲۰۸ باب..... ۲۲۹
- حضور اکرم ﷺ اور اہل بیت کی معیشت کا حال..... ۲۰۹ باب الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ..... ۲۳۰
- باب مَا جَاءَ فِي مَعِيشَةِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ..... ۲۱۰ المرء مع من أحب کے معنی..... ۲۳۱
- کچھ حضرت سعد بن وقاص کے بارے میں..... ۲۱۵ باب مَا جَاءَ فِي حُسْنِ الظَّنِّ بِاللَّهِ تَعَالَى..... ۲۳۲

- ۲۳۲..... اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کا حکم
- ۲۳۳..... باب مَا جَاءَ فِي الْبُرْ وَالْإِنْفِ
- ۲۳۳..... بر اور اثم کے معنی
- ۲۳۴..... باب مَا جَاءَ فِي الْخُبِّ فِي اللَّهِ
- ۲۳۵..... انبیاء و شہداء کے غبطہ کرنے سے کیا مراد ہے
- ۲۳۵..... سات قسم کے لوگ عرش الہی کے سائے میں ہوں گے
- ۲۳۶..... باب مَا جَاءَ فِي إِغْلَامِ الْخُبِّ
- ۲۳۶..... جس سے محبت کرو تو اسے بتادو
- ۲۳۷..... باب تَكْوِينِ الْمَذْحِقِ وَالْمَذْجِ
- ۲۳۷..... خوشامد کرنے والوں کی مذمت
- ۲۳۸..... تعریف کی اقسام
- ۲۳۹..... باب مَا جَاءَ فِي صُخْبَةِ الْمُؤْمِنِ
- ۲۳۹..... مؤمن سے دوستی کا حکم
- ۲۳۹..... باب فِي الصَّبْرِ عَلَى الْبَلَاءِ
- ۲۴۱..... مصائب پر صبر کیا جائے
- ۲۴۱..... باب مَا جَاءَ فِي ذَهَابِ الْبَصَرِ
- ۲۴۳..... بینائی جانے پر صبر کی فضیلت
- ۲۴۴..... دین کے لبادہ میں دنیا طلبی کی مذمت
- ۲۴۵..... باب مَا جَاءَ فِي حِفْظِ اللِّسَانِ
- ۲۴۶..... مَا أَخَوْفُ..... کی ترکیب نحوی
- ۲۴۶..... زبان کو قابو میں رکھنے کا حکم
- ۲۴۸..... باب.....
- ۲۴۹..... حضرت سلمان کی حضرت ابوالدرداء کو چند اہم نصیحتیں
- ۲۵۰..... حدیث باب سے چند امور کا ثبوت
- ۲۵۱..... باب.....
- ۲۵۱..... حضرت معاویہ کی طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خط
- ۲۵۲..... أَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ
- ۲۵۲..... باب مَا جَاءَ فِي شَأْنِ الْحِسَابِ وَالْقِصَاصِ
- ۲۵۳..... قیامت کے دن ہر انسان اللہ تعالیٰ سے
- ۲۵۵..... ہر شخص سے پانچ چیزوں کا سوال ہوگا
- ۲۵۵..... اصل تنگدست
- ۲۵۷..... قیامت کے دن ہر حق تلفی کا بدلہ لیا جائے گا
- ۲۵۸..... باب.....
- ۲۵۹..... سورج ایک میل کے فاصلے پر ہوگا
- ۲۵۹..... باب مَا جَاءَ فِي شَأْنِ الْخَشْرِ
- ۲۶۰..... حشر کی کیفیت
- ۲۶۲..... میدان حشر میں لوگ تین طرح سے آئیں گے
- ۲۶۲..... باب مَا جَاءَ فِي الْعَرْضِ
- ۲۶۳..... اللہ کی عدالت میں تین مرتبہ پیشی ہوگی
- ۲۶۴..... باب وَفْنُهُ
- ۲۶۴..... آسان اور سخت حساب
- ۲۶۵..... باب وَفْنُهُ
- ۲۶۶..... ہر نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا
- ۲۶۶..... باب وَفْنُهُ
- ۲۶۷..... زمین گواہی دے گی
- ۲۶۷..... باب مَا جَاءَ فِي الصُّورِ
- ۲۶۸..... کچھ صور کے بارے میں
- ۲۶۸..... باب مَا جَاءَ فِي شَأْنِ الصُّرَاطِ
- ۲۶۹..... پل صراط پر اہل ایمان کا شعار کونسا جملہ ہوگا
- ۲۷۰..... قیامت کے دن حضور ﷺ سے کہاں ملاقات ہو سکے گی

- حوض کوثر پر حاضری پل صراط سے پہلے ہوگی یا بعد میں ۲۷۱
- باب مَا جَاءَ فِي الشَّفَاعَةِ ۲۷۲
- شفاعت کے معنی اور اس کی اقسام ۲۷۵
- شفاعت سے حضور ﷺ کے علاوہ تمام انبیاء کا انکار ۲۷۶
- باب مِنْهُ ۲۷۹
- امت محمدیہ کی ایک خصوصیت کا ذکر ۲۷۹
- قرآن وحدیث سے شفاعت کا ثبوت ۲۷۹
- امت محمدیہ میں سے حساب کے بغیر جنت میں ۲۸۰
- علائق حثیات کی ترکیبی حیثیت ۲۸۱
- نیک لوگوں کی شفاعت کا ذکر ۲۸۲
- حضور ﷺ کی شان رحمت ۲۸۳
- باب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْخَوْضِ ۲۸۳
- ہرنی کا ایک حوض ہوگا ۲۸۴
- باب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَوَانِي الْخَوْضِ ۲۸۴
- حوض کوثر کا طول وعرض کتنا ہوگا ۲۸۶
- باب ۲۸۷
- اللہ پر کامل توکل کرنے والوں کی فضیلت ۲۸۸
- حضرت عکاشہ ایک مشہور صحابی ۲۹۱
- نماز میں اس قدر تاخیر ۲۹۲
- اسلام کی نظر میں برے بندے ۲۹۳
- دوسروں کی ضرورت پورا کرنے کی فضیلت ۲۹۵
- جان و مال کی قربانی کا حکم ۲۹۶
- تقویٰ کے درجات ۲۹۷
- ہر معاملے میں میانہ روی اور اعتدال کا حکم ۲۹۸
- طویل آرزوؤں سے اجتناب کا حکم ۲۹۹
- بڑھاپے کی دو خواہشیں ۳۰۱
- آخرت کی تیاری اور کثرت سے درود و سلام ۳۰۲
- اللہ سے حیا کرنے کے معنی ۳۰۳
- موت کو کثرت سے یاد کرنے کا حکم ۳۰۶
- دنیا کی حرص باعث ہلاکت ہے ۳۰۹
- باب ۳۱۰
- مسئلہ تصویر ۳۱۱
- کیمرے کی تصویر کا حکم ۳۱۱
- ڈیجیٹل سسٹم یعنی ٹی وی، موبائل، ویڈیو اور کمپیوٹر ۳۱۱
- نبی کریم ﷺ اور اہل بیت کی قناعت پسندی ۳۱۳
- حضور ﷺ کے فقر و فاقہ اور آزمائشوں کا ذکر ۳۱۵
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فقر و فاقہ ۳۱۷
- سریہ سیف الجمر ۳۱۸
- سمک طافی کا مسئلہ ۳۱۹
- جھینے کا حکم ۳۲۰
- حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ۳۲۳
- اصحاب صفہ کی تنگدستی ۳۲۴
- زیادہ کھانے کی مذمت ۳۲۵
- اون کے لباس کا ذکر ۳۲۶
- تواضعاً عمدہ لباس ترک کرنے کی فضیلت ۳۲۶
- عمارت پر خرچ کرنے کا حکم ۳۲۷
- حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ ۳۲۸
- مسلمان کو لباس پہنانے کی فضیلت ۳۲۹
- حضرت عبداللہ بن سلام کا قبول اسلام ۳۳۰
- احسان کا بدلہ دعا اور شکر سے ۳۳۱

- ۳۳۱..... شکر کی فضیلت
- ۳۳۲..... نرم مزاجی کی فضیلت اور آپ ﷺ کی تواضع
- ۳۳۴..... تکبر کرنے والوں کی سزا
- ۳۳۶..... غصے کو برداشت کرنے کی فضیلت
- ۳۳۶..... تین چیزیں باعث رحمت
- ۳۳۸..... عبادت اور نافرمانی سے قدرت الہی میں کوئی
- ۳۳۹..... کفیل کی مغفرت کا واقعہ
- ۳۴۰..... اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے
- ۳۴۱..... مہمان کے اکرام اور زبان کی حفاظت کا حکم
- ۳۴۲..... کامل مسلمان کون
- ۳۴۳..... کسی کو گناہ پر شرمندہ نہ کیا جائے
- ۳۴۳..... کسی کی مصیبت پر خوش نہ ہوں
- ۳۴۴..... کسی کی نقل اتارنے کا حکم
- ۳۴۵..... باب
- ۳۴۵..... لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا گوشہ نشینی سے بہتر ہے
- ۳۴۶..... صلح کرانے کی فضیلت
- ۳۴۷..... وہ دو گناہ جن پر دنیا میں بھی عذاب ہوتا ہے
- ۳۴۹..... صابر و شاکر کون؟
- ۳۴۹..... باب
- ۳۵۱..... ذکر سے غفلت کی وجہ سے آدمی منافق نہیں ہوتا
- ۳۵۱..... ایمان کامل کی علامت
- ۳۵۲..... نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے
- ۳۵۳..... توکل ترک اسباب کا نام نہیں
- ۳۵۴..... مشکوک چیز چھوڑنے کا حکم
- ۳۵۵..... اتباع سنت کی برکت
- ۳۵۶..... اخلاص کا حکم
- ۳۵۷..... ابواب صفة الجنة من رسول اللہ ﷺ
- ۳۵۷..... باب ما جاء في صفة شجر الجنة
- ۳۵۷..... جنت اس وقت موجود ہے
- ۳۵۸..... جنت کے شجر ”طلحی“ کا ذکر
- ۳۵۹..... باب ما جاء في صفة الجنة و نعيمها
- ۳۶۱..... اللہ کی مفت ”غفار“ کا مظہر
- ۳۶۱..... تین افراد کی دعا کو ضرور قبول کیا جاتا ہے
- ۳۶۲..... ”یرفعها فوق الغمام“ کی ترکیب نحوی
- ۳۶۲..... باب ما جاء في صفة غروف الجنة
- ۳۶۳..... جنت کے بالا خانے
- ۳۶۴..... جنتوں کی تعداد اور دیدار الہی
- ۳۶۵..... جہنم من فضة کی ترکیب
- ۳۶۵..... جنت کا خیمہ
- ۳۶۵..... باب ما جاء في صفة درجات الجنة
- ۳۶۷..... جنت کے درجات
- ۳۶۸..... باب ما جاء في صفة نساء أهل الجنة
- ۳۶۹..... جنت میں داخل ہونے والے دو گروہ
- ۳۷۰..... باب ما جاء في صفة جماع أهل الجنة
- ۳۷۱..... اہل جنت کے جماع کا ذکر
- ۳۷۱..... باب ما جاء في صفة أهل الجنة
- ۳۷۲..... اہل جنت کا حال
- ۳۷۳..... باب ما جاء في ثياب أهل الجنة
- ۳۷۴..... جنت کے مردوں کا ذکر
- ۳۷۴..... جنت کے بچھونے

- باب ماجاء فی صِفَةِ ثَمَارِ الْجَنَّةِ ۳۷۴ جنت و دوزخ کوڑھانپ دیا گیا ہے ۳۹۹
- سُدْرَةُ الْبُنْتِی ۳۷۵ باب ماجاء فی احتِجَاجِ الْجَنَّةِ وَ النَّارِ ۴۰۰
- باب ماجاء فی صِفَةِ طَیْرِ الْجَنَّةِ ۳۷۶ جنت و دوزخ کا آپس میں مباحثہ ۴۰۰
- حَوْضِ کَوْثَرِ مِیْنِ جَنَّتِ کَے پَرندے ۳۷۶ باب ماجاء مَا لِأَذْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْكَرَامَةِ ۴۰۱
- باب ماجاء فی صِفَةِ خَیْلِ الْجَنَّةِ ۳۷۷ ادنیٰ حُفَّتِ کا اعزاز و اکرام ۴۰۲
- کیا جنت میں گھوڑے اور اونٹ ہوں گے ۳۷۸ باب ماجاء فی سِنِّ أَهْلِ الْجَنَّةِ ۴۰۳
- باب ماجاء فی سِنِّ أَهْلِ الْجَنَّةِ ۳۷۹ حوروں کے نَفے ۴۰۳
- اہل جنت کی عمر ۳۷۹ باب ماجاء فی صِفَةِ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ ۴۰۴
- باب ماجاء فی کَمِّ صَفِّ أَهْلِ الْجَنَّةِ ۳۸۰ جنت و دوزخ کی دعا ۴۰۵
- جنت میں امت محمدیہ کی اسی صفیں ہوں گی ۳۸۰ اللہ کے ہاں کچھ پسندیدہ اور کچھ ناپسندیدہ لوگ ۴۰۶
- باب ماجاء فی صِفَةِ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ ۳۸۱ باب ۴۰۷
- امت محمدیہ کے لئے جنت کے دروازے کی ۳۸۱ دریائے فرات سے خزانے نکلنے کی پیش گوئی ۴۰۷
- باب ماجاء فی مَنَاقِبِ الْجَنَّةِ ۳۸۲ أَبْوَابُ صَفَةِ جَهَنَّمَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ۴۰۹
- جنت کا بازار ۳۸۶ باب ماجاء فی صِفَةِ النَّارِ ۴۰۹
- باب ماجاء فی رُؤْيَا التَّوْبِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی ۳۸۷ دوزخ کو میدانِ حشر میں لایا جائے گا ۴۱۰
- آخرت میں ہر مومن کو اللہ کا دیدار ہوگا ۳۸۹ باب ماجاء فی صِفَةِ قَعْرِ جَهَنَّمَ ۴۱۰
- باب ۳۹۰ جہنم کی گہرائی کا ذکر ۴۱۱
- اہل جنت کے لئے رضاءِ الہی کا اعلان ۳۹۱ ”صعود“ جہنم کا ایک پہاڑ ۴۱۱
- لبیک و سعید کی تحقیق ۳۹۱ باب ماجاء فی عِظَمِ أَهْلِ النَّارِ ۴۱۲
- باب ماجاء فی تَرَانِیِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فی الْغُرَفِ ۳۹۲ دوزخ میں کافر کی جسامت ۴۱۳
- اہل جنت بالا خانوں سے دیکھیں گے ۳۹۲ باب ماجاء فی صِفَةِ حُرَابِ أَهْلِ النَّارِ ۴۱۴
- باب ماجاء فی خُلُودِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَ أَهْلِ النَّارِ ۳۹۳ اہل دوزخ کے مشروب ۴۱۶
- جنت و دوزخ میں ہمیشہ کے لئے رہنا ہوگا ۳۹۶ باب ماجاء فی صِفَةِ طَعَامِ أَهْلِ النَّارِ ۴۱۷
- سوئے دُخ کر دیا جائے گا ۳۹۸ اہل دوزخ کا کھانا ۴۲۰
- باب ماجاء خَفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِ وَ خَفَّتِ ۳۹۸ دوزخیوں کے منہ بد شکل ہوں گے ۴۲۱

- دوزخیوں کو باندھنے کی زنجیر..... ۴۲۱
- باب مَا جَاءَ أَنْ نَارَ كُمْ هَذِهِ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِينَ..... ۴۲۲
- باب منہ..... ۴۲۲
- دوزخ کی آگ کی گرمی..... ۴۲۳
- باب مَا جَاءَ أَنَّ النَّارَ تَفْسِسُ وَمَا ذُكِرَ مِنْ يَخْرُجُ..... ۴۲۳
- جہنم دوسانس لیتی ہے..... ۴۲۷
- گنہگار مسلمان بھی بالاخر جنت میں داخل کر دیا جائے گا..... ۴۲۸
- جنت کے حصول اور جہنم سے بچنے کی کوشش..... ۴۲۹
- باب مَا جَاءَ أَنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ النِّسَاءُ..... ۴۳۰
- جہنم میں اکثریت عورتوں کی ہوگی..... ۴۳۰
- باب..... ۴۳۱
- جہنم کا ادنیٰ درجہ کا عذاب..... ۴۳۱
- باب..... ۴۳۲
- جنت اور جہنم میں کون لوگ داخل ہوں گے..... ۴۳۲
- ابواب الایمان من رسول اللہ ﷺ..... ۴۳۳
- ایمان کے لغوی معنی..... ۴۳۳
- ایمان کی تعریف..... ۴۳۳
- باب مَا جَاءَ أَمْرٌ أَنْ أَقَابِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا:..... ۴۳۴
- کفار سے جنگ کا حکم..... ۴۳۵
- حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جرأت مندانہ فیصلہ..... ۴۳۶
- باب مَا جَاءَ أَمْرٌ أَنْ أَقَابِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا:..... ۴۳۸
- کفر کی تعریف اور اسکی اہم تشریح..... ۴۳۸
- کفر کی اقسام..... ۴۳۹
- مومن ہونے کیلئے تمام ضروریات دین پر ایمان..... ۴۳۹
- باب مَا جَاءَ بَيْنِي وَالْإِسْلَامَ عَلَى خَمْسٍ..... ۴۴۱
- ارکان اسلام..... ۴۴۱
- باب مَا جَاءَ فِي وَضْفِ جَبْرِئِيلَ لِلنَّبِيِّ ﷺ..... ۴۴۱
- حدیث جبرئیل کی اہمیت اور اس کا پس منظر..... ۴۴۳
- سب سے پہلے تقدیر کا انکار کس نے کیا..... ۴۴۴
- اس ”رجل“ کی صفات..... ۴۴۵
- ایمان اور اسلام کے درمیان نسبتوں کا بیان..... ۴۴۵
- احسان کے معنی اور اس کے درجات..... ۴۴۷
- ”احسان“ کی شرح میں دو قول ہیں..... ۴۴۷
- علامات قیامت..... ۴۴۹
- اس روایت سے چند اہم امور کا ثبوت..... ۴۵۰
- باب مَا جَاءَ فِي إِضَافَةِ الْقُرْآنِ إِلَى الْإِيمَانِ..... ۴۵۱
- وفد عبد القیس..... ۴۵۱
- باب مَا جَاءَ فِي امْتِكْمَالِ الْإِيمَانِ..... ۴۵۲
- ایمان کے بارے میں اہم مباحث..... ۴۵۵
- ایمان بسیط ہے یا مرکب..... ۴۵۵
- ایمان کے بارے میں اہل سنت کا آپس میں اختلاف..... ۴۵۶
- اعمال کی جزئیت پر دلائل..... ۴۵۷
- مذکورہ دلائل کا جواب..... ۴۵۸
- اعمال کے جزء نہ ہونے پر متکلمین کے دلائل..... ۴۵۸
- ایمان میں زیادتی اور کمی کا مسئلہ..... ۴۵۹
- باب مَا جَاءَ الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ..... ۴۶۱
- حیاء کے معنی اور اسکی اقسام..... ۴۶۱
- حیاء ایمان کا اہم شعبہ ہے..... ۴۶۲
- باب مَا جَاءَ فِي حُزْمَةِ الصَّلَاةِ..... ۴۶۲
- باعث نجات اعمال..... ۴۶۳

- باب مائہی غنہ أن یقال عند حدیث النبی ﷺ ۵۰۳
- الکار حدیث جائز نہیں ۵۰۴
- حدیث: ایک دلیل شرعی ۵۰۴
- مکرین حدیث کے نظریات ۵۰۵
- پہلے نظریہ کی تردید ۵۰۵
- دوسرے نظریہ کی تردید ۵۰۶
- تیسرے نظریہ کی تردید ۵۰۶
- مکرین حدیث کے دلائل ۵۰۷
- باب ماجاء فی کذاویہ کتابہ العلم ۵۰۸
- باب ماجاء فی الرخصة فیہ ۵۰۸
- حدیث لکھنے کا حکم ۵۰۹
- حضرت ابو ہریرہ کی روایات زیادہ ہونے کے اسباب ۵۱۰
- باب ماجاء فی الحدیث عن بنی اسرائیل ۵۱۲
- بنی اسرائیل سے روایت کرنے کا حکم ۵۱۲
- باب ماجاء أن الدال علی الخیر کفاحلہ ۵۱۳
- خیر کا راستہ بتانے والے کی فضیلت ۵۱۵
- باب ماجاء فیمن دعا الی ہذی ۵۱۶
- ہدایت اور گمراہی کا ذریعہ بننے والے کا حکم ۵۱۶
- باب ماجاء فی الأخذ بالشئ والاجتناب البذع ۵۱۷
- سنت پر عمل کرنے اور بدعت سے بچنے کا حکم ۵۱۸
- باب فی الإنقیاء عما لہی غنہ رسول اللہ ﷺ ۵۲۰
- ممنوع اشیاء سے اجتناب کا حکم ۵۲۰
- باب ماجاء فی عالم المدینة ۵۲۱
- عالم مدینہ سے کون مراد ہے ۵۲۱
- باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة ۵۲۲
- علم کی فضیلت عبادت پر ۵۲۴
- تقوی کا حکم ۵۲۶
- متافق میں دو خصالتیں جمع نہیں ہو سکتیں ۵۲۷
- دینی استاذ کی فضیلت ۵۲۷
- مؤمن کا ذوق علم ۵۲۷
- ابواب الاستیذان والآداب ۵۲۹
- باب ماجاء فی إفتاء السلام ۵۲۹
- سلام کو پھیلانے کا حکم ۵۳۰
- باب ما ذکر فی فضل السلام ۵۳۱
- سلام کرنے کی فضیلت ۵۳۱
- باب ماجاء فی أن الإمتطدان ثلاثة ۵۳۱
- تین مرتبہ تک اجازت طلب کرنے کا حکم ۵۳۳
- باب ماجاء کیف رد السلام ۵۳۴
- سلام کا جواب دینے کا طریقہ ۵۳۵
- باب ماجاء فی تبلیغ السلام ۵۳۵
- غائبانہ سلام اور اس کے جواب کا مسنون طریقہ ۵۳۵
- باب ماجاء فی فضل الودی یندأ بالسلام ۵۳۶
- سلام میں پہل کرنے کی فضیلت ۵۳۶
- باب ماجاء فی کذاویہ إشارۃ الیدی بالسلام ۵۳۶
- اشاروں کے ذریعہ سلام کرنے کا حکم ۵۳۶
- باب ماجاء فی التسليم علی الصبیان ۵۳۷
- بچوں کو سلام کرنا سنت ہے ۵۳۷
- باب ماجاء فی التسليم علی النساء ۵۳۷
- اجنبی عورت کو سلام کرنے کا مسئلہ ۵۳۸
- باب ماجاء فی التسليم إذا دخل بیتہ ۵۳۸

- ۵۳۸..... اپنے اہل خانہ کو بھی سلام کیا جائے۔
 ۵۳۹..... باب ماجاء فی السّلام قبل الکلام۔
 ۵۳۹..... پہلے سلام پھر کلام۔
 ۵۳۹..... باب ماجاء فی کُزِ اَھِیۃُ التَّنْصِیْمِ عَلٰی اَھْلِ الدِّمۃِ۔
 ۵۴۰..... اہل ذمہ اور کافر کو سلام کرنے کا مسئلہ۔
 ۵۴۱..... حضور ﷺ کو برا بھلا کہنے والے کا حکم۔
 ۵۴۲..... باب ماجاء فی السّلام عَلٰی مَنْجَلِیْسِ فِیْہِ۔
 ۵۴۲..... مسلم و کفار کے اجتماع کو سلام کرنے کا طریقہ۔
 ۵۴۲..... باب ماجاء فی تَنْصِیْمِ الزَّاکِبِ عَلٰی الْمَاشِیِ۔
 ۵۴۳..... کون کس کو سلام کرے۔
 ۵۴۴..... باب ماجاء فی التَّنْصِیْمِ حِنْدَ الْقِیَامِ وَ حِنْدَ الْقُعُودِ۔
 ۵۴۴..... رخصت ہوتے وقت بھی سلام کرنے کا حکم۔
 ۵۴۵..... باب ماجاء فی الْاِسْتِثْذَانِ قُبَالَۃِ اَنْہِیۡتِ۔
 ۵۴۵..... اجازت کیلئے گیٹ کے ایک طرف۔
 ۵۴۶..... باب مَنْ اَطْلَعَ فِی دَارِ قَوْمٍ بِغَیْرِ اَذْنِہِمُ۔
 ۵۴۷..... کسی کے گھر میں جھانکنا جائز نہیں۔
 ۵۴۷..... باب ماجاء فی التَّنْصِیْمِ قَبْلَ الْاِسْتِثْذَانِ۔
 ۵۴۸..... اجازت سے پہلے سلام کرنے کا حکم۔
 ۵۴۹..... باب ماجاء فی کُزِ اَھِیۃُ طُرُوقِ الرِّجْلِ اَھْلَہُ لَیْلًا۔
 ۵۴۹..... سفر سے واپسی میں رات کے وقت گھر آنے کا حکم۔
 ۵۵۰..... باب ماجاء فی قُتْرِیْبِ الْکِتَابِ۔
 ۵۵۰..... تحریر کو خاک آلود کرنے کے معنی۔
 ۵۵۱..... باب۔
 ۵۵۱..... کتابت کے وقت قلم کو کان پر رکھنا چاہئے۔
 ۵۵۱..... باب ماجاء فی تَغْلِیْمِ الشَّیْءِ یَاۡئِیۡۃً۔
- ۵۵۲..... ضرورت کے وقت غیر مسلم تو مسوں کی زبان سیکھنے کا حکم۔
 ۵۵۳..... باب فی مِکَاتِبۃِ الْمُشْرِکِیۡنَ۔
 ۵۵۳..... مشرکین کی طرف خط و کتابت۔
 ۵۵۳..... نجاشی کا ذکر۔
 ۵۵۴..... باب ماجاء کَیْفَ یُکْتَبُ اِلٰی اَھْلِ الشُّرُکِ۔
 ۵۵۵..... اہل شرک وغیرہ کی طرف خط لکھنے کے آداب۔
 ۵۵۶..... کیا ہر قل مسلمان ہو گیا تھا۔
 ۵۵۶..... بسم اللہ کی جگہ ۷۸۶ لکھنے کی شرعی حیثیت۔
 ۵۵۷..... باب ماجاء فی خُتْمِ الْکِتَابِ۔
 ۵۵۷..... تحریر پر ہم لگانے کا جواز۔
 ۵۵۷..... باب کَیْفَ السّلام۔
 ۵۵۸..... سلام کرنے میں بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچائی جائے۔
 ۵۵۸..... باب ماجاء فی کُزِ اَھِیۃُ التَّنْصِیْمِ عَلٰی مَنْ یَّهْوٰی۔
 ۵۵۹..... بعض مواقع پر سلام کرنا مکروہ ہے۔
 ۵۵۹..... باب ماجاء فی کُزِ اَھِیۃُ اَنْ یَقُوْلَ۔
 ۵۶۰..... سلام کے مسنون الفاظ۔
 ۵۶۱..... باب۔
 ۵۶۲..... مجلس میں بیٹھنے کے آداب۔
 ۵۶۳..... باب ماجاء فی الْجَالِیْسِ عَلٰی الطَّرِیْقِ۔
 ۵۶۳..... راستہ پر بیٹھنے کے حقوق۔
 ۵۶۳..... باب ماجاء فی الْمَصَافَحَةِ۔
 ۵۶۴..... مصافحہ ایک ہاتھ سے مسنون ہے یا دونوں ہاتھوں سے۔
 ۵۶۵..... باب ماجاء فی الْمَعَانِقَةِ وَالْقُبْلَةِ۔
 ۵۶۵..... معانقہ مسنون ہے۔
 ۵۶۶..... باب ماجاء فی قُبْلَةِ الْیَدِوِ الرِّجْلِ۔

- ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دینے کا مسئلہ..... ۵۶۷
- دو بیہود یوں کا حضور ﷺ سے ایک سوال..... ۵۶۸
- باب ماجاء فی مزاجنا..... ۵۶۹
- آنے والے شخص کیلئے اچھے کلمات کہنا سنت ہے..... ۵۷۰
- کچھ حضرت عمرؓ بن ابی جہل کے بارے میں..... ۵۷۰
- باب ماجاء فی تشبہت الغاطس..... ۵۷۱
- چھینک کا جواب دینے کی حیثیت..... ۵۷۱
- باب ماجاء کئی تشبہت الغاطس..... ۵۷۲
- چھینک کا جواب کن الفاظ سے دیا جائے..... ۵۷۳
- باب ما یقول الغاطس إذا غطس..... ۵۷۴
- چھینکنے کی دعا..... ۵۷۴
- باب ماجاء فی إيجاب التشبہت..... ۵۷۵
- چھینک کا جواب کب دیا جائے..... ۵۷۵
- باب ماجاء کئی تشبہت الغاطس..... ۵۷۵
- چھینک کا جواب کتنی مرتبہ تک دیا جائے..... ۵۷۶
- باب ماجاء فی تخفیف الضوب وقصور..... ۵۷۶
- چھینک مارنے کے آداب..... ۵۷۷
- باب ماجاء إن لله یحب الغطاس ویکرہ التثاؤب..... ۵۷۷
- چھینک پسندیدہ اور بھائی نا پسندیدہ ہے..... ۵۷۸
- باب ماجاء إن الله یحب الغطاس فی الصلاة من الشیطان..... ۵۷۸
- نماز میں چھینک کا آنا پسندیدہ نہیں..... ۵۷۸
- باب کز اہیة أن یقام الرجل من مجلسہ..... ۵۷۹
- دوسرے کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنا جائز نہیں..... ۵۷۹
- باب ماجاء إذا قام الرجل من مجلسہ ثم رجع..... ۵۸۰
- باب ماجاء فی کز اہیة الجلوس بین الرجلین..... ۵۸۰
- دو شخصوں کے درمیان بیٹھنے کا حکم..... ۵۸۰
- باب ماجاء فی کز اہیة القعود وسط الخلق..... ۵۸۱
- مجمع کے درمیان گھسنے کا حکم..... ۵۸۱
- باب ماجاء فی کز اہیة قیام الرجل للرجل..... ۵۸۱
- دوسرے انسان کیلئے کھڑے ہونے کا حکم..... ۵۸۲
- باب ماجاء فی تقلیم الأظفار..... ۵۸۳
- انور فطرت کا ذکر..... ۵۸۳
- باب فی التقلیم فی تقلیم الأظفار..... ۵۸۶
- کتنی مدت میں مونچھیں اور ناخن کاٹے جائیں..... ۵۸۷
- باب ماجاء فی قصی الشارب..... ۵۸۷
- مونچھیں تراشنے کا طریقہ اور حکم..... ۵۸۸
- باب ماجاء فی الأخذ من اللحية..... ۵۸۹
- باب ماجاء فی إعفاء اللحية..... ۵۹۰
- داڑھی کی مقدار..... ۵۹۰
- باب ماجاء فی وضع إحدی الرجلین علی..... ۵۹۱
- باب ماجاء فی الکز اہیة فی ذلک..... ۵۹۲
- ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر لیٹنے کا حکم..... ۵۹۲
- باب ماجاء فی کز اہیة الإضطجاع علی البطن..... ۵۹۳
- پیٹ کے بل سونا نا پسندیدہ ہے..... ۵۹۳
- باب ماجاء فی حفظ العزرة..... ۵۹۳
- ستر کو ڈھانچنے کا حکم..... ۵۹۳
- باب ماجاء فی الإتياء..... ۵۹۵
- تکیہ پر ٹیک لگانے کا حکم..... ۵۹۵
- باب..... ۵۹۵
- مقرر امام ہی نماز پڑھائے..... ۵۹۵

- باب ماجاء أَنَّ الزَّجْلَ أَحَقُّ بِضَرْبِ ذَاتِهِ..... ۵۹۶ مردوں اور عورتوں کی خوشبو میں فرق..... ۶۱۲
- حدیث سے چند امور کا ثبوت..... ۵۹۶ باب ماجاء فی کُزْهِیَةِ ذَا الطَّيْبِ..... ۶۱۲
- باب ماجاء فی الرُّخَصَةِ فی اتِّخَاذِ الْأَتْمَاعِ..... ۵۹۷ خوشبو سے انکار نہیں کرنا چاہئے..... ۶۱۳
- انماط کو استعمال کرنے کی اجازت..... ۵۹۷ باب ماجاء فی کُزْهِیَةِ مَبَاشَرَةِ الزَّجْلِ..... ۶۱۳
- باب ماجاء فی زُكُوبِ ثَلَاثَةِ عَلَيَّ ذَاتِهِ..... ۵۹۸ شوہر کے سامنے کسی دوسری عورت کے جسم کا..... ۶۱۳
- جانور پر تین آدمی سوار ہو سکتے ہیں..... ۵۹۸ ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہونا حرام ہے..... ۶۱۵
- باب ماجاء فی نَظَرَةِ الْمَفْجَاةِ..... ۵۹۹ باب ماجاء فی حِفْظِ الْعَوْرَةِ..... ۶۱۶
- کبلی نظر معاف ہے..... ۵۹۹ باب ماجاء أَنَّ الْقَحْذَ عَوْرَةٌ..... ۶۱۶
- باب ماجاء فی اخْتِجَابِ النِّسَاءِ مِنَ الزَّجَالِ..... ۶۰۰ ران ستر میں داخل ہے..... ۶۱۷
- عورتوں کا غیر محرم مردوں کو دیکھنے کا مسئلہ..... ۶۰۰ باب ماجاء فی التَّطَاةِ..... ۶۱۷
- شرعی پردہ کے درجات اور ان کے احکام کی تفصیل..... ۶۰۱ صفائی اور سترائی کا حکم..... ۶۱۸
- باب ماجاء فی الْإِسْتِثَارِ عِنْدَ الْجَمَاعِ..... ۶۰۳ جماع کے وقت بھی حتی الامکان پردہ میں رہا جائے..... ۶۱۹
- باب ماجاء فی تَحْذِيرِ فِئْتَةِ النِّسَاءِ..... ۶۰۳ مرد کیلئے سب سے بڑا فتنہ..... عورت..... ۶۰۳
- باب ماجاء فی کُزْهِیَةِ اتِّخَاذِ الْقُصَّةِ..... ۶۰۵ حمام، کلب اور تالابوں میں غسل کرنے کے احکام..... ۶۲۰
- باب ماجاء فی الرُّوْصِلَةِ وَالْمُسْتَوْصِلَةِ..... ۶۰۵ گناہوں پر مشتمل تقریبات میں شرکت کا حکم..... ۶۲۱
- خواتین کیلئے بالوں کے ساتھ دوسرے بال..... ۶۰۶ باب ماجاء أَنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِیهِ..... ۶۲۱
- گودنے والے عضو کی طہارت کا حکم..... ۶۰۸ تصویر والے گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے..... ۶۲۳
- باب ماجاء فی الْمُتَشَبِّهَاتِ بِالزَّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ..... ۶۰۸ ایک اشکال اور اس کا جواب..... ۶۲۳
- عورتوں کی مردوں کے ساتھ اور مردوں کی..... ۶۰۹ تصویر کا سر مٹا دیا جائے..... ۶۲۳
- باب ماجاء فی کُزْهِیَةِ خُرُوجِ الْمَرْأَةِ مَتَعَوِّزَةً..... ۶۱۰ باب ماجاء فی کُزْهِیَةِ لُبْسِ الْمُعْضَفَرِ..... ۶۲۳
- خوشبو لگا کر مردوں کے پاس سے گزرنے..... ۶۱۰ کسم سے رنگے ہوئے کپڑے کا حکم..... ۶۲۶
- باب ماجاء فی طِبِّ الزَّجَالِ وَالنِّسَاءِ..... ۶۱۱ باب ماجاء فی لُبْسِ الْبِیَاضِ..... ۶۲۷
- میرہ الار جوان کے معنی..... ۶۱۱ سفید کپڑے پہننے کی فضیلت..... ۶۲۸
- باب ماجاء فی الرُّخَصَةِ فی لُبْسِ..... ۶۲۸ باب ماجاء فی لُبْسِ..... ۶۲۸

- مردوں کیلئے سرخ رنگ کے کپڑے پہننے کا حکم..... ۶۲۹
- باب مَاجَاءَ فِي الْقَوْبِ الْأَخْضَرِ..... ۶۲۹
- سبز کپڑے پہننے کا حکم..... ۶۲۹
- باب مَاجَاءَ فِي الْقَوْبِ الْأَسْوَدِ..... ۶۲۹
- سیاہ لباس کا حکم..... ۶۳۰
- باب مَاجَاءَ فِي الْقَوْبِ الْأَخْضَرِ..... ۶۳۰
- باب مَاجَاءَ فِي كَوْنِ اهِيَةِ النَّزْغُفِرِ وَالْمَخْلُوقِ..... ۶۳۰
- خلوق اور زعفران کو استعمال کرنے کا حکم..... ۶۳۱
- باب مَاجَاءَ فِي كَوْنِ اهِيَةِ الْحَرِيرِ وَالذِّبْنَجِ..... ۶۳۳
- ریشی لباس کے استعمال کا مسئلہ..... ۶۳۳
- مردوں کیلئے ریشی لباس کی جائز مقدار..... ۶۳۳
- دنیا میں ریشی لباس استعمال کرنے والے مردوں کا حکم..... ۶۳۵
- باب..... ۶۳۵
- حضرت عمرؓ کو قبا دینے کا واقعہ..... ۶۳۶
- باب مَاجَاءَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُحِبُّ أَنْ يُرَى أَكْثَرُ لَغَمَوْهُ..... ۶۳۶
- اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا اظہار کیا جائے..... ۶۳۶
- باب مَاجَاءَ فِي الْخُفِّ الْأَسْوَدِ..... ۶۳۷
- سیاہ موزوں کا ذکر..... ۶۳۷
- باب مَاجَاءَ فِي التَّهْنِ عَنْ تَغْيِبِ الشَّيْبِ..... ۶۳۸
- سفید بال مسلمان کیلئے باعث وقار..... ۶۳۸
- باب مَاجَاءَ إِنَّ الْمُسْتَفْشَارَ مُؤَقَّتٌ..... ۶۳۹
- مشورہ دینے والے کیلئے حکم..... ۶۳۹
- باب مَاجَاءَ فِي الشُّؤْمِ..... ۶۳۹
- کیا گھر، عورت اور گھوڑے میں نحوس ہو سکتی ہے..... ۶۴۰
- باب مَاجَاءَ لَا يَتَنَاجَى الثَّانِي ذُوْنَ قَالِبٍ..... ۶۴۱
- تیسرے کی موجودگی میں دوا دمیوں کی سرگوشی کا حکم..... ۶۴۲
- باب مَاجَاءَ فِي الْعِدَّةِ..... ۶۴۲
- حضور ﷺ کے وعدہ کا صدیق اکبرؓ کی طرف..... ۶۴۳
- باب مَاجَاءَ فِي فِدَاكِ أَبِي وَأُمِّي..... ۶۴۳
- ”میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں“ کہنے کا حکم..... ۶۴۳
- باب مَاجَاءَ فِي يَابُنْتَى..... ۶۴۳
- کسی کو شفتا دینا کہ کر پکارنے کا حکم..... ۶۴۳
- باب مَاجَاءَ فِي تَغْيِيلِ اسْمِ الْمُؤَلُودِ..... ۶۴۵
- نومولود کا نام جلدی رکھنا سنت ہے..... ۶۴۵
- باب مَاجَاءَ مَا يَنْسَقِبُ مِنَ الْأَسْمَاءِ..... ۶۴۶
- اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ نام..... ۶۴۶
- باب مَا يَكُونُ مِنَ الْأَسْمَاءِ..... ۶۴۷
- چند ناپسندیدہ نام..... ۶۴۷
- شہنشاہ..... ذلیل ترین نام رلقب..... ۶۴۸
- باب مَاجَاءَ فِي تَغْيِيرِ الْأَسْمَاءِ..... ۶۴۹
- برے نام تبدیل کرنے کا حکم..... ۶۴۹
- بعض ناموں میں معنی کا لحاظ ہوتا ہے..... ۶۵۰
- باب مَاجَاءَ فِي أَسْمَاءِ النَّبِيِّ ﷺ..... ۶۵۰
- حضور ﷺ کے چند مخصوص نام..... ۶۵۱
- باب مَاجَاءَ فِي كَوْنِ اهِيَةِ الْجَمْعِ بَيْنَ اسْمِ..... ۶۵۲
- ابوالقاسم کنیت رکھنے کا حکم..... ۶۵۳
- باب مَاجَاءَ إِنَّ مِنَ الشَّعْرِ حِكْمَةً..... ۶۵۴
- بعض اشعار حکمت پر مشتمل ہوتے ہیں..... ۶۵۴
- باب مَاجَاءَ فِي إِشَادَةِ الشَّعْرِ..... ۶۵۴
- اشعار کہنے اور پڑھنے کا حکم..... ۶۵۶

- ۶۵۶..... حضرت حسان بن ثابت رسول اللہ ﷺ کے شاعر
- ۶۵۷..... حضرت عبداللہ بن رواحہ
- ۶۵۸..... مشہور شاعر لبید بن ربیعہ
- ۶۵۹..... دور جاہلیت کے اشعار کا تذکرہ
- ۶۶۰..... باب ماجاء فی لَانِ یَمُتِلٰی جَوْفَ اَحَدِکُمْ فَمِنْهَا
- ۶۶۰..... ہر وقت شعر و شاعری میں مصروف رہنے اور
- ۶۶۲..... باب ماجاء فی الْقَصَاحَةِ وَالْبِیَانِ
- ۶۶۲..... زبان درازی ایک ناپسندیدہ عمل
- ۶۶۳..... باب
- ۶۶۳..... رہن سہن سے متعلق چند آداب
- ۶۶۳..... باب
- ۶۶۳..... سفر سے متعلق چند آداب
- ۶۶۵..... باب
- ۶۶۵..... کس قسم کی چھت پر آرام کیا جائے
- ۶۶۶..... وعظ و نصیحت میں میزانہ روی کا حکم
- ۶۶۶..... باب
- ۶۶۶..... پسندیدہ عمل کونسا
- ۶۶۸..... ابواب الامثال من رسول اللہ ﷺ
- ۶۶۸..... باب ماجاء فی مَثَلِ اللّٰهِ لِعِبَادِهِ
- ۶۷۱..... بندوں کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی
- ۶۷۲..... باب ماجاء فی مَثَلِ النَّبِیِّ ﷺ وَالْاَنْبِیَاءِ قَبْلَهُ
- ۶۷۲..... قمر نبوت کی آخری اینٹ
- ۶۷۳..... باب ماجاء فی مَثَلِ الصَّلَاةِ وَالصَّیَامِ وَالصَّدَقَةِ
- ۶۷۵..... حضرت یحییٰ نے پانچ چیزوں کا حکم دیا
- ۶۷۶..... نبی کریم ﷺ نے پانچ چیزوں کا حکم دیا
- ۶۷۷..... کیا حضرت یحییٰ اور حضرت یحییٰ کا زمانہ ایک تھا.....
- ۶۷۸..... باب ماجاء فی مَثَلِ الْمُؤْمِنِ الْقَارِئِ لِلْقُرْآنِ
- ۶۷۹..... تلاوت کرنے اور نہ کرنے والے مؤمن کی مثال
- ۶۸۰..... مؤمن اور منافق کی مثال
- ۶۸۰..... مؤمن کی مثال درخت کھجور سے
- ۶۸۱..... باب مَثَلِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ
- ۶۸۲..... پانچ نمازوں کی مثال
- ۶۸۲..... باب
- ۶۸۲..... امت محمدیہ کی مثال بارش سے
- ۶۸۴..... باب ماجاء فی مَثَلِ ابْنِ آدَمَ وَ اَجَلُهُ وَاَمَلُهُ
- ۶۸۵..... موت اور امیدوں کی مثال
- ۶۸۶..... الناس کامل مائے کے دو مطلب
- ۶۸۶..... حضور ﷺ آگ جلانے والے کی طرح ہیں
- ۶۸۶..... اس امت کی فضیلت و خصوصیت
- ۶۸۸..... ایک اہم فائدہ
- ۶۸۹..... مصادر و مراجع

عرض مؤلف

آج سے تقریباً تین سال پہلے کی بات ہے کہ معارف ترمذی جلد اول منظر عام پر آئی، آہستہ آہستہ علمی حلقوں میں اپنا مقام بناتی گئی، اللہ کے فضل سے علماء اور طلباء نے اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا، اس جستجو میں رہے کہ اس کی دوسری جلد کب آئے گی، میں اپنے اندازے کے مطابق انہیں ایک وقت دیتا کہ اتنے عرصہ میں ان شاء اللہ معارف ترمذی جلد دوم چھپ کر آجائے گی، لیکن پھر بھی اس میں تاخیر ہوتی گئی، کیونکہ کسی بھی تحقیقی اور معیاری کام میں وقت ضرور خرچ ہوتا ہے، نہ چاہنے کے باوجود اس میں تاخیر ہو ہی جاتی ہے، یوں اس جلد کے آنے میں وقت کا اتنا عرصہ لگ گیا۔

.....☆☆☆.....

معارف ترمذی جلد دوم میں ابواب الفتن، ابواب الروایا، ابواب الشهادة، ابواب الزهد، ابواب صفة القيامة، ابواب صفة الجنة، ابواب صفة جہنم، ابواب الایمان، ابواب العلم، ابواب الاستیذان والاداب اور ابواب الامثال کی شرح کی گئی ہے۔

.....☆☆☆.....

اس جلد کی تحریر و تالیف میں بھی وہی انداز اور اسلوب اختیار کیا گیا ہے، جو معارف ترمذی جلد اول میں تھا، چنانچہ ہر حدیث پر اعراب، با محاورہ اردو ترجمہ، مشکل الفاظ کے معنی، عنوان لگا کر احادیث کی تشریح، فقہی مسائل کا ذکر دلائل کے ساتھ، عام فہم انداز، لمبی بحثوں سے کنارہ کشی اور ہر بات کا مستند حوالہ ذکر کیا گیا ہے۔

یہ ابواب جن کی اس کتاب میں شرح کی گئی ہے، اس لحاظ سے انتہائی اہم اور قابل توجہ ہیں کہ ان میں مذکور احادیث انسانی زندگی کو صحیح رخ پر ڈالنے اور اس پر استقامت اختیار کرنے کے لئے غیر معمولی طور پر اثر کرتی ہیں، ان کے مطالعہ کے بعد آدمی لامحالہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ بس یہ دنیا ایک دو کھے کا گھر ہے، بالآخر اس نے ایک دن تہس نہس اور ختم ہو جاتا ہے، اور پھر ہر انسان نے اپنے کئے کا حساب دینا ہے..... یہ وہ فکر ہے جو یہ احادیث پیدا کرتی ہیں، سوئے ہوئے ضمیر کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر یہ

کہتی ہیں کہ خواب غفلت سے نکل آؤ، اور نہ ختم ہونے والی زندگی کے لئے کچھ زاہد راہ بنا لو، لیکن شرط یہ ہے کہ پوری توجہ کے ساتھ صدق دل سے ان احادیث کو پڑھا جائے، محض سرسری نظر ڈالنے سے یہ فکر حاصل نہیں ہوتی، تاہم اس شرح کو پڑھ کر اگر کسی محترم قاری کی عملی زندگی میں یہ فکر بیدار ہو گئی تو یہ میری بہت بڑی سعادت ہوگی، کہ یہی اس کتاب کا بنیادی مقصد ہے۔

.....☆☆☆.....

اپنی بساط کی حد تک اس کتاب کی تالیف میں ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ اس میں کسی قسم کی کوئی غلطی باقی نہ رہے، اور ہر بات مکمل احتیاط اور تحقیق کے ساتھ لکھی گئی ہے، اس کے باوجود اگر کسی محترم قاری کے سامنے اس کی کوئی بات حقیقت کے خلاف معلوم ہو تو ازراہ کرم دلیل کے ساتھ اس سے مطلع فرمادیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس غلطی کی اصلاح کر دی جائے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اس معمولی سی محنت کو اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائے، ان احادیث پر مجھے اور تمام پڑھنے والوں کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، اس شرح کو میرے لئے، میرے والدین اور تمام اساتذہ کرام کے لئے صدقہ جاریہ، عفو و درگزر، اپنی رضا و خوشنودی اور مغفرت کا ذریعہ بنائے اور اپنے فضل و کرم سے دین کی مخلصانہ خدمت کے لئے مزید قبول فرمائے، اور اس شرح کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

طالب دعا
محمد طارق

استاذ حدیث و مفتی جامعہ فریدیہ E-7 اسلام آباد

ومدیہ جامعہ مریم للبنات F-10/3،

سٹریٹ C-7، مکان نمبر 72، اسلام آباد

25 محرم الحرام 1432ھ

31 دسمبر 2010م

0333-5375336

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ابواب الفتن من رسول الله ﷺ

حضور ﷺ سے فتنوں سے متعلق احادیث پر مشتمل ابواب

فتن: فتنہ کی جمع ہے اس کے مختلف معنی ہیں مثلاً آزمائش، امتحان، ابتلاء، گناہ، مال و دولت، اولاد، عذاب، جنون، محنت، اور کسی چیز کو پسند کرنا وغیرہ۔

امام راغب فرماتے ہیں کہ فتن (قام پر زبر اور تاء کے سکون کے ساتھ) کے معنی ہیں: سونے کو آگ کی بجٹی میں ڈالا جائے تاکہ کھوٹے اور کھرنے میں امتیاز ہو جائے، یہ لفظ انسان کو آگ میں ڈالنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یوم ہم علی النار یفتنون، اور عذاب کے معنی میں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الا فی الفتنۃ سقطوا، اور آزمائش کے معنی میں جیسے وفتناک فتونا، یہ لفظ خیر و شر دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے مگر شر میں اس کا استعمال زیادہ ہے۔

فتنہ ان امور میں سے ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہوتی ہے اور انسان کی طرف بھی، جب اس کی نسبت اللہ کی طرف ہو کہ اللہ نے ان کو فتنے میں ڈالا ہے تو اس وقت یہ حکمت اور مصلحت کے معنی میں ہوگا، اور اگر اس کی نسبت بندے کی طرف ہو تو اس وقت یہ شر اور برائی کے معنی میں ہوتا ہے جیسے والفتنۃ اشد من القتل۔

کتب حدیث میں کتاب الفتن یا ابواب الفتن کے عنوان میں ان احادیث کو ذکر کیا جاتا ہے جن میں مستقبل میں پیش آنے والے فتنوں اور ان کی ٹوشن گویوں کا ذکر ہوتا ہے، ان سے مسلمانوں کو ڈرانا مقصود ہوتا ہے اور یہ کہ فتنے کے دور میں مسلمان کو کیا اعمال کرنے چاہئیں تاکہ ان سے بچا جاسکے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِأَخْذِ ثَلَاثٍ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین چیزوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے۔

عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف أن عثمان بن عفان أشرف يوم الدار فقال: أئشذكم بالله أتعلمون أن رسول الله ﷺ قال: لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِأَخْذِ ثَلَاثٍ: زَنَى بَعْدَ إِحْصَائِهِ، أَوْ أَرَادَ بَعْدَ إِسْلَامِهِ، أَوْ قَتَلَ نَفْسَ بَغِيرِ حَقِّ قَتْلٍ بِهِ، فَوَلَّاهُ مَا زَانَيْتَ فِي جَاهِلِيَّتِهِ وَلَا فِي إِسْلَامِهِ، وَلَا أَرَادَ ذَلِكَ مِنْهُ بَاتِيغَثَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَلَا قَتَلَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ، فِيمَ تَقْتُلُونَنِي؟

ابو امامہ بن سہل کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے مجھ سے کہا: اوپر سے مجھ کا اور فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا

ہوں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین وجوہ میں سے کسی ایک کی وجہ سے، محض ہونے کے بعد زنا کرنا، یا اسلام کے بعد مرتد ہو جانا یا کسی کو ناحق قتل کرنا تو اس کے قصاص میں قتل کیا جائیگا، (اور سن لو) اللہ کی قسم میں نے کبھی زنا نہیں کیا، نہ زمانہ جاہلیت میں اور نہ زمانہ اسلام میں اور نہ میں اسلام سے پھرا ہوں، جب سے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت ہوا ہوں، اور نہ میں نے کسی ایسے نفس کو قتل کیا جسے اللہ نے حرام کیا ہے (جب ان وجوہ میں سے کوئی وجہ بھی میرے اندر نہیں پائی جاتی) تو پھر کس وجہ سے تم مجھے قتل کرتے ہو۔

مشکل الفاظ کی تشریح:۔ اشرف: اوپر سے جھانکا۔ یوم الدار: جماصرے کے دن اہل فتنہ نے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا گھراؤ کیا تا کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ انشد کھم: (شین پر پیش) میں تم کو قسم دیتا ہوں۔ اُنعلمون: اس میں ہمزہ برائے تقریر ہے، معنی ہیں فدا تعلمون تحقیق تم جانتے ہو۔ احصان: پاکدامن اور شادی شدہ ہونا۔

شہادت عثمان

اس باب میں امام ترمذی نے وہ حدیث ذکر کی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب شر پسندوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسلام کے تیسرے خلیفہ اور حضرت عمر فاروق کے بعد مسلمانوں کے امیر و حکمران بنے تھے، آپ کی خلافت کا ابتدائی نصف زمانہ بڑا پرسکون، نظم و ضبط اور استحکام پر مبنی تھا، بعد میں کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے خلافت میں استحکام نہ رہا، طرح طرح کی سازشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، آپ نہایت بردبار، چشم پوش اور عفو و درگزر کے پیکر تھے، اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک میں مشہور و معروف تھے، انہوں نے اخلاص نیت کے ساتھ بعض ان رشتہ داروں کو سرکاری منصب و عہدوں پر فائز کیا جن کو وہ ان عہدوں کیلئے دینا اہل اور مناسب سمجھتے تھے، رشتہ داروں کی ذاتی طور پر مالی معاونت بھی کیا کرتے تھے۔

عبداللہ بن سبا بن کے شہر صنعاء کا یہودی باشندہ تھا، اس نے دیکھا کہ حضرت عثمان کے دور میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ وسیع اور مال غنیمت خوب حاصل ہو رہا ہے، تو وہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گیا، وہ جزیرہ عرب سے اپنی جلا وطنی کا بدلہ بھی لینا چاہتا تھا، مدینہ میں آ کر منافقانہ انداز سے اسلام قبول کر لیا، درپردہ اپنی شرارتوں میں مصروف رہا، جب کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تو دیگر مختلف شہروں سے ہوتا ہوا مصر پہنچا، وہاں اس کی سازشوں کا حلقہ وسیع ہوا، وہاں سے وہ شر پسند مدینہ آنا شروع ہو گئے۔

ابن سبا نے مسلمانوں میں اختلاف ڈالنے کیلئے حضرت علی کا ساتھ دینا شروع کر دیا کہ آپ پر ظلم ہوا ہے، خلافت کے اہل آپ تھے..... اس کیلئے اس نے حضرت علی کی طرف سے اپنی حمایت کا ایک جعلی خط بھی تیار کیا تھا، لیکن حضرت علی نے کسی بھی طرح سے اس کی تائید اور سازش سے صاف انکار کر دیا تھا، موسم حج میں ابن سبا نے حضرت عثمان سے مطالبہ کیا کہ مصر کا

گورز تبدیل کریں کیونکہ ہم پر بہت ظلم ہو رہا ہے، حضرت عثمان نے ظلم کی تفصیل پوچھی تو وہ کچھ ثابت نہ کر سکے، مدینہ میں آ کر اس نے دوبارہ گورز کی تبدیلی کا مطالبہ کیا اور مزید مطالبہ کیا کہ محمد بن ابی بکر کو مصر کا گورنر نامزد کر دیں، حالات کو صحیح رخ پر لانے کیلئے حضرت عثمان نے اس کا یہ مطالبہ منظور کیا، اور محمد بن ابی بکر کو مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔

چونکہ مخالفین کا اصل مقصد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ختم کرنا اور انہیں قتل کرنا تھا، اس لئے وہ مسلسل اپنی سازشوں میں مصروف رہے، اس صورتحال کو بگاڑنے میں بڑا دخل مروان بن حکم کا تھا جو حضرت عثمان کا چچا زاد بھائی اور ان کا وزیر تھا، اس نے حضرت عثمان کی مرورت اور نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھایا، اس کے رویے سے اہل مدینہ بھی دل برداشتہ تھے، اور چاہتے تھے کہ کسی طرح مروان سے نجات حاصل ہو جائے، مخالفین حضرت عثمان سے یہ مطالبہ بھی کرتے تھے کہ مروان کو ہمارے حوالے کر دیں، حضرت عثمان نے فرمایا کہ تمہیں جو اس پر اعتراض ہیں انہیں دلیل سے ثابت کرو،..... بہر حال حضرت عثمان نے ان کا یہ مطالبہ تسلیم نہیں فرمایا، وہ نہیں چاہتے تھے کہ مروان کو اپنے سامنے مدینہ میں قتل ہوتا دیکھیں، رفتہ رفتہ شریپندوں نے حضرت عثمان کا گھیرا جگ کر لیا، پانی بند کر دیا، مسجد جانے سے روک دیا، اس موقع پر حضرت عثمان نے مذکورہ حدیث انہیں دہلوار کے اوپر سے سنائی کہ شرعاً قتل کے تین اسباب ہیں کہ کسی کو ناحق قتل کیا جائے، شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کیا جائے اور یا مرتد ہو جائے، یہ اسباب محمد اللہ میرے اندر نہیں پائے جا رہے تو پھر تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔

حضرت علی اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام نے جب دیکھا کہ شریپند اب حضرت عثمان کے گھر کا دروازہ توڑ کر انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے اپنے صاحبزادوں کو ان کی حفاظت کیلئے دروازے اور چھت پر کھڑا کر دیا، لیکن شریپندوں نے یہ چال چلی کہ خفیہ طور پر ایک پڑوسی کے مکان میں گھس گئے اور دیوار پھانڈ کر حضرت عثمان کے گھر میں داخل ہو گئے، اس وقت مکان کے اندر صرف حضرت عثمان تھے اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہ، اندر نکھتے ہی شریپندوں نے حضرت عثمان پر تلوار چلائی جو قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف تھے، ان کی بیوی نے فوراً آگے بڑھ کر تلوار کو ہاتھ سے روکا، جس سے ان کی انگلیاں کٹ کر گر گئیں، پھر دوسرا وار کیا جس سے حضرت عثمان شہید ہو گئے، مزید تشدد کر کے ان کی پسلیاں توڑ دیں، پھر شریپندوں کا ایک ہجوم ان کے گھر داخل ہو گیا اور گھر کا سارا سامان لوٹ لیا۔

یہ المناک حادثہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ جمعہ کے دن پیش آیا، مدینہ میں چونکہ شدید خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا، اس لئے تین دن تک حضرت عثمان کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی، تین دن کے بعد بڑی جدوجہد کر کے رات کے وقت ان کا غسل کے انہی کپڑوں میں دفن کر دیا گیا، آپ کی نماز جنازہ حضرت جبیر بن مطعم نے پڑھائی۔ (۱)

قتل کے چند اسباب

اس حدیث میں قتل کے تین اسباب ذکر کئے گئے ہیں، اس پر شبہ یہ ہوتا ہے کہ روایات میں قتل کرنے کے دیگر اسباب بھی مذکور ہیں، مثلاً کوئی حملہ کر دے تو دفاع کیلئے قتل جائز ہے، یا کوئی مال چھین لے تو اسے بھی مارا جاسکتا ہے، جو کسی جانور کے ساتھ بد فعلی کر لے تو اسے قتل کا حکم ہے، بعض نے قتل کے دس اسباب ذکر کئے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ قتل کے دیگر اسباب بھی ہیں جبکہ حدیث باب میں بڑے حصر اور تاکید کے ساتھ صرف قتل کے تین اسباب کا ہی ذکر ہے؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) داودی کہتے ہیں کہ حدیث باب قرآن مجید کی آیت مبارکہ: مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَإِنَّهُ أَوْ قَاتِلُهُ يُكْفَرُ۔ (۱) لہذا قتل کے اسباب تین میں ہی منحصر نہیں۔

(۲) قتل کے جتنے بھی اسباب ہیں وہ سب ان تین میں داخل ہیں، بالخصوص التارک لدینہ کا لفظ جو بعض روایات میں ہے، اس کا مفہوم عام ہے، جو باغی وغیرہ کو شامل ہے، اور حدیث باب میں صرف تین اسباب کا ذکر اس لحاظ سے ہے کہ عموماً یہ تین اسباب زیادہ پیش آتے ہیں، اس لئے روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي تَحْرِيمِ الدِّمَاءِ وَالْأَمْوَالِ

یہ باب (لوگوں کے) خون اور اموال کو حرام و ممنوع قرار دینے کے بیان میں ہے

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْأَخْوَصِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ لِلنَّاسِ: أَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟ قَالُوا: يَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ، قَالَ: فَإِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْوَابَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بِلَادِكُمْ هَذَا، أَلَا يَجْنِي جَانِبِي عَلَى وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُو ذَعْلَى وَالِدِهِ، أَلَا وَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَهَسَ أَنْ يُغْبِذَ فِي بِلَادِكُمْ هَذِهِ أَبَدًا، وَلَكِنْ سَتَكُونُ لَهُ طَاعَةٌ فِيمَا تَخْتَفُونَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَسْتَنْزِطُوا۔

حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ (آپ نے پوچھا) یہ کونسا دن ہے؟ لوگوں نے کہا: یوم الحج الاکبر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تمہارے درمیان حرام ہیں جیسے تمہارے اس دن کی حرمت ہے تمہارے اس شہر (مکہ) میں، آگاہ ہو جائیے کوئی جرم کرنے والا جرم نہیں کرتا مگر اپنے نفس پر ہی، خبردار کوئی گناہ کرنے والا اپنے بچہ پر گناہ نہیں کرتا اور نہ بچہ اپنے والد پر، بن لو بے شک شیطان اس بات سے ہمیشہ کے لئے مایوس

ہو چکا ہے کہ تمہارے ان شہروں (یعنی مکہ، حرمین اور جزیرہ عرب) میں اس کی عبادت کی جائے گی لیکن اس کی ان اعمال اور امور میں اطاعت ہوگی جن کو تم حقیر اور معمولی سمجھتے ہو، اور وہ اس پر راضی ہو جائے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- تحویم: حرام اور ممنوع قرار دینا، الدماء: دم کی جمع ہے، خون، نفس، جان۔ حجة: (حاجہ پر زبر اور زیر کے ساتھ) حج، ایک دفعہ کا حج۔ الوداع: (واؤ پر زبر کے ساتھ)، اس صورت میں یہ باب تفعیل کا مصدر ہوگا، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ واؤ کی زیر کے ساتھ باب مفاعلہ کا مصدر ہے، معنی ہیں: رخصت کرنا، اور حجة الوداع سے رسول اللہ ﷺ کا آخری حج بیت اللہ مراد ہے، اس حج میں نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو الوداع کیا یا حرم سے الوداع ہوئے، اس لئے اسے حجة الوداع کہا جاتا ہے۔ اھواض: (ہمزے کی زبر کے ساتھ) عرض (میں کی زیر کے ساتھ) کی جمع ہے: عزت و آبرو۔ جانی: جرم کرنے والا، گناہ کرنے والا۔ ایس: ناپوس اور ناامید ہوا۔ محضرون: تم حقیر اور معمولی سمجھتے ہو۔ سیرضی بہ: شیطان اس حقیر چیز پر ہی راضی ہو جائیگا۔

حج اکبر کا مفہوم

حج اکبر کی تفسیر میں علماء کرام کا اختلاف ہے:

- (۱) اکثر حضرات کے نزدیک ”حج اکبر“ سے مطلق حج مراد ہے، اسے ”اکبر“ عمرے کے اعتبار سے کہا گیا ہے کیونکہ عمرے کو حج اصغر یعنی چھوٹا حج کہا جاتا ہے، اس سے ممتاز کرنے کے لئے حج کو ”حج اکبر“ کہا گیا ہے۔
 - (۲) بعض کہتے ہیں کہ ”حج اکبر“ صرف وہی تھا جس میں نبی کریم ﷺ نے خود شرکت فرمائی تھی۔
- عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ جس سال عرفہ کے دن جمعہ ہو، صرف وہی حج اکبر ہے، قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس کی کوئی اصل نہیں، بلکہ قرآنی اصطلاح میں ہر سال کا حج ”حج اکبر“ ہی ہے، یہ اور بات ہے کہ حسن اتفاق سے جس سال نبی کریم ﷺ نے حج فرمایا اس میں یوم عرفہ جمعہ کو تھا، یہ اپنی جگہ فضیلت ضرور ہے کہ ایسا حج ان ستر حجوں سے افضل ہوتا ہے جو غیر جمعہ کو ادا کئے گئے ہوں، مگر حج اکبر کے مفہوم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔^(۱)

یوم الحج الاکبر کا مصداق

یوم الحج الاکبر سے کیا مراد ہے، اس میں حضرات مفسرین کے مختلف اقوال ہیں:

- (۱) حضرت عبداللہ بن عباس، فاروق اعظم، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر وغیرہ کے نزدیک اس سے یوم عرفہ مراد ہے کیونکہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: الحج عرفہ۔
- (۲) بعض کے نزدیک اس سے یوم النحر یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ مراد ہے، کیونکہ اس دن حج کے اکثر افعال یعنی صبح

صادق کے بعد وقوف مزدلفہ، حجرہ عقبہ کی رمی، ذبح، حلق اور طواف زیارت ادا کئے جاتے ہیں۔

(۳) حضرت سفیان ثوری اور بعض دوسرے آئمہ نے ان تمام اقوال کو جمع کرنے کے لئے فرمایا کہ حج کے پانچوں دن یوم الحج الاکبر کا مصداق ہیں، جن میں عرفہ اور یوم النحر دونوں داخل ہیں اور لفظ ”یوم“ کو مفرد لانا عربی محاورے کے اعتبار سے ہے، چنانچہ لفظ یوم سے بسا اوقات مطلق زمانہ یا چند ایام مراد لئے جاتے ہیں جیسے غزوہ بدر کے چند ایام کو قرآن کریم نے ”یوم الفرقان“ کے مفرد نام سے تعبیر کیا ہے، اسی طرح عرب کی عام جنگوں کو لفظ یوم ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے اگرچہ ان میں کتنے ہی ایام صرف ہوئے ہوں جیسے ”یوم بعاث“، ”یوم احد“، ”یوم الجمل“ اور ”یوم صفین“ وغیرہ۔ (۱)

حجۃ الوداع کے چند احکام

حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بہت سے احکام ارشاد فرمائے ہیں، جو دین کا خلاصہ ہیں، محدثین باب کی مناسبت سے اس خطبہ کا جو حصہ اس موقع کے مناسب ہو، ذکر کر دیتے ہیں، یہاں بھی اس خطبے کا کچھ حصہ مذکور ہے، ان احکام کی تفصیل یہ ہے:

(۱) ایک دوسرے کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت اور حرمت تم پر لازم ہے، جس طرح حج کا یہ دن اس شہر مکہ میں محترم ہے، کہ اس میں کسی کی جان و مال اور آبرو سے تعرض کرنا ناجائز ہے اسی طرح دیگر ایام میں بھی یہ چیزیں محترم ہیں اور ان سے تعرض کرنا حرام ہے۔

(۲) جو شخص کوئی جرم یا گناہ کرے گا تو اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا، باپ کے جرم کی سزا بیٹے کو یا بیٹے کے جرم کی سزا باپ پر یا اور کسی رشتہ دار پر نہیں ہوگی، زمانہ جاہلیت میں جرم ایک کرتا لیکن سزا اس کے باپ یا بیٹے یا رشتہ دار کو دی جاتی، یہ طریقہ چونکہ غلط تھا اس لئے نبی کریم ﷺ نے اس کی نفی فرمادی اور اس کو ناجائز قرار دیا۔

(۳) شیطان اس بات سے تو بایوس ہو چکا ہے کہ جزیرہ عرب میں اس کی پرستش ہو، البتہ کفر کے علاوہ دیگر مختلف قسم کے گناہوں کی وہ دعوت دے گا جس میں اس کی اطاعت ہوگی مثلاً قتل و غارت گری، جھوٹ، خیانت وغیرہ.....، بعض مسلمان ان کو بظاہر معمولی اور حقیر سمجھتے ہیں، لیکن شیطان بہر حال ان میں ضرور مبتلا کرے گا اور اس سے وہ خوش ہوگا۔

الاوان الشیطان قد ایس...

اس جملے کے مختلف مطلب بیان کئے گئے ہیں:

(۱) شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اہل ایمان جزیرہ عرب میں بتوں کی عبادت کریں گے، کیونکہ بتوں کی عبادت، شیطان کی عبادت ہے، مسلمان کذاب اور مانعین زکاۃ گوہ مرتد ہو گئے تھے تاہم انہوں نے بتوں کی عبادت نہیں کی۔

(۲) ایسا نہیں ہوگا کہ میری امت کے مسلمان نماز بھی پڑھیں اور بت پرستی بھی کریں، جیسا کہ یہود و نصاریٰ کیا کرتے تھے کیونکہ یہ بھی شیطان کی عبادت ہے۔

(۳) شیطان اس بات سے بیزار ہو چکا ہے کہ جزیرہ عرب میں دین اسلام کی شان و شوکت اور اس کا غلبہ ختم ہو جائے اور اس کی جگہ زمانہ جاہلیت کی طرح شرک و بت پرستی کا دور واپس آجائے البتہ مسلمانوں کو اللہ کی نافرمانی میں ضرور مبتلا کرے گا، اس سے وہ مایوس نہیں۔

ولکن مستکون له طاعة یعنی شیطان کی کفر کے علاوہ ان امور میں پیروی کی جائے گی جن کو بعض مسلمان معمولی سمجھتے ہیں یعنی صغیرہ اور کبیرہ گناہوں میں مسلمان اس کی اطاعت کریں گے اور ایک روایت میں ہے ولکن فی التحریش بہنہم یعنی شیطان لوگوں میں فتنہ و فساد اور اختلاف ڈالے گا، ایک دوسرے کے خلاف برا بیخفتہ کرے گا..... ان امور میں اس کی بات مانی جائے گی۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُزَوِّعَ مُسْلِمًا

یہ باب اس بیان میں ہے کہ کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کو ڈرائے

عَنْ يَزِيدَ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا يَأْخُذُكُمْ هَضْمُ أَخِيهِ لَا جِأَ جَاذًا، لَمَنْ أَخَذَ هَضْمًا أَخِيهِ فَلْيُزِدْهَا إِلَيْهِ۔

یزید بن سعید کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی لاشی نہ تو بطور مذاق کے لے اور نہ بطور سنجیدگی کے، لہذا جو شخص اپنے بھائی کی لاشی لے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کو واپس کر دے۔ مشکل الفاظ کے معنی: - یزید: (یا پریش، را پرزہ را اور او مشدوک سور) ڈرائے، گھبراہٹ میں ڈال دے۔ لاعبا بلہو و لعب اور مذاق کے طور پر۔ جادا: سنجیدگی کے طور پر۔ یہ دونوں لفظ یعنی لاعبا اور جادا ”لا يأخذ“ کی ضمیر فاعل سے حال ہیں۔

ایذاء مسلم حرام ہے

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کی چیز اس کی اجازت کے بغیر لینا جائز نہیں، خواہ وہ ہنسی مذاق میں لے یا سنجیدگی کے ساتھ، یا یہ کہ ابتداء میں تو مذاق میں لے لیکن بعد میں اس میں سنجیدہ ہو جائے اور اسے واپس نہ کرے، چونکہ یہ طرز عمل پریشانی اور تکلیف کا باعث بنتا ہے، اس لئے اس سے اجتناب کرنا چاہیے، حدیث میں لاشی کا ذکر بطور مثال کے ہے، ورنہ یہ حکم ہر چیز سے متعلق ہے، کہ کسی مسلمان کی چیز اس کی اجازت کے بغیر

لینا درست نہیں، چنانچہ ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ ”تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا سامان نہ لے“ لہذا اگر کسی نے دوسرے کسی مسلمان کی چیز لی ہو تو اسے ضرور واپس کر دینا چاہیے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي إِشَارَةِ الرَّجُلِ عَلَى أَخِيهِ بِالسَّلَاحِ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں آدمی کا اپنے بھائی پر ہتھیار سے اشارہ کرنے کا حکم مذکور ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ بِحَدِيدَةٍ لَعَنَتْهُ الْمَلَائِكَةُ.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے (دینی یا نسبی) بھائی پر لوہے یعنی ہتھیار سے اشارہ کرے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی دوری کی دعا کرتے ہیں)

بَاب النَّهْيِ عَنْ تَعَاطِي السَّيْفِ مَسْلُولاَ

یہ باب تلوار کو نیام سے نکال کر دینے اور لینے کی ممانعت کے بارے میں ہے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَتَعَاطَى السَّيْفَ مَسْلُولاَ.

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تلوار کو سونت کر دینے اور لینے سے منع فرمایا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- حدیدۃ: لوہا، اس سے اسلحہ اور ہتھیار مراد ہیں۔ تعاطی: دینا، لینا، استعمال کرنا۔ مسلولاً: تلوار سونت کر، نیام سے باہر نکال کر، کھلی تلوار

اسلحہ کے استعمال میں احتیاط کا حکم

مذکورہ دونوں بابوں کی احادیث سے معلوم ہوا کہ اسلحہ سے نہ تو کسی بھائی کو اشارہ کیا جائے اور نہ ہی کوئی ہتھیار کھول کر دوسرے کو دیا، یا لیا جائے، کیونکہ اس طرح کی بے احتیاطی میں بسا اوقات بہت نقصان ہو جاتا ہے، جیسے آئے دن ہندوق، پستول اور کلاشنکوف وغیرہ میں بے احتیاطی کی وجہ سے ہلاکتوں کا ذکر آتا رہتا ہے، اس لئے اگر اسلحہ ہو تو اسے خوب احتیاط سے استعمال کرنا چاہیے۔ (۲)

(۱) تحفة الاحوذی ۳۱۶/۶

(۲) تحفة الاحوذی ۳۱۸/۶

بَاب مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جو شخص نماز فجر (باجماعت) پڑھ لے تو وہ اللہ جل جلالہ کے ذمہ اور امان میں ہو جاتا ہے۔

عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قَالَ: مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللَّهِ فَلَا يَفْعَلُكُمْ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِنْ ذَمَّتْهُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز فجر (باجماعت) ادا کرے تو وہ اللہ

تعالیٰ کے ذمے اور امان میں ہو جاتا ہے، لہذا ہرگز اللہ تعالیٰ تم سے اپنے عہد کے بارے میں پوچھنا نہ کرے (یعنی

مطالبہ نہ کرے)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ ذمۃ اللہ: اللہ تعالیٰ کا عہد و امان، یہ اس امان کے علاوہ ہے جو کلمہ توحید سے ثابت ہوتا ہے۔ فلا

یتبعنکم: (یاء پر پیش اور باء کے نیچے زیر، باب افعال سے) ہرگز اللہ تعالیٰ تم سے مطالبہ نہ کرے، تمہارا پوچھنا نہ کرے۔

نماز فجر کی فضیلت

حدیث باب کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

(۱) جس شخص نے صبح کی نماز باجماعت ادا کر لی تو وہ اللہ تعالیٰ کے عہد و امان میں ہو جاتا ہے، لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اس شخص سے بدسلوکی نہ کریں، اسے تکلیف نہ پہنچائیں، اسے قتل نہ کریں، اس کی غیبت اور آبروریزی نہ کریں، اگر کسی شخص نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی یا اس کے ساتھ ایسا کوئی رویہ اختیار کیا جو اس کی جان و مال اور اس کی آبرو کیلئے نقصان دہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے عہد و امان میں خلل ڈالا، لہذا ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ سخت مواخذہ کرے گا، اور جس بد نصیب سے اللہ تعالیٰ مواخذہ کرے گا تو اس کیلئے نجات کا کوئی ذریعہ نہ ہوگا۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ”ذمہ“ سے ”نماز“ مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ تم صبح کی نماز پابندی سے ادا کرتے رہو کہ ایسے شخص کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن دینے کا وعدہ ہے، نماز میں اگر غفلت یا سستی کی گئی تو اللہ کا یہ عہد ٹوٹ جائیگا، جس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ کرے گا، اس لئے مسلمانوں کو اس نماز میں ہرگز سستی نہیں کرنی چاہیے۔ (۱)

بَاب فِي لُزُومِ الْجَمَاعَةِ

یہ باب جماعت کے لازم پکڑنے کے (حکم کے) بیان میں ہے۔

عن ابن عمر قال: خُطِبْنَا عَمْرًا بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ: إِنِّي قُمْتُ فِيكُمْ كَمَقَامِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَيُنَا

لَقَالَ: أَوْصِيكُمْ بِأَصْحَابِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَفْشُوا الْكُذْبَ حَتَّى يَخْلِفَ الرَّجُلَ وَلَا يَسْتَحْلِفُ، وَيَشْهَدُ الشَّاهِدَ وَلَا يَسْتَشْهَدُ إِلَّا لَا يَخْلُونَ رَجُلًا بِأَمْرٍ إِلَّا كَانَ ثَالِفَهُمَا الشَّيْطَانُ، عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفِرْقَةَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ أَبْعَدُ مَنْ أَرَادَ بِخُبْرَةِ الْحَنَّةِ فَلْيَلْزِمِ الْجَمَاعَةَ مَنْ مَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ قَدْ اِلْتَمَسَ إِلَيْكُمْ الْمُؤْمِنُ۔

عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقام جاہلیہ میں ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! بے شک میں تمہارے درمیان اس طرح کھڑا ہوں جس طرح آپ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تم کو اپنے صحابہ (کی اطاعت) کی وصیت کرتا ہوں پھر ان لوگوں کی جو ان کے قریب ہوں یعنی تابعین کی اور پھر ان لوگوں (کی اطاعت) کی جو ان کے قریب ہوں یعنی تبع تابعین کی، پھر (ان زمانوں کے بعد) جھوٹ ظاہر یعنی رائج ہو جائے گا یہاں تک آدمی (خود ہی جھوٹی) قسم کھائے گا حالانکہ اس سے قسم کا مطالبہ نہ ہوگا، اور (جھوٹی) گواہی دے گا حالانکہ اس سے گواہی دینے کا مطالبہ نہ ہوگا، خبردار کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہیں ہوتا مگر یہ کہ ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے، تم جماعت کو لازم پکڑو اور اختلاف سے کنارہ کش رہو، کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے، اور دو سے دور ہوتا ہے، جو شخص جنت کے درمیان (افضل) حصہ میں رہنا چاہے تو اسے چاہیے کہ جماعت کو لازم پکڑ لے، جس شخص کو اس کی نیکی خوش کر دے اور برائی غمزہ کر دے تو یہی کامل ایمان والا ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ لَا يَجْمَعُ أَقْبَعِي. أَوْ قَالَ أُمَّةً مُخْتَلِفَةً. عَلَى ضَلَالَةٍ، وَيَذِلُّ اللَّهُ عَلَى الْجَمَاعَةِ، وَمَنْ شَذَّ شَذَّ إِلَى النَّارِ۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ میری امت یا فرمایا امت محمد کو گمراہی پر جمع نہیں کرتا، اور اللہ کا ہاتھ (یعنی اس کی مدد) جماعت پر ہے، اور جو شخص جماعت سے الگ ہو جائے تو وہ اکیلا ہی جہنم میں ڈالا جائے گا۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَذِلُّ اللَّهُ مَعَ الْجَمَاعَةِ۔

عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا ہاتھ (یعنی اس کی مدد و نصرت، اور خصوصی حفاظت) جماعت کے ساتھ ہے۔

مشکل الفاظ کی وضاحت:۔ اَوْصِيكُمْ بِأَصْحَابِي: میں تم کو صحابہ کی اطاعت و اتباع کی وصیت و تاکید کرتا ہوں۔ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ: جو ان کے قریب ہوں۔ يَفْشُوا: ظاہر ہو جائے گا، پھیل جائے گا۔ لَا يَسْتَحْلِفُ: (مضارع مجہول) اس سے قسم کا مطالبہ نہیں ہوگا۔ لَا يَسْتَشْهَدُ: مضارع مجہول، اس سے گواہی کا مطالبہ نہیں ہوگا۔ لَا يَخْلُونَ: ہرگز غلط اور تنہائی میں نہ ہو۔ اِيَّاكُمْ وَالْفِرْقَةَ: تم اپنے آپ کو اختلاف سے بچاؤ۔ بِخُبْرَةِ: (دونوں جگہ باء پر پیش) ہر چیز کا درمیانی حصہ، عمدہ حصہ ج بجا ہے۔ مَنْ

شد: (فعل معلوم ہے) جو شخص جماعت سے اعتقاد اور طریقہ کار میں الگ ہو جائے۔ شد إلى النار: (یہ فعل معلوم اور مجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے): اسے جنتیوں کی جماعت سے الگ کر کے جہنم میں ڈالا جائیگا۔ ید الله: اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اور حفاظت۔

جماعت کو لازم پکڑنے کا حکم

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں ایسی احادیث ذکر فرمائی ہیں جن میں جماعت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دمشق کے شہر ”جابیہ“ میں لوگوں کے درمیان اسی طرح کھڑے ہو کر خطبہ دیا، جس طرح حضور اکرم ﷺ نے لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع اور اطاعت کی وصیت کرتا ہوں پھر ان لوگوں کی جو ان کے قریب ہوں یعنی تابعین کی جو ان کے قریب ہوں یعنی تبع تابعین کی، یہ خیر القرون ہے، ان میں اجتماعی کام سنت کے خلاف نہ ہوگا، پھر اس کے بعد جھوٹ عام ہو جائے گا، جھوٹی قسم اور جھوٹی گواہی و باکی طرح عام ہو جائے گی۔ مطالبے کے بغیر ہی ایک شخص قسم اور گواہی کے لئے تیار ہو جائے گا، اور فرمایا کہ کوئی شخص کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرے، کیوں کہ ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے جو انہیں گناہ پر ابھارتا ہے۔

اور فرمایا جماعت کو لازم پکڑو، اس جماعت سے کیا مراد ہے، اس میں علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) اس سے سواد اعظم یعنی بڑی اکثریت مراد ہے، جن کا طرز زندگی قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق ہو۔

(۲) اس سے صحابہ کرام مراد ہیں۔

(۳) اس سے اعلیٰ علم مراد ہیں۔

(۴) طبری فرماتے ہیں کہ اس سے ان لوگوں کی جماعت مراد ہے جنہوں نے کسی کی امارت و خلافت پر اتفاق کر لیا ہو بشرطیکہ وہ امیر بننے کے قابل ہو، ایسے میں جو شخص اس امیر کی بیعت کو توڑے گا تو وہ مسلمانوں کی جماعت سے نکل جائے گا، یہ خروج گناہ اور بغاوت ہوگا اور وہ من شد شد إلى النار کی وعید میں آجائے گا، اور اگر مسلمانوں کا کوئی امیر نہ ہو، متفرق جماعتیں ہوں، تو پھر کوئی جماعت لازم نہیں، بلکہ الگ تھلگ ہو کر زندگی گزارنا لازم ہے، اگرچہ اس میں کتنی مشقت برداشت کرنی پڑے، تاکہ شر اور فتنے سے امان رہے۔ (۱)

فان الشیطان مع الواحد، اس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص جس قدر جماعت سے دور ہوگا شیطان اسی قدر اس کے قریب ہوگا، جماعت میں رہے گا تو شیطان اس سے دور رہے گا، اس لئے جنت میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ جمہور کو لازم پکڑا جائے۔

من سوتہ... یہ ایمان کامل کی علامت ہے کہ نیکی سے دل میں خوشی اور سرور کی کیفیت ہو، اور برائی سے دل

غفکین اور افسردہ ہو جائے۔

حجیت اجماع

ان الله لا يجمع امتی علی ضلالة۔

یہ حدیث اجماع کے حجت ہونے کی دلیل ہے، یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے، مگر چونکہ اس مفہوم کی دیگر روایات کثیر ہیں، اس لئے اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے، اور اجماع سے علماء امت کا اجماع مراد ہے کہ یہی حضرات دین کے ترجمان ہیں۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي نَزُولِ الْعَذَابِ إِذَا لَمْ يُغَيَّرِ الْمُنْكَرُ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب برائی کو تبدیل نہ کیا جائے تو عذاب الہی نازل ہوتا ہے۔

عن أبي بكر بن الصديق أنه قال: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ تَقْرَأُونَ هَذِهِ الْآيَةَ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ۔ وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ النَّاسَ إِذَا زَاوَا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ أَوْ شَكَّ أَنْ يَغْمَهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ۔

حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا: اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو: یا ایہا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اہتدیتکم۔ (اے ایمان والو! اپنی (اصلاح کی) فکر کرو، جب تم (دین کی) راہ پر چل رہے ہو، تو جو شخص (تمہاری اصلاح کی کوشش کے باوجود) گمراہ رہے تو اس (کے گمراہ رہنے) سے تمہارا کوئی نقصان نہیں) حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگ جب کسی ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھ کو نہ پکڑیں (یعنی اس کو ظلم سے قدرت کے باوجود نہ روکیں) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عام عذاب بھیج دے۔

تغییر منکر ترک کرنے پر عذاب کی وعید

مذکورہ آیت کے ظاہری الفاظ سے چونکہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہر انسان کو صرف اپنے عمل اور اپنی اصلاح کی فکر کافی ہے، دوسرے کچھ بھی کرتے رہیں، اس پر دھیان دینے کی ضرورت نہیں، اور یہ بات قرآن کریم کی بے شمار تصریحات کے خلاف ہے، جن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اسلام کا اہم فریضہ اور اس امت کی امتیازی خصوصیت قرار دیا ہے، اسی لئے اس آیت کے نازل ہونے پر کچھ لوگوں کو شبہات پیش آئے، رسول کریم ﷺ سے سوالات کئے گئے، آپ نے توضیح فرمائی کہ یہ آیت امر بالمعروف کے احکام کے منافی نہیں، امر بالمعروف چھوڑ دو گے تو مجرموں کے ساتھ تمہیں بھی پکڑا جائیگا۔

اسی سرسری شبہ کو ختم کرتے ہوئے حدیث باب میں حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ تم لوگ اس آیت کو پڑھتے ہو اور اس کو بے موقع استعمال کرتے ہو کہ امر بالمعروف کی ضرورت نہیں، صرف اپنی اصلاح ہی کافی ہے، خوب سمجھ لو کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو لوگ کوئی گناہ ہوتا ہوا دیکھیں اور قدرت کے باوجود اس کو روکنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کے ساتھ ان دوسرے لوگوں کو بھی عذاب میں پکڑ لے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے لوگوں کو نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے کا فریضہ سرانجام دیتے رہنا چاہیے ہاں اگر کوئی حکمت کے ساتھ سمجھانے کے باوجود راہ راست پر نہیں آتا تو پھر اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

تفسیر بحر محیط میں حضرت سعید بن جبیر سے آیت کی یہ تفسیر منقول ہے کہ تم اپنے ذمہ واجبات شرعیہ کو ادا کرتے رہو، جن میں جہاد اور امر بالمعروف بھی داخل ہے، یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی جو لوگ گمراہ رہیں تو تم پر کوئی نقصان نہیں۔ قرآن کریم کے الفاظ اذا اعتدیتم میں غور کریں تو یہ تفسیر خود واضح ہو جاتی ہے، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تم راہ پر چل رہے ہو تو دوسروں کی گمراہی تمہارے لئے مضرت نہیں، اور ظاہر ہے کہ جو شخص امر بالمعروف کے فریضہ کو ترک کر دے وہ راہ پر نہیں چل رہا۔

تفسیر درمنثور میں حضرت عبداللہ بن عمر کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کے سامنے کسی نے یہ سوال کیا کہ فلاں فلاں حضرات میں باہمی سخت جھگڑا ہے، ایک دوسرے کو مشرک کہتے ہیں، تو ابن عمر نے فرمایا کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں تمہیں کہہ دوں گا کہ جاؤ ان لوگوں سے قتال کرو، ہرگز نہیں، جاؤ ان کو نرمی کے ساتھ سمجھاؤ، قبول کریں تو بہتر اور نہ کریں تو ان کی فکر چھوڑ کر اپنی فکر میں لگ جاؤ، پھر ابن عمر نے یہی آیت یا ایہا الذین علیکم الفسکم... اپنے جواب میں تلاوت فرمائی۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ

یہ باب نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے (کے حکم) کے بارے میں ہے۔

عن خذیفۃ بن الیمان عن النبی ﷺ قال: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَيُؤْخِذَنَّ اللَّهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ فَتَذْعَبُونَهُ فَلَا يَمْسُحُ بِكُمْ لَكُمْ۔

حضرت خذیفہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم لوگ ضرور ہر نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے منع کرتے رہو ورنہ جلد ہی اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیج دے گا، تم اللہ سے مانگو گے مگر وہ تمہاری پکار کو قبول نہیں کرے گا۔

عن خذیفۃ بن الیمان، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَقْتُلُوا إِمَامَكُمْ، وَتُجْتَلِدُوا بِأَسْيَافِكُمْ، وَيُؤْثَرُ دُنْيَاكُمْ شِرَازَكُمْ۔

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، قیامت قائم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ تم اپنے امام کو قتل کر دو گے، اور اپنی تلواروں سے آپس میں جھگڑا کرو گے، اور تمہارے شریر لوگ تمہاری دنیا کے مالک بن جائیں گے (یعنی ذمہ دار ہو جائیں گے)

عن أُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهُ ذَكَرَ الْجَيْشَ الَّذِي يَخْشَفُ بِهِمْ، فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: لَعَلَّ فِيهِمُ الْمَكْرُوهَ، قَالَ: إِنَّهُمْ يَنْعَفُونَ عَلَى بَنَائِهِمْ۔

ام سلمہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس لشکر کا ذکر فرمایا جس کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا تو ام سلمہ نے عرض کیا کہ ہو سکتا ہے کہ اس لشکر میں ایسا کوئی آدمی بھی شامل ہو جس کو زبردستی لایا گیا ہو (تو کیا اسے بھی یہ سزا ملے گی) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک ان کو اپنی نیتوں کے مطابق (میدان حشر میں) اٹھایا جائے گا۔

مشکل الفاظ کی تشریح:۔ لیو شکن بضرور بضرور جلدی کرے گا، قریب ہے کہ۔ فتدعونہ تم اللہ سے مانگو گے۔ تجتلدوا بتم آپس میں ایک دوسرے کو مارو گے، لڑائی جھگڑا کرو گے۔ یوث: وارث ہوں گے، مالک ہوں گے۔ شوار: شریر کی جمع ہے، برے لوگ۔ یخسف بہم: (میخ مجہول) اس لشکر کو دھنسا دیا جائے گا۔ المکروہ: (میم پر پیش اور راء پر زبر) مجبور، زبردستی کیا ہوا۔ یبعثون: (میخ مجہول) انہیں اٹھایا جائے گا۔ معروف: ہر اس فعل کو کہا جاتا ہے جس کی اچھائی عقل یا شرع سے ثابت ہو۔ مکر: (میم پر پیش اور کاف پر زبر کے ساتھ) ہر وہ فعل جو عقل اور شریعت کی نظر میں برا ہو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب کے تحت ایسی احادیث ذکر فرمائی ہیں جن سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔

پہلی حدیث میں آپ ﷺ نے بڑی تاکید سے فرمایا کہ تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے منع کرتے رہو، اگر اس میں کوتاہی کی تو اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب مسلط کر دے گا، تم دعا کرو گے، مگر قبول نہ ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑنا باعث عذاب اور فتنہ ہے۔

دوسری حدیث میں چند فتنوں کا ذکر ہے، کہ قیامت سے پہلے لوگ اپنے امام اور خلیفہ کو قتل کر دیں گے جیسے حضرت عثمان، عمر فاروق اور حضرت علی کو شہید کیا گیا، مسلمان آپس میں لڑائی جھگڑا کریں گے، اور لوگوں میں بدترین لوگ مال و دولت اور ملک و قوم کے مالک ہو جائیں گے، یہ تمام چیزیں چونکہ فتنے کا سبب ہیں اس لئے اس حدیث کو ابواب الفتن میں ذکر کیا۔

تیسری روایت میں ہے کہ ایک شخص بیت اللہ میں پناہ لے گا، اس کو پکڑنے کے لئے ایک لشکر بیت اللہ کا رخ کرے گا جب وہ مقام بیداء پر پہنچیں گے تو زمین میں دھنس جائیں گے، ام سلمہ نے جب یہ بات سنی تو آپ ﷺ سے پوچھا کہ اس لشکر

میں بعض ایسے بھی ہوں گے جنہیں زبردستی لایا گیا ہوگا تو انہیں بھی زمین میں دھنسیا جائے گا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دنیا میں تو یہ عذاب سب پر ہوگا لیکن آخرت میں انہیں نیت کے مطابق اٹھایا جائے گا، وہاں ان میں امتیاز ہو جائے گا۔

یہ روایت یہاں ذکر کر کے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ سارے فتنے امور بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کرنے کی وجہ سے ہوں گے اور یہ کہ جو لوگ اس فریضہ کو سرانجام دیں گے وہ امت کے بہترین افراد ہوں گے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي تَغْيِيرِ الْمُنْكَرِ بِالْيَدِ أَوْ بِاللِّسَانِ أَوْ بِالْقَلْبِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ برائی کو قوت سے، یا زبان سے یا دل سے نفرت کے ذریعہ تبدیل کیا جائے۔
عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَوَّلُ مَنْ قَدَّمَ الْخُطْبَةَ قَبْلَ الصَّلَاةِ مَرْوَانُ، فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ لِمَرْوَانَ: خَالَفْتَ الشُّنَّةَ فَقَالَ: يَا فَلَانُ: ثَرْكَ مَا هَذَا لَكَ، فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: أَنَا هَذَا لَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِمْ مَسْجُوتٌ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ رَأَى مِنْكُمْ أَلَيْنَ كُزَّةً بِيَدِهِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَلْيَسَاهِهِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَلْيَقْلِبْهُ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ۔

طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ سب سے پہلا وہ شخص جس نے نماز عید کے خطبے کو نماز سے مقدم کیا، مروان ہے، ایک شخص نے کھڑے ہو کر مروان سے کہا: تم نے سنت رسول کی مخالفت کی ہے، کہنے لگا: ارے فلاں وہ تمام چیزیں متروک ہو گئی ہیں جو اس وقت تھیں، ابوسعید نے کہا: بلاشبہ اس نے (حق بات کر کے) امر بالمعروف کا فریضہ ادا کر دیا جو اس کے ذمہ تھا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اس کی اپنے ہاتھ سے نکیر کرے (یعنی اسے ختم کرے) اور جو شخص اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے روکے اور جو اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو کم از کم دل سے ہی اسے برا سمجھے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

تغییر منکر کے تین درجات

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مسلمان برائی دیکھے تو اگر وہ طاقت کے ذریعہ اسے روک سکتا ہے تو اسے چاہیے کہ ایسا کرے اور گناہ کے اسباب کو ختم کر دے، یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اگر طاقت و قوت کو استعمال کرنے کا اسے اختیار نہیں یا کسی وجہ سے وہ نہیں کر سکتا تو پھر اس برائی کو زبان سے روکے، یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم درجہ یہ ہے کہ دل سے اس گناہ کو برا سمجھے۔

مسنون طریقہ یہ ہے کہ نماز عیدین میں پہلے نماز ادا کی جائے اور نماز کے بعد خطبہ دیا جائے، یہی جمہور فقہاء کرام کا موقف ہے، لیکن مروان نے اس میں یہ تبدیلی کی کہ خطبے کو نماز سے پہلے کر دیا، لوگ چونکہ ان کے طرز حکومت سے ناالا تھے، ان

کے ظلم و ستم سے تنگ تھے، جیسے ہی نماز عید ختم ہوتی تو لوگ ان کا خطبہ سننے بغیر چلے جاتے، یہ دیکھ کر اس نے کہا کہ خطبہ نماز سے پہلے ہوا کرے گا، اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا کہ آپ کا یہ فعل سنت کے خلاف ہے، جواب میں کہنے لگا کہ یہ طریقہ متروک ہو چکا ہے کیونکہ اس طرح لوگ بات نہیں سنتے، نماز سے پہلے خطبہ دینے میں یہ فائدہ ہے کہ لوگ اسے سنا کریں گے، یہ اس نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔

ایک ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات بہت بڑی جرأت ہوتی ہے، چنانچہ ایک اور حدیث میں اسے ”افضل الجہاد“ قرار دیا ہے، اس شخص نے یہی کارنامہ سرانجام دیا کہ مروان کے سامنے سنت رسول کو بیان کیا، اس لئے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس شخص نے امر بالمعروف کی ذمہ داری کا حق ادا کر دیا۔ (۱)

باب منہ

عن الثَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَثَلُ الْقَائِمِ عَلَى حُدُودِ اللَّهِ وَالْمُذْهَبِ فِيهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهْمُوا عَلَى سَفِينَةٍ فِي الْبَحْرِ، فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَمْلَاحًا وَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَسْفَلًا، فَكَانَ الَّذِينَ أَسْفَلُهَا يَضْعَدُونَ لِمَنَافِئِ السَّفِينَةِ عَلَى الَّذِينَ فِي أَعْلَاهَا، فَقَالَ الَّذِينَ فِي أَعْلَاهَا: لَا نَدْعُكُمْ تَضْعَدُونَ فَتَوَدُّونَا، فَقَالَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا: فَإِنَّا نَنْقُبُهَا فِي أَسْفَلِهَا فَتَسْقَى، فَإِنِ أَخَذُوا عَلَيَّ أَيْدِيَهُمْ فَمَنْعُواهُمْ نَجَوَا جَمِيعًا، وَإِنِ تَرَكُوهُمْ غَرِقُوا جَمِيعًا۔

حضرت نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی حدود پر قائم رہنے والے اور ان میں چشم پوشی کرنے والے کی مثال اس قوم کی مانند ہے جس نے سمندر میں کشتی پر (سوار ہونے کے لئے) قرعہ ڈالا (یعنی کشتی کے حصوں کو قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کیا) چنانچہ ان میں سے بعض نے کشتی کا اوپر والا حصہ پایا اور بعض نے نیچے والا حصہ، غلی منزل کے لوگ اوپر چڑھ کر جاتے تاکہ پانی (سمندر سے کھینچ کر) حاصل کر لیں، اسی میں وہ ان لوگوں پر پانی گرا دیتے جو اوپر والی منزل میں ہوتے، تو اوپر والوں نے کہا: ہم تمہیں اوپر چڑھنے کیلئے نہیں چھوڑیں گے کیونکہ تم لوگ ہمیں (پانی گرا کر) تکلیف پہنچاتے ہو، اس پر غلی منزل والوں نے کہا: ہم کشتی کے نیچے سے ہی سوراخ کر لیتے ہیں اور پانی حاصل کر لیتے ہیں، اگر انہوں نے ان کے ہاتھ پکڑ لئے اور ان کو نیچے سوراخ کرنے سے روک دیا تو سب نجات پا جائیں گے اور اگر انہیں یوں ہی چھوڑ دیا (اور انہوں نے نیچے سے سوراخ کر لیا) تو سب ڈوب جائیں گے۔

مشکل الفاظ کی تشریح:- مدھن: قدرت کے باوجود برائی سے نہ روکنے والا، چشم پوشی کرنے والا، گنہگار لوگوں کے حقوق ضائع کرنے والا۔ استھموا: انہوں نے قرعہ ڈالا۔ یصعدون: وہ چڑھتے ہیں۔ یصبون: پانی گرا دیتے۔ لا

لذعکم: ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ یعنی اجازت نہیں دیں گے۔ ننبہا: ہم اس کشتی میں سوراخ کر لیتے ہیں۔ نسفی: ہم پانی لے لیتے ہیں، حاصل کر لیتے ہیں۔

نہی عن المنکر کی اہمیت

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایک مثال کے ذریعہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت واضح فرمائی ہے کہ اس شخص کی مثال جو حدود اللہ پر قائم ہو یعنی لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا ہو اور ہر برائی سے روکتا ہو اور گناہوں سے بچتا ہو اور جو حدود میں سستی کرتا ہے، چشم پوشی سے کام لیتا ہے، ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو سمندر پر سفر کرنے کیلئے کشتی پر سوار ہوتے ہیں۔ قریب اندازی کے ذریعہ بعض کے حصے میں کشتی کا اوپر والا حصہ آیا، جبکہ بعض کے حصے میں خلی منزل آئی، نیچے والے لوگ اوپر کے حصے میں جا کر سمندر سے پانی نکالتے تاکہ پینے وغیرہ کے لئے اسے استعمال کیا جائے، اس عمل میں کچھ پانی اوپر والے لوگوں پر بھی گر جاتا، انہوں نے تنگ آ کر نیچے والوں کا اوپر جانا بند کر دیا، اس پر نیچے والوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم کشتی کے نیچے سے سوراخ کر کے پانی لے لیں گے، دیکھئے اگر اوپر والے انہیں سوراخ کرنے سے نہ روکیں یہ سوچ کر کہ یہ لوگ اپنے حصے میں ہی سوراخ کر رہے ہیں، لہذا یہی ڈوبیں گے تو ان کی یہ سوچ غلط ہوگی کیونکہ اس طرح کرنے سے تو سب ہی ڈوب جائیں گے، اسی طرح جو لوگ شریعت کے مطابق زندگی گزار رہے ہوں، انہیں چاہیے کہ وہ برائی کرنے والے کا ہاتھ پکڑیں، انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکیں ورنہ اللہ تعالیٰ کا عذاب جس طرح گنہگار پر آئے گا، اسی طرح ان لوگوں پر بھی آئے گا جو انہیں برائی سے نہیں روکتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ شریعت کے پیروکار ہوں ان پر لازم ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہیں، تاکہ وہ بھی اللہ کے عذاب سے محفوظ رہیں (۱)، اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس آیت میں بیان فرمایا ہے: **وَاتَّقُوا اللَّهَ لَا تَصِيبَ الَّذِينَ** **ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً (۲)**

باقی مہانت اور مدارات کے بارے میں تفصیلی کلام معارف ترمذی جلد اول، باب ما جاء فی المداراة، ابواب البر والصلة میں گذر چکا ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

بَابُ أَفْضَلِ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَذَلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ سب سے افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف یعنی حق بات کہنا ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: **إِنَّ مِنْ أَكْثَرِ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَذَلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ**۔

(۱) تحفة الاحوذی ۳۲۷/۶

(۲) سورة انفال آیت نمبر: ۲۵

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک سب سے افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔

ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کی فضیلت

- ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے افضل جہاد ہے، یہ افضل جہاد کیسے ہے، اس کی دو جہیں بیان کی گئی ہیں:
- (۱) علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ کافر سے جہاد کیا جائے تو وہاں فتح اور شکست دونوں کا احتمال ہوتا ہے، مگر دشمن کا مجاہد پر کوئی تسلط نہیں ہوتا، جب کہ ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے والا اس کے ماتحت اور رعایا میں سے ہے، وہ بادشاہ اس کے خلاف کوئی بھی کاروائی کر سکتا ہے، گویا یہاں تکلیف کا پہونچنا یا جان کی ہلاکت یقینی ہے، اس لحاظ سے اسے افضل جہاد قرار دیا ہے۔
- (۲) علامہ مظہر فرماتے ہیں کہ افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص ہمت کر کے بادشاہ کو حق بات سمجھائے اور بادشاہ اس کی بات سے اپنی اصلاح کر لے تو اس کا فائدہ پوری عوام کو پہونچتا ہے، اور کافر کو قتل کرنے کا فائدہ عام مخلوق کو نہیں پہونچتا، اس لئے کلمہ حق افضل جہاد ہے۔ (۱)

بَابُ سُؤَالِ النَّبِيِّ ﷺ ثَلَاثًا فِي أُمَّتِهِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کے لئے اللہ تعالیٰ سے تین چیزیں مانگی ہیں

عن عُبَّادِ بْنِ الْأَزْثَمِ قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَلَاةً فَأَطَاعَهَا فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّيْتَ صَلَاةً لَمْ تَكُنْ تُصَلِّيْهَا، قَالَ: أَجَلُ إِنَّهَا صَلَاةُ رَغْبَةٍ وَرَهْبَةٍ، إِنِّي سَأَلْتُ اللَّهَ فِيْهَا ثَلَاثًا فَأَعْطَانِي الثَّلَاثِينَ وَمَنْعَنِي وَاحِدَةً: سَأَلْتُهُ أَنْ لَا يَهْلِكَ أُمَّيْ بِسَخَةِ فَأَعْطَانِيَهَا، وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَا يَسْلُطَ عَلَيْهِمْ عَدُوٌّ مِنْ غَيْرِهِمْ فَأَعْطَانِيَهَا، وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَا يَلْبِقَ بَعْضُهُمْ بِأَسْ بَعْضٍ فَمَنْعَنِيَهَا۔

حضرت عباد بن ارسطی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک نماز پڑھی اور اسکو طویل کیا، صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول: آپ نے ایسی (طویل) نماز پڑھی کہ اس سے پہلے آپ نے ایسی نماز نہیں پڑھی، آپ نے فرمایا: جی ہاں بلاشبہ یہ امید و خوف کی نماز تھی، بے شک میں نے اللہ تعالیٰ سے اس نماز میں تین چیزیں مانگی ہیں، اللہ تعالیٰ نے دو عطا فرمادی ہیں اور ایک کو روک لیا ہے (یعنی قبول نہیں فرمایا) میں نے اللہ سے یہ مانگا کہ میری امت کو قتل کے ذریعہ ہلاک نہ کرنا تو اللہ نے میری یہ دعا قبول فرمائی، اور میں نے یہ مانگا کہ ان پر ان کے علاوہ کوئی (کافر) دشمن مسلط نہ کرنا تو اللہ نے میری یہ دعا بھی قبول فرمائی، اور میں نے یہ مانگا کہ ان میں سے بعض، بعض کو لڑائی کا مزہ نہ

چکھائیں، تو اللہ نے میری اس دعا کو قبول نہیں فرمایا۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ اللَّهَ زَوَى لِي الْأَرْضَ لَوَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَإِنْ أَقْبَى سَبِيلُكَ مَلَكَهَا مَارِئِي لِي مِنْهَا، وَأَعْطَيْتُ الْكَنْزَيْنِ الْأَخْمَرَ وَالْأَبْيَضَ، وَإِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي لَا يَهْلِكْهَا بِسَنَةِ عَامَةٍ، وَأَنْ لَا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوٌّ مِنْ مِثْلِهِمْ فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ، وَإِنْ رَبِّي قَالَ: يَا مُحَمَّدُ إِنِّي إِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً فَإِنَّهُ لَا يَزِيدُ، وَإِنِّي أَعْطَيْتُكَ لَأَتَمِّكَ أَنْ لَا أَهْلِكَكُمْ بِسَنَةِ عَامَةٍ وَلَا أَسْلُطَ عَلَيْهِمْ عَدُوٌّ مِنْ مِثْلِهِمْ فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ، وَلَوْ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَنْ بِالْقَطَارِ هَا، أَوْ قَالَ مَنْ بَيْنَ الْقَطَارِ هَا، حَتَّى يَكُونَ بَغْضَتُهُمْ يَهْلِكُ بَغْضًا وَسَبِي بَغْضَتِهِمْ بَغْضًا.

حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو لپیٹ دیا، تو میں نے اس کے مشرق و مغرب دیکھے، اور بے شک میری امت کی سلطنت زمین کے اس حصے تک پہنچے گی جہاں تک اسے میرے لئے سمیٹا گیا ہے، اور مجھے دو خزانے سرخ اور سفید (یعنی سونا اور چاندی) عطا کئے گئے، پھر میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لئے یہ سوال کیا کہ میری امت کو عمومی قحط سے ہلاک نہ کرنا، اور ان کے علاوہ کسی اور دشمن کو ان پر مسلط نہ کرنا، جو ان کی اصل اور جمعیت کو ہی جڑ سے اکھڑ دے (یعنی سب کو ہلاک کر دے) اس پر میرے رب نے فرمایا: اے محمد میں جب (کسی امر کے بارے میں) قطعی فیصلہ کر لیتا ہوں تو وہ رد نہیں کیا جاتا، بے شک میں نے آپ کی امت کو یہ عطا کر دیا ہے کہ میں انہیں عام قحط سے ہلاک نہیں کروں گا، اور ان کے علاوہ کسی اور دشمن کو ان پر مسلط نہیں کروں گا، جو ان کی اصل کو ہی ہلاک کر دے، اگرچہ ان کے خلاف تمام روئے زمین کے لوگ جمع ہو جائیں، لیکن (یہ ضرور ہوگا کہ) انہی میں سے بعض لوگ دوسروں کو ہلاک کریں گے اور ان میں سے بعض، بعض کو گرفتار کریں گے۔

مشکل الفاظ کی تشریح: - رغبة و رغبة: امید و بیم، رغبت و خوف۔ عدو امن غیر ہم۔ مسلمانوں کے علاوہ اور دشمن۔ لا یدلیق: مزہ نہ چکھائے، - ہائس: خوف، لڑائی جھگڑا۔ زوی: لپیٹ دیا، سمیٹ کر سامنے کر دیا، قریب کر دیا۔ مازوی (مینہ مجہول) لی منها: جہاں تک میرے لئے زمین کو سمیٹا اور لپیٹا گیا ہے۔ الاحمر: سرخ خزانے یعنی سونا، اس سے کسریٰ کی کرنسی دنانیر یعنی اشرفیاں مراد ہیں، یہ سونے کی ہوتی تھیں۔ الابيض: سفید خزانے یعنی چاندی، اس سے قیصر کے دہا، ہم مراد ہیں کیونکہ وہ چاندی کے ہوتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ فارس و روم کے ممالک تک میری امت کی فتوحات ہو جائیں گی، اور وہ میری امت کے ماتحت اور سرنگوں ہونگے، چنانچہ خلفاء کے دور میں مسلمانوں کا قبضہ ان ممالک پر ہو گیا تھا۔ يستبيح: جڑ سے اکھڑ دے یعنی ہلاک کر دے۔ بیضة: (بام پر زبر کے ساتھ) اصل، شیرازہ، اجتماعیت۔ القطار: قطر کی جمع ہے، طرف، جانب۔ یسبی: قید اور گرفتار کریں گے۔

امت کے لئے تین اہم دعائیں

حضور اکرم ﷺ نے امت کے لئے تین دعائیں مانگی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے دو قبول فرمائی ہیں، ایک کو قبول نہیں فرمایا، پوری امت کو قحط کے ذریعہ ہلاک نہ کرنا، کوئی کافر دشمن ان پر مسلط نہ کرنا جو ان کی بیخ کنی کر دے، انہیں ایسا بنا دے کہ آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کریں، ایک دوسرے کو گرفتار نہ کریں، یہ تیسری دعا اللہ تعالیٰ نے قبول نہیں فرمائی۔

مازولیٰ منھا اللہ تعالیٰ نے پوری زمین سمیٹ کر آپ کو دکھائی یا صرف وہ زمین کہ جہاں تک اسلام پھیلے گا، پہلے قول کو علامہ خطاب نے اختیار کیا اس بنیاد پر کہ ”منہا“ میں لفظ ”من“ بعض کے معنی میں نہیں بلکہ ماقبل کی تفصیل کے لئے ہے، اور دوسرے قول کو ماطلی قاری نے ذکر کیا ہے اس لحاظ سے کہ یہ ”من“ بعض کے معنی میں ہے کہ زمین کا بعض حصہ جہاں تک اسلام پھیلے گا، صرف وہ آپ کو دکھایا گیا۔

بیضتہم، اس کی مراد میں تین احتمال ہیں:

- (۱) اس کے اصل معنی تو وسط دار کے ہیں، مراد اس سے طاقت اور قوت ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی قوت کو ختم نہ کرے۔
- (۲) یا اس سے مرغی کا انڈا مراد ہے کہ جب وہ ٹوٹ جائے تو جلد ہی خراب ہو جاتا ہے، معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کو بیک وقت ہی ختم نہ کرے۔
- (۳) یا اس سے ”خود“ مراد ہے یعنی وہ ٹوٹی جو دوران جنگ مجاہدین اپنے سر پر حفاظت کیلئے رکھتے ہیں، جب اسے ہی توڑ دیا جائے اور سر بھی محفوظ نہ ہو تو یہ مغلوبیت اور شکست کی علامت ہوتی ہے۔

ولو اجتمع علیہم من باقطارھا، مراد یہ ہے کہ اگر پوری روئے زمین کے غیر مسلم مسلمانوں کے خلاف متحد ہو کر برسر پیکار ہو جائیں، تب بھی یا اللہ انہیں مسلمانوں پر مسلط نہ کرنا۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَكُونُ فِي الْفِتْنَةِ

یہ باب اس شخص کے (حکم کے) بارے میں ہے جو فتنہ کے زمانے میں موجود ہو (کہ اسے اس وقت کیا کرنا چاہیے) عن اُمّ مالک النہزیرۃ قالت: ذکر رسول اللہ ﷺ ففتنة ففقر بها، قالت: قلت يا رسول الله، من خير الناس فيها؟ قال: رجل في ماشيته يؤذي حقها ويعبد ربه، ورجل اخذ برأس فرسه ويخيف العدو ويخو فؤاده۔ حضرت ام مالک بنہزیہ کہتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک فتنہ کا ذکر فرمایا اور اس کو قریب کر دیا (گویا کہ اس کا وقوع بہت قریب ہے) فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: فتنہ کے زمانے میں سب سے بہتر کون شخص ہوگا؟

آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جو اپنے جانوروں میں ہوگا ان کے حقوق ادا کرتا ہوگا اور اپنے رب کی بھی عبادت کرتا ہوگا، اور دوسرا وہ شخص جو اپنے گھوڑے کو گردن سے پکڑ کر دشمن کو ڈرا رہا ہوگا اور دشمن اسے ڈرا رہے ہوں گے۔
عن عبد اللہ بن عمرو قال: قال رسول اللہ ﷺ: تَكُونُ الْفِتْنَةُ تَسْتَنْظِفُ الْعَرَبَ قَتْلًا هَا فِي النَّارِ، اللِّسَانُ فِيهَا أَشَدُّ مِنَ السَّيْفِ۔

عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک فتنہ ہوگا جو عرب کو گھیر لے گا، اس میں قتل ہونے والے جہنم میں جائیں گے، اس میں زبان نکوار سے کہیں زیادہ سخت ہوگی۔

لغات :- قربہا: اس فتنہ کو قریب کر دیا یعنی اس فتنہ کا تذکرہ اس انداز سے کیا گیا کہ وہ بہت قریب ہے۔ ماشیتہ: اپنے جانور یعنی بھیڑ بکری اور گائے وغیرہ۔ اخذ ہو اُس قوم سے: اپنے گھوڑے کو گردن سے پکڑ کر۔ یعنیف العدو: دشمن کو ڈرائے۔ تستنظف: وہ فتنہ گھیر لے گا۔ قتلہا: قتل کی جمع ہے: وہ شخص جو قتل ہو جائے۔

فتنہ کے دور میں دو بہترین شخص

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ فتنہ کے دور میں دو قسم کے آدمی سب سے بہترین ہوں گے:

- (۱) ایک وہ شخص جو شہر سے باہر اپنے جانوروں میں رہتا ہوگا، ان کو چارہ وغیرہ کھلاتا ہوگا اور ان کے حق یعنی زکوٰۃ وغیرہ بھی دیتا ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت بھی کرتا ہوگا۔
- (۲) دوسرا وہ شخص جو اسلامی سرحدوں کی حفاظت میں مشغول ہوگا دشمن کو دہشت میں رکھے گا اور وہ اس کو دھمکیاں دیتے ہوں گے، یہ دونوں شخص اس لئے بہتر ہیں کہ یہ مسلمانوں میں پھیلے فتنوں سے الگ تھلگ ہو کر زندگی بسر کریں گے، یوں وہ فتنوں سے بھی بچ جائیں گے اور اپنے ذمہ واجب حقوق بھی ادا کر رہے ہوں گے۔

عرب میں ایک فتنہ کا ذکر

باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ عرب میں ایک ایسا فتنہ رونما ہوگا جو پورے عرب کو گھیر لے گا،

اس فتنہ سے کیا مراد ہے، اس میں تین قول ہیں:

- (۱) بعض حضرات کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس سے علی الاطلاق کوئی فتنہ مراد ہے، اسے کسی خاص جنگ یا واقعے پر حتمی طور پر محمول نہیں کیا جاسکتا، اسے محتاط قول کہا گیا ہے۔ (۱)
- (۲) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس فتنہ سے مسلمانوں کی باہمی جنگیں مراد ہیں جو محض عصبیت اور خاندانی غیرت کی بنیاد پر

ہوتی ہیں، جن کا باعث کوئی شرعی نہیں ہوتا، اس معنی کے اعتبار سے قتل احمانی النار کا مطلب یہ ہوگا کہ فریقین میں سے ہر ایک دوسرے کو چونکہ عصبیت کی بنیاد پر مارنے کے درپے تھا، کوئی شرعی وجہ نہیں تھی، اس لئے قاتل و مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔

(۳) بعض نے اس فتنہ سے جنگ مصفین یعنی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی آپس کی لڑائی مراد لی ہے۔ اس صورت میں قتل احمانی النار کا کیا مطلب ہوگا جب کہ دونوں طرف صحابہ کرام حق پر تھے، اور غلطی اجتہادی تھی؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

☆ اس سے وہ منافق اور یہودی مراد ہیں جو اس لڑائی کے اصل محرک اور باعث بنے تھے وہ لوگ جہنم میں جائیں گے۔

☆ علامہ طبری فرماتے ہیں کہ قتل احمانی النار اپنے اصل معنی میں نہیں بلکہ اس سے زبرد و تیغ اور ڈرانا مقصود ہے، کیونکہ صحابہ کرام اجتہادی غلطی پر تھے، جس پر گرفت نہیں ہوتی، اس لئے بعض صحابہ کرام اس میں شریک نہیں ہوئے، وہ آخر تک اس میں تذبذب کا شکار رہے، یہ تذبذب اس وجہ سے نہیں تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر نہیں تھے، وہ تو خلیفہ تھے، حق پر ہی تھے اصل اختلافی مسئلہ حضرت عثمان کے قاتلین کے قصاص کا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قصاص فوراً لینے کے قائل تھے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مناسب وقت کے قائل تھے، کیونکہ اگر اسی وقت قصاص لیا جاتا تو حالات مزید سنگین ہو جاتے، جن پر بظاہر کنٹرول مشکل ہو جاتا، تاہم اس موضوع پر بحث مباحثہ کرنا اور اسے موضوع سخن بنانا درست نہیں، احتیاط کے خلاف ہے، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے:

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے خون سے جس طرح ہمارے ہاتھ اور کتواریں محفوظ رکھی ہیں کیوں کہ ہم اس وقت موجود ہی نہ تھے اسی طرح اپنی زبانوں کو بھی ان کے خلاف بولنے سے بچانا چاہیے۔

اللسان فیہا اشد من السیف

اگر اس فتنہ سے جنگ مصفین مراد ہو تو پھر اس جملے کے معنی یہ ہوں گے کہ اس جنگ میں مہملی لوگوں کو برے کلمات سے ذکر کرنا جائز نہیں، کیوں کہ ان میں اکثریت صحابہ کرام کی ہے، اور غیبت تو ایک عام انسان کی بھی حرام ہے تو صحابہ کرام جن کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، ان کی غیبت انتہائی سنگین جرم ہوگا، اسی کو اشد من السیف سے تعبیر فرمایا ہے، کیونکہ اس میں اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنا لازم آتا ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي رَفْعِ الْأَمَانَةِ

یہ باب امانت کے اٹھ جانے کے بیان میں ہے

عَنْ حَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حَدِيثَيْنِ، قَدْ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا وَأَنَا أَلْفُظُ الْآخَرَ، حَدَّثَنَا أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ لِي جَذْرٍ فَلُوبُ الرِّجَالِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْآنُ فَعَلِمُوا مِنَ الْقُرْآنِ وَعَلِمُوا مِنَ الشَّعْرِ، ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِ

الْأَمَانَةُ فَقَالَ: يَتَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ لَتَقْبُضَ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ فَيُظَلُّ أَثَرُهَا وَيُفَلُّ الرُّوحُ، ثُمَّ يَتَامُ نَوْمَةً فَتَقْبُضُ الْأَمَانَةُ فَيُظَلُّ أَثَرُهَا وَيُفَلُّ أَثَرُ الْمَجْلِ كَجَنْبِ ذَخَرٍ جَنَّتْهُ عَلَى رَجُلِكَ لَتَقَطُّتْ فَتَزَاهُ مُنْتَبِرًا أَوْ لَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ، ثُمَّ أَخَذَ حَصَاةً فَذَخَرَ بِهَا عَلَى رَجُلِهِ، قَالَ: فَيَضْبَحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُونَ لَا يَكْذِبُ أَحَدٌ يُوَدِّي الْأَمَانَةَ حَتَّى يَقَالَ: إِنَّ لِي بَنِي فَلَانٍ وَجَلَاءَ آمِنًا، وَحَتَّى يَقَالَ لِلرَّجُلِ: مَا أَجَلُكَ وَأَطْرَفُكَ وَأَغْقَلُكَ وَمَا فِي قَلْبِكَ وَمِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ غَرَزٍ دَلَّ مِنْ إِيْمَانٍ. قَالَ: وَلَقَدْ أَتَى عَلَى زَمَانٍ وَمَا أَهَالِي أَيْكُمْ بَاتِيغُثُ فِيهِ، لَعَنَ كَانَ مُسْلِمًا لِيُوَدِّدَنَّهُ عَلَى دِينِهِ، وَلَعَنَ كَانَ يَهْزُو دِينًا أَوْ نَصْرًا يَتَالِيُو دَنَّهُ عَلَى مَسَاعِيهِ، فَأَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ أَبَايَعُ مِنْكُمْ إِلَّا فَلَانًا وَفُلَانًا.

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے دو باتیں ارشاد فرمائیں، ان میں سے ایک بات میں نے دیکھ لی اور دوسری کا انتظار کر رہا ہوں، نبی کریم ﷺ نے ہم سے بیان فرمایا کہ امانت لوگوں کے دلوں کی جڑوں میں نازل ہوئی، پھر قرآن مجید نازل ہوا تو انہوں نے امانت (ایمان) کا حق قرآن سے پہچانا، اور حدیث سے بھی جانا، پھر نبی کریم ﷺ نے ہم سے امانت کے اٹھ جانے کا بیان کرتے ہوئے فرمایا: آدمی (حسب معمول) سوئے گا تو اس کے دل سے امانت نکال لی جائے گی، اس کا اثر صرف ایک دھبہ کی طرح رہ جائے گا، پھر وہ دوبارہ سوئے گا تو امانت اس کے دل سے نکال لی جائے گی، اس کا اثر نشانِ آبلہ کی طرح رہ جائے گا، جیسا کہ تم انگارے کو اپنے پاؤں پر لڑھکا دو، اس سے آبلہ (چھالا) بن جائے، جو بظاہر تم پھولا ہوا دیکھتے ہو حالانکہ اس کے اندر (خراب اور گندے پانی کے علاوہ) کچھ نہیں ہوتا۔

پھر نبی کریم ﷺ نے ایک کنکری لی اور اسے اپنے پاؤں پر لڑھکا کر دکھایا اور فرمایا: لوگ صبح اٹھیں گے تو حسب معمول خرید و فروخت کریں گے اور ان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہوگا جو امانت کو ادا کرے یہاں تک کہ یہ کہا جائے گا کہ فلاں قبیلہ میں بس ایک شخص ہے جو امانت دار ہے (یعنی کامل ایمان والا ہے) اور (اس زمانہ میں) کسی ایک آدمی کے بارے میں (دنیاوی امور میں تیزی کی وجہ سے) یہ کہا جائے گا کہ وہ کس قدر بہادر، ہوشیار، اور عقل مند ہے حالانکہ اس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں میرے اوپر ایسا زمانہ بھی آیا کہ میں خرید و فروخت کے معاملے میں کوئی پرواہ نہ کرتا تھا جس سے چاہا خرید لیا اور بیچ دیا، اگر کسی مسلمان کے پاس میرا حق رہ جاتا تو اس کا دین اسے یہ حق ادا کرنے پر آمادہ کرتا اور اگر وہ یہودی یا عیسائی ہوتا تو اس کا سردار اور ذمہ دار ہمیں ہمارا حق دلوادیتا، لیکن آج (امانت و دیانت کم ہو جانے کی وجہ سے) میں تم میں سے کسی کے ساتھ بھی کاروباری معاملہ نہیں کرتا مگر فلاں اور فلاں شخص سے کر لیتا ہوں (کیونکہ ان میں امانت پائی جاتی ہے)

مشکل الفاظ کے معنی :- جلد :- (جیم پرز براورزیر اور ذال کے سکون کے ساتھ) ہر چیز کی جڑ اور بنیاد۔ وکت :- (واؤ پرز برا

کاف کے سکون کے ساتھ) کسی چیز پر ہلکا سا نشان، دھبہ۔ مجل: (میم پر زبر، اور جیم کے سکون اور زبر کے ساتھ) سخت کام کی وجہ سے ہاتھ میں آبلہ پڑ جانا، چھالا پڑنا۔ جمو: (جیم پر زبر اور میم کے سکون کے ساتھ) دھکتا ہوا انگارہ۔ دحرجتہ: آپ اس کو لڑھکائیں۔ نفطت: وہ پاؤں آبلہ والا ہو گیا۔ منتبراً: پھولا ہوا، ورم اور سوجن والا۔ یتبایعون: آپس میں خرید و فروخت کرنے لگے۔ ما اجلدہ: وہ کس قدر بہادر اور مضبوط ہے۔ و اظرفہ: اور کس قدر ہوشیار اور چالاک ہے۔ و اعقلہ: وہ کس قدر زیرک اور عقلمند ہے۔ ساعی: زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے والا نمائندہ، کس امر کا والی اور ذمہ دار۔

سلب امانت کا ذکر

اس حدیث میں امانت کے اٹھ جانے کا ذکر ہے، اس کے راوی حضرت حذیفہ ہیں جو نبی کریم ﷺ کے راز دار صحابی تھے، ان سے زیادہ ترفیق، آئندہ پیش آنے والے واقعات اور قیامت سے متعلق روایات منقول ہیں، نبی کریم ﷺ نے انہیں دو حدیثیں ارشاد فرمائیں، ایک میں امانت کے نزول کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاً لوگوں کے دلوں میں نور امانت پیدا فرمایا، پھر قرآن اتارا گیا تو اہل ایمان نے قرآن سے علم اور سنت سے عمل حاصل کیا، دوسری حدیث میں اس امانت کے اٹھ جانے کا ذکر ہے، حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ: مجھے اس کے وقوع کا انتظار ہے کیونکہ اس وقت امانت کا ماحول غالب تھا، امانت میں خیانت کا زیادہ رواج نہیں تھا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ جس میں آدمی سو کر اٹھے گا تو اس کے قلب سے امانت کو سلب کر لیا جائے گا، بس ایک ہلکا سا نشان باقی رہ جائے گا، اس کو ”وکت“ سے تعبیر کیا، پھر وہ دوبارہ سوئے گا تو امانت کا وہ بقیہ حصہ بھی اٹھا لیا جائے گا، اور اس کے دل پر سخت قسم کی ظلمت چھا جائے گی، اسے ”محل“ سے تعبیر کیا، اس سونے سے یا تو حقیقت سونا مراد ہے، یا اس سے گناہوں میں انہماک اور زیادہ غفلت مراد ہے۔

پھر نبی کریم ﷺ نے اس ظلمت کے باقی رہنے کو ایک مثال سے سمجھایا کہ جیسے آگ کا انگار پاؤں پر لڑھکا دیا جائے، جس سے پاؤں پر آبلہ بن جائے جو بظاہر عام جلد سے ابھرا ہوا اور بلند ہوتا ہے، لیکن اس میں فاسد مادے کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہوتی، اسی طرح وہ شخص جس کے قلب سے امانت کو اٹھا لیا جائے گا تو وہ اگرچہ بظاہر صالح اور نیک نظر آئے گا لیکن حقیقت میں اس کے باطن میں سعادت و بھلائی اور آخرت میں فائدہ پہنچانے والی کوئی چیز نہیں ہوگی۔

ما اجلدہ... خیانت کرنے والے شخص کے بارے میں ہے کہ وہ چالاک وغیرہ ہوگا..... اور اس کی وجہ سے لوگوں میں اس کی تعریفوں کا چرچا ہوگا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت وہ تھا کہ امانت و دیانت کا بہت لحاظ کیا جاتا تھا، اس لئے میں جس سے چاہتا کار و باری لین دین کر لیتا کیونکہ وہ اگر مسلمان ہو تو اسلام کی وجہ سے مجھے دھوکا نہ دے گا، اور اگر وہ غیر مسلم ہوتا تو اسے مسلمان

والی کا ڈر ہوتا، اس لئے مجھے کسی بھی شخص سے خرید و فروخت کرنے میں کوئی پریشانی اور خطرہ نہ ہوتا لیکن آج ایسا زمانہ ہے کہ میں فلاں فلاں کے علاوہ کسی سے کاروباری لین دین اور تجارت نہیں کرتا، گویا خیر القرون میں بھی بعض لوگ ایسے تھے جو امانت کا صحیح طریقے سے خیال نہیں رکھتے تھے، تو بعد کے لوگوں کا کیا کہنا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل چیز ایمان اور فکر و عمل کی پاکیزگی ہے، اگر یہ چیز نہ ہو تو دنیا بھر کی نعمتوں، آسائشوں اور مال و دولت کی کوئی حیثیت نہیں، اگرچہ اہل دنیا اس شخص کی کتنی ہی تعریف کریں، اس لئے تعریف اس شخص کے حق میں معتبر ہوگی جو ایمان اور تقویٰ کے زیور سے آراستہ ہو۔

امانت سے کیا مراد ہے

”امانت“ سے کیا مراد ہے، اس کے مفہوم میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں:

(۱) امانت سے اس کے مشہور معنی مراد ہیں یعنی خیانت کی ضد، یعنی کسی کے حق یا کسی کی ملکیت میں خیانت نہ کرنا۔

(۲) اس سے ”ایمان“ مراد ہے۔

(۳) اس سے وہ تمام شرعی ذمہ داریاں مراد ہیں جو اسلام کی وجہ سے ہر شخص پر عائد کی گئی ہیں۔

ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں، یہ تمام مراد ہو سکتے ہیں۔ (۱)

بَابُ لَتَزْكِبَنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ

تم پہلے لوگوں کے طریقوں کو ضرور اختیار کرو گے

عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمَّا خَرَجَ إِلَى خَنْبَيْنِ مَرَّ بِشَجَرَةٍ لِلْمَشْرِ كَبَيْنَ يَقَالُ لَهَا: ذَاتُ الْأَوَاطِ يَعْلَقُونَ عَلَيْهَا أَسْلِحَتَهُمْ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ: اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ الْأَوَاطِ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ الْأَوَاطِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: سُبْحَانَ اللَّهِ، هَذَا كَمَا قَالَ قَوْمٌ مَوْسَى: اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَزْكِبَنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ۔

حضرت ابو واقد لیثی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ (فتح مکہ کے بعد) جب (غزوہ) خنین کیلئے روانہ ہوئے تو (راستہ میں) آپ کا گزر مشرکوں کے ایک درخت پر ہوا جس کو ”ذات الأواط“ کہا جاتا تھا، اس پر وہ اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے، (اور عبادت کے طور پر اس درخت کے گرد طواف کرتے اور نظیماً اس کی طرف رخ کر کے بیٹھتے تھے، انہیں دیکھ کر بعض) صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے لئے بھی کوئی ایسا درخت مقرر کر دیجئے جس

پر ہم اپنے ہتھیار لٹکا کر لیں، جیسا کہ کفار کے لئے ”ذات الانواط“ ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ (یہ تم کیا کہہ رہے ہو) یہ بات تم ایسی کہہ رہے ہو جیسا کہ موسیٰ کی قوم (یہودیوں) نے اپنے نبی حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دیجئے جیسا کہ کافروں کے معبود ہیں، (پھر حضور نے فرمایا) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور ان لوگوں کے طریقوں پر چلو گے جو تم سے پہلے گذرے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لتو کبن: تم ضرور چلو گے، اختیار کرو گے۔ سنن: سنہ کی جمع ہے: طریقہ، عادت۔ ذات انواط: مشرکین کے اس درخت کا نام ہے جس پر وہ اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے، اور اس کی تعظیم و تکریم اور پرستش کرتے تھے، انواط ”نوط“ کی جمع ہے، لٹکانا، یہ مصدر ہے جو مفعول کے معنی میں ہے، یعنی ایسا درخت جس پر ہتھیار لٹکائے جاتے تھے۔ یعلقون: وہ لٹکاتے ہیں۔ اسلحتہم: سلاح کی جمع ہے، اپنے ہتھیار۔

پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلنے کے معنی

غزوہ حنین کے سفر میں بعض نو مسلم صحابہ کرام بھی تھے جنہیں احکام و مسائل کا زیادہ علم نہیں تھا، اور مسئلہ توحید میں بھی کامل مرتبہ پر نہیں تھے، انہوں نے مشرکین کو جب دیکھا کہ وہ ہمیک درخت کی تعظیم کر رہے ہیں، اس کا طواف اور پرستش کر رہے ہیں تو حضور اکرم ﷺ سے درخواست کرنے لگے کہ ہمارے لئے بھی ایک درخت مقرر کر دیجئے جس پر ہم ہتھیار وغیرہ لٹکائیں،..... حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہ یہ تم کیا بات کر رہے ہو، یہ تو قوم موسیٰ والی بات ہے، اور فرمایا: ”تم ضرور ان لوگوں کے طریقوں پر چلو گے جو تم سے پہلے گذرے ہیں“ اس جملے کے دو مطلب ہیں:

- (۱) تم لوگ ایسی بات کرتے اور کہتے رہے تو عجب نہیں کہ تم بھی ضلالت و گمراہی کے اس راستہ پر چل پڑو جس کو پچھلی امتوں کے لوگوں نے اختیار کیا تھا اور پھر وہ اللہ کے ہاں غضب اور عذاب کے مستحق ہو گئے۔
- (۲) امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم لوگ گناہ اور نافرمانی میں ان کی موافقت کرو گے نہ کہ کفر میں، چنانچہ جو گناہ پچھلی امتوں میں ہوئے ہیں، اسی طرح کے گناہ اور معصیت کا ارتکاب اس امت کے لوگ بھی ضرور کریں گے، یہ نبی کریم ﷺ کا ایک واضح معجزہ ہے کہ جیسے آپ نے پوچھن گوئی کی تھی اسی طرح واقع ہو رہا ہے۔^(۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي كَلَامِ السَّبَاعِ

یہ باب درندوں کے کلام کے بارے میں ہے

عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله ﷺ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُكَلِّمَ السَّبَاعُ

الْإِنْسُ، وَحَتَّى يَكُونُ الرَّجُلُ عَذْبَةً سَوْطًا وَشِرَاكًا نَعْلُوهُ وَتُخْبِزُهُ فَتُخَذُّهُ بِمَا أَخَذَتْ أَهْلُهُ بَعْدَهُ۔

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک درندے انسانوں سے باتیں نہ کر لیں گے اور جب تک کہ آدمی کے کوڑے کا پھندا اور اس کے جوتے کا تسمہ اس سے باتیں نہ کر لیں گے، اور (یہی نہیں بلکہ) انسان کی ران اس کو یہ بتایا کرے گی کہ اس کے اہل و عیال نے اس کی عدم موجودگی میں کون سے نئے کام اور کیا نئی بات کی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ عذبة: (عین اور ذال پر زبر کے ساتھ) کسی چیز کا کنارہ، سرا، نوک، عذبة السوط کوڑے کا کنارہ، پھندا۔ شراک: (شین کے نیچے زیر) تسمہ۔ نعل: (نون پر زبر) جوتا۔

ایک پٹن گوئی

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے علامات قیامت کے بارے میں ایک پٹن گوئی فرمائی ہے کہ قیامت کے قریب ایک وقت ایسا آئے گا کہ درندے انسان سے باتیں کریں گے، اور اس کے کوڑے کا پھندا، جوتے کا تسمہ اور حتیٰ کہ اس کی ران اس سے باتیں کرے گی۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي انْشِقَاقِ الْقَمَرِ

یہ باب شق قمر کے (ثبوت) کے بارے میں ہے۔

عن ابن عمر قال: انْفَلَقَ الْقَمَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: اشْهَدُوا۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم گواہ رہو۔ (میری نبوت پر یا میرے اس معجزے پر)

شق قمر کا معجزہ

کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کی نبوت و رسالت کیلئے کوئی نشانی بطور معجزے کے طلب کی، حق تعالیٰ نے آپ کی حقانیت کے ثبوت کے لئے یہ معجزہ شق القمر ظاہر فرمایا، قرآن کریم کی اس آیت و انشق القمر میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، اور بہت سے صحابہ کرام سے صحیح احادیث میں یہ منقول ہے، یہی وجہ ہے کہ امام طحاوی اور ابن کثیر نے واقعہ شق القمر کی روایات کو متواتر قرار دیا ہے، اس لئے اس معجزے کا ثبوت اور وقوع قطعی دلائل سے ثابت ہے۔

واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کے مقام منیٰ میں تشریف رکھتے تھے، مشرکین مکہ نے آپ سے نبوت کی نشانی طلب کی، یہ واقعہ ایک چاندنی رات کا ہے، حق تعالیٰ نے یہ کھلا ہوا معجزہ دکھلا دیا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو کر ایک مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی طرف چلا گیا، اور دونوں ٹکڑوں کے درمیان حرا پہاڑ حائل نظر آنے لگا، رسول اللہ ﷺ نے سب حاضرین سے فرمایا کہ دیکھو اور میری نبوت کی یا میرے معجزے کی شہادت دو، جب سب لوگوں نے صاف طور پر یہ معجزہ دیکھ لیا تو پھر یہ دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے، اس کھلے ہوئے معجزے کا انکار تو کسی آنکھوں والے سے ممکن نہ ہو سکتا تھا، مگر مشرکین کہنے لگے کہ محمد نے تم پر جادو کر دیا ہے، مگر سارے جہاں پر جادو نہیں کر سکتے، اس لئے ملک کے اطراف سے آنے والے لوگوں کا انتظار کرو کہ وہ کیا کہتے ہیں، عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ بعد میں تمام اطراف سے آنے والے مسافروں سے ان لوگوں نے تحقیق کی تو سب نے ایسا ہی چاند کے دو ٹکڑے دیکھنے کا اعتراف کیا مگر پھر بھی یہ لوگ ایمان نہ لائے۔

شق قمر کے واقعہ پر کچھ شبہات اور ان کا جواب

اس واقعہ پر عموماً دو شبہ کئے جاتے ہیں:

(۱) ایک شبہہ تو یونانی فلسفہ کے اصول کی بناء پر کیا گیا ہے، کہ آسمان اور تمام سیارات میں یہ ممکن نہیں کہ وہ شق ہو جائیں اور پھر جزا جائیں، مگر یہ محض ان کا دعویٰ ہے اس پر جتنے دلائل پیش کئے گئے ہیں وہ سب بے بنیاد اور لغو ہیں، علماء کرام نے ان کے لغو ہونے کو تفصیل سے واضح کیا ہے، اور عقلی دلیل سے بھی آج تک شق قمر کا محال ہونا ثابت نہیں ہو سکا، کیوں کہ معجزہ تو نام ہی اس چیز کا ہے جو عام عادت کے خلاف اور عام لوگوں کی قدرت سے خارج ہو، ورنہ معمولی کام جو ہر وقت ہو سکے، اسے کون معجزہ کہے گا۔

(۲) دوسرا شبہہ یہ کیا جاتا ہے کہ شق قمر کا یہ عظیم الشان واقعہ اگر پیش آیا ہوتا تو پوری دنیا کی تاریخوں میں اس کا ذکر ہوتا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں رات کے وقت پیش آیا ہے، اس وقت بہت سے ممالک میں تو دن ہو گا وہاں اس واقعہ کے نمایاں اور ظاہر ہونے کا سوال ہی نہیں ہوتا اور بعض ممالک میں نصف شب اور آخر شب میں ہو گا جس وقت عام دنیا سوتی ہے اور جاگنے والے بھی تو ہر وقت چاند کو نہیں سکتے رہتے، زمین پر پھیلی ہوئی چاندنی میں اس کے دو ٹکڑے ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا جس کی وجہ سے کسی کو اس کی طرف توجہ ہوتی پھر یہ تھوڑی دیر کا قصہ تھا، روزمرہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی ملک میں چاند گہن ہوتا ہے اور آج کل تو پہلے سے اس کے اعلانات بھی ہو جاتے ہیں، اس کے باوجود ہزاروں لاکھوں آدمی اس سے بے خبر رہتے ہیں، ان کو کچھ بھی پتہ نہیں چلتا، تو کیا اس کی یہ دلیل بنائی جاسکتی ہے کہ چاند گہن ہوا ہی نہیں، اس لئے دنیا کی عام تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس واقعہ کی تکذیب نہیں ہو سکتی۔

اس کے علاوہ ہندوستان کی مشہور و مستند تاریخ ”تاریخ فرشتہ“ میں اس کا ذکر بھی موجود ہے کہ ہندوستان میں مہاراجہ مالہبار نے یہ واقعہ پنچشم خود دیکھا اور اپنے روزنامہ میں لکھوایا اور یہی ان کے مسلمان ہونے کا سبب بھی بنا، نیز اس واقعہ کا ذکر

ہندوؤں کی مشہور کتاب ”مہا بھارت“ میں بھی موجود ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي الْخُسْفِ

یہ باب خسف یعنی زمین میں دھنس جانے کے بارے میں ہے۔

عن خَدِيجَةَ بِنِ أَسِيدَةَ قَالَتْ: أَشْرَفَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ غُرْفَةٍ وَنَحْنُ نَتَذَكَّرُ السَّاعَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَرَوْا عَشْرَ آيَاتٍ: طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَيَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَالذَّابَّةُ وَثَلَاثَةُ خُسُوفٍ: خُسْفٍ بِالْمَشْرِقِ وَخُسْفٍ بِالْمَغْرِبِ وَخُسْفٍ بِجُزْءِ نِزْوَةِ الْعَرَبِ، وَنَارٌ أَتَخْرُجُ مِنْ قَفْرِ عَدْنٍ تَسْوِفُ النَّاسَ أَوْ تَحْشُرُ النَّاسَ فَحَبِثْ مَعَهُمْ حَيْثُ هَانُوا، وَتَقِيلْ مَعَهُمْ حَيْثُ قَالُوا۔

حضرت خدیجہ بنت اسیدہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں بالا خانے سے دیکھا ہم لوگ آپس میں قیامت کا ذکر کر رہے تھے، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم لوگ (اس سے پہلے) دس نشانیاں نہ دیکھ لو گے، (وہ یہ ہیں) مغرب کی طرف سے سورج کا طلوع ہونا، یا جوج ماجوج کا ظہور، جانور کا کلکنا، اور تین مقامات پر زمین کا دھنسا ہونا ایک دھنسنے کا واقعہ مشرق کے علاقہ میں، دوسرا مغرب کے اور تیسرا جزیرہ عرب کے علاقہ میں پیش آئے گا، اور آگ ہے جو (یمن کے مشہور شہر) عدن کے آخری کنارے سے ظاہر ہوگی، اور لوگوں کو زمین حشر کی طرف ہانک کر لے جائے گی یا (فرمایا) لوگوں کو جمع کرے گی، اور وہ ان کے ساتھ ہی رات گزارے گی جہاں وہ رات گذاریں گے اور دوپہر کو ٹھہرے گی جہاں وہ ٹھہریں گے۔

عَنْ فُرَاتٍ، وَزَادَ فِيهِ: الذَّجَالُ أَوْ الذَّخَانُ۔

حضرت فرات سے دوسری روایت میں اس قدر اضافہ ہے کہ آپ نے دجال یا دھوکیں کا ذکر فرمایا ہے۔

عَنْ فُرَاتٍ نَحْوَ حَدِيثِ أَبِي دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ وَزَادَ فِيهِ: وَالْعَاصِيَةُ إِنَّمَا رِيحٌ تَطُورُ خَلْفَهُمْ لِيُالْجَحِيمِ وَإِنَّمَا تَنْزُولُ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ۔

حضرت فرات ہی سے ایک دوسری روایت میں یوں اضافہ ہے کہ دسویں علامت وہ ہوا ہے جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی یا فرمایا کہ دسویں علامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہے۔

عَنْ صُوفِيَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا يَنْتَهِي النَّاسُ عَنْ غُرُوبِ هَذَا النَّبِيِّ حَتَّى يَغُزُوا جَنِيْشَ حَتَّى إِذَا كَانُوا بِالْبَيْدَاءِ أَوْ بَيْنَ الدَّاعِيَيْنِ الْأَرْضِ خُسِفَ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ، وَلَمْ يَنْجُ أَوْ سَطُّهُمْ، قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ: لَعَنَ كَرَّةٌ مِنْهُمْ؟ قَالَ: يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ عَلَى مَا لِيَ أَنْفُسِهِمْ۔

(۱) معارف القرآن، تفسیر سورۃ قمر ۲۲/۸، تکملة فتح للمہم، کتاب صفۃ القیامۃ، باب انشقاق القمر ۱۳۲/۶

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ اس بیت اللہ پر چڑھائی کرنے سے باز نہیں آئیں گے یہاں تک کہ ایک لشکر حملہ آور ہوگا جب وہ مقام بیداء میں یا فرمایا سرزمین بیداء پر پہونچے گا تو اس کے اول و آخر یعنی سب کو دھنسا دیا جائے گا، اور ان کے درمیان کے لوگ بھی بچ نہیں سکیں گے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: کیا اسے بھی دھنسا دیا جائے گا جو ان کے فعل کو ناپسند کرتا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کو (قیامت کے دن) ان کی نیتوں کے مطابق اٹھائیگا (مگر دنیا میں سب ضرور ہلاک ہوں گے)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَكُونُ فِي آخِرِ هَذِهِ الْأُمَّةِ خُسْفٌ وَمَسْخٌ وَقَذْفٌ، قَالَتْ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ: أَتَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ؟ قَالَ: نَعَمْ، إِذَا ظَهَرَ الْخَبْثُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس امت کے آخر میں زمین میں دھنسے، شکل و صورت کے بدل جانے اور آسمان سے پتھروں کے برسنے کا واقعہ رونما ہوگا، حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا: کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے جب کہ ہم میں نیکو کار بھی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں (سب ہلاک ہو جائیں گے) جب خباثت یعنی فسق و فجور غالب ہو جائیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:- اشرف علینا: ہمیں اوپر سے دیکھا۔ خسف: (خاء پر زبر اور سین کے سکون کے ساتھ) زمین میں دھنس جانا۔ قعر: (قاف پر زبر اور سین کے سکون کے ساتھ) آخری کنارہ۔ عدن: یمن کا مشہور شہر ہے۔ تسوق: وہ آگ ہانک کر لے جائے گی۔ تبیت: رات گزارے گی۔ تقیل: دو پہر کو ٹھہرے گی۔ تطرحہم: وہ ہوا ان کو پھینکے گی۔ لاینتہی: باز نہیں آئیں گے، نہیں رکیں گے۔ مسخ: (میم پر زبر، اور سین ساکن) شکل و صورت کا تبدیل ہو جانا۔ قذف: (قاف پر زبر اور ذال کے سکون کے ساتھ) آسمان سے پتھروں کا برسنا۔ الخبث: (خاء اور با پر زبر کے ساتھ) اس کے دو معنی ہیں افسق و فجور، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی۔ ۲۔ زنا۔ اکثر شارحین نے پہلے معنی مراد لئے ہیں کہ اس سے مطلق اللہ تعالیٰ کی نافرمانی مراد ہے خواہ وہ زنا ہو یا اس کے علاوہ اور کوئی گناہ ہو۔ بیداء: جنگل، چٹیل زمین جس پر کچھ نہ ہو، یہ ایک مخصوص میدان کا بھی نام ہے۔

قیامت کی دس نشانیاں

مذکورہ باب کی احادیث میں نبی کریم ﷺ نے قیامت سے پہلے دس نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے:

- (۱) مغرب سے سورج کا طلوع ہونا، اس کی تفصیل اگلے باب میں ہے۔
- (۲) یاجوج ماجوج کا ظاہر ہونا، اس کی تفصیل بھی ایک مستقل باب میں آ رہی ہے۔
- (۳) دابہ یعنی جانور کا نکلنا۔

اس حدیث میں قرب قیامت میں زمین سے ایک ایسے جانور کے نکلنے کا ذکر ہے، جو لوگوں سے باتیں کرے گا، یہ جانور

مکہ مکرمہ میں کوہ صفا سے نکلے گا اور اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا مسجد حرام میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان پہنچ جائے گا، لوگ اسے دیکھ کر بھاگنے لگیں گے مگر ایک جماعت رہ جائے گی یہ جانور ان کے چہروں کو ستاروں کی طرح روشن کر دے گا، اس کے بعد زمین کی طرف نکلے گا، ہر کافر کے چہرے پر کفر کا نشان لگا دے گا، کوئی اس کی پکڑ سے بھاگ نہ سکے گا، یہ ہر مومن و کافر کو پہچانے گا، بعض نے کہا کہ اس کے ایک ہاتھ میں حضرت موسیٰ کا عصا اور دوسرے ہاتھ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگلی ہوگی مومن کو لاٹھی مارے گا اور اس کے چہرے پر ”مومن“ لکھ دے گا، اور اس انگلی کی ذریعہ کافر کے چہرے پر مہر لگا دے گا اور ”کافر“ لکھ دے گا۔

ابن کثیر وغیرہ نے دایۃ الارض کی ہیئت اور کیفیات و حالات کے متعلق مختلف روایات نقل کی ہیں جن میں سے اکثر قابل اعتماد نہیں، اس لئے جتنی بات قرآن کی آیات اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ یہ عجیب الخلق جانور ہوگا، تو الد و تناسل کے بغیر زمین سے نکلے گا، اس کا خروج مکہ مکرمہ میں ہوگا، پھر ساری دنیا میں پھرے گا، یہ مومن و کافر کو پہچانے گا اور ان سے کلام کرے گا، بس اتنی بات پر عقیدہ رکھا جائے، اس سے زائد کیفیات اور حالات کی تحقیق و تفتیش نہ ضروری ہے اور نہ اس سے کچھ فائدہ ہے۔ اس جانور کا لوگوں سے کلام کرنے کا کیا مطلب ہے؟

اس میں دو قول ہیں:

(۱) بعض حضرات کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن مجید کی یہ آیت ان الناس کانوا باہتلا لا یوقنون اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو سنائے گا، کہ بہت سے لوگ آج سے پہلے ہماری آیتوں پر یقین نہ رکھتے تھے، اور مطلب یہ ہوگا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ان سب کو یقین ہو جائے گا مگر اس وقت کا یقین شرعاً معتبر نہیں ہوگا۔

(۲) حضرت ابن عباس اور حضرت علی وغیرہ سے منقول ہے کہ یہ جانور لوگوں سے خطاب اور کلام کرے گا جس طرح کہ عام کلام ہوتا ہے۔ (۱)

(۳-۶) تین مرتبہ یعنی مشرق و مغرب اور جزیرہ عرب میں دھنسنے کے واقعات پیش آئیں گے۔

خسف کے یہ واقعات پیش آچکے ہیں یا آئندہ رونما ہوں گے، اس میں دو قول ہیں:

☆ بعض حضرات کے نزدیک یہ تینوں خسف واقع ہو چکے ہیں، ایک مغرب میں سن ۲۰۸ھ میں ہوا جس میں تیرہ گاؤں زمین میں دھنس گئے، دوسرا خسف غرناطہ میں سن ۸۳۴ھ میں ہوا جس میں متعدد مکانات دھنس گئے اور تیسرا خسف مقام ”ری“ میں سن ۳۴۶ھ میں پیش آیا جس میں تقریباً ۱۵۰ مکان کا خسف ہوا۔

☆ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب نے اپنے رسالے میں اس بات کو راجح قرار دیا ہے کہ خسف کے یہ تینوں واقعات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد پیش آئیں گے۔ (۲)

(۷) عدن کے ایک کنارے سے آگ نکلے گی جو لوگوں کو محشر کی طرف ہانک کر لے جائے گی،

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آگ عدن کے ایک کنارے سے نکلے گی جب کہ دوسری روایت میں ارض حجاز کا ذکر ہے کہ وہاں سے نکلے گی، اس لئے قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ دو آگیں ہوں، ایک عدن سے اور دوسری حجاز کی زمین سے نکلے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ آگ کی ابتداء یمن سے ہوگی اور اس کا ظہور حجاز سے ہوگا۔
مسلم کے طریق میں المی المحشر کے بھی الفاظ ہیں کہ یہ آگ محشر کی طرف لے جائے گی، بعض کے نزدیک محشر سے شام کی زمین مراد ہے۔

یہ روایت یہاں مختصر ہے اس میں پوری دس علامات کا ذکر نہیں ہے، اور باب کی دوسری روایات میں مزید کچھ علامات کا ذکر تو ہے، لیکن اس میں راوی نے انہیں شک کی وجہ سے ”او“ کے ساتھ ذکر کیا ہے البتہ یہی روایت صحیح مسلم میں تفصیل کے ساتھ ہے اور اس میں پوری دس علامات کا ذکر ہے جن کی تفصیل یہ ہے:

(۸) قیامت کی علامات میں سے ہے کہ دُخان یعنی دھواں نکلے گا جو لوگوں پر چھا جائے گا، اس کے بارے میں دو قول مشہور ہیں:
☆ حضرت حذیفہ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ یہ دھواں قیامت کے بالکل قریب ظاہر ہوگا، جو اطراف عالم میں پھیل جائے گا، اور چالیس دن تک رہے گا، مومن پر اس کا اثر صرف زکام کی صورت میں ہوگا، اور کافر کے تمام بدن میں بھر جائے گا۔
☆ دُخان کی پُشن کوئی واقع ہو چکی ہے اور اس کا مصداق مکہ مکرمہ کا قحط ہے جو رسول اللہ ﷺ کی بددعا سے ان پر مسلط ہوا تھا، وہ بھوک سے مرنے لگے، مردار جانور تک کھانے لگے، آسمان پر بجائے بادل کے ان کو دھواں نظر آتا تھا، یہ قول حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ کا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ دُخان دوسرے ہوگا ایک مجازی دُخان جو کفار قریش کو پیش آیا، اور دوسرا حقیقی دُخان جو قرب قیامت میں ظاہر ہوگا۔ (۱)

(۹) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔

(۱۰) دجال کا خروج ہوگا۔ (۲)

والعاشرة اماريح تطرحهم في البحر و امانزل عيسى عليه السلام دسویں علامت: یا تو یہ ہے کہ ایک ہوا چلے گی جو مخصوص لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی، یہ اس وقت ہوگا جب عدن سے آگ کا ظہور ہوگا یا راوی نے دسویں علامت حضرت عیسیٰ کا نزول ذکر فرمایا۔

اس ”عاشور“ سے یہ مراد نہیں کہ حدیث باب میں ذکر کردہ علامتوں میں سے دسویں علامت ہے، کیونکہ یہاں اس

(۱) تحفة الاحوذی ۳۴۴/۶

(۲) تکملة فتح للملهم ۳۰۶/۶ کتاب الفتن، باب فی الآيات التي تكون قبل الساعة

روایت میں ان تمام کو بیان نہیں کیا گیا، یہ باب کی روایت کے علاوہ دوسری ایک روایت کا ذکر ہے۔
ان علامات کے وقوع میں کیا ترتیب ہوگی، اس میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے:

- (۱) بعض کہتے ہیں کہ پہلے دھان ہوگا، پھر دجال کا خروج ہوگا پھر نزول عیسیٰ اور یا جوج ماجوج کا ظہور ہوگا۔
- (۲) بعض کے نزدیک پہلے خسف ہوں گے پھر دجال کا خروج اور نزول عیسیٰ ہوگا پھر یا جوج ماجوج کا ظہور ہوگا، اور ہوا چلے گی۔

(۳) بعض نے اس میں توقف اختیار کیا ہے کہ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ پہلے کس چیز کا ظہور ہوگا، یہی قول رائج ہے۔ (۱)
حتیٰ یغزو جیش... حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ پر حملہ کرنے کے واقعات متعدد بار پیش آئیں گے، بعض مرتبہ تو کعبہ پر حملے سے پہلے ہی حملہ آوروں کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور بعض مرتبہ بیت اللہ کو گرانے کے بعد جب وہ واپس جائیں گے تو اس وقت انہیں دھنسا دیا جائے گا۔

خسف ہا ولہم و اخرہم

تمام کوزمین میں دھنسا دیا جائے گا البتہ صرف ایک شخص بچ جائے گا جو اس واقعے کی اطلاع دوسروں کو دے گا، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ کعبہ کا واقعہ امام مہدی کے زمانے میں پیش آئے گا۔ (۲)

بَاب مَا جَاءَ فِي طُلُوعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا

یہ باب سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بارے میں ہے۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ وَالنَّبِيُّ ﷺ جَالِسٌ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ: أَتَذَرِي أَيْنَ تَذْهَبُ هَذِهِ؟ قَالَ قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّهَا تَذْهَبُ لِيَتَسَاءَلَنَ فِي الشَّجَرِ فَيُؤْذَنَ لَهَا وَكَأَنَّهَا قَدْ قِيلَ لَهَا: اطْلُوعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ، فَتَطْلُعِي مِنْ مَغْرِبِهَا، قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ: وَذَلِكَ مُسْتَقَرُّ لَهَا وَقَالَ: ذَلِكَ قِرَاءَةُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ۔

حضرت ابو ذر غفاری کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، جب آفتاب غروب ہو رہا تھا تو آپ نے فرمایا اے ابو ذر: تم جانتے ہو کہ یہ آفتاب کہاں جا رہا ہے؟ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ آفتاب جاتا ہے (عرشِ رحمن کے نیچے) تاکہ سجدہ کرنے کی اجازت طلب کرے چنانچہ اسے سجدہ کرنے کی اجازت دے دی جاتی ہے (یعنی اسے دوبارہ مشرق سے طلوع ہونے کی

(۱) تحفة الاحوذی ۳۴۶/۶، الکوکب الدری ۱۳۴/۳

(۲) الکوکب الدری ۱۳۵/۳ تکملة فتح للملہم ۶۶۳/۶ کتاب الفتن باب الحسف بالجیش الذی یوم البیت

اجازت مل جاتی ہے، اور پھر ایک وقت آئے گا کہ اسے سجدہ کی اجازت نہیں ملے گی (اور گویا اس کو کہا جاتا ہے: تم وہاں سے طلوع ہو جاؤ جہاں سے تم آئے ہو، چنانچہ وہ مغرب سے طلوع ہوگا، راوی کہتے ہیں کہ پھر حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی وذلک مستقر لھا اور حضرت ابو ذر نے فرمایا: یہ عبد اللہ بن مسعود کی قرأت ہے۔

سورج کا مغرب سے طلوع ہونا

قیامت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا، جس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ سورج کا روزانہ عرش کے نیچے جانے اور اگلے دورے کے لئے اجازت طلب کرنے کے کیا معنی ہیں؟ اس میں مختلف اقوال ہیں: جمہور کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ آفتاب اللہ تعالیٰ کے اذن اور مشیت سے چل رہا ہے، اس کا ہر طلوع و غروب اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوتا ہے، اس کے تابع فرمان حرکت کرنے ہی کو اس کا سجدہ قرار دیا گیا، کیونکہ ہر چیز کا سجدہ اس کے مناسب حال ہوتا ہے، گویا آفتاب اپنے مدار پر حرکت کے درمیان ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ بھی کرتا ہے، اور آگے چلنے کی اجازت بھی مانگتا رہتا ہے، اور اس سجدے اور اجازت کے لئے اس کو کسی سکون اور وقفے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آفتاب اپنے پورے دورے میں زیر عرش اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز رہتا ہے یعنی اس کی اجازت اور فرمان کے تابع حرکت کرتا ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح قرب قیامت تک چلتا رہے گا یہاں تک کہ جب قیامت کی بالکل قریبی علامت ظاہر کرنے کا وقت آجائے گا تو آفتاب کو اپنے مدار پر اگلا دورہ شروع کرنے کے بجائے پیچھے لوٹ جانے کا حکم ہو جائے گا۔ اور پھر وہ مغرب کی طرف سے طلوع ہو جائے گا لہذا اس روایت میں جو غروب آفتاب کی تخصیص اور اس کے بعد زیر عرش جانے اور وہاں سجدہ کرنے اور اگلے دورے کی اجازت مانگنے کے واقعات بتلائے گئے ہیں، سمجھانے کے لئے بطور مثال کے ہیں، مقصد یہ ہے کہ سورج اپنی حرکت میں اللہ کا تابع فرمان ہے۔^(۱)

”وذلک مستقر لھا“ یہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قرأت ہے، ورنہ عام قرأت والشمس تجری لمستقر لھا ہے، اور یہی متواتر قرأت ہے۔

اشکال و جواب

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب کا مستقر تحت العرش ہے جب کہ قرآن مجید کی آیت میں ہے حتی اذا بلغ مغرب الشمس وجدھا تغرب فی عین حمۃ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج ایک چشمہ میں ڈوبتا ہے، بظاہر ان دونوں میں تعارض ہے؟

حقیقت میں ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ سورج کا اصلی مستقر تو زیر عرش ہے، لیکن جب دور سے غروب آفتاب کو دیکھا جائے اور نیچے سمندر ہو تو دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ آفتاب اس میں ڈوب رہا ہے، کیوں کہ آگے آبادی یا کوئی خشکی سامنے نہیں ہوتی، جیسے آپ کسی ایسے میدان میں غروب کے وقت ہوں جہاں دور تک مغرب کی جانب میں کوئی پہاڑ، درخت اور عمارت نہ ہو تو دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ سورج زمین کے اندر گھس رہا ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي خُرُوجِ يَاجُوجَ وَمَاجُوجَ

یہ باب یا جوج ماجوج کے نکلنے کے بارے میں ہے۔

عَنْ زَيْنَبِ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَتْ: اسْتَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ نَوْمٍ مُخْمَرًا وَجْهَهُ وَهُوَ يَقُولُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، يَرُدُّهَا فَلَا تَمُوتُ أَبَ، وَنِيلٌ لِلْعَرَبِ، مِنْ شَرِّ قَدِ الْقَرْبِ، لَمَحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدَمِ يَاجُوجَ وَمَاجُوجَ مِثْلَ هَذِهِ وَعَقْدَ عَشْرًا، قَالَتْ زَيْنَبُ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ: أَفَنَهْلِكُ وَلَيْسَ الصَّالِحُونَ؟ قَالَ نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْغَيْبُ.

حضرت زینب بنت جحش سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک روز) نیند سے ایسی حالت میں بیدار ہوئے کہ چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا، اور آپ فرما رہے تھے: لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) تین بار آپ نے یہ جملہ دہرایا، خرابی ہے عرب کے اس شر سے جو قریب آچکا ہے، آج کے دن یا جوج ماجوج کی روم یعنی بڑے بند میں اپنا سوراخ کھل گیا ہے، اور آپ نے انگوٹھے اور انگشت شہادت کو ملا کر حلقہ بنا کر دکھلایا، حضرت زینب کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم ایسے حال میں ہلاک کئے جاسکتے ہیں جب کہ ہمارے اندر صالحین موجود ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں ہلاک ہو سکتے ہیں جب کہ خبث یعنی شر کی کثرت ہو جائے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ مخمرًا و جھہ: آپ کا چہرہ مبارک سرخ تھا۔ یو ددھا: کلمہ طیبہ کو بار بار پڑھ رہے تھے۔ و نیل: خرابی، ہلاکت۔ اقتراب: قریب ہو چکا ہے۔ ردم: (را پر زبر اور دال کے سکون کے ساتھ) بڑا بند، آہنی دیوار۔ عقد عشرًا: عقد عشر یعنی انگوٹھے اور انگشت شہادت کو ملا کر حلقہ بنایا۔ غبت: (غاء اور باء پر زبر کے ساتھ) ہر بے فائدہ کام یا چیز، زنا، فسق و فجور اور معاصی، یہاں حدیث میں اس سے مطلق گناہ اور نافرمانی مراد ہے۔

کچھ یا جوج ماجوج کے بارے میں

یہ ذہن میں رہے کہ یا جوج ماجوج کے متعلق بعض اسرائیلی اور تاریخی کہانیاں ایسی ہیں، جو بالکل بے سرو پا ہیں، اور جن پر مفسرین اور محدثین نے اعتماد بھی نہیں کیا، ہاں بعض نے انہیں نقل کر دیا ہے، قرآن کریم نے ان کا مختصر سا حال اجمالاً بیان کیا اور

رسول کریم ﷺ نے بقدر ضرورت ان کی تفصیلات سے آگاہ فرمادیا ہے، ایمان لانے اور اعتقاد رکھنے کی چیز صرف اتنی ہی ہے جو قرآن اور احادیث صحیحہ میں آگئی ہے، اس سے زائد تاریخی اور جغرافیائی حالات صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی، اس لئے ان پر ایمان لانا ضروری نہیں۔

صحیح احادیث میں جو تفصیل یا جوج ماجوج کے بارے میں منقول ہے، اس میں سے کچھ یہ ہے:

قرآن و سنت کی تصریحات سے اتنی بات تو بلاشبہ ثابت ہے کہ یا جوج ماجوج انسانوں ہی کی قومیں ہیں، عام انسانوں کی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، قیامت کے قریب مخصوص حالات میں ان کا خروج ہوگا، یہ وہ وقت ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو چکے ہوں گے، وہ جب دجال کو مقام ”لذہ“ پر قتل کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ میں اپنے بندوں میں سے ایسے لوگوں کو نکالوں گا جن کے مقابلے کی کسی کو طاقت نہیں، لہذا آپ مسلمانوں کو جمع کر کے کوہ طور پر چلے جائیں، (چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسا ہی کریں گے) پھر اللہ تعالیٰ یا جوج ماجوج کو نکالیں گے، تو وہ تیز رفتاری کے سبب ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے دکھائی دیں گے، ان میں سے پہلے لوگ بحیرہ طبریہ سے گذریں گے اور اس کا سب پانی پی کر ایسا کر دیں گے کہ جب ان میں سے دوسرے لوگ اس بحیرہ سے گذریں گے تو دریا کی جگہ کو خشک دیکھ کر کہیں گے کہ کبھی یہاں پانی ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کوہ طور پر پناہ لیں گے، اور دوسرے مسلمان اپنے قلعوں اور محفوظ جگہوں میں پناہ لیں گے، کھانے پینے کا سامان ساتھ ہوگا مگر وہ کم پڑ جائے گا، اس اذیت کو دیکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمام مسلمان اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے، اللہ تعالیٰ دعا کو قبول فرمائیں گے اور ان پر وہائی صورت میں ایک بیماری بھیجیں گے اور یا جوج ماجوج تھوڑی دیر میں سب کے سب مرجائیں گے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کوہ طور پر سے نیچے آئیں گے تو دیکھیں گے کہ زمین میں ایک بالشت جگہ بھی ان کی لاشوں سے خالی نہیں، سخت تعفن پھیلا ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی حق تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ یہ مصیبت بھی دفع ہو، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے، اور بہت بھاری بھر کم پرندے بھیجیں گے، جن کی گردنیں اونٹ کی گردن کی مانند ہوں گی وہ ان کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ کی مرضی ہوگی وہاں پھینک دیں گے، بعض روایات میں ہے کہ دریا میں ڈالیں گے، پھر اللہ تعالیٰ بارش برسا دیں گے، کوئی شہر اور جنگل ایسا نہ ہوگا جہاں بارش نہ ہوئی ہوگی، ساری زمین دھل جائے گی، اور شیشہ کی طرح صاف ہو جائے گی، پھر اللہ تعالیٰ زمین کو حکم فرمائیں گے کہ اپنے پیٹ سے پھلوں اور پھولوں کو اگادے، اور از سر نو اپنی برکات کو ظاہر کر دے چنانچہ ایسا ہی ہوگا اور اس قدر برکت ظاہر ہوگی کہ ایک انار ایک جماعت کے کھانے کے لئے کفایت کرے گا، اور لوگ اس کے چھلکے کی چھتری بنا کر سایہ حاصل کریں گے اور غیر معمولی برکات اور امن و امان کا زمانہ چالیس سال رہنے کے بعد جب قیامت کا وقت آجائے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ ایک خوشگوار ہوا چلائیں گے جس کی وجہ سے سب مسلمانوں کی بغلوں کے نیچے ایک خاص بیماری ظاہر ہو جائے گی، اور سب کے سب وفات پا جائیں گے اور باقی صرف شریر و کافر وہ جائیں گے جو زمین پر حکم کھلا حرام کاری جانوروں کی طرح کریں گے ایسے ہی لوگوں پر قیامت آئے گی۔

مسند احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یا جوج ماجوج ہر روز سد ذوالقرنین کو کھودتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ اس آہنی دیوار کے آخری حصہ تک اتنے قریب پہنچ جاتے ہیں کہ دوسری طرف کی روشنی نظر آنے لگتی ہے، مگر یہ کہہ کر لوٹ جاتے ہیں کہ باقی کوکل کھود کر پار کر دیں گے مگر اللہ تعالیٰ اس کو پھر ویسا ہی مضبوط اور درست کر دیتے ہیں اور اگلے روز پھر نئی محنت اس کے کھودنے میں کرتے ہیں، یہ سلسلہ کھودنے میں محنت کا اور پھر منجانب اللہ اس کی درستی کا اس وقت تک چلتا رہے گا جس وقت تک یا جوج ماجوج کو بند رکھنے کا ارادہ ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کھولنے کا ارادہ فرمائیں گے تو اس دن آخر میں یوں کہیں گے کہ اگر اللہ نے چاہا تو ہم کل اس کو پار کر لیں گے، تو اگلے روز دیوار کا باقی ماندہ حصہ اپنی حالت پر ملے گا اور وہ اس کو توڑ کر پار کر لیں گے۔

ابن عربی نے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یا جوج ماجوج میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے وجود اور اس کی مشیت و ارادے کو مانتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر کسی عقیدے کے ہی ان کی زبان پر اللہ تعالیٰ یہ کلمہ جاری کر دے اور اس کی برکت سے ان کا کام بن جائے۔ (۱)

مگر ظاہر یہی ہے کہ ان کے پاس بھی انبیاء علیہم السلام کی دعوت پہنچ چکی ہے، ورنہ نص قرآنی کے مطابق ان کو جہنم کا عذاب نہ ہونا چاہیے، و ما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً معلوم ہوا کہ دعوت ایمان ان کو بھی پہنچی ہے مگر یہ لوگ کفر پر جمے رہے، ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اللہ کے وجود اور اس کے ارادے و مشیت کے قائل ہوں گے اگرچہ صرف اتنا عقیدہ ایمان کے لئے کافی نہیں جب تک رسالت اور آخرت پر ایمان نہ ہو، بہر حال ان شاء اللہ کلمہ کہنا باوجود کفر کے بھی بعید نہیں۔

سد ذوالقرنین کا محل وقوع

سد ذوالقرنین جغرافیائی اعتبار سے کہاں واقع ہے، اس پر بحث ہے، کیونکہ وحشی قوموں کے شر سے بچنے کے لئے زمین پر ایک نہیں، بہت سی جگہوں میں سدیں یعنی دیواریں بنائی گئی ہیں، جو مختلف بادشاہوں نے مختلف مقامات پر مختلف زمانوں میں بنائی ہیں۔

مورخین کے نزدیک اس کا محل وقوع یا تو علاقہ داغستان کا کیشیا کے در بند باب الابواب میں ہے یا اس سے بھی اوپر جبل قفقاز یا کوہ قاف کی بلندی پر ہے۔

ان دونوں میں سے حضرت الاستاذ مولانا سید محمد انور شاہ قدس سرہ نے ”عقیدہ اسلام“ میں کوہ قاف یا قفقاز کی سد کو ترجیح دی ہے کہ یہ دیوار ذوالقرنین کی بنائی ہوئی ہے، اس کے پیچھے یا جوج ماجوج ہے جو قرب قیامت میں نکلیں گے۔ (۲)

(۱) اشرط الساعہ للسید محمد ص: ۱۵۴

(۲) اس ساری بحث کے لئے دیکھیے: معارف القرآن سورة کہف ۵/۱۵۲

حدیث میں ”شر“ سے کیا مراد ہے

اس حدیث میں لفظ ”شر“ سے کیا مراد ہے، اس میں تین قول ہیں:

- (۱) اس شر سے وہ فتنہ مراد ہے جو شہادت عثمان کے وقت اور اس کے بعد واقع ہوا اور اب تک قائم ہے۔
- (۲) اس سے وہ فتنے مراد ہیں جن کی اس حدیث میں نشاندہی کی گئی ہے ما ذا أنزل اللیلة من الفتن؟ وما ذا أنزل من العزائن۔

(۳) اس سے یا جوج ماجوج کا فتنہ مراد ہے۔

ویل للعرب، اس میں عرب کی تخصیص یا تو اس وجہ سے ہے کہ ان سے خطاب کیا جا رہا تھا یا وہ اصل تھے اور غیر عربی یعنی عجمی ان کے تابع ہیں۔^(۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْمَارِقَةِ

یہ باب خارجی فرقہ کے بیان میں ہے

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ أَخَذُوا الْأَسْنَانِ، سَفَهَاءُ الْأَخْلَامِ، يَقُولُونَ: الْقُرْآنُ لَا يَجَاوِزُ تَرْاقِيهِمْ، يَقُولُونَ مِنْ قَوْلِ خَيْرِ الْبَرِيَّةِ، يَمُزُّونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمُزُّونَ السَّهْمَ مِنَ الزَّوْمَةِ۔
عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آخری زمانے میں ایک قوم ایسی پیدا ہوگی جو نوجوان اور بے عقل ہوگی جو قرآن مجید (تو) پڑھیں گے (لیکن) یہ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ مخلوق میں سے سب سے بہتر یعنی نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کریں گے لیکن دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر سے شکار سے نکل جاتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:- مارقة: اطاعت سے نکلنے والے، دائرۃ مذہب سے نکلنے والے، گمراہ، یہاں اس سے خوارج مراد ہیں۔ احداث الاسنان: احداث حدث کی جمع ہے: نوعمر، اور اسنان سن کی جمع ہے: عمر، ان الفاظ سے نوجوان مراد ہیں۔ سفهاء: سفیہ کی جمع ہے بیوقوف، کم عقل۔ اخلام: حلم (حاء کے نیچے زیر) کی جمع ہے: عقل۔ لا یجاوِزُ: نہیں تجاوز کرے گا، نہیں اترے گا، تراقی: ترقوة کی جمع ہے: ہنسی کی ہڈی، مراد اس سے ”گلا“ ہے۔ خیر البریة: مخلوق میں سے سب سے بہتر یعنی نبی کریم ﷺ۔ یمرقون من الدین: دین و مذہب سے نکل جائیں گے۔ السهم: تیر۔ رمیة: (راء پر زبر اور میم کے نیچے زیر) تیر چھیک کر جسے شکار کیا جائے، شکار۔

خارجی فرقہ

اس حدیث میں خارجی فرقہ کا ذکر ہے، یہ اسلام میں سب سے پہلا بدعتی اور گمراہ فرقہ ہے، حضرت علی کے دور خلافت میں یہ رونما ہوا، اس کی صورت یہ پیش آئی کہ جنگ جمل جو حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان واقع ہوئی، اس فتنہ سے بچنے کے لئے فریقین نے اپنے حکم اور فیصل مقرر کئے، وہ حضرت ابو موسیٰ اور حضرت عمرو بن عاص تھے، خارجی لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ان المحکمہ الا للہ کہ حکم تو صرف اللہ کا ہوگا، اللہ کے علاوہ کسی اور کا حکم اور فیصلہ قبول نہیں، ان کے نزدیک کسی کو حکم بنانا گویا باعث کفر تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت علی کی اطاعت سے خارج ہو گئے، اسی وجہ سے ان کو خوارج بھی کہا جاتا ہے، اور معاویہ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرنے لگے اور خوارج کے تین سرداروں نے کہا کہ ہم ایک ایک آدمی کو قتل کریں گے، ایک نے کہا میں حضرت علی کو، دوسرے نے حضرت معاویہ کو اور تیسرے نے حضرت عمرو بن العاص کو قتل کرنے کا کہا، ان میں حضرت علی کا قاتل تو کامیاب ہوا لیکن باقی دونوں کام ہوئے۔

فی اخر الزمان اس سے خلافت راشدہ کا آخری دور مراد ہے، چنانچہ یہ لوگ ۲۸ھ میں پیدا ہو گئے تھے، پہلے یہ حمیان علی تھے، بعد میں حضرت علی کی اطاعت سے نکل گئے اور مقام ”حروراء“ میں پناہ لے لی، اسی وجہ سے ان کو حروریہ بھی کہا جاتا ہے۔

يقروا القرآن نبی کریم ﷺ نے ان کی ایک صفت بیان فرمائی کہ یہ لوگ بظاہر بڑے اچھے لب و لہجہ اور تجوید سے قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن اس پر نہ تو ان کا عمل ہوگا اور نہ ہی قرآن ان کے حلق کے نیچے اترے گا بلکہ قرآنی آیات پیش کر کے اپنے غلط عقائد و نظریات کو درست ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔

يعمرقون من الدين كما يعمرق السهم من الرمية جس طرح تیر شکار کے اندر سے گزر جاتا ہے اس پر خون اور نجاست کا کوئی اثر نہیں ہوتا اسی طرح ان لوگوں کے دین سے نکلنے کے بعد ان پر بدانداری، اسلام کی وابستگی اور مسلمانوں کی محبت کا ذرا بھی کوئی اثر نہیں دکھائی دے گا حالانکہ بظاہر وہ بڑے نمازی، قرآن کی بہت تلاوت کرنے والے اور تہجد گزار ہوں گے۔ (۱)

خوارج کے بارے میں علماء کا فتویٰ

خوارج گو کہ حضرت علی کی اطاعت سے نکل گئے تھے اس وجہ سے یہ فاسق اور گمراہ تو ضرور ہیں لیکن کافر نہیں، لہذا ان سے نکاح کرنا اور ان کا بیچ کھانا شرعاً جائز ہے۔

منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ خوارج کافر ہیں اے امیر المؤمنین؟ آپ نے فرمایا نہیں، یہ تو کفر سے بھاگ کر آئے ہیں، پھر پوچھا کہ کیا یہ منافق ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، منافق اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں، جبکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ

کو صبح و شام خوب یاد کرتے ہیں، پھر پوچھا گیا کہ پھر یہ لوگ کیا ہیں؟ فرمایا: مسلمانوں کی ہی ایک گمراہ جماعت ہے، جسے گمراہی نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے، یوں وہ فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي الْأَثَرِ

یہ باب ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے بیان میں ہے

عَنْ أَسِيدِ بْنِ حَضِيرٍ: أَنَّ زَجْلًا مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ: اسْتَغْمَلْتُ فَلَانًا وَلَمْ تَسْتَغْمِلْنِي؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّكُمْ سَتَرُونَ بَغْدِي أَثَرَهُ فَاصْبِرُوا وَاحْتَسِبُوا تَلْقَوْنِي عَلَى الْخُوضِ۔

حضرت اسید بن حضیر سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ: آپ نے فلاں شخص کو حاکم بنایا ہے اور مجھے نہیں بنایا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے انصار تم میرے بعد اثرہ یعنی ناجائز ترجیح دیکھو گے، ایسے میں صبر کرنا، یہاں تک کہ خوض کوثر پر تم مجھ سے ملاقات کرلو۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّكُمْ سَتَرُونَ بَغْدِي أَثَرَهُ وَأُمُورًا تَنْكَرُونَهَا قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: أَذُوا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ وَاسْأَلُوا اللَّهَ الْإِلَهِي لَكُمْ۔

حضرت عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم لوگ میرے بعد ناجائز ترجیح اور (دین میں) ناپسندیدہ امور دیکھو گے، صحابہ نے عرض کیا کہ آپ ہمیں اس وقت کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم ان حاکموں کا حق ادا کرو، (یعنی جائز امور میں ان کی اطاعت کرنا) اور اپنا حق اللہ تعالیٰ سے مانگو۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اثرہ: (ہمزہ اور ثاء پر زبر کے ساتھ) نفس کو ترجیح دینا، اپنے آپ کو فضیلت دینا، ذاتی مفاد کو سامنے رکھنا، ناجائز ترجیح دینا۔ لم تستعملنی: آپ نے مجھے حاکم نہیں بنایا۔ أمورا تنكرونها: ایسے امور جن کو تم ناپسند کرو گے۔

ترجیح دینے کا حکم

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص جس کام کا اہل ہو، اس میں اس کی صلاحیت ہو، تو وہی کام اور منصب اس کے سپرد کیا جائے، اہلیت کے بغیر کسی کو ترجیح دینا اور منصب وعہدہ دینا، ظلم اور سراسر زیادتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اہلیت اور صلاحیت دیکھ کر ایک شخص کو حاکم نامزد فرمایا، اس پر دوسرے نے عرض کیا کہ مجھے آپ نے منصب نہیں دیا اور فلاں کو دیدیا، نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا کہ میرے دور میں کسی کو ناجائز ترجیح نہیں ہوگی، ہاں میرے جانے کے بعد حقدار کو حق نہیں ملے گا، مفاد کے لحاظ سے ترجیحات ہوں گی..... اس موقع پر صبر کرنا، بغاوت نہ کرنا، تم اپنے ذمے کے

حقوق ادا کرتے رہنا اور اپنے حق کا اللہ سے سوال کرنا، پھر جب آخرت میں حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات ہوگی تو اس موقع پر تمہیں اجر و ثواب اور انصاف مل جائے گا۔

آپ ﷺ نے اپنے جواب میں اس طرف اشارہ فرمادیا کہ میں جس کو کسی منصب کے لئے نامزد کرتا ہوں تو اس میں مسلمانوں کا مفاد اور ان کی مصلحت سامنے رکھ کر کرتا ہوں، لہذا جس میں اس کام کی اہلیت معلوم ہوتی ہے اس کو اس کام پر مامور کر دیا جاتا ہے، کسی کو بلا وجہ ترجیح نہیں دیتا، ہاں میرے بعد ذاتی مفاد کے لحاظ سے ترجیحات ہوں گی اس موقع پر تم لوگ صبر سے کام لیتا۔^(۱)

بَاب مَا أَخْبَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَصْحَابَهُ بِمَا هُوَ كَائِنُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو ان تمام امور کی خبر دیدی ہے جو قیامت تک پیش آئیں گے عن ابی سعید الخدری قال: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ صَلَاةِ الْعَصْرِ يَنْهَارٍ ثُمَّ قَامَ خَطِيبًا فَلَمْ يَدْعُ شَيْئًا يَكُونُ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا أَخْبَرَ نَا بِهِ، حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ، وَكَانَ فِيْمَا قَالَ: إِنَّ الدُّنْيَا خَضِرَةٌ خُلُوَّةٌ وَإِنَّ اللَّهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، فَنَظُرْ كَيْفَ تَعْلَمُونَ، أَلَا فَاتَقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النَّسَاءَ، وَكَانَ فِيْمَا قَالَ: أَلَا لَا تَمْنَعَنَّ رِجَالَهُمِةَ النَّاسِ أَنْ يَقُولَ بِحَقِّي إِذَا عَلِمْتُمْ. قَالَ: فَبَكَى أَبُو سَعِيدٍ فَقَالَ: قَدْ وَاللَّهِ وَأَيْنَا أَشْيَاءَ فَهِنْتُمْ. وَكَانَ فِيْمَا قَالَ: أَلَا إِنَّهُ يَنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لَوْاءَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ بِقَدْرِ غَدْرِهِ وَلَا غَدْرَةَ أَعْظَمَ مِنْ غَدْرَةِ إِمَامٍ عَامَةٍ يُزَكَّرُ لَوَاؤُهُ عِنْدَ امْتِيهِ. وَكَانَ فِيْمَا حَفِظْنَا يَوْمَئِذٍ: أَلَا إِنَّ بَنِي آدَمَ خُلِقُوا عَلَى طَبَقَاتٍ شَتَّى، فَمِنْهُمْ مَنْ يُولَدُ مُؤْمِنًا وَيَخْتِي مُؤْمِنًا وَيَمُوتُ مُؤْمِنًا، وَمِنْهُمْ مَنْ يُولَدُ كَافِرًا وَيَخْتِي كَافِرًا وَيَمُوتُ كَافِرًا، وَمِنْهُمْ مَنْ يُولَدُ مُؤْمِنًا وَيَخْتِي كَافِرًا وَيَمُوتُ كَافِرًا، وَمِنْهُمْ مَنْ يُولَدُ كَافِرًا وَيَخْتِي مُؤْمِنًا وَيَمُوتُ مُؤْمِنًا، أَلَا وَإِنَّ مِنْهُمْ الْبَطِلَ وَالْقَضْبَ، سَرِيعَ الْقَتْلِ، وَمِنْهُمْ سَرِيعُ الْقَضْبِ سَرِيعَ الْقَتْلِ، فَيَلْكَ بِئِلْكَ. أَلَا وَإِنَّ مِنْهُمْ سَرِيعَ الْقَضْبِ بَطِيءَ الْقَتْلِ، أَلَا وَخَيْرُهُمْ بَطْنِي الْقَضْبِ سَرِيعَ الْقَتْلِ، وَوَشَرُّهُمْ سَرِيعَ الْقَضْبِ بَطْنِي الْقَتْلِ.

أَلَا وَإِنَّ مِنْهُمْ حَسَنَ الْقَضَاءِ وَحَسَنَ الطَّلَبِ، وَمِنْهُمْ سَرِيعُ الْقَضَاءِ وَحَسَنَ الطَّلَبِ وَمِنْهُمْ حَسَنُ الْقَضَاءِ وَسَرِيعُ الطَّلَبِ، فَيَلْكَ بِئِلْكَ. أَلَا وَإِنَّ مِنْهُمْ السَّيِّئَ الْقَضَاءِ وَالسَّيِّئَ الطَّلَبِ أَلَا وَخَيْرُهُمُ الْحَسَنُ الْقَضَاءُ وَالْحَسَنُ الطَّلَبُ أَلَا وَوَشَرُّهُمْ سَرِيعُ الْقَضَاءِ وَسَرِيعُ الطَّلَبِ أَلَا وَإِنَّ الْقَضْبَ جَمْرَةٌ فِي قَلْبِ ابْنِ آدَمَ. أَمَّا رَأَيْتُمْ إِلَى خُمْزَةِ عَيْنَيْهِ وَانْبِطَاحِ أَوْدَاجِهِ، فَمَنْ أَحْسَسَ بِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ فَلْيَلْصُقْ بِالْأَرْضِ، قَالَ وَجَعَلْنَا نَلْقِثُ إِلَى الشَّمْسِ هَلْ بَقِيَ مِنْهَا شَيْءٌ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَلَا إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا فِيْمَا مَضَى مِنْهَا إِلَّا كَمَا بَقِيَ مِنْ يَوْمِكُمْ هَذَا فِيْمَا مَضَى مِنْهُ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی، پھر آپ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہو گئے، جس میں آپ نے قیامت تک واقع ہونے والی کوئی چیز نہیں چھوڑی، (تمام کو بیان فرمایا) اسے یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور اسے بھول گیا جو بھول گیا، آپ نے اس خطبہ میں فرمایا: بے شک دنیا بڑی سرسبز و شاداب اور میٹھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے واقعی تم لوگوں کو اس میں خلیفہ بنایا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو، خبردار: دنیا اور عورتوں سے بچ کر رہنا، اور آپ نے اس خطبہ میں فرمایا: خبردار کسی شخص کو لوگوں کا خوف حق بات کہنے سے ہرگز نہ روکے جب کہ اسے حق بات کا علم ہو، راوی کہتے ہیں کہ ابوسعید (روایت بیان کرتے کرتے) رونے لگے اور فرمایا: اللہ کی قسم ہم نے بہت سی چیزیں (خلاف شرع) دیکھیں اور ہم (حق بات کہنے سے) ڈر گئے، اور آپ ﷺ نے اس میں فرمایا: خبردار ہر غدار کے لئے قیامت کے دن اس کی بے وفائی کی بقدر جہنم ا نصب کیا جائے گا، اور امام عام یعنی حاکم کی غداری سے بڑھ کر اور کوئی غداری نہیں، اس کا جہنم اس کی سرین کے پاس گاڑا جائے گا۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں اس دن ہم نے جو چیزیں یاد کیں، ان میں یہ بھی تھا: آگاہ ہو جاؤ: بے شک انسان مختلف طبقوں پر پیدا کئے گئے ہیں، ان میں سے بعض مومن پیدا ہوتے ہیں اور مومن ہی زندہ رہتے ہیں اور ایمان کی حالت میں ہی وفات پاتے ہیں، اور بعض کافر پیدا ہوتے ہیں اور کافر ہی زندہ رہتے ہیں اور کفر کی حالت میں ہی مرتے ہیں، اور بعض ایسے بھی ہیں جو مومن ہوتے ہیں اور ایمان کی حالت میں ہی زندگی گزارتے ہیں لیکن کافر ہو کر مرتے ہیں، اور بعض ایسے ہیں کہ جو کافر پیدا ہوتے ہیں، کفر پر ہی زندگی گزارتے ہیں لیکن خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے۔ خبردار: انسانوں میں سے کچھ ایسے ہیں جنہیں دیر سے غصہ آتا ہے، اور جلد ہی اتر جاتا ہے، اور بعض ایسے ہیں جنہیں جلد ہی غصہ آ جاتا ہے اور جلد ہی زائل ہو جاتا ہے تو یہ اس کا بدلہ ہو گیا، یعنی یہ دونوں برابر ہیں، اور بعض ایسے ہیں جنہیں جلد ہی غصہ آ جاتا ہے اور دیر سے جاتا ہے، ان میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جسے دیر سے غصہ آتا ہو اور جلد ہی اس کا اثر زائل ہو جائے اور سب سے برے وہ لوگ ہیں جنہیں جلد ہی غصہ آ جاتا ہے اور دیر سے جاتا ہے، آگاہ ہو جاؤ: ان میں سے بعض ایسے ہیں جو قرض ادا کرنے اور اس کا مطالبہ کرنے میں بھی اچھے ہیں (جب کسی کو قرض دیدیں) اور بعض ایسے ہیں جو قرض کی ادائیگی میں برے ہیں مگر مطالبہ کرنے میں اچھے ہیں، (تنگ نہیں کرتے) اور بعض قرض کی ادائیگی میں تو اچھے ہیں مگر قرض مانگنے میں برے ہوتے ہیں۔

جان لو: ان میں بعض ایسے ہیں جو قرض کی ادائیگی اور مطالبہ دونوں میں برے ہیں، آگاہ ہو جاؤ: ان میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرض کی ادائیگی اور مانگنے میں بھی اچھا ہو اور سب سے برا وہ ہے جو ادائیگی اور مطالبہ دونوں میں برا ہو، خبردار: بے شک غصہ ابن آدم کے دل میں ایک چنگاری ہے، کیا تم اس کی آنکھوں کی سرفی اور اس کی گردن کی رگوں کے پھولنے کو نہیں دیکھتے، لہذا جو شخص اپنے اندر غصہ محسوس کرے، اسے زمین پر لیٹ جانا چاہیے، ابوسعید خدری

فرماتے ہیں کہ ہم سورج کی طرف دیکھنے لگے کہ آیا کچھ باقی ہے (یا غروب ہو چکا ہے)؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سن لودنیا کی باقیات، گذرے ہوئے زمانے کی نسبت اتنی ہی رہ گئی ہیں جتنا تمہارا آج کا دن گذرے ہوئے پورے دن کی نسبت ہے۔

مشکل الفاظ کی وضاحت :- فلم یدع: (دور سے ہے) نہیں چھوڑا۔ مستخلفکم: تمہیں خلیفہ بنانے والا ہے یعنی خلیفہ بنایا ہے۔ ہیبة الناس: لوگوں کا خوف اور دہشت۔ غادر: غدار، بے وفا، دھوکہ دینے والا۔ یو کز: (بمہول) گاڑا جائے گا۔ عنداستہ: اس کی سرین کے پاس۔ فتلک بتلک: یہ اس کے بدلے میں ہے یعنی دونوں برابر ہیں۔ جمرة: (جیم پر زبر) چنگاری۔ انتفاخ: پھول جانا، سوجن۔ اوداج: ”ودج“ کی جمع ہے، گردن، وہ رگ جسے ذبح کے وقت کاٹا جاتا ہے، اور اس سے دم نکل جاتا ہے۔ فلیلصق: اسے چمٹ جانا چاہیے، مراد ہے لیٹ جانا چاہیے۔ نلتفت: ہم ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

چند ہدایات و تعلیمات

حدیث باب سے بہت سی ہدایات اور تعلیمات ثابت ہوتی ہیں، جن میں سے چند کی تفصیل درج ذیل ہے:

- (۱) کھڑے ہو کر خطبہ دینا سنت ہے۔
- (۲) آدمی بھول سکتا ہے۔
- (۳) دنیا کی مذمت بیان کی گئی ہے کہ بظاہر بہت پر لطف، سرسبز و شاداب اور میٹھی معلوم ہوتی ہے لیکن اللہ کی نظر میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔
- (۴) زمین پر تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا جانشین بنا کر بھیجا ہے، تاکہ تمہیں دیکھے کہ تم کس طرح کا عمل کرتے ہو۔
- (۵) عورتوں کے فتنے سے اپنے آپ کو بچا کر رکھا جائے۔
- (۶) لوگوں کی ہیبت اور دبدبہ حق بات کہنے سے مانع نہیں ہونا چاہیے۔
- (۷) ہر غدار کی سرین پر قیامت کے دن جھنڈا نصب کیا جائے گا تاکہ اس کی رسوائی ہو۔
- (۸) سب سے بڑا غدار اپنے حاکم کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے، اس سے اجتناب کیا جائے، کیوں کہ اس میں فائدے کے بجائے نقصان یقینی ہے، جائز امور میں اس کی پیروی کی جائے کیونکہ ناجائز اور ممنوع چیزوں میں اس کی اطاعت جائز نہیں۔
- (۹) غصے کے آنے اور زائل ہونے میں انسانوں کے مختلف مزاج حدیث میں بیان فرمائے گئے ہیں، سب سے بہتر وہ شخص ہے جسے دیر سے غصہ آئے اور جلد ہی ختم ہو جائے، اور سب سے برا وہ شخص ہے جسے جلد ہی غصہ آ جاتا ہو اور دیر سے زائل ہوتا ہو۔
- (۱۰) ایمان و کفر کے اعتبار سے انسان مختلف قسم کے ہیں جب اللہ نے محض اپنے فضل سے ایمان عطا فرما دیا ہے تو اس کے تقاضے کے مطابق زندگی گذاری جائے تاکہ خاتمہ ایمان پر ہو۔

- (۱۱) قرض کی ادائیگی اور اس کا مطالبہ کرنے میں مختلف مزاج ہیں، سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرض کی ادائیگی اور مطالبہ دونوں میں اچھا ہو (تنگ نہ کرتا ہو)، اور سب سے برا وہ شخص ہے جو ادائیگی اور مطالبہ دونوں میں برا ہو۔
- (۱۲) غصہ ایک چنگاری ہے، اس کی وجہ سے آدی لال پیلا اور اس کی رگیں پھول جاتی ہیں، ایسی صورت میں زمین پر لیٹ جانا چاہیے تاکہ اسے اپنی تخلیق یاد آجائے اور پھر تکبر و غرور نہ کرے۔
- (۱۳) دنیا کا بہت تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے، قیامت قریب ہے، اس لئے اس کی تیاری کی فکر کرنی چاہیے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي أَهْلِ الشَّامِ

یہ باب اہل شام (کی فضیلت) کے بارے میں ہے

عن قُرْبَنِ إِيَّاسِي قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذَا فَسَدَ أَهْلُ الشَّامِ فَلَا خَيْرَ فِيكُمْ، لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُورِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ: هُمْ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ۔

حضرت قرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اہل شام میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو پھر تمہارے لئے اس (شام میں ٹھہرنے یا ادھر جانے) میں کوئی خیر و بھلائی نہیں، میری امت میں ایک گروہ ایسا ضرور رہے گا جس کی مدد و نصرت ہوتی رہے گی اور انہیں وہ لوگ ضرر نہیں پہنچا سکیں گے جو ان کی مدد چھوڑ دیں گے، یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔ محمد بن اسماعیل یعنی امام بخاری۔ رحمہ اللہ۔ علی بن مدینی سے نقل کرتے ہیں کہ یہ محدثین کی جماعت ہے۔

أَخْبَرَنَا بَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ، قَالَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: أَيُّنَ تَأْمُرُنِي؟ قَالَ هَاهُنَا۔ وَنَحَابِيْدُهُ وَنَحْوُ الشَّامِ۔

حضرت بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا یعنی معاویہ بن حیدرہ سے روایت کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ: جب فساد ہوگا تو آپ مجھے کہاں کا حکم دیں گے؟ فرمایا: اس طرف، اور اپنے دست مبارک سے شام کی طرف اشارہ فرمایا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- اذا فسد: جب بگاڑ پیدا ہو جائے۔ منصورین: جن کی مدد کی جائے۔ من خذلہم: جو ان کی مدد و نصرت چھوڑ دے۔ نحابیدہ: اپنے دست مبارک سے اشارہ فرمایا۔

ارض شام کی فضیلت

اس حدیث میں ارض شام کی فضیلت کا ذکر ہے، اس سرزمین کو ظاہری اور باطنی اعتبار سے کئی امتیاز حاصل ہیں، یہ انبیاء کی سرزمین ہے، اسی میں قبلہ اولیٰ بھی ہے، اکثر انبیاء علیہم السلام کا دفن ہے، حشر و نشر بھی یہیں پر ہوگا، اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بارگاہِ حولہ ایسی بابرکت جگہ میں اگر بگاڑ اور فساد پیدا ہو جائے تو پھر وہاں رہنے یا اس کی طرف ہجرت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، جیسے اس وقت شام میں غلط حکمران مسلط ہیں، ایسے میں وہاں جانے میں کوئی خیر و بھلائی نہیں۔

طائفہ منصورین سے کون مراد ہیں

اس میں مختلف اقوال ہیں، جن میں کوئی تعارض نہیں، سب ہی مراد لئے جاسکتے ہیں:

- (۱) علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ اس سے محدثین کی جماعت مراد ہے۔
- (۲) امام بخاری کے نزدیک اس سے اہل علم مراد ہیں۔
- (۳) قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس سے اہل سنت والجماعت مراد ہے۔
- (۴) علامہ نووی فرماتے ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ طائفہ مومنین کی مختلف انواع و اقسام پر مشتمل ہو، ان میں سے بعض مجاہد ہوں، بعض فقہاء، بعض محدثین، بعض مبلغین، بعض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے، اور بعض دیگر نیکی کے کام کرنے والے، اور اس میں یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ یہ سب ایک ہی جگہ پر ہوں بلکہ متفرق طور پر دنیا کے کسی خطے پر بھی ہو سکتے ہیں۔ (۱)

اشکال و جواب

حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک ایک جماعت اہل حق کی رہے گی، جو منصور ہوگی جن کی مدد کی جاتی رہے گی، جب کہ مسلم کی روایت میں ہے کہ قیامت اس وقت واقع ہوگی جب روئے زمین پر صرف شریر اور فسادی قسم کے لوگ باقی رہ جائیں گے، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض سا ہے؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

- (۱) ان احادیث میں دو الگ الگ مقامات کا ذکر ہے، ایک علاقے میں شریر قسم کے لوگ ہوں گے، جن کے اعتبار سے قیامت آئے گی، جب کہ دوسرے علاقے یعنی بیت المقدس میں سر بکف مجاہد ہوں گے، جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے قتال کریں گے، اس لحاظ سے ان میں کوئی تعارض نہیں۔

- (۲) یہ خروج دجال یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات تک ہے کہ طائفہ منصورین رہے گا پھر جب حضرت عیسیٰ کی وفات کے بعد

ایک مخصوص ہوا چلے گی جس سے اہل ایمان سب کے سب مرجائیں گے، تو اس وقت زمین اہل اسلام سے یکسر خالی ہو جائے گی، صرف شریر لوگ باقی رہ جائیں گے، انہی پر بالآخر قیامت قائم ہوگی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس جواب کو اولیٰ اور بہتر قرار دیا ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ لَا تَزْجَعُوا بَعْدِي كُفَّارِ يُضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ میرے بعد تم لوگ کافر نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض، بعض کی گردنیں مارنے لگ جائیں۔
عن ابن عباسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا تَزْجَعُوا بَعْدِي كُفَّارِ يُضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔
حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد تم لوگ دوبارہ کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو یعنی قتل کرنے لگو۔

حجۃ الوداع کا ایک حکم

نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک نصیحت یہ بھی فرمائی کہ میری وفات کے بعد یا میدان عرفات سے جانے کے بعد دوبارہ کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو۔
”کفاراً“ سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:
(۱) اگر اس سے کفر کے حقیقی معنی مراد ہوں کہ آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تو پھر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان کے قتل کو حلال اور جائز نہ سمجھنا کہ اس سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔
(۲) یا مراد یہ ہے کہ کافروں والے کام نہ کرو، اور قتل و قاتل میں ان سے مشابہت اختیار نہ کرو۔ (۲)

بَاب مَا جَاءَ أَنَّهُ تَكُونُ فِتْنَةٌ، الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْزٌ مِنَ الْقَائِمِ

یہ باب اس بڑے فتنہ کے بیان میں ہے کہ جس میں بیٹھارہنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا۔
عن يسير بن سعيد، أَن سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ عِنْدَ فِتْنَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ: أَشْهَدُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِنَّهَا سَتَكُونُ فِتْنَةٌ، الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْزٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ خَيْزٌ مِنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي خَيْزٌ مِنَ السَّاعِي، قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ دَخَلَ عَلَى بَيْتِي وَبَسَطَ يَدَهُ إِلَيَّ لِيَقْتُلَنِي، قَالَ: كُنْ كَأَنَّكَ أَدَمٌ۔

(۱) تحفة الاحوذی ۳۶۰/۶، فتح الباری ۳۶۳/۱۳ کتاب الاعتصام بالکتاب باب: قول النبی ﷺ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي۔۔۔

(۲) تحفة الاحوذی ۳۶۲/۶

حضرت بسر بن سعید سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص نے حضرت عثمان غنی کے خلاف فتنہ کے موقع پر فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک عنقریب ایک بڑا فتنہ ہوگا، جس میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے، کھڑے ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا، حضرت سعد نے عرض کیا: یہ بتا دیجئے اگر میرے گھر میں کوئی داخل ہو اور مجھ پر اپنا ہاتھ بڑھائے تاکہ مجھے قتل کر دے (تو میں کیا کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: تو حضرت آدم کے بیٹے ہابیل کی طرح ہو جا (کہ وہ اپنے بھائی کے ہاتھوں قتل ہو گئے لیکن اپنے بھائی پر ہاتھ نہ اٹھایا)

حتی الامکان فتنہ سے اجتناب کیا جائے

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جس قدر فتنہ سے دور ہوگا، اسی قدر وہ بہتر ہوگا، چنانچہ بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، کیوں کہ بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے کے مقابلے میں فتنہ سے زیادہ دور ہوتا ہے، کیوں کہ کھڑے ہونے والا دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ قاعد سے وہ شخص مراد ہے جو فتنہ کے دور میں الگ تھلگ ہو کر اپنے گھر میں رہے، اس کا داعی اور محرک نہ ہو، جب کہ قائم سے وہ شخص مراد ہے جو فتنہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے، اس کا داعی اور محرک ہو۔

علامہ داودی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایسا عام فتنہ برپا ہوگا کہ ہر شخص اس میں کسی نہ کسی درجہ میں ضرور مبتلی ہوگا، لہذا جو شخص بیٹھ کر فتنہ و فساد کر رہا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو کھڑے ہو کر فتنہ میں ہے اور قائم اس سے بہتر ہے جو چل کر فتنہ کر رہا ہے، اور ماشی اس سے بہتر ہے جو دوڑ کر فتنہ میں مصروف ہے، غرض یہ کہ جس کا فتنہ و فساد جس قدر کم ہوگا اسی قدر وہ دوسرے کے مقابلے میں بہتر ہوگا۔

کن کاہن آدم معنی یہ ہیں کہ جس طرح آدم کے بیٹے ہابیل نے ظلم کو برداشت کیا، مگر اپنے بھائی کے خلاف ہاتھ نہیں اٹھایا بلکہ خود قتل ہو گئے، اسی طرح فتنہ کے زمانے میں ظلم و زیادتی برداشت کر لی جائے لیکن اس ظلم اور فتنہ کا ساتھ نہ دیا جائے، کیوں کہ اس طرح وہ فتنہ و فساد مزید پھیلتا چلا جاتا ہے۔

فتنہ کے وقت قتال کا حکم

اس میں اختلاف ہے کہ فتنہ کے زمانے میں اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں قتل و قتال شروع کر دیں تو ان کا ساتھ دیا جائے یا کنارہ کشی اختیار کی جائے؟ اس بارے میں تین قول ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے فتنہ میں کسی کا ساتھ نہ دیا جائے، اگر وہ فتنہ اس کے گھر میں

داخل ہو جائے اس وقت بھی بطور دفاع کے قتل و قتال درست نہیں۔

- (۲) عبداللہ بن عمر اور عمران بن حصین وغیرہ کے نزدیک قتال میں ابتداء شرکت تو جائز نہیں لیکن دفاع کے طور پر قتل و قتال درست ہے، گویا ان دونوں حضرات کے نزدیک فتنہ میں داخل ہونا جائز نہیں البتہ اپنے دفاع میں قتال کیا جاسکتا ہے،
- (۳) جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک فتنہ کے زمانے میں بھی حق کا ساتھ دینا چاہیے، اور باغیوں کے خلاف برسر پیکار ہونا چاہیے، کیونکہ اگر انہیں یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو فتنہ مزید پھیل جائے گا، اس کی سرکوبی کرنا ضروری ہے، قرآن کہتا ہے فقاتلو اللہی تبغی حتی تنفی الی امر اللہ۔ یہ صحیح قول ہے

جمہور کے نزدیک حدیث باب اس صورت پر محمول ہے جس میں حق کسی جانب واضح نہ ہو یا یہ کہ دونوں جماعتیں شرعی اعتبار سے ظالم ہوں، حق پر نہ ہوں، ایسی صورت میں کسی جماعت کا ساتھ دینا جائز نہیں بلکہ کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ سَتَكُونُ فِتْنَةٌ كَقَطْعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ عنقریب ایسے فتنے آئیں گے جو اندھیری رات کی طرح ہوں گے
عن ابی ہریرۃ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتْنًا كَقَطْعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُضْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا، وَيُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُضْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ أَخَذَهُمْ دِينَهُ بَعْرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا۔
حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نیک اعمال میں جلدی کرو، اس سے پہلے کہ اندھیری رات کی طرح فتنے رونما ہو جائیں، جن میں انسان صبح مومن اور شام کو کافر ہوگا اور شام کو مومن اور صبح کو کافر ہوگا، اور آدمی اپنا دین سامان دنیا کے بدلے فروخت کر دے گا۔

عن أُمِّ سَلَمَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَقِظَ لَيْلَةً فَقَالَ: سُبْحَانَ اللَّهِ، مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتْنَةِ؟ مَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْخَزَائِنِ؟ مَنْ يُوْقِظُ صَوَّاجِبَ الْخُجْرَاتِ؟ يَأْزُبُ كَأَسِيَّةٍ فِي الدُّنْيَا، عَارِيَةً فِي الْآخِرَةِ۔
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ رات میں (گھبرا کر) بیدار ہوئے اور فرمایا سبحان اللہ آج رات کس قدر فتنے نازل کئے گئے اور کتنے ہی خزانے اتارے گئے، کون ہے جو ان حجرے والیوں یعنی ازواج مطہرات کو بیدار کر دے، بہت سی دنیا میں لباس پہننے والی عورتیں آخرت میں ننگی ہوں گی۔

عن أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عن رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: تَكُونُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ فِتْنٌ كَقَطْعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُضْبِحُ الرَّجُلُ فِيهَا مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا، وَيُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُضْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ أَقْوَامَ دِينَهُمْ بَعْرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا۔
حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت سے پہلے ایسے بڑے فتنے ہوں گے جو اندھیری

رات کی طرح ہوں گے، ان میں انسان صبح کو مومن اور شام کو کافر ہوگا، اور شام کو مومن اور صبح کو کافر ہوگا، اور بہت سے لوگ دنیا کے تھوڑے سے مال کے عوض اپنا دین بیچ ڈالیں گے۔

عن الحسن قال: كَانَ يَقُولُ فِي هَذَا الْحَدِيثِ: يُضْبَحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُفْسِدُ كَافِرًا، وَيُفْسِدُ كَافِرًا، وَيُضْبَحُ مُخْرَجًا لِدَمِ أَخِيهِ وَعِزِّهِ وَمَالِهِ وَيُفْسِدُ مُسْتَحْلَلًا، وَيُفْسِدُ مُخْرَجًا لِدَمِ أَخِيهِ وَعِزِّهِ وَمَالِهِ وَيُضْبَحُ مُسْتَحْلَلًا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نبی کریم ﷺ کے اس قول: ”یُضْبَحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُفْسِدُ كَافِرًا وَيُفْسِدُ كَافِرًا“ کے متعلق فرماتے تھے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی صبح کو اپنے بھائی کی جان و مال اور عزت کو اپنے اوپر حرام سمجھے گا مگر شام کو حلال سمجھنے لگے گا اور شام کے وقت اپنے بھائی کی جان و مال اور عزت کو اپنے اوپر حرام سمجھے گا لیکن صبح کو حلال سمجھنے لگے گا۔

عن وائل بن حنظل قال: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَرَجُلًا يَسْأَلُهُ فَقَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَيْنَا أَمْرًا يَمْنَعُنَا حَقًّا وَيَسْأَلُونَا حَقَّهُمْ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حَمَلُوا وَإِنَّمَا عَلَيْكُمْ مَا حَمَلْتُمْ۔ حضرت وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص کو سوال کرتے ہوئے سنا کہ اگر ہم پر ایسے حکمران حکومت کرنے لگیں جو ہمیں ہمارا حق نہ دیں اور ہم سے اپنا حق طلب کریں تو ہم کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کی بات سنو اور اطاعت کرو، اس لئے کہ ان پر وہ چیز لازم ہے جن کے وہ مکلف ہیں اور تم پر وہ کچھ لازم ہے جس کے تم مکلف ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی: قطع: (قاف کے نیچے زیر اور طا پر زبر) قطعہ کی جمع ہے، بکڑے، معنی یہ ہیں کہ جس طرح اندھیری رات میں کچھ نظر نہیں آتا اسی طرح ایسے شدید فتنے ہوں گے کہ ان میں صلاح و فساد اور نیک و بد کا امتیاز نہیں ہو سکے گا۔ بادروا: جلدی کرو، سبقت کرو۔ ماذا أنزل: کس قدر نازل کئے گئے۔ الخزائن: خزانہ کی جمع ہے، خزانے، علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ حدیث میں خزائن سے رحمتیں اور اس کے بالمقابل فتنے سے اللہ کا عذاب مراد ہے۔ من یوقظ: کون بیدار کرے گا۔ حجرات: حجروں کی جمع ہے، کمرے یہاں صواب الحجرات سے نبی کریم ﷺ کی ازواج مراد ہیں۔ یارب: ”یا“ مخرف ندا ہے، اس کا منادی مخدوف ہے، اسی یا سامعین، عاریۃ فی الآخرۃ، آخرت میں نکلی ہوں گی، لفظ ”عاریۃ“ پر ترکیبی اعتبار سے دو طرح کا اعراب پڑھا جاسکتا ہے۔ (۱) یہ مجرور ہو، اس صورت میں یہ ”کاسیۃ“ کی صفت ہوگا۔ (۲) اسے مرفوع پڑھا جائے، اور اس کا مبتدا یعنی ”معی“ مخدوف ہوگا، اور لفظ ”عاریۃ“ اس کی خبر واقع ہوگا۔ (۱)

مستحلالہ: اس کو حلال سمجھنے لگے گا۔ ما حملوا: وہ ذمہ داری جو ان پر ہے یعنی عدل و انصاف کرنا، اور رعایا کو حقوق دینا۔ ما

حملتہم: وہ ذمہ داری جو تم پر ہے یعنی جائز امور میں ان کی اطاعت کرنا اور مصائب و آفات پر صبر کرنا۔

فتنوں کا ذکر

اس باب میں ایسی احادیث ذکر کی گئی ہیں جن میں فتنوں کے ظہور کا ذکر ہے، ان میں نبی کریم ﷺ نے تاکید فرمائی ہے کہ قبل اس کے کہ بڑے بڑے فتنے رونما ہو جائیں، نیک اعمال کر لو، کیوں کہ فتنوں کے دور میں پوری یکسوئی سے عبادت نہیں ہو سکتی، وہ فتنے اس قدر شدید ہوں گے کہ آدمی صبح کو مومن ہوگا تو شام کو کافر، اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کافر، اور آدمی اپنے دین کو دنیا کے تھوڑے سے مال و متاع اور منافع کے عوض فروخت کر دے گا۔

یصبح مو منا ویمسی کافرا

اس سے کیا مراد ہے، کیا واقعتاً وہ کافر ہو جاتا ہے، اس میں کئی احتمال ہیں:

- (۱) بعض کے نزدیک وہ حقیقتاً کافر ہو جائے گا اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔
 - (۲) بعض کہتے ہیں کہ اس میں کفرانِ نعمت یعنی ناشکری مراد ہے۔
 - (۳) اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ کافروں کے مشابہ ہو جائے گا یا اس کا یہ عمل کفار کی طرح ہوگا۔
 - (۴) حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی صبح کو اپنے بھائی کی جان و مال اور عزت و آبرو کو حرام سمجھے گا مگر شام کو حلال اور اس کے برعکس، غرض یہ کہ انسان کے عقائد و نظریات بہت جلدی جلدی تبدیل ہوں گے۔
- صواحب الحجرات سے ازواجِ مطہرات مراد ہیں، ان کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ اس وقت وہی حاضر تھیں یا اس وجہ سے کہ اپنے بعد اپنے اہل و عیال کی دینی زندگی کی فکر کرنے کا حکم ہے۔

رب کا سبۃ فی الدنیا عاریۃ فی الآخرۃ

اس کے مطلب میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

- (۱) بہت سی خواتین دنیا میں لباس پہنیں گی لیکن عمل نہ کرنے کی وجہ سے آخرت میں ثواب سے محروم ہوں گی۔
- (۲) کپڑے پہنے ہوں گے لیکن ان سے ان کا ستر نہیں ہوگا اس لئے آخرت میں انہیں عذاب دیا جائے گا۔
- (۳) اللہ کی نعمتوں کا لباس پہنا ہوگا مگر ان کا شکر ادا نہیں کریں گی جس کی وجہ سے آخرت میں انہیں ثواب نہیں ملے گا۔
- (۴) جسم پر لباس ہوگا، لیکن دوپٹہ پشت پر ہونے کی وجہ سے سینہ نکلا ہوگا، اس کی وجہ سے آخرت میں انہیں عذاب دیا جائے گا۔
- (۵) نیک شوہر کا لباس اسے حاصل ہوگا مگر پھر بھی آخرت میں اسے کوئی نفع نہیں ہوگا کیوں کہ اعمال کے بغیر محض شوہر کے نیک ہونے سے بیوی کو کوئی نفع یا اجر و ثواب نہیں ہوگا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فلا انساب بینہم۔ علامہ طبری نے اس مقام کے لحاظ سے اس قول کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ حدیث اگرچہ ازواجِ مطہرات سے متعلق ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے۔

علامہ ابن بطل فرماتے ہیں کہ حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ مال و دولت میں فراوانی باعثِ فتنہ ہے، اس سے قتل و قتال، لڑائی، جھگڑے اور حسد جیسے امراض پیدا ہوتے ہیں، حق تلفی اور ظلم و زیادتی کی فضا بن جاتی ہے، اس لئے آپ ﷺ نے ازواجِ مطہرات کو اور تمام امت کو اس بارے میں آگاہ فرمایا۔

نیز اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فتنے کے زمانے میں دعاؤں کا کثرت سے اہتمام کرنا چاہیے۔
فانما علیہم ما حملوا... علامہ طبری فرماتے ہیں کہ اس میں جار مجرور یعنی علیہم کو مقدم کر کے کلام میں حصر اور تاکید کرنا مقصود ہے کہ حکمرانوں پر وہی کچھ لازم ہے جس کے وہ مکلف ہیں اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو گنہگار ہوں گے، ایسے ہی رعایا پر جائز امور میں ان کی اطاعت واجب ہے، اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ماخوذ ہوں گے۔ (۱)

مسئلہ یہ ہے کہ اگر حکمران فاسق ہو جائے تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ معزول یعنی برطرف ہو جاتا ہے اور احتاف کے نزدیک وہ اس بات کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اسے معزول کر دیا جائے، ایسے حالات میں اگر کوئی شخص امام کی اطاعت سے روگردانی کر دے تو بظاہر اسے بغاوت نہیں کہنا چاہیے بلکہ اسے اس اقدام پر اصرار و ثواب ملنا چاہیے؟

لیکن نبی کریم ﷺ نے اس قسم کی صورت حال میں بھی اسمعووا و اطیعوا کا حکم دیا ہے کہ جائز امور میں حاکم کی اطاعت کی جائے، علم بغاوت نہ بلند کیا جائے کیوں کہ چھوٹی جماعت اگر حکومت کے خلاف آواز اٹھائے گی تو وہ حکومت کے ساتھ مقابلہ کرنے سے تور ہی، لیکن اس کی وجہ سے طرح طرح کے فتنے کھڑے ہو جائیں گے اور نہ جانے کتنے ہی لوگ مارے جائیں گے، جیسا کہ عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علیؑ کے افسوسناک واقعات اس پر شاہد ہیں، ہمارے اس دور میں بھی کئی سارے واقعات اسی قسم کے پیش آئے ہیں، جن میں بجائے فائدے کے نقصان ہی ہوا ہے، اس لئے فتنوں کے دور میں کنارہ کش ہو کر زندگی گزارنا چاہیے، تاکہ کسی اقدام سے اسلام اور اہل اسلام کی شان و شوکت کو نقصان نہ پہنچے۔ (۲)

بَاب مَا جَاءَ فِي الْهَزَجِ

یہ باب قتل کے بارے میں ہے

عن أبي موسى قال: قال رسول الله ﷺ: إِنْ مِنْ وَزَائِكُمْ أَيُّمَا نَزَعَ فِيهَا الْعِلْمُ وَيَكْثُرُ فِيهَا الْهَزَجُ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا الْهَزَجُ؟ قَالَ: الْقَتْلُ۔

حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک تمہارے بعد ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس میں علم اٹھالیا جائے گا اور اس میں ہرج زیادہ ہوگا، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ”ہرج“ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: قتل۔

(۱) تحفة الاحوذی ۳۲۶/۶ قدیمی کراچی

(۲) الکوکب الدرر ۱۴۰/۳

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ، رَدَّهٖ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: الْعِبَادَةُ فِي الْهَرَجِ كَهَجْرَةِ إِلَى۔
حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے انہوں نے اسے منسوب کیا رسول اللہ کی طرف کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ایام قتل
میں عبادت کرنا میری طرف ہجرت کرنے کی طرح ہے۔

۳۔ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذَا وَضِعَ السَّيْفُ فِي أُمَّتِي لَمْ يَزَفْ عَنْهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔
حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب میری امت میں تلوار رکھ دی جائے گی تو پھر قیامت
تک نہیں اٹھائی جائے گی (یعنی جب ایک مرتبہ قتل و خونریزی شروع ہوگی تو پھر کبھی بھی ختم نہیں ہوگی)

قتل کی کثرت ہوگی

باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ اس میں قتل و خونریزی بہت کثرت سے ہوگی
اور علم کو اٹھالیا جائے گا: یرفع العلم کے معنی یہ ہیں کہ اہل علم سے اس علم پر عمل اٹھالیا جائے گا یعنی وہ علم ان کے لئے نافع نہیں رہے گا۔
دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آنے والے کو جو اجر و ثواب ملتا تھا
اسی طرح فتنہ و فساد اور قتل و خونریزی کے زمانے میں عبادت کرنے پر بھی اجر و ثواب ملتا ہے، کیوں کہ عموماً ایسے حالات میں بہت
سے لوگ عبادت سے غافل اور طرح طرح کی الجھنوں میں پھنس جاتے ہیں، اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس زمانہ میں
عبادت کرنا فضیلت کا باعث ہے۔

تیسری حدیث میں فرمایا کہ میری امت میں جب قتل کا سلسلہ شروع ہوگا تو پھر تا قیامت جاری رہے گا، کبھی بند نہ ہوگا۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي اتِّخَاذِ السَّيْفِ مِنْ خَشَبٍ

یہ باب لکڑی کی تلوار بنانے کے بارے میں ہے

عَنْ غَدَيْسَةَ بِنْتِ أَهْبَانَ بْنِ صَيْفِي الْغَفَارِيِّ قَالَتْ: جَاءَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ إِلَى أَبِي فَقَدَاهُ إِلَى الْخُرُوجِ مَعَهُ،
فَقَالَ لَهُ أَبِي: إِنَّ خَلِيلِي وَابْنَ عَمِّكَ عَهْدَ إِلَيَّ إِذَا اخْتَلَفَ النَّاسُ أَنْ آتِيَهُ سَيْفًا مِنْ خَشَبٍ فَقَدْ آتَيْتُهُ، فَإِنْ
شِئْتَ، خَرَجْتُ بِهِ مَعَكَ، قَالَتْ: فَتَرَكَهُ۔

عذیرہ بنت اہبان بن صیفی غفاری کہتی ہیں کہ حضرت علی میرے والد کے پاس آئے اور انہیں اپنے ساتھ لڑائی میں
چلنے کو کہا، میرے والد نے کہا: بے شک میرے دوست اور آپ کے چچا زاد بھائی یعنی نبی کریم ﷺ نے مجھے وصیت
فرمائی تھی کہ جب لوگوں میں اختلاف ہو جائے تو میں لکڑی کی تلوار بنا لوں، چنانچہ میں نے وہ بنوائی ہے، اگر آپ

چاہتے ہیں تو میں اس سمیت آپ کے ساتھ نکلنے کو تیار ہوں، عدیہ کہتی ہیں کہ حضرت علی نے پھر انہیں چھوڑ دیا (یعنی ساتھ لے کر نہ گئے)

عن أبي موسى عن النبي ﷺ أَنَّهُ قَالَ فِي الْفِتْنَةِ: كَتَبُوا فِيهَا قِسِيَكُمْ، وَقَطَّعُوا فِيهَا أَوْتَارَكُمْ، وَالزَّمُوا فِيهَا أَجْوَافَ بَيُوتِكُمْ، وَكُونُوا كَأَهْلِي آدَمَ۔

حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ فتنہ کے زمانے میں اپنی کمائیں توڑ دینا، کمان کی تانتیں کاٹ دینا اور اپنے گھروں کے اندرونی حصوں کو لازم پکڑنا اور آدم کے بیٹے ہابیل کی طرح ہو جانا (کہ جس طرح انہوں نے قتل پر صبر کیا تھا، اسی طرح تم بھی مصائب و مشکلات پر صبر کرنا)

مشکل الفاظ کے معنی :- اخذوا السيف من خشب: لکڑی کی تلوار بنانا، یہ عربی زبان میں بطور محاورے کے ترک قتال سے کنایہ ہے، کسروا: تم توڑ ڈالو۔ قسی: (قاف کے نیچے زیر) قوس کی جمع ہے: کمان۔ اوتار: وقو کی جمع ہے: کمان کی تانت۔ قطعوا: تم کاٹ ڈالو۔ الزموا: تم لازم پکڑو۔ اجواف: جوف کی جمع ہے: اندرونی حصہ۔ عہد الی: مجھے وصیت کی۔

لکڑی کی تلوار بنانے کا حکم

باب کی پہلی روایت میں ہے کہ صحابی نے نبی کریم ﷺ کے فرمان کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے لکڑی کی تلوار بنوائی تھی تا کہ کسی کے ساتھ قتال نہ کرنا پڑے، کیونکہ لکڑی کی تلوار بنانے سے مراد ترک قتال ہے، حضرت علی کے بلانے کے وقت انہوں نے یہ حدیث سنادی اور بتا دیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل میں لکڑی کی تلوار بنوائی ہے، آپ چاہیں تو آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں مگر میرا جانا بے فائدہ ہوگا، اس لئے کہ لکڑی کی تلوار سے قتال نہیں ہو سکتا ہے، چنانچہ حضرت علی انہیں پھر نہیں لے گئے۔ دوسری روایت میں جنگ و جدال اور فتنوں کے موقع پر یکسو رہنے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ فتنوں سے محفوظ رہا جاسکے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي أَشْرَاطِ السَّاعَةِ

یہ باب قیامت کی علامات کے بیان میں ہے

عن أنس بن مالك أَنَّهُ قَالَ: أَخْبَدْتُكُمْ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَا يَخْبِدُ ثَكْمٌ أَحَدٌ بَعْدِي أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنْ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُزْفَعَ الْعِلْمُ وَيُظْهَرَ الْجَهْلُ وَيَفْشُو الزُّنَا وَتُشْرَبَ الْخُمُزُ وَتَكْثُرَ النِّسَاءُ وَيَقْلَ الرِّجَالُ حَتَّى يَكُونَ لِخَمْسِينَ امْرَأَةً قَيْمٌ وَاحِدٌ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تمہارے سامنے ایک ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جسے میں نے نبی

کریم ﷺ سے سنا ہے، اب میرے بعد اسے کوئی نہیں بیان کرے گا، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: بے شک قیامت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ علم کو اٹھایا جائے گا، اور جہالت ظاہر غالب ہوگی، اور زنا عام ہو جائے گا، شراب پی جائے گی، عورتوں کی کثرت ہوگی اور مرد کم ہو جائیں گے، یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا نگران ایک ہی مرد ہوگا۔

عن الزبير بن عدي قال: دخلنا على أنس بن مالك قال فشكرونا إليه ما تلقى من الحجاج، فقال: ما من عام إلا والذي بعده شر منه حتى تلقوا نككم، سمعت هذا من نبيكم ﷺ۔

حضرت زبیر بن عدی کہتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے، کہتے ہیں پھر ہم نے ان سے حجاج بن یوسف کے ان مظالم کی شکایت کی جو اس کی طرف سے ہمیں پہنچ رہے تھے تو انس بن مالک نے فرمایا: ہر آنے والا سال گزرے ہوئے سال کے مقابلے میں برا ہوگا، یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملاقات کر لو گے، میں نے یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے سنی ہے۔

عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: لا تقوم الساعة حتى لا يقال في الأرض: الله الله. حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ اللہ اللہ نہ کہا جائے گا (یعنی قیامت کا وقوع شریر لوگوں پر ہوگا اور جب تک کوئی اللہ کا نام لینے والا ہوگا، اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی)

عن خديجة بن إيمان قال: قال رسول الله ﷺ: لا تقوم الساعة حتى يكون أسعد الناس بالدينيا لكع بن لكع۔

حضرت خدیجہ بن ایمان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ لکع بن لکع یعنی کمینہ کا بیٹا کمینہ دنیا میں لوگوں میں سب سے زیادہ سعادت مند شمار ہونے لگے گا۔

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: تقي الأَرْضَ أَفْلاذَ كَيْدِهَا أَمْثَالُ الْأَسْطُورِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، قَالَ: فَيَجِيئُ السَّارِقُ فَيَقُولُ: لِي هَذَا فُطِعَتْ يَدِي، وَيَجِيئُ الْقَاتِلُ فَيَقُولُ فِي هَذَا قُتِلْتُ، وَيَجِيئُ الْقَاطِعُ فَيَقُولُ فِي هَذَا قُطِعَتْ رَجْلِي، ثُمَّ يَدْغُونَ فَلَا يَأْخُذُونَ مِنْهُ شَيْئاً۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زمین اپنے جگر کے کٹڑے ”خزائن“ یعنی سونا چاندی ستون کی مانند اگل دے گی، آپ ﷺ نے فرمایا: چور آئے گا اور کہے گا اس کی وجہ سے میرا ہاتھ کاٹا گیا ہے، قاتل آئے گا اور کہے گا اس کی وجہ سے میں نے قتل کیا (یا مجھے قتل کیا گیا) قاطع رحم آئے گا اور کہے گا اس کی وجہ سے میں نے (رشتہ داروں سے) قطع تعلق کیا، پھر وہ سب اسے چھوڑ دیں گے اور اس میں کچھ بھی نہیں لیں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- اشراط : شرط (شین اور را پر زبر) کی جمع ہے، علامت، نشانی۔ قیم : (قاف پر زبر اور یا مشدود کے نیچے زیر) نگران، منتظم۔ لکع : (لام پر پیش اور کاف پر زبر) کمینہ، بیوقوف، جھوٹا، جسکی اصل معلوم نہ ہو، یہاں پر کمینہ کے معنی میں ہے۔ نفی : یہی سے ہے، اگل دے گی، نکال دے گی۔ افلاذ : فلذہ (فا کے نیچے زیر) کی جمع ہے، کسی چیز کا وہ ٹکڑا جو لبائی میں کاٹا گیا ہو، اور فلذ کے معنی ہیں اونٹ کا جگر، جبکہ فلذہ (ہ کے ساتھ) کے معنی ہیں جگر کا ٹکڑا، سونے یا چاندی کا ٹکڑا، اور گوشت کا ٹکڑا، افلاذ کبد الارض سے زمین کی معدنیات مراد ہیں، انہیں ”جگر کے ٹکڑوں“ کے ساتھ اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہی زمین کا خلاصہ اور جوہر ہوتی ہیں جس طرح کہ اونٹ کی سب سے اصل چیز اس کا جگر ہوتا ہے، یہ زمین ان تمام معدنیات کو باہر نکال دے گی۔ کبد : (کاف پر زبر اور با کے نیچے زیر) جگر، کیچہ۔ أسطوان : ستون، کھمبا۔ ثم یدعوہ : (یا اور دال پر زبر کے ساتھ) یہ سب اس مال و خزانے کو چھوڑ دیں گے، کچھ نہیں لیں گے۔

علامات قیامت

اس باب کی احادیث میں نبی کریم ﷺ نے قیامت کی بعض علامتیں بیان فرمائی ہیں، پہلی حدیث میں پانچ علامتیں بیان کی گئی ہیں کیونکہ دنیا اور آخرت کی صلاح و فلاح میں ان سے غفل پڑتا ہے۔ چنانچہ رفع علم و ظہور جہل سے دین تباہ ہو جاتا ہے، شراب خوری سے عقل، زنا سے نسب اور عورتوں کی کثرت کی وجہ سے فتنوں کی کثرت ہوگی جو جان و مال کی تباہی کا باعث ہیں، ان امور کی وجہ سے چونکہ غفل واقع ہوتا ہے، ہر طرف فساد پھیل جاتا ہے، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب یہ چیزیں پیش آجائیں تو سمجھ لو کہ قیامت قریب ہے۔

یفشوا الزنا، زنا اس طرح عام ہو جائے گا کہ اس کی تباحث بھی دلوں سے نکل جائے گی چنانچہ آج مسلم معاشرہ کی یہی صورت حال ہے کہ سرعام مختلف انداز سے یہ کام ہو رہا ہے۔ العیاذ باللہ۔

یکثروا الفساد، عورتوں کی کثرت یا تو اس وجہ سے ہوگی کہ مرد مختلف معرکوں میں شہید ہو جائیں گے، عورتیں بچ جایا کریں گی اور یا اس وجہ سے کہ ان کی پیدائش ہی زیادہ ہوگی، دوسرے معنی کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے راجح قرار دیا ہے۔

لخمسین امرأة قیم واحد،

یہ کلام یا تو حقیقت پر محمول ہے کہ پچاس عورتوں کا نگران ایک مرد ہوگا، یا اس سے محض کثرت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ ایک مرد کے تحت زیادہ عورتیں ہوں گی۔

لا یحدنکم احد بعدی حضرت انس فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مجھ سے سن لو، میرے بعد کسی اور سے یہ روایت تم نہیں سن سکو گے، یہ جملہ انہوں نے کس لحاظ سے کہا ہے، اس کی وجہ:

(۱) یہ بصرہ شہر کے اعتبار سے ہے کہ اس شہر میں میرے بعد چونکہ اور کوئی صحابی موجود نہیں ہے، اس لئے یہ روایت یہاں

میرے بعد تم کسی اور صحابی سے نہ سن سکو گے۔

(۲) یا یہ مطلب ہے کہ تم کسی اور سے یہ روایت اس سند کے ساتھ نہیں سنو گے کہ یہ بلا واسطہ ہے کیوں کہ میں نے یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے براہ راست سنی ہے۔

دوسری حدیث میں حضرت انس کے سامنے لوگوں نے حجاج کے مظالم کی شکایت کی تو انہوں نے حدیث رسول سے ان کی راہنمائی کی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور اس کے بعد کے زمانے میں جب کسی مجرم کو پکڑا جاتا تو سرعام اس کی پکڑی اتار دی جاتی تھی، زیاد کے دور میں جرائم پر کوڑوں کا سلسلہ شروع ہوا، مصعب بن زبیر نے اس میں یہ اضافہ کیا کہ مجرم کی داڑھی بھی کاٹی جاتی، بشر بن مردان ہتھیلی پر میخ گاڑتے پھر جب حجاج بن یوسف کا زمانہ آیا تو اس نے کہا کہ یہ سب سزائیں اہل و لعاب اور فضول ہیں چنانچہ اس نے تلوار سے قتل کرنا شروع کیا، جب اس کے یہ مظالم شدید ہو گئے تو حضرت انس کی خدمت میں لوگوں نے شکایت کی تو انہوں نے حدیث بیان کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر سال پہلے سال کے مقابلے میں برا ہوتا ہے، اس لئے تم مصائب پر صبر کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر لو، وہ انصاف کر دے گا۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ شر کے اعتبار سے حجاج بن یوسف کے زمانے سے کم ہے، تو پھر اس حدیث کے کیا معنی ہیں؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) مجموعی طور پر زمانے کا خیر ہونا مراد ہے، اس لحاظ سے حجاج کا زمانہ بہتر ہے، کیوں کہ اس میں صحابہ کرام کی کثیر تعداد موجود تھی، جب کہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں صحابہ نہیں تھے، لہذا جو زمانہ صحابہ پر مشتمل ہو وہ اس زمانے سے بہتر ہے جس میں صحابہ کرام نہ ہوں۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ”شر“ سے مراد ”علم کا کم ہونا“ ہے، معنی یہ ہیں کہ ہر زمانہ پہلے زمانے کے مقابلے میں شر ہوگا کہ اس میں پہلے کے مقابلے میں علم کم ہو جائے گا، کیوں کہ علماء وفات پا جائیں گے۔

دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ دجال کے بعد کا ہے، وہ زمانہ پہلے کے مقابلے میں بہر حال بہتر ہے، تو پھر اس حدیث کے ہیں معنی ہیں؟ اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ اس سے وہ زمانہ مراد ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا زمانہ ہے۔

(۲) یا وہ زمانہ مراد ہے، جو حکمرانوں اور امراء کا ہے، جس میں عموماً شر غالب ہوتا ہے۔

(۳) یا اس سے وہ زمانہ مراد ہے، جو قیامت کی علامتیں ظاہر ہونے سے پہلے کا ہے۔ (۱)

باب کی تیسری حدیث میں ہے کہ اس دنیا میں جب تک اللہ کا نام لیا جائے گا، اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی،

(۱) تحفة الاحوذی ۳۷۴/۶ فتح الباری ۲۵، ۲۴/۱۳ کتاب الفتن باب لا یأتی زمان إلا الذی بعدہ شرح منہ

جب کوئی بھی اللہ کا نام لیوا نہیں ہوگا، ہر طرف شہری شہر ہو جائے گا تو اس وقت قیامت واقع ہوگی۔
 حدیث حذیفہ کا مطلب یہ ہے کہ قیامت اس وقت قائم ہوگی جب دنیا میں فساد اعلیٰ درجہ کا ہو جائے گا، جو شخص جس قدر کمینہ ہوگا، اتنا ہی اس کو بلند مرتبہ شمار کیا جائے گا، آج دنیا میں ہر طرف یہی حال ہے۔
 آخری روایت کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے قریب زمین اپنے اندر کے تمام خزانے سونا، چاندی، معدنیات اور دیگر چیزیں باہر نکال دے گی، ستونوں کی طرح ان کے ڈھیر ہوں گے، چور اس مال کو دیکھ کر کہے گا کہ اس مال کی وجہ سے میرا ہاتھ کاٹا گیا، قاتل کہے گا اس کی وجہ سے میں نے قتل کیا یا مجھے قتل کیا گیا، رشتہ داروں سے تعلقات منقطع کرنے والا کہے گا کہ میں نے اس مال کی وجہ سے قطع رحمی کی، وہ گویا حسرت سے یہ باتیں کریں گے، پھر اس مال کو یوں ہی چھوڑ کر چلے جائیں گے، کیوں کہ اس وقت اس مال کی کوئی وقعت اور قدر و منزلت نہیں ہوگی۔ (۱)

باب

عن علی بن ابی طالب قال: قال رسول اللہ ﷺ: إِذَا فَعَلْتُ أُمَّتِي خُمْسَ عَشْرَةَ خُضْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ، قِيلَ: وَمَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: إِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ ذُولًا، وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا، وَأَطَاعَ الرَّجُلُ رُؤُسَهُ وَعَقَّ أُنْفَهُ، وَبَرَّ صِدْقَهُ وَجَفَّ أَثَرَهُ، وَازْتَفَعَتِ الْأَضْوَاءُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَكَانَ رَجُلٌ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ، وَأَكْرَمَ الرَّجُلُ مَخَالَفَةَ خَيْرِهِ، وَشَرِبَتِ الْخُمُوزُ وَلَيْسَ الْحَرِيزُ، وَاتَّخَذَتِ الْقِيَانُ وَالْمَعَارِفُ، وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا، فَلْيَزِدْ تَقَبُّوْا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا خَمْزًا، أَوْ خُسْفًا أَوْ مَسْخًا۔

حضرت علی بن ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب میری امت میں پندرہ عادتیں آجائیں گی تو ان پر مصیبتیں نازل ہوں گی، عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب مال غنیمت کو ذاتی دولت سمجھا جانے لگے گا، امانت کو مال غنیمت سمجھا جائے گا، زکوٰۃ کو تاوان قرار دیا جائے گا، شوہر بیوی کی اطاعت اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا، دوست کے ساتھ احسان اور باپ کے ساتھ بے رخی کرے گا، مسجدوں میں لوگوں کی آوازیں (شور و غل) بلند ہوں گی، قوم کے لیڈرز لیل قسم کے لوگ ہوں گے، آدمی کا اکرام اس کے شر سے بچنے کے لئے کیا جائے گا، شراب پی جائے گی، ریشمی کپڑا پہنا جائے گا، لوگوں میں گانے والی لڑکیوں اور گانے کے ساز و سامان اور باجوں کا دور دورہ ہو جائے گا، اور جب امت کے آخری لوگ پہلوں پر لعن طعن کریں گے تو اس وقت لوگ (ان عذابوں کا) انتظار کریں سرخ آندھی کا یا زمین میں دھنس جانے یا پھر چہرہ مسخ ہو جانے والے عذاب کا۔

عن ابی ہریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ: إِذَا اتَّخَذَتِ الْفَنَى ذُولًا، وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا، وَلَعَنَ لَغَبِيرِ

الَّذِينَ، وَأَطَاعَ الرَّجُلَ أَمْرَهُ وَعَقَى أَمْرَهُ، وَأَذْنَى صِدْقَهُ وَأَقْصَى أَبَاهُ، وَظَهَرَتْ الْأَضْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ،
وَسَادَ الْقَبِيلَةُ فَاسِقُهُمْ، وَكَانَ رَعِيْنُهُمُ الْقَوْمُ أَزْذَلَهُمْ، وَأَكْرَمُ الرَّجُلِ مَخَافَةُ شَرِّهِ، وَظَهَرَتْ الْقَيْنَاتُ
وَالْمَعَارِيفُ، وَشَرِبَتْ الْخُمُورُ، وَلَعَنَ أَخِيْرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَوْلَهَا فَلْيُوْثِقُوْا عِنْدَ ذَلِكَ رِيْحاً حَمِزاً وَرَ لُزْلَةً
وَحَسْفًا وَمَسْحًا وَقَذْفًا، وَأَيَاتُ تَتَابَعِ كَيْطَامِ بَابِ قُطْعِ سِلْكِهِ فَتَتَابَعِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مال غنیمت کو ذاتی دولت قرار دیا جانے لگے
گا، امانت کو غنیمت، زکوٰۃ کو تاوان، علم کو دین کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے سیکھا جائے گا، شوہر اپنی بیوی کی اطاعت
اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا، اپنے دوست کو قریب اور والد کو دور کر دے گا، مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں
گی، فاسق و فاجر آدمی قبیلہ کا سردار ہوگا، قوم کے لیڈر ذلیل قسم کے لوگ ہوں گے، آدمی کا اکرام اس کے شر سے بچنے
کے لئے کرا جانے لگے گا، لوگوں میں گانے والی لڑکیاں اور گانے کے آلات عام ہو جائیں گے، شراب پی جائے گی،
اور امت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعن طعن کریں گے تو اس وقت ان عذابوں کا جلد ہی ظاہر ہونے کا انتظار کرو
سرخ ہوا (یعنی تیز و تند اور شدید ترین طوفانی آندھی) کا، زلزلہ کا، زمین میں دھنس جانے کا، صورتوں کے مسخ و تبدیل
ہو جانے کا، آسمان سے پتھر برسنے کے عذاب کا، اور ان علامات کا انتظار کرو، جو یکے بعد دیگرے ظاہر ہوں گی، جس
طرح پرانے ہار کی لڑی ٹوٹ جائے اور موتی یکے بعد دیگرے گر پڑیں (یعنی مسلسل اور نئے سے نئے فتنے واقع ہوں گے)
عن عَمْرٍاءَ بْنِ حُصَيْنٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ، وَمَسْخٌ، وَقَذْفٌ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ
الْمُسْلِمِينَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَتَى ذَلِكَ؟ قَالَ: إِذَا ظَهَرَتْ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَارِيفُ وَشَرِبَتْ الْخُمُورُ۔

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس امت میں تین عذاب خسف، مسخ اور قذف
آئیں گے، ایک مسلمان نے پوچھا یا رسول اللہ کب؟ آپ نے فرمایا: جب گانے والی لڑکیوں اور ڈھول باجوں کا
رواج ہو جائے گا اور شرابیوں کی جائیں گی (تو اس وقت یہ عذاب واقع ہوں گے)

مشکل الفاظ کے معنی:- مغنم: مال غنیمت۔ دولا: (دال پر پیش، واؤ پر زبر) اول بدل ہونے والی چیز، کبھی کسی کے پاس اور
کبھی کسی کے پاس آنے جانے والی چیز جیسے مال و دولت اور اقتدار و منصب۔ مغرما: تاوان، جرمانہ۔ ہو: نیکی اور حسن سلوک
کرے۔ جفا: بے رخ کرے، دور کرے۔ اصوات: بصوت کی جمع ہے، آوازیں۔ ارذلہم: ان میں سب سے ذلیل اور گھٹیا۔
القینا: (قاف کے نیچے زیر) قینہ کی جمع ہے گانا گانے والی باندیاں، لڑکیاں۔ معارف: معارف کی جمع ہے: باجا، ساز، آلہ
موسیقی، سارنگی وغیرہ۔ فلیو ثقیوا: انہیں چاہیے کہ وہ انتظار کریں۔ ریحاً حَمِزاً: سرخ ہوا یعنی تیز و تند اور شدید آندھی۔ خسف:
زمین میں دھنس جانا۔ مسخ: شکل و صورت کا تبدیل ہو جانا۔ اذنی: قریب کرے۔ اقصی: دور کرے۔ قذف: پتھروں کا گرنا۔
آیات تتابع: پے در پے نشانیاں۔ نظام: (نون کے نیچے زیر) ہار۔ بال: پرانی۔ سلکھ: (سین کے نیچے زیر) ہار کی لڑی، دھاگہ۔

خمرور: خمر کی جمع ہے: شراب۔

پندرہ خصلتیں..... بہت سے عذابوں کا سبب

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے قیامت کی بعض علامتوں کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بھی بتا دیا کہ جب میری امت میں یہ چیزیں پیش آئیں گی تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف قسم کے عذاب نازل ہوں گے۔ ان علامات کی تفصیل:

(۱) مال غنیمت کو ذاتی حق سمجھا جائے گا، اسے مجاہدین اور غازیوں کے درمیان شرعی طریقے کے مطابق تقسیم کرنے کے بجائے بعض سرکردہ لوگ آپس میں ہی بانٹ لیں گے۔

(۲) امانت کو مال غنیمت شمار کیا جائے گا، معنی یہ ہیں کہ اس مال میں خیانت کی جائے گی اور اسے اپنا مال سمجھ لیا جائے گا۔

(۳) زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے گا یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی خوشدلی کے ساتھ نہیں ہوگی بلکہ اسے اپنے اوپر بوجھ اور جرمانہ قرار دیا جائے گا اور ہر ممکن کوشش کی جائے گی کہ کسی نہ کسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچ جائیں جیسا کہ بعض لوگوں کا رویہ اس زمانے میں بھی یہی کچھ نظر آتا ہے اور بعض لوگ تو زکوٰۃ سے بچنے کے لئے بنک میں اپنے آپ کو شیعہ یا قادیانی لکھوا دیتے ہیں، دیکھیے کس قدر شاطرانہ چالیں ہیں، اللہ ہی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

(۴) علم دین سیکھنے اور سکھانے سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی نشر و اشاعت مقصود نہیں ہوگی بلکہ یہ کام محض دنیا طلبی، نام و نمود اور شہرت کے لئے کیا جائے گا۔

(۵) بیوی کی اطاعت کی جائے گی اگرچہ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہو۔

(۶) ماں کا دل بغیر کسی شرعی وجہ کے دکھایا جائے گا اور اس کی خدمت سے لاپرواہی کی جائے گی، ماں کے ذکر میں والد بھی داخل ہے اور ماں کا ذکر خاص طور پر اس لئے کر دیا کہ والد کے مقابلے میں والدہ بچے کی پرورش میں زیادہ تکلیفیں اور مشقتیں اٹھاتی ہے۔

(۷) آدمی اپنے والد کی خدمت میں بیٹھنے اور بات چیت کرنے کے بجائے دوستوں کے ساتھ نشست و برخاست کو ترجیح دے گا، اور اس کے رویے سے ظاہر ہوگا کہ اس کا تعلق دوستوں کے ساتھ زیادہ ہے۔

(۸) مسجدوں میں شور و غل اور لڑائی جھگڑے ہوں گے، حالانکہ مسجد میں ذکر اللہ کے لئے آواز بلند کرنا بھی مناسب نہیں۔

(۹) قبیلہ کا سردار فاسق و فاجر ہوگا، اس کی وجہ سے پورے خاندان میں بے حیائی اور اللہ کی نافرمانی پھیل جائے گی۔

(۱۰) ذلیل اور گھٹیا قسم کے لوگ قوم کے لیڈر ہوں گے، ان کی ناجائز حرکتوں کی وجہ سے پوری قوم اللہ کے عذاب کی گرفت میں آجائے گی۔

(۱۱) کسی شخص کا اکرام و احترام اس کی فضیلت اور ادب کے اعتبار سے نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کے شر سے بچنے کے لئے کیا جائے گا، مثلاً وہ خاندان میں بڑا ہے یا کسی بڑے منصب پر فائز ہے اور ہے وہ بدکردار اور بد معاش، ایسے میں اس کا اکرام صرف

اس کے شر سے بچاؤ کے لئے کیا جائے گا۔

(۱۲) گانے بجانے کے آلات سازنگیاں، ڈھول وغیرہ عام ہو جائیں گے۔

(۱۳) گانے والے لڑکے اور لڑکیاں بہت عام ہو جائیں گے، ہر گھر میں یہ چیزیں داخل ہو جائیں گی جیسا کہ اس وقت پوری دنیا میں ٹی وی، کیبل، انٹرنیٹ، اور موبائل میں فحش تصاویر ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں، کوئی گھر اس سے محفوظ نہیں الا ماشاء اللہ۔

(۱۴) مختلف قسم کے شراب اور نشہ آور مشروبات بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ پیے جائیں گے۔

(۱۵) اس امت کے آخر کے لوگ پہلوں پر لعن طعن کریں گے۔

علامہ طبری فرماتے ہیں کہ اپنے گذشتہ بزرگوں کو برا بھلا کہنا اور اعمال صالحہ میں ان کی اقتداء نہ کرنا یہ لعنت ہی کے درجہ میں ہے، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہاں پر اس کلام کے حقیقی معنی مراد لینا ممکن ہے، اسلئے مجازی معنی مراد لینے کی ضرورت نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ روافض نے حضرات صحابہ پر سب و شتم کیا ہے، اور کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر نے خلافت پر غاصبانہ قبضہ کیا ہے، حالانکہ یہ حضرت علی کا حق تھا، ان کے خرافات بہت زیادہ ہیں، جن کا قرآن و سنت سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔

(۱۶) اور مرد حضرات کسی شرعی وجہ کے بغیر ریشم استعمال کریں گے۔

جب یہ علامتیں قیامت کے قریب پائی جائیں گی، تو پھر دنیا میں مختلف عذاب آئیں گے، کہیں تیز و تند آمد می آئے گی، کہیں زلزلہ، کہیں خسف، کہیں مسخ اور کہیں قذف کا عذاب نازل ہوگا۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی طرح متصل بھیجا گیا ہے
عن المستورد بن شداد الفهري، عن النبي ﷺ قال: بُعِثْتُ أَنَا فِي نَفْسِ السَّاعَةِ فَسَبَقْتُهَا كَمَا سَبَقَتْ هَذِهِ هَذِهِ، لِأَصْبَغِيهِ السَّبَابَةَ وَالْوَسْطَى۔

مستورد بن شداد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے قیامت کے بالکل قریب بھیجا گیا ہے لیکن میں کچھ سبقت لے گیا جیسا کہ سبابہ انگلی درمیانی انگلی پر سبقت لے گئی ہے اور آپ نے اپنی دو انگلیوں یعنی سبابہ اور وسطیٰ کی طرف اشارہ فرمایا۔

عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ۔ وَأَشَارَ أَبُو دَاوُدَ بِالسَّبَابَةِ وَالْوَسْطَى۔ فَمَا فَضَّلَ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی طرح (متصل) بھیجا گیا

(۱) مرقاة المفاتیح: کتاب الفتن باب اشرط الساعۃ: ۳۴۴/۹، تحفة الاحوذی: ۴۵۴/۶، قدیمی، کراچی

ہے، اور امام ابو داود راوی نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ کیا، پھر ان میں سے ایک (لسبائی میں)
(دوسری پر کیا فضیلت رکھتی ہے) (یعنی بہت تھوڑا فرق ہے)۔

مجھے اور قیامت کو ایک ساتھ بھیجا گیا

حضور اکرم ﷺ نے ان احادیث میں قیامت کے قرب کو بیان فرمایا کہ میرے اور قیامت کے درمیان صرف اتنا فرق ہے جتنا انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے درمیان ہے ”کھاتین“ کے کیا معنی ہیں؟ اس میں اختلاف ہے:

(۱) بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے درمیان لسبائی کے اعتبار سے فرق ہے، بس اتنا ہی فرق ہے نبی کریم ﷺ اور قیامت کے وقوع کے درمیان۔

(۲) بعض نے یہ کہا کہ جس طرح ان دو انگلیوں کے درمیان کوئی خلل نہیں، اسی طرح میرے بعد قیامت تک کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔

(۳) علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس سے قیامت کے قرب کو بتانا مقصود ہے۔

ان روایات میں قیامت کے قرب کو بیان کیا گیا ہے، وقت کی تعیین نہیں کی گئی، کیوں کہ وقت کی تعیین کا علم صرف اللہ جل شانہ کو ہے کسی اور کو نہیں، اسی چیز کو دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ما المسؤول عنها باعلم من السائل اس میں تعیین وقت کی نفی کی گئی ہے، اس لئے ان دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں۔

لہذا افضل... مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان دونوں انگلیوں میں لسبائی کے اعتبار سے معمولی سا فرق ہے، اسی طرح میری آمد اور قیامت کے وقوع میں بھی بہت ہی تھوڑا سا فاصلہ ہے۔

نفس الساعة: (نون اور فا پر زبر کے ساتھ) قیامت کے قریب۔ (۱)

بعثت انا والساعة میں اعراب کے لحاظ سے دو احتمال

”بعثت“ ماضی مجہول واحد متکلم کا صیغہ ہے اور الساعة کے اعراب کے بارے میں دو احتمال ہیں:

۱۔ یہ مرفوع ہے اور اس کا عطف بعثت کی ضمیر متکلم پر ہے اور درمیان میں ”انا“ ضمیر موجود ہے اس لئے اس کا عطف درست ہے۔

بعض حضرات نے اس ترکیب پر اعتراض کیا ہے کہ ضمیر متکلم پر عطف درست نہیں کیونکہ عربی میں بعثت الساعة (قیامت مبعوث کی گئی) نہیں کہا جاتا، کیونکہ یہ اس وقت کہا جاسکتا ہے جب پہلے سے کوئی چیز موجود ہو اور پھر اسے بھیجا جائے اور

اٹھایا جائے جبکہ قیامت تو آئندہ آئیگی، پہلے سے موجود نہیں؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ قیامت کا آنا چونکہ یقینی ہے اس لئے اسے موجود قرار دے کر اس پر یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

۲۔ ابوالبقاء عکبری کے نزدیک ”والساعة“ میں واؤ ”مع“ کے معنی میں ہے اور الساعة مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، لیکن قاضی عیاض نے رفع والی صورت کو ”حسن“ قرار دیا ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي قِتَالِ التَّرْكِ

یہ باب ترکوں سے جنگ کرنے کے بیان میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَقَاتِلُوا قَوْمًا يَغَالِهُمُ الشُّعْرُ، وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَقَاتِلُوا قَوْمًا، كَأَنَّ وَجُوهُهُمْ الْمَجَانُ الْمَطْرُقَةُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم ایک ایسی قوم سے جنگ نہیں کر لو گے جن کے جوتے بالوں کے ہوں گے، (پھر فرمایا) اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم ایک ایسی قوم سے قتال نہیں کرو گے جن کے چہرے گویا تہ بڑھال کی طرح ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی :- نعال بھل کی جمع ہے: جوتے۔ وجوہہم: وجہ کی جمع ہے: چہرے۔ المعجان: (میم پر زبر اور نون کی تشدید کے ساتھ) معجن کی جمع ہے: ڈھالیں۔ المطرقة: (میم پر پیش اور را پر زبر) تہ بڑھال چڑھایا ہوا۔ المعجان المطرقة سے وہ گول چہرے مراد ہیں جو گوشت سے بھرے ہوئے ہوں۔

ترکوں سے لڑائی ہوگی

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ پیش گوئی دی ہے کہ قیامت سے پہلے ترکوں سے لڑائی ہوگی۔

”ترکوں“ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا سلسلہ نسب یا ذب بن نوح تک پہنچتا ہے ان کے مورث اعلیٰ کا نام ”ترک“ تھا، اس لئے پوری قوم کو ترک کہا جانے لگا، علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ ترک قنطورا کی اولاد ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ یاجوج ماجوج کے بائیس قبیلے تھے، اکیس قبیلے دیوار ذوالقرنین کے پیچھے بند کر دیئے گئے، ایک باقی بچ گیا، اسی کو ”ترک“ کہا جاتا ہے، کیوں کہ انہیں باہر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں۔

حدیث میں اس قوم کے لوگوں کے منہ کو ڈھال کے ساتھ تشبیہ اس اعتبار سے دی گئی ہے کہ ان کے چہرے گول اور گوشت سے بھرے ہوئے ہوں گے گویا ان کے چہرے کی گولائی اور گوشت سے بھرے ہوئے ہونے کو مطرقة یعنی اس ڈھال

کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو تہ دار چڑے کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے جن دو قوموں کا ذکر فرمایا ہے، ظاہر یہ ہے کہ اس سے دو الگ الگ قومیں مراد ہیں، چنانچہ پہلی قوم سے ترک اور دوسری سے اصحاب بابک خرمی مراد ہیں، ”اصحاب بابک“ یہ وہ مرتدین کی جماعت ہے جنہوں نے بہت سی محرمات کو جائز قرار دیا ہوا تھا، مامون الرشید کے زمانے میں ان کا بڑا بدبہ اور شان و شوکت تھی، اکثر بلاد عجم طبرستان اور ری وغیرہ میں ان کا تسلط قائم ہو گیا تھا، پھر معتمد کے زمانے میں یہ بابک قتل ہو گیا تھا، اس فتنہ کا آغاز ۲۰۱ ہجری میں ہوا اور ۲۲۲ ہجری میں بابک قتل ہو گیا۔ (۲)

نعالہم الشعر

بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ان کے بال اس قدر لمبے ہوں گے کہ ان کے اطراف ان کے پاؤں میں جوتوں کی جگہ ہوں گے۔

بعض نے یہ کہا کہ ان کے جوتے بالوں کی مینڈیوں سے بنے ہوں گے۔ (۳)

بَاب مَا جَاءَ إِذَا ذَهَبَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب کسری ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد اور کوئی کسری نہ ہوگا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرٌ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَنْفَقَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کسری (شاہ ایران) ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی دوسرا کسری نہ ہوگا اور جب قیصر (شاہ روم) ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، ضرور قیصر و کسری کے خزانوں کو اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے گا۔

فارس و روم کی فتح کی پیش گوئی

کسری: (کاف کے نیچے زیر) فارس کے بادشاہ کا لقب تھا۔ قیصر: روم کے بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا۔

(۱) مرقاة المفاتیح ۲۹۹/۹، باب الملاحم

(۲) فتح الباری، کتاب الجہاد، باب قتال الترك، ۱۲۹/۶، نکملہ فتح اللہم، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتی یمر الرجل

بقبر الرجل ۳۲۷/۶

(۳) تحفة الاحوذی ۳۸۲/۶

نبی اکرم ﷺ نے یہ حدیث اس لئے ارشاد فرمائی کہ قریشی لوگ فارس و روم کی طرف تجارتی سفر کیا کرتے تھے، جب ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان کے لئے سفر میں مشکلات پیش آنے لگیں، انہیں خطرہ ہوا کہ کہیں یہ سفر ہمارا بند ہی نہ ہو جائے کیوں کہ وہ دونوں حکومتیں اس وقت غیر مسلم تھیں، اس وقت آپ ﷺ نے یہ پیش گوئی فرمائی کہ عنقریب یہ دونوں ملک فتح ہو جائیں گے، ان کی شان و شوکت اور دبدبہ سب ختم ہو جائے گا، اس کے بعد نہ تو اور کوئی کسریٰ ہوگا اور نہ قیصر بلکہ یہ ملک مسلمانوں کے پاس آ جائیں گے، اور ان کے خزانے راہ خدا میں خرچ کئے جائیں گے۔

سن ۶ھ میں حضور اکرم ﷺ نے قیصر و کسریٰ دونوں کی طرف دعوت اسلام کا خط بھیجا، بدبختی سے کسریٰ نے اس خط کو پھاڑ دیا تھا اور قیصر نے اس کو چوما تھا، آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا یا اللہ جس طرح اس نے خط کو پھاڑ دیا ہے، اسی طرح اس کی حکومت کو بھی تتر بتر اور ریزہ ریزہ کر دے چنانچہ اس کا ملک فارس ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، کیوں کہ اس نے آپ کے خط مبارک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور ملک روم باقی رہا، کیوں کہ اس نے آپ کے خط کو چوما تھا اور سر پر رکھا تھا، اور حضرت عمر کے زمانے میں ایران اور روم دونوں ہی فتح ہو گئے، اور پھر ہمیشہ کے لئے غلبہ اسلام کی وجہ سے قیصر و کسریٰ کے لقب ختم ہو گئے۔

سوال یہ ہے کہ اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے قیصر و کسریٰ کے بعد اور کوئی قیصر و کسریٰ نہ ہوگا، حالانکہ اس زمانہ کے قیصر و کسریٰ کے بعد بھی ان کی حکومتیں باقی رہیں؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) آپ ﷺ کے زمانے سے ہی ان کی طاقت ختم ہونا شروع ہو گئی تھی اور پھر حضرت عمر فاروق کے زمانے میں یہ دونوں ملک مکمل فتح ہو گئے۔

(۲) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیصر و کسریٰ نہیں رہیں گے، حکومتوں کی نفی کرنا مقصود نہیں ہے۔ (۱)

بَاب لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ قِبَلِ الْحِجَازِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ حجاز کی طرف سے آگ نکلے گی

عن عبد اللہ بن عمر قال: قال رسول اللہ ﷺ: ستخرج نار من حضر موت أو من نخو بنحو حضر موت قبل يوم القيامة تحشش الناس، قالوا يا رسول الله: فما تأمرنا؟ فقال: عليكم بالشام۔

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عنقریب حضر موت یا فرمایا حضر موت کے سمندر کی طرف سے قیامت سے پہلے ایک آگ نکلے گی، جو لوگوں کو اکٹھا کرے گی، صحابہ کرام نے پوچھا کہ اس کے بارے میں آپ ہمیں کیا حکم دیں گے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم ملک شام میں سکونت اختیار کر لینا۔

ارض حجاز اور قعر عدن سے آگ کا ظہور ہوگا

احادیث میں قیامت سے پہلے دو مقامات یعنی ارض حجاز اور قعر عدن سے آگ نکلنے کا ذکر ہے، چنانچہ حدیث باب میں اس آگ کا ذکر ہے جو قعر عدن سے نکلے گی، اسے بعض روایات میں تخرج من الیسن، بعض میں تخرج من قعر عدن اور حدیث باب کی روایت میں تخرج..... من حضرموت کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

یہ وہ آگ ہے جو قرب قیامت میں قعر عدن سے نکلے گی، لوگ اپنے گھروں سے باہر نکل جائیں گے اور اس کی شدت کی وجہ سے دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کرنا شروع کر دیں گے، مہاجرین مختلف گروپوں کی صورت میں جائیں گے، بعض سوار یوں پر بڑے خوشحالی سے سفر کریں گے، بعض کیلئے سوار یوں میں تنگی ہوگی اور بعض پیدل چل کر دوسری جگہ کا رخ کریں گے، یہ آگ ان لوگوں کے ساتھ ہوگی رات کو جہاں سوئیں گے وہاں وہ آگ بھی رات گزارے گی، اور جس مقام پر یہ سارے لوگ جمع ہوں گے۔ اسے حدیث میں ”محشر“ کہا گیا ہے، اس سے قیامت کا حشر مراد نہیں ہے۔

پھر علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ یہ آگ جو قعر عدن سے نکلے گی حقیقی معنی پر محمول ہے یا اس سے مجازی معنی مراد ہیں؟ بعض حضرات نے اس سے حقیقی معنی مراد لئے ہیں، جب کہ بعض حضرات کے نزدیک اس سے آگ مراد نہیں بلکہ شدید فتنے مراد ہیں۔ (۱)

دوسری آگ وہ ہے جو ارض حجاز سے نکلے گی جس سے بصری شہر کے اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی، مورخین اور محدثین کے نزدیک قیامت کی یہ علامت جمادی الثانی ۵۳ھ میں مدینہ منورہ میں ظاہر ہو چکی ہے۔ (۲)

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ باب میں ارض حجاز کی آگ کا ذکر ہے اور اس کے تحت جو روایت ہے، اس میں حضرموت کی آگ کا ذکر ہے، بظاہر حدیث کو باب کے ساتھ مناسبت اور مطابقت نہیں ہے؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

- (۱) ونی الباب میں جو حدیث ابی ہریرہ ہے اس میں نارجاز کا ذکر ہے، اس وجہ سے باب میں نارجاز کو بیان کیا ہے۔
- (۲) بعض روایات میں یمن کا ذکر ہے، یمن اور حضرموت حجاز کی جہت میں ہیں تو آگ یمن سے شروع ہو کر حضرموت سے گذر کر حجاز آئے گی، اس جواب کے لحاظ سے اس روایت کو بھی باب سے مطابقت ہو جائے گی۔ (۳)

(۱) تکملة فتح للملہم، کتاب الجنة، باب فناء الدنيا ۲۲۲/۳۰۸

(۲) تکملة فتح للملہم، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى تخرج نار من ارض الحجاز ۲/۳۱۰

(۳) مجمع البحرين ۲/۵۳۳ باب لا تقوم الساعة حتى تخرج نار من قبل الحجاز

بَاب مَا جَاءَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَخْرُجَ كَذَّابُونَ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ نبوت کے جھوٹے دعویٰ اٹھیں گے
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَنْبُعِثَ كَذَّابُونَ، دَجَالُونَ، قَرِيبٌ مِنْ ثَلَاثِينَ،
كُلُّهُمْ يُزْعِمُ: أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ تیس
کے قریب جھوٹے دجال نبوت کے دعویٰ ادا بن کر ظاہر نہیں ہوں گے، ان میں سے ہر ایک کا یہی دعویٰ ہوگا کہ وہ
رسول اللہ ہے۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ وَحَتَّى يَغْبِذُوا
الْأَوْثَانَ وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ، كُلُّهُمْ يُزْعِمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي۔
حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ میری امت کے کئی
قبائل مشرکین کے ساتھ الحاق کریں گے اور بتوں کی پوجا کریں گے اور عنقریب میری امت میں تیس جھوٹے پیدا
ہوں گے، ہر ایک کا یہی دعویٰ ہوگا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں ہی آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

نبوت کے جھوٹے دعویٰ ادا

قیامت سے پہلے کچھ لوگ جھوٹی نبوت کا دعویٰ کریں گے، جن کی تعداد تقریباً تیس ہوگی، بعض روایات میں
سبعون (ستر) کی تعداد ہے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس سے کثرت مراد ہے کوئی مخصوص تعداد بیان کرنا مقصود نہیں، معنی یہ
ہیں کہ قیامت سے پہلے بہت سے لوگ جھوٹی نبوت کا دعویٰ کریں گے، بعض نے کہا کہ تیس کذاب تو مشہور معروف ہوں گے جن کی
اتباع کی جائے گی اور باقی صرف لوگوں کو گمراہ کریں گے۔

”قریب“ یہ خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، اس کا مبتدا ”عددہم“ مخدوف ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي تَقْيِيفِ كَذَّابٍ وَ مُبِيزِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ قبیلہ ثقیف میں ایک جھوٹا اور ایک ہلاک کرنے والا ہوگا۔
عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فِي تَقْيِيفِ كَذَّابٍ وَ مُبِيزٍ۔ قَالَ أَبُو عِيسَى: وَيُقَالُ: الْكَذَّابُ:

الْمُخْتَارِ بْنِ أَبِي غُبَيْدٍ، وَالْمُبَيَّزِّ: الْحَجَّاجُ بْنُ يُونُسَ.

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قبیلہ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ہلاک کرنے والا یعنی قاتل (پیدا) ہوگا۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ کذاب سے مختار بن ابی عبیدہ اور میر سے حجاج بن یوسف مراد ہے۔

عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانٍ قَالَ: أَخْصَوْنَا قَتْلَ الْحَجَّاجِ صَبْرًا فَبَلَغَ مِائَةَ أَلْفٍ وَعِشْرِينَ أَلْفَ قَتِيلٍ۔
ہشام بن حسان کہتے ہیں کہ حجاج بن یوسف نے جس قدر لوگوں کو (جنگ و معرکہ یا غلطی سے نہیں بلکہ) یوں ہی ظلماً پکڑ پکڑ کر اور قید خانہ میں ڈال کر قتل کیا ہے ان کی تعداد لوگوں نے شمار کی ہے جو ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔

قبیلہ ثقیف کے دو شخصوں کے بارے میں پیش گوئی

حضور اکرم ﷺ نے قبیلہ ثقیف کے دو شخصوں کے بارے میں پیش گوئی دی تھی کہ اس میں ایک کذاب اور ایک ہلاک پیدا ہوگا، کذاب سے مختار بن ابی عبیدہ ثقفی اور میر سے حجاج بن یوسف مراد ہے۔

مختار یہ مشہور صحابی حضرت ابو عبیدہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے، اس کی ولادت ہجرت کے پہلے سال ہوئی، اس کے باوجود اسے صحابی بننے کا شرف حاصل نہ ہوسکا، ابتدا میں یہ شخص علم و فضل اور نیکی و تقویٰ میں مشہور تھا لیکن بعد میں اس کا حبش باطن سامنے آیا، کہ یہ سب کچھ اپنی شہرت اور منصب کے لئے تھا، پہلے اہل بیت سے بہت بغض رکھتا تھا، اچانک حضرت حسین کی شہادت کے بعد ان کی حمایت میں یزید یوں کے خلاف بولنا شروع کر دیا، بلکہ بہت سے لوگوں کو اس نے خون حسین کے قصاص میں موت کے گھاٹ بھی اتارا، بہت ہی فتنہ انگیز شخص تھا، آئے دن نئے سے نئے فتنے کھڑے کرتا تھا، حضرت عبداللہ بن زبیر کے خلاف عراق میں علم بغاوت بلند کیا، پھر مزید آگے بڑھ کر پوری اسلامی حکومت پر قبضہ کا منصوبہ بنالیا، کوفہ پر قابض ہو گیا، ساتھ ہی نبوت کا دعویٰ بھی کر دیا، اور کہنے لگا کہ جبرائیل امین میرے پاس وحی لے کر آتے ہیں، آخر کار حضرت مصعب بن زبیر نے جو حضرت عبداللہ بن زبیر کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے، اپنی فوج لے کر کوفہ پر چڑھائی کی، مختار نے بھی مقابلہ کیا لیکن بالآخر شکست کھا گیا، اور پھر ۱۴ رمضان ۶۰ھ میں اسے قتل کر دیا گیا۔ (۱)

حجاج بن یوسف تاریخ اسلام کا مشہور عالم شخص ہے، جس نے ہزاروں کے حساب سے اچھے اور نیک لوگوں کو جن میں صحابہ و تابعین بھی شامل ہیں، ناحق قتل کیا، عبداللہ بن زبیر کو شہید کیا، بے گناہ لوگوں کو جیل میں رکھتا تھا، اس کی ظالمانہ کاروائیوں کا اندازہ اس سے لگائے کہ بغیر کسی وجہ کے محض ظلم و بربریت کی وجہ سے جن لوگوں کو اس نے قتل کیا، ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے، جو لوگ جنگوں اور لڑائی جھگڑے میں مارے گئے، ان کی تعداد اس کے علاوہ ہے، اس کا جیل خانہ دنیا کا ایک عجیب قید خانہ تھا،

اس کی کوئی چھت نہ تھی چنانچہ تمام قیدی کھلے آسمان کے نیچے سردی، گرمی، دھوپ اور بارش کی مشقتیں برداشت کرتے تھے۔

جراح بن یوسف ثقفی، اموی امیر عبدالملک بن مروان کا خاص آدمی تھا، حکومت کے امور میں بڑی بصیرت اور گہری نظر کا حامل تھا، عبدالملک بن مروان نے اس کو عراق و خراسان کا گورنر بنایا تھا، اور عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد حجاز کا بھی والی بنا، اس کی عالمائے داستانوں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں، ماہ شوال ۹۵ھ میں ۵۴ سال کی عمر میں اس کی وفات ہوئی۔ (۱)
 ”صبرا“ معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ جنہیں بغیر کسی جنگ و جدال کے قصد اُقتل کیا گیا، ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔ (۲)

بَاب مَا جَاءَ فِي الْقُرْنِ الثَّالِثِ

یہ باب تیسری صدی کے حالات کے بارے میں ہے

عَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: خَيْرُ النَّاسِ قُرُونِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمٌ يَتَسَمَّنُونَ وَيَحْجُونَ السَّمَنَ، يَغْطُونَ الشَّهَادَةَ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلُوا هَا۔

حضرت عمران بن حصین کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں میں سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد (یعنی صحابہ) ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہیں (یعنی تابعین) پھر اس کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو موٹا ہونا چاہیں گے اور موٹاپے کو پسند کریں گے، اور وہ لوگ گواہی کے مطالبے کے بغیر ہی گواہی دیں گے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: خَيْرُ أَقْبَنِ الْقُرْنِ الَّذِي بَعِثْتُ فِيهِمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، قَالَ: وَلَا أَعْلَمُ، أَمْ ذَكَرَ الثَّالِثَ أَمْ لَا، ثُمَّ يَنْشَأُ أَقْوَامٌ يَشْهَدُونَ وَلَا يَسْتَشْهَدُونَ، وَيَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ، وَيَفْشَوْنَ فِيهِمُ السَّمَنُ۔

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے لوگوں میں سب سے بہتر اس زمانے کے لوگ ہیں جس میں مجھے بھیجا گیا ہے، پھر وہ جو ان کے بعد ہیں، عمران راوی کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ آپ ﷺ نے قرن ثالث کا ذکر فرمایا یا نہیں (یعنی ثم الذين يلومهم ایک بار ذکر فرمایا: یاد دو بار) پھر فرمایا: ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو گواہی دیں گے حالانکہ ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی، خیانت کریں گے اور وہ امان نہیں بنائے جائیں گے (یعنی لوگ ان پر اعتماد نہیں کریں گے)، اور ان میں موٹا پانام ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ قرن: (قاف پر زبر اور راساکن) سو سال کا عرصہ، صدی، ایک صدی کے لوگ، نسل۔ یلونہم: جو ان

(۱) مرقاة المفاتیح ۱۴۰/۱۱ کتاب المناقب باب مناقب، قریش و ذکر القبائل

(۲) تحفة الاحوذی ۳۸۸/۶

کے ساتھ متصل ہیں۔ یسمنون: مہوتا ہونا چاہیں گے۔ سمن: (سین کے نیچے زیر اور نیم پر زبر) موٹا پا۔ یفسو: ظاہر ہوگا، عام ہوگا۔ یفسو فیہم السمن کا مطلب یہ ہے کہ کھانے پینے میں ایسا توسع اختیار کریں گے، جو موٹاپے کا باعث ہوگا۔

خیر القرون کا ذکر

اس باب کی احادیث میں اس امت کے بہترین زمانوں کا ذکر ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بہتر زمانہ میرا اور میرے صحابہ کا ہے، پھر تابعین کا اور پھر تبع تابعین کا، حدیث میں قرنی سے عہد رسالت اور عہد صحابہ مراد ہے، یہ زمانہ ۱۲۰ھ تک کا ہے کیوں کہ آخری صحابی حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کا انتقال ۱۲۰ھ میں ہوا ہے۔
ثم اللدین یلونہم سے تابعین کا دور مراد ہے اور یہ زمانہ تقریباً ۱۸۰ھ تک کا ہے، اور پھر ثم اللدین یلونہم سے تبع تابعین کا دور مراد ہے اور یہ دور ۲۲۰ھ تک رہا ہے۔ (۱)

باب ما جاء فی الخلفاء

یہ باب خلفاء کے بیان میں ہے

عن جابر بن مسفرة قال: قال رسول الله ﷺ: يَكُونُ مِنْ بَعْدِي اثْنَا عَشَرَ أَمِيرًا، قَالَ: ثُمَّ تَكَلَّمُ بِشَيْءٍ لَمْ أَفْهَمْ، فَسَأَلْتُ الَّذِي يَلِينِي؟ فَقَالَ: قَالَ: كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ۔

حضرت جابر بن مسرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد بارہ امیر ہوں گے، راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے کوئی بات ارشاد فرمائی لیکن میں اسے سمجھ نہ سکا، لہذا میں نے اس شخص سے پوچھا، جو میرے پاس بیٹھا ہوا تھا، تو اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ (امیر) سب کے سب قریش سے ہوں گے۔

عن زياد بن كسب العدوي، قَالَ كُنْتُ مَعَ أَبِي بَكْرَةَ فَخُذْتُ مِنْهُ ابْنَ عَامِرٍ وَهُوَ يَخْطُبُ وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ رَقَاقٌ، فَقَالَ أَبُو بَلَالٍ: انْظُرُوا إِلَى أَمِيرٍ لَا يَلْبَسُ ثِيَابَ الْفُسَّاقِ فَقَالَ أَبُو بَكْرَةَ: اسْكُتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ أَهَانَ سُلْطَانَ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ أَهَانَهُ اللَّهُ۔

حضرت زیاد بن کسب عدوی کہتے ہیں کہ میں ابوبکرہ کے ساتھ ابن عامر کے منبر کے نیچے بیٹھا ہوا تھا، اور وہ خطاب کر رہے تھے اور ان (کے جسم) پر باریک کپڑے تھے، ابوبلال کہنے لگے: ذرا ہمارے امیر کو تو دیکھو، قاستوں والے کپڑے پہنتا ہے، ابوبکرہ نے کہا: خاموش رہ، کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ کی طرف سے بنائے ہوئے حاکم کی زمین میں توہین کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کریں گے۔

بارہ خلفاء کا ذکر

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ میرے بعد بارہ امیر ہوں گے، جو سارے کے سارے قریش سے ہی ہوں گے، ان بارہ خلفاء سے کون مراد ہیں، ان کی تعیین میں شارحین حدیث کا اختلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے اس حدیث کو مشکل احادیث میں شمار کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد یہ فرمایا کہ جمہور کے نزدیک رائج یہ ہے کہ اس سے وہ خلفاء مراد ہیں، جن پر سب لوگ متفق ہوں گے، جن کے دور میں مسلمانوں کے ظاہری حالات اور معاملات رعایا کے مفاد میں ہوں گے، نظام حکومت مستحکم اور مضبوط ہوگا، اگرچہ ان میں سے بعض ظالم اور زیادتی کرنے والے بھی ہوں گے لیکن حکومت کے مسئلے میں وہ اپنے گزشتہ بزرگوں کی ہی اقتداء کریں گے، وہ یہ ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ (۴) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ (۵) معاویہ (۶) یزید بن معاویہ (۷) حضرت عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد عبدالملک بن مروان اور اس کے چار بیٹے: (۸) ولید (۹) سلیمان (۱۰) یزید۔ سلیمان اور یزید کے درمیان حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ بھی گزرا ہے، (۱۱) ہشام (۱۲) ولید بن یزید بن عبدالملک، ہشام کے قتل کے بعد اس پر لوگوں کا اتفاق ہوا، چار سال کے بعد اسے بھی قتل کر دیا گیا، پھر ایسے فتنے شروع ہوئے کہ پھر قیامت تک چلتے رہیں گے اور کسی کی حکومت پر مسلمان متفق نہیں ہوں گے۔

ان کے دور میں مسلمان آپس میں متفق تھے، سب نے ان کی خلافت پر اجماع کیا تھا، نبی کریم ﷺ کی پٹنوں گوئی ان کے بارے میں درست ثابت ہوئی، پھر اس کے بعد کسی پر سب کا اتفاق نہ ہوسکا، قتل و قتال اور آپس میں لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے، ان خلفاء میں سے پہلے چار خلفاء کی خلافت، خلافت راشدہ اور نبوت کے اسلوب کے مطابق تھی، بعد میں یہ خلافت امارت میں بدل گئی۔^(۱)

شیعہ کہتے ہیں کہ ان بارہ امیروں سے اہل بیت مراد ہیں، ان میں سے بعض خلافت کے منصب پر فائز ہو گئے تھے اور بعض نہیں، وہ بارہ یہ ہیں:

(۱) علی (۲) حسن (۳) حسین (۴) زین العابدین (۵) محمد باقر (۶) جعفر صادق (۷) موسیٰ کاظم (۸) علی رضا (۹) محمد تقی (۱۰) علی نقی (۱۱) حسین عسکری (۱۲) اور پھر آخر میں حضرت مہدی آئیں گے۔^(۲)

یہاں رفاق ایسا باریک کپڑا جس کا استعمال مردوں کے لئے جائز نہیں تھا، جیسے ریشم کا لباس، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ریشم کا

(۱) فتح الباری، کتاب الاحکام، باب ۱۳/۲۶۴، تکملة فتح للملهم، کتاب الإمارة، باب: الناس تبع لقریش، ۲۸۴/۳

(۲) مرآة المفاتیح، کتاب المناقب، باب مناقب قریش، ۱۳۵/۱۱

لباس نہ ہو، بلکہ اعلیٰ اور قیمتی قسم کا لباس ہو، جو عموماً امیر استعمال کرتے ہیں، اس لئے اس کو لباس فاسق کے ساتھ تعبیر کیا گیا۔
”سلطان اللہ“ اللہ کی طرف نسبت اعزاز و اکرام اور شرافت کے طور پر ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ وغیرہ۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي الْخِلَافَةِ

یہ باب خلافت (کی مدت) کے بارے میں ہے۔

عَنْ سَفِينَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْخِلَافَةُ فِي أُمِّي ثَلَاثُونَ سَنَةً، ثُمَّ مَلَكَ بَعْدَ ذَلِكَ ثُمَّ قَالَ لِي سَفِينَةُ: أُمْسِكْ عَلَيْكَ خِلَافَةَ أَبِي بَكْرٍ، ثُمَّ قَالَ وَخِلَافَةَ عُمَرَ وَخِلَافَةَ عُثْمَانَ، ثُمَّ قَالَ: أُمْسِكْ خِلَافَةَ عَلِيٍّ فَوَجَدْنَاهَا ثَلَاثِينَ سَنَةً. قَالَ سَعِيدٌ: فَقُلْتُ لَهُ: إِنْ بَنَى أُمِّيَّةٌ يَزْعُمُونَ أَنَّ الْخِلَافَةَ لِيُهِمْ، قَالَ: كَذَبَ بَنُو الزَّرْقَاءِ، بَلْ هُمْ مَلُوكٌ مِنْ شَرِّ الْمُلُوكِ۔

حضرت سفینہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں تیس سال تک خلافت رہے گی، اس کے بعد بادشاہت ہوگی، سعید راوی کہتے ہیں کہ سفینہ نے مجھے فرمایا کہ تم ابو بکر، عمر، عثمان اور حضرت علی کی خلافت کی مدت شمار کرو (چنانچہ ہم نے جب شمار کی) تو ہم نے اسے تیس سال ہی پایا، سعید کہتے ہیں کہ میں نے سفینہ سے عرض کیا کہ بنو امیہ سمجھتے ہیں کہ خلافت ان میں ہے، سفینہ نے فرمایا کہ بنو زرقاء جھوٹ بولتے ہیں بلکہ وہ لوگ تو بدترین بادشاہوں میں سے ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قِيلَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: لَوْ اسْتَخْلَفْتَ؟ قَالَ: إِنْ اسْتَخْلَفْتُ، فَقَدْ اسْتَخْلَفَ أَبُو بَكْرٍ. وَإِنْ لَمْ اسْتَخْلَفْ لَمْ يَسْتَخْلَفْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ. وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر سے عرض کیا گیا کہ کاش آپ کسی کو خلیفہ بنا دیتے تو حضرت عمر نے فرمایا اگر میں خلیفہ نامزد کرتا ہوں تو (کوئی حرج نہیں، کیوں کہ) صدیق اکبر نے بھی خلیفہ بنایا تھا اور اگر خلیفہ مقرر نہ کروں تو (یہ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء ہے، کیوں کہ) آپ ﷺ نے بھی کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا، اور حدیث میں ایک طویل قصہ ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- خلافت: نیابت، قائم مقامی، امامت۔ اُمسک: شم شمار کرو، منضبط کرو۔ بنو الزرقاء: زرقاء کی اولاد، خاندان بنو امیہ کی دادی کا نام ہے۔ لو اسْتَخْلَفْتُ: کاش آپ اپنا جانشین نامزد کر دیتے۔

خلافت راشدہ کی مدت

باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس خلافت راشدہ کی مدت کا ذکر فرمایا ہے جو قرآن و سنت کی تعلیمات کے عین مطابق تھی، وہ عرصہ تیس سال ہے، اس کے بعد بادشاہت آجائے گی، نبوت کے طریقے پر خلافت باقی نہیں رہے گی اگرچہ بعض حکمران اسلامی احکامات کی طرف خصوصی توجہ دیں گے، خلافت کے تیس سال اس طرح بنتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر کی مدت خلافت دو سال تین ماہ دس دن، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دس سال، چھ ماہ اور آٹھ دن، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی گیارہ سال گیارہ مہینے نو دن، اور حضرت علی کی خلافت چار سال، نو ماہ اور سات دن ہے۔

بعض حضرات نے ایام کا ذکر نہیں کیا، اور مدت کو تھوڑے فرق کے ساتھ ذکر کیا ہے پھر تیس سال میں جو کمی ہوتی ہے، اسے حضرت حسن کی مدت خلافت سے پورا کیا ہے، جو چھ ماہ ہے۔

کذب بنو الزرقاء حضرت سفینہ فرماتے ہیں کہ بنو امیہ جھوٹ بولتے ہیں کہ ان کی خلافت نبوت کے طرز پر ہے بلکہ ان کی حکومتیں بادشاہت کے طرز پر تھیں۔

خلیفہ نامزد کرنے کا مسئلہ

باب کی دوسری حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) اگر خلیفہ اپنی وفات سے پہلے کسی کو خلیفہ نامزد کر دے یا اس کے لئے چند افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دے، جو خلیفہ کا تعین کر سکے، تو اس طرح کرنا جائز ہے، کیوں کہ حضرت صدیق اکبر نے اپنا خلیفہ حضرت عمر فاروق کو نامزد کر دیا تھا اور حضرت عمر فاروق نے کسی کو متعین نہیں کیا تھا لیکن اس کے لئے چھ افراد پر مشتمل ایک شورائی بنادی، تاکہ وہ باہمی مشورے سے کسی کو نامزد کر دے، اور اگر خلیفہ نہ تو کسی کو جانشین بنائے اور نہ ہی اس کے لئے کوئی شورائی بنائے تو یہ بھی جائز ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں کسی کو باقاعدہ خلیفہ نامزد نہیں فرمایا تھا، ایسے میں مسلمانوں پر لازم ہوتا ہے کہ وہ جس کو مناسب سمجھیں، باہمی مشورے سے اسے متعین کر دیں۔

(۲) اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد نہیں فرمایا تھا بلکہ آپ کے بعد صحابہ کرام نے باہمی صلاح و مشورے سے پہلے صدیق اکبر کو پھر عمر فاروق، عثمان غنی اور حضرت علی کو خلیفہ نامزد کیا، لہذا اروافض کا یہ کہنا کہ خلافت کا اصل استحقاق اور حضور ﷺ کی وصیت حضرت علی کے لئے تھی، اس پر حضرت صدیق اکبر اور عمر فاروق نے ناجائز قبضہ کیا ہے، یہ سراسر بہتان، جھوٹ اور بے اصل بات ہے، قرآن و سنت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس طرح کا کوئی دعویٰ کیا ہے، اس لئے اس قسم کا نظریہ رکھنا شرعاً ناجائز ہے، کیوں کہ حضرت علی کی خلافت کے بارے میں اگر

حضور ﷺ نے کوئی وصیت کی ہوتی تو صحابہ کرام اسے ضرور نقل کرتے اور اس کے مطابق اپنا نظام حکومت چلاتے، جب ایسا نہیں ہے، تو پھر اس طرح کی الزام تراشی کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ (۱)

وفی الحدیث قصۃ طویلة، اس حدیث میں ایک طویل واقعہ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کو اپنی بہن حضرت حفصہ نے بتایا کہ ہمارے والد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نہیں بنارہے، ابن عمر نے کہا، ایسا نہیں ہوگا، وہ ضرور کسی کو خلیفہ بنائیں گے، اور قسم کھائی کہ میں اس موضوع پر اپنے والد سے ضرور بات کروں گا، فرماتے ہیں کہ والد کے ساتھ اس طرح کی بات کرنا میرے لئے بہت مشکل تھا، گویا میں نے اپنے ہاتھ میں پہاڑ اٹھا رکھا ہے، چنانچہ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ لوگوں میں یہ بات پھیل چکی ہے کہ آپ کسی کو خلیفہ نہیں بنارہے، جب کہ خلیفہ نامزد کرنا چاہیے، یوں رعایا میں انتشار اور فتنے پھیلیں گے کچھ توقف کے بعد حضرت عمر فاروق نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان شاء اللہ اپنے دین کی حفاظت فرمائیں گے، اور فرمایا کہ اگر میں خلیفہ نہیں بنارہا تو یہ بھی جائز ہے کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں فرمایا تھا اور نامزد کر دوں تو یہ بھی درست ہے، صدیق اکبر نے ایسا ہی کیا ہے، ابن عمر کہتے ہیں کہ میں آپ کی گفتگو سے سمجھ گیا کہ والد صاحب حضور ﷺ کی سنت پر عمل کریں گے تاہم اپنے بعد خلیفہ کی نامزدگی کے لئے عشرہ مبشرہ میں سے چھ صحابہ کرام کی کمیٹی بنادی، جو باہمی صلاح و مشورے سے تیسرے خلیفہ کا تعین کر سکیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (۲)

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ الْخُلَفَاءَ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ خلفاء قیامت تک قریش سے ہی ہوں گے

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي الْهَدْمِ يَقُولُ: كَانَ نَاسٌ مِنْ رِبِيعَةَ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ الْعَاصِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ لِقُرَيْشٍ أَوْ لِبَعْضِ أَهْلِ هَذَا الْأَمْرِ فِي جُفُوفٍ مِنَ الْعَرَبِ غَيْرِهِمْ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْعَاصِ: كَذَبْتَ! سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: قُرَيْشٌ زُلَّةُ النَّاسِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

عبداللہ بن ابی الہدمل کہتے ہیں کہ قبیلہ ربیعہ کے کچھ لوگ حضرت عمرو بن عاص کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے کہا: قریش کو (فسق و فجور سے) ضرور باز رہنا چاہیے ورنہ اللہ تعالیٰ اس امر کو یعنی خلافت کو ان کے علاوہ جمہور عرب کے سپرد کر دیں گے، حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا: تم غلط کہتے ہو (ایسا نہیں ہوگا) میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قریش قیامت تک خیر و شر (یعنی اسلام اور جاہلیت کے زمانے) میں لوگوں کے حکمران ہوں گے۔

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۹۷/۶

(۲) تکملة فتح للملهم، کتاب الإمارة، باب الاستخلاف وترکہ ۲۹۲/۳

عن أبي هريرة يقول: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا يَذْهَبُ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ حَتَّى يَمْلِكَ رَجُلٌ مِنَ الْمَوَالِي يَقَالُ لَهُ: جَهْجَاهُ.

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رات اور دن ختم نہیں ہوں گے (یعنی قیامت نہیں آئے گی) یہاں تک کہ غلاموں میں سے ایک آدمی حاکم ہوگا، جس کو جہاہ کہا جاتا ہے۔
مشکل الفاظ کے معنی:۔ لتنتھین: قریش باز آ جائیں، رک جائیں۔ ولأه: (واؤ پر پیش) والی کی جمع ہے: حاکم، گورنر۔ موالی: مولیٰ کی جمع ہے، مملوک، غلام۔ الخیر: اس سے زمانہ اسلام مراد ہے۔ الشر: اس سے زمانہ جاہلیت مراد ہے۔

قریش کے لئے خلافت کا استحقاق

ان احادیث سے قریش کا استحقاق خلافت ثابت ہوتا ہے، وہ اسلام سے پہلے بھی مذہبی معاملات وغیرہ میں سردار مانے جاتے تھے، ایسے ہی وہ زمانہ اسلام کے بعد بھی بدستور خلافت کے حقدار ہیں، جائز امور میں ان کی اطاعت لازم ہے، ہاں یہ ضروری ہے کہ قریش میں سے منصب خلافت کے لئے اس شخص کو منتخب کیا جائے، جس میں خلافت کی اہلیت و صلاحیت اور ضروری شرائط پائی جائیں، ایسے میں کسی دوسرے کا زبردستی خلافت کے عہدے پر فائز ہونا درست نہیں، تاہم قریشی کے علاوہ اگر دوسرا کوئی منصب خلافت پر کسی بھی طرح آجائے تو جائز امور میں اس کی اطاعت بھی لازم ہوگی، ایک دوسری روایت میں ہے: مَا أَقَامُوا الدِّينَ جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے اس وقت تک خلافت ان کے ہاں ہی رہے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ قریش نے جب تک دینی تعلیمات کو اپنا شعار بنائے رکھا، دین کی نشر و اشاعت اور خدمت میں مصروف رہے تو یہ منصب بھی ان کے خاندان میں برقرار رہا، لیکن جب انہوں نے حکومت کو دین پر ترجیح دی اور اسلام کو نظر انداز کیا تو پھر یہ خلافت بھی ان میں باقی نہ رہی، دوسروں میں منتقل ہوگئی، البتہ اگر قریش اب بھی اپنی اصلاح کر لیں، اور دینی تعلیمات پر مکمل طریقے سے واپس آجائیں تو ان کا استحقاق خلافت دوبارہ لوٹ سکتا ہے۔

قریش ولأه الناس فی الخیر والشر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش زمانہ اسلام اور جاہلیت دونوں میں حاکم ہوں گے، گویا یہ ان کی خصوصیت ہوگی، اس پر اشکال یہ ہوتا ہے:

- (۱) نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ، زید بن حارثہ اور اسامہ وغیرہ کو مختلف غزوات میں امیر بنایا ہے۔
- (۲) ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امیر کی بات سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر قریش بھی امیر بن سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث میں خلافت عظمیٰ کا ذکر نہیں بلکہ ذیلی عہدے کا ذکر ہے، ایسا ہو سکتا ہے کہ اصل خلافت تو قریش کے پاس ہی ہو، لیکن ان کے ماتحت کسی مہم یا کسی علاقے کا اس شخص کو بھی امیر بنا دیا جائے جو قریش سے نہ ہو۔

- دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ ایک موقع پر حضرت عمر فاروق نے فرمایا کہ میں اپنی موت کے قریب ابو عبیدہ کو اپنا خلیفہ نامزد کروں گا، وہ زندہ نہ ہوئے تو معاذ بن جبل کو خلیفہ بناؤں گا، حالانکہ معاذ بن جبل تو قریشی نہیں، وہ تو انصاری ہیں، اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر قریش کو بھی امیر بنایا جاسکتا ہے؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس شبہ کے حل کے لئے دو احتمال ذکر کئے ہیں:
- (۱) ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر کے بعد اس بات پر اجماع منعقد ہوا ہو کہ خلافت کا استحقاق صرف قریش کا ہے۔
- (۲) یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عمر کی رائے بدل گئی ہو۔ (۱)

ایک قحطانی شخص کے بارے میں پیش گوئی

باب کی دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایک قحطانی شخص کے بارے میں پیش گوئی دی، جس کا نام حجاہ ہے، اس کا ظہور بھی قیامت کی ایک ایسی علامت ہے جس کا ابھی تک وقوع نہیں ہوا۔

یہ شخص امام مہدی کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں آئے گا، جو امام مہدی کے نقش قدم پر ہوگا، بیس سال تک اس کی حکومت ہوگی، اس کے تقویٰ، نیکی اور حسن انتظام کی وجہ سے سب لوگ اس کی اطاعت کریں گے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہم امور میں انہیں اپنا نائب بھی بنائیں گے۔ (۲)

بَاب مَا جَاءَ فِي الْأَثْمَةِ الْمُضِلِّينَ

یہ باب گمراہ کن آئمہ (کی مذمت) کے بارے میں ہے

عن ثوبان قال: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّمَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي الْأَثْمَةَ الْمُضِلِّينَ۔ قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ، ظَاهِرِينَ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ۔

حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اپنی امت پر گمراہ کرنے والے آئمہ کا ڈر ہے۔ حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی، (باطل پر) غالب ہوگی، انہیں وہ شخص ضرر نہیں پہنچا سکے گا، جو ان کی مدد نہیں کرے گا، یہاں تک کہ اللہ کا امر آ جائے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ آئمتہ: امام کی جمع ہے پیٹھوا، امام، حاکم۔ مضلین: مضل کی جمع ہے: گمراہ کرنے والے۔ ظاہرین:

(۱) فتح الباری ۱۳/۱۳۹، ۱۳۵، کتاب الاحکام باب الأمراء من قریش، تحفة الاحوذی ۶/۳۹۸

(۲) فتح الباری، کتاب المناقب، باب ذکر قحطان ۶/۶۷۶، تکملة فتح للملهم، کتاب الفتن وأشرط الساعة، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر الرجل ۶/۳۲۵

باطل پر دلائل کے ذریعہ غالب آنے والے۔ من خذلہم: جو ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دے، ان کی مدد و نصرت نہ کرے۔

گمراہ کن اماموں کا اندیشہ

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں اپنی امت کے بارے میں ایسے اماموں کا اندیشہ ذکر فرمایا، جو لوگوں کو فسق و فجور، نافرمانی، بے حیائی اور بدعات کی طرف دعوت دیں گے، مقصد یہ ہے کہ امت محمدیہ کو ایسے گمراہ کن رہنماؤں سے اجتناب کرنا ہوگا، لہذا ان کی مجلسوں میں شریک ہونا اور ان کی باتوں پر اعتماد کرنا کسی بھی طرح درست نہیں۔

طائفہ منصورہ کا ذکر

اور فرمایا کہ میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق و صداقت پر برقرار رہے گی، ان کی کوئی مدد و نصرت کرے یا نہ کرے، اس سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا، یہاں تک کہ اللہ کا امر یعنی قیامت یا مومنین کی روح قبض کرنے والی ہوا آجائے۔

اس طائفہ سے کون مراد ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں، رائج یہ ہے کہ اس سے اہل ایمان کا کوئی مخصوص طبقہ مراد نہیں بلکہ یہ مومنین کی مختلف انواع و اقسام پر مشتمل ایک جماعت ہوگی، ان میں بعض سرکف مجاہد، بعض فقہاء، بعض محدثین، بعض زاہد لوگ، بعض مبلغ اور بعض دیگر نیکی کے کام کرنے والے ہوں گے، ان سب کا کسی ایک جگہ مجتمع ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ دنیا کے مختلف علاقوں میں متفرق طور پر بھی ہو سکتے ہیں۔

”امو اللہ“ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

(۱) امر سے ”قیامت“ مراد ہو۔

(۲) اس سے وہ ”ہوا“ مراد ہو جو قرب قیامت میں چلے گی جس سے اہل ایمان کی رو حیں قبض کر لی جائیں گی۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي الْمَهْدِيِّ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں امام مہدی کا ذکر ہے

عن عُبَيْدِ اللَّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَذْهَبِ الدُّنْيَا حَتَّى يَخْلُكَ الْعَرْبَ وَجُلٌّ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي، يَوْ اطْعَى اسْمُهُ اسْمِي۔

عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا اس وقت تک فنا نہیں ہوگی، جب تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص عرب کا حاکم نہ بن جائے، جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا۔

(۱) تکملة فتح الملهم، کتاب الإمارة باب قوله لا تزال طائفة من امتي طاهرين ۳۶۸/۳

عن عبد الله عن النبي ﷺ قَالَ: يَلِيَّ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي، قَالَ عَاصِمٌ: أَخْبَرَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: لَوْ لَمْ يَنْبَقِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا يَوْمٌ لَطَوَّلَ اللَّهُ ذَلِكَ الْيَوْمَ حَتَّى يَلِيَّ.

عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے اہل بیت میں سے ایک شخص (دنیا کا) حکمران ہوگا، اس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا، عاصم، ابوصالح کے واسطے سے ابو ہریرہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر دنیا کے ختم ہونے میں صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اسے لمبا کر دیں گے، یہاں تک کہ امام مہدی حکمران بن جائیں۔

عن أبي سعيد الخدري قَالَ: خَشِينَا أَنْ يَكُونَ بَعْدَ بَيْتِنَا حَدَثٌ، فَسَأَلْنَا نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: إِنْ لَمْ يَأْتِ الْمَهْدِيُّ، يَخْرُجْ، يَعِيشُ خُمْسًا أَوْ سَبْعًا أَوْ تِسْعًا زَيْدَ الشَّكِّ. قَالَ: فَلَنَّا: وَمَا ذَاكَ؟ قَالَ: بَيْنَيْنِ، قَالَ: فَيَجِيئُ الْيَوْمَ رَجُلٌ فَيَقُولُ: يَا مَهْدِيُّ أَغْطِنِي أَغْطِنِي، قَالَ فَيَخْشِي لَهُ فِي نَفْسِهِ مَا اسْتَطَاعَ أَنْ يَخْمَلَهُ.

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ ہمارے نبی کے بعد کوئی بدعت نہ شروع ہو جائے تو ہم نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا، آپ نے ارشاد فرمایا: بے شک میری امت میں ایک مہدی آئے گا، جو پانچ یا سات یا نو۔ زید راوی کو شک ہے۔ تک حکومت کرے گا، راوی کہتے ہیں کہ ہم نے پوچھا یہ (پانچ، سات، نو) کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ سال ہیں، آپ نے فرمایا: مہدی (کے جو دستاوت کی یہ حالت ہوگی کہ ان) کے پاس ایک شخص آئے گا اور عرض کرے گا کہ مجھے کچھ عطا کیجئے، مجھے کچھ دیدیجئے، چنانچہ امام مہدی اسے دونوں ہاتھوں سے بھر کر کپڑے میں اتار دیں گے جتنا وہ اسے اٹھا سکے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- بملک: مالک ہوگا یعنی حکومت کرے گا۔ یواطئ: موافق اور مطابق ہوگا۔ یلی: والی و حاکم ہوگا۔ حدث: (حادث اور دال پر زبر) بدعت۔ یعیش: زندگی گزارے گا یعنی حکومت کرے گا۔ یحیی: دونوں ہاتھوں سے ڈالے گا، چلو بھر بھر کے دے گا۔

امام مہدی

امام مہدی کا اصل نام محمد، لقب مہدی (راہمنائی کرنے والا) اور والد کا نام عبد اللہ ہوگا، اولاد قاطب سے ہوں گے، باپ کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب حضرت حسن سے اور ماں کی طرف سے حضرت حسین سے ملتا ہے، اس سے شیعہ کی تردید ہو جاتی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ امام مہدی، حسن عسکری کی اولاد میں سے ہوں گے۔

امام مہدی قیامت کے قریب تشریف لائیں گے، یہ مدینہ منورہ کے باشندہ ہونگے، خلیفہ کے انتقال کے بعد انہیں یہ خطرہ محسوس ہوگا کہ کہیں لوگ مجھے خلیفہ نامزد نہ کر دیں، چپکے چپکے سے مکہ مکرمہ آجائیں گے، مگر یہاں بھی دوران طواف لوگ انہیں

علامات کے ذریعے پہچان لیں گے کہ یہ امام مہدی ہیں، چنانچہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ان کے ہاتھ پر بیعت ہوگی، اور ان کی خلافت کا باقاعدہ اعلان کر دیا جائے گا، سات سال تک ان کی حکومت ہوگی، پھر ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان کی نماز جنازہ ادا کریں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ان کے بعد ہوگا، اور وہ امام مہدی کی اقتداء میں نماز ادا کریں گے، یہ زمانہ خوب برکتوں والا ہوگا، مال و دولت کی فراوانی، فتوحات اور مال غنیمت میں کثرت، غلبہ اسلام اور عدل و انصاف کا چرچا ہوگا، امام مہدی خوب سخی ہوں گے، وہ مسائل کو اس کے سوال سے کہیں زیادہ عطا کریں گے، تاکہ اسے استغناء ہو جائے۔ (۱)

حدیث باب میں راوی کو شک ہے کہ امام مہدی کا عرصہ حکومت پانچ سال ہوگا یا سات یا نو سال، لیکن ایک دوسری روایت میں پورے یقین کے ساتھ سات سال کا ہی ذکر ہے، اور یہی رائج ہے۔

یملک العرب، اس میں عرب کی تخصیص دو وجہ سے ہے:

(۱) اصل مخاطب چونکہ عرب تھے، اس لئے عرب کو ذکر کیا ہے، ورنہ دوسری احادیث میں اس کی تصریح ہے کہ امام مہدی کی حکومت پوری دنیا پر ہوگی۔

(۲) ساری دنیا کے مسلمان روحانی طور پر عرب کے تابع ہیں، لہذا جب ان کی حکومت عرب پر ہوگی، تو غیر عرب یعنی عجم پر بطریق اولیٰ ہوگی۔ (۲)

لطول الله... اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ امام مہدی کی سلطنت ضرور قائم ہوگی خواہ اس ایک دن کو اللہ تعالیٰ طویل ہی کیوں نہ فرمادیں۔

خشینا ان یکون بعد نبینا حدث

صحابہ کے سوال کا منشا یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں بدعات اور نئی نئی باتیں پیش نہ آجائیں، آپ ﷺ نے ان کے جواب میں حضرت امام مہدی کے آنے کا ذکر فرمایا، بظاہر سوال و جواب میں مطابقت نہیں ہے؟ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

(۱) نبی کریم ﷺ نے جب صحابہ کرام کو خیر القرون کا بتایا کہ عہد رسالت، عہد صحابہ اور عہد تابعین یہ شاندار دور ہے، تو صحابہ کو فکر ہوئی کہ ان زمانوں کے بعد بدعات پیدا ہو جائیں گی، اور پھر یوں ہی قیامت آجائے گی، گویا صحابہ نے یہ سمجھا کہ اس غفلت کے زمانے میں اچانک قیامت آجائے گی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہوگا کہ یوں ہی حالت غفلت میں اچانک قیامت آجائے بلکہ اس سے پہلے امام مہدی آئیں گے، جو ان بدعات وغیرہ کو ختم کریں گے، اور اسلام پورے آب و تاب کے ساتھ پوری دنیا پر غالب ہوگا۔

(۱) تحفۃ الاحوذی ۴۰۲/۶، سنن ابی داود، کتاب الفتن، باب فی ذکر الہدی ۲۴۰/۲

(۲) تحفۃ الاحوذی ۴۰۲/۶

(۲) یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام کو جب پتہ چلا کہ آنے والا ہر دن پہلے سے برا ہوتا ہے، تو انہیں اندیشہ ہوا کہ آخر میں لوگ بہت زیادہ ضلالت و گمراہی میں بھٹک جائیں گے، کیوں کہ وہ زمانہ شرور و فتن کا ہوگا، تو حضور اکرم ﷺ نے انہیں تسلی دی کہ ایسا نہیں ہوگا، بلکہ قیامت سے پہلے امام مہدی کا زمانہ آئے گا، جس میں خیر ہی خیر ہوگی، اس میں ہر قسم کی بدعات اور فتنے ختم ہو جائیں گے۔ (۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي نُزُولِ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ

یہ باب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمین پر اترنے کے بارے میں ہے
عن ابی ہریرۃ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا، مُقْسِطًا، فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلَ الْخَنَازِيرَ وَيَضَعُ الْحِزْبَةَ، وَيَفِيضُ الْمَالُ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ۔
حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے،
مغتریب اس امت میں عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے، جو عدل و انصاف کے ساتھ شریعت محمدیہ کے مطابق حکومت
کریں گے، صلیب توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ختم کر دیں گے اور مال و دولت کی فراوانی ہوگی کہ کوئی اس کا
خواہش مند نہیں رہے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لیوشکن: مغتریب ضرور ہوگا۔ حکمًا: (حا اور کاف پر زبر) حاکم، فیصلہ کرنے والا۔ مقسطا: عدل
و انصاف کرنے والا۔ یکسر: تھوڑیں گے۔ صلیب: وہ مثلث لکڑی جس کی شکل ”ج“ کی طرح ہوتی ہے، یہ شکل ایسی لگتی ہے
جیسے کسی کو پھانسی پر لٹکایا ہو، عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لوگوں نے پھانسی پر چڑھا دیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں
زندہ کر کے اپنے پاس بلا لیا، اس لئے انہوں نے صلیب کو اپنا مذہبی نشان بنالیا، بعض نے اس صلیب پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر
بھی بنائی ہے تاکہ ان کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھائے جانے کی یادگار کامل شکل و صورت کے
ساتھ ان کے سامنے رہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس صلیب کو توڑیں گے اور عیسائیت کو باطل قرار دیں گے۔ (۲)
یضع: ختم کر دیں گے۔ جزیہ: وہ ٹیکس جو اسلامی حکومت اپنے ماتحت کافروں سے وصول کرتی ہے۔ یفیض المال: (یا ع پر زبر) اور
فاء کے نیچے زیر) مال بہ پڑے گا یعنی مال و دولت کی کثرت اور فراوانی ہوگی۔

(۱) الکوکب الدری ۱۵۱/۳

(۲) مرقاة المفاتیح ۱۶۲/۱۰ کتاب الفتن، باب: نزول عیسیٰ علیہ السلام، مظاہر حق: ۱۰۰/۵

نزول عیسیٰ علیہ السلام

اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہونا، قرآن وحدیث کے واضح دلائل سے ثابت ہے، اس کا انکار کفر ہے، نزول کے بعد وہ شریعت محمدیہ کے مطابق فیصلے کریں گے، وہ عدل وانصاف کا دور ہوگا، ہر شخص اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ کیوں تشریف لائیں گے، اس کی کیا حکمت ہے؟ شارحین حدیث نے اس کی مختلف وجوہات لکھی ہیں:

- (۱) یہودیوں کا عقیدہ باطل کرنے کے لئے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے حضرت عیسیٰ کو قتل کر دیا تھا، اللہ تعالیٰ ان کے جھوٹ کو واضح کر دیں گے، اور اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں کو قتل کریں گے۔
- (۲) ان کی طبعی موت کا وقت قریب آ گیا ہے، تاکہ زمین میں ہی انہیں دفن کر دیا جائے۔
- (۳) ان کی دعا کی برکت سے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے امت محمدیہ کے ساتھ اٹھنے کی فرمائی تھی۔
- (۴) دجال کو قتل کرنے کے لئے تشریف لائیں گے۔

بضع الجزیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو قبول نہیں فرمائیں گے، بلکہ حکم ہوگا، اسلام قبول کرو ورنہ نکوار، اس لئے جزیرہ ختم فرمادیں گے، کیوں کہ اس وقت کوئی کافر ہی نہ ہوگا، گویا جزیرہ کا حکم نزول عیسیٰ کے وقت کے ساتھ مقید ہے، اس کے بعد یہ حکم باقی نہیں ہوگا، اس لئے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس حکم کو منسوخ کر دیں گے۔
و یغیض المال: اسلامی نظام کی برکت کی وجہ سے مال و دولت کی خوب فراوانی ہوگی۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي الدَّجَالِ

یہ باب دجال کے بارے میں ہے

عن أبي غنيدَةَ بنِ الجراح قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ بَعْدَ نُوحٍ إِلَّا أَقْدَأُ أَلْدَرُ قَوْمَهُ الدَّجَالُ، وَإِنِّي أَلْدَرُ كُفُوهٌ، فَوَصَفَهُ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَ لَعَلَّهُ سَيُذِرُ كَذِبَ بَعْضِ مَنْ رَأَى أَوْ سَمِعَ كَلَامِي، قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ: فَكَيْفَ قُلُوبُنَا يَوْمَئِذٍ؟ فَقَالَ: وَمَقَلُّهَا يَغْنَى الْيَوْمَ أَوْ خَيْرٌ۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراح کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ نوح کے بعد ایسا کوئی نبی نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو دجال (کے قتل) سے نہ ڈرایا ہو اور میں بھی تمہیں اس سے ڈراتا ہوں، اس کے بعد آپ

نے ہمارے سامنے دجال کے (کچھ) احوال بیان کئے، اور پھر فرمایا شاید کہ ان لوگوں میں سے جنہوں نے مجھے دیکھا ہے یا میرا کلام سنا ہے، کوئی اسے دیکھ لے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ: اس دن ہمارے دلوں کی کیا کیفیت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: بالکل ایسی ہی کیفیت ہوگی جیسے آج کے دن ہے یا اس سے بھی بہتر۔

عن ابن عمر قال: قام رسول الله ﷺ في الناس فالتقى على الله بما هو أهله، ثم ذكر الدجال فقال: إني لأتلى كنهوه، وما من نبي إلا وقد أتى قومه، ولقد أتى نوح قومه ولكن ساقول فيه قولا لم يقله نبي لقومه: تعلمون أنه أعور وإن الله ليس بأعور۔ قال الزهري: وأختبرني عمر بن ثابت الأنصاري أنه أختبره بعض أصحاب النبي ﷺ: أن النبي ﷺ قال يؤمض للناس وهو يحد لهم الجنة: تعلمون أنه لن يؤمض منكم زبده حتى يموت، وإنه مكتوب بين عيني: كافور يقرؤه من كره عمله۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ لوگوں میں خطاب کے لئے کھڑے ہوئے پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، جس کے وہ لائق ہیں، پھر دجال کا ذکر کیا، اور فرمایا: بے شک میں تم لوگوں کو اس سے ڈراتا ہوں، اور (مجھ سے پہلے) ہر نبی نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا ہے، حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس (کے قتل) سے ڈرایا ہے، لیکن میں تمہیں اس سے متعلق ایسی بات بتاؤں گا، جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی، وہ یہ کہ تم جاننے ہو کہ وہ کانا ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ کانا نہیں، زہری کہتے ہیں کہ عمر بن ثابت انصاری نے مجھے بعض صحابہ سے نقل کرتے ہوئے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے اس دن لوگوں سے فرمایا، جب کہ آپ دجال کے قتل سے انہیں ڈرا رہے تھے: تمہیں معلوم ہے کہ تم میں سے کوئی بھی (اپنی زندگی میں) اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتا، یہاں تک کہ وہ مر جائے، اور یہ کہ دجال کی دونوں آنکھوں کے درمیان ”کافور“ لکھا ہوگا، اسے ہر وہ شخص پڑھ سکے گا، جو اس کے عمل کو برا سمجھتا ہوگا۔

عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال: لقابلكم اليهود، فتسلطون عليهم، حتى يقول الحجز يا هنيئنا هذا اليهودي وورائي فافعل۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہودی تم لوگوں سے جنگ کریں گے، اور تمہیں ان پر مسلط کر دیا جائے گا (یعنی تم غالب آ جاؤ گے) یہاں تک کہ پتھر کہے گا اے مسلمان: میرے پیچھے یہ یہودی (چمپا ہوا) ہے، اسے قتل کر دو۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ دجال: دجل سے ہے، جس کے معنی چمپانے کے ہیں، اور دجال کو اسی لئے دجال کہا جاتا ہے کہ وہ باطل کے ذریعہ حق کو چمپائے گا۔ انی لأتلى كنهوه: بے شک میں تمہیں دجال سے ڈرا رہا ہوں۔ سیدہ کہہ مخرب اس کو پالے گا، یعنی دیکھ لے گا۔ مطلقا تمہارے دلوں کی طرح جیسے آج ان کی کیفیت ہے۔ اعور: کانا۔ فتسلطون: (یہ مجہول کا صیغہ ہے) تمہیں ان پر مسلط کر دیا جائے گا یعنی تم لوگ ان پر تسلط اور غلبہ حاصل کر لو گے۔

دجال کا ذکر

ان احادیث میں نبی کریم ﷺ نے دجال کے فتنہ کا ذکر فرمایا ہے، یوں تو ہر نبی نے ہی اپنی قوم کو اس فتنہ سے ڈرایا ہے لیکن چونکہ خوب شدت اور مبالغہ کے ساتھ حضرت نوح کے بعد دوسرے انبیاء نے ڈرایا ہے، اس لئے یہ فرمایا کہ حضرت نوح کے بعد ہر نبی نے دجال سے ڈرایا ہے، اس لئے حضور نے فرمایا کہ میں بھی تمہیں اس سے ڈراتا ہوں پھر آپ نے اس کے اوصاف ذکر فرمائے، یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ دوسرے انبیاء نے دجال سے کس طرح ڈرایا، جب کہ یہ طے ہے کہ دجال کا ظہور قیامت کے قریب ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء کو دجال کی آمد کا وقت اور زمانہ نہیں بتایا گیا تھا، چنانچہ نبی کریم ﷺ کو بھی اس کا زمانہ بعد میں بتلایا گیا کہ وہ قیامت کے قریب آئے گا

سیدر کہ بعض من رانی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر دجال کا خروج جلدی ہو گیا تو میرے بعض صحابہ دیکھ لیں گے، بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس سے حضرت خضر علیہ السلام مراد ہیں کہ وہ زندہ ہوں گے۔

صحیح کلامی: میرا کلام اس نے خواہ براہ راست سنا ہو یا بالواسطہ یعنی امت محمدیہ اس وقت ضرور ہوگی۔

آپ ﷺ نے دوسری حدیث میں دجال کے جھوٹا ہونے کی تین باتیں بیان فرمائی ہیں:

- (۱) وہ کانا ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ کانا نہیں، اس لئے دجال کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے کہ میں خدا ہوں۔
- (۲) اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو موت کے بعد دیکھ سکیں گے، اس دنیا میں نہیں دیکھ سکتے، جب کہ دجال کو لوگ دیکھیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ دجال خدا نہیں ہے، آپ ﷺ نے معراج کے موقع پر جو اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔
- (۳) اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ”کافر“ یا ”ک، ف، ر“ لکھا ہوگا، جو شخص اس کے عمل کو ناپسند کرے گا یعنی مؤمن، وہ اس لفظ کو پڑھ لے گا، خواہ وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، یہ خرق عادت کے طور پر ہوگا، اس زمانے میں بہت سے خرق عادت امور ظاہر ہوا کریں گے، اور کافر کو یہ علامت نظر نہیں آئے گی۔ (۱)

باب کی تیسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے قریب مسلمان یہود پر غالب آئیں گے، یہاں تک کہ شجر و حجر چھپے ہوئے یہودی کے بارے میں بتائیں گے کہ اے مسلمان: یہ یہودی ہے، جو میرے پیچھے چھپا ہوا ہے، اسے قتل کر دو۔

دجال کا ذکر قرآن میں کیوں نہیں

اشکال یہ ہے کہ دجال کا اتنا بڑا فتنہ ہے کہ تمام انبیاء نے اس سے ڈرایا ہے، احادیث میں بھی اس کے بارے میں بہت تفصیلات ہیں، اس کا ذکر قرآن میں کیوں نہیں ہے؟

اس شبہ کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں:

- (۱) اس کا ذکر صراحت کے ساتھ تو نہیں ہے لیکن قرآن کریم کی آیت یوم یاتی بعض آیات..... کی تفسیر میں امام ترمذی نے ایک مرفوع حدیث ذکر کی ہے جس میں ہے کہ جب تین چیزوں کا ظہور ہو جائے گا تو اس وقت کا ایمان نافع نہیں ہوگا، دجال، سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا اور دابہ الارض، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی بعض آیات میں دجال بھی داخل ہے۔
- (۲) قرآن مجید میں نزول عیسیٰ کا ذکر ہے، تو اس سے سمنا یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دجال بھی آئے گا، کیوں کہ احادیث میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے۔
- (۳) تفسیر بغوی میں ہے کہ قرآن مجید کی آیت یخلق السموات والارض اکبر من خلق الناس میں ”الناس“ سے دجال مراد ہے، لفظ ”ناس“ گو کہ عام ہے لیکن یہاں سے ایک فرد یعنی دجال مراد لیا گیا ہے، گویا کل بول کر اس سے جزء مراد لیا گیا ہے۔^(۱)

بَاب مَا جَاءَ مِنْ أَئِنَّ يَخْرُجُ الدَّجَالُ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ دجال کہاں سے نکلے گا

عن عمرو بن حزم، عن أبي بكر الصديق قال: خَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ: الدَّجَالُ يَخْرُجُ مِنْ أَرْضِ بِالسَّعْدِ يَقَالُ لَهَا: خُورِ اسَانِ، يَتَّبِعُهُ أَقْوَامٌ، كَأَنَّ وَجُوهُهُمْ الْمَجَانُ الْمَطْرُوقُ۔ حضرت عمرو بن حزم، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دجال روئے زمین کے ایک ایسے حصے سے نکلے گا، جو مشرق میں واقع ہے، جسے خراسان کہا جاتا ہے، اس کے پیر و کار ایسے لوگ ہوں گے، گویا ان کے چہرے چڑے کی تہ بتہ ڈھال کی مانند ہوں گے۔

دجال خراسان سے نکلے گا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دجال مشرقی سرزمین خراسان سے نکلے گا، خراسان سے ایران، عراق اور ماوراء النہر کا سارا علاقہ مراد ہے، دجال کے پیر و کار، ایسے لوگ ہوں گے جن کے چہرے چھپے یعنی چوڑے اور رخسار ڈھال کی طرح ابھرے ہوئے ہوں گے جیسا کہ چینی، ازبک اور ترکوں کے چہرے ہوتے ہیں، ان کے منہ کو ڈھال کے ساتھ تشبیہ اس اعتبار سے دی گئی ہے کہ ان کے چہرے چوڑے، گولائی کے ساتھ پھیلے ہوئے اور گوشت سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں، گویا ان کے چہرے کی گولائی اور گوشت سے بھرے ہوئے ہونے کو ”مطرقة“ یعنی اس ڈھال کے ساتھ تشبیہ دی، جو تہ دار چڑے کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔ حدیث رسول اللہ ﷺ قال، اس میں قال یا تو حدثنا کی تاکید ہے، یا اس کے معنی یہ ہیں کہ صدیق اکبر فرماتے ہیں کہ

حضور اکرم ﷺ نے ہمیں بہت سے امور بیان فرمائے، جن میں سے ایک یہ تھا کہ دجال خراسان سے نکلے گا..... (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي عَلَامَاتِ خُرُوجِ الدَّجَالِ

یہ باب دجال کے نکلنے کی علامات کے بارے میں ہے

عن معاذ بن جبل عن النبي ﷺ قَالَ: الْمَلْحَمَةُ الْعُظْمَى وَفَتْحُ الْقُسْطَنْطِينِيَّةِ وَخُرُوجُ الدَّجَالِ فِي سَبْعَةِ أَشْهُرٍ۔

حضرت معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جنگ عظیم، قسطنطنیہ (یعنی استنبول) کا فتح ہونا، اور دجال کا نکلنا، یہ سب کچھ سات ماہ میں ہوگا۔

عن أنس بن مالك قَالَ: فَتَحَ الْقُسْطَنْطِينِيَّةَ مَعَ قِيَامِ السَّاعَةِ قَالَ مَحْمُودٌ: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَالْقُسْطَنْطِينِيَّةُ هِيَ: مَدِينَةُ الرُّومِ، لُفْتُحَ عِنْدَ خُرُوجِ الدَّجَالِ۔ وَالْقُسْطَنْطِينِيَّةُ قَدْ لُفْتُحَتْ فِي زَمَانِ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ قسطنطنیہ قیامت کے قریب فتح ہوگا، محمود کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے، اور قسطنطنیہ روم کا ایک شہر ہے، جو دجال کے نکلنے کے وقت فتح ہوگا، اور قسطنطنیہ بعض صحابہ کرام کے زمانے میں بھی فتح ہوا۔

مشکل الفاظ کے معنی:- الملحمة: ہمسائیگی کی جنگ، خونریز اور الملحمة العظمیٰ کے معنی ہیں: بڑی خونریز جنگ، جنگ عظیم۔ قسطنطنیہ: (قاف پر پیش، سین ساکن، پہلی طا پر پیش اور دوسری طا کے نیچے زیر، درمیان میں نون ساکن) استنبول، جو موجودہ ترکی کا دار الحکومت ہے۔

جنگ عظیم اور فتح قسطنطنیہ

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے قیامت کی تین علامتوں کا ذکر فرمایا ہے:

(۱) ملحمہ عظمیٰ یعنی خونریز جنگ ہوگی، اس کی تفصیل امام ابو داؤد نے حضرت ذی النضر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ”تم لوگ عنقریب رومیوں یعنی عیسائیوں کے ساتھ صلح کرو گے، پھر عیسائی اور مسلم دونوں فوجیں مل کر ایک مشترکہ دشمن سے برسرِ پیکار ہوں گے، فتح کے بعد دونوں فوجیں ایک سرسبز و شاداب جگہ پر پڑاؤ ڈالیں گی تو اتنے میں ایک عیسائی ”صلیب“ کو بلند کر کے اعلان کرے گا کہ ہمیں یہ فتح اس صلیب کی برکت سے ہوئی، ایک مسلمان غصے میں آکر اس صلیب کو توڑ دے گا، اس پر عیسائی جذبات میں آکر اپنا عہد توڑ دیں گے، مسلمانوں سے لڑنے کے لئے جمع ہونا شروع کر دیں گے، مختلف

- گردپوں کی صورت اختیار کر لیں گے، اس سے جنگ عظیم کا آغاز ہو جائے گا۔ (۱)
- (۲) ”قسطنطنیہ“ ایک مشہور شہر ہے، اسے ۳۳۰ھ میں قسطنطین بادشاہ نے آباد کیا تھا، اسی لئے اسے قسطنطنیہ کہا جاتا ہے، یہ اپنے زمانہ میں رومیوں کا دارالخلافہ تھا، اور اس وقت یہ شہر ترکی کا دارالحکومت ہے جسے ”استنبول“ کہا جاتا ہے، امام ترمذی نے تصریح کی ہے کہ یہ شہر صحابہ کے زمانے میں فتح ہو گیا تھا، اور تاریخی روایات کے مطابق دوسری مرتبہ یہ شہر ۳۵۳ھ میں عثمانی ترکوں کے ذریعہ فتح ہوا اور اب تک اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہے، لیکن اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائے گا، اور پھر آخری زمانہ میں جب کہ قیامت قریب ہوگی، مسلمان اس کو فتح کر لیں گے، اور صاحب بذل الجہود فرماتے ہیں کہ امام مہدی اس شہر کو فتح کریں گے، اور اسی زمانے میں کانے دجال کا ظہور ہوگا۔
- (۳) تیسری علامت یہ ہے کہ دجال کا خروج ہوگا۔

یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حدیث ترمذی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں واقعات سات ماہ میں ہوں گے، جب کہ سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن بسر کی روایت میں سات سال کا ذکر ہے، اس اعتبار سے دونوں حدیثوں میں بڑا تضاد ہے؟ اسلئے بعض علماء تو یہ فرماتے ہیں کہ کسی مدت کو یقینی طور پر نہیں لیا جاسکتا، البتہ بعض شارحین یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن بسر کی روایت چونکہ سند کے اعتبار سے صحیح ترین ہے، اس لئے حدیث ترمذی سے وہ رائج ہوگی، لہذا ایسی صحیح ہے کہ یہ تینوں اہم واقعات سات ماہ کے بجائے سات سال میں وقوع پذیر ہوں گے۔ (۲)

بَاب مَا جَاءَ فِي فِتْنَةِ الدَّجَالِ

یہ باب دجال کے فتنہ کے بارے میں ہے

عن النَّوَّاسِ بْنِ مَسْعَانَ الْكَلْبِيِّ قَالَ: ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الدَّجَالَ ذَاتَ عِدَاةٍ، فَحَفِضَ فِيهِ، وَرَفَعَ حَتَّى ظَنَّنَاهُ فِي طَائِفَةِ النَّخْلِ، قَالَ: فَاَنْصَرَفْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ رَجَعْنَا إِلَيْهِ، فَعَرَفَ ذَلِكَ فِينَا، فَقَالَ: مَا شَأْنُكُمْ؟ قَالَ: قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ: ذَكَرْتَ الدَّجَالَ الْغَدَاةَ فَحَفِضْتَ وَرَفَعْتَ، حَتَّى ظَنَّنَاهُ فِي طَائِفَةِ النَّخْلِ، قَالَ: غَيْرَ الدَّجَالِ أَخَوْفَ لِي عَلَيْكُمْ، إِنْ يُخْرِجَ وَأَنَا فِيكُمْ، فَأَنَا خَجِيجُكُمْ دُونَكُمْ، وَإِنْ يُخْرِجَ وَلَنْسْتَ فِيكُمْ، فَأَمْرُ خَجِيجٍ نَفْسِهِ، وَاللَّهِ خَلِيفَتِي عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ، إِنَّهُ شَابٌ قَطَطٌ، غَيْنُهُ قَائِمَةٌ، شِبْهُ بَعْبِدِ الْغُرَى بْنِ قَطْنٍ، فَمَنْ رَأَاهُ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَأْهُ أَوَّاحِ سُورَةِ أَصْحَابِ الْكَهْفِ۔

(۱) تکملة فتح للملهم، کتاب الفتن، باب فتح قسطنطنیہ ۲۹۵/۶، سنن ابی داؤد: کتاب الملاحم، باب ما یذکر من ملاحم الروم

(۲) تکملة فتح للملهم، کتاب الفتن، باب فی فتح قسطنطنیہ ۲۹۶/۶، تحفة الاحوذی ۳۱۲/۶

قَالَ: يَخْرُجُ مَا بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ فَعَاثَ يَمِينًا وَشِمَالًا يَا عِبَادَ اللَّهِ الْبُشْرَا - فَلَنَّا يَا رَسُولَ اللَّهِ: وَمَا لُبُّهُ فِي الْأَرْضِ؟ قَالَ: أَرْبَعِينَ يَوْمًا، يَوْمَ كَسَنَةِ، وَيَوْمَ كَشْهَرٍ، وَيَوْمَ كَجُمُعَةٍ، وَسَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ قَالَ: فَلَنَّا يَا رَسُولَ اللَّهِ: أَرَأَيْتَ الْيَوْمَ الَّذِي كَالسَّنَةِ: أَتَكْفِينَا فِيهِ صَلَاةَ يَوْمٍ؟ قَالَ: لَا، وَلَكِنْ أَفْذَرُوا لَكَ فَلَنَّا يَا رَسُولَ اللَّهِ: فَمَا سُرْعَتُهُ فِي الْأَرْضِ؟ قَالَ: كَالْقَيْثِ، اسْتَدْبَرْتُهُ الرِّيحُ، فَيَأْتِي الْقَوْمَ، فَيَدْعُوهُمْ، فَيَكْذِبُونَهُ، وَيَزْدُونَ عَلَيْهِ قَوْلَهُ، فَيَنْصَرِفُ عَنْهُمْ، فَتَتَّبِعُهُ أَمْوَالُهُمْ وَيَضْبَحُونَ لَيْسَ بِأَيِّدِيهِمْ شَيْءٌ - ثُمَّ يَأْتِي الْقَوْمَ، فَيَدْعُوهُمْ، فَيَسْتَجِيبُونَ لَهُ، وَيَصْدَقُونَهُ، فَيَأْمُرُ السَّمَاءَ أَنْ تُمْطِرَ فْتُمْطِرُ، وَيَأْمُرُ الْأَرْضَ أَنْ تُثْبِتَ فَتُثْبِتَ فَتَفْرُخُ عَلَيْهِمْ سَارِحَتَهُمْ كَأَطْوَلِ مَا كَانَتْ ذُرَى وَأَمَدُهُ خَوَاصِرُ وَأَذْرُهُ ضُرُوعًا، ثُمَّ يَأْتِي الْخَرِبَةَ، فَيَقُولُ لَهَا: أَخْرِجِي كَنُوزِي فَيَنْصَرِفُ مِنْهَا، فَتَتَّبِعُهُ كَيْعَاسِبُ النَّخْلِ، ثُمَّ يَدْعُو رَجُلًا ثَابِتًا مُمْتَلِيًا شَبَابًا فَيَضْرِبُهُ بِالسَّيْفِ فَيَقْطَعُهُ جَزَئَتَيْنِ، ثُمَّ يَدْعُوهُ، فَيُقْبِلُ، يَتَهَلَّلُ وَجْهَهُ، يَضْحَكُ، فَيَبْتَغِي مَا هُوَ كَذَلِكَ إِذْ هَبَطَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ بِشَرْقِي دِمَشْقَ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ بَيْنَ مَهْرُودَتَيْنِ وَاضْعَا يَدَهُ عَلَى أَجْبَحَةِ مَلَكَيْنِ إِذَا طَاطَأَ رَأْسَهُ قَطْرًا وَإِذَا رَفَعَهُ تَحَدَّرَ مِنْهُ جَمَانٌ كَاللُّؤْلُؤِ، قَالَ: وَلَا يَجْدُرُ رِيحَ نَفْسِهِ - يَعْنِي أَحَدُ الْإِمَامَاتِ، وَرِيحَ نَفْسِهِ مِنْتَهَى بَصَرُهُ، قَالَ: فَيُطْلَبُهُ حَتَّى يَدْرِكَهُ بَابٌ لَدَيْهِ فَيَقْتُلُهُ -

قَالَ: فَيَأْبِثُ كَذَلِكَ مَا شَاءَ اللَّهُ قَالَ: ثُمَّ يُوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ أَنْ حَوَّزُ عِبَادِي إِلَى الطُّورِ فَإِنِّي قَدْ أَنْزَلْتُ عِبَادًا إِلَى يَدَايِ لَا أَحَدٌ يَمْتَلِكُهُمْ، قَالَ وَيَبْعَثُ اللَّهُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَهُمْ كَمَا قَالَ اللَّهُ "مِنْ كُلِّ خَدْبٍ يَنْسِلُونَ"، قَالَ: وَيَمْرُؤُا لَهُمْ بِبَحِيرَةِ الطَّبْرِيقَةِ، فَيَشْرَبُ مَا فِيهَا، ثُمَّ يَمْرُؤُهَا آخِرُهُمْ، فَيَقُولُونَ: لَقَدْ كَانَ يَهْدِيهِمْ مَرَّةً مَاءً، ثُمَّ يَسِيرُونَ، حَتَّى يَنْتَهَوْا إِلَى جَبَلٍ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَيَقُولُونَ: لَقَدْ قَتَلْنَا مَنْ فِي الْأَرْضِ، فَهَلَمْ - فَلْتَقْتُلْ مَنْ فِي السَّمَاءِ، فَيَزْمُونَ بِنَشَابِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ، فَيَزُدُّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ نَشَابَهُمْ مَخْمَرًا دَمًا، وَيَحَاضِرُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَأَصْحَابُهُ حَتَّى يَكُونَ رَأْسُ الْقُرْآنِ يَوْمَئِذٍ خَيْرَ آلِهِمْ مِنْ مَائَةِ دِينَارٍ لِأَخِيذِكُمْ الْيَوْمَ - قَالَ فَيَزْغِبُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ إِلَى اللَّهِ وَأَصْحَابَهُ؛

قَالَ: فَيُرْسِلُ اللَّهُ عَلَيْهِمُ النَّعْفَ فِي رِقَابِهِمْ فَيَضْبَحُونَ فَرَسِي، مَوْتِي، كَمَوْتِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ، قَالَ: وَيَهْبِطُ عِيسَى وَأَصْحَابُهُ، فَلَا يَجِدُ مَوْضِعَ شِبْرٍ، إِلَّا وَقَدْ مَلَأَتْهُ زَهْمَتُهُمْ، وَنَشَابَتُهُمْ، وَدِمَاؤُهُمْ - قَالَ: فَيَزْغِبُ عِيسَى إِلَى اللَّهِ وَأَصْحَابُهُ قَالَ: فَيُرْسِلُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ طَيْرًا، كَأَغْنَاكِ الْبَغْبِ، فَتَحْمِلُهُمْ فَتَقْطُرُ خُهُمْ بِالْمَهْبِلِ، وَيَسْتَوْقِدُ الْمُسْلِمُونَ مِنْ قِسِيَّتِهِمْ، وَنَشَابِهِمْ، وَجَعَابِهِمْ، سَبْعَ سِنِينَ، وَيُرْسِلُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَطَرًا، لَا يَكُنْ مِنْهُ بَيْتٌ وَبَرٌّ وَلَا مَدَنٍ، قَالَ: فَيُغْسِلُ الْأَرْضَ، فَيُثْرِكُهَا كَالزَّلْفَةِ، قَالَ: ثُمَّ يَقَالُ لِلْأَرْضِ: أَخْرِجِي فَمَرْتَكِبَ، وَرَدِّي بَرَكَتِكِ، فَيَوْمِئِذٍ تَأْكُلُ الْعِصَابَةُ الزَّمَانَةَ، وَيَسْتَظِلُّونَ بِقُحْفِهَا وَيَبَارِكُ فِي الرِّسْلِ، حَتَّى إِنْ

الْفِتْنَامِ مِنَ النَّاسِ لَيَكْتَفُونَ بِاللَّفَحَةِ مِنَ الْإِبِلِ وَإِنَّ الْقَبِيلَةَ لَيَكْتَفُونَ بِاللَّفَحَةِ مِنَ الْغَنَمِ، فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَلِكَ، إِذْ بَعَثَ اللَّهُ رِجَالًا، فَقَبِضَتْ رَوْحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَيَبْقَى سَائِرُ النَّاسِ، يَتَهَازَجُونَ كَمَا يَتَهَازَجُ الْخُمْرُ، فَعَلَيْهِمْ تَقْوَمُ السَّاعَةُ.

حضرت نواس بن سمان کلابی فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ نے دجال کا ذکر فرمایا، آپ نے اس کو پست کیا اور پھر بلند کیا (یعنی اس کی ذلت و حقارت اور اس کے فتنے کی بڑائی بیان کی) یہاں تک کہ ہمیں یہ گمان ہونے لگا، کہ دجال کجوروں کی ایک جانب میں ہے، راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم لوگ آپ کے پاس سے چلے گئے، پھر دوبارہ خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ سمجھ گئے کہ ہمارے دلوں میں دجال کا خوف ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ راوی کہتے ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے کل دجال کا ذکر کیا، تو آپ نے اس کی ذلت و حقارت اور اس کے فتنے کی اتنی بڑائی بیان کی کہ ہم گمان کرنے لگے کہ وہ کجوروں کی ایک جانب میں موجود ہے، آپ نے فرمایا: دجال کے علاوہ بھی ایسی کئی چیزیں ہیں جن کا مجھے دجال کے فتنے سے کہیں زیادہ تم پر خوف ہے، کیوں کہ اگر میرے ہوتے ہوئے دجال آگیا تو میں تمہارے سامنے اس پر غالب آؤں گا اور اگر وہ میری غیر موجودگی میں آیا تو ہر شخص اپنے نفس کی طرف سے اس سے مقابلہ کرنے والا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ میری طرف سے ہر مسلمان کا محافظ ہے، (اس کی صفات یہ ہیں کہ) وہ چھوٹے ٹھنکریا لے بالوں والا، ایک جوان ہوگا، جس کی ایک آنکھ ہوگی اور عبدالعزیٰ بن قطن کے مشابہ ہوگا، اگر تم میں سے کوئی اسے دیکھے، تو اسے چاہیے کہ سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے، فرماتے ہیں کہ وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا، اور دائیں بائیں ہر طرف فساد پھیلائے گا۔

(لہذا) اے اللہ کے بندو! تم (اپنے دین پر) ثابت قدم رہنا، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ زمین میں کتنی مدت تک ٹھہرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چالیس دن تک، پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا، دوسرا دن ایک مہینے کے برابر اور تیسرا دن ایک جمعہ یعنی ہفتہ کے برابر ہوگا، اور باقی دن تمہارے عام دنوں کی طرح ہوں گے، اوی کہتے ہیں پھر ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ: وہ دن جو ایک سال کے برابر ہوگا، کیا اس میں ہماری ایک دن کی نماز کافی ہوگی؟ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ نماز پڑھنے کے لئے ایک دن کا حساب لگانا ہوگا، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ: زمین پر اس کی تیز رفتاری کس قدر ہوگی؟ فرمایا: وہ اس بارش یعنی بادل کی طرح تیز رفتار ہوگا، جس کے پیچھے ہوا ہو، پھر وہ ایک قوم کے پاس آئے گا اور انہیں (اپنی خدائی کی طرف) دعوت دے گا لیکن وہ لوگ اس کو جھٹلا دیں گے اور اس کی بات کو رد کر دیں گے، پھر دجال ان سے پھرے گا تو ان لوگوں کے اموال، دجال کے پیچھے چل پڑیں گے، اور وہ خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔

پھر وہ ایک قوم کے پاس آئے گا اور انہیں (اپنی خرافات کی طرف) دعوت دے گا، تو وہ اس کی بات مان لیں گے اور

اس کی (باتوں کی) تصدیق کریں گے، تب وہ (اپنے پیروکاروں کو نوازنے کے لئے) آسمان کو بارش برسانے کا حکم دے گا، تو وہ بارش برسا دے گا، اور زمین کو (سبزہ، درخت) اگانے کا حکم دے گا تو وہ اگا دے گی، شام کو ان کے جانور (چراگا ہوں سے) اس طرح واپس ہوں گے، کہ ان کے کوہان لمبے، کو لمبے چوڑے، اور پھیلے ہوئے، اور تھن دودھ سے بھرے ہوں گے، پھر وہ دجال ویران جگہ پر آ کر زمین سے کہے گا کہ تم اپنے خزانے نکال دو، جب وہ وہاں سے لوٹے گا، تو وہ خزانے اس کے پیچھے شہد کی مکھوں کے سرداروں کی طرح (کثرت کے ساتھ) چل پڑیں گے۔

پھر وہ ایک بھر پور جوان کو بلائے گا، اس کو تلوار مار کر، دو ٹکڑے کر دے گا، اس کے بعد دجال اس نو جوان (کے جسم کے ان ٹکڑوں) کو بلائے گا، تو وہ زندہ ہو کر دجال کی طرف متوجہ ہوگا، اس وقت اس کا چہرہ نہایت ہشاش بشاش، خوش و خرم اور مسکراتا ہوگا، (دجال ان ہی خرافات میں مصروف ہوگا کہ) اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہلکے زرد رنگ کا جوڑا پہنے، دمشق کی جامع مسجد کے سفید مشرقی مینارے پر، اس حالت میں (آسمان سے) اتریں گے کہ ان کے ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوں گے۔

جب وہ اپنا سر جھکائیں گے تو قطرات ٹپکیں گے اور جب سر اوپر اٹھائیں گے تو ان کے سر سے چاندی کے دانوں کی مانند قطرے گریں گے، جو موتیوں کی طرح ہوں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: جس کافر تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کی ہوا پہنچے گی، مر جائے گا اور ان کے سانس کی ہوا، ان کی حد نظر تک جائے گی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے، یہاں تک کہ وہ اس کو باب لد پر پائیں گے اور اسے وہاں قتل کر دیں گے، پھر آپ نے فرمایا: پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی طرح رہیں گے، جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجیں گے کہ میرے بندوں کو کوہ طور پر لے جا کر جمع کر دیں، کیوں کہ میں نے اپنے ایسے بندے اتارے (یعنی پیدا کئے) ہیں جن سے جنگ کرنے کی کسی میں بھی مجال نہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یا جوج ماجوج کو بھیجے گا، وہ ارشاد خداوندی کے مطابق، ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: ان کا پہلا گروہ بحیرہ طبریہ سے گزرے گا، تو اس کا سارا پانی پی جائے گا، پھر ان کے بعد والے اس پر سے گزریں گے تو (اسے خشک دیکھ کر) کہیں گے کہ کبھی یہاں پانی ہوا کرتا تھا، پھر وہ لوگ آگے چل دیں گے، یہاں تک کہ بیت المقدس کے پہاڑ پر پہنچ کر کہیں گے، کہ ہم نے زمین والوں کو قتل کر دیا ہے، آؤ، اب آسمان والوں کا بھی خاتمہ کر دیں، چنانچہ وہ آسمان کی طرف اپنے تیر پھینکیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو خون آلود کر کے لوٹا دے گا، (تاکہ وہ اس بھرم میں رہیں کہ ہم نے آسمان والوں کا کام تمام کر دیا ہے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی (کوہ طور پر) محصور ہوں گے، یہاں تک کہ (معیشت کی تنگی کا یہ حال ہوگا کہ) ان کے نزدیک نیل کا سر تہارے آج کے سودیناروں سے بہتر ہوگا، (جب یہ حالت ہو جائے گی تو) حضرت عیسیٰ اور آپ کے

ساتھی (یا جوج ماجوج کی ہلاکت کی) اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں میں کیڑے پیدا کر دیں گے، جس سے وہ سب ایک ہی دفعہ، اس طرح مرجائیں گے، جس طرح کوئی ایک شخص مرجاتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اب حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی کوہ طور سے اتریں گے مگر یا جوج ماجوج کی چربی، بد بو اور ان کے خون سے ایک بالشت جگہ بھی خالی نہ پائیں گے، (اس مصیبت سے نجات کے لئے) حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے آزاری کریں گے، جب اللہ تعالیٰ بخشتی اونٹ کی گردنوں جیسی لمبی لمبی گردنوں والے پرندے بھیجے گا، جو ان (کی لاشوں) کو اٹھائیں گے اور انہیں مقام مہبل (یا پہاڑ کی غار یا گہرے گڑھے) میں ڈال دیں گے، اور مسلمان یا جوج ماجوج کی کمانوں، تیروں اور ترکشوں کو (بطور ایندھن کے) سات سال تک جلاتے رہیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان پر ایسی بارش برسائے گا، جس سے کوئی گھر پوشیدہ نہیں رہ سکے گا، خواہ وہ دیہات کا ہو یا شہر کا گھر ہو، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ بارش زمین کو دھو کر شیشے کی طرح صاف کر دے گی، پھر زمین سے کہا جائے گا، اپنے پھل باہر نکال اور اپنی برکتیں دوبارہ واپس لاؤ، (چنانچہ زمین ایسا ہی کرے گی) اس دن ایک پوری جماعت ایک انار کو کھائے گی (اور سیر ہو جائے گی) اور اس کے چھلکے سے لوگ سایہ حاصل کریں گے، اور دودھ میں برکت پیدا کر دی جائے گی (یعنی تھنوں میں بہت زیادہ دودھ ہوگا) یہاں تک کہ دودھ دینے والی ایک اونٹنی، لوگوں کے بہت سے گروہوں (کی سیرابی) کے لئے کافی ہوگی، اور بے شک ایک قبیلہ دودھ دینے والی ایک گائے کے دودھ پر اکتفاء کرے گا، اور چھوٹا خاندان ایک بکری کے دودھ پر گزارا کرے گا، وہ لوگ اسی طرح زندگی گزار رہے ہوں گے، کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسی ہوا بھیجے گا، جو ہر مومن کی روح قبض کر لے گی، اور صرف وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح سرعام جماع کریں گے، ایسے لوگوں پر ہی قیامت قائم ہوگی۔

مشکل الفاظ کے معنی: - خفص: (خام پر زبر اور فا پر زبر اور تشدید) اس کے دو معنی ہیں (۱) اس کی حقارت و ذلت کو بیان کیا (۲) طویل گفتگو کے بعد آواز کو آپ نے پست فرمایا۔ رفع: (را پر زبر اور فا پر زبر اور تشدید) اس کے بھی دو معنی ہیں: (۱) قنہ دجال کی بڑائی بیان کی (۲) آپ نے آواز کو بلند فرمایا تاکہ سب حاضرین تک آواز صحیح طریقے سے پہونچ جائے۔ طلقۃ: کنارہ، جانب۔ حسیج: دلائل کے ذریعہ غالب آنے والا۔ دونکم: جمہارے سامنے۔ قسط: (قاف اور طا پر زبر کے ساتھ) چھوٹے شدید گھونگر یا لے بال۔ قائمۃ: موجود ہے۔ عاث: فساد پھیلانے کا۔ البھوا: تم ٹھہرے رہو یعنی دین پر ثابت قدم رہنا۔ ما سرعہ: دجال کی تیز رفتاری کس قدر ہوگی۔ غیث: بادل، بارش۔ استدبرتہ: اس کے پیچھے ہوا ہو۔ تبعہ: وہ اموال دجال کے پیچھے چل پڑیں گے۔ يستجبون له: وہ لوگ دجال کی بات مان لیں گے۔ تروح: شام کے وقت لوٹیں گے۔ مسارحہ: مویشی، چوپائے۔ ذری: ذروۃ کی جمع ہے، بلندی، چوٹی، اونچی کوہان، یہ کنایہ ہے کہ ان پر چربی زیادہ ہوگی، خوب موٹے ہو جائیں گے۔ امده خواصرو: ان کے کوہلے چوڑے اور دراز ہوں گے، یعنی زیادہ کھانے کی وجہ خوب موٹے ہوں گے، خواصرو جمع

ہے خاصۃً کی: کوہے، اور ”اُمّ“ اسم تفضیل کا صیغہ ہے: زیادہ پھیلے ہوئے اور چوڑے۔ اُدھر ضرور عا: ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوں گے، ”اُور“ اسم تفضیل ہے: زیادہ دودھ والے اور ضرور عا جمع ہے ضرع کی: تھن۔ خربۃ: (خاہ پر زبر اور را کے نیچے زیر) ویران زمین۔ یعاسیب: یعسوب کی جمع ہے: شہد کی مکھیاں کی سردار۔ ممتلیا شباباً: بھرپور جوان۔ جز لتین: (جیم پر زبر اور زیر کے ساتھ اور زاساکن) دو قطعے، دو ٹکڑے، دو تسمیں۔ یقبل: (یاہ پر پیش اور با کے نیچے زیر) وہ آگے بڑھے گا۔ یتھلل: اس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا ہوگا، جگمگائے گا۔ مہر و دتین: مہر و دۃ کا حثنیہ ہے: ہلکے زرد رنگ کا جوڑا۔ اُجنحۃ: جناح کی جمع ہے: فرشتے کا پر۔ طاطا: اس نے جھکایا۔ تحدر: گرنے لگے، ٹپکنے لگے۔ جمان: (جیم پر پیش) موتی، چاندی کا ڈھالا ہوا موتی۔ منتھی بصرہ: حضرت عیسیٰ کی حد نظر تک۔ لد: (لام پر پیش اور دال کی تشدید کے ساتھ) فلسطین کا ایک مشہور شہر ہے، اس وقت یہاں اسرائیل حکومت کا ایئر پورٹ ہے۔ حوز: تم لے جاؤ۔ حدب: (حا اور دال پر زبر) بلند زمین۔ ینسلون: دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ نشاب: (نون پر پیش) نشابہ کی جمع ہے: تیر۔ محمر ادماء: خون آلود۔ بحاصر: محمول کا صیغہ ہے، محصور ہوں گے۔ نفغ: (نون اور غین پر زبر) بکریوں اور اونٹوں کی ناک کے کیڑے، اس کا واحد نفغہ ہے۔ فوسی: (فا پر زبر، را ساکن اور سین پر زبر) فویس کی جمع ہے: مقتول، شیر و غیرہ کا چیرا پھاڑا ہوا۔ موتی: میت کی جمع ہے مردہ۔ موضع شہر: ایک بالشت کے برابر جگہ۔ زحمة: چوپائے وغیرہ میں موجود چربی۔ فتن: بدبو۔ طیر: طائر کی جمع ہے، پرندے، اور کبھی لفظ طیر مفرد کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اعناق البخت: بختی اونٹوں کی طرح لمبی گردنوں والے۔ تطرح: پھینک دیں گے، ڈال دیں گے۔ مہبل: اس کے مختلف معنی ہیں: گہرا گھڈ، پہاڑ کی غار، ایک جگہ کا نام۔ یستوقد: جلاتے رہیں گے۔ قسی: (قاف اور سین کے نیچے زیر اور سین پر تشدید) قوس کی جمع ہے: کمان۔ جماب: جمعبۃ کی جمع ہے: ترکش، تیر رکھنے والا تھیلا۔ لایکن: (یا پر زبر اور کاف پر پیش اور نون کی تشدید کے ساتھ) کچن سے ہے: پوشیدہ نہیں ہوگا یعنی باقی نہیں بچے گا۔ ویر: ادن، بیت الوبر سے گاؤں اور خیمے مراد ہیں۔ مدر: مٹی اور بیت المدر سے شہر مراد ہے۔ زلفۃ: (زا اور لام پر زبر کے ساتھ) آئینہ، شیشہ۔ ردی: تو واپس لوٹا۔ العصابۃ: (عین کے نیچے زیر) بڑی جماعت۔ الومانۃ: اتار۔ یستظلون: سایہ حاصل کریں گے۔ قحفہا: (قاف کے نیچے زیر کے ساتھ) اس کا چھلکا۔ رسل: (را کے نیچے زیر اور سین کے سکون کے ساتھ) دودھ۔ فنام: بڑی جماعت، اس لفظ کا مفرد نہیں ہے۔ لیکفون: اکتفاء کریں گے، گذارا کریں گے۔ لقحۃ: (لام کے نیچے زیر) دودھ والی گائے، بکری۔ یتھار جون: سرعام کھلم کھلا جماع کریں گے۔ حمور ہمار کی جمع ہے: گدھے۔ فخذ: (فا پر زبر اور خا کے نیچے زیر) قبیلہ کی ایک شاخ۔

دجال کے بارے میں مفصل حدیث

اس باب کے تحت امام ترمذی رحمہ اللہ نے دجال سے متعلق مفصل روایت ذکر کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

(۱) نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو دجال کے بارے میں بتایا تو صحابہ کو خوف محسوس ہوا اور یوں گمان ہونے لگا کہ وہ مجبوروں

کی ایک جانب چمپا ہوا ہے، آپ ﷺ نے ان کی یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا کہ اگر میری موجودگی میں دجال آیا تو میں تمہارے سامنے، اس پر دلائل کے ذریعہ غالب آ جاؤں گا، لہذا تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس پر علامہ تورپشتی نے یہ اشکال کیا ہے کہ متواتر احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ دجال آخری زمانے میں امام مہدی کے بعد آئے گا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے قتل کریں گے، تو پھر آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں خروج دجال کا احتمال کیسے ذکر فرمایا؟ شارحین حدیث نے اس کے تین جواب دیے ہیں:

☆ دجال کے فتنے سے اس انداز سے ڈرانے کا مقصد، صرف یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں تاکہ وہ اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔

☆ بعض کہتے ہیں کہ ابتداء میں آپ کو خروج دجال کا وقت معلوم نہیں تھا، اس لئے آپ نے اس طرح کا کلام فرمایا، پھر بعد میں آپ کو اس کا وقت بتایا گیا۔

☆ سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام میں جب دجال کا خوف دیکھا تو ان کی تسلی کے لئے فرمایا کہ اگر دجال میری زندگی میں بالفرض نکل آیا تو میں اس کے لئے کافی ہوں، یہ بات بطور فرض کے ہے، حقیقت کے اعتبار سے نہیں، کیوں کہ اسی حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقام لد کے دروازے میں دجال کو قتل کریں گے۔

(۲) وہ دجال ایک گھونگھریالے بالوں والا جوان ہوگا، جس کی ایک آنکھ موجود ہوگی اور وہ عبدالعزیٰ بن قطن کے مشابہ ہوگا۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ عبدالعزیٰ ایک یہودی تھا، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ مشرک تھا، کیوں کہ ”عزیٰ“ بت کا نام ہے۔

(۳) سورۃ کہف یا اس کی ابتدائی آیات پڑھنے سے دجال کے فتنے سے انسان محفوظ رہے گا۔

(۴) دجال، شام و عراق کے درمیان یعنی خراسان کے علاقہ سے ظاہر ہوگا۔

(۵) دجال، ہوا اور بارش کی طرح تیز رفتاری سے زمین پر گردش کرے گا، کچھ لوگ اس کی تصدیق اور کچھ اس کی تکذیب کریں گے، جو تصدیق کریں گے ان پر نوازشات کرے گا، اور جو تکذیب کریں گے، ان پر آزمائشیں آئیں گی، ان کے مال، دجال کے پیچھے چل پڑیں گے، یہ خالی ہاتھ ہو جائیں گے، دجال طرح طرح کے خرق عادت امور دکھائے گا، ویران اور بنجر زمین سے خزانے نکل کر اس کے پیچھے چل پڑیں گے، جیسا کہ شہد کی مکھیاں اپنی سردار کے پیچھے جاتی ہیں، سرعام ایک نوجوان کے دو ٹکڑے کر کے دوبارہ اسے زندہ کرے گا، تاکہ لوگ اس کی تصدیق کریں۔

اللہ تعالیٰ جو دجال کو خرق عادت امور پر قدرت دیں گے، اس میں مومنین کے لئے آزمائش ہے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ دجال خدا نہیں، بلکہ یہ ایک فتنہ ہے، اگر یہ خدا ہوتا تو سب سے پہلے اپنی آنکھ کا عیب دور کرتا، چہرے سے ”کافر“ کا لفظ مٹاتا،..... جب یہ ان چیزوں پر قادر نہیں، تو پھر خدا کیسے ہو سکتا ہے۔

(۶) یا جوج ماجوج کا خروج ہوگا، حضرت عیسیٰ کو حکم ہوگا کہ میرے ان مخصوص بندوں کو لے کر کوہ طور پر جمع ہو جاؤ، یا جوج ماجوج جہاں سے گذریں گے، اس جگہ کا صفایا کر دیں گے، بحیرہ طبریہ سے اس کا پہلا دستہ گذرے گا تو وہ سارا پانی پی جائے گا، ان کے فساد اور تباہی کو دیکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ان کے خاتمے کی دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرمائیں گے، ان کی گردنوں میں کیڑے پیدا ہو جائیں گے، جس سے یہ سارے کے سارے یکدم مرجائیں گے، زمین پر ہر طرف بدبو، خون اور ان کی چرہ پی دیکھ کر دوبارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ لمبی گردنوں والے پرندے بھیجے گا، جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر پہاڑ کی غار میں سپینک دیں گے، پھر پوری دنیا میں خوب بارش ہوگی جس سے زمین آئینہ کی طرح صاف ہو جائے گی۔

(۷) پھر زمین میں برکات کا ظہور ہوگا۔

(۸) پھر ایک ہوا چلے گی، جس سے اہل ایمان وفات پا جائیں گے، اور ہر طرف شریہ قسم کے لوگ رہ جائیں گے جو سرعام زنا کریں گے، انہی پر قیامت قائم ہوگی۔

دجال زمین پر کتنا عرصہ رہے گا

صحیح مسلم کی حدیث باب میں ہے کہ دجال چالیس دن رہے گا، پہلا دن ایک سال کے برابر، دوسرا ایک ماہ اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا، اور باقی دن عام دنوں کی طرح ہوں گے۔

جب کہ علامہ بغوی نے شرح السنہ میں چالیس یوم کے بجائے چالیس سال دجال کی مدت قیام ذکر کی ہے، لیکن علماء حدیث نے صحیح مسلم کی روایت کو جس میں چالیس یوم کا ذکر ہے، راجح قرار دیا ہے۔^(۱)

ان چالیس دنوں میں پہلے تین دن جو غیر معمولی طور پر بڑے ہوں گے، اس سے کیا مراد ہے، شارحین حدیث کے اس میں تین قول ہیں:

- (۱) پہلا قول یہ ہے کہ یہ تین دن حقیقت کے اعتبار سے بڑے ہوں گے، چنانچہ پہلا دن ایک سال کے برابر، دوسرا ایک مہینے کے برابر اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا، اور ایسا ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں۔
- (۲) بعض علماء کے نزدیک لیل و نہار حقیقت میں بڑے نہیں ہوں گے، بلکہ غوم و افکار اور شدت ابتلاء کی وجہ سے پہلا دن ایک سال کے برابر محسوس ہوگا، اور دوسرے دن میں چونکہ دجال کا مکروہ فریب ذرا کم ہو جائے گا، اس لئے یہ ایک مہینے کے برابر لگے گا اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر معلوم ہوگا، لیکن اس قول کو رد کیا گیا ہے، کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو حدیث دجال میں صحابہ کرام، آپ ﷺ سے نمازوں کے بارے میں سوال نہ کرتے۔
- (۳) علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ یہ تین دن حقیقت کے اعتبار سے بڑے نہیں ہوں گے، بلکہ دجال لوگوں پر جادو کر دے گا،

انہیں ایسے ایسے خرق عادت امور دکھائے گا، کہ لوگ یہ سمجھیں گے، کہ ہمارا دن ایک سال کے برابر ہو گیا ہے، صرف اس کی جادوگری اور شعبہ بازی کی وجہ سے ہوگا، اس قول کو ملا علی قاری نے اختیار کیا ہے۔ (۱)

ان علاقوں میں نماز روزے کا حکم جہاں دن رات معمول کے مطابق نہ ہوں

دنیا کے وہ علاقے جہاں دن رات معمول کے مطابق نہ ہوں، بلکہ دن طویل ہو، جیسا کہ حدیث و جال میں ہے، یا رات لمبی ہو، یا عشاء کا وقت داخل نہ ہوتا ہو، یا اتنا مختصر وقت ہو، کہ اس میں نماز کی ادائیگی نہ ہو سکتی ہو، ایسی جگہ کے بارے میں حکم یہ ہے کہ وہاں پر قریب کے اس علاقے کے شب و روز کا اعتبار کیا جائے، جہاں دن رات معمول کے مطابق چوبیس گھنٹے کے ہوں، لہذا صبح صادق کے بعد، جب اتنا وقت گزر جائے، جو عام دنوں کے اعتبار سے فجر اور ظہر کے درمیان ہوتا ہے، تو اس وقت ظہر کی نماز پڑھی جائے اور جب ظہر کے بعد اتنا وقت گزر جائے، جو عام دنوں میں ظہر اور عصر کے درمیان ہوتا ہے، تو اس وقت عصر کی نماز پڑھی جائے..... غرض یہ کہ پانچوں نمازیں اسی اندازے اور حساب سے پڑھی جائیں گی اگرچہ دن کتنا ہی بڑا ہو۔

لہذا بعض حضرات جو یہ اشکال کرتے ہیں کہ نماز تو وقت یعنی سورج کے طلوع و غروب وغیرہ کے اعتبار سے مقرر ہوتی ہے اور جب دن سال کا ہو یا چھ ماہ دن یا چھ ماہ رات ہو تو پھر طلوع و غروب کا وقت ہی نہیں ہوگا، تو پھر نمازیں کس طرح فرض ہوں گی؟ یہ اشکال درست نہیں کیوں کہ اصل چیز شریعت کا حکم ہے، وقت ایک ظاہری سبب ضرور ہے لیکن سبب حقیقی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حدیث باب میں صحابہ کے سوال کے جواب میں یہی فرمایا کہ جب دن طویل ہوں گے تو قرہمی علاقے کے ایام کے اعتبار سے وقت کا اندازہ لگا کر نمازیں ادا کی جائیں، انہیں ترک کرنا درست نہیں ہے۔

یہی حکم روزے کا ہے کہ وہ علاقے جہاں دن طویل ہو، رات بالکل نہ ہو، یا طویل رات ہو، دن نہ ہو، ایسے لوگ بھی قرہمی جگہ کے ایام کا حساب کر کے رمضان کے روزے رکھیں، کسی وجہ سے روزے نہ رکھ سکیں، تو قضا کرنا ضروری ہوگا اور اگر چوبیس گھنٹے میں رات تو آئے لیکن بہت چھوٹی ہو، تو اس کی دو صورتیں ہیں، اگر اس طویل دن میں روزہ رکھنے کی طاقت اور ہمت ہو، تو روزہ رکھ لیا جائے، لیکن اگر ہمت نہ ہو، اس وجہ سے کہ رات میں اتنا وقت بھی نہ ملتا ہو کہ وہ کھانی سکیں یا چوبیس گھنٹے میں ایک دفعہ کھانا کافی نہ ہو، تو پھر ایسے لوگ بھی اس قرہمی علاقے کے اعتبار سے دن اور رات کے اوقات مقرر کر سکتے ہیں، جہاں شب و روز معمول کے مطابق چوبیس گھنٹے کے ہوں۔ (۲)

(۱) تکملة فتح للملم، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال ۳۷۱/۶۔

(۲) تکملة فتح للملم، کتاب الفتن، حکم الصلاوات فی بلاد غیر معتدلة ۳۷۲/۶۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہوگا

حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام دمشق میں ہوگا، جب کہ ایک دوسری روایت میں بیت المقدس، ایک میں اردن اور ایک روایت میں معسکر المسلمین یعنی مسلمانوں کی چھاؤنی اور اجتماع گاہ میں اترنے کا ذکر ہے، ان تمام روایات کو سامنے رکھ کر شارحین حدیث کے اس بارے میں دو نقطہ نظر ہیں:

۱۔ علامہ سیوطی نے ”مصابح الزجاجة“ میں اور مولانا رشید احمد گنگوہی نے ”الکوکب الدرری“ میں ان روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ سنن ابن ماجہ کی روایت رائج ہے، جس میں بیت المقدس میں اترنے کا ذکر ہے، اور اس روایت کو باقی روایات کے ساتھ تعارض بھی نہیں، کیوں کہ بیت المقدس امام سیوطی کی نظر میں دمشق کی مشرقی جانب میں واقع ہے، اور بیت المقدس مسلمانوں کا مرکز بھی ہے، اور بیت المقدس اس وقت اگرچہ فلسطین کا حصہ ہے اردن کا نہیں، لیکن یہ سارا علاقہ اردن ہی کا ہے، ہاں بیت المقدس میں اس وقت اگرچہ کوئی مینار نہیں، ہو سکتا ہے کہ نزول عیسیٰ سے پہلے وہاں بنا دیا جائے۔ (۱)

حدیث میں جو ”بشری دمشق“ منقول ہے، اس سے کیا مراد ہے:

امام سیوطی نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ اس سے بیت المقدس مراد ہے کہ وہ دمشق کی مشرقی جانب میں واقع ہے اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے نزدیک ”شرقی“ سے ”بیت المقدس کی مشرقی جانب“ مراد ہے کہ وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا، گو یا اس لفظ نے بتا دیا کہ ان کا نزول بیت المقدس کی کسی اور جانب نہیں ہوگا بلکہ مشرقی جہت میں ہی ہوگا، شیخ کی تاویل کا تقاضا یہ ہے کہ بیت المقدس دمشق کی مغربی جانب میں ہو اور امام سیوطی کی تاویل کے مطابق اس کے برعکس ہو یعنی دمشق کی مشرقی جانب میں ہو، شیخ کی تاویل میں تھوڑا تکلف ضرور ہے کہ لفظ ”شرقی“ سے بیت المقدس کی مشرقی جانب مراد ہے، اور لفظ ”دمشق“ لفظ ”شرقی“ سے بدل یا اس کا عطف بیان ہے کیونکہ حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ چیز ثابت نہیں ہوتی لیکن دنیا کے نقشے کو دیکھا جائے تو محل وقوع کے اعتبار سے شیخ کی تاویل درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ بیت المقدس دمشق کی مشرقی جانب میں نہیں ہے بلکہ جنوب غربی کی جانب واقع ہے اور ”دمشق“ بیت المقدس کی شمال مشرقی جانب میں واقع ہے۔ واللہ اعلم

۲۔ اکثر حضرات نے اس مشہور روایت کو رائج قرار دیا ہے کہ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دمشق کی مشرقی جانب سے سفید مینار کے پاس اترنے کا ذکر ہے، اور یہ مینار آج بھی موجود ہے۔ (۲)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس سے کفار مرجاس کے گرد و جال کو دودھ قتل کریں گے، صرف ان کی سانس سے وہ نہیں مرے گا، اس کی مختلف وجہیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) تحفة الاحوذی ۱/۶۷۱۔

(۲) تكملة فتح للملهم ۳۸۵/۶ کتاب الفتن، باب ذكر الدجال۔ الکوکب الدرری ۱۶۳/۳

- (۱) تاکہ مومنین کے سامنے دجال کا ساحر و جادوگر ہونا واضح ہو جائے۔
- (۲) یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ کرامت نزول کے وقت ہو، پھر یہ کرامت ختم ہو جائے۔
- (۳) بعض نے کہا کہ ان کی یہ کرامت ہر سانس سے متعلق نہیں ہوگی، بلکہ اس کا تعلق صرف اس مخصوص سانس سے ہوگا، جس کے ذریعہ کسی کافر کو ہلاک کرنا مقصود ہوگا۔
- سبحان اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھئے، کہ ایک وہ وقت تھا، جب وہ اپنی پھونک سے مردہ کو زندہ کر دیتے تھے، اور ایک وہ وقت ہوگا، کہ ان کے سانس کی ہوا سے کافر موت کی نذر ہو جائیں گے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الدَّجَالِ

یہ باب دجال کی صفت کے بارے میں ہے

عن ابن عمر، عن النبي ﷺ أَنَّهُ سَمِعَ الدَّجَالَ؟ فَقَالَ: أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، أَلَا وَانَّهُ أَعْوَرُ عَيْنُهُ الْيُمْنَى، كَأَنَّهَا عَيْنُهُ طَافِيَةٌ.

عبداللہ بن عمر نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ سے دجال کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ، بے شک تمہارا رب کا نا نہیں، جب کہ دجال کی دائیں آنکھ کاٹی ہے، گویا کہ وہ ایک پھولا ہوا انگور (کا دانہ) ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- اعور: کا نا، عیب دار۔ عنبہ طافیہ: خوشہ، انگور میں ابھرا ہوا ایک دانہ، حدیث میں لفظ ”طافیہ“ ہمزے اور یاء دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے۔ ”یا“ کی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اس کی آنکھ نمایاں، ظاہر اور اٹھی ہوئی ہوگی، اور ہمزے یعنی طافیہ کی صورت میں معنی ہوں گے کہ اس آنکھ کی روشنی جاتی رہے گی یعنی وہ کا نا ہوگا، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ جمہور نے بغیر ہمزے کی لغت کو درست قرار دیا ہے یعنی طافیہ، مطلب یہ ہے کہ وہ آنکھ انگور کے دانے کی طرح اٹھی اور ابھری ہوئی ہوگی، اس کا حلقہ نہ ہوگا، لیکن اس کے باوجود وہ اس سے دیکھ سکے گا۔

دجال کی آنکھیں کس طرح ہوں گی؟

حدیث باب سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

- (۱) اللہ تعالیٰ کا نا نہیں، جب کہ دجال کا نا ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ دجال خدا نہیں ہو سکتا، ورنہ وہ کا نا نہ ہوتا۔
- (۲) دجال کی آنکھوں کے بارے میں روایات مختلف اور متعارض ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث باب سے معلوم ہوتا

ہے کہ دجال کی دائیں آنکھ کانی ہوگی، جب کہ حضرت حذیفہ کی روایت میں ہے کہ اس کی بائیں آنکھ کانی ہوگی، اور حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایت میں ہے کہ اس کی بائیں آنکھ مسخ ہوگی.....۔

قاضی عیاض وغیرہ نے ان روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ اس کی دونوں آنکھیں عیب دار ہوں گی، دائیں آنکھ بالکل سپاٹ اور مسخ ہوگی، اور بائیں آنکھ عیب دار، اوپر اٹھی ہوئی اور کانی ہوگی، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کی ایک آنکھ جو معیوب ہوگی، وہ کبھی دائیں جانب، اور کبھی بائیں جانب دکھائی دے گی، گو یا یہ اس کے دجال ہونے کی ایک مزید دلیل ہوگی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی بائیں آنکھ مسخ ہوگی اور دائیں آنکھ اوپر اٹھی ہوئی، نمایاں اور کانی ہوگی، جس سے وہ دیکھ سکے گا۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي أَنَّ الدَّجَالَ لَا يَدْخُلُ الْمَدِينَةَ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ دجال مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَأْتِي الدَّجَالُ الْمَدِينَةَ فَيَجِدُ الْمَلَائِكَةَ يَخُزُّونَهَا، فَلَا يَدْخُلُهَا الطَّاغُوتُ وَلَا الدَّجَالُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دجال مدینہ (کی طرف) آئے گا، تو فرشتوں کو اس کی حفاظت کرتا ہوا پائے گا، پس نہ تو طاغوت مدینہ میں داخل ہو سکے گا اور نہ دجال، ان شاء اللہ۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: الْإِيمَانُ يَمَانٌ وَالْكَفْرُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ، وَالسَّكِينَةُ لِأَهْلِ الْغَنَمِ وَالْفُخْرُ وَالزِّيَادَةُ فِي الْقَدَا دِينِ أَهْلِ الْغَيْلِ وَأَهْلِ الْقُرْبَى، يَأْتِي الْمَسِيحُ (أَيَ الدَّجَالِ) إِذَا جَاءَ ذُبُرُ أَخِيذٍ صَرَفَتْ الْمَلَائِكَةُ وَجْهَهُ قِبَلَ الشَّامِ وَهَذَا لِكَ يَهْلِكَ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان یمن کی طرف سے نکلا ہے اور کفر اہل مشرق سے ظاہر ہوگا، اور سکون و وقار بکری والوں کے لئے ہے، اور فخر و زیادہ بکری کے ساتھ چلنے والوں یعنی گھوڑے اور اونٹ والوں میں ہوتا ہے، اور مسیح دجال (مدینہ میں داخل ہونے کے لئے) جب (مدینہ کے) احد پہاڑ کے پیچھے آئے گا، تو فرشتے اس کا رخ شام کی طرف پھیر دیں گے، پھر وہیں (مقام لد) پر وہ ہلاک ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- بحر سو نہا: مدینہ کی حفاظت کر رہے ہوں گے۔ یمن: اصل میں ”یمنی“ ہے، یاہ کو گرا کر اس کی جگہ الف کو لایا گیا تو یمن ہو گیا۔ مسکینہ: سکون و وقار، اطمینان اور عجز و انکساری۔ اہل الغنم: بکریوں والے، بعض نے کہا ہے کہ

(۱) فتح الباری، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال ۱۲۱/۱۳، تکملة فتح للملهم، کتاب الفتن باب ذکر الدجال ۳۶۰/۶ تحفة الاحوذی ۵۰۷/۶، قدیمی

اس سے اہل یمن مراد ہیں، کیوں کہ ان کی بکریاں زیادہ ہوا کرتی تھیں۔ فدا دین: (دال پر تشدید کے ساتھ) فداد کی جمع ہے: اونٹ اور گائے بیل کے مالکان، جن کی آوازیں اپنے جانوروں پر بلند ہوتی ہیں، حدیث میں اس کی تفسیر اہل الخیل و اہل الوہر سے کی گئی ہے۔ وہو: (واو اور با پر زبر کے ساتھ) اون، اونٹ کے بال، اور اہل الوہر کے معنی ہیں: اونٹ والے، اس سے اہل عرب ”گاؤں والے لوگ“ مراد لیتے ہیں، کیوں کہ عموماً گاؤں، دیہات والوں کے خیمے اون اور بال کے بنے ہوتے تھے۔

مسیح: یہ لفظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دجال دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، البتہ لفظ مسیح، دجال کے لئے اضافت کے ساتھ یعنی مسیح الدجال اور حضرت عیسیٰ کو مطلق ”مسیح“ کہا جاتا ہے، دونوں کو مسیح کہنے کی وجوہات مختلف ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کہنے کی وجہیں یہ ہیں: (۱) اندھے اور کوڑھے کو حضرت عیسیٰ مسیح فرما دیتے تو وہ ٹھیک ہو جاتے تھے۔ (۲) رحم مادر سے پاک صاف پیدا ہوئے (۳) دونوں پاؤں کے تلوے ہموار تھے خم دار اور باریک نہیں تھے (۴) زمین پر کثرت سے سیاحت فرمائیں گے، اس وجہ سے ان کو مسیح کہا جاتا ہے۔ دجال کو ”مسیح“ کہنے کی وجہیں: (۱) وہ کانا ہوگا (۲) اس کی ایک آنکھ مسخ ہوگی (۳) خیر سے محروم ہوگا (۴) زمین میں ادھر ادھر زیادہ پھرے گا۔ (۱) ادھر: (دال اور با پر پیش) پیچھے۔

دجال مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دجال جب مدینہ میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا تو پہرے دار فرشتے اسے مدینہ میں داخل ہونے سے روک دیں گے، اور فرشتے اس کا رخ شام کی طرف پھیر دیں گے، یہ بات دجال کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے ایک بڑی دلیل بنے گی، اور اس کے عجز و نقصان کی علامت ہوگی کہ وہ اپنی اتنی زبردست طاقت و قدرت کے دعوے کے باوجود اس مقدس شہر میں داخل ہونے پر قادر نہیں ہو سکے گا، جب دجال مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا تو مکہ مکرمہ میں بدرجہ اولیٰ داخل نہیں ہو پائے گا۔

الایمان ایمان کے معنی

اس حدیث میں ایمان کی نسبت اہل یمن کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ ایمان کا اصل مہد اکہ اور مدینہ ہیں، اس لئے شارحین نے ”الایمان ایمان“ کے ظاہری معنی کے بارے میں متعدد تاویلیں کی ہیں:

(۱) روایت میں ”یمن“ سے ”مکہ“ مراد ہے، کیوں کہ مکہ تہامہ میں ہے، اور تہامہ کا تعلق یمن سے ہے، معنی یہ ہیں کہ اصل ایمان تو اہل مکہ کا ہے۔

(۲) نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد جو کہ یمن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، مراد اس سے مکہ اور مدینہ ہیں، کیوں کہ مکہ و مدینہ

تبوک سے یمن کی طرف ہیں، مطلب یہ ہے کہ اصل ایمان تو اہل مکہ اور اہل مدینہ کا ہے، یہی وجہ ہے کہ کعبہ کے ایک رکن کو رکن یمانی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ یمن کی جہت میں ہے، حالانکہ وہ رکن تو مکہ مکرمہ میں ہے۔

(۳) بعض حضرات کے نزدیک اہل یمن سے انصار صحابہ مراد ہیں، کیوں کہ وہ بھی اصل میں یمن کے باشندے ہیں، انہوں نے ایمان لا کر اہل ایمان کی خوب مدد و نصرت کی، اس لئے ان کے ایمان کی تعریف کی گئی۔

(۴) بعض شارحین فرماتے ہیں کہ الایمان ایمان اپنے ظاہر پر ہے، اس سے اہل یمن ہی مراد ہیں، اس سے ان کے کمالی ایمان کی مدح کی گئی ہے، جیسے حضرت اویس قرنی اور ابو مسلم خولانی وغیرہ، اس سے اہل مکہ و مدینہ کے کمالی ایمان کی نفی کرنا مقصود نہیں ہے، لہذا یہ حدیث اس حدیث یعنی الایمان فی اہل الحجاز کے متافی نہیں ہے لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اہل یمن سے وہ لوگ مراد ہیں جو اس وقت موجود تھے، ان کے ایمان کی تعریف کی گئی ہے، لہذا ہر زمانے کے یمنی لوگ مراد نہیں۔ (۱)

”الکفر من قبل المشرق“ مدینہ سے مشرق کی طرف کفر ہوگا، اس سے عراق، خراسان اور روس کے علاقے مراد ہیں، ہمارا یہ علاقہ بھی مشرق میں ہے، بعض نے کہا ہے کہ یہ خاص مجوسیوں کی حکومت کی طرف اشارہ ہے، جو فارس میں تھے، نیز دجال کا خروج بھی مدینہ سے مشرق کی طرف ہوگا۔ (۲)

بَاب مَا جَاءَ فِي قَتْلِ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ الدَّجَالِ

یہ باب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دجال کو قتل کرنے کے بیان میں ہے

عَنْ مُجَمِّعِ بْنِ جَارِيَةَ الْأَنْصَارِيِّ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: يَقْتُلُ ابْنُ مَرْيَمَ الدَّجَالُ بِبَابِ لُدٍّ۔
حضرت مجمع بن جاریہ انصاری کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ابن مریم دجال کو مقام ”لد“ کے دروازے پر قتل کریں گے۔

بَاب

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أُنْذِرَ أُمَّتَهُ الْأَعْوَرُ الْكَذَّابُ، إِلَّا أَنَّهُ أَغْوَرُ، وَإِنْ رُبَّمَا لَيْسَ بِأَعْوَرُ، مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ۔

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی نے اپنی امت کو کانے اور کذاب (کے فتنے) سے ڈرایا ہے، آگاہ ہو جاؤ، بے شک وہ کانہ ہے، اور تمہارا رب کانہ نہیں، دجال کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا۔

(۱) شرح مسلم للنوی ۵۳۱/۱، کتاب الایمان، باب تفاضل اہل الایمان فیہ۔

(۲) تحفة الاحوذی ۳۲۳/۶

فائدہ: اس کی مزید تفصیل ”باب ماجاء فی الدجال“ میں گزر چکی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي ذِكْرِ ابْنِ صَبَّادٍ

یہ باب ابن صباد کے بیان میں ہے

عن أبي سعيد قال: صحبتني ابن صابدين إماماً خجاجاً وإماماً مفتعبرين فأنطلق الناس وثر كُثْ أَلَا وَهُوَ فَلَمَّا خَلَصْتُ بِهِ الْفَشْزُوتَ مِنْهُ وَاسْتَوَّ حَشْتُ مِنْهُ وَمَا يَقُولُ النَّاسُ فِيهِ، فَلَمَّا تَرَيْتُ قُلْتُ لَهُ: ضَعْ مَتَاعَكَ حَيْثُ بَلَكَ الشَّجَرَةَ. قَالَ: فَأَبْصَرَ غَنَمًا فَأَخَذَ الْقَدَحَ، فأنطلق، فاستخَلَبَ، ثُمَّ أَتَانِي بِلَبَنٍ، فَقَالَ لِي: يَا أَبَا سَعِيدٍ، اشْرَبْ، فَكِرِهْتُ أَنْ أَشْرَبَ عَنْ يَدِهِ شَيْئاً لِمَا يَقُولُ النَّاسُ فِيهِ، فَقُلْتُ لَهُ: هَذَا الْيَوْمَ يَوْمُ صَائِفٍ، وَإِنِّي أَكْرَهُ فِيهِ اللَّبَنَ، فَقَالَ: يَا أَبَا سَعِيدٍ: لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَخْذَ خَيْلاً فَأَوَيْتُهُ إِلَى الشَّجَرَةِ لِمَ أَخْتَبِقُ لِمَا يَقُولُ النَّاسُ لِي وَلِقَى، أَرَأَيْتَ مَنْ خَفِيَ عَلَيْهِ حَدِيثِي لَنْ يَخْفَى عَلَيْكُمْ أَلَسْتُمْ أَغْلَمَ النَّاسِ بِحَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ؟ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ كَافِرًا وَأَنَا مُسْلِمٌ؟ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّهُ عَقِيمٌ، لَا يُولِدُ لَهُ، وَقَدْ خَلَفْتُ وَلَدِي بِالْمَدِينَةِ، أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا تَحِلُّ لَهُ مَكَّةُ وَالْمَدِينَةُ؟ أَلَسْتُ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، وَهُوَ ذَا أَنْطَلِقَ مَعَكَ إِلَى مَكَّةَ؟ قَالَ: فَوَاللَّهِ مَا زَالَ يَجِيءُ بِهَذَا، حَتَّى قُلْتُ: فَلَعَلَّهُ مَكْدُوبٌ عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: يَا أَبَا سَعِيدٍ: وَاللَّهِ لَا تُخْبِرَنَّكَ خَبِراً حَقًّا، وَاللَّهِ إِنِّي لَا أُغْرِفُهُ وَأُغْرِفُ وَالِدَهُ، وَأَيْنَ هُوَ السَّاعَةُ مِنَ الْأَرْضِ، فَقُلْتُ: تَبْتَالُكَ سَائِرُ الْيَوْمِ۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ میں اور ابن صباد سمرج یا عمرے میں ساتھ ہو گئے، تو لوگ چلے گئے (لیکن) میں اور وہ پیچھے رہ گئے، جب میں اس کے ساتھ تیار رہ گیا، تو اس سے ڈر کی وجہ سے میرے روٹنے کھڑے ہو گئے، اور مجھے اس سے وحشت ہونے لگی، ان باتوں کی وجہ سے جو لوگ اس کے بارے میں کہتے تھے، جب میں (سواری سے) اترا (یعنی ایک جگہ ٹھہرا) تو اس سے کہا کہ تم اپنا سامان اس درخت کے نیچے رکھو، راوی کہتے ہیں: اتنے میں اس نے کچھ بکریاں دیکھیں تو پیالہ لے کر اس کے پاس گیا اور دودھ نکال لیا، پھر میرے پاس دودھ لے کر آیا، اور کہنے لگا اے ابوسعید: اسے پی لو، لیکن مجھے اس کے ہاتھ سے کوئی چیز پینے میں کراہت محسوس ہوئی، کیوں کہ لوگ اس کے بارے میں بہت کچھ کہتے تھے (یعنی یہ دجال ہے وغیرہ) لہذا میں نے اس سے کہہ دیا کہ آج گرم دن ہے، اس میں دودھ پینا میں پسند نہیں کرتا، ابن صباد نے کہا: اے ابوسعید: میں نے قصد کیا ہے کہ میں ایک رسی لے کر درخت سے باندھوں اور گلا گھونٹ کر مر جاؤں، ان باتوں سے تنگ آ کر جو لوگ میرے لئے اور میرے بارے میں کہتے ہیں، دیکھو تو: اگر میری حیثیت کسی اور پر پوشیدہ رہے، تو رہے، تم لوگوں پر تو پوشیدہ نہیں رہتی چاہیے، کیا تم لوگ رسول اللہ

ﷺ کی احادیث کو تمام لوگوں سے زیادہ نہیں جانتے؟ اے انصار کی جماعت، کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ دجال کافر ہوگا اور میں تو مسلمان ہوں، کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ ناقابل تولد ہوگا کہ اس کی اولاد نہ ہوگی، جب کہ میں نے اپنی اولاد مدینہ میں چھوڑی ہے، کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتا، جبکہ میں اہل مدینہ میں سے ہوں اور اس وقت تمہارے ساتھ مکہ مکرمہ جا رہا ہوں، ابوسعید فرماتے ہیں کہ اس نے اس قسم کی دلیلیں پیش کیں کہ میں سوچنے لگا، کہ شاید لوگ اس کے متعلق جھوٹی باتیں کہتے ہوں گے، پھر اس نے کہا اے ابوسعید: میں تمہیں ایک سچی خبر بتاتا ہوں کہ اللہ کی قسم: میں دجال اور اس کے والد کو جانتا ہوں، اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ اس وقت زمین کے کس خطے پر ہے، جب اس نے یہ بات کہی تو میں نے کہا: تجھ پر سارے دن کی ہلاکت ہو (کیوں کہ تو نے پھر معاملہ مشتبه کر دیا)۔

عن ابن عمر أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ بِابْنِ صَيَّادٍ فِي لَقَرٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، مِنْهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ يَلْعَبُ مَعَ الْوَلَدِ عِنْدَ أُمِّ بَنِي مَعْلَانَ وَهُوَ غَلَامٌ، فَلَمْ يَشْغُرْ حَتَّى ضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ظَهْرَهُ بِبِيَدِهِ، ثُمَّ قَالَ: أَتَشْهَدُ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ؟ فَتَنَزَّلَ إِلَيْهِ ابْنُ صَيَّادٍ، قَالَ: أَتَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ الْإِسْلَامِ؟ قَالَ: لَمْ يَقُلْ ابْنُ صَيَّادٍ لِلنَّبِيِّ ﷺ: أَتَشْهَدُ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: آمَنْتُ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَا يَأْتِيكَ؟ قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ: يَا نَبِيَّ صَادِقٌ وَكَاذِبٌ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: غُلِطَ عَلَيْكَ الْأَمْرُ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنِّي قَدْ غُبِثْتُ لَكَ غُبَيْبًا وَغُبَيْبًا لَهُ {يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ}۔ فَقَالَ ابْنُ صَيَّادٍ: هُوَ الدُّخَانُ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنْ يَكُ حَقًّا فَلَنْ تَغْدُرَ قَلْبُكَ۔ قَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ: ائْتِنِي لِي فَأَضْرِبَ غَقَقَهُ۔ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنْ يَكُ حَقًّا فَلَنْ تَسْلُطَ عَلَيْهِ، وَإِنْ لَا يَكُ فَلَا تَحْزِنُ لَكَ فِي قَلْبِكَ۔ قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ: يَغْنَى الدَّجَالُ۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے چند صحابہ کے ساتھ، جن میں حضرت عمر فاروق بھی تھے، ابن صیاد کے پاس سے گزرے، وہ بنو مغالہ کے قلعے کے پاس لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، وہ خود بھی ایک لڑکا تھا (بعض روایات میں ہے کہ وہ بالغ ہونے کے قریب یعنی مراہق تھا) اسے (ان سب حضرات کی آمد کا) احساس نہ ہوا (بلکہ وہ اپنی کھیل میں ہی مصروف رہا) یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا دست مبارک اس کی پشت پر مارا (تو اس وقت اسے احساس ہوا) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، ابن صیاد نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ امیوں کے یعنی ناخواندہ لوگوں کے رسول ہیں۔

راوی کہتے ہیں ابن صیاد نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لاتا ہوں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: تمہارے پاس کس قسم کی خبریں آتی ہیں؟ ابن صیاد نے کہا: میرے پاس صادق و کاذب یعنی سچی اور جھوٹی دونوں قسم کی خبریں آتی ہیں،

آپ ﷺ نے فرمایا: حیرے معاملے کو تجھ پہ خلط ملط کر دیا گیا ہے، پھر رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میں نے حیرے (احسان کے) لئے اپنے دل میں ایک بات چھپا رکھی ہے (لہذا تم بتاؤ کہ وہ کیا ہے؟) اور آپ ﷺ نے اس کے لئے یہ آیت یوم تاتى السماء بدخان مبين دل میں سوچی تھی، ابن صیاد نے کہا: وہ پوشیدہ بات ”دخ“ ہے، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: دھنکار ہونے پر تو اپنی قدر سے آگے ہرگز نہیں بڑھ سکے گا، حضرت عمر فاروق نے عرض کیا یا رسول اللہ: مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر ابن صیاد واقعی دجال ہو تو اس (کے قتل) پر تمہیں مسلط نہیں کیا جائے گا، اور اگر وہ دجال نہیں ہو تو اسے مارنے میں تمہارے لئے بھلائی نہیں ہے۔ عبد الرزاق کہتے ہیں کہ اس سے دجال ہی مراد ہے۔

عن أبي سعيد قال: لقي رسول الله ﷺ ابن صياد في بعض طرق المدينة، فاحتجبه وهو غلام يهودي، ولله ذؤابة، ومعه أبو بكر وعمر، فقال له رسول الله ﷺ: أئت هذا أتي رسول الله ﷺ؟ فقال: أئت هذا أتي رسول الله ﷺ؟ أئت هذا أتي رسول الله ﷺ؟ فقال له النبي ﷺ: ما ترى؟ قال: أرى غرساً فوق الماء. قال النبي ﷺ: يئزى غرس إبليس فوق النخيل، قال: ما ترى؟ قال: أرى صاعداً وكاذباً، أو صاعداً وكاذباً، قال النبي ﷺ: ليس عليه، قد عاف.

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ مدینہ طیبہ کے ایک راستہ میں، رسول اللہ ﷺ کی ملاقات ابن صیاد سے ہوئی تو آپ نے اسے روک لیا، وہ ایک یہودی لڑکا تھا، اس کے سر پر بالوں کی چوٹی تھی، نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکر اور عمر بھی تھے، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ کیا تو میری رسالت کی گواہی دیتا ہے، ابن صیاد نے کہا کہ کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں رسول اللہ ہوں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ، اس کی کتابوں، رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہوں، پھر آپ نے پوچھا کہ اچھا یہ بتا کہ تو کیا دیکھتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں ایک تخت کو پانی پر دیکھتا ہوں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ سمندر پر شیطان کا تخت دیکھ رہا ہے، پھر آپ ﷺ نے پوچھا اور کیا دیکھتا ہے؟ ابن صیاد نے کہا: ایک سچا اور دو جھوٹے یادو سچے اور ایک جھوٹا دیکھتا ہوں، حضور اکرم ﷺ نے (حضرت صدیق اکبر اور عمر فاروق سے مخاطب ہو کر) فرمایا: اس کے لئے صورتحال (یعنی کہانت) کو گڈ مڈ کر دیا گیا ہے، لہذا تم دونوں اسے چھوڑ دو۔

عن أبي بكر وعمر، قال رسول الله ﷺ: يَمُكُّ أَبُو الدَّجَالِ وَأُمَّهُ فَلَا يَبْنِي غَاماً، لَا يُولَدُ لَهُمَا وَلَدٌ، ثُمَّ يُولَدُ لَهُمَا غُلَامٌ أَغْوَرٌ، أَحْمَرُ حَشَى، وَأَقْلَهُ مَنَفَعَةً، تَنَامُ عَيْنَاهُ، وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ، ثُمَّ نَعَتْ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَبُو يَهُوذَا: أَبُو يَهُوذَا، حُزِبَ اللَّحْمُ، كَانَ أَفْهَ مَنَفَعَةٍ، وَأُمَّهُ امْرَأَةٌ فَوْضَا حَيْثُ، طَوِيلَةُ الْقَدَيْنِ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: فَسَمِعْتُ بِمَوْلُودٍ فِي الْيَهُودِ بِالْمَدِينَةِ، فَلَمَّحْتُ أَنَا وَالزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَبِي يَهُوذَا، إِذْ نَعَتْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

فِيهِمَا۔ فَلْتَا: هَلْ لَكُمَا وَلَدٌ؟ فَقَالَا: مَكَثْنَا ثَلَاثِينَ عَامًا، لَا يُولَدُ لَنَا، ثُمَّ وَلَدَ لَنَا غُلَامٌ أَغْوَزَ أَصْغَرُ شَيْئِي وَأَقْلَهُ مَنَفَعَةً، تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ، قَالَ: فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِمَا، لِإِذَا هُوَ مُنْجِدٌ فِي السَّمْسِ فِي قَطِيفَةٍ، وَلَهُ هَمَّهُمَّةٌ، فَكَشَفَ عَنْ رَأْسِهِ، فَقَالَ: مَا فُلْتُمَا؟ فَلْتَا: وَهَلْ سَوِغْتَ مَا فُلْتُمَا؟ قَالَ: نَعَمْ، تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي۔

حضرت ابوبکر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دجال کے والدین، تیس سال اس طرح گذاریں گے کہ ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوگی، پھر ان کے ہاں ایک کانالزکا پیدا ہوگا، جس کا ضرر زیادہ اور نفع کم ہوگا، اس کی دونوں آنکھیں تو سوئیں گی لیکن دل نہیں سوئے گا، پھر نبی کریم ﷺ نے اس کے والدین کا حلیہ بیان کیا، آپ نے فرمایا: اس کا باپ کافی لمبا، ترنگا اور دبلا، پتلا ہوگا، اور اس کی ناک مرغ کی چونچ کی طرح (لمبی اور پتلی) ہوگی، اور اس کی ماں خوب موٹی چوڑی اور لمبے لمبے پستان والی ہوگی، ابوبکر کہتے ہیں کہ پھر میں نے یہودیوں کے ہاں ایک (عجیب و غریب) بچے کی ولادت کا سنا، تو میں اور زبیر اسے دیکھنے کے لئے گئے، جب ہم اس لڑکے کے والدین کے پاس پہنچے، تو انہیں نبی کریم ﷺ کے بیان کردہ اوصاف کے مطابق پایا، ہم نے ان سے پوچھا: کیا تمہاری کوئی اولاد ہے؟ انہوں نے کہا: ہم تیس سال تک بے اولاد رہے، پھر ہمارے ہاں ایک کانالزکا پیدا ہوا، جس میں نفع کم اور ضرر زیادہ ہے، اس کی دونوں آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن اس کا دل نہیں سوتا، فرمایا: پھر ہم دونوں ان کے پاس بے نکلے، تو اچانک اس لڑکے پر نظر پڑ گئی، جو دھوپ میں چادر اوڑھے ہوئے پڑا تھا، اور وہ کچھ گنگنا رہا تھا (جو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، ہم نے وہاں کھڑے ہو کر آپس میں اس کے متعلق کوئی بات کہی یا کچھ اور کہا ہوگا) اس نے سر سے چادر ہٹا کر، ہم سے پوچھا کہ تم نے کیا کہا ہے؟ ہم نے (حیرت سے) کہا: کیا تو نے ہماری بات سن لی ہے؟ اس نے کہا کہ: ہاں، میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لما خلصت به: جب میں اس کے ساتھ اکیلا ہوا۔ اقصعورت منه: اس سے خوف کی وجہ سے میرے روٹنے کھڑے ہو گئے۔ استوحشت منه: مجھے اس سے وحشت ہونے لگی۔ استحلل: اس نے دودھ نکالا۔ فأوقعه: میں اس رسی کو (درخت سے) باندھ دوں۔ أختق: میں اپنا گلا گھونٹ دوں۔ عقيم: بانجھ پن، ناقابل تولد۔ فما زال يبعثني بهدا: وہ مسلسل اس قسم کی دلیلیں پیش کرتا رہا۔ لعله مكذوب عليه: شاید کہ لوگ اس کے بارے میں جھوٹ بول رہے ہیں۔ ثبنا لك: تمہاری ہلاکت اور تباہی ہو۔ أطم: (ہمزے اور طاء پر پیش) ہر وہ قلعہ، جو پتھر سے بنایا گیا ہو، اس کی جمع طام اور أطموم ہے۔ فلم يشعر: ابن صیاد کو احساس نہ ہوا، پتہ نہ چلا۔ خلط: (صیغہ مجہول) اس پر معاملہ خلط ملط اور مشتبہ کر دیا گیا کہ کبھی اس کے پاس صادق آتا ہے اور کبھی کاذب۔ قد خبأت: میں نے دل میں پوشیدہ رکھا ہے۔ دغ: دھواں۔ اخسأ: تجھے دھکار ہو، تو ذلیل ہو جا۔ قدرك: (قاف اور دال پر زبر کے ساتھ) اس کے دوستی ہیں: تقدیر اور مقدار، اب اس جملے (لن تعدو قدرك) کے معنی

یہ ہوں گے کہ تو ہرگز اللہ کی تقدیر سے یا اس مقدار سے تجاوز نہیں کر سکتا، جو عموماً کائنات کی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔ اللہ ن لی: مجھے اجازت دیجئے۔ لن تسلط علیہ: تجھے اس پر ہرگز مسلط نہیں کیا جائے گا۔ فاحتبسہ: اس کو روک لیا، پکڑ لیا۔ ذوابہ: بالوں کی لٹ، گیسو، چوٹی، ہرٹی کا بالائی حصہ۔ دعاء: یہ ”ودع“ سے امر کا تشبیہ کا صیغہ ہے، اس کی ضمیر حضرت ابو بکر اور عمر فاروق کی طرف لوٹ رہی ہے، آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ ابن صیاد کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ یمکث: بٹھہرے رہے۔ اضرشی و اقلہ منفعة: وہ ایسا لڑکا ہے، جس کا ضرر زیادہ اور نفع کم ہے۔ طوال: (طا پر پیش) مبالغہ کا صیغہ ہے، خوب لمبا ترنگا۔ ضرب اللحم: وہ ہلکے گوشت والا یعنی دبلا اور پتلا۔ منقار: چونچ۔ فرضاغیہ: (فا کے نیچے زیر) بہت زیادہ موٹی۔ طویلۃ الشدین: لمبے لمبے پستانوں والی۔ فاذا نعت رسول اللہ فیہما: اس کے والدین انہی صفات کے مطابق تھے، جو رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں ذکر فرمائے تھے۔ منجدل فی الشمس: دھوپ میں زمین پر پڑا ہوا تھا۔ قطیفہ: چادر۔ ہمہما: بڑبڑاہٹ، منہ ہی منہ میں کچھ کہنا جو سمجھنا نہ جاسکے، گلے میں پھنس کر نکلنے والی آواز، گنگناہٹ۔ فکشف عن رأسہ: اس نے اپنے سر سے چادر ہٹائی۔

ابن صیاد کی حقیقت

ابن صیاد کا اصل نام ”صاف“ اور بعض نے ”عبداللہ“ کہا ہے، وہ ایک یہودی تھا، جو مدینہ منورہ کا باشندہ تھا، یا کسی اور جگہ سے آکر مدینہ کے یہودیوں میں شامل ہو گیا تھا، ابن صیاد جادوگری اور کہانت میں بہت ماہر تھا، اسی وجہ سے اس کی شخصیت بڑی پر اسرار بن کر رہ گئی تھی، اس کی بعض صفات اور کچھ حرکتیں دجال کے مشابہ تھیں، اس لئے صحابہ کرام کے ہاں بھی اس کی حیثیت کی تعیین میں قدرے اختلاف تھا، بعض حضرات کی رائے یہ تھی کہ یہ وہی دجال ہے، جو دنیا میں آنے کے بعد لوگوں کو گمراہ کرے گا، حضرت عمر فاروق اس پر قسم بھی کھاتے تھے، لیکن اکثر صحابہ کا کہنا یہ تھا کہ یہ وہ اصل دجال نہیں، جو قرب قیامت میں ظاہر ہوگا، بلکہ یہ ان چھوٹے دجالوں میں سے ایک دجال ضرور ہے، جو مختلف زمانوں میں پیدا ہوتے رہیں گے، جس سے اسلام اور مسلمانوں کو بہت نقصان پہونچے گا، دلیل میں یہ فرماتے ہیں کہ ابن صیاد ابتداء میں، اگرچہ کافر و کافرن تھا، لیکن آخر میں مسلمان ہو گیا تھا، پھر اس نے حج بھی کیا، جہاد میں شریک ہوا، اس کی اولاد ہوئی، اور حرمین میں رہا کرتا تھا، جب کہ دجال کافر ہوگا، کفر کی حالت میں ہی قتل ہوگا، اس کی اولاد نہیں ہوگی اور مکہ و مدینہ میں اس کا داخلہ تک ممنوع ہوگا۔

ابتداء میں نبی کریم ﷺ پر بھی اس کے بارے میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی، اس لئے آپ نے بھی اس کی اصل حیثیت کے بارے میں کوئی واضح ارشاد نہیں فرمایا تھا، بلکہ آپ ﷺ ابن صیاد کو ہی دجال سمجھتے تھے اس گمان پر کہ شاید دجال کی ولادت میرے زمانے میں ہو لیکن اس کا خروج قرب قیامت میں ہوگا، بعد میں وحی کے ذریعہ آپ کو یہ بتادیا گیا کہ یہ اصل دجال نہیں ہے، جو آخری زمانے میں آئے گا، ہاں ابن صیاد کے والدین اور اصل دجال کے والدین کی صفات اتفاقاً ایک ہی طرح ہیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ والدین کی صفات ایک ہونے سے، اولاد کا ایک ہی طرح کا ہونا لازم نہیں آتا، اور حضرت عمر فاروق نے بھی

قسم اس وقت کھائی تھی جب تک اصل دجال کے بارے میں تفصیلی حالات سامنے نہیں آئے تھے، جب اصل صورتحال واضح ہو گئی، تو پھر صحابہ کرام کے درمیان کوئی بات پوشیدہ نہ رہی۔

حضرت عمر فاروق اور حضرت جابر سے جو یہ قسم منقول ہے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے، اس کے بارے میں شارحین نے دو باتیں ذکر کی ہیں:

☆ ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ قسم اس وقت کھائی ہو جب انہوں نے تمیم داری والی حدیث نہ سنی ہو کہ جس میں ابن صیاد کا نہیں بلکہ حقیقی مسیح الدجال کا تفصیلی ذکر ہے۔ (۱)

☆ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی اس قسم سے مراد یہ ہو کہ ابن صیاد بھی دجالوں میں سے ایک دجال ہے، قرب قیامت میں جس دجال نے آنا ہے، وہ مراد نہ ہو اور حضرت جابر نے حضور ﷺ کے سامنے جب حضرت عمرؓ کی قسم کو سنا اور یہ کہ آپ نے اس پر کوئی نکیر بھی نہیں فرمائی تو حضرت جابر نے یہ سمجھا کہ یہ ابن صیاد ہی وہ دجال ہے جو قرب قیامت میں ظاہر ہوگا اور پھر انہوں نے بھی قسم کے ساتھ یہ بیان کر دیا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے، حالانکہ حضرت عمرؓ کی یہ مراد نہیں تھی۔ واللہ اعلم۔ (۲)

سوال یہ ہے کہ ابن صیاد نے نبوت کا دعویٰ کیا، اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے اسے قتل نہیں کرایا، بلکہ مدینہ میں ہی وہ رہتا تھا، اس کی کیا وجہ ہے؟ شارحین حدیث نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

(۱) قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ وہ نابالغ تھا، اس لئے اسے قتل نہیں کرایا۔

(۲) علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں چونکہ یہودیوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ تھا، اور ابن صیاد بھی انہی میں سے تھا، یا ان میں شامل ہو گیا تھا، اس وجہ سے ابن صیاد کو قتل نہیں کرایا گیا۔

یائینی صادق و کاذب، میرے پاس سچی اور جھوٹی دونوں قسم کی خبریں آتی ہیں، کاہنوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ شیطان ان کے پاس دونوں طرح کی باتیں لاتا ہے۔

انشہد انک رسول الامیین آپ ﷺ تو عرب و عجم سب ہی کے رسول ہیں، ابن صیاد نے صرف ”امیین“ کی تخصیص کر کے یہودیوں کے عقیدے کی طرف اشارہ کیا، جو یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ صرف امیوں کے رسول ہیں، اور ابن صیاد چونکہ یہودی تھا، اس لئے اس نے یہ غلط بات کہی۔

لقال النبی ﷺ امنت باللہ ورسله

سوال یہ ہے کہ ابن صیاد نے نبی کریم ﷺ سے جب کہا انشہد انی رسول اللہ تو آپ ﷺ نے اس کی بات کو رد کیوں نہیں فرمایا، حالانکہ وہ اپنے رسول ہونے کی شہادت طلب کر رہا تھا، آپ نے فرمایا: امنت باللہ ورسله...؟ شارحین حدیث نے

(۱) فتح الباری ۴/۳۱۳ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب من رأى ترک النکیر من النبی ﷺ حجة

(۲) تکملة فتح للہم ۳۵۲/۶ کتاب الفتن، باب ذکر ابن صیاد

اس کے دو جواب دیئے ہیں:

(۱) آپ نے اس جملہ میں اس پر ضمناً رد فرمایا، معنی یہ ہیں کہ میں تو اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان لاتا ہوں، اور تو چونکہ ان میں سے نہیں ہے، اس لئے میں تم پر ایمان نہیں لاتا۔ (۱)

(۲) بعض محققین فرماتے ہیں کہ ابن صیاد نے اپنی اس بات میں نبوت کے دعویٰ کی تصریح نہیں کی بلکہ سوالیہ انداز میں آپ سے پوچھا ہے، کہ کیا آپ میری رسالت کی شہادت دیتے ہیں، لہذا ہو سکتا ہے کہ اس نے ازراہ مذاق پورے سوال کو لوٹا دیا ہو، رسالت کا دعویٰ مقصود نہ ہو، اس لئے نبی کریم ﷺ نے بڑے احتیاط سے جواب دیا اور صراحتاً اس کی بات کو رد نہیں فرمایا۔ (۲)

فَقَالَ ابْنُ صِيَادٍ: هُوَ الدَّخ

ابن صیاد کو یہ کیسے پتہ چلا کہ نبی کریم ﷺ کے دل میں آیت دخان ہے، اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ آیت دل میں پڑھی ہو، جس سے اس نے اسے سن لیا، یا آپ نے صحابہ کرام کو بتائی ہو، اور اس نے سن لی ہو۔

(۲) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آسمان پر اس آیت کا تذکرہ ہوا ہو، اور شہاب ثاقب سے پہلے ہی شیطان نے لفظ ”دخ“ چوری کر لیا ہو، پھر یہ ناقص لفظ ابن صیاد کے دل پر القا کر دیا ہو، اس لئے اس نے جواب میں ”دخ“ کہا ہے۔

تمام عیناہ ولا ینام قلبہ، دجال اور ابن صیاد کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن اس کا دل نہیں سوتا، یہ صفت نبی کریم ﷺ کی بھی ہے مگر دونوں کی کیفیت میں فرق ہے، نبی کریم ﷺ کا دل نیک افکار، وحی اور الہام میں مشغول رہتا تھا، جب کہ ابن صیاد اور دجال کا دل کثرت وسواس، تخیلات، شرارتوں اور طرح طرح کے فتنوں میں مشغول ہوگا۔ (۳)

بَاب

عن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: مَا عَلَى الْأَرْضِ نَفْسٌ مِّنْفَوْسَةٍ يَغْنِي الْيَوْمَ يَأْتِي عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آج کے دن زمین پر جو نفس بھی موجود ہے، اس پر سو سال نہیں گزریں گے (یعنی اس مدت کے اندر اندر ضرور مر جائے گا)

عن عبد الله بن غمر قال: صَلَّى بِنَا رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ صَلَاةَ الْعِشَاءِ فِي آخِرِ حَيَاتِهِ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ فَقَالَ: أَرَأَيْتُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ عَلَى رَأْسِ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ قَالَ ابْنُ غَمَرٍ: فَوَهْلُ النَّاسِ لِمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ الْأَخَادِيثُ نَحْوُ مِائَةِ سَنَةٍ وَإِنَّمَا قَالَ

(۱) الكوكب الدرۃ ۱۷۵/۳، تحفة الاحوذی ۱۵/۶ قدیمی

(۲) تکملة فتح اللہ، کتاب الفتن، باب ذکر ابن صیاد، ۳۲۵/۶

(۳) تحفة الاحوذی ۳۲۹/۶، تکملة ۳۲۳/۶

رسول اللہ ﷺ: لَا يَنْفَقِي مَعَنَ هَؤُلَاءِ يَوْمَ ظَهَرَ الْأَرْضُ أَحَدٌ يُرِيدُ بِذَاكَ أَنْ يَنْخَرِمَ ذَلِكَ الْقَرْنُ۔
حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں، ہمیں نماز عشاء پڑھائی، سلام پھیرنے کے بعد آپ کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ جو لوگ آج کی اس رات میں زمین پر زندہ ہیں، ان میں سے کوئی بھی سو سال کے بعد زندہ نہیں رہے گا، ابن عمر فرماتے ہیں لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی اس بات کے سمجھنے میں غلطی کی، جو وہ اس قسم کی احادیث میں سو سال کے بارے میں بیان کرتے (یعنی لوگوں نے ان سے یہ سمجھا کہ سو سال کے بعد قیامت آجائے گی) حالانکہ آپ ﷺ کے ارشاد کے معنی یہ ہیں کہ سو سال کے بعد اس صدی کے لوگ ختم ہو جائیں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ نفس منقوسہ: وہ نفس جو پیدا ہو چکا ہے۔ اُرابتکم: کیا تمہیں معلوم ہے، کیا تمہیں پتہ ہے۔ وہل: (ہاء پر زبر کے ساتھ) غلطی کی۔ ینخرم: ختم ہو جائے گا۔

حیات خضر کا مسئلہ

اس باب کی احادیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس وقت روئے زمین پر موجود ہے، وہ سو سال کے اندر ضرور مر جائے گا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ سو سال کے بعد قیامت آجائے گی، اسی وہم کا ازالہ دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر نے کیا ہے، چنانچہ آپ کے اس ارشاد کے ٹھیک سو سال کے بعد آخری صحابی حضرت ابوالطفیل عامر بن واصلہ ایک قول کے مطابق سن ۱۱۰ ہجری میں فوت ہوئے ہیں،

کیا نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد میں حضرت خضر علیہ السلام بھی داخل ہیں یا نہیں، وہ زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں؟ اس مسئلے میں اہل علم کا اختلاف ہے،

امام بخاری وغیرہ کے نزدیک حضرت خضر وفات پا چکے ہیں، ان کا استدلال مندرجہ ذیل امور سے ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد، ہم نے کسی انسان کے لئے خلد نہیں بنایا یعنی ایسا نہیں ہے کہ کوئی ہمیشہ باقی رہے۔

(۲) حدیث باب

(۳) عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اگر حضرت خضر زندہ ہوتے، تو ضرور حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لاتے، اور آپ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے۔

جمہور اہل سنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں، ان کا استدلال درج ذیل احادیث اور واقعات سے ہے:

(۱)..... وہ تمام روایات، واقعات اور مشاہدات جن سے حضرت خضر سے ملاقات معلوم ہوتی ہے، یا جن سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۲) ابن عبیدہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ کوئی چل رہا ہے، پوچھنے پر پتہ چلا کہ وہ حضرت خضر ہیں، جو اس بات کی بشارت دینے آئے تھے، کہ عمر بن عبدالعزیز عدل و انصاف کے ساتھ نظام حکومت چلائیں گے۔
جمہور علماء امام بخاری کے دلائل کا جواب یہ دیتے ہیں:

(۱) آیت میں ”خلد“ یعنی ہمیشہ رہنے کی نفی ہے، طویل عمر اس میں داخل نہیں، اور حضرت خضر کے لئے خلد نہیں بلکہ ان کے لئے طویل عمر کا ذکر ہے۔

(۲) اس حدیث سے اس صدی کے لوگوں کا خاتمہ مراد ہے۔

(۳) تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر ایمان لانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضری ضروری نہیں۔
حاصل یہ ہے کہ قرآن و سنت کی کسی قطعی دلیل سے نہ تو حضرت خضر کی حیات ثابت ہے اور نہ ہی وفات، اور یہ مسئلہ چونکہ عقیدے سے متعلق نہیں ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس کے بارے میں سکوت اور خاموشی اختیار کی جائے۔ (۱)

”ما علی الارض...“ زمین کی قید سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور شیطان نکل جاتے ہیں، کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر ہیں اور شیطان کا تخت پانی پر ہوتا ہے، اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت خضر بھی اس قید سے نکل جاتے ہیں، کیوں کہ وہ بھی اس وقت زمین پر نہیں تھے، بلکہ پانی پر تھے۔ (۲)

بَاب مَا جَاءَ فِي التَّنْهِي عَنْ سَبِّ الرِّيَاحِ

یہ باب ہواؤں کو برا بھلا کہنے کی ممانعت کے بارے میں ہے

عن أبي بن كعب قال: قال رسول الله ﷺ: لَا تَسُبُّوا الرِّيحَ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ مَا تَكْرَهُونَ، فَقُولُوا: اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هَذِهِ الرِّيحِ وَخَيْرِ مَا فِيهَا وَخَيْرِ مَا أَمْرَتْ بِهِ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هَذِهِ الرِّيحِ وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أَمْرَتْ بِهِ۔

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ہوا کو برا بھلا مت کہو، جب تمہیں ایسی ہوا محسوس ہو جو تمہیں ناگوار ہو، تو یوں کہو: اے اللہ ہم آپ سے سوال کرتے ہیں اس ہوا کی بہتری اور اس چیز کی بہتری جو اس میں ہے اور اس چیز کی خیر، جس کا اسے حکم دیا گیا ہے اور ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں، اس ہوا کے شر سے اور اس چیز کے

(۱) تکملة فتح للملهم، کتاب الفضائل، باب فضائل خضر علیہ السلام، ۴۰۶، تحفة الاحوذی ۳۳۳/۶

(۲) تحفة الاحوذی ۳۳۲/۶

شر سے، جو اس ہوا میں ہے اور اس بات کے شر سے، جس کا اسے حکم دیا گیا ہے۔

ہوا کو برا بھلا مت کہا جائے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر تیز و تند، سرد، گرم، فصلوں کو تباہ و برباد اور نقصان پہنچانے والی طوفانی ہوا میں چلیں تو انہیں برا بھلا مت کہا جائے، یہ ہوا میں بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، انہیں جیسے حکم ہوتا ہے، اسی طرح چلتی ہیں، ایسے موقع پر یہ مسنون دعا پڑھی جائے، جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

بَاب

عن فاطمة بنت قيس: أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ صَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَضَحِكَ، فَقَالَ: إِنَّ تَبِيْعًا الدَّارِيَّ حَدَّثَنِي بِحَدِيثٍ،
فَقَرِخْتُ، فَأَخْبَيْتُ أَنْ أَحْذِثَكُمْ بِهِ، أَنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ فَلَسْطَيْنِ زَكِيُوا اسْتَفِينَةُ فِي الْبُخَيْرِ، فَجَالَتْ بِهِمْ حَتَّى
قَدَفْتُهُمْ فِي جَزِيْرَةٍ مِنْ جَزَائِرِ الْبُخَيْرِ، فَإِذَا هُمْ بِدَابَّةٍ، ثَبَاسَةٍ، نَاشِرَةٍ شَعْرَهَا، فَقَالُوا: مَا أَنْتِ؟ قَالَتْ: أَنَا
الْحَسَّاسَةُ. قَالُوا: فَأَخْبِرِينَا. قَالَتْ: لَا أَخْبِرُكُمْ وَلَا أَسْتَخْبِرُكُمْ، وَلَكِنْ ائْتُوا أَقْصَى الْقَرْيَةِ فَإِنَّ لَكُمْ مَنْ
يُخْبِرُكُمْ وَيَسْتَخْبِرُكُمْ، فَاتَيْنَا أَقْصَى الْقَرْيَةِ فَإِذَا رَجُلٌ مُوَلَّقٌ بِسِلْسِلَةٍ فَقَالَ: أَخْبِرُونِي عَنْ عَيْنِ رُغْرٍ؟
قُلْنَا: مَا لِي تَدْفُقُ. قَالَ: أَخْبِرُونِي عَنِ الْبُخَيْرَةِ؟ قُلْنَا: مَا لِي تَدْفُقُ. قَالَ: أَخْبِرُونِي عَنْ نَعْلِ بَيْسَانَ الَّذِي
بَيْنَ الْأَرْدَنِ وَفَلَسْطَيْنِ، هَلْ أَطْعَمَ؟ قُلْنَا: نَعَمْ. قَالَ: أَخْبِرُونِي عَنِ النَّبِيِّ، هَلْ بُعِثَ؟ قُلْنَا: نَعَمْ. قَالَ:
أَخْبِرُونِي كَيْفَ النَّاسُ إِلَيْهِ؟ قُلْنَا: سِرَاحٌ. قَالَ: فَتَزِي نَزْوَةً حَتَّى كَادَ قُلْنَا: فَمَا أَنْتِ؟ قَالَتْ: أَنَا الدَّجَالُ وَإِنَّهُ
يَدْخُلُ الْأَمْصَارَ كُلَّهَا، إِلَّا طَبِيعَةَ وَطَنِيَّةَ الْمَدِينَةِ.

فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ منبر پر چڑھے اور مسکرا کر فرمایا کہ تمہیں داری نے مجھ سے ایک
قصہ بیان کیا ہے، جس سے میں بہت خوش ہوا، میں چاہتا ہوں کہ تمہیں بھی وہ بتا دوں (وہ واقعہ یہ ہے کہ) کچھ فلسطینی
لوگ سمندر میں ایک کشتی پر سوار ہوئے، وہ کشتی اگلے کرگشت کرتی رہی یہاں تک کہ اس نے انہیں سمندر کے
جزیروں میں سے ایک جزیرے تک پہنچا دیا، تو اچانک انہوں نے ایک جانور یعنی ایک عورت دیکھی، جو بہت زیادہ
لباس والی یعنی بہت زیادہ بالوں والی تھی اور وہ بال بھی بکھرے ہوئے تھے، انہوں نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اس
نے کہا: میں جساسہ ہوں، انہوں نے اس سے کہا کہ تم اپنے بارے میں ہمیں بتاؤ (کہ تم کیا ہو)؟ وہ کہنے لگی نہ میں
تمہیں کچھ بتاتی ہوں اور نہ ہی پوچھتی ہوں، ہاں تم لوگ بستی کے کنارے پر چلے جاؤ، وہاں پر ایک ایسا شخص ہے، جو
تمہیں بتائے گا بھی، اور تم سے پوچھے گا بھی، چنانچہ ہم لوگ بستی کے کنارے پر گئے، تو دیکھا کہ ایک شخص ہے جو

زنخیروں میں باندھا ہوا ہے، اس نے پوچھا کہ تم لوگ مجھے چشمہ زغر کے بارے میں بتاؤ؟ ہم نے کہا: وہ پانی سے بھرا ہوا ہے اور اس سے پانی چھلک رہا ہے، پھر اس نے پوچھا کہ: بحیرہ طبریہ کے بارے میں بتاؤ؟ ہم نے کہا: وہ بھی بھرا ہوا ہے اور جوش مار رہا ہے، پھر اس نے پوچھا: بیسان کے نخلستان کے بارے میں، جو اردن اور فلسطین کے درمیان واقع ہے، کہ کیا وہ پھل دیتا ہے؟ ہم نے کہا: جی ہاں پھر اس نے پوچھا کہ: تم مجھے نبی آخر الزمان کے بارے میں بتاؤ کہ کیا وہ مبعوث ہو چکے ہیں؟ ہم نے کہا ہاں، کہنے لگا مجھے بتاؤ کہ لوگوں کا میلان اس کی طرف کیا ہے؟ ہم نے کہا بہت تیزی سے لوگ اس کی طرف جا رہے ہیں (یعنی ایمان قبول کر رہے ہیں) راوی کہتے ہیں پھر وہ کود پڑا، قریب تھا کہ زنخیروں سے نکل جائے ہم نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ کہنے لگا میں دجال ہوں، اور دجال، طیبہ کے علاوہ تمام شہروں میں داخل ہوگا، اور طیبہ سے مراد مدینہ منورہ ہے۔

مشکل الفاظ کی وضاحت :-۔ حالت بہم: وہ کشتی سواروں کو لے کر گھومتی رہی، گشت کرتی رہی، کیوں کہ وہ بمنور میں پھنس گئی تھی۔ قد فہم: اس نے ان کو ڈال دیا، پہونچا دیا۔ لباسۃ: مبالغہ کا صیغہ ہے، زیادہ لباس والی، اس سے زیادہ بالوں سے کنایہ ہے۔ ناشرة شعرها: اس کے بال منتشر اور بکھرے ہوئے تھے یہ ”لباسۃ“ کا بیان ہے۔ جساسة: دجال کی جاسوس۔ لا اخبرکم: میں تم کو کوئی خبر نہیں دوں گی۔ ولا استغبرکم: اور نہ تم سے میں کچھ پوچھوں گی۔ اقصی: کنارہ، طرف۔ موثق بسلسلة: زنخیروں سے جکڑا ہوا۔ ملائی: پانی سے بھرا ہوا۔ تدفق: (قا پر پیش) پانی خوب بہا رہا ہے، اس کا پانی چھلک رہا ہے۔ زغر: (زا پر پیش اور فین پر زبر) ملک شام کا ایک شہر ہے۔ بیسان: (باء پر زبر اور یا ساکن) ملک شام کا ایک شہر ہے۔ هل اطعم: کیا وہ پھل دیتا ہے۔ سواع: سوبیع کی جمع ہے، بہت تیزی سے لوگ نبی پر ایمان لا رہے ہیں۔ نزی: وہ اچھلا، کود پڑا۔ حتی کاد: قریب تھا کہ وہ زنخیروں سے نکل جائے۔

جساسة کا ذکر

اس حدیث میں ”دابہ“ کا لفظ ہے، اور ابو داؤد کی روایت میں ”امراۃ“ کا لفظ ہے، ہو سکتا ہے کہ دجال کے دونوں ہی جاسوس ہوں ایک جانور اور دوسری عورت، اور بعض نے کہا ہے کہ دابہ سے بھی عورت ہی مراد ہے۔ دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ دجال اس وقت بھی موجود ہے، جو سمندر کے کسی جزیرے میں زنخیروں سے جکڑا ہوا ہے، جب حضرت قیوم داری اس کے سامنے ہوئے، تو اس نے چند سوالات کئے، جواب سن کر قریب تھا کہ وہ زنخیروں سے باہر آ جائے، صحیح مسلم کی روایت میں نبی کریم ﷺ نے تصریح فرمادی ہے کہ وہ دجال ہے، اور حدیث باب میں بھی آپ نے قیوم داری کی تائید فرمائی ہے۔ (۱)

(۱) تحفة الاحوذی ۴۳۷/۶، تکملة فتح اللہم، کتاب الفتن، باب قصة الجساسة: ۱۳۶/۶، الکوکب الدرۃ ۱۷۸/۳

حضرت تمیم داری

نام: تمیم بن اوس ابورقیداری، سن ۹ھ میں مسلمان ہوئے ہیں، اسلام سے پہلے اہل فلسطین کے راہب اور عبادت گزار تھے، مدینہ میں آگئے تو آپ ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے، آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ مسجد میں سب سے پہلے چراغ جلایا ہے، حضرت عثمان کی شہادت کے بعد شام منتقل ہو گئے تھے، بقیہ زندگی وہیں پر گزاری، راتوں میں جاگ کر عبادت کرنے میں معروف و مشہور تھے، ایک دفعہ ساری رات نماز تہجد میں یہ آیت پڑھتے رہے اہم حسب الذین اجترحوا السیئات... بالآخر علم و عمل کا یہ چراغ بھی فلسطین کے شہر ”بیت جبرین“ میں غروب ہو گیا۔^(۱)

باب

عن خذيفة قال: قال رسول الله ﷺ: لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَذُلَّ نَفْسَهُ، قَالُوا: وَ كَيْفَ يَذُلُّ نَفْسَهُ؟ قَالَ: يَتَعَوَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا يَطِيقُ۔

حضرت خذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مومن کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل کرے، صحابہ نے عرض کیا کہ کوئی شخص اپنے نفس کو کس طرح ذلیل کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے آپ کو ایسی مصیبت میں ڈال دے، جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔

تشریح:- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اسی کام میں ہاتھ ڈالنا چاہیے، جسے کرنے کی اس میں ہمت ہو، اپنی طاقت سے بڑھ کر کوئی کام کرنا جائز نہیں۔

باب

عن أنس بن مالك عن النبي ﷺ قال: انْصُرْ أَتْحَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا۔ قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: نَصْرُ ظَالِمٍ مَظْلُومًا، فَكَيْفَ أَنْصُرُهُ ظَالِمًا؟ قَالَ: تَكْفُهُ عَنِ الظُّلْمِ، فَمَا أَكْ نَصْرُكَ إِيَّاهُ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے بھائی کی مدد و نصرت کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، عرض کیا گیا یا رسول اللہ: مظلوم کی تو میں مدد کر سکتا ہوں، ظالم کی مدد کیسے کروں؟ آپ نے فرمایا: تم اسے ظلم و زیادتی کرنے سے روک دو، پس تمہاری طرف سے یہی اس کی مدد ہوگی۔

بَاب

عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال: مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا، وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ، وَمَنْ أَتَى أَبْوَابَ السُّلْطَانِ الْفِتْنَيْنِ۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جنگل یعنی دیہات میں رہے، تو وہ سخت دل اور بدخلق ہو جاتا ہے، اور جو شخص شکار کا پیچھا کرے، وہ غافل ہو جاتا ہے، اور جو حکم کے دروازوں پر جائے، تو وہ فتنوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

عن عبد اللہ بن مسعود قال: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّكُمْ مَنْصُوزُونَ وَمُصَيَّبُونَ وَمَفْتُوحٌ لَكُمْ، فَمَنْ أَدْرَكَ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ، فَلْيَتَّقِ اللَّهَ، وَلْيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ، وَلْيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَمَنْ يَكْذِبْ عَلَىٰ مَتَعَمَدًا، فَلْيَنْتَبِذْ أَمَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک تم لوگ مدد کئے جاؤ گے، اور تم لوگ مال و دولت اور غنیمتوں کو حاصل کرو گے، اور تمہارے لئے بہت سے شہر فتح ہوں گے اور تم میں سے جو شخص مذکورہ چیزوں میں سے کوئی پالے، تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ سے ڈرے، نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرے، اور جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے (یعنی جھوٹی بات میری طرف منسوب کرے) تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ البادیۃ: جنگل، گاؤں، بستی۔ جفا: بے رحم، سخت دل اور بدخلق ہو جاتا ہے۔ الفتن: (مجهول کا مینہ ہے) فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مصیبون: مال و دولت اور غنیمتیں حاصل کر دے۔ من أدرك: جو شخص پالے۔

جہالت وغفلت وغیرہ کے اسباب

باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین چیزیں ارشاد فرمائی ہیں:

(۱) جو شخص گاؤں، دیہات میں مستقل رہائش اختیار کر لے، دینی پروگراموں اور مجلسوں میں حاضر نہ ہوتا ہو، تو وہ بے رحم، بد اخلاق اور سخت مزاج ہو جاتا ہے، اس لئے اس طرح کی صورت حال میں آدمی کو دینی تعلیم اور نیک لوگوں اور اچھی محفلوں میں ضرور شرکت کرتے رہنا چاہیے۔

(۲) جو شخص شکار کا خوگر ہو جائے، اسی میں محو اور منہمک ہو جائے تو وہ غفلت کا شکار ہو جاتا ہے، نماز باجماعت میں سستی، عبادات میں لاپرواہی اور بہت سی خرافات پیدا ہو جاتی ہیں، اس لئے اگر شکار کرنا ہی ہے، تو شرعی حدود کا ضرور لحاظ رکھا جائے۔

(۳) جو شخص حکمرانوں کے دروازے پر جائے گا، تو وہ ضرور فتنے میں مبتلا ہو جائے گا، کیوں کہ اگر وہ اسے خلاف شرع امور پر

روک ٹوک کرے گا، تو دنیاوی اعتبار سے اس کے لئے خطرات پیدا ہو جائیں گے، اور اگر روک ٹوک نہ کرے بلکہ مدافعت کرے، تو اخروی اعتبار سے اس کے لئے نقصان دہ ہے، تاہم جو شخص مدافعت نہ کرے بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے، تو یہ سب سے بڑا جہاد ہے۔

دوسری حدیث میں اسلامی فتوحات کا ذکر ہے اور یہ حکم ہے کہ مسلمانوں کو تقویٰ کی زندگی گزارنی چاہیے اور دوسروں کو نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرتے رہیں، اور کبھی بھی کوئی شخص حضور ﷺ کی طرف قصداً جھوٹی بات منسوب نہ کرے، کیونکہ ایسے شخص کا انجام جہنم ہے۔ (۱)

باب

عن خذیفۃ قال: قال عمر: أياكم يحفظ ما قال رسول الله ﷺ في الفتن؟ فقال خذیفۃ: أنا۔ قال خذیفۃ: ففتنة الرجل في أهله وماله وولده وجاره فكفرها الصلاة والصوم والصدقة والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر۔ قال عمر: لست عن هذا أسألك، ولكن عن الفتنة التي تموج كتموج البحر۔ قال يا أمير المؤمنين: إن بينك وبينها باباً مغلقاً۔ قال عمر: أيفتح أم يكتسز؟ قال: بل يكتسز، قال: إذن لا يغلق إلى يوم القيامة۔

قال أبو وائل في حديث حماد: قللت لِمَسْرُوقٍ: سئل خذیفۃ عن "الباب"، فسأله، فقال: عمر۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق نے پوچھا کہ تم میں سے کون ہے، جس نے آپ سے فتنہ کے بارے میں حدیث زیادہ محفوظ کی ہو، حذیفہ نے عرض کیا: میں ہوں، پھر حضرت حذیفہ نے بیان کیا کہ آدمی کا فتنہ اس کے اہل، مال، اولاد اور پڑوسی میں ہو (یعنی اگر ان کے حقوق میں کوتاہی ہو جائے)، تو نماز، روزہ، صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کا کفارہ ہو جاتے ہیں، حضرت عمر نے فرمایا: میں اس فتنہ کے متعلق نہیں پوچھ رہا، میں تو اس فتنے کے بارے میں پوچھ رہا ہوں، جو سمندر کی موج کی طرح جوش مارے گا، متلاطم ہوگا، حضرت حذیفہ نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین: بے شک آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان ایک بند دروازہ حائل ہے، حضرت عمر نے فرمایا: کیا وہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ حذیفہ نے عرض کیا: بلکہ توڑا جائے گا، حضرت عمر نے فرمایا: پھر تو وہ دروازہ قیامت تک بند نہیں ہوگا۔

ابو وائل اپنی حدیث میں حماد کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ میں نے مسروق سے کہا کہ حذیفہ سے پوچھئے کہ وہ دروازہ کیا ہے؟ چنانچہ انہوں نے پوچھا، تو حضرت حذیفہ نے فرمایا: کہ وہ دروازہ عمر کی ذات ہے۔

ایک خاص فتنہ کا ذکر

اس حدیث میں ایک خاص فتنہ کا ذکر ہے، حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کون فتنہ ایسا ہے جو فتنہ سے متعلق احادیث کو زیادہ محفوظ رکھتا ہو، حضرت حذیفہؓ نے عرض کیا: میں زیادہ محفوظ رکھتا ہوں، پھر انہوں نے تفصیل بیان کی کہ آدمی مختلف قسم کے فتنوں میں مبتلا ہو سکتا ہے، اہل مال، اولاد اور پڑوسیوں کے فتنوں میں، اپنے اہل و عیال کے حقوق میں کوتاہی کرے، یا بعض کی طرف زیادہ میلان رکھے، یہ بھی فتنہ ہے، مال میں فتنہ یہ ہے کہ اس میں اس قدر زیادہ مشغول ہو جائے کہ عبادات کی ادائیگی بھی صحیح طریقے سے نہ ہو سکے، اور نہ ہی اسے صحیح طریقے سے خرچ کیا جائے۔

اولاد کا فتنہ یہ ہے کہ بعض کے ساتھ زیادہ لگاؤ رکھے، اور پڑوسیوں کا فتنہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ تعلقات صحیح نہ ہوں، حقوق کی ادائیگی صحیح طریقے سے نہ ہو، اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی فضا نہ ہو، ان فتنوں میں اگر ابتلا ہو جائے تو عبادات نماز، روزہ، صدقات، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ان کا کفارہ ہو جاتا ہے، بشرطیکہ یہ کوتاہیاں مغائرت کی حد تک ہوں، لیکن اگر یہ کوتاہیاں کبیرہ گناہوں کی حد تک پہنچ جائیں، تو پھر توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوں گی۔

حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: میں اس فتنہ کے بارے میں نہیں پوچھ رہا، بلکہ میری مراد وہ فتنہ ہے، جو سمندر کی موجوں کی طرح متلاطم ہوگا، حضرت حذیفہؓ نے عرض کیا کہ آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان ایک بند دروازہ حائل ہے، حضرت عمر فاروقؓ نے پوچھا کہ اسے کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا، حضرت حذیفہؓ نے عرض کیا، کہ اسے توڑا جائے گا، تب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر تو قیامت تک اسے بند نہیں کیا جاسکے گا، حضرت حذیفہؓ کے اس جواب میں حضرت عمرؓ کی شہادت کی طرف اشارہ تھا، کیونکہ اس دروازے سے حضرت عمر فاروقؓ مراد ہیں، معنی یہ ہیں کہ جب اس دروازے کو توڑ دیا جائے گا، تو پھر فتنوں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوگا، جو قیامت تک بند نہیں ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد اس امت میں قتل و غارت گری اور طرح طرح کے فتنے ایسے شروع ہوئے، جو تا قیامت چلتے رہیں گے۔

سوال یہ ہے کہ ایک دوسری حدیث میں اس چیز کی صراحت موجود ہے کہ وہ دروازہ حضرت عمرؓ ہی ہیں اور ان کے علم میں بھی یہ بات تھی تو پھر دوبارہ حضرت حذیفہؓ سے اس کا سوال کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اسے بھول گئے ہوں یا شدت خوف کی وجہ سے دوبارہ پوچھ لیا ہو۔

نکفوها الصلاة والصوم....، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تمام عبادات مجموعی طور پر سابقہ فتنہ کا کفارہ ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بالترتیب یہ کفارہ ہوں، اہل مال میں فتنہ کے لئے نماز، مال میں فتنہ کے لئے روزہ، اولاد کے فتنہ کے لئے امر بالمعروف اور پڑوسی کے فتنہ کے لئے نہی عن المنکر معافی کا ذریعہ ہوں۔ (۱)

بَاب

عن كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ: خَرَجَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَنَحْنُ ثَمَلَةٌ أَرْبَعَةٌ، أَخَذَ الْعَدَدَيْنِ مِنَ الْعَرَبِ وَالْأَنْحَزِ مِنَ الْعَجَمِ، فَقَالَ: اسْمَعُوا، هَلْ سَمِعْتُمْ أَنَّهُ سَيَكُونُ بَعْدِي أَمْرَاءُ، فَمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَصَدَّقَهُمْ بِكَلِبِهِمْ وَأَعَانَهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ، فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ، وَلَيْسَ بِوَارِدٍ عَلَى الْحَوْضِ وَمَنْ لَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يَغِيْبِهِمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ، وَلَمْ يَصِدِّقْهُمْ بِكَلِبِهِمْ، فَهُوَ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ، وَهُوَ وَارِدٌ عَلَى الْحَوْضِ۔

حضرت کعب بن عجرہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے، ہم نو آدمی تھے جن میں سے پانچ عربی اور چار عجمی یا اس کے برعکس، آپ ﷺ نے فرمایا: سنو: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرے بعد (خالم) حکمران آئیں گے، جو شخص ان کے پاس جائے گا، اور ان کے جھوٹ کی تصدیق اور ان کے ظلم پر مدد کرے گا، تو وہ مجھ سے نہیں، اور نہ میں اس سے ہوں (یعنی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں) اور نہ ہی وہ میرے حوض کوثر پر آئے گا، اور جو شخص ان حکام کے پاس نہ جائے، ان کے ظلم پر اعانت اور ان کے جھوٹ کی تصدیق نہ کرے، تو وہ مجھ سے ہے، اور میں اس سے ہوں اور وہ میرے حوض پر بھی آئے گا۔

عن أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ، الصَّابِرُونَ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِمُ كَالْقَابِضِي عَلَى الْجُمْرِ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ان میں اپنے دین پر ثابت قدم رہنے والا، اس شخص کی طرح تکلیف اور شدت میں ہوگا، جس نے اپنے ہاتھ میں انگارے پکڑے ہوں۔

تشریح:- ان احادیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) ناجائز امور میں کسی کا ساتھ نہ دیا جائے۔

(۲) فتنوں کے زمانے میں بھی دین پر ثابت قدم رہا جائے، اس سے اسے بلند درجات حاصل ہوں گے۔

بَاب

عن أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَقَفَ عَلَى نَاسٍ جُلُوسٍ فَقَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرٍ كُمْ مِنْ شَرِّكُمْ؟ قَالَ: فَسَكَتُوا، فَقَالَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَقَالَ رَجُلٌ: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ، أُخْبِرْنَا بِخَيْرٍ نَأْمَنُ شَرِّنَا؟ قَالَ: خَيْرُكُمْ مَنْ يُزَجِّحِي خَيْرُهُ وَيُؤْمِنُ شَرُّهُ، وَشَرُّكُمْ مَنْ لَا يُزَجِّحِي خَيْرُهُ وَلَا يُؤْمِنُ شَرُّهُ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ چند بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: کیا میں

تمہیں اچھے اور برے لوگوں کی خبر نہ دوں؟ راوی کہتے ہیں: سب صحابہ خاموش رہے تو آپ ﷺ نے یہی سوال تین مرتبہ دہرایا، تو ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ: ہمیں اچھے اور برے کے بارے میں ضرور بتا دیجئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جس سے خیر کی امید رکھی جائے اور اس کے شر سے لوگ مامون ہوں، اور تم میں سے برا وہ ہے جس سے خیر کی کوئی امید نہ ہو، اور نہ ہی لوگ اس کے شر سے محفوظ ہوں۔

اچھے اور برے کی پہچان

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اچھے اور برے کے درمیان فرق بیان فرمایا ہے کہ سب سے بہتر وہ شخص ہے جس سے لوگوں کو فائدہ ہو، اس سے خیر کی امید ہو، اور اسکی طرف سے شر اور تکلیف پہونچنے کا کوئی اندیشہ نہ ہو اور برا وہ شخص ہے جس سے نہ تو خیر کی کوئی امید ہو، اور لوگ اس کے شر سے بھی محفوظ نہ ہوں۔

بَابُ

عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: إِذَا مَشَتْ أُمَّتِي الْمُطِيعَةُ وَخَدَمَهَا أَبْنَاءُ الْمُلُوكِ أَبْنَاءُ فَارِسَ
وَالرُّومِ سَلَطَ شِرَارُهَا عَلَى خَيْرِهَا.

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب میری امت اکثر اکثر چلے گی اور بادشاہوں یعنی فارس و روم کی اولاد، ان کی خدمت کرے گی، تو ان کے نیک لوگوں پر، ان کے بدترین لوگ مسلط کر دیئے جائیں گے۔

عن أبي بكره قال: عَصَمَنِي اللهُ بِشَيْءٍ، سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، لَمَّا هَلَكَ كِشْرَى، قَالَ: مَنْ اسْتَخْلَفُوا؟ قَالُوا: ابْنَتُهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَنْ يَفْرَحَ قَوْمٌ وَلَوْ أَمْرَهُمْ أَمْرًا. قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْتُ عَائِشَةَ، بَغَى الْبَصْرَةَ، ذَكَرْتُ قَوْلَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَعَصَمَنِي اللهُ بِهِ.

حضرت ابوبکرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے (جنگ جمل میں شامل ہونے سے) اس حدیث کی وجہ سے بچا لیا، جسے میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا، کہ جب کسریٰ ہلاک ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا، کہ اس کا جانشین لوگوں نے کس کو بنایا ہے؟ تو صحابہ نے عرض کیا: اس کی بیٹی کو (خفیہ نامزد کیا ہے) تو آپ نے (اس وقت) فرمایا: ہرگز وہ قوم کامیاب نہیں ہو سکتی، جس نے اپنے معاملہ کا ذمہ دار، کسی عورت کو بنایا ہو، ابوبکرہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ بصرہ آئیں تو مجھے حضور ﷺ کا یہ ارشاد یاد آگیا، یوں اللہ تعالیٰ نے مجھے اصحاب جمل کی معیت سے بچا لیا۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخِيَارِ أَمْرِ الْكُفْرِ وَشِرَارِهِمْ: خِيَارُهُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَتَدْعُونَ لَهُمْ، وَتَدْعُونَ لَكُمْ، وَشِرَارُ أَمْرِ الْكُفْرِ الَّذِينَ يُبْغِضُونَكُمْ، وَيُبْغِضُونَ لَكُمْ، وَتَقْتُلُونَهُمْ

وَيَلْعَنُوا نَكْمًا.

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں تم لوگوں کے بہترین اور بدترین حکمران نہ بتاؤں؟ اچھے حاکم وہ ہیں، جن سے تم محبت کرو گے، اور وہ تم سے محبت کریں گے، تم ان کے لئے دعا کرو گے، اور وہ تمہارے لئے دعا کریں گے اور تمہارے برے حاکم وہ ہوں گے، جن سے تمہیں بغض ہوگا، اور وہ تم سے بغض رکھیں گے، تم ان پر لعنت بھیجو گے اور وہ تم پر لعنت بھیجیں گے۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّهُ سَيَكُونُ عَلَيْكُمْ أَيْمَةٌ تَغْرِ لُفُونَ وَتُنْكَزُونَ، فَمَنْ أَنْكَزَ فَقَدْ بَرِئَ، وَمَنْ كَوَّرَ فَقَدْ سَلِمَ، وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ، فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ: أَفَلَا تَقَاتِلُهُمْ؟ قَالَ: لَا، مَا صَلُّوا۔

ام سلمہ آپ ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: غنقریب تم پر ایسے حکمران آئیں گے، جنہیں تم (بعض اعمال کی وجہ سے) پسند بھی کرو گے، اور (بعض برے کاموں کی وجہ سے) ناپسند بھی کرو گے، لہذا جو شخص (اپنی زبان سے) ان کے برے اعمال کو برا سمجھے گا تو وہ (نفاق اور مدھمت سے) بری ہو جائے گا، اور جو شخص (صرف دل سے) ان کے برے کاموں کو برا سمجھے گا، تو وہ عذاب سے محفوظ رہے گا، لیکن جو شخص ان سے رضامندی ظاہر کرے گا اور ان کا ساتھ دے گا (تو وہ ہلاک ہوگا) پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ: کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ فرمایا: نہیں جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذَا كَانَتْ أُمْرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ، وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سَمْعَاءَكُمْ، وَأُمُوزُكُمْ شُورَى بَيْنِكُمْ، فَظَهَرَ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ بَطْنِهَا۔ وَإِذَا كَانَتْ أُمْرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ، وَأَغْنِيَاؤُكُمْ بَغْلَاءَكُمْ، وَأُمُوزُكُمْ إِلَى بَسَائِكُمْ، فَبَطْنُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے حکام اچھے لوگ ہوں، تمہارے مالدار سخی ہوں، اور تمہارے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوں، تو زمین کا ظاہر تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اس کے باطن سے، اور جب تمہارے حاکم شریر لوگ ہوں، تمہارے مالدار بخیل ہوں، اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو (ایسے میں) زمین کا نچلا حصہ تمہارے لئے زمین کے اوپر کے حصے سے زیادہ بہتر ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:- مطیطاء: (میم پر پیش اور طا پر زبر) اکثر، متکبر، انہ چال۔ سَلَطَ: (جہول کا صیغہ ہے) مسلط کر دیئے جائیں گے۔ مَنْ اسْتَخْلَفُوا: لوگوں نے کس کو خلیفہ بنایا۔ لَنْ يَفْلَحَ: ہرگز کامیاب نہیں ہوں گے۔ تَعْرِفُونَ: تم انہیں بعض کاموں کی وجہ سے اچھا سمجھو گے۔ تَنْكُرُونَ: برا سمجھو گے۔ سَمْعَاءَ: سمیع کی جمع ہے: سخی لوگ۔ عَصَمَنِي: اللہ نے مجھے بچایا، محفوظ رکھا۔

ایک معجزہ کا ذکر

باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے جو دشمن کوئی فرمائی تھی، وہ یقیناً اسی طرح ہوئی، چنانچہ جب فارس و روم کو مسلمانوں نے فتح کر لیا، مال و دولت کی فراوانی ہوئی اور بادشاہوں کی اولاد، ان کی خادم ہو گئی، تو شریعہ لوگ نیک لوگوں پر مسلط ہو گئے، چنانچہ حضرت عثمان کی شہادت کا واقعہ اور بنو امیہ کے مظالم بھی، اسی تسلط کی وجہ سے رونما ہوئے ہیں۔

کسری کی ہلاکت کا واقعہ

رسول اللہ ﷺ نے دعوت اسلام کا نامہ مبارک کسری پرویز کے پاس بھیجا، اس نے وہ خط پھاڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا سبب یہ بنایا کہ خود پرویز کا بیٹا ”شیرویہ“ اپنے باپ کا دشمن بن گیا، ”شیرویہ“ پرویز کی بیوی ”شیریں“ پر عاشق ہو گیا تھا، اس کے لئے اس نے کسری پرویز کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، اس کے والد پرویز کو جب اس سازش کا پتہ چلا، تو اس نے اپنی الماری میں ایک ڈبیہ میں زہر رکھا، اور اس پر لکھ دیا ”یہ دوا جماع کے لئے بہت مفید ہے“ منصوبے کے مطابق شیرویہ نے اپنے باپ پرویز کو قتل کیا اور خود تخت نشین ہو گیا، شیرویہ نے اپنے تمام بھائیوں کو بھی قتل کر دیا، تاکہ کوئی ان میں سے کہیں اقتدار کا دعویٰ نہ کر دے، ایک دن اس نے پرویز کی الماری کھولی، تو اس کی نظر اس مخصوص ڈبیہ پر پڑی، اس نے طاقت کی دوا سمجھ کر اسے کھا لیا، جس سے وہ بھی چھ ماہ کے اندر ہی ہلاک ہو گیا۔

اب ان کے خاندان میں کوئی مرد ایسا نہیں تھا، جو مسند اقتدار سنبھال سکے، اور لوگ چاہتے تھے کہ بادشاہت اسی خاندان میں رہے، اس لئے لوگوں نے زمام حکومت اس کی بیٹی ”بوران“ کے سپرد کی، اور وہ ان کی بادشاہ بن گئی، اس کی ایک اور بھی بہن تھی جس کا نام ”آرمیدخت“ تھا کچھ عرصہ اس نے بھی حکومت کی ذمہ داری سنبھالی تھی، رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا: یفلح قوم ولوا امرہم امرہا، وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی، جس نے اپنی حکومت کسی عورت کے سپرد کر دی ہو۔

عورت کی حکمرانی کا مسئلہ

جمہور علماء کے نزدیک اس حدیث اور دیگر شرعی دلائل کی وجہ سے عورت ملک کی حکمران نہیں بن سکتی، امور مملکت کی ذمہ

داری مردوں کے ساتھ خاص ہے۔

بعض لوگ عورت کی حکمرانی کے جواز پر جنگ جمل کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں، کہ حضرت عائشہ نے اس میں قیادت کی تھی، اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر جیسے جلیل القدر صحابہ نے ان کی زیر قیادت جنگ میں حصہ لیا تھا، لہذا اس سے عورت کی حکمرانی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

لیکن یہ کوئی وزنی دلیل نہیں، کیوں کہ جنگ جمل کے موقع پر حضرت عائشہ نے نہ حکومت و خلافت کا دعویٰ کیا تھا، اور نہ اس مہم کے لئے امارت ان کے سپرد کی گئی، واقعہ یہ ہوا تھا کہ ام المومنین حج کے لئے مکہ مکرمہ گئی ہوئی تھیں، پیچھے مدینہ میں حضرت عثمان کی شہادت کا افسوسناک حادثہ پیش آ گیا تھا، حضرت عثمان کے قصاص کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف ہو گیا تھا، اس نازک موقع پر بعض اکابر صحابہ نے مکہ ہی میں حضرت عائشہ کو مشورہ دیا کہ ان کی محترم شخصیت اس وقت امت کا اختلاف و انتشار ختم کر سکتی ہے، حضرت عائشہ نے چاہا کہ مدینہ منورہ جا کر حضرت علی کو قصاص پر آمادہ کریں، لیکن بعض صحابہ نے کہا کہ پہلے بصرہ جا کر، وہاں کے لوگوں کی حمایت حاصل کر لینی چاہیے، اس حمایت کے بعد حضرت علی کے لئے قصاص لینا آسان ہو جائے گا، اور وہ اس پر آمادہ بھی ہو جائیں گے، حضرت عائشہ اس مشورہ سے متاثر ہو کر بصرہ روانہ ہو گئیں، وہاں پہونچ کر بعض اسلام دشمن عناصر کی سازش کی وجہ سے جنگ جمل کا المناک حادثہ پیش آ گیا۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ حضرت عائشہ کو جن صحابہ نے بصرہ جانے کا مشورہ دیا تھا، ان کا مقصد امت کو انتشار سے بچانے کی ایک تدبیر اور حکمت عملی تھی، حضرت عائشہ کو خلیفہ یا امیر بنانا ہرگز مقصود نہ تھا، چنانچہ بصرہ پہونچنے پر جب قطاع بن حکیم نے حضرت عائشہ سے ان کی تشریف آوری کا مقصد پوچھا تو فرمانے لگیں ای بنی لا صلاح بین الناس، بیٹے میں لوگوں کے درمیان صلح کرانے آئی ہوں۔

بعد میں وہ اپنے اس سفر پر اتنی نادم تھیں کہ جب یہ واقعہ یاد آتا، تو اس قدر روتیں، کہ ان کا دوپٹہ بھیگ جاتا، جس واقعہ میں حضرت عائشہ نہ خلیفہ تھیں نہ حکمران، اور جس کے پیش آنے پر وہ اس درجہ نادم تھیں، اس کو نسوانی قیادت کے جواز پر کس طرح دلیل بنایا جاسکتا ہے۔ (۱)

فلما قدمت عائشة... فعصمني الله به

ابن بطل فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرہ کی رائے حضرت عائشہ کے موافق نہیں تھی، جب کہ واقعہ ایسا نہیں ہے، دونوں کی رائے ایک ہی تھی کہ لوگوں کو اصلاح کی طرف بلایا جائے، ان کا مقصد نہ قتل و قتال تھا اور نہ ہی حضرت عائشہ خلافت کی خواہشمند تھیں لیکن جب سازش کی وجہ سے فریقین کے درمیان لڑائی کی فضا ہموار ہو گئی، تو اس موقع پر حضرت ابوبکرہ کو حضور ﷺ کا یہ ارشاد یاد آ گیا، جو آپ نے اہل فارس کی حکومت کا قصہ سن کر ارشاد فرمایا تھا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاتی، جس کی حکمران عورت ہو، اس لئے حضرت ابوبکرہ نے جنگ جمل میں شرکت نہیں کی۔ (۲)

وأمرهم إلى نساءكم۔

جب معاملات عورتوں کے سپرد ہو جائیں تو پھر زمین پر رہنے کے بجائے زمین کے اندر چلے جانا بہتر ہے، کیوں کہ

(۱) تحفة الاحوذی ۶/۲۴۷ کشف الباری (ص: ۶۵۵) کتاب المغازی، عورت کی حکمرانی

(۲) فتح الباری، کتاب الفتن، باب ۱۳، ۷۰/۱۳

خواتین ناقصات عقل ہیں، معاملات کی ذمہ داری کو وہ صحیح طور پر نہیں مہیا سکتیں، چنانچہ بعض احادیث میں ہے کہ خواتین سے مشورہ ضرور کرو لیکن ان کی رائے سے اتفاق نہ کرو بلکہ مخالفت کرو، اس میں برکت ہوگی، ہاں اگر کوئی خاتون فاضلہ ہو، عقل و دانش میں مہارت کی حامل ہو، تو اس کی رائے پر عمل کیا جاسکتا ہے خاص طور پر گھریلو معاملات میں بسا اوقات عورت کو مرد کے مقابلے میں زیادہ مہارت اور معلومات ہوتی ہیں، ایسے میں اس کی رائے پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (۱)

بَاب

عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قَالَ: إِنَّكُمْ فِي زَمَانٍ مِّنْ تَرْكٍ مِنْكُمْ عَشْرٌ مَا أَمَرُ بِهِ هَلَكٌ، لَّمْ يَأْتِ زَمَانٌ، مِّنْ عَمِلٍ مِنْهُمْ بِعَشْرِ مَا أَمَرُ بِهِ نَجَا.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک تم لوگ ایک ایسے زمانے میں ہو کہ جو شخص تم میں سے اس چیز کے دسویں حصے کو چھوڑے گا، جس کا اسے حکم دیا گیا ہے، تو وہ ہلاک ہو جائے گا، پھر ایک زمانہ آئے گا، جس میں جو شخص مامور بہ کے دسویں حصے پر بھی عمل کرے گا، تو وہ نجات پا جائے گا۔

عن ابن عمر قال: قام رسول الله ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ: هَاهُنَا أَزْضُ الْفِتَنِ وَأَشَارَ إِلَى الْمَشْرِقِ، حَيْثُ يَطْلُعُ قُرْنُ الشَّيْطَانِ أَوْ قَالَ: قُرْنُ الشَّمْسِ.

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، اور فرمایا: یہاں فتنوں کی زمین ہے، اور مشرق کی طرف اشارہ فرمایا، جہاں شیطان کا سینک طلوع ہوتا ہے (یعنی جہاں اس کا تسلط ہوتا ہے) عن أبي هريرة قال: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ زَايَاتٌ مِّنْ ذِي قُلُوبٍ، فَلَا يَزِدُّهَا شَيْءٌ حَتَّى تُنْصَبَ بِالْيَلَاءِ.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خراسان سے کالے جھنڈے نکلیں گے پھر ان کو کوئی چیز رو نہیں کر سکے گی، یہاں تک کہ انہیں الیاء (شہر) میں گاڑا جائے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: عشر: (عین پر پیش اور شین کے سکون کے ساتھ) دسواں حصہ۔ زایات: رأیۃ کی جمع ہے: جھنڈے، سود: سودا کی جمع ہے: کالے۔ حتیٰ تنصب: (مجهول کا مینہ ہے) یہاں تک کہ ان جھنڈوں کو گاڑا جائے گا۔ الیاء: اس کے معنی ہیں: بیت اللہ، اس سے بیت المقدس شہر مراد ہے۔ (۲)

(۱) تحفة الاحوذی ۵۳۲/۶، قدیمی کراچی

(۲) معجم ما استعجم من اسماء البلاد والواضع حرف الهمزة ط: بیروت ۲۰۰۶۔

فتنہ کے زمانے میں اعمال کا ثواب

صحابہ کرام سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ زمانہ جس میں تم چل رہے ہو، یہ امن و سلام، اور اسلام کی عظمت و شوکت کا زمانہ ہے، اس میں اعمال پر صحیح طریقے سے عمل کرنا ہوگا، اگر اسر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دسویں حصے کو ترک کر دیا، تو ہلاک ہو جاؤ گے، لیکن ایک زمانہ آئے گا، جس میں ظلم و ستم کی کثرت، فسق و فجور کی فراوانی، اور طرح طرح کے فتنے ہوں گے، اس میں جو شخص اسلام کے دسویں حصے پر بھی اگر عمل کرے گا، تو وہ نجات پا جائے گا، اس لئے اے صحابہ کی جماعت، اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر، اس سے خوب فائدہ اٹھاؤ۔

ارض الفتن

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مشرق کی سرزمین فتنوں کی زمین ہے، اس میں شیطان کا سینک طلوع ہوتا ہے، یعنی اس میں شیطان کے ہمنوا، پیروکار اور اس کا خوب تسلط ہوگا۔

خراسان سے کالے جھنڈوں کا ظہور ہوگا

خراسان سے سیاہ جھنڈے والا ایک لشکر نکلے گا، اس میں اللہ کا خلیفہ امام مہدی ہوگا، وہ علاقے فتح کرتا ہوا ایلیا شہر میں پہنچے گا، جہاں ان کے جھنڈوں کو نصب کیا جائے گا، ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا کہ جب خراسان کی جانب سے کالے جھنڈوں والا لشکر نمودار ہو، تو تم بھی اس میں شامل ہو جانا، کیونکہ اس میں امام مہدی ہوگا۔ (۱)



أَبْوَابُ الرُّؤْيَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

یہ ابواب ان احادیث پر مشتمل ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے خواب کے بارے میں منقول ہیں۔

بَابُ أَنَّ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النَّبُوَّةِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ مؤمن کا خواب نبوت کا چھالیسواں حصہ ہے۔

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ، لَمْ تَكُنْ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ تَكْذِبُ، وَأَصْدَقُهُمْ رُؤْيَا أَصْدَقُهُمْ حَدِيثًا، وَرُؤْيَا الْمُسْلِمِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النَّبُوَّةِ، وَالرُّؤْيَا ثَلَاثٌ: قَالَ رُؤْيَا الصَّالِحَةِ بُشْرَى مِنَ اللَّهِ، وَالرُّؤْيَا مِنْ تَحْزِينِ الشَّيْطَانِ، وَالرُّؤْيَا مِمَّا يَحْدِثُ بِهَا الرَّجُلُ نَفْسَهُ، فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَا يَكُونُ فَلْيَقُمْ وَلْيُفْلِلْ وَلَا يَحْدِثْ بِهِ النَّاسَ قَالٌ: وَأَحِبُّ الْقَيْدِ فِي النَّوْمِ، وَأَكْرَهُ الْغُلِّ - الْقَيْدُ: نَبَأٌ فِي الدِّينِ - حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب زمانہ قریب ہو جائے گا، تو مؤمن کا خواب بہت کم جھوٹا ہوگا، لوگوں میں سب سے سچا خواب، اس شخص کا ہوگا، جو باتوں میں سب سے سچا ہوگا، اور مؤمن کا خواب نبوت کا چھالیسواں حصہ ہے، اور خواب کی تین قسمیں ہیں، ایک نیک خواب، جو اللہ کی طرف سے بشارت ہے، دوسرا وہ خواب ہے، جو شیطان کی طرف سے پریشان کرنے کے لئے ہوتا ہے، تیسرا وہ خواب ہے، جو آدمی اپنے دل میں سوچتا ہے، لہذا جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جو اسے ناگوار ہو، تو اسے چاہیے کہ اٹھ جائے اور بائیں جانب تھوک دے، اور لوگوں سے اس کا تذکرہ بھی نہ کرے، اور فرمایا: میں خواب میں بیڑی کو دیکھنا پسند کرتا ہوں اور طوق کو دیکھنا نا پسند کرتا ہوں، اور بیڑی کی تعبیر دین پر ثابت قدم رہنا ہے۔

عن عباد بن الصَّامِتِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النَّبُوَّةِ -

حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤمن کا خواب نبوت کے چھالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- رؤیا: وہ شکل و صورت اور چیز جو نیند میں نظر آئے۔ تحزین: پریشان اور غمگین کرنا۔ لیفعل: چاہیے کہ وہ تھوک دے۔ القید: (قاف پر زبر) بیڑی، یہاں حدیث میں دین پر استقامت اور ثابت قدمی مراد ہے۔ الغل: (غین پر خوش) طوق۔

خواب کی قسمیں اور ان کا درجہ

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے خواب کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) نیک خواب، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے لئے بشارت ہوتے ہیں، یہ ایک قسم کا الہام ہوتا ہے، جو بندے کو متنبہ کرنے یا خوشخبری دینے کے لئے کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اپنے خزانہ غیب سے کچھ چیزیں اس کے قلب و دماغ میں ڈال دیتے ہیں۔

(۲) شیطانی خواب جس میں شیطان کچھ صورتیں اور واقعات اس کے ذہن میں ڈال دیتا ہے، کبھی خوش کرنے والے اور کبھی ڈرانے والے، اس کو ”تسویل شیطانی“ بھی کہا جاتا ہے۔

(۳) نفسانی خواب کہ بیداری کی حالت میں جو کچھ انسان سوچتا ہے، یا جو صورتیں اور چیزیں دیکھتا رہتا ہے، وہی خواب میں نظر آ جاتی ہیں، اسے ”حدیث النفس“ بھی کہا جاتا ہے۔

لہذا جب انسان کوئی نامناسب اور برا خواب دیکھے، تو بائیں جانب تھوک دے، اور ہو سکے، تو دو رکعت نماز نفل پڑھ لے، اور اس خواب کا کسی کے سامنے ذکر بھی نہ کرے۔

انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں، اسی لئے ان کے خواب وحی کا درجہ رکھتے ہیں، عام مسلمانوں کے خواب میں ہر طرح کے احتمال رہتے ہیں، اس لئے وہ کسی کے لئے حجت اور دلیل نہیں ہوتے، ان کے خوابوں میں بعض اوقات طبعی اور نفسانی صورتوں کی آمیزش ہو جاتی ہے، اور بعض اوقات گمنانوں کی تاریکی صحیح خواب پر چھا جاتی ہے یوں وہ اسے ناقابل اعتبار بنا دیتی ہے، اور بعض اوقات صحیح تعبیر سمجھ میں ہی نہیں آتی،

خواب کی مذکورہ اقسام میں سے دوسری اور تیسری دونوں قسمیں باطل ہیں، جن کی نہ کوئی حقیقت و اصلیت ہے، اور نہ ان کی کوئی واقعی تعبیر ہو سکتی ہے، اس لئے یہ دونوں قسمیں ناقابل اعتبار ہیں۔

خواب میں جزء نبوت ہونے کے معنی

حدیث کے شروع میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اذا اقترب الزمان، جب زمانہ قریب ہو جائے گا، اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں تین قول ہیں:

(۱) اس سے قرب قیامت مراد ہے، اس لئے کہ جب چیز کم ہو جائے، تو اس کی تعبیر قرب سے کی جاتی ہے جیسے جب اونٹ کم ہو جائے تو کہتے ہیں تقارب ت، ابل فلان، لہذا اقترب الزمان کا مطلب ہوگا کہ زمانہ کم ہو جائیگا، یہی قرب قیامت ہے۔

(۲) اس سے سال کا وہ موسم مراد ہے، جس میں دن اور رات بالکل معتدل اور برابر ہوں، ان ایام میں، جو خواب نظر آئے، تو وہ سچی ہوتی ہے۔

(۳) تقارب زمان سے دن اور رات کا جلدی گذرنا مراد ہے، چنانچہ قرب قیامت میں سال مہینہ کی طرح، مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ دن کی طرح ہوگا، یہ بھی علامات قیامت میں سے ہے، اس زمانے میں سچے خواب نظر آئیں گے۔

جزء من ستقواربعین جزء اُس روایت میں چھپا لیس جزء کا ذکر ہے، جب کہ بعض میں چالیس، چوالیس، پینتالیس، انچاس..... اور ستر واں جزء ہونا بھی منقول ہے،

شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ ان روایات میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں، بلکہ ہر ایک روایت اپنی جگہ درست ہے، اور تعدد اجزاء کا یہ اختلاف خواب دیکھنے والوں کے مختلف حالات کی بناء پر ہے، جو شخص سچائی، امانت، دیانت اور کمال ایمان کے ساتھ متصف ہوگا، اس کا خواب نبوت کے اجزاء کے اعتبار سے اسی قدر قریب ہوگا، اور جو ان اوصاف میں کچھ کم ہوگا، اتنا ہی اس کا خواب نبوت کے اجزاء کے اعتبار سے بعید ہوگا۔

باقی رہی یہ بات کہ سچے خواب جزء نبوت کیسے ہیں؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر نبوت کی وحی کا سلسلہ تیس سال جاری رہا، ان میں سے پہلے چھ ماہ میں یہ وحی خوابوں کی صورت میں آتی رہی، باقی پینتالیس ششماہیوں میں حضرت جبریل ﷺ بیداری کی حالت میں انسانی صورت میں وحی لاتے رہے، تو ابتدائی چھ ماہ کی نسبت ۲۳ سال کی طرف کی جائے تو وہ چھالیسواں حصہ بنتا ہے، اس طرح سچے خواب وحی نبوت کا چھالیسواں جزء ہیں۔

سوال یہ ہے کہ نبوت کا سلسلہ تو نبی کریم ﷺ کی وفات سے منقطع ہو چکا ہے، تو پھر مومن کا خواب جزء نبوت کس طرح ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غیر نبی کا خواب، نبوت کا جزء بطور مجاز ہے، معنی یہ ہیں کہ نبوت کی ایک صفت اور عادت اس میں پائی جا رہی ہے، اس سے اس کا نبی ہونا لازم نہیں آتا۔

قادیا نیوں کا ایک غلط استدلال

اس سے دراصل قادیانیوں پر رد کرنا مقصود ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ جزء نبوت کے باقی رہنے سے، گویا نبوت بھی باقی ہے، ان کا یہ عقیدہ مراسر غلط ہے، کیونکہ کسی چیز کا ایک جزء موجود ہونے سے، اس چیز کا موجود ہونا لازم نہیں آتا، دیکھیے اگر کسی شخص کا ایک ناخن، یا ایک بال کہیں موجود ہو، تو کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہاں وہ شخص موجود ہے، اگر کوئی ایسا کہنے لگے تو دنیا بھر کے انسان اس کو یا جھوٹا کہیں گے یا اسے بے وقوف سمجھیں گے، اس لئے سچے خواب بلاشبہ جزء نبوت ہیں، مگر نبوت نہیں، کیوں کہ نبوت کا سلسلہ تو نبی کریم ﷺ پر ختم ہو چکا ہے۔^(۱)

واحِب القید فی النوم... نبی کریم ﷺ خواب میں بیڑی کو پسند فرماتے کیوں کہ اس کی تعبیر دین پر ثبات قدمی ہے، چنانچہ جو بندہ بیڑی میں جکڑا ہوا ہو تو وہ چل نہیں سکتا، اسی طرح ایمان، مسلمان کو باطل اور گمراہی کی طرف جانے سے بچاتا ہے، اور خواب میں طوق کو پسند فرماتے تھے، کیوں کہ یہ اہل جہنم کی صفت ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِذَا لَا اَغْلَالُ فِيْ اَعْنَاقِهِمْ^(۲)

(۱) تکملة فتح الملهم، کتاب الرؤیا، باب الرؤیا ۳/۴۳۳، معارف القرآن ۵/۲۰،

(۲) تحفة الاحوذی ۶/۵۳۳

بَابُ ذَهَبَتِ النَّبُوءَةُ وَبَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ نبوت ختم ہو چکی ہے اور مبشرات یعنی نیک خواب باقی ہیں۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنَّبُوءَةَ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ، قَالَ: فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: لَكِنِ الْمُبَشِّرَاتُ. فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ: وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ: رُؤْيَا الْمُسْلِمِ وَهِيَ جُزْءٌ مِنْ أَجْزَاءِ النَّبُوءَةِ

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک رسالت اور نبوت ختم ہو چکی ہے، اب میرے بعد نہ تو کوئی رسول آئے گا، اور نہ کوئی نبی، راوی کہتے ہیں کہ یہ بات لوگوں کو کراں معلوم ہوئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: لیکن بشارت دینے والی چیزیں اب بھی باقی ہیں، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ: مبشرات کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: مسلمان کا خواب، جو نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ مِصْرَ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ، عَنْ قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: (لَهُمُ الْبَشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا) فَقَالَ: مَا سَأَلَنِي عَنْهَا أَحَدٌ غَيْرُكَ إِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ، مِنْذُ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: مَا سَأَلَنِي عَنْهَا أَحَدٌ غَيْرُكَ مِنْذُ أَنْزَلْتُ، هِيَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ، يَرَاهَا الْمُسْلِمُ أَوْ تَرَى لَهَا.

ایک مصری شخص کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالدرداء سے، اللہ تعالیٰ کے اس قول لہم البشری فی الحیۃ الدنیا کے بارے میں پوچھا (کہ اس سے کیا مراد ہے) تو انہوں نے فرمایا: کہ مجھ سے اس آیت کے بارے میں آپ کے علاوہ سوائے ایک شخص کے اور کسی نے نہیں پوچھا، جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: آپ کے علاوہ کسی اور نے اس بارے میں نہیں پوچھا، جب سے یہ آیت نازل ہوئی ہے، وہ (یعنی بشری) نیک خواب ہے، جس کو مسلمان خود دیکھے، یا اس کے لئے کسی اور کو دکھایا جائے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَصْدَقُ الرُّؤْيَا بِالْأَسْحَارِ.

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے سچا خواب سحری کے وقت کا ہوتا ہے۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى: {لَهُمُ الْبَشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا} قَالَ: هِيَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ، يَرَاهَا الْمُؤْمِنُ أَوْ تَرَى لَهَا.

حضرت عبداللہ بن صامت کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: لہم البشری فی الحیۃ الدنیا کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: وہ نیک خواب ہے، جسے مومن خود دیکھے یا اس کے لئے کسی اور کو دکھایا جائے۔

صرف مبشرات باقی ہیں

ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبوت کا سلسلہ نبی کریم ﷺ پر ختم ہو چکا ہے، صرف مبشرات یعنی نیک خواب باقی ہیں، جو مسلمان کے لئے ایک بشارت ہوتی ہے، مؤمن کے خواب کو مبشرات تغلیباً کہا ہے، کیوں کہ اس کا ہر خواب باعث خوشی نہیں ہوتا، ایسے خواب بھی دیکھ سکتا ہے، جو اس کے لئے خوفناک ہوں۔

دوسری اور چوتھی روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید کی آیت لہم البشری میں بشری سے نیک خواب مراد ہیں، جنہیں مؤمن خود دیکھتا ہے یا دوسرا کوئی اس کے بارے میں دیکھتا ہے۔

تیسری روایت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے سچے خواب سحری کے وقت کے ہوتے ہیں، کیوں کہ اس وقت محدہ خالی اور طبیعت پر سکون ہوتی ہے، فرشتوں کے نزول کا وقت ہوتا ہے، اس بناء پر اس وقت کے خواب عموماً سچے ہوتے ہیں۔ (۱)

رسول اور نبی کی تعریف میں فرق

رسول: اس پیغمبر کو کہتے ہیں، جو نئی شریعت لے کر آئے، خواہ وہ شریعت اس رسول کے اعتبار سے جدید ہو جیسے تورات وغیرہ یا صرف ان کی امت کے اعتبار سے جدید ہو جیسے اسماعیل علیہ السلام کی شریعت، وہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہی قدیم شریعت تھی لیکن قوم جرہم جن کی طرف ان کو بھیجا گیا تھا، ان کو اس شریعت کا علم پہلے سے نہ تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کے ذریعہ ہوا، اس معنی کے اعتبار سے رسول کے لئے نبی ہونا ضروری نہیں، جیسے فرشتے کہ وہ رسول تو ہیں مگر نبی نہیں ہیں یا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ قاصدین، جن کو آیت قرآن اذ جاءھا المرسلون میں رسول کہا گیا ہے، حالانکہ وہ انبیاء نہ تھے۔

نبی: وہ ہوتا ہے جو صاحب وحی ہو، خواہ وہ نئی شریعت کی تبلیغ کرے، یا شریعت قدیمہ کی، جیسے بنی اسرائیل کے اکثر انبیاء، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تبلیغ کرتے تھے۔ (۲)

بَاب مَا جَاءَ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى

یہ باب حضور ﷺ کے اس ارشاد میں ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا، تو اس نے واقعی مجھے ہی دیکھا

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِي۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے واقعی

(۱) تحفة الاحوذی ۳۵۵/۶

(۲) معارف القرآن، ۳۲/۶

مجھے ہی دیکھا ہے کیوں کہ شیطان میری صورت میں نہیں آ سکتا۔

من رانی فی المنام کے معنی

آپ ﷺ کو خواب میں کس طرح دیکھا جائے، تو آپ ہی کو دیکھنا شمار ہوگا، اس میں محدثین کے دو قول ہیں:

(۱) محمد بن سیرین، امام بخاری، قاضی عیاض اور دوسرے بعض علماء کے نزدیک خواب میں آپ ﷺ کو اصلی اور معروف شکل و صورت میں دیکھا جائے تو یہ درست خواب ہوگی، جس میں شیطان کا کوئی اثر نہیں ہوگا، اس صورت میں اس نے واقعی آپ ﷺ ہی کو دیکھا ہے۔

(۲) اکثر حضرات کے نزدیک یہ کوئی شرط نہیں کہ آپ کو معروف شکل و صورت میں ہی دیکھا جائے، بلکہ اگر معروف شکل و صورت کے خلاف ہیئت میں خواب میں دیکھے تو بھی وہ خواب درست ہوگا، وہ شکل و صورت خواہ جوانی سے متعلق ہو یا بڑھاپے اور آخری عمر سے، کیوں کہ شکل و شباہت کے اختلاف سے آپ کی ذات پر کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ اس کا تعلق خواب دیکھنے والے سے ہے، جو شخص آپ ﷺ کو اچھی شکل و صورت میں دیکھے تو یہ اس کے ایمان کے کامل اور عقیدے کے درست ہونے کی علامت ہے، اور جو شخص اس کے خلاف دیکھے تو یہ اس کے ایمان کی کمزوری اور فساد عقیدہ کی علامت ہوتی ہے۔

اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ خواب میں نبی کریم ﷺ کی اصلی ذات دکھائی دیتی ہے یا آپ کی مثالی صورت، رائج یہی ہے کہ آپ کی مثالی شکل و صورت دکھائی جاتی ہے۔

اشکال ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی زیارت ایک ہی وقت میں مختلف شہروں، مختلف ملکوں اور مختلف لوگوں کو ہوتی ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک آدمی ہر جگہ دیکھا جاسکے؟

اس زمانے میں اس بات کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں، کیوں کہ یہ ٹی وی اور کمپیوٹر کا دور ہے، جب ان میں ایک ہی چیز کو بیک وقت کئی جگہوں پر دیکھا جاسکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے لئے کیا مشکل ہے، کہ وہ نبی کریم ﷺ کی مثالی صورت بیک وقت مختلف جگہوں پر دکھا دیں، (۱)

شیطان خواب میں نبی کریم ﷺ کی شکل و صورت میں تو نہیں آ سکتا، لیکن اللہ تعالیٰ کی شکل میں آ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اللہ ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں ہادی اور مضل (ہدایت دینے والا اور گمراہ کرنے والا) اضلال یعنی گمراہ کرنے کا عمل چونکہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اس لئے صفت ضلالت کے بل بوتے پر وہ یوں گمراہ کر سکتا ہے کہ خواب میں کسی کو

یوں کہے کہ میں اللہ ہوں، جبکہ نبی کریم ﷺ ہادی محض ہیں، مضل نہیں، اس لئے شیطان آپ کی شکل و صورت میں نہیں آسکتا۔ (۱)

حضور ﷺ کو خواب میں دیکھنے سے متعلق دواہم باتیں

(۱) اگر کوئی شخص حضور ﷺ کو خواب میں دیکھے، تو اس پر بیداری کی حالت کے احکام جاری نہیں ہوں گے، یعنی اسے صحابی نہیں کہا جائے گا، اس لئے کہ صحابی اس شخص کو کہا جاتا ہے، جس نے حضور ﷺ کو بیداری میں حالت اسلام میں دیکھا ہو اور اسلام پر ہی اس کی وفات ہوئی ہو۔

(۲) خواب میں حضور اکرم ﷺ کسی امر کا حکم فرمائیں یا کسی چیز سے منع کریں، تو یہ حجت نہیں، یعنی اس پر عمل کرنا لازم نہیں، یہ دیکھا جائے کہ وہ امر یا نہی شریعت کے اصول و ضوابط کے موافق ہے یا نہیں، اگر موافق ہو تو اس پر عمل کرنا بہتر ہے، ضروری نہیں، اور اگر وہ خلاف شرع ہو، تو اس پر عمل کرنا ہرگز جائز نہیں۔

خواب کے مطابق اس حکم پر عمل کرنا اس لئے ضروری نہیں کہ خواب میں بہت سے احتمالات ہوتے ہیں کہ اسے پوری بات یاد ہے یا نہیں، اس کی کیا تفصیل تھی،..... ان تمام چیزوں کا ذہن میں رہنا کوئی ضروری نہیں، اس لئے خواب میں حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری نہیں، جیسے منقول ہے کہ ایک شخص کو زیارت ہوئی تو اس نے بتایا کہ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: اشرب الخمر، شراب پی لیا کرو، اس نے ایک عالم سے تعبیر پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ اصل میں حضور ﷺ نے لا تشرب الخمر (کہ شراب مت پینا) فرمایا تھا، لیکن اسے مکمل جملہ یاد نہیں رہا تھا، یا شیطان نے اس پر غلط ملط کر دیا، اس لئے خواب میں حضور کے ارشاد کے مطابق عمل کرنا ضروری نہیں۔ (۲)

باب مَا جَاءَ إِذَا رَأَى فِي الْمَنَامِ مَا يَكُونُ، مَا يَصْنَعُ؟

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب آدمی خواب میں کسی ناگوار چیز کو دیکھے تو کیا کرے

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: الرَّؤْيَا مِنَ اللَّهِ وَالْخُلُمُ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ شَيْئًا يَكُونُ لَهُ فَلْيَنْفُثْ عَنْ يَسَارِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّهَا فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ۔

حضرت ابو قتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، لہذا تم میں سے کوئی جب ایسی کوئی چیز خواب میں دیکھے، جو اسے ناگوار ہو، تو اسے اپنی

(۱) تقریر بخاری ۳۸۷۱ کتاب العلم، باب اثم من كذب على النبي ﷺ، فتح الباری ۴/۶۱۲ کتاب التعبير باب: من رأى النبی۔

فی المنام

(۲) تکملة فتح اللہم، کتاب الرؤیا، باب... من رأى فی المنام ۳۵۱/۴۔

بائیں جانب تین بار تھوک دینا چاہیے، اور اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس خواب کے شر سے پناہ مانگے، تب وہ خواب واقعی اسے نقصان نہیں دے گا۔

مشکل الفاظ کی تشریح:۔ الحلم: (حلم پر پیش اور لام کے سکون کے ساتھ) برا اور پراگندہ خواب۔ رؤیا: نیک اور اچھا خواب۔ فلینفٹ: تھوک کے بغیر پھونک مار دے۔

حدیث میں اس بارے میں تین طرح کے الفاظ فلینفٹ، لیصق، اور لیٹفل منقول ہیں، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ لیصق اور لیٹفل بھی مجاز آلینفٹ کے معنی پر ہی محمول ہیں، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تینوں الفاظ تھوک کے معنی پر محمول ہیں شیطان کی توہین و تحقیر کی وجہ سے، (۱)

لیستعد باللہ: چاہیے کہ وہ اللہ سے پناہ مانگے۔ فانہا لا تنصرہ: یہ خواب اسے کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا جب وہ مسنون اعمال کا اہتمام کر لے۔

نا پسندیدہ خواب دیکھنے کے مسنون اعمال

مختلف احادیث میں نا پسندیدہ خواب دیکھنے کے چھ مسنون اعمال ذکر کئے گئے ہیں: (۱) انسان اللہ سے برے خواب کے شر سے پناہ مانگے۔ (۲) اللہ سے شیطان کی پناہ مانگے۔ (۳) اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دے۔ (۴) کسی کے سامنے اس کا تذکرہ نہ کرے۔ (۵) دو رکعت نماز پڑھ لے، (۶) وہ کروٹ بدل لے جس میں اسے برا خواب نظر آیا ہے۔

ان تمام آداب یا ان میں سے اکثر پر عمل کر لیا جائے، تو پھر برے خواب کا کوئی نقصان اسے نہیں پہنچے گا، یہ اعمال گویا حفاظت کا باعث بن جائیں گے جیسا کہ صدقہ مال کی حفاظت اور دفع بلا کا سبب ہوتا ہے۔ (۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَغْيِيرِ الرُّؤْيَا

یہ باب خواب کی تعبیر کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي زَيْدٍ الْعَقِيلِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعِينَ جُزْءِ آمِنِ التَّنْبُؤَةِ، وَهِيَ عَلَى رَجُلٍ طَائِرٌ مَا لَمْ يَحْدَثْ بِهَا، فَإِذَا حَدَّثَ بِهَا سَقَطَتْ. قَالَ وَأَخْبَسِيهَ قَالَ: وَلَا تَحْدِثْ بِهَا إِلَّا كَيْسًا أَوْ حَبِيئًا. حضرت ابو زین عقیلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤمن کا خواب نبوت کے چالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے، یہ خواب (عدم استقرار کے اعتبار سے گویا) پرندے کے پاؤں پر ہوتا ہے جب تک کہ اسے بیان نہ کیا

(۱) تکملة فتح الملهم ۳۳۹/۲

(۲) تکملة فتح الملهم ۳۳۹/۲، تحفة الاحوذی ۲۵۹/۶

جائے، جب اس کو بیان کر دیا جائے (یعنی اس کی تعبیر بیان کر دی جائے) تو وہ خواب گر جاتا ہے (یعنی اس کا حکم ثابت ہو جاتا ہے) راوی کہتے ہیں: میرا گمان یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: اس خواب کو صرف عقلمند یا محبت کرنے والے سے بیان کرو۔

عَنْ أَبِي زَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: زُرُّنَا الْمُسْلِمَ جُزْءٌ مِنْ يَسْتَقْوُوا أَوْ يَعْزِبُوا جُزْءٌ مِنْ الثَّبُورَةِ وَهُوَ عَلَى رَجُلٍ طَائِبٍ مَا لَمْ يُحَدِّثْ بِهَا وَإِذَا حَدَّثَ بِهَا وَقَعَتْ۔

حضرت ابو زین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کا خواب نبوت کے چھالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے، اور یہ خواب پرندے کے پاؤں پر ہوتا ہے، جب تک اسے بیان نہ کیا جائے، جب وہ اسے بیان کر دے، تو وہ واقع ہو جاتا ہے (یعنی اس تعبیر کے مطابق حکم ثابت ہو جاتا ہے)۔

کسی عالم اور عقلمند کے سامنے خواب کو بیان کیا جائے

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خواب ہر کسی کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اس آدمی کے سامنے بیان کیا جائے، جو عقلمند ہو، یا دوست ہو یا عالم اور خیر خواہ ہو، کیوں کہ خواب عدم استقرار کے اعتبار سے گویا پرندے کے پاؤں پر ہوتا ہے جس طرح پرندے کے پاؤں پر کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی، اسی طرح خواب تعبیر سے پہلے مطلق رہتا ہے، جب تعبیر بیان کر دی جائے تو وہ اسی تعبیر کے مطابق ثابت ہو جاتا ہے یعنی اس کا حکم اسی طرح واقع ہو جاتا ہے، اس لئے صحیح تعبیر کے لئے ضروری ہے کہ کسی صحیح آدمی کے سامنے خواب کو بیان کیا جائے۔ (۱)

باب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الرُّؤْيَا ثَلَاثٌ، فَرُؤْيَا حَقٌّ، وَرُؤْيَا يَحْدُثُ الرَّجُلُ بِهَا نَفْسَهُ وَرُؤْيَا تَخْرِينُ مِنَ الشَّيْطَانِ، لِمَنْ رَأَى مَا يَكُونُ فَلْيَقُمْ فَلْيَصَلِّ؛ وَكَانَ يَقُولُ: يَغْجِبُنِي الْقَيْدُ وَأَكْثَرُهُ الْغُلُّ، الْقَيْدُ: نَبَأٌ فِي الدُّنْيَا - وَكَانَ يَقُولُ: مَنْ رَأَى لِي أَنَا هُوَ، فَإِنَّهُ لَيْسَ لِلشَّيْطَانِ أَنْ يَتَمَثَّلَ لِي - وَكَانَ يَقُولُ: لَا تَقْضِ الرُّؤْيَا إِلَّا عَلَى عَالِمٍ أَوْ نَاصِحٍ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خواب تین (قسم کے) ہیں ایک سچا خواب ہوتا ہے، دوسرا وہ خواب جو آدمی اپنے دل میں سوچتا ہے اور تیسرا وہ خواب جو شیطان تمکین کرنے کے لئے دکھاتا ہے، لہذا جو شخص ایسا خواب دیکھے، جو اسے ناگوار ہو، تو اسے چاہیے کہ کھڑا ہو جائے اور نماز پڑھے، اور حضور ﷺ فرماتے تھے

مجھے بیڑی اچھی لگتی ہے اور طوق کو ناپسند کرتا ہوں، اور بیڑی سے دین پر ثابت قدمی مراد ہے، اور آپ فرماتے: جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو وہ واقعی میں ہی ہوں، کیوں کہ شیطان میری شکل و صورت میں نہیں آسکتا، اور آپ فرماتے تھے، خواب کسی عالم یا خیر خواہ کے سامنے ہی بیان کیا جائے (کسی اور کے سامنے بیان نہ کیا جائے)۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الذِّي يَكْذِبُ فِي خُلُمِهِ

یہ باب اس شخص (کے حکم) کے بارے میں ہے، جو اپنے خواب میں جھوٹ بولے
عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السَّلَمِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: أَرَاهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ كَذَبَ فِي خُلُمِهِ، كَلَّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَقْدَ شَعِيرَةٍ۔

حضرت علی سے روایت ہے، عبد الاعلیٰ کہتے ہیں کہ ابو عبد الرحمن کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے خواب میں جھوٹ بولے، تو اسے قیامت کے دن ایک جو کے دانے میں گرہ لگانے کا مکلف بنایا جائے گا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ تَحَلَّمَ كَاذِبًا كَلَّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يَغْفِقَ بَيْنَ شَعِيرَتَيْنِ وَلَنْ يَغْفِقَ بَيْنَهُمَا۔

عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جھوٹے خواب بیان کرے، تو اس کو قیامت کے دن دو جو کے درمیان گرہ لگانے کا مکلف بنایا جائے گا، اور وہ ہر گز ان میں گرہ نہیں لگا سکے گا۔

جھوٹا خواب بیان کرنے پر سخت وعید

جو شخص اپنی طرف سے جھوٹا خواب لوگوں کے سامنے بیان کرے تو احادیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے، کہ ایسے شخص کو قیامت کے دن اس بات کا مکلف بنایا جائے گا کہ وہ دو جو کے درمیان گرہ لگائے اور ظاہر ہے کہ وہ دو غیر متصل چھوٹی چیزوں کے درمیان گرہ نہیں لگا سکے گا، تو ایسی صورت میں اسے عذاب میں رہنا ہوگا، تو یہ دراصل عذاب سے کنایہ ہے، کیوں کہ اس نے جزء نبوت میں جھوٹ شامل کیا ہے، جو اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ ہے۔ (۱)

بَاب

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ إِذْ أَتَيْتُ بِقَدَحٍ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ ثُمَّ أُعْطِيتُ

فَضْلِي عَمْرٍو بْنِ الْخَطَّابِ - قَالُوا: فَمَا أَوْثَقَهُ يَارَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: أَلْعَلُّمُ-

عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ اس دوران کہ میں سو رہا تھا کہ اچانک میرے پاس دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا، میں نے اس سے پیا، پھر میں نے باقی ماندہ عمر بن خطاب کو دے دیا، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ: آپ اس کی کیا تعبیر بیان فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: علم۔

خواب میں دودھ کی تعبیر

خواب میں اگر دودھ دیکھا جائے تو اس کی تعبیر علم سے بیان کی گئی ہے، کیوں کہ علم اور دودھ دونوں ہی نفع بخش چیزیں ہیں، اس حدیث میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے علم کی تعریف بیان کی گئی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں علوم نبوت سے خوب نوازا تھا، ان کا زمانہ خلافت بھی طویل تھا، فتوحات کا سلسلہ بھی وسیع اور دین کی نشر و اشاعت کا موقع بھی بہت میسر آیا، اور ان کی اطاعت پر امت کا اتفاق رہا ہے، تاہم اس وجہ سے ان کو حضرت ابو بکر پر فضیلت حاصل نہ ہوگی، کیوں کہ صدیق اکبر بہر حال علم و عمل کے لحاظ سے تمام صحابہ کرام پر فائق ہیں۔ (۱)

باب

عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن بعض أصحاب النبي ﷺ أَنِّي السَّبِيَّ ﷺ قَالَ: بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ وَآيَتْ النَّاسَ يُعْرِضُونَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قَمِيصٌ، وَنَهْأَمَا يَبْلُغُ الْفَدَى وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ اسْفَلْ مِنْ ذَلِكَ. قَالَ: فَعَرَضَ عَلَيَّ عَمْرٌو وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ يَخْزُهُ - قَالُوا: فَمَا أَوْثَقَهُ يَارَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: الَّذِينَ-

ابو امامہ بن سہل کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے بعض صحابہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے نیند میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ میرے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں اور ان (کے جسوں) پر قمیصیں ہیں، ان میں سے بعض قمیصیں سینہ تک پہنچی ہوئی تھیں اور بعض اس سے نیچے تک تھیں، حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر میرے سامنے عمر پیش کئے گئے اور ان پر اتنی لمبی قمیص تھی جسے وہ کھینچ رہے تھے، صحابہ کرام نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ اس کی کیا تعبیر دیتے ہیں؟ فرمایا: (اس سے) دین (مراد ہے)۔

قمیص کی تعبیر دین سے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خواب میں اگر قمیص دیکھی جائے تو اس کی تعبیر دین ہے، جس مسلمان کا دین جس قدر مضبوط

اور اعلیٰ درجہ پر ہوگا، اسی طرح اس قیص نے اس کے جسم کو زیادہ ڈھانپا ہوگا، اور جو دین میں کم تر ہوگا، اسی قدر وہ قیص اس کے جسم کو کم ڈھانپے گی۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ قیص کا اس قدر بڑا ہونا کہ حضرت عمر فاروق اسے گھسیٹ رہے تھے، یہ ان کے لئے بہت بڑی بشارت ہے کہ وہ دین میں اعلیٰ مقام پر فائز ہیں، اور ان کے آثار جلیلہ، طور طریقے اور سنتیں تا قیامت لوگوں کے لئے باعث اتباع ہوں گی۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں دین کو لباس سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے ارشاد خداوندی ہے: ولباس التقویٰ ذلک خیر، (تقویٰ کا لباس ہی بہتر ہے) اور قیص کی تعبیر دین اس وجہ سے ہے کہ جس طرح قیص دنیا میں بدن کو ڈھانپتی ہے، ایسے ہی دین ناپسندیدہ چیزوں سے رکاوٹ اور آخرت میں سائر ہوگا، چنانچہ اہل عرب قیص سے فضل و کمال اور پاک دامن بطور محاورے کے مراد لیتے ہیں۔^(۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي رُؤْيَا النَّبِيِّ ﷺ فِي الْمِيزَانِ وَالذَّلْوِ

یہ باب آپ ﷺ کو خواب میں ترازو میں دیکھنے اور ذول کو خواب میں دیکھنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ: مَنْ رَأَى مِنْكُمْ رُؤْيَا؟ فَقَالَ رَجُلٌ: أَنَا زَأَيْتُ كَأَنِّي لَنِيَوَانَا نَزَلْتُ مِنَ السَّمَاءِ فَوَزَنْتُ أَنْتِ وَأَبُو بَكْرٍ فَوَجَحْتَ أَنْتِ بِأَبِي بَكْرٍ، وَوَزَنَ أَبُو بَكْرٍ وَغَمَزَ فَوَجَحَ أَبُو بَكْرٍ، وَوَزَنَ غَمَزَ وَغَفَمَانُ فَوَجَحَ غَمَزَ فَمَزَعَ الْمِيزَانُ، فَرَأَيْنَا الْكَوْاهِيَةَ فِي وَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ۔

حضرت ابو بکرہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ایک شخص نے کہا: جی ہاں میں نے دیکھا ہے کہ گویا کہ ایک ترازو آسمان سے اتر آئے، جس میں نبی کریم ﷺ اور صدیق اکبر دونوں تولے گئے تو آپ ﷺ ابو بکر کے مقابلے میں جھک گئے، (یعنی آپ بھاری ہو گئے) پھر ابو بکر و عمر تولے گئے تو ابو بکر جھک گئے (یعنی غالب آ گئے) پھر عمر و عثمان کا وزن کیا گیا تو عمر فاروق غالب آ گئے پھر ترازو اٹھالیا گیا تو ہم نے نبی کریم ﷺ کے چہرہ انور پر ناگواری کے آثار محسوس کئے۔

عن عائشة قالت: سئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ وَرَقَةٍ، فَقَالَتْ لَهُ خَدِيجَةٌ: إِنَّهُ كَانَ صَدَقَكَ وَإِنَّهُ مَاتَ قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَرَيْتُمْ فِي الْمَنَامِ وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ بَيَاضٌ، وَلَوْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَكَانَ عَلَيْهِ لِيَاسٌ غَيْرُ ذَلِكَ۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے ورقہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ سے حضرت خدیجہ نے عرض

کیا: بے شک وہ آپ کی تصدیق کرتے تھے، لیکن وہ آپ کے (نبی بن کر) ظاہر ہونے سے پہلے ہی وفات پا گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے وہ خواب میں دکھائے گئے ہیں، اس حال میں کہ ان پر سفید کپڑے تھے، اگر وہ اہل جہنم میں سے ہوتے، تو ان پر اس کے علاوہ اور کوئی لباس ہوتا۔

عن عبد الله بن عمر، عن رؤيا النبي ﷺ في أبي بكر وعمر فقال: رأيت الناس اجتمعوا فنزع أبو بكر ذنوباً أو ذلوتين، فيه ضعف والله يغفر له، ثم قام عمر فنزع فاستحالت غزياً، فلم أر غبيراً يفرى لفرقة حتى ضرب الناس بالعطن.

عبداللہ بن عمر حضور اکرم ﷺ کا خواب حضرت ابوبکر و عمر (کی مدت خلافت) کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ لوگ جمع ہیں، ابوبکر نے ایک یا دو ڈول پانی نکالا اور اس نکالنے میں ذرا کمزوری تھی، اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے، پھر عمر کھڑے ہو گئے انہوں نے ڈول کھینچے، پھر وہ ڈول بڑے ڈول میں بدل گیا، میں نے ایسا کوئی باکمال شخص نہیں دیکھا جو ان (یعنی عمر) جیسا حیرت انگیز کام کرتا ہو، یہاں تک کہ لوگوں نے اونٹوں کے لئے حوض پانی سے بھر لئے۔

عن عبد الله بن عمر عن رؤيا النبي ﷺ قال: رأيت امرأة، سوداء، فائرة الرأس، غز جث من المدينة حتى قامت بمهبطها وهي الجحفة، فأولتها وباء المدينة، ينقل إلى الجحفة.

عبداللہ بن عمر حضور ﷺ کے خواب کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے ایک پراگندہ بالوں والی سیاہ عورت دیکھی کہ وہ مدینہ سے نکل کر مہیجہ چلی گئی، مہیجہ: وہ جحفہ ہے، میں نے اس کی تعبیر یہ لی کہ مدینہ کی وبا جحفہ پھیل کر دی گئی ہے۔

عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: في آخر الزمان لا تكاد رؤيا المؤمن تكذب، وأصدفهم رؤيا أصدفهم خديفاً، والرؤيا ثلاث: الحسنة بشرى من الله، والرؤيا يحدث الرجل بها نفسه، والرؤيا تخبر من الشيطان. فإذا رأى أحدكم رؤيا يكرهها فلا يحدث بها أحداً وليقم فليصل. قال أبو هريرة: يغيبني القيد وأكره الغل، القيد: ثبات في الدين. قال: وقال النبي ﷺ: رؤيا المؤمن جزء من ستة وأربعين جزءاً من النبوة.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آخر زمانے میں مؤمن کا خواب بہت کم جھوٹا ہوگا، لوگوں میں سب سے سچے خواب ان لوگوں کے ہوں گے جو باتوں میں زیادہ سچے ہوں گے اور خواب تین طرح کے ہیں، اول وہ اچھا خواب ہے، جو اللہ کی طرف سے بشارت ہوتا ہے، دوسرا وہ خواب ہے، جو آدمی اپنے دل میں سوچتا ہے اور تیسرا وہ خواب ہے، جو شیطان کی طرف سے غمگین کرتا ہے، لہذا جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے، جو اسے

ناگوار ہو، تو وہ کسی کے سامنے بیان نہ کرے، اور کھڑا ہو جائے اور نماز پڑھے، حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ مجھے خواب میں بیڑی کا دیکھنا اچھا لگتا ہے اور طوق کو دیکھنا ناپسند کرتا ہوں، بیڑی سے دین میں ثابت قدمی مراد ہے، راوی کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا مؤمن کا خواب نبوت کا چھایا سواں جز ہے۔

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ فِي يَدَيَّ سِوَارِينَ مِنْ ذَهَبٍ، فَهَمَنِي مَا أَتَاهُمَا، فَأَوْحَى إِلَيَّ أَنَّ الْفَخْهَمَا لَتَفْتَحَهُمَا فَطَارَ لِي فَأَوَّلُهُمَا كَأَنَّهُمَا يَخْرُجَانِ مِنْ بَغْدَى، يُقَالُ لِأَخِيهِمَا: مَسْلَمَةٌ، صَاحِبُ الْيَمَامَةِ وَالْعَنَسِيُّ صَاحِبُ صَنْعَاءَ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں، ان دونوں کی حالت نے مجھے غم میں مبتلا کر دیا، اتنے میں میری طرف وحی بھیجی گئی کہ میں ان کو پھونک ماروں، چنانچہ میں نے ان میں پھونک ماری تو وہ دونوں اڑ گئے، میں نے ان کی تعبیر یہ لی کہ میرے بعد دو جوہر آئیں گے، ان میں سے ایک کو مسلمہ کہا جائے گا، جو یمامہ کا رہنے والا ہوگا، اور دوسرا عنسی ہوگا جو صنعاء شہر کا باشندہ ہوگا۔

عن ابن عباس، قال: كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُحَدِّثُ: أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ ظِلَّةً يَنْطَفُ مِنْهَا السَّمْنُ وَالْعَسَلُ، وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَسْتَقْفُونَ بِأَيْدِيهِمْ، فَأَلْمَسْتُكَوْزَ وَالْمُسْتَقِيلَ، وَرَأَيْتُ سَبَبًا وَاصِلًا مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ، فَأَزَاكَ يَارَسُولَ اللَّهِ أَخَذْتُ بِهِ فَعَلَوْتُ، ثُمَّ أَخَذْتُ بِهِ رَجُلٌ بَغْدَگَ فَعَلَا، ثُمَّ أَخَذَهُ رَجُلٌ بَغْدَهُ فَعَلَا، ثُمَّ أَخَذْتُ بِهِ رَجُلٌ لَهْ فَعَلَا بِهِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: أَيْ رَسُولَ اللَّهِ يَا أَبَى أَنْتَ وَأُمِّي: وَاللَّهِ لَتَدْعَنِي أَغْبِزُهَا، فَقَالَ: اغْبِزْهَا۔ فَقَالَ: أَمَّا الظِّلَّةُ: فَظِلَّةُ الْإِسْلَامِ، وَأَمَّا مَا يَنْطَفُ مِنَ السَّمْنِ وَالْعَسَلِ فَهَذَا الْقُرْآنُ لِيْنَهُ وَخَلَاوَتُهُ، وَأَمَّا الْمُسْتَكْوَزُ وَالْمُسْتَقِيلُ، فَهُوَ الْمُسْتَكْوَزُ مِنَ الْقُرْآنِ وَالْمُسْتَقِيلُ مِنْهُ، وَأَمَّا السَّبَبُ الْوَاصِلُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ، فَهُوَ الْحَقُّ الَّذِي أَنْتَ عَلَيْهِ، فَأَخَذْتُ بِهِ، فَيَغْلِبُكَ اللَّهُ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِهِ بَغْدَگَ رَجُلٌ آخَرُ فَيَغْلِبُ بِهِ، ثُمَّ يَأْخُذُ بَغْدَهُ رَجُلٌ آخَرُ فَيَغْلِبُ بِهِ، ثُمَّ يَأْخُذُ بَغْدَهُ رَجُلٌ آخَرُ فَيَقْطَعُ بِهِ، ثُمَّ يَوْصِلُ فَيَغْلِبُ بِهِ، أَيْ رَسُولَ اللَّهِ لَتَحْدِثَنِي: أَصَبْتُ أَمْ أَخْطَأْتُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَصَبْتُ بَغْضًا وَأَخْطَأْتُ بَغْضًا۔ قَالَ: أَقْسَمْتُ يَا أَبَى أَنْتَ وَأُمِّي يَارَسُولَ اللَّهِ: لَتُخْبِرَنِي مَا الَّذِي أَخْطَأْتُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا تُفْسِمُ۔

عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ حدیث بیان کرتے تھے کہ ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہنے لگا کہ میں نے رات میں خواب دیکھا، کہ ایک سائبان یا بادل ہے، جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے، اور میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے پانی لے رہے تھے، ان میں سے بعض زیادہ لے رہے تھے اور بعض کم، اور میں نے ایک رسی کو دیکھا، جو آسمان سے زمین تک ملی ہوئی ہے میں نے آپ کو دیکھا یا رسول اللہ کہ آپ نے اس

رسی کو پکڑا اور اوپر چڑھ گئے، پھر آپ کے بعد ایک اور شخص نے رسی پکڑی اور وہ بھی چڑھ گیا، پھر اس کے بعد ایک اور شخص نے رسی پکڑی تو وہ ٹوٹ گئی پھر اسے جوڑ دیا گیا، تو وہ بھی اس سے اوپر چڑھ گیا، صدیق اکبر نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، بخدا مجھے اس کی تعبیر بتانے کی اجازت دے دیجئے، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم تعبیر بتادو، تو صدیق اکبر نے عرض کیا کہ ساہبان سے اسلام مراد ہے اور جوگھی اور شہداس سے ٹپک رہا ہے، تو یہ قرآن ہے، جس کے مضامین نرم اور میٹھے ہیں، اور پانی کو زیادہ اور کم لینے والے سے قرآن مجید کو زیادہ اور کم لینے والے مراد ہیں، اور اس رسی کا مفہوم جو آسمان سے زمین تک ملی ہوئی ہے، وہ حق ہے، جس پر آپ قائم ہیں، آپ نے اسے اختیار فرمایا ہے، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ کو بلند فرمائے گا، پھر آپ کے بعد ایک شخص (یعنی صدیق اکبر) اسے پکڑے گا، تو وہ بھی اس کی وجہ سے بلند ہوگا، پھر اس کے بعد ایک اور شخص (عمر فاروق) آئے گا تو وہ بھی اس کی وجہ سے بلند ہوگا، پھر ایک اور شخص اسے پکڑے گا، تو وہ ٹوٹ جائے گی، پھر اسے جوڑا جائے گا، تو وہ شخص بھی اس کی وجہ سے سر بلند ہو جائے گا۔

یا رسول اللہ آپ بتا دیجئے کہ میں نے صحیح تعبیر بیان کی ہے یا اس میں کوئی غلطی بھی کی ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بعض کی تعبیر تم نے درست دی ہے اور کچھ میں تم نے غلطی کی ہے، ابو بکر صدیق نے عرض کیا: میں قسم دے کر پوچھتا ہوں: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں: آپ مجھے وہ غلطی ضرور بتا دیجئے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ تم قسم نہ کھاؤ۔

عَنْ مَسْرُوقَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلَّيْنَا بِنَا الصُّبْحِ، أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهِ، وَقَالَ: هَلْ رَأَى أَحَدٌ مِنْكُمْ زَوْيَا الْاَلَيْلَةِ۔

حضرت سرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب فجر کی نماز پڑھا لیتے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو جاتے اور فرماتے: کیا تم میں سے کسی نے رات میں کوئی خواب دیکھا ہے۔

مشکل الفاظ کی تشریح:- میزان: ترازو۔ رجعت: آپ غالب آ گئے، ہماری ہو گئے۔ ذنوب: چھوٹا ڈول۔ دلو: بڑا ڈول۔ نزع: پانی کھینچنا، پانی نکالا۔ استحالت: بدل گیا۔ عبقریا: باکمال شخص، خوب ماہر۔ یھوی: حیرت انگیز کام کرتا ہے۔ عطن: (عین اور طاء پر زبر) وہ حوض جو کنوئیں کے پاس جانوروں کو پانی پلانے کے لئے بنایا جاتا ہے۔ (۱) پانی کے قریب اونٹوں اور بکریوں کے بیٹھنے کی جگہ۔ ثائرة الرأس: پرانگندہ بال، بکھرے اور منتشر بال۔ وباء المدينة: مدینہ منورہ کی عام بیماری۔ سورین: (تثنیہ کا لفظ ہے) دو ٹنگن۔ ہمینی شانہما: ان کی حالت نے مجھے غم میں مبتلا کر دیا۔ نفختہما: میں نے انہیں پھونک ماری۔ ظلة: (ظا پر پیش کے ساتھ) ساہبان، سایہ، بادل۔ ینطف: ٹپک رہا ہے۔ یستقون: ہاتھ سے پانی لیتے ہیں۔ المستکثر:

زیادہ لینے والا۔ المستقل: تھوڑا اور کم لینے والا۔ سبب: رسی۔ واصل: ملی ہوئی، جڑی ہوئی۔ قطع بہ: اس رسی کو توڑ دیا گیا۔

خواب میں ترازو دیکھنا

ایک صحابی نے یہ خواب دیکھا کہ آسمان سے ترازو نازل ہوا ہے، جس میں آپ ﷺ اور صدیق اکبر کو تولا گیا، تو حضور اکرم ﷺ غالب آگئے، پھر شیخین کو تولا گیا، تو حضرت صدیق اکبر غالب آگئے، پھر حضرت عمر فاروق اور عثمان غنی کو تولا گیا، تو حضرت عمر فاروق غالب آگئے، پھر اس ترازو کو اٹھالیا گیا، اس خواب سے دراصل اس طرف اشارہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ اور صدیق اکبر اور عمر فاروق کے بعد فتنوں کا ظہور ہوگا، اور دینی امور میں انحطاط اور زوال شروع ہو جائے گا، یہی وجہ ہے کہ اس خواب میں جب ترازو اٹھائے جانے کا ذکر آیا تو آپ ﷺ کی طبیعت خراب ہو گئی، ناگواری کے آثار چہرہ انور پر ظاہر ہو گئے، نیز اس سے آپ کے بعد خلفاء کی ترتیب کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ پہلے خلیفہ صدیق اکبر، دوسرے عمر فاروق، اور تیسرے حضرت عثمان ہوں گے۔ (۱)

ورقہ بن نوفل کے متعلق حضور اکرم ﷺ کا خواب

اس باب کی دوسری حدیث میں ورقہ بن نوفل کے متعلق آپ کا خواب ذکر کیا گیا ہے، حضرت ورقہ بن نوفل ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی تھے، انہوں نے زمانہ جاہلیت میں عیسائی مذہب کی تعلیم حاصل کی تھی، اسی کے مطابق وہ اپنی زندگی گزارتے رہے، علمی مہارت کی وجہ سے انجیل کو عربی میں منتقل کیا تھا، بت پرستی سے سخت بیزار تھے، آخری عمر میں ان کی پینائی چلی گئی تھی، جب حضور اکرم ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی، تو آپ بہت گھبرا گئے، تو حضرت خدیجہ آپ کو لے کر ان کے پاس گئیں، انہوں نے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی، اور آپ کو تسلی دی۔

اس حدیث میں ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ سے ورقہ بن نوفل کے بارے میں سوال کیا گیا تو حضرت خدیجہ نے آپ کے جواب سے پہلے اپنے چچا زاد بھائی کی حالت کو بیان کیا، کلام کا اسلوب ایسا اختیار کیا کہ ورقہ بن نوفل کی حقیقت بھی واضح ہو جائے اور مرتبہ نبوت کا ادب بھی ملحوظ رہے، چنانچہ حضرت خدیجہ نے یہ کہا کہ وہ آپ ﷺ کی تصدیق کرتے تھے، اور وہ کہتے کہ جس فرشتے کو آپ ﷺ نے دیکھا ہے، یہ وہی فرشتہ ہے، جو آپ سے پہلے دیگر انبیاء..... حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہ السلام پر بھی وحی لے کر آتا تھا، اور آپ خدا کے پیغمبر ہیں اور اگر میں آپ کے ظہور اور غلبہ کے وقت زندہ رہا، تو آپ ﷺ کی مدد کروں گا، اور آپ کو طاقت فراہم کروں گا، گویا ایک طرف تو اس بات سے حضرت خدیجہ نے ان کے ایمان کو ثابت کرنا چاہا اور دوسری طرف یہ کہہ کر ایمان میں شک کا بھی اظہار کر دیا کہ ورقہ بن نوفل آپ کے ظہور سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے، پھر آپ ﷺ نے اپنا خواب بیان فرما کر ان

کے مومن ہونے کی تصدیق کر دی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ورقہ بن نوفل کو سفید کپڑوں میں دیکھا ہے، جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ اچھی حالت میں ہیں اور اہل جنت میں سے ہیں، اگر وہ اہل جہنم میں سے ہوتے تو وہ سفید لباس میں نہ ہوتے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ورقہ بن نوفل مؤمن تھے، اور ان کے ساتھ اہل ایمان والا معاملہ ہوگا، بلکہ بہت سے حضرات نے تو انہیں صحابہ کی جماعت میں ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (۱)

شیخین کی مدت خلافت اور کارناموں سے متعلق ایک خواب

اس باب کی تیسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ صدیق اکبر نے ایک یادو ڈول پانی نکالا اور اس میں ذرا ضعف اور کمزوری تھی، اللہ انہیں معاف فرمائے، پھر عمر فاروق نے پانی نکالا تو وہ ڈول بڑے ڈول میں تبدیل ہو گیا۔ شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ اس خواب سے دو باتوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے:

- (۱) صدیق اکبر کا زمانہ خلافت تھوڑا ہوگا، اور ان کے زمانے میں ارتداد اور انکار زکوٰۃ کا فتنہ ظاہر ہوگا۔ "وفیہ ضعف" سے اسی طرف اشارہ ہے، "واللہ یغفرلہ" یہ دعائیہ جملہ ہے، جو حسن کلام کے لئے ذکر کیا جاتا ہے، بعض حضرات کے نزدیک اس سے دراصل صدیق اکبر کی وفات کی طرف اشارہ ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ اس سے ان کی فتوحات کی کمی کی طرف اشارہ ہو کہ اس میں صدیق اکبر کا کوئی تصور نہیں ہے، کیوں کہ ان کا زمانہ خلافت، تھاہی مختصر، اور اس میں بھی انہوں نے کئی فتنوں کی سرکوبی کی، لہذا اس جملے سے ان کی کسی خامی، قصور اور عیب کو بیان کرنا مقصود نہیں، اور نہ ہی اس سے ان کی فضیلت میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے، اس صورت میں واللہ یغفرلہ کے معنی یہ ہوں گے کہ ظاہری فتوحات کی کمی کی وجہ سے ان پر کوئی لعن طعن اور ملامت نہیں ہے۔
- (۲) حضرت عمر فاروق کا زمانہ خلافت طویل ہوگا، اور اس میں کثرت سے اسلامی فتوحات ہوں گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (۲)

مدینہ کی وباء کا جحفہ منتقل ہونے کا خواب

اس باب کی چوتھی حدیث میں یہ خواب ذکر کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دیکھا کہ مدینہ سے ایک کالی عورت، جو پرانگندہ بالوں والی تھی، نکل کر جحفہ چلی گئی، تو آپ ﷺ نے اس کی تعبیر یہ دی کہ مدینہ کی وباء اور عمومی مرض کو جحفہ منتقل کر دیا گیا ہے، اس خواب کا پس منظر یہ ہے کہ جب آپ ﷺ اور صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو انہیں وہاں کی آب و ہوا موافق نہ آئی، سرد دریا اور بخار وغیرہ میں مبتلا ہو گئے، تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی: اے اللہ مدینہ ہمارے لئے محبوب بنادے اور اس کی وباء کو جحفہ کی طرف منتقل فرما دیجئے اور جحفہ میں اس وقت یہودی رہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس خواب کے ذریعہ یہ بشارت

(۱) الکوکب الدرۃ ۲۰۶/۳

(۲) تحفة الاحوذی ۴۶۸/۶

دے دی کہ آپ کی دعا قبول ہوگئی ہے۔

نبوت کے دو جھوٹے دعویدار

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کو خواب کے ذریعہ بتایا گیا کہ آپ کی بعثت و نبوت کے بعد دو جھوٹے نبوت کے داعی رونما ہوں گے۔

آپ نے خواب میں یہ دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو نگن ہیں، اس سے آپ غمگین ہو گئے کہ سونا تو مردوں کے لئے حرام ہے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ انہیں پھونک مارو، آپ نے پھونک ماری تو وہ دونوں نگن اڑ گئے، آپ نے اس کی تعبیر یہ دی کہ میری بعثت کے بعد دو جھوٹے نبوت کے دعویدار آئیں گے، ایک کو مسلمہ، سیلمہ اور دوسرے کو اسود غسانی کہا جائے گا،

یمامہ جگہ کا نام ہے، وہاں پر مسلمہ نے حضور ﷺ کی زندگی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اہل یمامہ نے اس کی تصدیق بھی کی تھی، مگر آپ کی حیات میں اسے غلبہ نہ ہوسکا، حضرت صدیق اکبر کے زمانہ خلافت میں حضرت وحشی نے اسے قتل کیا تھا، یہ وہی وحشی ہیں، جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے غزوہ احد میں حضرت امیر حمزہ کو شہید کیا تھا، چنانچہ یہ خود کہا کرتے کہ میں نے زمانہ کفر میں سب سے بہتر آدمی یعنی حضرت حمزہ کو قتل کیا تھا، اور اسلام قبول کرنے کے بعد سب سے برے انسان یعنی مسلمہ کو قتل کیا ہے۔ (۱)

اسود غسانی یمن کے دار الحکومت ”صنعاء“ کا سردار تھا اس کا نام عہملہ بن کعب تھا، اسے ”ذوالنمار“ بھی کہا جاتا تھا کیونکہ یہ اپنے چہرے کو ڈھانپ کر رکھا کرتا تھا، اس نے بھی حضور ﷺ کی زندگی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، امام بیہقی نے لکھا ہے کہ اس کے ساتھ دو شیطان تھے، ایک کو ”حقیق“ اور دوسرے کو ”شقیق“ کہا جاتا تھا، یہ اسے لوگوں کی ہر طرح کی خبریں بتاتے تھے، جب نبی کریم ﷺ کی طرف سے صنعاء کے مقرر کردہ گورنر ”بازان“ نامی کی وفات ہوئی تو غسانی کو اس کے شیطانوں نے اطلاع دیدی، اس پر اس نے اپنی قوم کے ساتھ مل کر صنعاء شہر پر حملہ کر دیا اور قبضہ کر کے بازان کی اہلیہ مرزبانہ کے ساتھ شادی کر لی..... اس نے اپنی حفاظت پر ایک ہزار بندوں کو مقرر کیا ہوا تھا، اس کے باوجود حضرت فیروز دہلی اور آپ کے ساتھی دیوار میں نقب کر کے اندر گھس گئے، اسود غسانی کو مردار کیا وہ اس رات خالص شراب پی کر سویا تھا، عمدہ سامان اور بازان کی اہلیہ کو وہاں سے نکالا، نبی کریم ﷺ کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: ”فیاز فیروز“ فیروز دہلی کا میاب ہو گئے یہ واقعہ حضور ﷺ کی وفات سے چوبیس گھنٹے پہلے پیش آیا تھا۔ (۲)

(۱) فتح الباری ۴/۶۶۷ کتاب المغازی، باب: قتل حمزہ بن عبدالمطلب

(۲) تکملة فتح الملم، ۴/۶۷۷ فتح الباری ۱۶/۸ کتاب المغازی، باب قصة الاسود العنسی

حضرت صدیق اکبرؓ نے خواب کی تعبیر میں کیا غلطی کی

حضرت صدیق اکبرؓ نے جب خواب کی تعبیر بیان کر کے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ میں نے یہ تعبیر صحیح دی ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اَصْبَتْ بَعْضًا وَ اَعْطَا بَعْضًا کچھ تعبیر صحیح دی ہے اور کچھ میں غلطی کی ہے، پھر صدیق اکبرؓ نے قسم دے کر اپنی غلطی دریافت کرنا چاہی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم قسم نہ کھاؤ۔

اس پر شارحین حدیث نے کلام کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے تعبیر میں کیا غلطی کی ہے، اس میں مختلف اقوال ہیں:

(۱) بعض علماء فرماتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ نے خواب کی تعبیر میں کوئی غلطی نہیں کی، غلطی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پہلے ہی خواب کی تعبیر بتانے میں اجازت طلب کر لی، لیکن یہ قول درست نہیں، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشاد میں اس طرف اشارہ فرمایا کہ صدیق اکبرؓ نے خواب کی تعبیر میں خطا کی ہے۔

(۲) امام طحاوی فرماتے ہیں کہ غلطی یہ ہے کہ صدیق اکبرؓ نے غسل اور سن دونوں سے ایک ہی چیز یعنی قرآن مراد لیا ہے جبکہ مناسب یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ غسل سے قرآن اور سن سے سنت مراد ہے۔

(۳) صحیح قول یہ ہے کہ اس بارے میں دو وجہ سے خاموشی اور توقف اختیار کیا جائے، ایک تو اس وجہ سے کہ صدیق اکبرؓ نے خواب کی تعبیر میں جو غلطی کی ہے، امت کے افراد میں سے کسی کے لئے اس میں علم صحیح کا دعویٰ کرنا نص صریح کے بغیر ممکن نہیں، اور دوسرا اس لئے کہ جب نبی کریم ﷺ نے غلطی کی وجہ بیان کرنے سے اعراض فرمایا جبکہ صدیق اکبرؓ قسم دے کر پوچھ رہے تھے، کیوں کہ اسی میں امت کے لئے بہتری اور مصلحت تھی، ایسے میں ہمارے لئے کسی بھی طرح مناسب نہیں کہ اس چیز کی کھوج اور جستجو میں پڑیں، جسے نبی کریم ﷺ نے اپنے قصد اور ارادے سے پوشیدہ رکھا ہے، ظاہر نہیں فرمایا۔ (۱)

طلوع شمس سے پہلے خواب کی تعبیر کا حکم

باب کی آخری حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ طلوع آفتاب سے پہلے بھی خواب کی تعبیر دی جاسکتی ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ فجر کی نماز کے بعد صحابہ کی طرف رخ کر کے تشریف فرما ہوتے اور پوچھا کرتے کہ آج رات کس نے خواب دیکھا ہے، لہذا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ طلوع آفتاب سے پہلے خواب کی تعبیر نہیں دی جاسکتی، درست نہیں، بلکہ بعض علماء تو اس وقت خواب بیان کرنے اور اس کی تعبیر کو بہتر قرار دیتے ہیں، کیوں کہ اس وقت خواب اچھی طرح یاد ہوتا ہے، اور تعبیر دینے والے کا ذہن بھی ہر طرح کی فکر سے یکسو ہوتا ہے۔ (۲)

(۱) فتح الباری، کتاب التعلیل، باب من لم یروایا ۵۳۹/۱۲، تکملة فتح للملہم، ۴/۵۹۶

(۲) تکملة فتح للملہم، ۴/۲۶۹، کتاب الروایا، باب رویا النبی ﷺ

ابواب الشهادات من رسول الله ﷺ

رسول اللہ ﷺ سے شہادت سے متعلق احادیث پر مشتمل ابواب
شهادات، شہادۃ کی جمع ہے: گواہی دینا، معنی یہ ہیں کہ جس واقعہ کا اس نے مشاہدہ کیا ہے، اس کی گواہی دینا کہ یہ
معاملہ اس طرح تھا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الشَّهَادَةِ أَيُّهُمْ خَيْرُ؟

یہ باب گواہوں کے بیان میں ہے کہ ان میں سب سے بہتر کون ہیں
عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: أَلَا أَخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشَّهَادَةِ؟ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَةٍ وَقَبْلَ أَنْ
يُسْأَلَ لَهَا۔

حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں گواہوں میں سے سب سے
بہترین گواہ نہ بتاؤں (تو سنو کہ) سب سے بہتر گواہ، وہ ہوتا ہے، جو گواہی کے مطالبے سے پہلے ہی گواہی دیدے۔
عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: خَيْرُ الشَّهَادَةِ مَنْ أَدَّى شَهَادَتَهُ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَ لَهَا۔
حضرت زید بن خالد جہنی نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: گواہوں میں سب سے بہترین گواہ، وہ ہوتا
ہے، جو گواہی طلب کئے جانے سے پہلے ہی از خود گواہی دے دے۔

بہترین گواہ

بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی کے مطالبے سے پہلے خود ہی شہادت دیدے، اس سے کیا مراد ہے؟

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جملے کی تین تاویلیں کی گئی ہیں:

(۱) مالکیہ اور شافعیہ فرماتے ہیں یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے، جو کسی انسان کے کسی حق کا گواہ ہے لیکن اس انسان
کو معلوم نہیں کہ یہ شخص میرے حق کا گواہ ہے، اب یہ شخص اسے بتاتا ہے کہ میں تمہارا گواہ ہوں، تو یہ شخص بہترین گواہ ہے، جو اس
انسان کے حق کو زندہ کرنے کا ذریعہ بنا ہے۔

(۲) یہ حدیث شہادت الحسبہ پر محمول ہے، حسب کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ سے اجراء و ثواب کی نیت سے گواہی دینا، اور شہادت
الحسبہ سے وہ گواہی مراد ہوتی ہے جو انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کسی مطالبہ اور مدعی کے دعوے کے بغیر خود ہی اہل حق یا قاضی
کے سامنے شہادت دیدے، گویا یہ گواہ ایک ہی وقت میں مدعی بھی ہے اور شاہد بھی ہے، یہ گواہی صرف حقوق اللہ میں قبول ہوتی ہے،

جیسے حد زنا، حد شرب، زکوٰۃ، عتاق، وصیت، وقف، طلاق، عدت، حرمت، مصاہرت، خلع اور رضاعت وغیرہ، اس لئے اگر کسی کے پاس اس قسم کی کوئی شہادت ہو، تو اسے چاہیے کہ اس شہادت کو قاضی کے سامنے جا کر بیان کر دے، یہ اس کے پاس ایک قسم کی امانت ہے، اس طرح جو کرے گا، اسے اس حدیث میں خیر الشہداء کہا گیا ہے۔ (۱)

(۳) اس کے معنی یہ ہیں کہ جب اس سے گواہی کا مطالبہ کیا جائے تو پھر ٹال منول سے کام نہیں لیتا بلکہ فوراً ہی شہادت دیدیتا ہے، طلب کے بعد اداء شہادت میں تاخیر نہ کرے۔ اور جلدی ادا کرنے کو بطور مبالغہ کے یوں کہا گیا ہے کہ گواہی کے مطالبہ سے پہلے ہی گواہی دیدے، جیسے کہا جاتا ہے کہ سخی آدمی سوال سے پہلے ہی دیدیتا ہے، معنی یہ ہیں کہ جب اس سے عطیہ کا مطالبہ کیا جائے، تو فوراً ہی دیدیتا ہے، تاخیر نہیں کرتا۔ (۲)

یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص مطالبے کے بغیر گواہی دے گا، تو وہ بہترین گواہ ہے، جبکہ ایک دوسری روایت میں نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے، جو گواہی کے مطالبے کے بغیر خود ہی گواہی دیدیں، بظاہر ان دونوں احادیث میں تعارض ہے؟

اس لئے شارحین حدیث نے حدیث مذمت کی درج ذیل تاویلیں کی ہیں:

(۱) حدیث مذمت میں ان لوگوں کی گواہی کا ذکر ہے جو جھوٹی گواہی دیتے ہیں، جس بات کی کوئی اصل اور حقیقت ہی نہیں، حالانکہ ان سے کسی قسم کی گواہی کا مطالبہ بھی نہیں کیا گیا ہوتا۔

(۲) بعض نے کہا کہ حدیث مذمت میں اس شاہد کی گواہی کی مذمت ہے، جو شہادت دینے کا اہل ہی نہیں ہے۔

(۳) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ان لوگوں کی گواہی کی مذمت بیان کی گئی ہے، جو محض شرارت و فساد کی غرض سے مطالبے کے بغیر ہی شہادت دیدیں، اگرچہ وہ شہادت واقع کے مطابق ہی ہو، تب بھی شرعیہ مذموم ہے۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مذکورہ احادیث میں کوئی تضاد اور تعارض نہیں، کیونکہ دونوں کے مفہوم اور مطلب الگ الگ ہیں۔ (۳)

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ لَا تَجُوزُ شَهَادَتُهُ

یہ باب ان لوگوں کے بیان میں ہے جن کی گواہی شرعاً جائز نہیں

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٌ وَلَا مَجْلُودٌ وَلَا مَجْلُودَةٌ وَلَا

(۱) تکملة فتح للملهم: ۵۹۸/۲ کتاب القضاء، باب: بیان خیر الشہداء، رد المختار ۴۶۳/۵ ط: کراچی

(۲) شرح مسلم للنووی ۷/۲ تحفة الاحوذی ۴۶۶/۶

(۳) الکوکب الدرر ۲۱۴/۳ تحفة الاحوذی ۴۶۶/۶

ذِي غَمْرٍ لَا خَنْفَةٍ، وَلَا مُجْتَزَبَ شَهَادَةٍ، وَلَا الْقَانِعِ أَهْلَ الْبَيْتِ لَهُمْ، وَلَا ظَنِينَ فِي وَلَا عَوَّلًا قَرَابَةً. قَالَ
الْفَرَارِيُّ: الْقَانِعُ: النَّابِغُ.

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت کی گواہی جائز نہیں، اور نہ ایسے مرد و عورت کی شہادت، جن پر تہمت کی حد جاری کی گئی ہو، اور نہ بغض و عداوت والے کی بغض و حسد کی بناء پر، اور نہ ایسے آدمی کی شہادت معتبر ہے، جسے جھوٹی گواہی میں آزمایا جا چکا ہو، اور نہ کسی گھر کے خادم کی گواہی اہل خانہ کے حق میں، اور نہ اس شخص کی گواہی معتبر ہے جو دلاء، یا رشتہ داری میں متہم اور مشکوک ہو۔
فزاری کہتے ہیں کہ ”قانع“ سے ”تابع“ (ماتحت) مراد ہے۔

مشکل الفاظ کی وضاحت:۔ خائف: خیانت کرنے والا۔ مجلود حد: جس پر حد کی وجہ سے کوڑے لگائے گئے ہوں۔ غمر: (غین کے نیچے زیر اور میم کے سکون کے ساتھ) حسد و بغض اور عداوت، ذی عمر کے معنی ہیں بغض و حسد اور دشمنی والا۔ احنة: (ہمزے کے نیچے زیر کے ساتھ) بغض و حسد، دشمنی۔ مجرب شہادة: جسے جھوٹی گواہی میں بار بار آزمایا جا چکا ہو۔ قانع: ماتحت، گھر کا خادم۔ ظنین: متہم، مشکوک۔

کن لوگوں کی گواہی شرعاً معتبر نہیں

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے، جن کی گواہی جائز اور درست نہیں:

- (۱) خیانت کرنے والے مرد اور عورتیں، شارحین حدیث نے خیانت کے دو مفہوم بیان کئے ہیں: ☆ اس سے لوگوں کی امانتوں میں خیانت کرنا مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ ان مردوں اور عورتوں کی گواہی معتبر نہیں، جو لوگوں کی امانتوں میں خیانت کرنے میں مشہور ہوں، اور ان کی خیانت لوگوں کے سامنے خوب ظاہر ہو چکی ہو۔
- ☆ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ خیانت سے یہاں ”فسق“ مراد ہے، خواہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور گناہ صغیرہ پر اصرار کی صورت میں ہو یا دینی احکام اور فرائض میں غفلت اور انہیں چھوڑنے کی وجہ سے ہو، ایسے لوگوں کی گواہی معتبر نہیں ہوگی، علماء نے اس مفہوم کو زیادہ بہتر قرار دیا ہے۔

(۲) وہ مرد اور عورت جس پر تہمت کی حد جاری کی جا چکی ہو، یہ اگر اپنے اس گناہ سے توبہ بھی کر لے، تب بھی اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی، اگرچہ اس کا گناہ معاف ہو جائے، البتہ تہمت کی حد کے علاوہ دیگر حدود میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ توبہ کے بعد ان کی گواہی معتبر ہوگی، جبکہ دیگر امام فرماتے ہیں کہ کسی بھی حد کے بعد، جب وہ اس گناہ سے توبہ کر لے، تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی، خواہ وہ حد، تہمت لگانے کے جرم میں جاری ہوئی ہو یا کسی اور گناہ مثلاً زنا کی وجہ سے ہو۔

(۳) دشمن کی گواہی قبول نہیں، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک تو مطلقاً اس کی شہادت معتبر نہیں، خواہ اس کی دشمنی دنیاوی ہو یا دینی

ہو، البتہ حنفیہ نے فرق کیا ہے کہ اگر دشمنی کسی دنیاوی امر کی وجہ سے ہے، تب تو اس کی گواہی معتبر نہیں، لیکن اگر بغض و عداوت دینی بنیاد پر ہو تو پھر اس کی گواہی معتبر ہوگی، جیسا کہ مسلمان کی شہادت کافر کے خلاف درست ہے۔ (۱)

(۴) اس جھوٹے آدمی کی شہادت بھی معتبر نہیں، جس کا جھوٹ بار بار آزمایا جا چکا ہو اور لوگوں کی نظروں میں وہ جھوٹا ثابت ہو چکا ہو۔

(۵) قانع کی گواہی معتبر نہیں، یعنی ایسا شخص جو کسی کے زیر نفقہ ہو، جس کا گزر کسی کے دینے پر ہو جیسے گھریلو خادم، ایسے شخص کی گواہی اپنے مخدوم اور مالک کے حق میں معتبر نہیں ہوگی، کیونکہ اس شہادت میں غلط گواہی اور ذاتی مفاد کا احتمال ہے۔

یہی حکم ہر اس گواہی کا ہے، جس میں گواہ کا اس شہادت سے کوئی فائدہ وابستہ ہو اور تہمت کا اندیشہ ہو، لہذا اگر باپ اپنے بیٹے کے حق میں یا بیٹا اپنے باپ کے حق میں گواہی دے یا شوہر اپنی بیوی کے حق میں یا بیوی اپنے شوہر کے حق میں گواہی دے، تو اس کی گواہی درست نہیں ہوگی اور اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ان کا آپس میں ایک دوسرے کے حق میں گواہی دینا گویا اپنی ذات کے فائدے کے لئے ہے، البتہ بھائی کی گواہی بھائی کے حق میں درست ہے، شرعاً اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

(۶) اس آدمی کی گواہی معتبر نہیں جو دلاء میں متہم ہو، مطلب یہ ہے کہ ایک غلام کو اس کے آقا نے آزاد کر دیا، اب یہ آزاد کردہ غلام اپنی آزادی کی نسبت اپنے اصل آقا کی طرف نہیں کرتا، بلکہ کسی اور کی طرف منسوب کرتا ہے، یہ بات لوگوں میں مشہور و معروف ہے، تو اس کی گواہی درست نہیں، کیونکہ یہ فاسق ہے، یہ اس بات سے دراصل حق و دلاء کو دوسرے کے لئے ثابت کرنا چاہتا ہے، حالانکہ یہ تو اصل آقا کے لئے ہے، کسی اور کے لئے ثابت کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

(۷) اس آدمی کی بھی شہادت قبول نہیں، جو اپنی قرابت میں لوگوں کے ہاں متہم ہو، یعنی اپنا نسبی رشتہ کسی اور سے جوڑتا ہے، جبکہ وہ اس کا باپ نہیں، اس کی گواہی بھی قبول نہیں، کیونکہ اس کا یہ جھوٹ بھی فسق ہے، اور فاسق کی گواہی درست نہیں، اور اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنا نسب ثابت کرنے پر احادیث میں سخت وعیدیں منقول ہیں،

ولا نعرف معنی هذا الحديث

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ہم اس حدیث یعنی "ولا ظمین فی ولاء ولا قرابة" کے معنی نہیں جانتے، کیونکہ بظاہر اس جملے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مطلقاً ایک رشتہ دار کی گواہی اپنے رشتہ دار کے حق میں معتبر نہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، چنانچہ شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ قرابت دو طرح کی ہوتی ہے:

(۱) عام قرابت، جسے مطلق قرابت بھی کہا جاتا ہے۔

(۲) خاص قرابت جس میں رشتہ ولادت پایا جاتا ہو۔

امام ترمذی نے حدیث کے اس جملے سے مطلق قرابت مراد لی ہے، اس لئے انہوں نے فرمایا: ولا نعرف معنی هذا

الحديث، حالانکہ اس سے قرابت خاص مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ ان رشتہ داروں کی آپس میں شہادت درست نہیں، جن کے درمیان ولادت کا رشتہ ہو، اور جن کے ساتھ ولادت کا رشتہ نہیں، لیکن ہیں وہ رشتہ دار، تو ان کی شہادت آپس میں شرعی شہادت کی شرائط کی بنیاد پر درست ہوگی۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي شَهَادَةِ الزُّورِ

یہ باب جھوٹی گواہی کی مذمت کے بیان میں ہے

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكِبَايِرِ؟ قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: الْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ، أَوْ قَوْلُ الزُّورِ، قَالَ: فَمَا زَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُهَا، حَتَّى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَتَ۔

ابو بکرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں کیوں نہیں یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، اور جھوٹی گواہی یا فرمایا جھوٹی بات کہنا، راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بار بار یہ جملہ ارشاد فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم کہنے لگے: کاش آپ خاموش ہو جاتے۔

عَنْ أَيْمَنَ بْنِ خُرَيْمٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَامَ خَطِيبًا فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ عُدَلْتُ شَهَادَةَ الزُّورِ إِشْرَاكًا بِاللَّهِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ۔

ایمن بن خریم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اے لوگو! جھوٹی گواہی شرک باللہ کے برابر کی گئی ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے (بطور دلیل) یہ آیت تلاوت فرمائی: تم لوگ بتوں کی پلیدی (یعنی پرستش) سے بچو اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرو۔

مشکل الفاظ کی تشریح:- عقوق: نافرمانی کرنا۔ عدلت: برابر کی گئی۔ الرجس: گندگی، ناپاکی، پلیدی۔ اوثان: وثن کی جمع ہے: بت۔ اجتنبوا تم پرہیز کرو۔

جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے

مذکورہ احادیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) جھوٹی گواہی گناہ کبیرہ ہے۔

(۲) جھوٹی شہادت شرک باللہ کے برابر ہے، کیونکہ شرک اور جھوٹی شہادت دونوں میں جھوٹ کا فرما ہوتا ہے، اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے میں بھی ایک جھوٹے امر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے، اور جھوٹی گواہی میں بھی بندے کے حق میں جھوٹ بولا جاتا ہے، اس لحاظ سے یہ دونوں حکم میں برابر ہیں۔ (۱)

باب

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: خَيْرُ النَّاسِ قَرِيبَى ثَمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ فَلَا تَأْكُلُوا ثَمَّ يَجْعَلُ قَوْمٌ مِنْ بَعْدِهِمْ يَتَسَمَّنُونَ وَيُجْبُونَ السَّمَنَ، يَغْطُونَ الشَّهَادَةَ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَ لَوْهَا۔

عمران بن حصین کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ لوگوں میں سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں، تین بار فرمایا پھر ان کے بعد ایسی قوم آئے گی، جو موٹا پے کے اسباب کو جمع کرے گی اور موٹا پے کو پسند کرے گی، اور گواہی کے مطالبے سے پہلے خود ہی شہادت دیں گے۔

مشکل الفاظ کی وضاحت:- یلو نہم: جو ان کے قریب ہیں۔ يتسمنون: موٹے ہوں گے، موٹا پے کے اسباب جمع کریں گے، تکبر کریں گے۔ سمن: (سین کے نیچے زیر اور میم پر زبر) موٹا پا۔

جھوٹی گواہی کے خوگر

اس حدیث میں ہے کہ خیر القرون کے بعد ایسے لوگ آئیں گے، جو موٹے ہوں گے یا موٹا پے کے اسباب جمع کریں گے، ان کی توجہ کھانے پینے، عیش و عشرت اور صرف آرام و راحت کی طرف ہوگی، وہ جھوٹ کے عادی ہوں گے، اور طلب کے بغیر ہی جھوٹی گواہی دیدیں گے، جیسے دوسری حدیث میں فرمایا تم یفسدوا الکذب حتی یشہدوا لوجہ ولا یستشهد، اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث رسول: خیر الشہد... کے معنی یہ ہیں کہ آدمی سے جب اس امر میں گواہی کا مطالبہ کیا جائے، تو گواہی دینے کے لئے تیار ہو جائے، اس سے پیچھے نہ ہٹے، یہ وہی تیسری تاویل ہے جسے امام نووی نے بیان فرمایا ہے، اور ابواب الشہادات کی ابتداء میں ”بہترین گواہ“ کے تحت اسے ذکر کیا جا چکا ہے۔ (۲)

(۱) تحفة الاحوذی ۲۸۱/۶

(۲) تحفة الاحوذی ۲۸۳/۶

ابواب الزهد من رسول اللہ ﷺ

رسول اللہ ﷺ سے زہد سے متعلق احادیث پر مشتمل ابواب

زہد کے لغوی اور اصطلاحی معنی

”زہد“ کے معنی ہیں: بے رغبت ہونا، کسی شئی سے اعراض کرنا۔

زہد کی اصطلاحی تعریف: قرآن وحدیث کی تعلیمات کے مطابق دنیا سے بے رغبتی کرنا اور آخرت کی طرف متوجہ ہو جانا۔
امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زہد کی تین صورتیں ہوتی ہیں: (۱) حرام، یہ عام لوگوں کا زہد کہلاتا ہے، اس درجے کا زہد ہر مسلمان پر فرض ہے۔ (۲) ضرورت سے زائد حلال چیزوں کو محاسبہ اور مواخذے کے خوف سے چھوڑ دینا، یہ زہد کا خاص درجہ ہے، جس سے چند مخصوص لوگ ہی استفادہ کرتے ہیں۔ (۳) دنیا کی ہر اس چیز کو ترک کر دینا، جو اللہ سے غافل کرنے کا باعث ہو، یہ وہ خاص مقام ہے، جو اہل اللہ اور عارفین کو حاصل ہوتا ہے۔

علامہ ابن قیمؒ ”مدارج السالکین“ میں فرماتے ہیں کہ زہد اس چیز کا نام نہیں کہ آدمی کے پاس نہ مال ودولت ہو، نہ ساز و سامان ہو اور نہ اہل وعیال ہو، کیوں کہ انبیاء علیہم السلام سب سے بڑے زاہد تھے، لیکن اہل وعیال سب کے تھے، بعضوں کے پاس مال ودولت اور دنیاوی سامان کی بھی فراوانی تھی، یہی حال صحابہ کرام اور امت کے نیک افراد کا رہا ہے، بس زہد کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا دل دنیا کے مال و اسباب کے ساتھ اس طرح نہ لگا ہو، کہ اسے اللہ کی یاد سے غافل کر دے، اور انسان آخرت کی نعمتوں کو دنیا کی نعمتوں پر ہر حال میں ترجیح دے، ایسے میں اسے زہد حاصل ہو جاتا ہے۔

اس تفصیل سے زہد اور رہبانیت کے درمیان فرق بھی واضح ہو جاتا ہے کہ رہبانیت نصاریٰ کے ہاں دنیا کی ہر چیز کو چھوڑ دینے کا نام تھا، جو ہماری شریعت میں جائز نہیں، اور زہد میں دنیا کے ساز و سامان کو چھوڑا نہیں جاتا، بلکہ انسان کی رغبت آخرت کی طرف زیادہ ہو، اور دنیا کے اسباب و مشاغل اسے آخرت کی تیاری سے غافل نہ کریں، تو وہ زاہد ہے، (۱)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصَّحَّةُ وَالْفَرَاغُ۔

عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو نعمتیں ہیں کہ ان (کے استعمال) کے معاملے میں بہت سے لوگ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں (اور وہ دو نعمتیں) تندرستی اور فراغت ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ تَأَخَذَ عَنِّي هَذَا الْكَلِمَاتِ، فَعَمِلَ بِهِنَّ، أَوْ يَعْلَمُ مَنْ يَعْمَلُ بِهِنَّ؟ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: قُلْتُ: أَنَا، يَا رَسُولَ اللَّهِ۔ فَأَخَذَ بِيَدِي فَقَعَدَ خُمْسًا وَقَالَ: اتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ

النَّاسِ، وَأَزْطَ بِمَا قَسَمَ اللَّهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ، وَأَخْسِنَ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا، وَأَحَبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا، وَلَا تُكْثِرِ الضَّحْكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحْكَ تُعْيِثُ الْقَلْبَ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو مجھ سے کلمات حاصل کر لے پھر وہ خود ان پر عمل کرے یا ان لوگوں کو سکھادے جو اس پر عمل کریں؟ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: کہ میں ہوں یا رسول اللہ، چنانچہ آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا، اور پانچ کلمات کو (پانچ انگلیوں کو) شمار فرمایا، آپ نے فرمایا: تو حرام کردہ چیزوں سے پرہیز کر، تو لوگوں میں سب سے بڑا عبادت گزار ہو جائیگا، اور تو اس چیز پر راضی رہ، جو اللہ نے تیرے لئے مقدر کی ہے تو لوگوں میں سب سے زیادہ مالدار ہو جائیگا اور تو اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کر، اس سے تو کامل ایمان والا ہو جائے گا، اور تو لوگوں کے لئے بھی وہی کچھ پسند کر، جو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو تو کامل مسلمان ہو جائے گا، اور تو زیادہ نہ ہنسا کر، کیوں کہ زیادہ ہنسا دلوں کو مردہ (یعنی بے نور) کر دیتا ہے۔

دو قابل قدر نعمتیں

باب کی پہلی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو دو قابل قدر نعمتیں عطا فرماتے ہیں، لیکن اکثر لوگ ان کے استعمال میں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں یعنی انہیں صحیح استعمال نہیں کرتے، ایک صحت کی نعمت ہے اور دوسری ہر قسم کے غم، پریشانی اور ذمہ داری سے فراغت کی نعمت ہے، مقصد یہ ہے کہ جب یہ نعمتیں حاصل ہوں، تو ان سے فائدہ اٹھایا جائے، اور اللہ تعالیٰ کی خوب عبادت کی جائے، کیوں کہ صحت نہ ہو، بیماری ہو، یا صحت ہو لیکن فرصت اور فراغت نہ ہو تو بھی عبادت میں یکسوئی نہیں رہتی، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان نعمتوں کی صحیح قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

پانچ اعمال کی تاکید

دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے پانچ اعمال پر عمل کرنے کی خاص طور پر تاکید فرمائی ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع کر دیا ہے، ان سے اجتناب کرو، تو بڑے عبادت گزار ہو جاؤ گے، کیوں کہ اصل یہ ہے کہ آدمی گناہوں سے بچے، لیکن آج مسلمانوں نے چند نقلی عبادات کو اختیار کر رکھا ہے، ترک معاصی کی طرف ان کی بالکل توجہ نہیں ہے، نتیجہ یہ ہے کہ وہ آئے دن اسلام سے قریب ہونے کے بجائے، دور ہوتے جا رہے ہیں۔

(۲) جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تقدیر اور قسمت میں لکھ دیا ہے، اس پر راضی رہو، زیادہ کی تمنا نہ کرو، تو لوگوں میں سب سے بڑے غنی ہو جاؤ گے، کیوں کہ مالداری مال و دولت کے زیادہ ہونے کا نام نہیں، اصل مالدار یہ ہے کہ دل غنی ہو، استغناء کی صفت سے سرشار ہو، ایسے میں اس کے پاس مال نہ بھی ہو تو بھی وہ سب سے بڑا غنی ہوگا، مقول ہے کہ ایک شخص نے سید ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ سے نسخہ

کیسا کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے جواب میں دو باتیں ارشاد فرمائیں، ایک یہ کہ مخلوق سے اپنی نظریں ہٹالو، اور دوسرا یہ کہ اللہ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس پر قناعت کرو، زیادہ کی حرص اور تمنانہ کرو۔

(۳) اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرو تو کامل ایمان والے ہو جاؤ گے، دیگر احادیث میں بھی پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید آئی ہے، کیوں کہ عموماً پڑوسیوں کے ساتھ لڑائی جھگڑے کی نوبت پیش آ جاتی ہے، ذرا ذرا سی باتوں کی وجہ سے بڑے اختلافات رونما ہو جاتے ہیں، ایسے میں اگر کوئی شخص دوسروں کے حقوق کا لحاظ رکھے گا، تو یہ اس کے ایمان کے کامل ہونے کی علامت ہے۔

(۴) اور تو لوگوں کے لئے وہی کچھ پسند کیا کر، جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، اس سے تو کامل اسلام والا ہو جائے گا۔

(۵) کثرت سے نہ ہنسا کرو، کیوں کہ کثرت سے ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے، وہ بے نور ہو جاتا ہے، مؤمن کی شان یہ ہونی چاہیے کہ آخرت کے منازل کو سوچا کرے، جو شخص آخرت کی فکر میں محو ہو جاتا ہے، تو پھر ہنستا نہیں بلکہ روتا ہے، نبی کریم ﷺ بھی فکر آخرت میں مغموم رہتے تھے۔

یعمل بہن أو یعلم

شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ ”أو“ میں تین احتمال ہیں:

- (۱) بعض حضرات کے نزدیک لفظ ”أو“ یہاں پر ”واو“ کے معنی میں ہے، معنی یہ ہیں کہ جو ان پر عمل کرے اور دوسرے کو سکھائے۔
- (۲) لفظ ”أو“ ترویج کے لئے ہے، گویا یہاں دونوں کی طرف اشارہ ہے، جو ان پر عمل کرے یا اگر وہ کسی وجہ سے عمل نہیں کر سکتا تو دوسروں کو وہ کلمات سکھا دے، کیوں کہ بسا اوقات شاگرد عملاً اساتذ سے آگے بڑھ جاتا ہے۔
- (۳) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ لفظ ”أو“ ”بل“ کے معنی میں ہے، گویا کمال میں مزید ترقی کے لئے یوں فرمایا ہے کہ ان پر عمل کرے، بلکہ دوسروں کو وہ سکھائے بھی۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي الْمَبَادَرَةِ بِالْعَمَلِ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں اعمال میں سبقت کرنے کا ذکر ہے

عن ابی ہریرۃ أن رسول اللہ ﷺ قال: بادروا بالأعمال سبعاً، هل ننظر؟ وإن إلى فقر منس، أو غنى مطع، أو مرض مفسد، أو هم مفسد، أو موت مخجل، أو الدجال، فشر غائب ينتظر، أو الساعة؟ الساعة: أذهى وأمر.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اعمال کے ذریعہ سات چیزوں سے سبقت کرو، تم

انتظار نہیں کر رہے، مگر ایسے فکر کا جو اطاعت کو بھلا دینے والا ہے، یا ایسی مالداری کا جو سرکش بنادینے والی ہے، یا ایسی بیماری کا، جو (اپنی سختی و شدت کی وجہ سے بدن کو یا کمزوری اور سستی کے سبب دینی زندگی کو) تباہ کرنے والی ہے، یا ایسے بڑھا پے کا جو غور و فکر کی صلاحیت کو کمزور کر دیتا ہے، یا ایسی موت کا، جو اچانک جلدی سے آنے والی ہے، یا دجال (کے نکلنے) کا (انتظار ہے) وہ تو ایسا غائب شمر ہے، جس کا انتظار کیا جا رہا ہے، یا قیامت کا (انتظار ہے) پس وہ (حوادث و آفات میں) سب سے سخت اور کڑوی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ ہادرو! تم سبقت کرو، آگے بڑھو۔ منس: جو فقر کہ اللہ کی اطاعت اور عبادت کو بھلا دینے والا ہو۔ مطع: ایسی مالداری جو سرکشی میں ڈال دینے والی ہے۔ مفسد خراب اور تباہ کرنے والی۔ مفند: ایسا بڑھا پا، جو غور و فکر کی صلاحیت کو کمزور کر دے۔ مہجھز: اچانک جلدی سے آنے والی موت، جس میں توبہ اور وصیت پر بھی قدرت نہ ہو سکے۔ ادھی: حوادث و آفات کے لحاظ سے زیادہ سخت۔ آموز: زیادہ کڑوی اور شدید۔

سات چیزوں سے پہلے اعمال صالحہ میں سبقت کر لو

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان سات چیزوں کے پیش آنے سے پہلے اعمال صالحہ اور اللہ کی عبادت میں خوب سبقت کرنی چاہیے، ان فتنوں کے وقوع کے بعد آدمی صحیح طرح عبادت نہیں کر سکتا، لہذا عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ جب آدمی ہر قسم کے غم و فکر سے آزاد ہو، صحت ہو، زندگی کی نعمت حاصل ہو، مال و دولت کے اعتبار سے بھی کوئی پریشانی نہ ہو تو پھر اعمال صالحہ میں خوب تنگ و دو کرنی چاہیے، قبل اس کے کہ ایسے حالات اور مصائب پیش آجائیں کہ آدمی خواہش اور تڑپ کے باوجود تنگی پر قادر نہ ہو سکے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي ذِكْرِ الْمَوْتِ

یہ باب موت کے ذکر کے بیان میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَتُحْزَوْنَ إِذْ كُنْتُمْ هَٰذِهِمُ اللَّذَاتِ يَغْنِي الْمَوْتَ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لذتوں کو ختم کرنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔

موت کو کثرت سے یاد کرنے کی ترغیب

موت کا آنا جس قدر یقینی ہے، اتنا ہی اس سے مسلمان غفلت کا شکار ہیں، روزانہ بیسیوں مسلمانوں کو اپنے کندھوں پر اٹھا

کر قبر کے آغوش میں ڈالتے ہیں، لیکن عملی طور پر اخروی زندگی کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں کی جاتی، اعمال میں غفلت، سستی اور لا پرواہی روز کا معمول ہے، دنیا کے جھمیلوں میں، شب و روز مصروف ہیں حالانکہ یہ فانی زندگی ہے، اس کے اہتمام کی اتنی ضرورت بھی نہیں، ان تمام کوتاہیوں سے نکلنے کا طریقہ یہ ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کیا جائے، جو بندہ موت کو اور اس کے بعد آنے والے حالات و واقعات کو کثرت سے سوچا کرے گا تو وہ دنیا کی لذتوں سے، اس کی عیش و عشرت اور خوشنمایوں سے متاثر نہیں ہوگا، اسے ہر وقت یہ فکر دامن گیر ہوگی کہ میری آخرت کی زندگی سنور جائے، دنیا کی پرواہ نہیں، جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو پھر انسان ہرگز اعمال میں سستی نہیں کرے گا۔

باب

عَنْ هَانِيٍّ مَوْلَى عُثْمَانَ قَالَ: كَانَ عُثْمَانُ إِذَا وَلَّفَ عَلَى قَبْرِ بَنِي، حَفَى يَدًا لِحَيْثِهِ، فَقِيلَ لَهُ: نَذْكُرُ الْحَيَّةَ وَالنَّارَ فَلَا تَبْكِي وَتَبْكِي مِنْ هَذَا؟ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ الْقَبْرَ أَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ، فَإِنْ نَجَّاهُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَيْسَرُ مِنْهُ، وَإِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَشَدُّ مِنْهُ. قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا زَأَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ إِلَّا وَالْقَبْرَ أَفْظَحَ مِنْهُ.

حضرت ہانی مولیٰ عثمان فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے، تو خوب روتے، یہاں تک کہ اپنی داڑھی کو تر کر دیتے، ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے سامنے جنت اور جہنم کا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ نہیں روتے، اور قبر کو دیکھ کر روتے ہیں؟ حضرت عثمان نے فرمایا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے، اگر اس سے نجات ہوگئی تو اس کے بعد کی منزل اس سے آسان ہیں اور اگر اس سے نجات نہ ہوئی تو اس کے بعد اس سے کہیں سخت معاملہ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے قبر سے زیادہ بھیانک اور ناپسندیدہ منظر کبھی نہیں دیکھا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ یل لحيته: اپنی داڑھی کو تر کر دیتے۔ ايسر: زیادہ آسان۔ اشد: زیادہ سخت۔ الفطح: زیادہ بھیانک، انتہائی ناپسندیدہ اور بڑا خوفناک۔

حضرت عثمان قبر پر خوب روتے

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے، تو اس قدر روتے کہ ان کی داڑھی مبارک تر ہو جاتی، ان سے پوچھا گیا کہ آپ جنت اور جہنم کے ذکر سے نہیں روتے اور قبر پر روتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت عثمان نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قبر آخرت کی منزل میں سے پہلی منزل ہے، اس کے بعد بھی بڑی کٹھن منزلیں ہیں، میدان حشر

میں جمع ہونا، وزن اعمال، پہل صراط سے گذرنا، اور پھر جنت یا جہنم.....، اگر آدمی قبر کے عذاب سے محفوظ رہا، تو بعد کی منزلیں نہایت آسان ہو جائیں گی اور اگر خدا نخواستہ قبر میں نجات نہ ہوئی تو پھر بعد کی منازل اس سے کہیں زیادہ سخت ہوں گی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ قبر کا منظر انتہائی برا اور بڑا ہی ڈراؤنا ہے، اس سے زیادہ برا منظر میں نے نہیں دیکھا۔

سوال یہ ہے کہ حضرت عثمان تو ان دس خوش نصیب صحابہ کرام میں سے ہیں، جنہیں دنیا میں ہی جنت کی بشارت دیدی گئی تھی، جو یقیناً وہ تمام عذاب قبر سے بھی محفوظ ہوں گے، تو پھر حضرت عثمان قبر کے سامنے اس قدر کیوں روتے تھے؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

- (۱) ہو سکتا ہے کہ قبر کے خوفناک منظر کو سوچ کر وہ جنت کی بشارت کو بھول جاتے ہوں۔
- (۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان کی یہ کیفیت قبر کی تنگی، دباؤ اور سختی کے خوف سے تھی، کیوں کہ قبر کی تنگی انبیاء کے علاوہ ہر کسی کو، العیاذ باللہ، پیش آ سکتی ہے، جیسا کہ حضرت سعد پر قبر تنگ ہو گئی تھی، یہ کیفیت جنت کی بشارت کے باوجود ہو سکتی ہے۔

وان لم ینج منه فما بعدہ أشد منه

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کو جب کوئی تکلیف پہونچے، تو اس سے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں، لہذا جب مؤمن کو عذاب قبر ہوگا، تو اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے تو پھر اس کے بعد کی منازل اس پر بظاہر آسان ہو جائیں گی نہ کہ سخت، تو پھر حدیث کے اس جملے فما بعدہ أشد منه کے کیا معنی ہیں؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

- (۱) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس جملے کا تعلق کافر سے ہے، نہ کہ مؤمن سے، مطلب یہ ہے کہ کافر کو عذاب قبر کے بعد بھی کہیں زیادہ سخت عذاب ہوگا۔
- (۲) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس جملے سے مؤمن مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ اگر عذاب قبر سے بھی مؤمن کے گناہ معاف نہ ہوئے، باقی رہ گئے تو بعد کا عذاب اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگا، کیوں کہ وہ جہنم کا عذاب ہے، عذاب قبر تو عذاب جہنم کا محض ایک نمونہ ہے، مؤمن کا یہ عذاب اس کی تطہیر اور صفائی کے لئے ہوگا، پھر بالآخر اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ (۱)

بَابُ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ أَحَبَّ اللَّهُ لِقَائَهُ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جو شخص اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے تو اللہ بھی اس سے ملنا پسند فرماتے ہیں۔
عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ أَحَبَّ اللَّهُ لِقَائَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللَّهِ كَرِهَ اللَّهُ لِقَائَهُ۔

حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے تو اللہ بھی اس سے ملاقات کرنا پسند فرماتے ہیں، اور جو شخص اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند فرماتے ہیں۔

لقاء اللہ کے معنی

جو شخص آخرت کی تیاری میں مصروف رہے، اس کی تمام تر توجہ آخرت کو سنوارنے کی طرف ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی ایسے آدمی کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوتے ہیں، اور جو شخص دنیا کی زندگی میں، اس کی عیش و عشرت اور اللہ کی نافرمانی میں مصروف ہو، آخرت کی اسے کوئی فکر نہ ہو، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ سے ملاقات کو پسند نہیں کرتا تو ایسے آدمی کی طرف اللہ تعالیٰ بھی توجہ نہیں فرماتے، بلکہ قدرتی طور پر اسے دنیا میں اس قدر مشغول کر دیا جاتا ہے کہ اس کی آخرت تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ سے ملاقات کو پسند کرنا یا ناپسند کرنا، اس وقت ہوتا ہے، جب انسان سکرانہ الموت اور نزع کی کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے، جو شخص نیک اور سعادت مند ہو، اسے اللہ کی رحمت، خوشنودی اور جنت کی بشارت دیدی جاتی ہے لہذا وہ اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور اللہ بھی اس سے ملاقات کرنا پسند فرماتے ہیں یعنی اسے بہت زیادہ اجر و ثواب اور نعمتیں عطا فرماتے ہیں، اور جو شخص کافر اور بد بخت ہو تو موت کے وقت ہی اسے عذاب کی بشارت سنادی جاتی ہے، اس لئے وہ اللہ سے ملنے کو پسند نہیں کرتا اور اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند نہیں فرماتے یعنی اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کر دیتے ہیں۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي إِذْخَارِ النَّبِيِّ ﷺ قَوْمَهُ

یہ باب اس حدیث کے بیان میں ہے جس میں حضور ﷺ کا اپنی قوم کو ڈرانے کا ذکر ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ {وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ} قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَا صَفِيَّةُ بِنْتُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ، يَا بِنْتِي عَبْدَ الْمُطَّلِبِ: إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئاً؛ سَلُونِي مِنْ مَالِي مَا شِئْتُمْ۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت وَاَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے) نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عبدالمطلب کی بیٹی صفیہ، اے محمد کی بیٹی فاطمہ، اے عبدالمطلب کی اولاد: بے شک میں تمہارے لئے اللہ کے مقابلے میں (نفع و ضرر میں سے) کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا، (ہاں) میرے

(۱) شرح مسلم للنووی ۳۴۳/۲ کتاب الذکر والدعام، باب من أحب لقاء الله أحب لقاءه۔ تحفة الاحوذی ۱۷۴/۴ کتاب الجنائز۔

مال سے جو چاہو، مانگ لو۔

نزول آیت کے بعد حضور کا اپنی قوم کو ڈرانا

جب یہ آیت وَاَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَقْرَبِينَ نازل ہوئی کہ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں تو حضور اکرم ﷺ نے اپنے رشتہ داروں کو جمع فرمایا، اور چند مخصوص نام لے کر آپ نے خطاب فرمایا کہ میں اللہ کے ہاں تمہیں عذاب سے بچا نہیں سکتا، اگر نیک اعمال ہوئے، تو وہ نجات کا باعث ہو سکتے ہیں، تمہارے ذہن میں یہ بات ہو کہ ہم نبی کے رشتہ دار ہیں، لہذا ہماری ضرورت مغفرت ہو جائے گی، یہ تصور درست نہیں، کامیابی اور بچاؤ کا دار و مدار نسب و خاندان اور نبی کی رشتہ داری پر نہیں، بلکہ ایمان کے بعد اعمال صالحہ پر ہے، حضرت لوط و نوح علیہ السلام کی بیویاں محض اس وجہ سے ہلاک ہو گئیں کہ وہ مؤمن نہیں تھیں، اس سے معلوم ہوا کہ عذاب کے کٹہرے سے ہر ایک نے گزرتا ہے، اس سے یہود و نصاریٰ پر رد ہو جاتا ہے، جن کا دعویٰ یہ ہے کہ نحن ابناء اللہ و احباءہ۔ ہم اللہ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں، اس لئے ہمیں عذاب نہیں ہوگا، ان کا یہ دعویٰ درست نہیں، ایسے ہی یہ کہنا کہ میں فلاں بزرگ کا بیٹا ہوں یا فلاں مزار کا گدی نشین ہوں یا اس کا صاحبزادہ ہوں یا میرا تعلق فلاں پیر سے ہے، جو پہونچی ہوئی سرکار ہے..... لہذا ہماری تو بغیر کسی رکاوٹ کے ضرور مغفرت ہو جائے گی، یہ نظریہ درست نہیں، اگر محض رشتہ داری باعث نجات ہوتی تو حضور ﷺ اپنی محبوب صاحبزادی حضرت فاطمہ سے ارشاد فرماتے کہ تمہاری فوراً نجات ہو جائے گی، کیوں کہ تم تو میری نعت جگر ہو، لیکن ایسا نہیں فرمایا، اس سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ آخرت کی کامیابی صرف نیک اعمال پر ہے، اور یہ اعمال اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں کہ آدمی کی توجہ دنیا کے بجائے آخرت کی طرف ہو۔

”سلونی من مالی ما شئتم“ اس کے مفہوم میں دو قول ہیں:

(۱) اس مال سے معروف مال مراد نہیں، بلکہ وہ تصرفات اور اختیارات مراد ہیں، جو حضور ﷺ کے بس میں ہیں، معنی یہ ہیں کہ میں تم سے اللہ کے عذاب کو تو نہیں ہٹا سکتا، البتہ جو چیز میرے بس میں ہے، اس کا اگر تم مجھ سے مطالبہ کرو گے، تو اسے میں پورا کروں گا، یہ تاویل اس لئے کی گئی ہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے، اس وقت آپ کے پاس کوئی مال نہ تھا۔

(۲) اس ”مال“ سے معروف مال ہی مراد ہے، اور مکہ مکرمہ میں بھی حضرت خدیجہ والا مال آپ کے پاس تھا و جدک عائلاً فاغنی، اور اگر بالفرض اس وقت آپ کے پاس مال موجود نہ بھی ہو، تب بھی یہ کلام مستقبل کے اعتبار سے درست ہے، کیوں کہ سخی آدمی کے پاس مال نہ ہو، تو بھی وہ یہ کہہ دیتا ہے، کہ مجھ سے جس قدر ہوسکا، تمہاری مالی مدد کروں گا، اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں، کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہی ہو، ہو سکتا ہے کہ مدنی دور کا ہو، اور مدینہ میں تو آپ کے پاس مال تھا، جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد دوسرے نبی کریم ﷺ نے اپنے خاندان کو جمع فرمایا: ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں،

اس لئے حدیث کے اس جملے میں مال سے معروف مال بھی مراد ہو سکتا ہے۔ (۱)

سوال یہ ہے کہ اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ قیامت کے دن کسی کی سفارش نہیں فرمائیں گے، حالانکہ روایات سے آپ کا امت کے حق میں سفارش کرنا ثابت ہے، تو پھر اس روایت سے کیا مراد ہے؟
اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) ہو سکتا ہے کہ آپ کا یہ کلام اس زمانے کا ہو، جس میں ابھی آپ کو اللہ تعالیٰ نے امت کی شفاعت کے بارے میں نہ بتایا ہو۔

(۲) آپ نے صرف اپنی قوم کو ڈرانے اور خوف دلانے کے لئے یوں فرمایا ہے، شفاعت کی نفی مقصود نہیں۔

(۳) تاکہ میری قوم ایمان کے بعد اعمال صالحہ میں مشغول ہو جائے۔

روایت میں صرف حضرت فاطمہ کا ذکر ہے، دیگر لڑکیوں کا نہیں، کیوں کہ یہ روایت یہاں اختصار کے ساتھ مذکور ہے، دوسرا یہ کہ حضرت فاطمہ کے ذکر سے دوسری لڑکیاں خود بخود اس میں شامل ہو جاتی ہیں، جب سب سے چھوٹی صاحبزادی کا ذکر کر دیا گیا تو دوسری صاحبزادیاں بطریق اولیٰ اس میں داخل ہوں گی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اشکال ذکر کیا ہے کہ طبرانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے، کیونکہ اس میں یہ تصریح ہے کہ آپ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے، تو مکی دور میں نہ عاکشہ تھیں، نہ حفصہ اور ام سلمہ، پھر طبرانی کی روایت میں ان کے نام کیسے آئے ہیں؟

جواب: جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ واقعہ دومرتبہ پیش آیا ہے، ایک مرتبہ مکہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ میں، مدینہ کے واقعہ کے اعتبار سے یہ نام ذکر کئے گئے ہیں۔ (۲)

امام ترمذی نے فرمایا: وفی الباب عن ابی ہریرۃ وابن عباس کہ یہ واقعہ حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عباس سے بھی منقول ہے، سوال یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ ابتدائے زمانہ یعنی مکی زندگی کا ہو، تو اس وقت یہ حضرات نہیں تھے، پھر انہوں نے یہ قصہ کیسے روایت کیا ہے؟ اس کے دو جواب ہیں:

(۱) ہو سکتا ہے کہ جب یہ واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا ہو، تو اس وقت یہ بھی موجود ہوں۔

(۲) یہ حدیث مرسل ہے، اور صحابہ کی مرسل روایات بالا جماع مقبول ہوتی ہیں، اس لئے اگر یہ دونوں صحابہ واقعہ میں حاضر نہ ہوں، دوسرے صحابہ سے سکر روایت کر دیں تو بھی درست ہے، وہ روایت قابل قبول ہوگی، کیوں کہ امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام صحابہ کرام عادل ہیں۔ (۳)

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱/۲۷۷ قدیمی

(۲) فتح الباری ۶/۳۳۸ کتاب التفسیر باب: وأندر عشر نک الاقرین۔

(۳) تحفۃ الاحوذی ۱/۲۷۶، الکوکب الدرۃ ۲۳۳/۳

بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْبُكَاءِ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ تَعَالَى

یہ باب خوف خدا سے رونے کی فضیلت کے بارے میں ہے

عن أبي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ، بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ، حَتَّى يَغُودَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ، وَلَا يَجْتَمِعُ غُبَارُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَذُخَانُ جَهَنَّمَ.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا، جو اللہ کے ڈر کی وجہ سے روئے، یہاں تک کہ دودھ تھن میں لوٹ آئے اور اللہ کے راستے کا غبار اور جہنم کا دھواں دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ مشکل الفاظ کے معنی:۔ لا یلیج: داخل نہیں ہوگا۔ یعود: لوٹ آئے۔ ضرع: تھن۔ دخان: دھواں۔

خوف خدا سے رونے کی فضیلت

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

- (۱) جس مسلمان کی آنکھوں سے خوف خدا کی وجہ سے آنسو نکل آئیں، وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا، کیونکہ ایسا آدمی طاعات میں اہتمام اور گناہوں سے بچنے کی پوری کوشش کرتا ہے، اس بات کو ایک مثال سے واضح فرمایا کہ جس طرح دودھ دوبارہ تھن میں نہیں جاسکتا، اس کا دوبارہ لوٹنا محال ہے، اسی طرح ایسا شخص ہرگز جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔
- (۲) راہ خدا کے مسافر پر اگر گرد و غبار لگ جائے تو وہ بھی ضرور جنت میں داخل ہوگا کیونکہ یہ غبار اور جہنم کا دھواں دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَغْلَمَ لَصَحَحْتُمْ قَلِيلًا

یہ باب حضور ﷺ کے اس ارشاد میں ہے کہ اگر تم وہ بات جان لو، جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنسو گے۔

عن أبي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ، وَأَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُونَ، أَطَابَ السَّمَاءُ وَحَقَّ لَهَا أَنْ تَنْطَبَأَ مَا فِيهَا مَوْضِعَ أَرْبَعِ أَصَابِعٍ إِلَّا وَرَ مَلَكٌ وَاضِعٌ جَنَتهُ لِلَّهِ سَاجِدًا۔ وَاللَّهُ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَغْلَمَ لَصَحَحْتُمْ قَلِيلًا، وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا، وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرْشِ، وَلَخَرَجْتُمْ إِلَى الصُّعَدَاتِ، تَجَازُونَ إِلَى اللَّهِ، لَوْ ذُذْتُ أَنِّي كُنْتُ شَجَرَةً تُغْضَدُ.

حضرت ابو ذر غفاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میں ایسی چیزوں کو دیکھتا ہوں، جن کو تم

نہیں دیکھتے اور ایسی باتیں سنتا ہوں، جن کو تم نہیں سنتے، آسمان چرچرا رہا ہے اور اس کے لئے چرچرانا ہی مناسب ہے، (اس لئے کہ) آسمان میں چار انگلیوں کے برابر بھی جگہ نہیں، مگر یہ کہ فرشتے نے اس پر اپنی پیشانی کو اللہ کے لئے سجدے میں رکھا ہوا ہے، اللہ کی قسم، اگر تم وہ باتیں جان لو، جن کو میں جانتا ہوں، تو تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ، اور تم اپنی بیویوں سے بستروں پر لذت بھی حاصل نہ کرو، اور تم ضرور راستوں یا جنگلوں کی طرف گڑگڑانے اور اللہ کے سامنے آہ وزاری کرنے کے لئے نکل جاؤ، حضرت ابو ذر غفاری کہتے ہیں: کاش میں ایک درخت ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا (یہ بہتر تھا تا کہ میں آخرت کے حساب و کتاب سے بچ جاتا)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمَ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبْكَيْتُمْ كَثِيرًا۔
حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم وہ باتیں (یعنی عذاب الہی اور حساب کا منظر) جان لو، جنہیں میں جانتا ہوں تو تم ہنسو تھوڑا اور روؤ زیادہ۔

مشکل الفاظ کی وضاحت :- أظت السماء: آسمان چرچراتا ہے، آواز نکالتا ہے۔ حق لہا: اس کا حق ہے، اس کے لئے مناسب ہے۔ ماتلذذتم: تم لطف اندوز نہ ہو، تم لذت حاصل نہ کرو۔ فروش: فروش کی جمع ہے: بسترے، بچھونے۔ صدقات: (ماد اور عین پر پیش کے ساتھ) صدقہ کی جمع ہے اور یہ صدقہ کی جمع ہے گویا صدقات جمع الجمع ہے، اس کے دو معنی ہیں۔ (۱) راستے۔ (۲) صحراء و جنگل، حدیث میں دونوں مراد ہو سکتے ہیں، اکثر حضرات نے دوسرے معنی کو اختیار کیا ہے۔ تعجرون الی اللہ: تم اللہ سے خوب گڑگڑا کر، تضرع و خشوع کے ساتھ دعا مانگو۔ تعصدا: (مجبور کا صیغہ ہے) وہ درخت جسے کاٹ دیا جائے۔

زیادہ ہنسنا پسندیدہ نہیں

لو تعلمون ما اعلم... اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک دفعہ مسجد میں تشریف لائے تو کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ باتیں کر رہے ہیں اور ہنس رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا لو تعلمون.....

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہاں ”علم“ سے مراد ہے اللہ کی عظمت، گنہگاروں سے اللہ کا انتقام، نزع اور موت کے وقت کے خوفناک حالات، قبر کی شدت اور قیامت کا منظر..... فرمایا اگر تم یہ چیزیں جان لو تو تم روؤ زیادہ اور ہنسو کم، ہر وقت اسی فکر میں رہو۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مَنْ عَلِمَ أَنَّ الْمَوْتَ مُؤَرِّدٌ وَالْقِيَامَةَ مُؤَعِّدٌ، وَالْزُّوْفَ بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ مُشْهَدٌ، فَحَقُّهُ أَنْ يُطَوَّلَ فِي الدُّنْيَا حَزْنُهُ (جس کو اس بات کا یقین ہو کہ موت اس کی گھاٹی ہے، قیامت اس کے وعدہ کی جگہ ہے، اور اللہ کے سامنے حساب کے لئے کھڑے ہوتا ہے تو وہ اس لائق ہے کہ دنیا میں اس کا غم و حزن طویل ہو)

أظت السماء، آسمان کس وجہ سے آواز نکالتا ہے، اس میں تین وجہیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) آسمان پر اس کثرت سے فرشتے موجود ہیں، کہ ان کے بوجھ کی وجہ سے آسمان آواز نکال رہا ہے۔

(۲) اللہ کی عظمت اور خوف کی وجہ سے آواز نکل رہی ہے۔

(۳) یہ اللہ کی تسبیح و تقدیس کی آواز ہے جو آسمان کرتے ہیں، کما قال تعالیٰ: وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يَسْبِحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ۔

ساجد: اس سے مراد یہ ہے کہ فرشتے اللہ کی اطاعت میں مصروف ہیں، خواہ وہ سجدے کی حالت ہو یا قیام، رکوع اور قعود کی حالت ہو۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي مَنْ تَكَلَّمَ بِالْكَلِمَةِ لِيُضْحِكَ النَّاسَ

یہ باب اس شخص کی مذمت کے بارے میں ہے جو شخص اس لئے گفتگو کرتا ہے تاکہ لوگوں کو ہنسائے۔

عن ابی ہریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ: اِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ لَا يَزِي بِهَا نَفْسًا، يَهْوِي بِهَا سَبْعِينَ خَرِيفًا فِي النَّارِ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک انسان (بسا اوقات) ایسی بات کرتا ہے، جس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، (حالانکہ) اس کی (شامت کی) وجہ سے، وہ ستر برس جہنم کی آگ میں گر جاتا ہے۔

عن ہمز بن حکیم، حدثنی ابی عن جزی قال: سمعت رسول اللہ ﷺ يقول: وَيْلٌ لِلَّذِي يَخْذُلُ بِالْخَدِيثِ، لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ، فَيُكْذِبُ، وَيْلٌ لَهُ، وَيْلٌ لَهُ۔

ہمز بن حکیم کے دادا کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اس شخص کے لئے ہلاکت ہو، جو کوئی ایسی بات کرتا ہے، تاکہ اس سے لوگوں کو ہنسائے، اور جھوٹ بولتا ہے، ہلاکت ہے اس کے لئے، ہلاکت ہے اس کے لئے۔

مشکل الفاظ کی وضاحت:- ہاںسا: کوئی حرج، مضائقہ۔ بھوی: گر جاتا ہے۔ خریف: برس، سال۔ ویل: ہلاکت، جہنم کی ایک گہری وادی۔ لیضحک: باب افعال سے، تاکہ وہ ہنسائے۔

لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹی باتیں کرنے پر وعید کا ذکر

ان احادیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) انسان جب بھی گفتگو کرنے لگے تو پہلے سوچ لے کہ میں کیا بولنے لگا ہوں، وہ بات صحیح بھی ہے یا نہیں، کیوں کہ بسا اوقات انسان کے منہ سے ایسی کوئی بات نکل جاتی ہے، جسے وہ معمولی سمجھ رہا ہوتا ہے، لیکن انجام کے اعتبار سے وہ بڑی تباہ کن ہوتی ہے، آدمی اس کی وجہ سے ستر سال جہنم میں رہے گا۔

(۱) تحفة الاحوذی ۶/۴۹۵، الکوکب الدری ۳/۲۳۵، فتح الباری ۱۱/۳۸۷، کتاب الرقاق، باب: قوله لو تعلمون ما اعلم۔

(۲) شرعی حدود میں رہتے ہوئے آپس میں ہنسی مزاح جائز ہے، لیکن اس میں بھی جھوٹ کی آمیزش نہ ہو، نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام مزاح ضرور کرتے تھے، لیکن صدق و سچائی کے ساتھ، اس میں جھوٹ نہیں ہوتا تھا، لہذا ایسا بندہ جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے اور مجلس کو گرم کرنے کے لئے ہر قسم کی گفتگو کرتا ہے، خواہ وہ کلام سچا ہو یا جھوٹا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کے لئے ہلاکت اور تباہی ہے، اس حدیث کی رو سے مسلمان کو اپنا طرز زندگی سوچنا چاہیے کہ وہ کس طریقے سے چل رہا ہے، اگر یہ کوتاہی سامنے آ رہی ہے تو اس سے تہل سے توبہ کرے، اور آئندہ کے لئے اس عمل سے مکمل پرہیز کرے۔ (۱)

بَاب

عن أنس بن مالك قال: ثُوِّفِي رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَقَالَ: يَغْنَى رَجُلٌ: - أَبَشْرٌ بِالْجَنَّةِ، لِقَالَ رَسُولُ اللَّهِ: أَوْ لَا تَذَرِي فَلَعَلَّه تَكَلَّمَ فِيْمَا لَا يَغْنِيهِ، أَوْ يَخْلُ بِمَا لَا يَنْفَعُهُ۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص کی وفات ہو گئی، تو ایک شخص نے کہا کہ تجھے جنت کی بشارت ہو، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تو نہیں جانتا کہ شاید اس نے کوئی بے فائدہ بات کی ہو، یا اس چیز کے خرچ کرنے میں بخل کیا ہو، جو اس کو نقصان نہ پہونچاتی ہو۔

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من حسن إسلام المرء تزككته ما لا يغنيه۔
حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کے اسلام کے حسن میں سے ہے کہ وہ بے فائدہ باتوں کو چھوڑ دے۔

عن علي بن الحسين قال: قال رسول الله ﷺ: إن من حسن إسلام المرء تزككته ما لا يغنيه۔
علی بن حسین کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک آدمی کے اسلام کی خوبی، بے فائدہ باتوں کو چھوڑ دینا ہے۔

لا یعنی باتوں سے اجتناب کا حکم

”ما لا یعنی“ سے وہ امور اور کلام مراد ہے جن کی نہ دین میں ضرورت ہے اور نہ دنیا میں، اور اسے نہ کرنے میں کوئی نقصان بھی نہیں، نہ فی الحال اور نہ آئندہ، لہذا آدمی کی توجہ اس امر اور کلام کی طرف ہونی چاہیے، جو دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے، یا کم از کم دنیاوی اعتبار سے، اس کا کوئی فائدہ ہو، عموماً فضول کلام جھوٹ، غیبت اور بہتان پر مشتمل ہوتا ہے، ایسے میں اس سے بچنا ضروری ہو جاتا ہے اور لا یعنی امر اگر کسی گناہ پر مشتمل نہ ہو، تب بھی قابل ترک ہے کیوں کہ اس میں وقت کا ضیاع لازم آتا ہے، اور وقت وہ عظیم نعمت ہے، جسے صحیح استعمال کر کے انسان اللہ کے ہاں بلند مقام حاصل کر سکتا ہے، اسے اگر ضائع کیا جائے گا، تو

قیامت کے دن دیگر نعمتوں کی طرح اس نعمت کی بھی باز پرس ہوگی۔

حضور اکرم ﷺ نے احادیث میں اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ بے معنی اور فضول قول و فعل کو ترک کیا جائے، یہی کامل اسلام کی علامت ہے، اور جب انسان اپنے کلام میں احتیاط سے کام نہ لے، تو بسا اوقات اس کے منہ سے ایسی کوئی خلاف شرع بات نکل جاتی ہے، جو اللہ کے ہاں انتہائی ناپسندیدہ ہوتی ہے، اس کی وجہ سے وہ گرفت میں آ جاتا ہے، چنانچہ باب کی پہلی حدیث میں ہے کہ ایک صحابی فوت ہوئے تو دوسرے ایک صحابی نے کہا کہ یہ تو جنتی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا آپ کو کیا خبر، بشارت تو اس وقت دی جاتی ہے، جب حساب و کتاب میں کامیابی ہو جائے، اس کے بغیر کچھ نہیں کہا جاسکتا، ہو سکتا ہے کہ اس مرحوم نے کوئی غیر ضروری بات کی ہو، جو اللہ کے ہاں جرم ہو یا ایسی چیز میں بخل کیا ہو، جسے خرچ کرنے میں اسے کوئی مالی نقصان وغیرہ نہ ہوتا، اس سے اللہ ناراض ہو گیا ہو اور اسے جنت میں داخل نہ کرے، اس لئے ہم کسی پروچی کے بغیر کوئی قطعی حکم نہیں لگا سکتے کہ یہ جنتی ہے یا جہنمی ہے، اس واقعہ سے لایعنی امر کو ترک کرنے کی مزید تاکید ہو رہی ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي قَلَّةِ الْكَلَامِ

یہ باب کم بولنے کی فضیلت کے بارے میں ہے

عن بلال بن الحارث المزني صاحب رسول الله يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إِنْ أَخَذَكُمْ لَيْتَكُمْ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللَّهِ، مَا يَطْلُنُ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَّغْتَ، فَيُكْثِبَ اللَّهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ إِلَى يَوْمٍ يَلْقَاهُ، وَإِنْ أَخَذَكُمْ لَيْتَكُمْ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللَّهِ، مَا يَطْلُنُ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَّغْتَ، فَيُكْثِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا سَخَطَهُ إِلَى يَوْمٍ يَلْقَاهُ۔

حضرت بلال بن حارث مزنی صحابی رسول نے روایت ہے، انہوں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک تم میں سے کوئی ایک اللہ کی رضا مندی کا کوئی کلام کرتا ہے اس کا گمان بھی نہ تھا کہ اس کلام کا (اللہ کے ہاں) کیا درجہ اور مقام ہوگا (یعنی اسے وہ معمولی سمجھ رہا تھا) اللہ تعالیٰ اس کلمہ کی وجہ سے اس کے لئے قیامت تک کے لئے اپنی رضا مندی لکھ دیتے ہیں اور بے شک تم میں سے کوئی ایک اللہ کی ناراضگی کی کوئی بات کرتا ہے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا کہ اس کا وبال کہاں تک پہنچے گا، اللہ تعالیٰ اس کلام کی وجہ سے اس کے لئے قیامت تک کے لئے اپنی ناراضگی لکھ دیتے ہیں۔

قلت کلام کی فضیلت

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو ایک تو اپنی زبان پر مکمل کنٹرول رکھنا چاہیے، کیوں کہ اس کی آفتیں اور نقصانات

اس قدر زیادہ ہیں کہ جن کی انتہاء تباہی اور بربادی کے سوا اور کچھ نہیں، اور دوسرا یہ کہ کم بولنے کا معمول بنانا چاہیے، صرف ضرورت کی بات کی جائے، اور پھر خاموش رہا جائے، کیوں کہ انسان بسا اوقات ایک چھوٹی سی بات کر دیتا ہے جو اللہ کی رضا کا باعث ہوتی ہے، تو اس کی وجہ سے اس کے لئے اللہ کی خوشنودی لکھ دی جاتی ہے، حالانکہ اس کے وہم و گمان میں بھی اس کلام کا اس قدر مقام نہ تھا، ایسے ہی زبان سے کوئی بری بات نکل جاتی ہے جو وہ حقیقت میں غضب الہی کا سبب ہوتی ہے، انسان کا ذہن اس طرف تھا ہی نہیں کہ اس کلام کا کتنا بڑا وبال ہوگا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے ہاں اس کے لئے قیامت تک کے لئے ناراضگی مقدر کر دی جاتی ہے، اس لئے کم گفتگو کا اہتمام کیا جائے، تاکہ زبان کی آفتوں سے حتی الامکان بچا جاسکے۔

کلمہ رضوان اور کلمہ سخط سے کیا مراد ہے؟ ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ کلمہ رضوان یہ ہے کہ کسی عالم بادشاہ وغیرہ سے ایسی کوئی بات کہدی جس سے وہ ظلم سے باز آ گیا تو یہ بات اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا باعث ہوگی، اگرچہ اس کے ذہن میں بھی نہیں تھا کہ اس کلام کا اس قدر عظیم اجر و ثواب ہوگا، اور کلمہ سخط یہ ہے کہ کسی عالم بادشاہ وغیرہ سے ایسی کوئی بات کر دے، جس سے وہ مزید لوگوں پر ظلم کرنا شروع کر دے، اسے ظلم پر مزید ہمت ہو جائے، تو یہ بات غضب الہی کا باعث ہے، حالانکہ اس کلام کا یہ وبال اس کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا، اس لئے زبان کو استعمال کرنے سے پہلے اچھی طرح غور کر لیا جائے کہ میں کیا کہنے لگا ہوں، اور اس کا انجام کیا ہوگا۔

یکتب اللہ بہار رضوانہ الی یوم یلقاہ

اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کلمہ رضوان کی برکت سے اسے نیکی کی توفیق اور گناہوں سے بچنے کی ہمت عطا فرمادیتے ہیں، وہ خیر کے کاموں میں مسابقت کرتا ہے، یوں وہ دنیا میں اچھی زندگی گزارتا ہے، عالم برزخ میں اسے عذاب قبر سے محفوظ رکھا جائے گا اور تاحد نظر قبر اس کے لئے کشادہ کر دی جائے گی، وہاں آرام کی نیند سوائے گا، قیامت کے دن وہ نیک بخت ہو کر اٹھے گا، عرش رحمن کے سایہ میں اس کی جگہ ہوگی پھر جنت کی نعمتوں سے اور دیدار الہی سے ہمیشہ کے لئے لطف اندوز ہوتا رہے گا، اس کے برعکس کلمہ سخط کا اثر یہ ہوگا کہ دنیا اور آخرت دونوں میں اسے ذلت و رسوائی کا سامنا ہوگا، دوزخ کی آگ اور غضب الہی اس کا مقدر ہوگا۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي هَوَانِ الدُّنْيَا عَلَى اللَّهِ

یہ باب اللہ کے ہاں دنیا کی ذلت کے بیان میں ہے

عن سهل بن سعد قال: قال رسول الله ﷺ: لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدُلُ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ، مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً مَاءٍ۔

حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر دنیا (کی قدر و منزلت) اللہ کے ہاں ایک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔

عن المستورد بن شداد قال: كنت مع الركب الذين وقفوا مع رسول الله ﷺ على السخلة المنيعة فقال رسول الله ﷺ: أترون ههنا هانت على أهلها حين ألقوها؟ قالوا: من هزأ بها ألقوها يا رسول الله، قال: الدنيا أهون على الله من ههنا وعلى أهلها۔

مستورد بن شداد کہتے ہیں: میں اس قافلہ میں تھا جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھیڑ یا بکری کے مردہ بچے پر کھڑے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم بتاؤ گے کہ یہ بچہ اپنے مالکوں پر ذلیل ہو چکا ہے، جب انہوں نے اس کو چھینک دیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اس کے بے قدرے اور ذلیل ہونے کی وجہ سے ہی انہوں نے اسے ڈال دیا ہے یا رسول اللہ، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: دنیا اللہ کے ہاں اس سے کہیں زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہے، جتنا کہ یہ بچہ اپنے مالکوں کی نظر میں بے وقعت ہے۔

عن أبي هريرة يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ مَلْعُونٌ مَا فِيهَا إِلَّا ذَكَرَ اللَّهُ، وَمَا وَالَاهِمْ، وَغَالِمٌ، أَوْ مَغْلَمٌ۔

حضرت ابو ہریرہ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ دنیا اور جو کچھ کہ دنیا میں ہے، وہ سب ملعون ہے سوائے اللہ کے ذکر کے، اور اس چیز کے جو ذکر کے قریب ہو (یادہ چیز جسے اللہ تعالیٰ دنیا میں پسند فرمائیں) اور عالم یا سیکنے والا۔

عن مستورد بن أعين قال: قال رسول الله ﷺ: مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَغْلٌ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ عَلَى النِّيمِ فَلْيَنْظُرْ بِمَا ذَا قَرَجِعْ۔

حضرت مستورد، جو بنی فہر میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا کی نعمتوں یا اس کی عمر کا حال آخرت کے مقابلے میں اتنا ہی ہے جتنا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈالے پھر وہ دیکھے کہ کس قدر پانی کے ساتھ لوٹی ہے۔

مشکل الفاظ کی وضاحت :- جناح بعوضۃ: مچھر کا پر۔ شربة ماء: پانی کا گھونٹ۔ ركب: کارواں، قافلہ۔ سخلة: (سین) پرزہ اور درخت کے سکون کے ساتھ) بکری یا بھیڑ کا بچہ۔ هوان: ذلیل و رسوا۔ ملعون: ناپسندیدہ، اللہ کی رحمت سے دور۔ ما والاه: اس کے دو معنی ہیں۔ (۱) وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں یعنی طاعات و عبادات۔ (۲) وہ چیز جو اللہ کے ذکر کے قریب ہو۔ نیم: (یا پرزہ اور نیم کی تشدید کے ساتھ) سمندر۔

اللہ کے ہاں دنیا کی بے وقعتی کا ذکر

ان احادیث میں نبی کریم ﷺ نے اللہ کے ہاں دنیا کی ذلت اور بے وقعتی کا مختلف مثالوں کے ساتھ بیان فرمایا ہے، چنانچہ پہلی حدیث میں فرمایا کہ اس دنیا کی قدر و منزلت اللہ کی نظر میں اگر چمھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا، کیوں کہ کافر اللہ کا دشمن ہے، اور دشمن کو محبوب چیز نہیں دی جاتی، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو دنیا میں کچھ عطا نہیں فرماتے، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندے کو دنیا سے اس طرح بچاتے ہیں، جس طرح تم میں سے کوئی اپنے مریض کو پانی سے بچاتا ہے۔

دوسری حدیث میں فرمایا کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ کی نظر میں بکری یا بھیڑ کے اس مردہ بچے سے بھی زیادہ بے قدر اور ذلیل ہے جتنا کہ وہ اپنے مالکوں کی نظر میں ذلیل ہوتا ہے، اس کے بے فائدہ ہونے کی وجہ سے لوگ اسے باہر پھینک دیتے ہیں۔

تیسری حدیث میں فرمایا کہ دنیا اور اس کے ساز و سامان، اس کی چمک دمک اور رعنائیاں چونکہ اللہ سے غافل کر دیتی ہیں، اس لئے یہ سب اللہ کی نظر میں مغض اور ناپسندیدہ ہیں، مگر ذکر اللہ اور جو چیز ذکر کے قریب ہو یا وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ پسند فرمائیں، علم پر عمل کرنے والا عالم اور معلم یعنی سیکھنے والا، یہ چیزیں ملعون نہیں ہیں کیونکہ یہ غفلت کا باعث نہیں ہیں۔

چوتھی حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دنیا کی عمر یا اس کی نعمتیں آخرت کے مقابلے میں ایسی ہیں جیسے تم میں سے کوئی شخص سمندر میں انگلی ڈال کر نکال لے تو اس کی انگلی پر کتنا معمولی پانی آئے گا، اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی، اسی طرح دنیا کی نعمتیں آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں انتہائی بے وقعت ہیں۔

جب دنیا اس قدر ذلیل اور بے وقعت ہے تو اس سے دل لگانا اور اس کی چمک دمک میں مشغول ہو کر آخرت سے غافل ہو جانا کسی بھی طرح مناسب نہیں۔ (۱)

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے

دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ اس وجہ سے ہے کہ اس پر طرح طرح کی پابندیاں لگادی گئی ہیں، اسے ناجائز کاموں سے اور اپنی مرضی سے لذتوں سے لطف اندوز ہونے سے منع کر دیا گیا ہے، اور اللہ کی عبادت کا اسے مکلف بنایا گیا ہے، جب کہ کافر دنیا کی ناز و نعمت سے اپنی منشا اور خواہش کے مطابق فائدہ اٹھا رہا ہے، اس لحاظ سے اس کے لئے دنیا بمنزلہ جنت ہے، اور مسلمان کے لئے آخرت میں نعمتیں ہوں گی، جس سے وہ لطف انداز ہوگا۔ (۱)

باب مَا جَاءَ مَثَلُ الدُّنْيَا مَثَلُ أَرْبَعَةِ نَقَرٍ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ دنیا کی مثال چار آدمیوں کی مانند ہے

عَنْ أَبِي كَبْشَةَ الْأَنْمَارِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: ثَلَاثٌ أَقْسِمُ عَلَيْهِنَّ وَأُخِذْتُكُمْ حَدِيثَنَا فَأَخْفَظُوهُ۔ قَالَ: مَا نَقُصُّ مَا لَ عِبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ، وَلَا ظَلَمَ عَبْدٌ مَظْلَمَةً صَبَرَ عَلَيْهَا إِلَّا زَادَهُ اللَّهُ عِزًّا، وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْأَلَةٍ إِلَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ، أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا، وَأُخِذْتُكُمْ حَدِيثَنَا فَأَخْفَظُوهُ۔ فَقَالَ: إِنَّمَا الدُّنْيَا أَرْبَعَةُ نَقَرٍ: عَبْدٌ رَزَقَهُ اللَّهُ مَالًا وَعِلْمًا فَهُوَ يَقْتَرِفُ رِيقَهُ فَيُورِثُهُ وَيَصِلُ بِهِ رِجْمَةً وَيَعْلَمُ فِيهِ حَقًّا فَهَذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ، وَعَبْدٌ رَزَقَهُ اللَّهُ عِلْمًا وَلَمْ يَرُزَقْهُ مَالًا فَهُوَ صَادِقُ الْيَقِينِ يَقُولُ: لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ فِيهِ بِعَمَلِ فَلَانٍ فَهُوَ يَتَّبِعُهُ فَأَجْزُهُمَا سَوَاءً، وَعَبْدٌ رَزَقَهُ اللَّهُ مَالًا وَلَمْ يَرُزَقْهُ عِلْمًا يَخْطِئُ فِيهِ مَالَهُ بِغَيْرِ عِلْمٍ، لَا يَقْتَرِفُ فِيهِ رِيقَهُ وَلَا يَصِلُ بِهِ رِجْمَةً، وَلَا يَعْلَمُ فِيهِ حَقًّا فَهُوَ بِأَخْبَثِ الْمَنَازِلِ، وَعَبْدٌ لَمْ يَرُزَقْهُ اللَّهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا فَهُوَ يَقُولُ: لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ فِيهِ بِعَمَلِ فَلَانٍ فَهُوَ يَتَّبِعُهُ فَيُورِثُهُمَا سَوَاءً۔

حضرت ابو کبشہ انماری نے حضور اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کہ میں تین باتوں پر قسم کھاتا ہوں اور تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں، لہذا تم اسے (اپنے پاس) محفوظ کرلو، آپ ﷺ نے فرمایا: (۱) کسی بندے کا مال صدقہ دینے سے کم نہیں ہوتا۔ (۲) اور نہیں ظلم کیا گیا کسی بندے پر کہ اس نے اس ظلم پر صبر کیا ہو، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی عزت کو بڑھا دیتے ہیں۔ (۳) اور کسی بندے نے سوال کا دروازہ نہیں کھولا، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس پر کھول دیتے ہیں محتاجی کا دروازہ، یا اس کے مانند جملہ ارشاد فرمایا۔

اور میں تمہیں ایک حدیث بتاتا ہوں، اسے تم لوگ محفوظ کرلو، آپ نے ارشاد فرمایا: دنیا چار آدمیوں کے لئے ہے (یعنی ہر انسان کا معاملہ ان چار اقسام میں سے کسی ایک قسم سے ضرور ہوگا) ایک وہ بندہ ہے جسے اللہ نے علم اور مال

عطا فرمایا ہے، وہ اپنے رب سے مال کے (کمانے اور خرچ کرنے میں اور علم کے) بارے میں ڈرتا ہے، اور اس کے ذریعہ وہ (اپنے رشتہ داروں کے ساتھ) صلہ رحمی کرتا ہے، اور اس (مال اور علم) میں وہ اللہ کا حق بھی جانتا ہے (یعنی زکوٰۃ و صدقات دیتا ہے، اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے) یہ شخص سب سے افضل مرتبہ پر ہے، دوسرا وہ بندہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے صرف علم عطا فرمایا، مال نہیں دیا، وہ اپنی نیت میں سچا ہے، کہتا ہے کاش میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں کی طرح (خرچ) کرتا، اسے نیت کی وجہ سے ثواب ہوگا، ان دونوں (یعنی پہلے اور دوسرے آدمی) کا اجر برابر ہوگا، تیسرا وہ بندہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے علم نہیں دیا، وہ اپنے مال کو علم کے (مقتضیٰ کے) بغیر صرف کرتا ہے (یعنی ناجائز جگہوں پر خرچ کرتا ہے) اس میں وہ اپنے رب سے بھی نہیں ڈرتا اور نہ صلہ رحمی کرتا ہے اور اس میں وہ اللہ تعالیٰ کا حق بھی نہیں جانتا، یہ آدمی سب سے بدتر درجے پر ہے، چوتھا وہ بندہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نہ مال دیا ہے اور نہ علم، وہ (تمنا کر کے) کہتا ہے ہائے اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں (یعنی جاہل گنہگار مالدار) کی طرح عمل کرتا (یعنی ناجائز امور میں خرچ کرتا) تو اسے اپنی نیت کے مطابق بدلہ دیا جائے گا، چنانچہ ان دونوں (یعنی تیسرے اور چوتھے بندے) کا گناہ برابر ہے۔

تین باتوں پر حضور ﷺ کی قسم

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین باتوں پر قسم کھائی ہے، تاکہ لوگ اس کی طرف توجہ دیں، کیوں کہ عموماً طبیعتیں اس طرف مال نہیں ہوتیں:

(۱) جو شخص اللہ کی رضا کی خاطر اپنے مال میں سے صدقہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس مال میں برکت ڈال دیتے ہیں، وہ بڑھتا ہے، گھٹتا نہیں، اس لئے کہ مال سے دو چیزیں مقصود ہوتی ہیں، ایک اخروی منافع اور دوسرا دنیوی ضرورتوں کا پورا ہونا، یہ دونوں مقصد صدقہ کرنے سے حاصل ہو جاتے ہیں۔

(۲) مظلوم اس ظلم پر انتقام کی قدرت کے باوجود مہر کرے، بدلہ نہ لے، تو اللہ تعالیٰ اس کی شان و شوکت اور عزت بڑھا دیتے ہیں۔

(۳) جو شخص اللہ سے مانگنے کے بجائے انسانوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے گا عادی ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ اس پر فقر و محتاجی کا دروازہ کھول دیتے ہیں، اس کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں، دن بدن اس کی حرص میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا، کیوں کہ اس نے اپنے رب کو چھوڑ رکھا ہے، البتہ اگر کوئی ضرورت کی بنا پر کسی سے سوال کرے، تو اس کی گنجائش ہے۔

اہل دنیا کا حال چار افراد کی طرح ہے

اہل دنیا کا حال چار افراد کی طرح ہے:

- (۱) ایک وہ بندہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مال اور علم دونوں نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں، وہ ان کی قدر کرتا ہے، اللہ سے ڈرتا ہے، مال کو ناجائز جگہوں پر خرچ نہیں کرتا، رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتا ہے، اللہ کے حقوق پر بھی عمل کرتا ہے، زکوٰۃ و صدقات ادا کرتا ہے، گویا دینی علم کے مطابق مال کو استعمال کرتا ہے، اور علم سے بھی لوگوں کو مستفید کرتا ہے تو یہ شخص سب سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہے۔
- (۲) دوسرا وہ شخص ہے جس کے پاس صرف علم شرعی ہے، مال و دولت نہیں، لیکن یہ تمنا کرتا ہے کہ کاش میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں بھی فلاں آدمی کی طرح اللہ کے راستے میں صرف کرتا تو اسے بھی اپنی نیت کے مطابق اجر ملے گا، گویا پہلا آدمی اور یہ دوسرا نیت کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں، اس لئے ان دونوں کا ثواب بھی اس میں برابر ہوگا، ہاں پہلے نے چونکہ عمل بھی کیا ہے، اس لئے اس کے عمل کا ثواب اس کے مقابلے میں زیادہ ہوگا، حدیث میں ”اجرہما سواء“ سے نیت میں اجر و ثواب کی برابری مراد ہے۔
- (۳) تیسرا وہ شخص ہے جس کے پاس صرف مال ہے، علم نہیں، وہ اس مال کو ناجائز جگہوں پر خرچ کرتا ہے، اسے خرچ کرنے میں اللہ سے بھی نہیں ڈرتا، نہ اس کے ذریعہ رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا ہے اور نہ مالی حقوق یعنی زکوٰۃ و صدقات ادا کرتا ہے، بس اپنی خواہشات کے مطابق اس مال کو صرف کرتا ہے، یہ بندہ سب سے برے درجہ پر ہے۔
- (۴) چوتھا وہ شخص ہے کہ جس کے پاس نہ مال ہے اور نہ علم لیکن تمنا کرتا ہے کہ کاش میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں اس تیسرے آدمی کی طرح خلاف شرع طریقے پر خرچ کرتا، تو یہ دونوں نیت کے اعتبار سے گناہ میں برابر ہوں گے، تاہم تیسرے نے چونکہ عملاً مال کو ناجائز جگہوں پر صرف کیا ہے، اس لئے اس کا گناہ اس سے زیادہ ہوگا، البتہ نیت میں گناہ کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي هَمِّ الدُّنْيَا وَ خَبَرِهَا

یہ باب دنیا کی فکر اور اس کی محبت کے بیان میں ہے

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ تَوَلَّى دُونَ دِينِهِ فَاتَّزَلَّهَا بِالنَّاسِ لَمْ يُسَدِّدْهَا لِقُدِّسٍ، وَمَنْ تَوَلَّى دُونَ دِينِهِ فَاتَّزَلَّهَا بِاللَّهِ فَيُؤْخِرُكَ اللَّهُ لِمَنْ يَجْعَلُكَ أَوْ أَجَلٍ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو کوئی فائدہ (یعنی شدید حاجت) پیش آجائے اور وہ اسے لوگوں کے سامنے پیش کر دے تو اس کی ضرورت کو نہیں پورا کیا جائے گا، اور جس کو فائدہ پیش آجائے اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرے (یعنی اللہ پر اعتماد کرے) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جلد ہی رزق دے دے یا کچھ دیر سے۔

عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: جَاءَ مُعَاوِيَةُ إِلَى أَبِي هَاشِمِ بْنِ عُثْبَةَ وَهُوَ مَرِيضٌ يَغْوُدُهُ، فَقَالَ: يَا خَالَ مَا يَنْبَغِيكَ؟ أَوْ جَعَلَ يُشِيرُكَ أَوْ جَزَّضَ عَلَى الدُّنْيَا؟ قَالَ: كُلُّ لَمْ، وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَهْدَ إِلَى عَهْدٍ أَلَمْ أَخُذْ بِهِ، قَالَ: إِنَّمَا

يَكْفِيكَ مِنْ جَمْعِ الْمَالِ خَادِمٌ وَمَنْ كَبَّ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَجْدَنِي الْيَوْمَ قَدْ جَمَعْتُ.

ابو اہل فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان (ایک دفعہ) حضرت ابو ہاشم بن عتبہ کی بیمار پرسی کے لئے گئے جبکہ وہ مریض تھے (تو وہ انہیں دیکھ کر رونے لگے) تو حضرت معاویہ نے پوچھا کہ اے ماموں کیا چیز آپ کو رلا رہی ہے، کیا کسی درد اور بیماری نے آپ کو بے چین کر رکھا ہے یا دنیا کی حرص و تمنا نے؟ انہوں نے فرمایا: ان میں سے کچھ نہیں، لیکن (بے چینی اور رونے کی وجہ یہ ہے کہ) رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا، میں اسے پورا نہ کر سکا، (وہ عہد یہ تھا کہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک تمہارے لئے دنیا کے مال میں سے بس اس قدر جمع کرنا کافی ہے کہ تمہارے پاس ایک خادم ہو اور راہِ خدا میں (لڑنے وغیرہ کے لئے) ایک سواری ہو، اور آج میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میں نے (ان دونوں چیزوں سے کہیں زیادہ) مال و متاع جمع کر لیا ہے۔

عن عبد اللہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: لَا تَتَّخِذُوا الضَّيْعَةَ فَتَزْغِبُوا إِلَى الدُّنْيَا.

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ زمین و جاگیر (وغیرہ) کو اس طرح اختیار نہ کرو کہ تم دنیا کی طرف مائل ہو جاؤ۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ فاقۃ: تنگدستی، شدید حاجت و ضرورت۔ لم تسد: اس کی حاجت کو پورا نہیں کیا جائے گا۔ یوشک: قریب ہے۔ رزق عاجل: جلدی رزق۔ رزق اجل: تھوڑا دیر سے۔ یشتزک: آپ کو مغموم اور پریشان کر رکھا ہے، بے چین کر رکھا ہے۔ الضیعة: (خاد پرزیر کے ساتھ) غلاماگانے والی زمین، جاگیر، کاروبار اور تجارت۔ تزغیوا فی الدنیا: تم دنیا کی طرف مائل ہو جاؤ۔

دنیا کی محبت اور اس کی فکر سے اجتناب کا حکم

اس باب کی احادیث سے تین چیزیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) انسان کو جب بھی کوئی فاقہ اور شدید ضرورت پیش آجائے، تو اسے لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے دربارِ عالی میں پیش کرے، کیوں کہ لوگ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، اللہ ہی نے سب کچھ کرنا ہے، لوگوں کے سامنے پیش کرنے سے کبھی وہ مشکل حل نہ ہوگی، بلکہ آئے دن ضروریات و حاجات اور مشکلات میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا، کیوں کہ اس کی نظر صرف لوگوں کی طرف ہے، اللہ کی طرف نہیں ہے، لیکن اگر اپنی اس مشکل کو اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس معاشی مشکل کو فوری یا بدیر ضرور پورا فرمادیں گے۔

ابوداؤد شریف میں ہے اوشک اللہ لہ بالغنی اما بموت عاجل او غنی عاجل، ملا علی قاری اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ موت عاجل سے مراد یہ ہے کہ کسی مالدار رشتہ دار کی وفات ہو جائے تو فوراً اس کو مال حاصل ہو جائے گا اور غنی عاجل سے مراد یہ ہے کہ کوئی دوست موت کے وقت اس کے لئے کوئی وصیت کر جائے، یوں اللہ تعالیٰ جلد ہی اس کی حاجت کو پورا فرمادیں

گے۔

(۲) باب کی دوسری حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں ضرورت کے بقدر مال و دولت پر اکتفا اور قناعت کی جائے، اور ان میں بھی ان چیزوں کو اختیار کیا جائے جو آخرت میں کام آسکیں،، اور اس کیلئے ذخیرہ ہو جائے، حدیث میں ”مربک“ سے ہر وہ سواری مراد ہے، جس سے اللہ کی رضا حاصل کی جاسکے، خواہ وہ جہاد و تبلیغ میں ہو، یا حج اور طلب علم کے لئے۔

حضرت ابو ہاشم بن عتبہ بھی ان صحابہ کرام میں سے ہیں، جو بالکل زاہد تھے، رزین نے روایت نقل کی ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے پاس صرف اتنی دنیا تھی، جس کی مقدار تیس درہم بنتی ہے اور ایک پیالہ تھا، حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ وفات کے وقت ان کے پاس صرف سولہ درہم تھے، پھر بھی وہ پریشان تھے کہ میرے پاس زیادہ دنیا ہے، اس میں ان لوگوں کے لئے درس عبرت ہے، جو ہر وقت مال و دولت جمع کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور آخرت کی انہیں کوئی فکر نہیں ہوتی۔

(۳) انسان کا جو بھی جائز ذریعہ معاش ہو، خواہ وہ صنعت و تجارت ہو، یا ملازمت و زراعت وغیرہ، اس میں اس قدر منہمک اور مشغول ہو جانا ممنوع ہے، کہ نمازیں بھی رہ جائیں، اللہ کی عبادت سے غفلت ہو جائے اور آخرت کا کوئی دھیان نہ رہے، لیکن اگر کسب حلال کے ساتھ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی صحیح طریقہ سے ہو رہی ہے، اس کا قلب اللہ کی محبت سے سرشار اور فکر آخرت سے لبریز ہو تو یہ بہت اونچا مقام ہے، قرآن مجید میں انہی لوگوں کی تعریف بیان کی گئی ہے: **دَجَالٌ لَا تُلْهِمُهُم** **تِجَارَةً وَلَا بَيْعًا عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ**، یہ ایسے لوگ ہیں کہ انہیں تجارت اور خرید و فروخت یا دالہی سے غافل نہیں کرتی، اس لئے باب کی تیسری حدیث میں ”ضیغہ“ سے ہر ایسی چیز مراد ہے، جس میں مشغول ہو کر انسان اللہ کی عبادت سے غافل ہو جائے، اسے اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ (۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَوْلِ الْعُمَرِ لِلْمُؤْمِنِ

یہ باب مومن کے لئے عمر کے لمبا ہونے کے بیان میں ہے

عن عبد الله بن قيس: أَنَّ أَعْرَابِيًّا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ: مَنْ خَيَّرَ النَّاسَ؟ قَالَ: مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسَنَ عَمَلُهُ۔
حضرت عبد اللہ بن قیس سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے عرض کیا یا رسول اللہ: کونسا آدمی لوگوں میں سب سے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص جس کی عمر طویل ہو اور اس کا عمل اچھا ہو۔

عن أبي بكر: أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ: أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ قَالَ: مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسَنَ عَمَلُهُ۔ قَالَ: فَأَيُّ النَّاسِ شَرُّ؟ قَالَ: مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَسَاءَ عَمَلُهُ۔

حضرت ابو بکر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ: کونسا آدمی سب سے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا:

وہ شخص جس کی عمر زیادہ ہو اور اس کے عمل اچھے ہوں پھر پوچھا: کونسا آدمی سب سے برا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص جس کی عمر زیادہ ہو اور اس کے عمل برے ہوں۔

لمبی عمر کی فضیلت حسن عمل پر ہے

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مومن کی طویل عمر اس وقت باعثِ فضیلت اور قابلِ فخر ہوتی ہے، جب وہ اس وقت سے فائدہ اٹھا کر اچھے اعمال کرے، آخرت کی تیاری کرے، ایسا آدمی سب سے افضل ہوتا ہے، اس کے برعکس وہ شخص سب سے برا ہے جس کو زندگی کے لمحات تو بہت زیادہ ملے، لیکن اس نے ان سے آخرت کا فائدہ حاصل کرنے کے بجائے انہیں لہو و لعب میں گنوا دیا، کوئی خاطر خواہ عبادت نہ کر سکا، اس لئے مومن کو اپنی زندگی کے اوقات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے کہ کہیں وہ ضائع تو نہیں ہو رہے، کیوں کہ قیامت کے دن اس وقت کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اسے کہاں اور کیسے صرف کیا ہے۔

عن "عبداللہ بن قیس" شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ صحیح لفظ "عبداللہ بن بسر" ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي أَعْمَارِ هَذِهِ الْأُمَّةِ مَا بَيْنَ السِّتِينَ إِلَى سَبْعِينَ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ اس امت کی عمریں ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہوں گی

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: غُمِرَ أُمَّتِي مِنْ سِتِينَ سَنَةً إِلَى سَبْعِينَ.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کی عمر ساٹھ سے ستر سال تک ہے۔

امت محمدیہ کی عمر کا ذکر

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس امت کی بہترین عمر، جس کو معتدل کہا جائے، وہ ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہے، کہ اسی عمر میں نبی کریم ﷺ اور بہت سے جلیل القدر صحابہ و اولیاء نے انتقال فرمایا ہے۔

حافظ ابن حجر نے بعض حکماء کا قول نقل کیا ہے کہ عمر کے چار درجات ہیں، بچپن، جوانی کا زمانہ، کہولت (تیس سال سے پچاس سال تک کی عمر (۳) اور شیخوۃ (50 سال کی عمر (۴) اور اس سے زیادہ) یہ آخری درجہ عموماً ساٹھ اور ستر سال کے درمیان کا ہوتا ہے، اسے "ہرم" بھی کہا جاتا ہے اس وقت طبیعت میں عموماً ضعف اور کمزوری آ جاتی ہے، لہذا اس عمر میں پہنچ کر مسلمان کو آخرت

(۱) تحفة الاحوذی ۵۱۲/۶

(۲) القاموس الوحید (ص: ۱۳۳۲)

(۳) القاموس الوحید (ص: ۹۰۲)

کی طرف زیادہ راغب ہو جانا چاہیے، کیوں کہ اب وہ طاقت اور قوت واپس نہیں آسکتی، جو اس سے پہلے حاصل تھی۔
 ساٹھ سے ستر سال کی عمر اکثر کے اعتبار سے ہے کہ عموماً اس امت کے افراد کی عمریں اتنی ہی ہوں گی، لیکن اس کے خلاف
 بھی ہو سکتا ہے، کم بھی ہو سکتی ہے اور زیادہ بھی، حدیث سے کم یا زیادہ عمر کی نفی کرنا مقصود نہیں ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي تَقَارِبِ الزَّمَنِ وَقَصْرِ الْأَمَلِ

یہ باب وقت کے قریب ہونے اور امید کے چھوٹا ہونے کے بیان میں ہے
 عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا تَقْضُوا السَّاعَةَ حَتَّى يَتَقَارَبَ الزَّمَانُ، وَتَكُونَ السَّاعَةُ
 كَالشَّهْرِ، وَالشَّهْرُ كَالْجُمُعَةِ، وَتَكُونَ الْجُمُعَةُ كَالْيَوْمِ، وَيَكُونَ الْيَوْمُ كَالسَّاعَةِ، وَتَكُونَ السَّاعَةُ
 كَالضُّوْمَةِ بِالنَّارِ۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ زمانہ آپس میں قریب ہو جائے
 گا، (زمانہ کی تیز رفتاری اس کیفیت و حالت کے ساتھ ہوگی کہ) سال مہینے کے برابر، مہینہ ہفتے کے برابر، ہفتہ دن کے
 برابر، اور دن ایک ساعت یعنی ایک گھنٹے کی طرح ہو جائے گا؟ اور ایک گھنٹہ اتنا مختصر ہو جائے گا جیسے آگ کا شعلہ کہ
 (ماچس جلاتے وقت) چمک کر بجھ جاتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- بتقارب الزمان: زمانہ قریب ہو جائے گا یعنی وقت تیزی سے گزرنے لگا۔ قصور الأمل: (قاف کے
 نیچے زیر اور صاد پر زبر) امید کو چھوٹا کرنا۔ ضومة: (ضاد پر زبر اور راء کے سکون اور زبر کے ساتھ) وہ شعلہ اور چنگاری جو ماچس
 جلاتے وقت ایک دم چمک کر بجھ جاتی ہے۔

تقارب زمان کے معنی

تقارب زمان کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

- (۱) قرب قیامت میں اللہ کی نافرمانی اس قدر زیادہ ہو جائے گی، کہ وقت میں برکت اٹھ جائے گی، وقت نہایت تیزی سے
 گزرتا چلا جائے گا کہ اس کا فائدہ محسوس ہی نہیں ہوگا۔
- (۲) یا یہ معنی ہیں کہ قرب قیامت میں لوگ اپنی پریشانیوں اور فتنوں میں اس قدر مشغول ہوں گے کہ وقت گزرنے کا انہیں
 احساس تک نہیں ہوگا اور نہ یہ معلوم ہوگا کہ دن کب ختم ہوا اور رات کب ختم ہوئی ہے۔

امام خطاب فرماتے ہیں کہ وقت کی یہ تیز رفتاری حضرت عیسیٰ اور امام مہدی کے زمانے میں ظاہر ہوگی۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي قِصْرِ الْأَمَلِ

یہ باب امید کو کوتاہ کرنے کے بیان میں ہے

عن ابن عمر قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِنِصْفِ جَسَدِي قَالَ: كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ، أَوْ غَابِرٌ سَبِيلٍ، وَغَدَ نَفْسُكَ مِنْ أَهْلِ الْقَبْرِ، فَقَالَ لِي ابْنُ عُمَرَ: إِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالْمَسَاءِ، وَإِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالصَّبَاحِ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ قَبْلَ مَقَمِكَ، وَمِنْ حَيَاتِكَ قَبْلَ مَوْتِكَ، فَإِنَّكَ لَا تَذَرِي يَا عَبْدَ اللَّهِ: مَا اسْتَغْنَى عَنْكَ غَدًا.

حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے میرے بدن پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا: تم دنیا میں یوں رہو گویا کہ تم ایک پردیسی ہو یا راہ گیر ہو اور اپنے کو قبر والوں میں شمار کرو، (مجاہد کہتے ہیں کہ) مجھے ابن عمر نے فرمایا: جب تم صبح کرو تو اپنے سے شام کی باتیں نہ کرو، اور جب شام کرو تو اپنے سے صبح کی باتیں نہ کرو، اور اپنی صحت کو بیماری سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو (اور اللہ کی عبادت کرو) کیوں کہ اے عبداللہ معلوم نہیں کہ کل تمہارا کیا نام ہو گا (زندہ ہو گے یا مردہ ہو جاؤ گے)

عن أنس بن مالك قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: هَذَا ابْنُ آدَمَ وَهَذَا أَجَلُهُ، وَوَضَعَ يَدَهُ عِنْدَ قَفَاهُ ثُمَّ بَسَطَهَا فَقَالَ: وَلَمْ أَمْلُكْهُ وَلَمْ أَمْلُكْهُ.

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ ابن آدم ہے اور یہ اس کی موت ہے اور آپ نے اپنا ہاتھ اپنی گدی (گردن) پر رکھا، پھر اسے پھیلا کر فرمایا: اور اس کی امیدیں یہاں اور وہاں ہیں۔
عن عبد الله بن عمرو قَالَ: مَرَّ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَنَحْنُ نَعَالِجُ خُصًّا لَنَا، فَقَالَ مَا هَذَا؟ فَقُلْنَا: قَدْ وَهِيَ، فَسَحَنَ لُصْلُخَهُ، فَقَالَ: مَا أَرَى الْأَمْرَ إِلَّا أَعْجَلَ مِنْ ذَلِكَ.

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس سے گزرے، اور ہم اپنی جھونپڑی ٹھیک کر رہے تھے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کیا یہ کمزور ہو گئی ہے، ہم اسے ٹھیک کر رہے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: میں امر یعنی موت کو اس سے بھی زیادہ جلدی آتے دیکھ رہا ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ غریب: پردیسی۔ عابو سبیل: راہ گذر، راہ گیر، مسافر۔ غد: تم شمار کرو۔ قفا: گدی، گردن۔ ثم امله: وہاں اس کی امیدیں ہیں۔ نعالج: ہم درست کر رہے تھے، ٹھیک کر رہے تھے۔ خصا: (خام پرپش) لکڑی یا بانس کی جھونپڑی،

چھپر۔ وہی: کمزور ہو گیا۔ اُجھل: اس سے زیادہ جلدی۔ عااری: میرا گماں نہیں، میرا خیال نہیں۔

لمبی لمبی امیدوں سے اجتناب کا حکم

اس باب کی احادیث میں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ مومن کی تمام تر توجہ آخرت کی طرف ہونی چاہیے، دنیا کے ساتھ اس کا تعلق ضرورت کی حد تک ہو، دنیا کے لئے لمبی لمبی امیدیں باندھنا یہ مسلمان کا شیوہ نہیں،

پہلی حدیث میں فرمایا کہ دنیا میں یوں رہو جیسے کوئی پردیسی زندگی گزارتا ہے، وہ اس جگہ کے ساتھ دل نہیں لگاتا بس اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے عارضی ٹھکانہ بنا لیتا ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر فرمایا کہ راہ گیر کی طرح رہو، جو راستہ عبور کر رہا ہو، جو اپنا ٹھکانہ کسی جگہ نہیں بناتا، بس اپنی منزل کو حاصل کرنے کے لئے دشوار گزار راستے طے کرتا چلا جاتا ہے، اسی طرح مسلمان کو بھی اصل آخرت کی فکر کرنی چاہیے، دنیا کے ساتھ اس کا تعلق صرف ایک ضرورت کی حد تک ہو، اور فرمایا تم ابھی سے اپنے آپ کو اہل قبر میں سے شمار کرو، لہذا خوب تیاری کرو، زندگی کا جو وقت میرے اس سے آخرت کا فائدہ اٹھاؤ، صحت کی نعمت حاصل ہے تو بیماری سے پہلے پہلے اس سے بھی فائدہ حاصل کر لو، کیوں کہ نہ معلوم کہ کل تمہیں کیا کہا جائے گا یعنی زندہ ہو گے یا مردہ۔

دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی تمنائیں اور امیدیں کس قدر طویل ہیں اور موت کا حال یہ ہے کہ وہ اس کی گردن پر حکم کی سنٹر کھڑی ہے اس لئے مسلمان کو دنیا کے بارے میں لمبی لمبی امیدیں اور خواہشات سے اجتناب کرنا چاہیے کہ اس سے آخرت سے آدمی غافل ہو جاتا ہے۔

تیسری روایت سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ مکان کی اصلاح اور مرمت سے اعمال کی اصلاح زیادہ ضروری اور اہم ہے، مقصد یہ ہے کہ مکان اور کوشی کی تعمیرات میں اس قدر مشغول ہو جانا کہ آخرت کی کوئی فکر نہ رہے، کسی بھی طرح درست نہیں، (۱)

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ فِتْنَةَ هَذِهِ الْأُمَّةِ فِي الْمَالِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ اس امت کا فتنہ مال میں ہے

عن كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً، وَفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ۔

حضرت کعب بن عیاض نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔

مال ایک فتنہ ہے

انسان کے پاس جب مال و دولت آجائے تو عموماً وہ دنیا کے لہو و لعب میں مصروف ہو جاتا ہے، آخرت کی اسے کوئی فکر نہیں رہتی، اس لئے حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا فتنہ اور آزمائش ”مال“ ہے، لہذا اگر کسی مسلمان کے پاس جائز ذرائع آمدن ہوں اور اللہ تعالیٰ اسے مال و دولت دے رہے ہوں تو اس پر لازم ہے کہ اس مال پر جو شرعی حقوق ہیں زکوٰۃ وغیرہ، انہیں پوری طرح ادا کرے اور اس مال میں منہمک ہو کر امور آخرت سے غفلت اختیار نہ کرے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ لَوْ كَانَ لَابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَا يَنْتَفِعِي ثَلَاثًا

یہ باب اس بیان میں ہے کہ اگر انسان کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کو طلب کرے گا
عن أنس بن مالك قال: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَوْ كَانَ لَابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَأَحَبَّ أَنْ يَكُونَ لَدُنَّيْنِ، وَلَا يَمْلَأُ قَاهُ إِلَّا التَّرَابُ، وَيُثَوِّبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ تَابَ۔
حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر ابن آدم کے لئے سونے کی ایک وادی ہو تو وہ پسند کرے گا کہ اس کے لئے ایک اور وادی ہو، اور اس کے منہ کو نہیں بھر سکتی مگر (قبر کی) مٹی، اور اللہ تعالیٰ اس شخص کی توبہ قبول فرماتے ہیں، جو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

ابن آدم کا حریصانہ مزاج

اس حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

- (۱) انسان کی فطرت میں مال کی حرص اور محبت رکھ دی گئی ہے، اس کے پاس جتنا بھی مال آجائے تو وہ پھر بھی مزید کی خواہش کرے گا، البتہ وہ لوگ جو فکر آخرت سے سرشار ہوں، تو وہ مال و دولت کی لالچ اور حرص سے محفوظ رہتے ہیں۔
- (۲) جو شخص مال و دولت کی حرص سے توبہ کر لے اور قناعت کی زندگی گزارے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرماتے ہیں، اور اس پر رحم فرماتے ہیں۔ (۲)

(۱) تحفة الاحوذی ۵۱۸/۶

(۲) تحفة الاحوذی ۵۱۹/۶

بَاب مَا جَاءَ قَلْبَ الشَّيْخِ شَابَّ عَلَى حُبِّ الثَّنَتَيْنِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ بوڑھے کا دل دو خصلتوں کی محبت پر جوان ہوتا ہے
 عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: قَلْبُ الشَّيْخِ شَابَّ عَلَى حُبِّ الثَّنَتَيْنِ: طَوْلُ الْحَيَاةِ وَكَثْرَةُ الْمَالِ۔
 حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بوڑھے کا دل دو خصلتوں یعنی لمبی عمر اور کثرت مال پر
 جوان ہوتا ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: يَهْزَمُ ابْنُ آدَمَ وَيَشْبُ مِنْهُ الثَّنَتَانِ: الْحِزْضُ عَلَى الْغَنَمِ
 وَالْحِزْضُ عَلَى الْمَالِ۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابن آدم ہار جاتا ہے اور اس کی دو خصلتیں
 جوان ہوتی ہیں: درازی عمر کی خواہش اور مال (کو جمع کرنے) کی لالچ

بڑھاپے کی دو خصلتیں

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان جس قدر بوڑھا ہوتا جاتا ہے، اسی قدر اس کے اندر دو خصلتیں بڑھتی جاتی ہیں،
 ایک لمبی عمر کی تمنا اور دوسرا مال و دولت کو جمع کرنے کی حرص، مقصود یہ ہے کہ جب انسان بوڑھا پے کی عمر کو پہنچ جائے تو وہ مکمل
 آخرت کی طرف متوجہ ہو جائے، مال کی حرص اور درازی عمر کی طرف توجہ نہ کرے، کیوں کہ یہ چیزیں انسان کے لئے بسا
 اوقات نقصان دہ ثابت ہو جاتی ہیں۔ (۱)

اصل زہد

دنیا سے بے رغبتی اور زہد اس چیز کا نام نہیں کہ انسان حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر دے، نہ کھائے، نہ پیئے، نہ نکاح
 کرے، اور نہ ہی دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو، حالانکہ یہ تو انسانی ضروریات ہیں، ان کے بغیر کوئی چارہ نہیں، تمام انبیاء نے اور
 نبی کریم ﷺ نے بھی ان امور کو اختیار فرمایا ہے، آپ سے بڑھ کر کون زاہد ہو سکتا ہے، اگر یہ چیزیں زاہدانہ زندگی کے خلاف ہوتیں،
 تو آپ ہرگز انہیں اپنے لئے اختیار نہ فرماتے اور ان کے ترک کرنے والوں پر تکبر بھی نہ فرماتے، حالانکہ آپ ﷺ نے ان امور کو
 ترک کرنے والوں پر سخت تکبر اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔

اصل زہد کیا ہے؟ اس میں نبی کریم ﷺ نے دو امر ذکر فرمائے ہیں:

(۱) انسان کے پاس جو کچھ مال و دولت، تدبیر و ہنر، کسب و عمل اور مادی اسباب ہوں، ان پر اس کی نظر اور بھروسہ نہ ہو، بلکہ اس کا اعتماد ان نعمتوں پر ہو، جو اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں محفوظ ہیں، کیونکہ وہ باقی ہیں، جبکہ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے، اس نے بالآخر ایک دن ضرور ختم ہو جاتا ہے، لہذا انسان جو کوشش کر کے رزق کماتا ہے، اس میں یہ نہ سمجھے کہ یہ سب کچھ اس کی کوشش کا صلہ ہے، بلکہ اس کی نظر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو کہ سب کچھ وہ ہی دینے والا ہے، اور اس کے پاس ایسے خزانے محفوظ ہیں کہ جو کبھی ختم نہیں ہوں گے۔

(۲) کمال زہد کی دوسری علامت یہ ہے کہ جب مسلمان کو کوئی مصیبت اور آزمائش پہنچ جائے تو اس پر وہ داویلا اور جزع فزع نہ کرے، بلکہ اس کے اجر و ثواب کو دیکھ کر یہ تمنا ہو کہ کاش یہ مصیبت برقرار رہے، اور مصیبتوں کا آنا اسے زیادہ محبوب ہو جائے، کیونکہ دنیاوی مصیبتوں کی وجہ سے مسلمان کے گناہ معاف اور اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ (۱)

عَنْ غُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَيْسَ لَابْنِ آدَمَ حَقٌّ فِي سِوَى هَذِهِ الْخِصَالِ: بَيْتٌ يَسْكُنُهُ، وَثَوْبٌ يُوَارِي عَوْرَتَهُ، وَجِلْفٌ الْخُبْزِ وَالْمَاءِ۔

حضرت عثمان بن عفان سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ابن آدم ان چیزوں کے علاوہ اور کسی چیز پر اپنا حق نہیں رکھتا، ایک گھر جس میں وہ اپنی رہائش اختیار کرے، دوسرا کپڑا جس سے وہ اپنا ستر ڈھانپ سکے، تیسرے سالن کے بغیر خشک روٹی اور پانی۔

مشکل الفاظ کے معنی: خصال: خصلت کی جمع ہے، عادت، چیز۔ یواری: ڈھانپ دے۔ جلف: (جیم کے نیچے زیر اور لام کے سکون کے ساتھ) موٹی اور خشک روٹی سالن کے بغیر۔

ابن آدم کا حق

”حق“ سے وہ حاجات اور ضروریات مراد ہیں، جن کے بغیر انسان زندگی نہ گزار سکے، چنانچہ رہائش کے لئے گھر، جسم ڈھانپنے کیلئے کپڑا، اور خشک موٹی روٹی اور پانی، یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے بغیر انسان کی بقاء ممکن نہیں، لہذا جو شخص ان چیزوں کو حلال طریقے سے حاصل کرے، اور بقدر ضرورت ان پر قناعت کرے، اس سے آخرت میں ان چیزوں کے بارے میں کوئی سوال، مواخذہ اور باز پرس نہیں ہوگی، البتہ ان کے علاوہ دوسری اشیاء یا یہی چیزیں ضرورت سے زیادہ استعمال کی جائیں تو پھر آخرت میں ان کے بارے میں پوچھا جائے گا، کیونکہ ایسے میں یہ ضروریات میں نہیں، بلکہ نفسانی خواہشات اور لذت کے زمرے میں آ جاتی ہیں، جن کے بارے میں یقیناً آخرت میں مواخذہ ہوگا۔ (۲)

(۱) تحفة الاحوذی ۳/۷

(۲) تحفة الاحوذی ۵/۷

عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يَقُولُ: أَلْهَاكُمْ التَّكَاثُرُ، قَالَ: يَقُولُ ابْنُ آدَمَ: مَالِي، مَالِي؛ وَهَلْ لَكَ مِنْ مَالِكَ إِلَّا مَا تَصَدَّقْتَ، فَأَمْضَيْتَ بَأَوْ أَكَلْتَ، فَأَقْنَيْتَ أَوْ لَبَسْتَ، فَأَبْلَيْتَ۔

حضرت مطرف بن عبد اللہ اپنے باپ عبد اللہ بن شعیب سے روایت کرتے ہیں کہ وہ آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو اس وقت آپ فرما رہے تھے: اَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ (تمہیں مال و دولت کی کثرت نے غافل کر دیا) آپ ﷺ نے فرمایا: ابْنُ آدَمَ کہتا ہے میرا مال، میرا مال، حالانکہ تیرا مال تو صرف وہی ہے جو تو صدقہ کر دے اور (آخرت کے لئے) جاری کر دے (یعنی ذخیرہ کر دے) یا جسے تو کھالے اور اسے ختم کر دے یا جو تو پہن لے اور اسے بوسیدہ کر دے۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَا ابْنَ آدَمَ: إِنَّكَ أَنْ تَبْدُلَ الْفُضْلَ خَيْرٌ لَكَ، وَأَنْ تُنْسِبَكَ هَؤُلَاءِ لَكَ، وَلَا تُلَامَ عَلَى كُفَّافٍ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ، وَابْتَذِ الْعُلَيَّا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى۔

حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے ابن آدم! مال کا خرچ کر دینا تیرے لئے بہتر ہے، اور اس کو روکنا تیرے لئے برا ہے، اور بقدر ضرورت رزق پر تیری ملامت نہیں ہوگی، اور تو خرچ کرنا شروع کر اس پر، جو تیرے اہل و عیال ہوں، اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: التَّكَاثُرُ: مال و دولت کی کثرت۔ اَمْضَيْتَ: اَمْضَيْتَ بتو نے جاری کر دیا یعنی آخرت میں ذخیرہ کر دیا۔ اَبْلَيْتَ: بتو نے بوسیدہ کر دیا۔ كُفَّافٍ: (کاف پر زبر) ضرورت کے بقدر روزی۔

انسان کے لئے نافع مال

پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے امت کو یہ بات سمجائی ہے کہ انسان کے پاس جب مال و دولت کی فراوانی ہو جائے، تو اس میں فخر و غرور اور تکبر پیدا ہو جاتا ہے، کہتا ہے، میرا مال، میرا مال، حالانکہ اس کے پاس، جو مال موجود ہے اس کی موت کے بعد وہ اس کے وارثوں کا ہو جائے گا، ہاں البتہ اس کا مال وہ ہے جو اس نے اللہ کے راستہ میں صدقہ کر کے، آخرت میں اس کا اجر و ثواب ذخیرہ کر دیا، یا وہ مال جو اس نے اپنے کھانے پینے میں یا اپنے لباس میں استعمال کر لیا ہے، اس کا نافع مال بس یہی ہے، اس لئے اگر آدمی کے پاس مال ہو تو اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد راہ خدا میں اسے صدقہ کر دیا جائے تاکہ قیامت کے دن اس کا نفع ہو۔

دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے پانچ امور کی تاکید فرمائی ہے، ضرورت سے زائد مال کو خرچ کر دو، یہ بہتر ہے، بچا بچا کر رکھنا برا ہے بشرطیکہ اس کے شرعی حقوق زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ کئے جائیں، بقدر ضرورت مال جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں، ضرورت سے زائد مال سب سے پہلے اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو، کیونکہ ان کا خرچہ اس پر واجب ہے، پھر بھی اگر خرچ جائے تو پھر دوسرے رشتہ داروں کو دیا جائے، اور دینے والا ہاتھ لینے والے سے بہتر ہوتا ہے، اس لئے آدمی کو لینے کے بجائے دوسروں کو دینے

کی عادت بنانی چاہیے۔ (۱)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَوَزَّ قُتُمًا تُرْزَقُ الطَّيْنُ، تَغْدُو خِمَاصًا وَتَزُوخُ بَطَانًا۔

حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر کامل توکل کرو جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے، تو یقیناً تمہیں بھی اسی طرح رزق دیا جائے گا، جیسا کہ پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے، وہ (پرندے) صبح کو بھوکے نکلتے ہیں، اور شام کو پیٹ بھر کر واپس لوٹتے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: تغدو: صبح کے وقت نکلتے ہیں۔ تروح: شام کو واپس لوٹتے ہیں۔ خمصاصا: ٹمبھیس کی جمع ہے: بھوکے۔ بطانا: بطن کی جمع ہے۔ پیٹ بھر کر۔

کامل توکل کی فضیلت

اس روایت سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) اگر انسان اللہ تعالیٰ پر کامل توکل کرے، جس طرح کہ پرندے توکل کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی طرح اس کو بھی رزق عطا فرمادیں گے کہ رات کو پرندوں کے پاس کوئی چیز ذخیرہ نہیں ہوتی، صبح اللہ پر توکل کر کے بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو اپنے گھونسلوں میں سیراب ہو کر لوٹتے ہیں۔

(۲) توکل اس چیز کا نام نہیں کہ انسان رزق کے لئے کوئی کوشش نہ کرے، اللہ پر اعتماد کر کے بیٹھ جائے، بلکہ توکل کے معنی یہ ہیں کہ انسان رزق حلال کے حصول کے لئے اپنی استطاعت کے بقدر جائز طریقے سے کوشش کرے اور نظر اللہ پر ہو کہ اس نے محض اپنے فضل سے روزی دینی ہے، اس میں کوشش کا کوئی کمال نہیں، مجھے تو بس محنت اور طلب کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے پرندے کی مثال سے یہی بات سمجھائی ہے کہ رزق کے حصول کے لئے تنگ و دو اور جدوجہد ضروری ہے، جس طرح کہ پرندے اپنے گھونسلوں سے نکل کر دروازہ علاتے میں جا کر اپنی روزی تلاش کرتے ہیں، ہاں کوشش کر کے اس کے نتیجے کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔ (۲)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ أَخُوَانِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَكَانَ أَحَدُهُمَا يَأْتِي النَّبِيَّ ﷺ وَالْآخَرُ يَخْتَرِفُ، فَشَكََا الْمَخْتَرِفُ أَخَاهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں دو بھائی تھے، جن میں سے ایک تو نبی کریم ﷺ کی

خدمت میں رہا کرتا تھا (کیونکہ اس کے اہل و عیال نہیں تھے، وہ حصول معاش کی ذمہ داریوں سے بے فکر ہو کر، طاعت و عبادت اور دینی خدمات میں مشغول رہا کرتا تھا، اس وجہ سے اس کا اکثر وقت حضور ﷺ کے پاس ہی گذرتا تھا) اور دوسرا بھائی (اہل و عیال کے لئے) کما تا تھا، چنانچہ کمانے والے بھائی نے اپنے دوسرے بھائی کی حضور ﷺ سے شکایت کی (کہ میرا بھائی نہ تو خود کما تا ہے اور نہ ہی کام کاج میں میری مدد کرتا ہے، یوں اس کے کمانے کا خرچ بھی مجھے ہی اٹھانا پڑتا ہے) حضور اکرم ﷺ نے (اس کی یہ شکایت سن کر) فرمایا: یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تمہیں اس کی برکت سے رزق دیا جاتا ہو۔

رزق میں وسعت و برکت کا ایک سبب

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسباب معیشت کو اختیار کرنا رزق کا اصل باعث نہیں، یہ تو محض اللہ کے فضل و کرم سے ملتا ہے، اور بسا اوقات رزق میں وسعت و برکت اور فراوانی کا سبب فقراء، تنگدست اور خاص طور پر اپنے ضرورت مند رشتہ داروں پر خرچ کرنا اور ان کی معاشی ضروریات کی کفالت کرنا ہوتا ہے، یوں اس کے مال و دولت میں برکت پیدا ہو سکتی ہے، اس لئے بھائی کا اپنے بھائی کے بارے میں شکوہ و شکایت ہرگز مناسب نہیں۔ (۱)

عن غنید اللہ بن مخصن الخطمی وَ کَانَ لَهُ صُخْبَةٌ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ أَمْعًا لِي مِزْجَةً، مَعَالِي لِي جَسَدِهِ، عِنْدَهُ قُوَّةٌ يَوْمُهُ، فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا۔

عبداللہ بن مخصن سے روایت ہے۔ اور وہ صحابی تھے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص اپنے گھر میں امن و سکون سے صبح کر لے اور اپنے جسم کے اعتبار سے بھی عافیت میں ہو، اس کے پاس ایک دن کی روزی ہو، تو گویا اس کے لئے دنیا جمع کر دی گئی۔

مشکل الفاظ کے معنی:- صرب: (سین اور را پر زبر کے ساتھ): گھر، نہ خانہ (سین کے نیچے زیر اور را کے سکون کے ساتھ) نفس، جماعت، اگر یہ معنی لئے جائیں تو حدیث کے معنی یہ ہوں گے: جو شخص تم میں سے اپنے اہل و عیال میں امن و سکون کے ساتھ صبح کرے۔ معالی: (باب مفاعلہ سے صیغہ اسم مفعول) عافیت میں ہو۔ حیزت: جمع کر دی گئی۔

دنیا کی اصل نعمتیں

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو یہ نعمتیں حاصل ہوں کہ گھر میں امن و سکون ہو، صحت و تندرستی ہو، کوئی خوف اور خطرہ نہ ہو، اور ایک دن کی روزی اس کے پاس موجود ہو، تو اسے گویا ساری دنیا کی نعمتیں حاصل ہو گئی ہیں، اسے اب مزید کسی چیز کی

ضرورت نہیں، لہذا اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے، اور اپنے اوقات کو اللہ کی عبادت میں گزارنا چاہیے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي الْكَفَافِ وَالصَّبْرِ عَلَيْهِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں بقدر ضرورت روزی اور اس پر صبر کا بیان ہے
عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ أَغْبَطَ أَوْلِيَانِي عِنْدِي: لِمُؤْمِنٍ، خَفِيفُ الْحَاذِ ذُو حَظٍّ مِنَ الصَّلَاةِ،
أَحْسَنَ عِبَادَةٍ رَبِّهِ وَأَطَاعَةً فِي السِّرِّ وَكَانَ غَامِضًا فِي النَّاسِ، لَا يَشَارُ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ، وَكَانَ رِزْقُهُ كَفَافًا،
فَصَبَرَ عَلَى ذَلِكَ. ثُمَّ نَفَرَ بِأَصْبَعِيهِ فَقَالَ: غِبْلَتْ مَوْبِغَةً، فَلَتْ بِهَا أَكْبِيَهُ، قُلْتُ لِرَأْسِ اللَّهِ
حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میرے دوستوں میں سب سے زیادہ قابل
رشتہ میرے نزدیک وہ مؤمن ہے جو ہلکی پیٹھ والا ہو (یعنی جس کی پیٹھ اہل و عیال، مال و دولت اور تعلقات کے اعتبار
سے بوجھل نہ ہو) نماز سے بہت حصہ رکھنے والا ہو، اور اپنے رب کی عبادت حسن و خوبی سے کرتا ہو، اور (جس طرح
ظاہر میں عبادت کرتا ہے اسی طرح) خفیہ طور پر بھی عبادت میں مشغول رہتا ہو، اور لوگوں میں گناہ ہو کہ انھیں سے
اس کی طرف اشارہ نہ کیا جاتا ہو (یعنی گناہ کی زندگی بسر کر رہا ہو) اس کی روزی بقدر ضرورت ہو اور اسی پر وہ صابر ہو،
پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کے ذریعہ چنگی بجا ئی اور فرمایا: اس کی موت اپنا کام جلدی پورا کر لیتی ہے،
اور اس پر رونے والی عورتیں بھی کم ہوتی ہیں اور اس کا ترکہ بھی کم ہوتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ کفاف: (کاف پر زبر کے ساتھ) بقدر ضرورت روزی۔ اغبط: زیادہ قابل رشتہ۔ خفیف
الحاذ: ہلکی پشت والا یعنی جس کی کمر مال و دولت اور اہل و عیال کے بوجھ سے ثقیل نہ ہو۔ غامضا: گناہ: مخفی طور پر۔ نفور
باصبعہ: آپ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے چنگی بجا ئی، یہ عموماً کسی بات پر تعجب اور حیرت کے اظہار کے لئے ہوتا ہے یا کسی کام
کے جلدی ہونے کو بیان کے لئے چنگی بجا کر کہتے ہیں کہ فلاں کام بس یوں چنگی بجاتے ہو گیا ہے۔ ہواکیہ: باکیہ کی جمع ہے: رونے
والی عورتیں۔ قوله: (یہ تا، واؤ سے بدل کر آئی ہے) میت کا باقی ماندہ مال، ترکہ۔

قابل رشتہ مؤمن کی صفات

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس مؤمن کی سات صفات ذکر فرمائی ہیں، جو قابل رشتہ ہے:
(۱) وہ شخص جو زیادہ اہل و عیال اور مال و دولت کی ذمہ داریوں کے بوجھ سے فارغ ہو، ایسے میں وہ شخص اللہ تعالیٰ کی زیادہ
عبادت کر سکتا ہے۔

- (۲) وہ جسے نماز میں لذت محسوس ہو، گویا وہ اللہ کا مشاہدہ کرتا ہے۔
- (۳) اپنے رب کی عبادت حسن و خوبی سے کرتا ہو۔
- (۴) تنہائی میں بھی لوگوں سے چھپے چھپے اللہ کی عبادت کرتا ہے۔
- (۵) لوگوں میں گناہ ہو، مشہور نہ ہو کہ جس کے فضل و کمال اور پرہیزگاری کی وجہ سے لوگ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کریں، کیونکہ اس سے آدمی میں تکبر اور خود پسندی جیسے مہلک امراض پیدا ہو جاتے ہیں، جو بہر حال اس کی ہلاکت و تباہی کا باعث بن سکتے ہیں، تاہم اس کے باوجود اگر کسی کے فضل و کمال کا لوگوں میں چرچا ہو جائے اور پھر لوگ اس کا ادب و احترام کرنے لگیں اور اس کے دل اور رویے میں بڑائی کا پہلو نہ ہو، بلکہ عجز و انکساری غالب ہو، تو پھر اس شہرت میں کوئی حرج نہیں۔

- (۶) ضرورت کے بقدر اس کے پاس روزی ہو۔
- (۷) اور ان تمام امور پر صبر و تحمل سے کام لے، بقدر ضرورت روزی پر، گناہی پر، اللہ کی عبادت پر.....
- یہ صفات جب کسی مومن میں پیدا ہو جائیں تو وہ قابل رشک ہے، آپ ﷺ نے چنگی بجا کر ارشاد فرمایا کہ اس کی موت بس یوں چنگی بجائے اپنا کام پورا کر لیتی ہے اس پر رونے والی عورتیں اور اس کا ترکہ بھی کم ہوتا ہے۔ (۱)

وَبِهَذَا الْإِسْتِغَاثَةِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: عَزَّ وَجَلَّ عَلَى رَبِّي لِيَجْعَلَ لِي بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا قُلْتُ: لَا يَا رَبِّ، وَلَكِنْ أَشْبَعُ نَوْمًا، وَأَجْوَعُ نَوْمًا. أَوْ قَالَ فَلَا كَلَامَ، أَوْ نَحْوَ هَذَا. فَإِذَا جَعْتَ قَضَرْتَ عَثَّ إِلَيْكَ وَذَكَرْتُكَ، فَإِذَا ضَبَعْتَ شَكَرْتُكَ وَحَمِدْتُكَ.

اور اسی سند سے نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: میرے رب نے میرے سامنے اس بات کو پیش فرمایا تا کہ وہ میرے لئے مکہ کے سنگریزوں کو سونا بنا دے، میں نے عرض کیا: نہیں! میرے پروردگار! مجھے اس کی قطعاً خواہش نہیں! لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن میں پیٹ بھر کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں، (یا فرمایا تین دن یا اسی کی مانند کچھ فرمایا) کہ جب میں بھوکا ہوں تو تیرے حضور گرہ زاری کروں اور تجھے (اپنے دل اور زبان سے) یاد کروں، اور جب میں سیر ہوں تو تیرا شکر اور تیری تعریف کروں۔

مشکل الفاظ کے معنی: بطحاء: کشادہ وادی یا نالہ جہاں سے عموماً برساتی پانی بہ کر جاتا ہے۔ أشبع: میں سیر ہوں۔ قضر عث: میں گڑگڑاؤں، گرہ زاری کروں۔

نبی کریم ﷺ کی دنیا سے بے رغبتی

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو مذکورہ پیشکش یا توحسی اور ظاہری طور پر تھی یا معنوی یعنی باطنی طور پر، دوسری مراد زیادہ صحیح ہے، اس صورت میں نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے مشورہ لیا اور مجھے اختیار دیا کہ چاہے میں دنیا کی وسعت اور مال و دولت کو اختیار کروں یا دنیا کی تنگی اور فقر و فاقہ کی راہ اختیار کر کے آخرت کا توشہ بناؤں، چنانچہ میں نے دنیا کی وسعت کو ترک کر دیا اور معاشی تنگی کی راہ اپنائی، تاکہ میں شکر اور صبر کی دونوں صفات سے مزین ہو جاؤں، جب پیٹ بھر کر کھاؤں تو اس وقت اللہ کا شکر ادا کروں اور اس کی حمد و ثناء بیان کروں اور جس دن بھوکا رہوں، تو اس وقت صبر کروں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالدار کی مقابلے میں فقر و فاقہ افضل ہے، مالدار کی بھی نعمت ضرور ہے، جبکہ حلال طریقے سے ہو اور مال کے شرعی حقوق بھی ادا کئے جائیں، تاہم اس میں انسان کی گمراہی کا زیادہ امکان ہوتا ہے اور نیاوی لحاظ سے بھی اس کے ساتھ بڑی مصیبتیں اور طرح طرح کے مسائل ہوتے ہیں، اس لئے نبی کریم ﷺ نے مالدار کی بجائے فقر و تنگدستی کی راہ کو اختیار فرمایا، اور امت کو بھی اسی کی ترغیب دی ہے۔

لیجعل لی بطحاء مکة ذہبا

مکہ کے سنگریزوں کو سونا بنانے سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں:

(۱) مکہ کے برساتی نالے اور وادیوں کو سونے سے بھر دیا جائے۔

(۲) یا ان نالوں اور وادیوں میں جو سنگریزے ہیں، ان کو سونے میں تبدیل کر دیا جائے، یہ دوسرے معنی مراد لینا زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کو یوں فرمایا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو مکہ کے پہاڑوں کو سونے میں تبدیل کر دیا جائے۔ (۱)

عن عبد اللہ بن عمرو: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: قَدْ أَلْفَحَ مَنْ أَسْلَمَ، وَزُرْقَى كُفَّالًا وَتَقَعَهُ اللَّهُ

حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ شخص کامیاب ہے، جو اسلام لایا اور ضرورت کے بقدر اسے رزق دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے قانع بنایا ہو (یعنی جو کچھ مل جائے، اسی پر وہ مطمئن اور خوش ہو)

عَنْ فَصَّالَةَ بِنْتِ غُبَيْدَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: طُوبَى لِمَنْ هَدَى لِلْإِسْلَامِ وَكَانَ عَيْشُهُ كُفَّالًا وَتَقَعَهُ

حضرت فضالہ بن عبید سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس کو اسلام کی ہدایت دی گئی ہو اور ضرورت کے بقدر گذر بسر کا سامان ہو (یعنی کھانے پینے کی اشیاء اور آمدنی وغیرہ) اور وہ قناعت والا ہو۔

بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْفَقْرِ

یہ باب فقر کی فضیلت کے بیان میں ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْقِلٍ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ يَا رَسُولَ اللَّهِ: وَاللَّهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ، فَقَالَ لَهُ: انْظُرْ مَا تَقُولُ، قَالَ: وَاللَّهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ، فَلَا تَمَوَّاتٍ، قَالَ: إِنْ كُنْتُ تُحِبُّنِي فَأَعِدْ لِلْفَقْرِ بَخْلًا، فَإِنَّ الْفَقْرَ أَمْسَرَ عَلَيَّ مِنْ يُحِبُّنِي مِنَ السَّبِيلِ إِلَى مُنْتَهَاهُ.

حضرت عبداللہ بن معقل کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول: میں آپ سے واقعی (بہت زیادہ) محبت کرتا ہوں، حضور اکرم ﷺ نے (یہ سن کر فرمایا:) دیکھ لو کیا کہہ رہے ہو، (یعنی اچھی طرح سوچ لو کہ تم کس چیز کا دعویٰ کر رہے ہو، ایسا نہ ہو کہ بعد میں اپنی بات پر پورا نہ اتر سکو) اس شخص نے عرض کیا: خدا کی قسم: میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور تین بار اس جملے کو اس نے دہرایا، حضور ﷺ نے فرمایا: اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو (یعنی اس دعویٰ میں سچے ہو) تو پھر فقر کے لئے پاکر زرہ تیار کر لو (یعنی صبر و استقامت کے لئے تیار ہو جاؤ) کیونکہ فقر و تنگدستی اس شخص کو جلدی پہنچتا ہے، جو مجھ سے محبت (کا دعویٰ) کرتا ہے، پانی کے اس بہاؤ سے بھی زیادہ جلدی جو اپنے تنہا کی طرف جاتا ہے۔

محبت کے ساتھ فقر وفاقہ ہوگا

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ مجھے حضور اکرم ﷺ سے اور مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ محبت ہے، تو اسے فقر وفاقہ اور تنگدستی کی زندگی کے لئے تیار ہو جانا چاہیے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ سب سے سخت آزمائش اور ابتلاء انبیاء علیہم السلام پر آتے ہیں، پھر جو بھی ان کے طریقے پر چلنے کا زیادہ اہتمام کرے گا، اس پر بھی اسی قدر زیادہ تکلیفیں اور آزمائشیں آئیں گی، ایسا نہیں ہو سکتا کہ محبت کا دعویٰ بھی ہو اور آزمائش نہ آئے، یہ فقر وفاقہ اور آزمائشیں اسے جلد ہی اپنے ہمنور میں پھنسا لیں گی، اس پانی کے بہاؤ سے بھی زیادہ جلدی، جو اپنی منزل کی طرف بڑی تیزی سے رواں دواں ہوتا ہے، لہذا اسے اپنے لئے کسی آلے اور تحفہ کا بندوبست کر لینا چاہیے، جو مصیبت کی اس گھڑی میں اس کے لئے مفید ہو سکے۔

”تحجفاف“ کے معنی ہیں ”پاکر زرہ“ یہ وہ آہنی زرہ ہے، جو جنگجو پہنتا ہے، یادہ موٹا کپڑا اور زین وغیرہ، جو گھوڑے پر ڈالی جائے تا کہ وہ جنگجو اور جانور زخم وغیرہ سے محفوظ رہے، یہاں حدیث میں تحجفاف سے صبر و استقامت مراد ہے، کیونکہ جس طرح تحجفاف جنگجو اور جانور کو ڈھانپ لیتا ہے، تاکہ وہ زخم وغیرہ سے حفاظت میں رہے، اسی طرح صبر بھی فقر وفاقہ کی دشوار گزار زندگی کو ڈھانپ لیتا

ہے، یوں وہ انسان صبر کر کے اللہ کے ہاں اونچے درجات حاصل کر لیتا ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ فَقَرَاءَ الْمُهَاجِرِينَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَاءِهِمْ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ فقراء مہاجرین مالدار مہاجرین سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فَقَرَاءَ الْمُهَاجِرِينَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَاءِهِمْ بِخَمْسِمِائَةِ عَامٍ۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فقراء مہاجرین مالدار مہاجرین سے پانچ سو سال قبل جنت میں داخل ہوں گے۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: اللَّهُمَّ أَخْنِي مَسْكِينًا وَأَمْنِي مَسْكِينًا وَاحْشُرْنِي فِي زُفْرَةِ الْمَسَاكِينِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ: لِمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: إِنَّهُمْ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَاءِهِمْ بِأَرْبَعِينَ خَرِيفًا، يَا عَائِشَةُ: لَا تَزِدِي الْمَسْكِينِ وَلَوْ بِشِقِّ نَمْرَةٍ يَا عَائِشَةُ: أَحْبَبِي الْمَسَاكِينَ وَفَرِّقِي بَيْنَهُمْ، فَإِنَّ اللَّهَ يَقْرَبُكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اللہ: مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھنا اور مسکین کی حالت میں ہی مجھے موت دینا اور قیامت کے دن مسکین کی جماعت میں مجھے اٹھانا، حضرت عائشہ نے (یہ سن کر) عرض کیا: کیوں یا رسول اللہ؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اس لئے کہ مسکین مالداروں سے چالیس سال قبل جنت میں داخل ہوں گے، اے عائشہ (کبھی بھی) مسکین کو خالی ہاتھ واپس نہ کرنا بلکہ (اس کو ضرور دینا) اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اے عائشہ: مسکین سے محبت کرنا اور ان کو (مجلس میں گفتگو کے وقت) اپنے قریب رکھنا، کہ اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن اپنا قرب عطا فرمائیں گے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْأَغْنِيَاءِ بِخَمْسِمِائَةِ عَامٍ، يَضْفُ يَوْمٍ۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فقراء جنت میں مالداروں سے پانچ سو سال یعنی آدھا دن قبل جنت میں داخل ہوں گے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: يَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْمُسْلِمِينَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَاءِهِمْ بِأَرْبَعِينَ خَرِيفًا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فقراء مسلمان، مالدار مسلمانوں سے چالیس سال قبل جنت میں داخل ہوں گے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْمُسْلِمِينَ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْأَغْنِيَاءِ بِضَمِّ يَوْمٍ، وَهُوَ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فقراء مسلمان، مالدار مسلمانوں سے آدھادن پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور وہ پانچ سو سال ہیں۔

فقراء مالداروں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے

ان احادیث سے فقر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اور فقراء، مالداروں کے مقابلے میں پانچ سو سال قبل جنت میں داخل ہوں گے، کیونکہ جس قدر انسان کے پاس دنیا میں زیادہ مال ہوگا، اسی قدر اس کا حساب بھی تفصیلی ہوگا۔ یہاں بظاہر احادیث میں تعارض ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ چالیس سال قبل جنت میں داخل ہوں گے جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ پانچ سو سال قبل جنت میں داخل ہوں گے، یوں اس مدت میں بظاہر تعارض ہے؟ شارحین حدیث نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں:

(۱) ان اعداد سے کوئی مخصوص تعداد مراد نہیں بلکہ اس سے کثرت کو بیان کرنا مقصود ہے، معنی یہ ہیں کہ فقراء، مالداروں سے بہت پہلے جنت میں داخل ہو جائیں گے، اس کو کبھی چالیس سال کے عنوان سے بیان کر دیا اور کبھی پانچ سو سال کے لفظ سے، لہذا ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

(۲) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے آپ ﷺ کو چالیس سال کی وحی کی گئی ہو، اس کو آپ نے پہلے بیان فرمادیا اور بعد میں پانچ سو سال کا بھی بتادیا گیا، اس لئے بعد میں آپ نے پانچ سو سال کا ذکر فرمایا۔

(۳) ”جامع الاصول“ میں ہے کہ سالوں کی تعداد کا یہ اختلاف فقراء کے درجات کے اعتبار سے ہے، کہ بعض فقراء اپنے حالات پر مبر و شکر کی وجہ سے اس قدر اعلیٰ مقام پر ہوں گے کہ انہیں مالداروں کے مقابلے میں پانچ سو سال قبل جنت میں داخل کیا جائے گا اور بعض فقراء کم درجے پر ہوں گے لہذا انہیں چالیس سال قبل جنت میں داخل کیا جائے گا۔

چنانچہ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مبر کرنے والا فقیر، شکر گزار مالدار سے بہتر ہے۔ قیامت کا ایک دن چونکہ دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہوگا، تو پانچ سو سال آدھادن ہوئے، اس لئے حدیث میں پانچ سو سال کو نصف یوم قرار دیا ہے اور قرآن کریم میں جو قیامت کے دن کو پچاس ہزار سال کے برابر کہا ہے، یہ مخصوص ہے، اس سے کافروں کا دن مراد ہے کہ وہ اس قدر طویل ہوگا۔

اشکال: حدیث انس سے فقر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے جبکہ حضرت عائشہ کی حدیث میں حضور ﷺ نے فقر سے پناہ مانگی ہے، ان دونوں میں بظاہر تعارض سا ہے؟

جواب: نبی کریم ﷺ نے مطلق فقر سے پناہ نہیں مانگی، بلکہ اس فقر سے پناہ مانگی ہے، جس میں آدمی کا دل فقیر ہو جائے، جو فقر اللہ کی یاد سے غافل کر دے اور کفر کا ذریعہ بن جائے یا جس میں انسان جزع فزع اور اللہ کے بارے میں شکوے کرنے لگے اور جو اللہ کی

تقدیر پر اعتراض کا سبب بن جائے، اس لئے ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ دونوں کا مفہوم الگ الگ ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي مَعِيشَةِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَهْلِهِ

یہ باب نبی کریم ﷺ اور آپ کے اہل کے روزینہ اور معیشت کے بیان میں ہے۔

عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ، فَدَعَتْ لِي بِطَعَامٍ وَقَالَتْ: مَا أَشْبِعُ مِنْ طَعَامٍ فَأَشَاءُ أَنْ أَبْكِيَ إِلَّا بَكَيْتُ، قَالَ: لِمَ؟ قَالَتْ: أَذْكَرُ الْحَالِ الَّذِي لَارَقَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الدُّنْيَا، وَاللَّهُ مَا شَبِعَ مِنْ خُبْزٍ وَلَحْمٍ مَزَّتَيْنِ فِي يَوْمٍ۔

مسروق کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ کے پاس داخل ہوا، تو انہوں نے میرے لئے کھانا منگایا، اور فرمانے لگیں: میں کسی کھانے سے سیر نہیں ہوتی کہ پھر میں رونا چاہوں تو رو دیتی ہوں، مسروق کہتے ہیں میں نے پوچھا: ایسا کیوں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: مجھے وہ حال یاد آتا ہے، جس میں آپ ﷺ نے دنیا کو چھوڑا ہے، اللہ کی قسم: آپ ﷺ نے ایک دن میں دو مرتبہ پیٹ بھر کر روٹی اور گوشت نہیں کھایا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا شَبِعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ خُبْزٍ شَعِيرٍ، يُؤْمِنُ مُتَتَابِعِينَ حَتَّى قُبِضَ۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے دو دن مسلسل جو کی روٹی سے پیٹ بھرا ہو (چھ جائیکہ گندم کی روٹی سے)، یہاں تک کہ آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: مَا شَبِعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَهْلُهُ فَلَا تَأْتِيَا عَا مِنْ خُبْزِ النَّبِيِّ حَتَّى لَارَقَ الدُّنْيَا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے اہل نے تین دن مسلسل گندم کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی، یہاں تک کہ آپ دنیا چھوڑ گئے۔

عَنْ سَلِيمِ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا أَمَامَةَ يَقُولُ: مَا كَانَ يُفْضَلُ عَنْ أَهْلِ بَيْتِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ خُبْزُ الشَّعِيرِ سَلِيمُ بْنُ عَامِرٍ كَهْتَمُ بَيْنَ كَيْسٍ فِي مِثْلِ مَا كَانَ يُفَرِّمُ كَوِيَّةً فَرَمَاتِهِ سَنَ كَهْ نَبِيَّ كَرِيمٍ ﷺ كَهْ كَرْدَالُوهْ سَهْ كَهْمِي جُوكِي رُوتِي زَانِدَنَهْ هُوتِي (یعنی انہیں جو کا آٹا اتنا ہی دستیاب ہوتا، جتنا انہیں ہی کافی ہوتا، زیادہ آٹا نہ ہوتا، کہ اس کی روٹیاں بن جائیں)۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَبِيتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا وَأَهْلُهُ لَا يَجِدُونَ عَشَاءً، وَكَانَ أَكْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِيرِ۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل مسلسل کئی راتیں بھوک کی حالت میں

گزارتے تھے، وہ شام کا کھانا بھی نہ پاتے تھے اور اکثر ان کی روٹی جوئی ہوتی تھی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: اللَّهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قَوَاتًا.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ تو آل محمد کا رزق کفایت کے بقدر کر دے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَذْخِرُ شَيْئًا لِقَدِّهِ.

حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کل کے لئے کسی چیز کو ذخیرہ کر کے نہیں رکھتے تھے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: مَا أَكَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى خَوَانٍ وَلَا أَكَلَ خُبْزَ أَمْرِ قَلْبًا حَتَّى مَاتَ.

حضرت انس سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جوئی یا میز پر کھانا نہیں کھایا اور نہ آپ نے چپاتی (میدے کی روٹی) کھائی، یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّهُ قِيلَ لَهُ: أَكَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ النَّعْيَ يَغْنَى الْخَوَازِي؟ فَقَالَ سَهْلٌ: مَا زَأَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ النَّعْيَ حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ فَيَقِيلُ لَهُ: هَلْ كَانَتْ لَكُمْ مَنَاجِلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ؟ قَالَ: مَا كَانَتْ لَنَا مَنَاجِلُ، قِيلَ: كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ بِالشَّعِيرِ؟ قَالَ: كُنَّا نَنْفُخُهُ فَيَطِيرُ مِنْهُ مَا طَارَ ثُمَّ نَقْرِيهِ، فَتَجِدْنَاهُ.

حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا نبی کریم ﷺ نے میدے کی روٹی بھی کھائی ہے؟ حضرت سہل نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے میدہ تو دیکھا بھی نہیں (کھانا تو درکنار) یہاں تک کہ آپ اللہ سے جا ملے، پھر ان سے پوچھا گیا: کیا عہد رسالت میں آپ لوگوں کے پاس چھلنیاں تھیں؟ انہوں نے فرمایا: ہمارے پاس چھلنیاں نہیں تھیں، پوچھا گیا: آپ لوگ جو کے آٹے کے ساتھ کیا کرتے تھے؟ (یعنی اسے کس طرح بھوسے سے صاف کرتے تھے) فرمایا: (اسے پیسنے کے بعد) ہم پھونک مار دیتے تھے، جو ذرے اس میں اڑنے والے ہوتے، اڑ جاتے پھر ہم اس میں پانی ڈال دیتے اور اسے گوندھ لیتے۔

مشکل الفاظ کے معنی: معیشہ: روزینہ (یعنی کھانا، پینا آمدنی وغیرہ) ذریعہ گذر بسر۔ جباعا: (تاکے نیچے زیر) پے در پے، مسلسل۔ بفضل: زائد ہو، باقی ماندہ ہو۔ طاویا: بھوکا۔ عشاء: (عین پر زبر کے ساتھ) رات کا کھانا۔ لایذخو: ذخیرہ نہ کرتے، جمع نہ کرتے۔ خوان: چوکی، میز۔ خبز امر قلا: چپاتی یعنی میدے کی روٹی۔ نعۃ: میدہ۔ حواری: میدہ، سفید آٹا۔ مناخل: محفل کی جمع ہے: چھلنی۔ نفخہ: ہم اس پر پھونک مار دیتے۔ مطار: جو چیز کہ اڑ سکتی یعنی بھوسہ اور تنکے۔ نقریہ: ہم اس کو بھگو دیتے۔ نعبہ: ہم وہ آٹا گوندھ دیتے۔

حضور اکرم ﷺ اور اہل بیت کی معیشت کا حال

ان احادیث میں نبی کریم ﷺ اور اہل بیت کی معیشت کو بیان کیا گیا ہے، آپ نے دو روز مسلسل جوئی پیٹ بھر کر

نہیں کھائی، اور نہ ہی گوشت اور روٹی دن میں دو مرتبہ تناول فرمائے، آپ کا یہی معمول تھا کہ اگر ایک دن پیٹ بھر کر کھایا تو دوسرے دن بھوکے رہے، اور یہ اس وجہ سے تھا کہ نبی کریم ﷺ نے خوشحالی کی زندگی پر فقر و فاقہ اور تنگدستی کی زندگی کو ترجیح دی تھی، اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو دنیا بھر کے خزانوں کی پیش کش ہوئی کہ اگر آپ کہیں تو مکہ کے پہاڑوں کو آپ کے لئے سونے میں تبدیل کر دیا جائے، تو آپ نے اس کے بجائے فقر اور تنگدستی کا راستہ اختیار کیا، اور فرمایا کہ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں، تاکہ جس دن پیٹ بھر لوں اس دن شکر ادا کروں اور جس دن بھوکا رہوں، اس دن صبر کروں۔

یہ درست ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس زندگی کے آخری حصے میں مال غنیمت سے خوب مال آیا، لیکن حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ اس میں بھی آپ اپنی ذات کے لئے کوئی چیز ذخیرہ نہ کرتے، بلکہ اللہ کی رضا کے لئے اسے تقسیم کر دیتے اور ازواج مطہرات کو سال کا خرچہ عنایت فرما دیتے، اور آپ خود ہمیشہ کی طرح خالی ہاتھ ہی رہ جاتے، البتہ آپ کے دل کے غنا میں مزید اضافہ ہو جاتا، لہذا ۱۱ حدیث میں جو ”لَا يَدْخُرُ شَيْئًا لَعْنَةً“ فرمایا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی ذات کے لئے کچھ بھی جمع نہ فرماتے، اس لئے اپنی عیال کے لئے بقدر کفایت سال کی روزی جمع کرنا اس کے منافی نہیں۔^(۱) خوان اور مخبر مرقق کے بارے میں تفصیلی کلام ابواب الاطعمۃ کے پہلے باب میں گزر چکا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي مَعِيشَةِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ

یہ باب نبی کریم ﷺ کے صحابہ کی معیشت یعنی روزینہ کے بیان میں ہے۔

عَنْ قَيْسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يَقُولُ: إِنِّي لَأَوَّلُ رَجُلٍ، أَهْرَاقَ دَمًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَإِنِّي لَأَوَّلُ رَجُلٍ رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَلَقَدْ رَأَيْتُنِي أَغْرُو فِي الْعَصَابَةِ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ، مَا نَأْكُلُ إِلَّا وَرَقَ الشَّجَرِ وَالْخُبْلَةَ، حَتَّىٰ إِنْ أَخَذْنَا لَيَضُغَ كَمَا تَضُغُ الشَّاةُ وَالْبُعِيزُ، وَأَضْبَحَتْ بَنُو أَسَدٍ يَغْرُزُونِي فِي الدِّينِ، لَقَدْ جِئْتُ إِذْنًا، وَضَلَّ عَمَلِي۔

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں: بے شک میں سب سے پہلا آدمی ہوں، جس نے اللہ کے راستہ میں (کافرا کا) خون بہایا ہے، اور پہلا شخص ہوں، جس نے اللہ کے راستہ میں (پہلا) تیر چلایا ہے، اور مجھے یاد ہے کہ میں صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ جہاد کرتا (اور غربت کی وجہ سے) ہم درختوں کے پتے اور بول کے پھل کھاتے تھے، یہاں تک کہ ہم میں سے ہر ایک یوں قضاے حاجت کرتا، جس طرح بکری اور اونٹ کرتے ہیں (یعنی میگوئوں کی طرح) اور (اب) بنو اسد مجھے دین سکھانے لگے ہیں (یعنی میری نماز پر اعتراض کر رہے ہیں کہ میں صحیح نہیں پڑھتا)

تحقیق (اگر ایسا ہی ہے) تو پھر میں ناکام ہو گیا اور میرے عمل (جو میں نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز وغیرہ پڑھی) رائیگاں چلے گئے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ يَقُولُ: إِنِّي أَوَّلُ رَجُلٍ مِنَ الْعَرَبِ، دَمِيَ بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَلَقَدْ زَأَيْتُنَا نَفْزًا وَمَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَمَا لَنَا طَعَامٌ إِلَّا الْخَبْلَةُ وَهَذَا السَّمَنُ، حَتَّى إِنْ أَخَذْنَا لَيَطْعَمَ كَمَا تَطْعَمُ الشَّاةُ، ثُمَّ أَصْبَحَتْ بَنُو أَسَدٍ نَعَزُّ زَوْجِي فِي الدِّينِ لَقَدْ خَبِثَ إِذْنٌ وَضَلَّ عَقْلِي۔

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں عرب کا پہلا آدمی ہوں جس نے اللہ کے راستے میں (سب سے پہلے) تیر اندازی کی ہے، اور البتہ تحقیق ہمیں یاد ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ جہاد کرتے اور ہمارا کھانا صرف خاردار درخت کا پھل اور ببول کا پھل ہوتا، یہاں تک کہ ہم میں سے ہر ایک یوں قضاے حاجت کرتا، جس طرح بکری (دینگیاں) کرتی ہے، پھر بنو اسد مجھے دین سکھانے لگے ہیں (اگر ایسا ہی ہے) تو پھر میں تو ناکام ہی ہو گیا اور میرے (سارے) عمل ضائع ہو گئے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ، مَمَشَقَانِ مِنَ الْكُتَّانِ، فَمَخَّطُ فِي أَحَدِهِمَا، ثُمَّ قَالَ: يَخُتُّ بِخُ، يَخْمَخُ أَبُو هُرَيْرَةَ فِي الْكُتَّانِ! لَقَدْ زَأَيْتُنِي وَإِنِّي لَأَعُوْزُ لِيَمَانَيْنِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَخُجْرَةَ عَائِشَةَ مِنَ الْجُوعِ، مَغْشِيًّا عَلَيَّ، فَيَجِيئُ الْجَائِي فَيَطْعَمُ رَجُلَةً عَلَى غَنَقِي، يُزِي أَنِّي هِيَ الْجُنُونُ، وَمَا بِي جُنُونٌ وَمَا هُوَ إِلَّا الْجُوعُ۔

محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابو ہریرہ کے پاس تھے اور ان پر کتان کے دو کپڑے سرخ مٹی (گیرو) سے رنگے ہوئے تھے، ان میں سے ایک کپڑے سے حضرت ابو ہریرہ نے ناک صاف کی، پھر فرمایا: واہ، واہ، ابو ہریرہ کتان کے کپڑے سے (آج) ناک صاف کر رہا ہے، تحقیق میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے منبر اور حجرۂ عائشہ کے درمیان بھوک کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑتا، بس آنے والا آتا اور میری گردن پر اپنا پاؤں رکھتا، یہ سمجھ کر کہ مجھے جنون ہے، حالانکہ مجھے کوئی جنون نہ ہوتا تھا، اور میری یہ کیفیت صرف بھوک کی وجہ سے ہوتی تھی۔

عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا صَلَّى بِالنَّاسِ، يَخُزُّ رَجُلًا مِنْ قَامَتِهِمْ فِي الصَّلَاةِ مِنَ الْخِصَاصَةِ، وَهُمْ أَصْحَابُ الصُّفَةِ، حَتَّى يَقُولَ الْأَعْرَابُ: هُوَ لَا يَمُحَّائِنُ أَوْ مَجَانُونٌ فَإِذَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ انْصَرَفَ إِلَيْهِمْ، فَقَالَ: لَوْ تَعْلَمُونَ مَا لَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ لَا خُبَيْشُمْ أَنْ تَزَادُوا فَاقَةً وَحَاجَةً قَالَ فَضَالَةُ: أَنَا يُؤَمِّدُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ۔

حضرت فضالہ بن عبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب لوگوں کو نماز پڑھاتے تو کچھ لوگ قیام کی حالت میں

بھوک کی وجہ سے گر پڑتے تھے اور وہ اصحاب صفہ تھے، یہاں تک کہ اعرابی کہنے لگتے: یہ پاگل ہیں، جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو جاتے تو ان کے پاس تشریف لے جاتے اور فرماتے: اگر تمہیں اس بات کا پتہ چل جائے کہ تمہارے لئے اللہ کے یہاں اس کا کیا اجر و ثواب ہے، تو تم اس بات کو پسند کرو گے، کہ تم فقر و فاقہ اور حاجت کے لحاظ سے اور بڑھ جاؤ، حضرت فضالہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔

عن أبي هريرة قال: خرج النبي ﷺ في ساعة، لا يخرج فيها، ولا يلقاه فيها أحد، فأتاه أبو بكر، فقال: ما جاء بك يا أبا بكر؟ فقال: خرجت ألقى رسول الله ﷺ وأنظر في وجهه والتسليم عليه، فلم يلبث أن جاء عمر، فقال: ما جاء بك يا عمر؟ قال: الجوع يا رسول الله ﷺ، قال: وأنا قد وجدت بغض ذلك، فانطلقوا إلى منزل أبي الهيثم بن التيهان الأنصاري، وكان رجلاً كثير النحل والشاء، ولم يكن له خادم، فلم يجذوه، فقالوا لامرأته: أين صاحبك؟ فقالت انطلق يستعذب لنا الماء، ولم يلبث أن جاء أبو الهيثم بقرية يزعمونها فوضعتها، ثم جاء يلتزم النبي ﷺ ويفديه بأبيه وأمه، ثم انطلق بهم إلى حديقته فبسط لهم بساطاً، ثم انطلق إلى نخلة فجاء بقرية فوضعه. فقال النبي ﷺ: أفلا تنقبت لنا من رطب؟ فقال: يا رسول الله ﷺ إني أردت أن تغتاروا، أو قال: تغتاروا من رطبه وبشره، فأكلوا وشربوا من ذلك الماء، فقال رسول الله ﷺ: هذا والذي نفسي بيده، من التعيم الذي تسألون عنه يوم القيامة: ظل بارد، ورطب طيب، وماء بارد. فانطلق أبو الهيثم ليصنع لهم طعاماً، فقال النبي ﷺ: لا تدبحن ذات دبر، فذبح لهن عناقاً أو جذياً فأتاهن بها فأكلوا. فقال النبي ﷺ: هل لك خادم؟ قال: لا. قال: فإذا أتانا سبي فأتينا. فأتى النبي ﷺ برأسين، ليس معهما ثالث، فأتاه أبو الهيثم، فقال النبي ﷺ: اختر منهما. فقال: يا نبي الله ﷺ اختر لي، فقال النبي ﷺ: إن المستشار مؤتمن، خذ هذا فإني رأيتك يصلي واستوصى به مغزولاً. فانطلق أبو الهيثم إلى امرأته فأخبزها بقول رسول الله ﷺ، فقالت امرأته: ما أنت ببائع ما قال فيه النبي ﷺ إلا أن نعيقه، قال: هو عتيق، فقال النبي ﷺ: إن الله لم يبعث نبياً ولا خليفة إلا وله بطانتان؛ بطانة تأمره بالمعروف وتنهيه عن المنكر، وبطانة لا تألوه خبالاً ومن يؤق بطانة السوء فقد وقي.

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ ایسے وقت میں (گھر سے) نکلے کہ آپ (عموماً اس وقت میں) نہیں نکلتے تھے اور نہ کوئی اس وقت آپ سے ملاقات کرتا تھا، اتنے میں حضرت صدیق اکبر آپ کے پاس آئے تو آپ نے پوچھا کہ اے ابو بکر اس وقت تمہیں کیا چیز لائی ہے؟ حضرت ابو بکر نے عرض کیا: میں لکھا ہوں تاکہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کروں، آپ کے چہرہ انور کا دیدار کروں اور آپ کو سلام عرض کروں، ابھی تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ حضرت عمر فاروق آگئے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عمر اس وقت تمہیں یہاں کیا چیز لائی ہے؟ عرض

کیا اے اللہ کے رسول: بھوک (کی وجہ سے آیا ہوں) آپ نے فرمایا: میں بھی کچھ بھوک محسوس کر رہا ہوں، چنانچہ تینوں حضرات حضرت ابو الہیثم بن تیہان انصاری کے گھر کی طرف چل پڑے اور وہ کھجور کے زیادہ درخت اور کثیر بکریوں کے مالک تھے اور ان کا کوئی خادم نہ تھا انہوں نے انہیں گھر میں موجود نہ پایا، تو ان کی اہلیہ سے پوچھا کہ تمہارے شوہر کہاں ہیں؟ بیوی نے عرض کیا کہ وہ ہمارے لئے میٹھا پانی لینے گئے ہیں، ابھی کچھ دیر بھی یہ حضرات نہیں ٹھہرے تھے کہ اتنے میں ابو الہیثم پانی کا مشکیزہ اٹھائے ہوئے آگئے، (آپ ﷺ کو دیکھ کر) اسے (فوراً) رکھ دیا اور آکر حضور ﷺ سے لپٹ گئے اور آپ پر اپنے ماں باپ کو قربان کرنے کا کہنے لگے (یعنی یہ کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں)۔

پھر وہ ان حضرات کو اپنے باغ میں لے گئے اور ان کے لئے ایک بچھونا بچھایا پھر کھجور کے ایک درخت کے پاس گئے اور کھجوروں کا ایک گچھا لائے اور آپ کے سامنے اسے رکھ دیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم ہمارے لئے تازہ کھجور چن کر کیوں نہ لائے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ حضرات خود پسند فرمائیں یا یوں فرمایا: آپ حضرات کچی اور کچی کھجوروں میں سے جو چاہیں، پسند فرمائیں، چنانچہ سب نے (کھجوریں) تناول فرمائیں اور اس پانی سے (جو وہ مشکیزے میں لائے تھے) پیا، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ وہ نعمتیں ہیں، جن کے بارے میں تم سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا، یہ ٹھنڈا سایہ، عمدہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی ہے (کہ انہیں تم نے کیسے استعمال کیا ہے؟) پھر ابو الہیثم چلے، تاکہ ان حضرات کے لئے کھانا تیار کر آئیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: دودھ دینے والے جانور کو ہرگز ذبح نہ کرنا، چنانچہ انہوں نے بھیڑیا بکری کا ایک بچہ ذبح کیا، پھر وہ (اسے فرائی کر کے) ان حضرات کے پاس لائے تو سب نے کھایا، حضور اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارا کوئی خادم ہے؟ عرض کیا: نہیں، آپ نے فرمایا: جب ہمارے پاس قیدی آجائیں تو اس وقت ہمارے پاس آجانا (میں تمہیں ایک خادم دیدوں گا) چنانچہ آپ کے پاس دو ہی غلام لائے گئے جن کے ساتھ تیسرا نہ تھا، ابو الہیثم آپ کے پاس آگئے، آپ نے فرمایا: ان میں سے ایک پسند کر لو، عرض کیا یا رسول اللہ: آپ خود ہی میرے لئے پسند فرمادیجئے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک جس سے مشورہ لیا جائے، وہ اہم ہوتا ہے۔

تم یہ غلام لے لو، کیونکہ میں نے اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اور تم اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا، پھر ابو الہیثم اپنی بیوی کے پاس چلے گئے، اور ان کو رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنایا، تو ان کی بیوی نے کہا: تم اس بات تک نہیں پہنچ سکتے، جس کو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے مگر یہ کہ تم اسے آزاد کرو، ابو الہیثم نے (فوراً) کہا: یہ آزاد ہے، (جب آپ کو آزاد کرنے کا پتہ چلا تو) آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کسی نبی اور خلیفہ کو نہیں بھیجتے مگر یہ کہ اس کے دو گہرے دوست ہوتے ہیں، ایک تو اسے نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے (یعنی اچھا مشورہ دیتا ہے) اور

دوسرا اس کے بگاڑ اور فساد میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا، اور جو شخص برے دوست سے بچا لیا گیا، تو وہ (ہر قسم کی شر و روافات سے) محفوظ کر دیا گیا۔

عَنْ أَبِي طَلْحَةَ قَالَ: شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْخَوْفَ، وَرَفَعْنَا عَنْ بَطُونِنَا عَنْ حَبْرٍ حَبْرٍ، فَرَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ حَبْرَيْنِ۔

حضرت ابو طلحہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھوک کی شکایت کی، اور ہم نے اپنے پیٹ سے کپڑے اٹھا کر ایک ایک پتھر دکھایا (جو خالی پیٹ پر بھوک کی وجہ سے ہم میں سے ہر ایک نے باندھا ہوا تھا) آپ نے بھی کپڑے اٹھائے تو آپ کے پیٹ مبارک پر (بھوک کی وجہ سے) دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔

عَنْ بَسْمَاكِ بْنِ حَزْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ الثَّغْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ: أَلَسْتُ فِي طَعَامٍ وَشَرِبْتُ مَا شِئْتُ؟ لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ وَمَا يَجِدُونَ الذَّقْلَ مَا يَمْلَأُ بُطُونَهُمْ۔

ساک بن حرب کہتے ہیں کہ میں نے نعمان بن بشیر کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کیا تم لوگ کھانے پینے کی چیزوں میں فراوانی کے ساتھ نہیں ہو کہ جس قدر چاہو کھاؤ، پیو، تحقیق میں نے تمہارے نبی ﷺ کو دیکھا کہ وہ ردی کجور بھی اتنی نہ پاتے تھے، جس سے آپ اپنے پیٹ کو بھر سکیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: أهرق: بہایا، اس میں ہاء خلاف قیاس ہمزے سے بدل کر آئی ہے۔ عصابة: (عین کے نیچے زیر) جماعت جو دس سے چالیس افراد پر مشتمل ہو، اس کا مفرد نہیں ہے۔ حبلہ: (حاء پر پیش اور باء کے سکون کے ساتھ) بول یعنی کیکر کا پھل جو لوبیہ کے مشابہ ہوتا ہے، بعض کے نزدیک ہر خاردار درخت کے پھل کو حبلہ کہتے ہیں۔ يَغْزُؤُ زَيْنٌ فِي الدِّينِ: نبوا سدا مجھے دین سکھانے لگے۔ خبت اذن: پھر تو میں ناکام ہی ہو گیا۔ سمر: (سین پر زبر اور میم پر پیش) بول کا درخت۔ ممشقان: سرخ مٹی یعنی گرو سے رنگے ہوئے دو کپڑے۔ کتان: ایک عمدہ معتدل کپڑا، جو ہر موسم میں پہنا جاسکے، اور جسم کے ساتھ چپکتا بھی نہ ہو۔ مخطط، تمخط: ناک صاف کی۔ بخ بخ: واہ، واہ، شاباش۔ أخو: میں گر پڑتا تھا۔ مغشیا علی: مجھ پر بے ہوشی طاری ہوتی۔ خصاصة: (خا پر زبر کے ساتھ) بھوک اور کمزوری، اور اس کے اصل معنی فقر و فاقہ اور تنگدستی کے ہیں۔ صفة: (صاد پر پیش اور فا پر زبر اور تشدید) چبوترہ، بضعہ جلہ علی عنقی: اہل عرب کے ہاں یہ دستور تھا کہ وہ بطور علاج کے پاگل آدمی کی گردن پر پاؤں رکھتے تھے۔ يستعذب: میٹھا پانی لینے لگے ہیں۔ يزعبها: مشکیزے کو اٹھائے ہوئے۔ يلتزم: لپٹ گئے، چٹ گئے۔ يفديه: آپ ﷺ پر قربان کرنے لگے، یعنی یہ کہنے لگے کہ فداک ابی و امی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ بساط: بچھونا، چٹائی۔ قنو: (قاف کے نیچے زیر اور نون کے سکون کے ساتھ) پختہ کجوروں سے بھرا ہوا گچھ۔ أفلان قیت: تو نے کیوں نہ چنا۔ رطب: تازہ پختہ کجور۔ بسر: نیم پختہ کجور، گلدز کجور۔ ذات در: دودھ والا جانور۔ عنافا: بھیڑ بکری کا بچہ۔ جدی: بکری کا بچہ۔ منبئ: قیدی۔ مستشار: جس سے مشورہ لیا جائے۔ بطانان: دو ہزار دوست۔ لاتالوہ: اس میں کمی اور کوتاہی نہیں

چھوڑتا۔ خبال، فساد، بربادی۔ من یوق: جو شخص بچا لیا گیا۔ دقل: (دال اور قاف پر زبر کے ساتھ) ردی کھجور۔

کچھ حضرت سعد بن وقاص کے بارے میں

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کو دوائے شرف حاصل ہیں جو دیگر صحابہ کو حاصل نہیں:

(۱) اسلام میں سب سے پہلے کافر کا خون انہوں نے بہایا، اس کا پس منظر یہ ہے کہ صحابہ کرام ابتداء اسلام میں مکہ مکرمہ میں کافروں سے چھپ کر عبادت کیا کرتے تھے، سرعام عبادت نہیں کر سکتے تھے، ایسے ہی ایک دن گھائی میں چھپ کر نماز ادا کر رہے تھے کہ کافروں نے حملہ کر دیا، لڑائی ہو گئی تو اس وقت حضرت سعد نے اونٹ کا جڑا ایک کافر کو مارا، جس سے وہ شدید زخمی ہو گیا اور اس کا خون بہہ پڑا، یہ سب سے پہلا خون ہے، جو اسلام میں حضرت سعد نے بہایا۔ (۱)

(۲) حضرت سعد وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اللہ کے راستے میں سب سے پہلے تیر پھینکا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سن ایک ہجری میں حضرت عبیدہ بن حارث کی قیادت میں ساٹھ افراد پر مشتمل ایک سریہ، مقام ”رائغ“ کی طرف روانہ فرمایا تھا، وہاں قریش کے قافلے کے ساتھ ان کی لڑائی ہوئی، جن کے امیر ابوسفیان تھے، آپس میں تیر اندازی ہوئی، یہ اسلام میں سب سے پہلی لڑائی ہے، اور مسلمانوں میں سے سب سے پہلے حضرت سعد نے کافروں کی طرف تیر پھینکا تھا، اس لئے یہ اسلام کے پہلے تیر انداز قرار پائے۔ (۲)

واصاحت بنو اسد یعزرونی فی الدین، بنو اسد سے مراد ہے ابن خزیمہ بن مدرکہ، یہ لوگ حضور ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور طلحہ بن خویلد کی اتباع کرنے لگے جو کہ چھوٹا مدعی نبوت تھا۔

پھر حضرت خالد بن ولید نے صدیق اکبر کے دور میں ان سے جہاد کیا، جس سے انہیں شکست فاش ہوئی، نبوت کے دعویدار طلحہ نے توبہ کی، اور اسلام قبول کر لیا، بعد میں یہ لوگ کوفہ میں رہنے لگے، اس وقت کوفہ کے امیر حضرت سعد بن ابی وقاص تھے، قبیلہ اسد کے لوگوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کوفہ کے امیر کی شکایات کیں، جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے، چنانچہ حضرت عمر فاروق نے انہیں امارت کے عہدے سے برطرف کر دیا، لہذا خیمت اذن... حضرت سعد نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے، مقصد یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو میری اسلام کے بارے میں کی گئی ساری کوششیں رائیگاں چلی جائیں گی، اور اب تک جو نمازیں پڑھی ہیں خواہ حضور ﷺ کے ساتھ یا آپ کے بغیر، وہ سب بے کار ہو جائیں گی، حالانکہ ایسا نہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سعد نے اپنی مدح کی ہے حالانکہ حدیث میں اپنی تعریف کرنے

سے منع کیا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اپنی تعریف کرنا، اس وقت ممنوع ہوتا ہے، جب اس سے اپنی بڑائی جتنا پیش نظر ہو، تکبر کے طور پر ہو، لیکن اگر اس نقطہ نظر سے نہ ہو بلکہ اپنی حیثیت اور صلاحیت بتانے کے لئے ہو یا کسی نعمت کے شکر کے طور پر ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا انی حفیظ علیم کہ میں علم بھی رکھتا ہوں، اور حفاظت بھی کر سکتا ہوں، امین ہوں، حضرت علی نے فرمایا سلونی عن کتاب اللہ قرآن مجید سے متعلق کوئی بات پوچھنی ہو تو مجھ سے دریافت کرو، اور بعض دفعہ تو اجنبی لوگوں کے سامنے اپنی صلاحیت اور ڈگری کو واضح کرنا ضروری ہوتا ہے، ایسی صورت میں اگر تکبر کی نیت کے بغیر اپنی تعریف کی جائے تو شرعاً کوئی قباحت نہیں، لہذا حضرت سعد پر جب بنو اسد نے بلا وجہ اعتراض کئے تو انہوں نے اپنی حیثیت کو سب کے سامنے واضح کر دیا تاکہ کسی کو کوئی غلط فہمی نہ رہے۔ (۱)

صحابہ کرام کا فقر وفاقہ

نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کی اس طرح تربیت فرمائی تھی کہ وہ دین کی حفاظت اور اس پر عمل کرنے کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے، گھر میں اس قدر فقر وفاقہ ہوتا تھا کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے، امام ترمذی نے اس باب میں چند ایسی احادیث ذکر فرمائی ہیں، جن میں صحابہ کرام کے فقر وفاقہ اور تنگدستی کا ذکر ہے، ان احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) اگر معاشی لحاظ سے آدمی پر سخت دن آجائیں، فقر وفاقہ سے دوچار ہو جائے، تب بھی دین پر ثبات قدم رہنا چاہیے، دیکھیے اصحاب صفہ نماز میں بھوک کی وجہ سے گر جاتے تھے، نبی کریم ﷺ انہیں تسلی دیتے، کہ اس پر جو تمہیں اجر و ثواب مل رہا ہے، اگر اس کا تمہیں علم ہو جائے، تو تم لوگ چاہو کہ فقر وفاقہ میں مزید اضافہ ہو جائے، کیونکہ دین کے ساتھ مشکلات اور مصائب لازم ہیں، ان پر اگر صبر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ ان کا بہترین بدلہ عطا فرماتے ہیں۔

(۲) اگر اللہ تعالیٰ تنگدستی کے بعد خوشحالی عطا فرمادیں، تو تنگدستی کا دور بھولنا نہیں چاہیے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ جب گورز ہوئے، دنیاوی نعمتیں انہیں میسر ہوئیں تو اچھے کپڑے پہنتے تھے، ایک دن انہوں نے ایک اعلیٰ قسم کے کپڑے سے ناک صاف کی، تو انہیں اپنا پرانا وہ وقت یاد آ گیا، کہ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ ہمارے پاس کھانے کے لئے کچھ نہ تھا، بھوک کی وجہ سے بے ہوشی کے دورے پڑتے تھے۔

(۳) اگر کوئی بے تکلف دوست ہو تو اس سے ضرورت کی چیز مانگی جاسکتی ہے، جب کہ وہ اسے اپنے اوپر بوجھ محسوس نہ کرے۔

(۴) ہر انسان کے ساتھ دو بطنانہ ہوتے ہیں، ایک اسے خیر کا حکم دیتا ہے اور دوسرا اسے شر اور اللہ کی نافرمانی کی باتیں سکھاتا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص برے بطنانہ سے محفوظ رہا تو وہ نفع کیا۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ حدیث کے اس جملہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لئے ایک ایسا بظانہ ہے جو آپ کو برائی کی ترغیب دیتا ہے، حالانکہ آپ کے حق میں تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) آپ ﷺ بظانہ سوء سے محفوظ ہیں، چنانچہ اسی روایت کے بعض طرق میں یہ الفاظ موجود ہیں فالْمَعْصُومُ مِنَ الْعَصْمَةِ اللّٰهِ (وہ شخص محفوظ رہتا ہے جسے اللہ بچالے)

(۲) نبی کے حق میں بظانتین سے مراد فرشتہ اور شیطان ہے، اور شیطان سے آپ کی حفاظت کر دی گئی ہے، ایک روایت میں اس کی تصریح ہے، آپ نے فرمایا: وَلَكِنْ اللّٰهُ اَعَانَنِي عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ (۱)

علامہ کرمانی فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ بظانتین سے نفس امارہ اور نفس لواۓ مراد ہوں، نفس لواۓ (ملا مت کرنے والا نفس) خیر کا حکم کرتا ہے، اور نفس امارہ (سرکش نفس) برائی کا حکم دیتا ہے۔

بظانہ خیر سے اس صحابی کا اپنا نفس مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ان کی اہلیہ مراد ہے۔ (۲)

رَفَعْنَا عَنْ بَطُونًا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ ...

بھوک کے وقت پیٹ پر پتھر کیوں باندھا جاتا تھا؟ اس کی مختلف وجہیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) تاکہ اس سے پشت سیدھی رہے، ٹیڑھی نہ ہو۔

(۲) پتھر کی ٹھنڈک سے بھوک کی شدت میں کمی واقع ہوتی تھی۔

(۳) بعض کی رائے یہ ہے کہ پتھر کی ایک مخصوص قسم ایسی ہے، جس کے باندھنے سے بھوک ختم ہو جاتی تھی، لہذا اس سے بھی

وہ مخصوص پتھر مراد ہے۔ (۴)

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ اصل مالداری نفس یعنی دل کا غناء ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اصل مالداری یہ نہیں کہ انسان کے پاس مال و متاع زیادہ ہو بلکہ حقیقی دولت مندی یہ ہے کہ آدمی کا نفس یعنی دل غنی ہو (اس میں استغناء ہو، مال کی حرص نہ ہو، جو کچھ ہو،

اس پر قناعت کرے)۔

(۱) تحفة الاحوذی ۲۶۷۔

(۲) الکوکب الدرّی ۲۵۹/۳

(۳) تحفة الاحوذی ۳۳۷۔

حقیقی مالداری

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالداری اس چیز کا نام نہیں کہ انسان کے پاس ظاہری طور پر زیادہ مال و دولت اور ساز و سامان ہو، بلکہ اصل دولتیں یہ ہیں کہ آدمی کا دل غنی ہو یعنی جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے، اس پر قناعت کرے، زیادہ دولت اور مالداروں سے بے نیاز رہے، اس کا قلب استغناء کی صفت سے آراستہ ہو، یہ ہے اصل غنا، ظاہر مال ہو لیکن دل مستغنی نہ ہو بلکہ اس میں مزید کی حرص ہو اور اسی کوشش میں وہ صبح و شام مصروف رہے تو یہ فقر ہے، غنا اور مالداری نہیں، اس لئے انسان رزق حلال کے حصول کے لئے کوشش ضرور کرے، لیکن حصول مال کو مقصود زندگی نہ سمجھے، بلکہ بقدر کفایت پر قناعت کرے اور زیادہ مال و دولت کے حصول سے اجتناب کرے کہ اسی میں دنیا اور آخرت دونوں میں امن و سکون اور عافیت ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي أَخْذِ الْمَالِ بِحَقِّهِ

یہ باب مال کو اس کے حق کے ساتھ لینے کے بیان میں ہے۔

عَنْ خُوْلَةَ بِنْتِ قَبِيْسٍ وَكَانَتْ تَخْتُمُ خَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ تَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ هَذَا الْمَالَ خَصِيْرَةٌ خُلِقَتْ مِنْ أَصَابَةٍ بِحَقِّهِ بَوْرِكٌ لَهُ فِيهِ، وَزُبْتُ مَتَخَوِضٍ فِيمَا شَاءَتْ بِهِ نَفْسُهُ مِنْ مَالِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، لَيْسَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا النَّارُ۔

حضرت خولہ بنت قیس جو کہ حضرت حمزہ کی بیوی ہیں، فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: بیشک یہ مال سرسبز و شاداب اور میٹھا ہے، جو شخص اسے اس کے حق (یعنی جائز طریقے) کے ساتھ حاصل کرے گا، تو اس میں اس کے لئے برکت ڈال دی جائے گی، اور بہت سے وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کے مال میں (اس طرح) تصرف کرتے ہیں، جیسے ان کا نفس چاہتا ہے (یعنی ناجائز طریقے سے صرف کرتے ہیں) تو قیامت کے دن ان کے لئے صرف جہنم کی آگ ہی ہوگی۔

مشکل الفاظ کے معنی: خضرۃ: سرسبز و شاداب۔ أصابہ: جو اس کو حاصل کرے۔ متخوض: یہ خوض سے ماخوذ ہے، اور خوض کے معنی ہیں پانی میں چلنا اور اسے حرکت دینا، اور متخوض کے معنی ہیں: گھسنے والا، یہاں اس سے متصرف مراد ہے یعنی مال میں تصرف کرنے والا۔

حلال طریقے سے مال حاصل کرنے کی فضیلت

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے مال کی دو صفتیں بیان فرمائی ہیں ایک سرسبز و شاداب اور دوسرا کہ وہ میٹھا ہے، اور انسان کی یہ فطرت ہے کہ اسے سبزہ اور میٹھی چیز پسند ہوتی ہے، اس کا دل ان کی طرف مائل ہوتا ہے، اور جب مال میں یہ دو خوبیاں موجود ہیں، تو لامحالہ انسان کا دل بھی اس کی طرف راغب ہوگا، ہاں جو شخص اس مال کو حق کے ساتھ یعنی حلال اور جائز طریقے سے حاصل کرے گا، اس مال کے شرعی حقوق یعنی زکوٰۃ وغیرہ ادا کرے گا، تو پھر اس میں برکت ڈال دی جاتی ہے، وہ مال اس کے لئے عاقبت اور پرسکون زندگی کا باعث بن جاتا ہے، اس کے برخلاف اگر مال کو ناجائز طریقے سے حاصل کیا، یا اس نے اللہ اور اس کے رسول کے مال یعنی بیت المال میں اپنی خواہش اور منشاء کے مطابق تصرف کیا، شرعی احکام کا لحاظ نہ رکھا، اور پھر اس کی خلافی کے بغیر ہی دنیا سے چلا گیا، تو ایسے آدمی کا ٹھکانا جہنم ہی ہوگا۔

امام غزالی فرماتے ہیں: مال کی مثال سانپ کی طرح ہے جس میں نفع بخش تریاق بھی ہے اور زہر بھی، چنانچہ جو شخص مال کے نقصانات سے آشنا ہوگا تو وہ زہر سے بچ سکتا ہے اور تریاق سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اور جو اس کے نقصانات سے واقف نہیں ہوگا تو وہ یقیناً تباہ و برباد ہوگا، لہذا اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ مال کو جائز طریقے سے کمایا جائے، اس طرح مال حاصل کرنا جس میں جائز اور ناجائز کس ہو جائے، جائز نہیں ہے، اور اس مال کے شرعی حقوق ادا کئے جائیں۔ (۱)

باب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَعْنُ عَبْدِ الدِّينَارِ، وَلَعْنُ عَبْدِ الدِّرْهَمِ۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: درہم اور دینار کے غلام پر لعنت کی گئی ہے۔

مال و دولت کے غلام پر لعنت کا ذکر

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مال و دولت اور ساز و سامان کی محبت میں اس طرح محو ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل ہو جائے تو وہ گویا درہم و دینار کا غلام بن گیا ہے، وہ اپنے اس قول ایسا نعبہ میں صادق نہیں رہا، اس لئے وہ تمام بھلائیوں سے محروم اور ملعون قرار دیا جاتا ہے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے لفظ ”عبد“ استعمال فرمایا، جامع الدینار اور مالک الدینار نہیں فرمایا، اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ مال کا مالک بننا اور اسے جمع کرنا مذموم نہیں، بلکہ ضرورت کے بقدر تو اسے حاصل کرنا ضروری ہوتا

ہے، اور اسے ضرورت کی خاطر جمع بھی کیا جاسکتا ہے، البتہ مال سے یوں محبت کرنا کہ اس کی حرص بڑھتی ہی چلی جائے، شب و روز اس کی یہی تنگ و دو ہو، احکام شریعت کا کوئی لحاظ نہ ہو، یہ مذموم ہے اور ایسی صورت میں ہی لعنت کا ذکر آیا ہے۔^(۱)

بَاب

عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا ذُنُوبَانِ جَائِعَانِ أَوْ سَلَا فِي غَنَمٍ بَأْسُ سَدِّ لَهَا مِنْ حَرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ۔

حضرت کعب بن مالک انصاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو بھوکے بھیڑیے، جن کو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے، وہ بکریوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتے، جتنا کہ انسان کی مال و جاہ کی حرص، اس کے دین کو نقصان پہنچاتی ہے۔

مال و جاہ کی حرص دین کو تباہ کر دیتی ہے

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے مال و جاہ کے حرص کی شدید مذمت بیان فرمائی ہے، کہ یہ چیزیں جب کسی مسلمان میں پیدا ہو جائیں، تو وہ اس کے دین کو تباہ و برباد کر دیتی ہیں، اسے ایک مثال سے بیان فرمایا کہ دو بھوکے بھیڑیے جب بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیے جائیں تو حرص و لالچ کی بناء پر وہ بکریوں کے ریوڑ کو اس طرح تباہ و برباد نہیں کرتے، جس طرح کہ صرف مال و مرتبہ کا حرص انسان کے دین کو تباہ کرتا ہے، چنانچہ یہ حریص مال کو بڑھانے کے لئے ہر طریقہ اختیار کرتا ہے خواہ وہ شرعاً جائز ہو یا نہ ہو، پھر اسے خرچ کرنے میں کوتاہی کرتا ہے، ایسے ہی جاہ و منصب اور مرتبہ کے حصول کے لئے خوب فنڈ خرچ کیا جاتا ہے، قدم قدم پر دینی تعلیمات کو پامال کیا جاتا ہے، اور دیگر بھی کئی اخلاقی خرابیاں اس میں پیدا ہو جاتی ہیں، یہ وہ تباہ کن خرابیاں ہیں، جو مال و جاہ کے حرص کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

حدیث کی ترکیب نحوی

علامہ طبری فرماتے ہیں کہ ”ما“ نافیہ مشابہہ ثلثیس ہے، ”ذُنُوبَانِ“ اس کا اسم اور موصوف ہے، جائعان پہلی صفت اور ارسلانی غنم دوسری صفت ہے، اور بَأْسُ... ”ما“ کی خبر ہے، اس میں ”ہاء“ زائدہ ہے، ”علی المال والشرف“ حرص سے متعلق ہے، اور لِدِينِهِ ”أفسد سے متعلق ہے، اور اس میں لام برائے بیان ہے۔^(۲)

(۱) تحفة الاحوذی ۳۸۷۔

(۲) تحفة الاحوذی ۳۹۷۔

بَاب

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: نَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى حَصِيرٍ فَقَامَ وَقَدْ أَثَرُ فِي جَنْبِهِ، فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ: لَوْ اتَّخَذْنَا لَكَ وِطَاءً، لَقَالَ: مَا لِي وَلِلدُّنْيَا، مَا أَنَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا كَمَنْ أَكْبَ اسْتَظَلَ تَحْتَ شَجَرَةٍ، ثُمَّ رَاحَ وَتَوَكَّهَ.

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ چٹائی پر سوئے، بیدار ہوئے تو آپ کے پہلو پر چٹائی کے نشان پڑے ہوئے تھے (یہ دیکھ کر) ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول: اگر ہم آپ کے لئے نرم بستر بنالیں (تو بہت اچھا ہوگا، اگر آپ اجازت دیدیں تو) آپ نے فرمایا: مجھے اس دنیا کے عیش و آرام سے اور اس دنیا کو مجھ سے کیا سروکار؟ میں تو دنیا میں اس سوار کی طرح ہوں، جو کسی درخت کے نیچے سایہ حاصل کرنے کے لئے (تھوڑی دیر) ٹھہرے، پھر اس درخت کو وہیں چھوڑ کر (اپنی منزل کی طرف) چل دے۔

مشکل الفاظ کے معنی: حصیر: چٹائی، بوریا۔ اثر: اس چٹائی نے نشان چھوڑ دیئے۔ جنب: پہلو۔ وطاء: (واؤ کے نیچے زیر)، نرم بستر، آرام دہ بچھونا۔ استظل: سایہ تلاش کرنے لگے۔ راح: چل پڑے (اپنی منزل کی طرف)۔

دنیا کے عیش و آرام سے حضور ﷺ کی بے رغبتی

اس حدیث سے نبی کریم ﷺ کی دنیا کے عیش و آرام سے بے رغبتی ثابت ہوتی ہے، اس سے دراصل امت کو یہ درس دینا مقصود ہے، کہ مسلمانوں کو دنیا کے عیش و آرام کی نہیں، آخرت کو سنوارنے کی فکر کرنی چاہیے، وہ دائمی زندگی ہے، دنیا تو محض ایک گذرگاہ ہے، جس طرح ایک سوار اور مسافر راستے میں بقدر ضرورت تھوڑا سا ٹھہرتا ہے، پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتا ہے، اس کی توجہ اس گذرگاہ کی طرف نہیں ہوتی بلکہ اپنی منزل کی طرف ہوتی ہے، جہاں اس نے جانا ہوتا ہے، اسی طرح مسلمان کو بھی چاہیے کہ وہ دنیا کے بجائے آخرت کی طرف توجہ کرے، جہاں اس نے ہمیشہ رہنا ہے۔

مالی و للدنیا، اس ”ما“ میں دو احتمال ہیں:

(۱) یہ ماننا یہ ہے، مطلب یہ ہے کہ نہ تو مجھے اس دنیا سے الفت ہے اور نہ اس دنیا کو میرے ساتھ کوئی محبت ہے کہ میں اس کے عیش و آرام کو طلب کروں۔

(۲) یہ ماننا یہ ہے، اس صورت میں اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ مجھے اس دنیا کی محبت سے کیا سروکار ہے یا اس دنیا کی طرف میری رغبت و میلان سے یا میری طرف اس دنیا کی رغبت سے کوئی نفع حاصل ہوگا، کیونکہ میں تو آخرت کا طلب گار ہوں اور دنیا تو آخرت کی ضد ہے۔

”واللّٰلِیٰہ“ میں لام زائد برائے تاکید ہے اگر ”واؤ“ مع کے معنی میں ہو ای مالی مع الدنیا، اور اگر ”واؤ“ عاطفہ ہو تو پھر تقدیر عبارت یہ ہوگی مالی مع الدنیا و مال الدنیا معی۔ (۱)

بَاب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَخَذَ كُمْ مِنْ يَخَالٍ۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی اپنے دوست کے دین و مذہب پر ہوتا ہے، لہذا تم میں سے ہر ایک اس میں خوب غور و فکر کر لے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

کیسے بندے کو دوست بنایا جائے

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ آدمی کو نیک اور پارسا دوست بنانا چاہیے، بری مجلس اور برے دوست سے کنارہ کشی اختیار کی جائے، کیونکہ محبت کا اثر انسان کی طبیعت پر ضرور ہوتا ہے، اگر اچھے لوگوں سے نشست و برخاست ہو گی تو اس کے اچھے اثرات سامنے آئیں گے اور برے لوگوں سے ملنا جلنا ہوگا تو اس کے برے اثرات انسانی طبیعت میں منتقل ہوں گے، اس لئے کہ ایک انسان دوسرے انسان کا اثر ضرور لیتا ہے، جریس آدمی سے دوستی ہوگی تو مزاج میں حرص ہی آئے گی اور زاهد و پرہیزگار انسان کے پاس بیٹھیں گے تو دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوگی، چنانچہ عربی زبان میں محاورہ ہے کہ جب کسی آدمی کے بارے میں تحقیق کرنی ہو کہ وہ کیسا ہے تو کہتے ہیں: لَا تَسْأَلْ عَنِ الْمَوَدَّةِ وَ مَثَلُ عَنِ قَرِينِهِ کہ اس آدمی کے بارے میں لوگوں سے نہ پوچھو بلکہ یہ سوال کرو کہ اس کے دوست کیسے ہیں، اگر دوست اچھے ہوئے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بھی اچھا ہوگا اور دوست برے ہوئے تو وہ بھی بد ہی شمار ہوگا، کیونکہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، اس لئے اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ انسان کا اٹھنا بیٹھنا نیک لوگوں کے ساتھ ہی ہو، تاکہ اس کے اچھے اثرات طبیعت میں منتقل ہوں۔ (۲)

بَاب

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَنْبَغُ الْمَيِّتَ ثَلَاثَ فَيَزِجُ الثَّانِي وَيَبْقَى وَاحِدًا: يَنْبَغُهُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ، فَيَزِجُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُهُ۔
حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میت کے پیچھے تین چیزیں جاتی ہیں، دو تولوث کرا

(۱) تحفة الاحوذی ۱/۳۶

(۲) تحفة الاحوذی ۱/۳۶

جاتی ہیں اور ایک اس کے ساتھ باقی رہتی ہے، اس کے پیچھے اس کے اہل، اس کا مال اور عمل تینوں چیزیں جاتی ہیں، پھر اس کے اہل اور مال لوٹ آتے ہیں اور عمل اس کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے۔

میت کے ساتھ قبر تک تین چیزیں جاتی ہیں

میت کے ساتھ اس کی قبر تک تین چیزیں جاتی ہیں، اہل و عیال اور رشتہ دار، مال اور اس کا عمل، پھر دفن کے بعد اس کے رشتہ دار اور دوست احباب واپس آ جاتے ہیں، صرف اس کے اعمال قبر میں اس کے ساتھ باقی رہ جاتے ہیں، ”اہل“ سے اس کی اولاد، رشتہ دار، اہل محلہ اور دوست احباب مراد ہیں اور ”مال“ سے غلام، باندی، اور تجھیز و تکفین، غسل اور قبرستان تک لے جانے کے اخراجات، بس یہاں تک میت کا تعلق مال کے ساتھ رہتا ہے، اور جب میت کو دفن کر دیا جائے تو مال اور اہل دونوں کا تعلق میت سے بالکل ختم ہو جاتا ہے اور یہ دونوں چیزیں واپس آ جاتی ہیں، ”وہی عملہ“ صرف اس کا عمل قبر میں باقی رہتا ہے، اور حدیث میں ہے کہ انسان کا نیک عمل ایک خوبصورت آدمی کی شکل میں سامنے آتا ہے اور اسے بشارت دیتا ہے کہ میں تمہارا نیک عمل ہوں اور کافر کے سامنے اس کے برے اعمال ایک نہایت بری صورت میں سامنے آتے ہیں..... لہذا ایک مسلمان کو اہل و عیال اور مال و دولت پر زیادہ توجہ دینے کے بجائے اپنے اعمال کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے تاکہ آخرت کی زندگی میں ذلت و رسوائی کا سامنا نہ ہو۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ كَثْرَةِ الْأَكْلِ

یہ باب زیادہ کھانے کی کراہت کے بیان میں ہے

عَنْ مَقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبٍ، قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وَغَاءَ أَشْرَ مِنْ بَطْنٍ، بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أَكْلَاتٍ يَقْمَنَ ضَلْبُهُ، فَإِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ فَفُلْتُ لِبَطْعَامِهِ وَفُلْتُ لِشَرِّ ابْنِهِ وَفُلْتُ لِنَفْسِهِ۔

حضرت مقداد بن معدیکرب سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: آدمی (اگر اپنے پیٹ کو حد سے زیادہ بھر لے تو اس) نے پیٹ سے بدتر کوئی برتن نہیں بھرا (کیونکہ پیٹ کو بھرنے کی خرابیاں بہت زیادہ ہیں) ابن آدم کے لئے بس چند لقمے کافی ہیں، جو اس کی پشت کی ہڈی کو سیدھا اور کھڑا رکھیں (تا کہ وہ اپنی ضروریات اور عبادات سرانجام دے سکے) ہاں اگر ضروری ہو (یعنی اگر کوئی زیادہ کھانا ہی چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ پیٹ کے تین حصے کر لے) تو ایک تہائی کھانے کے لئے ہو، ایک تہائی پانی کے لئے ہو اور ایک تہائی سانس (کی آمد و رفت) کے لئے ہو (تاکہ دم گھٹنے سے ہلاکت نہ واقع ہو جائے)۔

کھانا زیادہ سے زیادہ کتنی مقدار میں کھایا جائے

علامہ طبری فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانے کی اتنی مقدار تناول کرنا ضروری ہے، جس سے انسان زندہ رہ سکے، جس سے اس کی پشت کھڑی رہ سکے، تاکہ وہ بقدر ضرورت رزق حلال کے حصول کے لئے کوشش کر سکے اور اللہ کی عبادت بجا لا سکے، لیکن اگر کوئی شخص اس حد تک قناعت نہ کرے، بلکہ اس سے زیادہ کھانا کھانا چاہے تو اسے بھی اعتدال کو نہیں چھوڑنا چاہیے، چنانچہ پیٹ کے ایک حصے کو کھانے سے بھر لے اور ایک حصہ پانی کے لئے خالی چھوڑ دے، اس حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ پیٹ بھر کر کھانا کھانے کے بہت نقصانات ہیں، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس پیٹ کو جو کھانے سے پورا بھر لیا جائے، سب سے برابر تن قرار دیا ہے کیونکہ عموماً برتن انہی کاموں میں استعمال کئے جاتے ہیں، جن کے لئے انہیں بنایا گیا ہے، اسی طرح پیٹ بھی ایک برتن ہے، اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس میں خوراک کی بس اتنی مقدار ڈالی جائے جو محض جسمانی توانائی برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہو، لہذا اگر اسے ضرورت سے زیادہ بھر دیا جائے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پیٹ کا اصل مقصد حاصل نہ ہوا، ایسے ہی پیٹ کو نبی کریم ﷺ نے ”بدتر برتن“ قرار دیا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے ایسی ایسی خرابیاں اور مفسد پیدا ہو جاتے ہیں جو دین اور دنیا دونوں کے لئے تباہ کن ہوتے ہیں، اس لئے زیادہ شکم سیری سے اجتناب کیا جائے تاکہ اس کے نقصانات سے بچا جاسکے۔^(۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي الرِّيَاءِ وَالشَّمْعَةِ

یہ باب دکھلاوے اور شہرت (کی مذمت) کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ يَزَانِي يَزَانِي اللَّهَ بِهِ وَمَنْ يَسْتَعِجْ يَسْتَعِجْ اللَّهَ بِهِ. وَقَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ لَا يَزَحْمُ النَّاسَ لَا يَزَحْمُهُ اللَّهُ.

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص لوگوں کے سامنے (خلاف حقیقت) صلاح و تقویٰ کا اظہار (یعنی دکھلاوا) کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو (یعنی اس کے عیوب کو) ظاہر کر دیں گے (لوگوں کو اس کی رسوائی دکھا دیں گے) اور جو شخص اپنے اعمال سے شہرت طلب کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو بری شہرت دیں گے اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا۔

عَنْ شُعْبَةَ الْأَصْبَحِيِّ حَدَّثَهُ أَنَّهُ دَخَلَ الْمَدِينَةَ فَإِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَدْ اجْتَمَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ، فَقَالَ مَنْ هَذَا؟ فَقَالُوا: أَبُو هُرَيْرَةَ، قَدْ نَوَتْ مِنْهُ حَتَّى قَعَدَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُوَ يُحَدِّثُ النَّاسَ. فَلَمَّا سَكَتَ وَخَلَا، قُلْتُ لَهُ: أَسْأَلُكَ

بِحَقِّ وَبِحَقِّ لَمَّا حَدَّثَنِي حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَقَلْتُهُ وَعَلِمْتُهُ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَلْعَلَّ
لَاخَذْتُكَ حَدِيثًا حَدَّثَنِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَقَلْتُهُ وَعَلِمْتُهُ ثُمَّ نَشَعَ أَبُو هُرَيْرَةَ نَشْعَةً فَمَكَّنَا قَلِيلًا ثُمَّ أَفَاقَ
فَقَالَ: لَاخَذْتُكَ حَدِيثًا حَدَّثَنِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي هَذَا الْبَيْتِ، مَا مَعَنَا أَحَدٌ غَيْرِي وَغَيْرُهُ ثُمَّ نَشَعَ أَبُو
هُرَيْرَةَ نَشْعَةً شَدِيدَةً ثُمَّ أَفَاقَ وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَقَالَ: أَلْعَلَّ لَاخَذْتُكَ حَدِيثًا حَدَّثَنِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَا وَهُوَ
فِي هَذَا الْبَيْتِ، مَا مَعَنَا أَحَدٌ غَيْرِي وَغَيْرُهُ ثُمَّ نَشَعَ أَبُو هُرَيْرَةَ نَشْعَةً ثُمَّ مَالَ خَارًا عَلَى وَجْهِهِ فَاسْتَدْنَاهُ طَوِيلًا
ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ: حَدَّثَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَنْزِلُ إِلَى الْعِبَادِ لِيَقْضِيَ
بَيْنَهُمْ وَكُلُّ أُمَّةٍ جَائِيَةٌ، فَأَوَّلُ مَنْ يَدْخُرُ بِوَجْهِهِ جَمْعُ الْفَرَّانِ، وَرَجُلٌ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَرَجُلٌ كَثِيرُ الْمَالِ،
فَيَقُولُ اللَّهُ لِلْقَارِئِ: أَلَمْ أَغْلِبْكَ مَا أَنْزَلْتُ عَلَى رَسُولِي؟ قَالَ: بَلَى يَا رَبِّ، قَالَ: فَمَاذَا عَمِلْتَ فِيمَا عَلِمْتَ؟
قَالَ: كُنْتُ أَتُورِمُ بِوَأْتَاءِ اللَّيْلِ وَأَتَاءِ النَّهَارِ، فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ: كَذَبْتَ، وَتَقُولُ لَهُ الْمَلَائِكَةُ: كَذَبْتَ، وَيَقُولُ اللَّهُ
لَهُ: بَلَى أَرَدْتُ أَنْ يَقَالَ: فَلَانٌ قَارِئٌ، فَقَدْ قِيلَ ذَلِكَ. وَيُؤْتَى بِصَاحِبِ الْمَالِ، فَيَقُولُ اللَّهُ: أَلَمْ أَوْسِعْ عَلَيْكَ
حَتَّى لَمْ أَذْغِكَ تَحْتَاجَ إِلَى أَحَدٍ؟ قَالَ: بَلَى يَا رَبِّ. قَالَ: فَمَاذَا عَمِلْتَ فِيمَا آتَيْتُكَ؟ قَالَ: كُنْتُ أَصِلُ
الرَّحِمَ وَأَتَصَدَّقُ، فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ: كَذَبْتَ. وَتَقُولُ الْمَلَائِكَةُ: كَذَبْتَ، وَيَقُولُ اللَّهُ: بَلَى أَرَدْتُ أَنْ يَقَالَ: فَلَانٌ
جَوَادٌ وَقَدْ قِيلَ ذَلِكَ. وَيُؤْتَى بِالَّذِي قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ: فِي مَاذَا قُتِلْتَ؟ فَيَقُولُ: أَمَرْتُ بِالْجِهَادِ
فِي سَبِيلِكَ فَقَاتَلْتُ حَتَّى قُتِلْتُ. فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ: كَذَبْتَ، وَتَقُولُ لَهُ الْمَلَائِكَةُ: كَذَبْتَ، وَيَقُولُ اللَّهُ: بَلَى
أَرَدْتُ أَنْ يَقَالَ: فَلَانٌ جَرِيءٌ، فَقَدْ قِيلَ ذَلِكَ. ثُمَّ صَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ:
أُولَئِكَ الثَّلَاثَةُ أَوَّلُ خَلْقِ اللَّهِ، تُسَعَّرُ بِهِمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

قَالَ الْوَلِيدُ أَبُو غُفْمَانَ الْمَدَائِنِيُّ: فَأَخْبَرَنِي عُقْبَةُ بْنُ مُسْلِمٍ أَنَّ شَفِيئًا هُوَ الَّذِي دَخَلَ عَلَى مُعَاوِيَةَ فَأَخْبَرَهُ
بِهَذَا. قَالَ أَبُو غُفْمَانَ: وَحَدَّثَنِي الْعَلَاءُ بْنُ أَبِي حَكِيمٍ أَنَّهُ كَانَ سَيِّفًا لِمُعَاوِيَةَ، قَالَ: لَقَدْ خَلَّ عَلَيْهِ رَجُلٌ،
فَأَخْبَرَهُ بِهَذَا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: لَقَدْ فَعَلَ بِهَذَا هَذَا فَكَيْفَ يَمُنُّ بَقِي مِنَ النَّاسِ، ثُمَّ بَكَى مُعَاوِيَةُ
بَكَاءً شَدِيدًا حَتَّى طَغَنَّا أَنَّهُ هَالِكٌ. وَقُلْنَا: قَدْ جَاءَنَا هَذَا الرَّجُلُ بِشَرٍّ، ثُمَّ أَفَاقَ مُعَاوِيَةَ وَمَسَحَ عَنْ وَجْهِهِ
وَقَالَ: صَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ {مَنْ كَانَ يَرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا
يُبْخَسُونَ، أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ، وَخِطَّ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ}.

حضرت شفیٰ اسی نے عقبہ بن مسلم کو بتایا کہ وہ (ایک مرتبہ) مدینہ منورہ داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص کے آس پاس
لوگوں کا ہجوم لگا ہوا ہے، پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں (حضرت شفیٰ
فرماتے ہیں) پھر میں بھی ان کے قریب ہو گیا یہاں تک کہ ان کے سامنے بیٹھ گیا اور وہ لوگوں کو احادیث سنارہے

تھے، جب وہ خاموش ہوئے اور بالکل اکیلے رہ گئے تو میں نے ان سے عرض کیا: میں آپ سے ایک صحیح بات کا سوال کرتا ہوں (یا یہ کہ البتہ میں آپ سے اللہ کے واسطے ایک بات پوچھتا ہوں) کہ مجھ سے ایسی کوئی حدیث بیان کیجئے جسے آپ نے نبی کریم ﷺ سے (براہ راست) سنا ہو اور اسے اچھی طرح سمجھا اور جانا ہو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں میں ضرور ایسی حدیث بیان کروں گا جسے رسول اللہ ﷺ نے میرے سامنے بیان فرمایا اور جسے میں نے اچھی طرح سمجھا ہے، پھر انہوں نے ایک زوردار چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے، ہم تھوڑی دیر ٹھہرے پھر آپ کو افاقہ ہوا تو فرمایا: میں آپ کے سامنے ضرور ایک ایسی حدیث بیان کروں گا جو آپ نے مجھ سے اسی گھر میں بیان فرمائی تھی اس وقت میرے اور آپ ﷺ کے علاوہ اور کوئی وہاں نہیں تھا، پھر حضرت ابو ہریرہ نے ایک سخت چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے، پھر جب ہوش آیا تو انہوں نے اپنا منہ صاف کیا اور فرمایا: میں ضرور ایک ایسی حدیث بیان کروں گا جسے رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے بیان فرمایا جب کہ میں اور آپ اس گھر میں تھے ہمارے ساتھ میرے اور آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا، پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک سخت چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے پھر وہ منہ کے بل نیچے گرنے لگے تو میں نے انہیں کافی دیر تک سہارا دیئے رکھا،

پھر جب افاقہ ہوا تو فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان نزول فرمائیں گے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے اس وقت ہر امت گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوگی، سب سے پہلے جس کو اللہ تعالیٰ حساب کے لئے بلائے گا وہ ایک ایسا شخص ہوگا جس نے قرآن مجید حفظ کیا ہوگا اور دوسرا وہ شخص ہوگا جو راہ خدا میں قتل کیا گیا ہوگا اور تیسرا ایک دولت مند ہوگا، اللہ تعالیٰ اس قاری سے فرمائیں گے: کیا میں نے تمہیں وہ کتاب نہیں سکھائی جو میں نے اپنے رسول پر نازل کی (یعنی قرآن مجید)؟ وہ کہے گا: جی ہاں بے شک آپ نے مجھے اس کا علم دیا تھا اے میرے پروردگار، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تو نے اپنے علم پر کتنا عمل کیا ہے؟ وہ عرض کرے گا: میں دن رات قرآن کی تلاوت کرتا تھا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو جھوٹ بول رہا ہے، فرشتے بھی کہیں گے تو جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے تیرا تو اس سے مقصد یہ تھا کہ یوں کہا جائے کہ فلاں شخص قاری ہے، سو ایسا کہا جا چکا ہے (یعنی اس عمل سے ریاکاری مقصود تھی سو وہ گئی) اور مالدار کو لایا جائے گا اس سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا میں نے تمہیں خوشحال نہیں بنایا تھا یہاں تک کہ میں نے تجھے اس طرح نہیں چھوڑا کہ تم کسی کے محتاج ہو جاؤ، وہ عرض کرے گا جی ہاں (ایسا ہی ہے) اے میرے پروردگار، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے تو نے اس مال میں کیا (نیک) عمل کیا جو میں نے تجھے عطا کیا تھا؟ وہ عرض کرے گا میں رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور صدقہ و خیرات کیا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے تو جھوٹ بول رہا ہے، اور فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے، تیرا تو مقصد یہ تھا کہ یوں کہا جائے کہ فلاں انسان بہت سخی ہے اور ایسا کہا جا چکا ہے، اور اس شخص کو لایا جائے گا جو اللہ کے راستے

میں قتل کیا گیا ہوگا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے تو کس لئے قتل ہوا ہے؟ وہ عرض کرے گا آپ نے اپنے راستے میں جہاد کا حکم دیا تھا، چنانچہ میں نے جہاد کیا یہاں تک کہ مجھے قتل کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے تو جھوٹا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹ بول رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے تیری تو نیت یہ تھی کہ یوں کہا جائے کہ فلاں شخص بڑا بہادر ہے، سو ایسا کہا جا چکا ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے میرے گھٹنے پر (ہاتھ) مار کر فرمایا اے ابو ہریرہ: اللہ کی مخلوق میں سے سب سے پہلے یہی تین آدمی ہیں جن سے قیامت کے دن جہنم کی آگ کو دھکا دیا جائے گا۔

ولید ابو عثمان مدائنی فرماتے ہیں کہ مجھے عقبہ نے خبر دی کہ یہی وہ شفی ہیں جو معاویہ کے پاس گئے اور ان کو یہ حدیث سنائی، ابو عثمان فرماتے ہیں کہ علماء بن حکیم نے مجھے بتایا کہ وہ (یعنی علماء) حضرت معاویہ کے جلا دتھے، کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث سنائی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب ان تینوں (یعنی قاری، مجاہد اور سخی) کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا تو باقی لوگوں کے ساتھ کیا ہوگا؟ پھر حضرت معاویہ رد پڑے اور اس قدر روئے کہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ وہ اسی میں مرجائیں گے ہم نے کہا کہ یہ شخص ہم لوگوں کے پاس شر لے کر آیا ہے (یعنی اس نے یہ حدیث سنائی کہ جس کی وجہ سے آہ وزاری کی یہ نوبت پہنچی ہے) پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا تو فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے: من کان یزید الحیاة الدنیا... و باطل ما کانوا یعملون ”جو شخص محض دنیاوی زندگی اور اس کی رونق چاہتا ہے، تو ہم ان لوگوں کے ان اعمال کی جزاء دنیا میں ہی پورے طور سے دے دیتے ہیں، اور ان کے لئے دنیا میں کوئی کمی نہیں ہوتی، یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ نہیں، اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب ناکارہ ہوگا اور جو کچھ کر رہے ہیں وہ اب بھی بے اثر ہے۔“

مشکل الفاظ کے معنی: سمعة: (سین پر پیش اور میم کے سکون کے ساتھ) شہرت۔ من یوائی: جو ریا کاری کرے گا یعنی خلاف حقیقت تقویٰ و پرہیزگاری کا اظہار کرے گا، من یسمع: جو اعمال سے شہرت طلب کرے گا، یسمع اللہ بہ: اللہ تعالیٰ اسے بری شہرت دیں گے۔ بعق و بعق: اس لفظ کا تکرار تاکید کے طور پر ہے اور باء زائد ہے، لَمَّا خَذْتُ شَیْئاً: یہاں پر ”لَمَّا“ کے معنی میں ہے، جس کے معنی ہیں ”البتہ“ معنی ہیں صحیح اور حق بات، نشع: جھج مار کر بے ہوش ہو گئے۔ خار اعلیٰ وجہہ: منہ کے بل کرتے ہوتے۔ فأسندته طویلا: میں نے کافی دیر انہیں سہارا دیئے رکھا۔ جائیة: گھٹنوں کے بل بیٹھنے والی امت۔ الم او سع علیک: کیا میں نے تمہیں خوشحال اور مالدار نہیں بنایا۔ لم ادعک: میں نے تمہیں نہیں چھوڑا۔ تسعر: (میضہ مجہول) جہنم کو دھکایا اور بھڑکایا جائے گا۔ مہاف: شمشیر زن، جلا د۔ نوف: ہم ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔ لَا یُذْخَسُونَ: کمی نہیں کی جائے گی۔

ریا کاری اور شہرت کی مذمت

اس باب کی احادیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بھی نیک عمل کیا جائے تو اس سے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا پیش نظر ہو، اس سے دکھلاو اور لوگوں میں شہرت مقصود نہ ہو ورنہ وہ عمل بھی ضائع ہو جائے گا اور آخرت میں سزا سے بھی دو چار ہونا پڑے گا۔ لیکن اگر اپنے کسی عمل کو لوگوں کے سامنے کسی دینی وجہ سے ظاہر کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ بعض اوقات اس کا اظہار ناگزیر ہو جاتا ہے۔

من یوانی... اور من یسمع... کا کیا مطلب ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں:

- (۱) ریا کاری اور شہرت حاصل ہو جائے گی لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ سب لوگوں کے سامنے اسے رسوا فرمائیں گے۔
- (۲) جو عمل انسان دکھلاوے اور شہرت کے لئے دنیا میں کرے گا، تو دنیا میں ہی اسے اس عمل کا اس کی نیت کے مطابق اللہ تعالیٰ بدلہ دیدے گا، آخرت میں اس پر اسے کوئی ثواب نہ ہوگا۔
- (۳) جو شخص دوسروں کی خامیاں اور عیوب لوگوں میں عام کرے گا، تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی کوتاہیوں کو ظاہر فرما دیں گے۔ (۱)

من کان یرید الحیاة الدنیا...

مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ آیت کفار سے متعلق ہے یا مسلمانوں سے یا مسلم و کافر دونوں سے متعلق ہے؟

(۱) امام ضحاک وغیرہ کے نزدیک یہ آیت کفار سے متعلق ہے کیونکہ مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار ہو، گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد بالآخر اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا، اس مفہوم کی تائید آیت کے آخری الفاظ سے بھی ہوتی ہے، جس میں ہے کہ ”آخرت میں ان کے لئے بجز دوزخ کے اور کچھ نہیں۔“

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے وہ مسلمان مراد ہیں، جو اپنے نیک اعمال سے دنیا کی بھلائی، آرام و راحت اور دولت و عزت کے طلب گار ہیں، نیک عمل اسی نیت سے کرتے ہیں کہ دنیا میں عزت و راحت ملے، اور مذکورہ جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ اپنے برے اعمال کی سزا نہ بھگت لیں گے، اس وقت تک وہ دوزخ میں رہیں گے۔

(۳) بعض فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو آپ ﷺ کے ساتھ صرف مال غنیمت کے حصول کے لئے جہاد کیا کرتے تھے، آخرت میں ثواب کی نیت نہیں ہوتی تھی، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی ان کی نیت کے مطابق بدلہ دے دیتے ہیں، آخرت میں ان کے لئے کوئی اجر و ثواب نہیں ہوگا بلکہ ان کے لئے جہنم ہے۔

(۴) زیادہ صحیح اور رائج بات یہ ہے کہ اس آیت میں عام افراد مراد ہیں خواہ وہ مؤمن ہوں یا کافر، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ

اپنے اعمال اور عبادات سے نام و نمود اور ریا کاری کرتے ہیں، ان سے اپنے دنیاوی مفاد حاصل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی ان کے ان اعمال کے اثرات دکھا دیتے ہیں، آخرت میں انہیں کوئی اجر نہیں ملے گا۔ (۱)

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اگر یہ آیت ریا کاروں کو بھی شامل ہو تو پھر اولئك الذين ليس لهم في الآخرة الا النار کا حکم ان کے حق میں کیسے ہوگا کیونکہ مؤمن تو بالآخر ایمان کی وجہ سے ضرور جنت میں داخل ہوں گے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ان برے اعمال کی سزا بیان کی گئی ہے جو محض فاسدیت سے کئے گئے ہوں، جن کا مرتکب سخت وعید یعنی عذاب جہنم کا مستحق ہوتا ہے اب اگر وہ کافر ہے تو ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا اور اگر وہ مؤمن ہے تو وہ ایمان کی وجہ سے محض اللہ کے فضل و کرم سے اسے گناہوں کی سزا کے بعد جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ (۲)

باب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ جِبِّ الْحَزَنِ. قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ: وَمَا جِبُّ الْحَزَنِ؟ قَالَ: وَادٍ فِي جَهَنَّمَ، تَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلُّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ. قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: وَمَنْ يَدْخُلْهُ؟ قَالَ: الْفَرَّاءُونَ الْمَرْءُونَ بِأَعْمَالِهِمْ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی پناہ مانگو جب الحزن سے، صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول جب الحزن (یعنی غم کا کنواں) کیا ہے؟ فرمایا: جہنم میں ایک وادی ہے، جس سے جہنم ہر دن سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ: اس میں کون داخل ہوگا؟ فرمایا: وہ قاری جو اپنے اعمال میں ریا کاری کرتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں بھی ریا کار قاریوں کے لئے درس عبرت ہے، کہ انہیں قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ میں صرف اللہ کی رضا کی نیت کرنی چاہیے، ریا و کاری اور نام و نمود کی نہیں، ورنہ، وہ اس وعید میں آسکتے ہیں۔

باب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الرَّجُلُ يَفْعَلُ الْعَمَلَ فَيَسْرُهُ، إِذَا أُطْلِعَ عَلَيْهِ، أَعْجَبَهُ. قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَهُ أَجْرَانِ: أَجْرُ السِّرِّ وَأَجْرُ الْعَلَانِيَةِ. وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ هَذَا الْحَدِيثَ: إِذَا أُطْلِعَ عَلَيْهِ فَأَعْجَبَهُ، إِنَّمَا مَعْنَاهُ: أَنْ يَعْجَبَهُ ثَنَاءُ النَّاسِ عَلَيْهِ

(۱) معارف القرآن ۶۰۴/۴

(۲) تحفة الاحوذی ۴۸۶/۶

بِالْخَيْرِ لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ، فَيُعْجِبُهُ ثَنَاءُ النَّاسِ عَلَيْهِ لِهَذَا، فَأَمَّا إِذَا أُعْجِبَهُ لِيَعْلَمَ النَّاسُ مِنْهُ الْخَيْرَ وَيَكْتُمُوا وَيُعْظَمُوا عَلَى ذَلِكَ فَهَذَا رِيَاءٌ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: إِذَا أُطْلِعَ عَلَيْهِ فَاعْجِبُهُ وَجَاءَ أَنْ يَعْمَلَ بِعَمَلِهِ، فَيَكُونُ لَهُ مِثْلُ أَجُورِهِمْ، فَهَذَا لَهُ مَذْهَبٌ أَيْضًا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ یا رسول اللہ: ایک آدمی عمل کرتا ہے اور اسے مخفی رکھتا ہے، مگر جب اس پر اطلاع ہو جاتی ہے، تو اسے اچھا معلوم ہوتا ہے (کیا یہ بھی ریا ہے؟) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا (یہ ریا نہیں بلکہ) اس کے لئے دواجر ہیں: ایک سر یعنی پوشیدہ عمل کرنے کا ثواب اور دوسرا اعلانیہ یعنی کھلم کھلا عمل کرنے کا اجر و ثواب۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم نے اس حدیث یعنی اذا اطلع علیہ فاعجبہ کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ لوگوں کی تعریف اسے اس وجہ سے اچھی لگتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو، (یہ ریا نہیں) لیکن اگر لوگوں کی تعریف اسے اچھی لگے کہ اس کی وہ تعظیم و تکریم کریں تو یہ ریا ہے، اور بعض اہل علم نے بیان فرمایا کہ جب اس کے عمل پر اطلاع ہو جائے تو اسے اچھا لگتا ہے، اس خیال سے کہ لوگ بھی اس کی طرح عمل کریں گے، تو اس کے لئے ان کی طرح اجر ہوگا، تو یہ بھی حدیث کا ایک مذہب اور مطلب ہے۔

تشریح: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں:

- (۱) وہ شخص لوگوں کی تعریف سے اس لئے خوش ہوتا ہے کہ لوگ اللہ کی طرف سے گواہ ہیں، جب لوگ اس نیک عمل سے خوش ہو رہے ہیں، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے خوش ہیں، لیکن اگر لوگ اس کے عمل پر مطلع ہوں تو یہ اس وجہ سے خوش ہو کہ یہ میری تعظیم و تکریم کریں گے، مجھے اپنا راہنما بنائیں گے، تو یہ ریا ہے، اس لئے اس طرح کی نیت سے اجتناب کرنا چاہیے۔
- (۲) بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ لوگ جب اس کے عمل پر مطلع ہوتے ہیں، تو یہ اس لئے خوش ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس کی طرح عمل کریں گے، تو یہ درست ہے، ایسے میں اسے بھی ان کی طرح اجر و ثواب ملے گا۔

بَابُ الْمَرْءِ مَعَ مَنْ أَحَبَّ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ آدمی (قیامت کے دن) ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ، وَلَهُ مَا اكْتَسَبَ۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی (قیامت کے دن) ان لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا، جن سے وہ محبت کرتا ہے اور اس کے لئے وہ اجر ہے، جو اس نے محبت سے حاصل کیا۔

عَنْ أَنَسِ أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَتَى قِيَامُ السَّاعَةِ؟ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى

الصَّلَاةِ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ قَالَ: أَيُّنَ السَّائِلِ عَنْ قِيَامِ السَّاعَةِ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ: أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ. فَقَالَ: مَا أَغَدَذْتُ لَهَا؟ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا أَغَدَذْتُ لَهَا كَيْبَرَ صَلَاةٍ وَلَا صَوْمٍ إِلَّا أَتَى أَحَبُّ اللَّهِ وَرَسُولُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ، وَأَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ، فَمَا زَأَيْتَ فَرِحَ الْمُسْلِمُونَ بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَرَحَهُمْ بِهَا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آیا، اور اس نے پوچھا کہ یا رسول اللہ: قیامت کب واقع ہوگی؟ آپ ﷺ نماز میں مشغول ہو گئے، پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ قیامت کے قیام کے بارے میں پوچھنے والا آدمی کہاں ہے؟ اس شخص نے عرض کیا: میں ہوں یا رسول اللہ، آپ نے اس سے پوچھا کہ تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کیا: میں نے زیادہ نمازوں اور زیادہ روزوں سے تو اس کی تیاری نہیں کی البتہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: (قیامت کے دن) آدمی کا حشر ان لوگوں کے ساتھ ہوگا، جن سے وہ محبت کرتا ہے، اور تو بھی قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا، جس سے تو محبت کرتا ہے، میں نے اسلام کے بعد مسلمانوں کو اس قدر خوش نہیں دیکھا جس طرح کہ وہ آپ کے اس فرمان سے خوش ہوئے۔

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ: جَاءَ أَغْرَابِيٌّ جَهْدَرِي الصُّوْبِ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، الرَّجُلُ يُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَمَّا يَلْحَقْهُ هُوَ بِهِمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ.

حضرت صفوان بن عسال کہتے ہیں کہ ایک بلند آواز والا دیہاتی آپ کے پاس آیا، اور کہنے لگا اے محمد ﷺ ایک آدمی کسی قوم سے محبت کرتا ہے لیکن ابھی تک وہ ان سے ملا بھی نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: اکٹسب: جو اس نے حاصل کیا، کمایا۔ ما أعددت: تو نے کیا تیاری کی۔ لما يلحق هو بهم: وہ ابھی تک ان سے ملا بھی نہیں۔

المرء مع من أحب کے معنی

اس باب کی احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدمی کا شمار دنیا اور آخرت دونوں میں انہی لوگوں میں ہوگا، جن سے وہ محبت کرتا ہوگا، چنانچہ دنیا میں جس طرح کے لوگوں سے وہ محبت کرے گا، اس کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوگا اور اسے وہی چیز حاصل ہوگی، جو وہ ان سے محبت کرنے میں حاصل کرنا چاہے گا، نیک لوگوں سے محبت کرے گا تو وہ نیکوں میں شمار ہوگا، برے لوگوں کو پسند کرے گا تو اسے بھی انہی میں سمجھا جائے گا، اور جو شخص دنیا میں جس قسم کے لوگوں سے محبت کرے گا تو آخرت میں اسے انہی کے ساتھ اٹھایا جائے گا، خواہ اس نے ان لوگوں سے ملاقات نہ بھی کی ہو، جن سے وہ محبت کرتا ہے، لہذا ایک مسلمان کو اپنی آخرت بہتر بنانے کے لئے برے لوگوں کے بجائے نیک اور اچھے لوگوں سے محبت کرنی چاہیے، تاکہ نیک لوگوں کی معیت میں جہنم سے نجات

اور مغفرت حاصل ہو جائے۔

وانت مع من أحببت، سوال یہ ہے کہ جنت کے مختلف درجات اور منزلیں ہیں تو پھر معیت کس طرح حاصل ہوگی، نبی سے محبت کرنے والا امتی جنت میں داخل ہو بھی جائے تو بھی وہ جنت میں نبی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا، تو پھر معیت کس طرح حاصل ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ”معیّت“ سے یہ مراد نہیں کہ محبت کرنے والا ہر اعتبار سے، ہر چیز میں، اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا، بلکہ اگر کسی ایک چیز میں وہ دونوں مشترک ہوں تو بھی مع من أحب کے معنی متحقق ہو جائیں گے، لہذا جنت میں داخل ہونے کے اعتبار سے ایک امتی کو اپنے نبی کے ساتھ معیت حاصل ہوگی، اگرچہ درجات مختلف ہوں گے۔

صحابہ کرام کو اس روایت سے بہت خوشی ہوئی کیونکہ وہ اپنے نبی کے ساتھ انتہائی زیادہ محبت کرنے والے تھے، اور یہ تمنا رکھتے تھے کہ ہمارا حشر اپنے محبوب نبی کے ساتھ ہو، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو یہ فضیلت عطا فرمادے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي حُسْنِ الظَّنِّ بِاللَّهِ تَعَالَى

یہ باب اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رکھنے (کی فضیلت) کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا دَعَانِي۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں، جو اس نے میرے بارے میں قائم کیا ہوتا ہے، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، جب وہ مجھے پکارے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کا حکم

شارحین حدیث نے اس حدیث کے تین مطلب بیان فرمائے ہیں:

(۱) اس میں اس بات کی ترغیب ہے کہ مسلمان کو اللہ تعالیٰ سے خوف کی بجائے امید زیادہ رکھنی چاہیے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرتے ہیں، جس طرح وہ بندہ اللہ کے بارے میں گمان رکھتا ہے اگر یہ گمان ہو کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ اچھا ہی کرتے ہیں، خواہ مجھے اس کی مصلحت سمجھ آئے یا نہ آئے، تو اس کے گمان کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ ہوگا اور اگر یہ ذہن ہو کہ خدا غواستہ اللہ تعالیٰ تو میرے ساتھ برا ہی کرتے ہیں تو پھر اسی طرح اس کے گمان کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے، اس لئے ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن ہی رکھنا چاہیے، ایک اور حدیث میں

آپ ﷺ نے اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ اللہ کے ساتھ موت کے وقت بھی حسن ظن رکھو کہ وہ مرنے کے بعد بھی میرے ساتھ اچھا معاملہ فرمائے گا۔

(۲) علامہ طبری فرماتے ہیں کہ حدیث میں ”ظن“ سے ”یقین“ مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ بندے کا میرے بارے میں جو یقین ہوگا، میں اس کے یقین کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں۔

(۳) علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ دعا کرتے وقت بندے کا میرے بارے میں جیسے گمان ہوگا، میں اسی طرح کرتا ہوں، اگر اس یقین کے ساتھ دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ میری اس دعا کو ضرور قبول فرمائیں گے، عبادات پر اجر و ثواب عنایت فرمائیں گے، تو میں اس کی دعا کو ضرور قبول کرتا ہوں بشرطیکہ اس کا کھانا، پینا، رزق حلال سے ہو، چنانچہ ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس یقین کے ساتھ دعا مانگو کہ وہ اسے ضرور قبول فرمائیں گے، اگر کسی بندے کا یہ گمان ہو کہ اللہ تعالیٰ میری دعا قبول نہیں فرماتے تو یہ اللہ کی رحمت سے مایوسی ہے، جو گناہ کبیرہ ہے، ایسے شخص کی دعا قبول نہیں ہوتی، اور اگر کوئی شخص گناہوں کے ساتھ ساتھ مغفرت کی بھی امید رکھے، تو یہ سراسر اپنے ساتھ دھوکہ اور جہالت ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي الْبِرِّ وَالْإِثْمِ

یہ باب براور اثم (کے معنی) کے بیان میں ہے

عَنْ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ، أَنَّ زَجَلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالْإِثْمُ: مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ النَّاسُ عَلَيْهِ

حضرت نواس بن سمعان کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے براور اثم کے بارے میں پوچھا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ”بر“ اچھے اخلاق (کا نام) ہے اور ”اثم“ وہ ہے جو تیرے دل میں کھلے اور تو اس بات کو ناگوار سمجھے کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔

براور اثم کے معنی

احادیث میں ”بر“ کے کئی معنی بیان کئے گئے ہیں مثلاً طاعت، عبادت، خوف، صلہ رحمی اور حسن ظن، نبی کریم ﷺ مسائل یا سامعین کے اعتبار سے مختلف جواب ارشاد فرمایا کرتے تھے، اس حدیث میں مسائل نے براور اثم کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: بر یعنی نیکی تو حسن اخلاق کا نام ہے اور گناہ یہ ہے جو دل میں کھلے، کہ کروں یا نہ کروں، اور لوگوں کا اس پر مطلع ہونا

آدی کو برا محسوس ہو، اور اس کے کرنے پر دل مطمئن نہ ہو۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي الْحُبِّ فِي اللَّهِ

یہ باب اللہ کی رضا کے لئے محبت کرنے کی فضیلت کے بارے میں ہے

عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: الْمُتَحَابُّونَ فِي جَلَالِي، لَهُمْ مَنَازِلُ مِنْ نُورٍ، يَغِيْطُهُمُ التَّيْمُونُ وَالشَّهَادَةُ۔

حضرت معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میری عظمت و جلال کی خاطر آپس میں محبت کرنے والوں کے لئے نور کے ایسے منبر ہوں گے، جن پر انبیاء اور شہداء رشک کریں گے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: إِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌ نَشَأَ بِعِبَادَةِ اللَّهِ، وَرَجُلٌ كَانَ قَلْبُهُ مُعَلَّقًا بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ، حَتَّى يَغُودَ إِلَيْهِ، وَرَجُلَانِ تَخَابَا فِي اللَّهِ فَاجْتَمَعَا عَلَى ذَلِكَ وَتَفَرَّقَا، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا ففَاضَتْ عَيْنَاهُ، وَرَجُلٌ دَعَفَ ذَاتَ حَسَبٍ وَجَمَالٍ، فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سات شخص ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس روز (یعنی قیامت کے دن) اپنے سایہ میں رکھے گا جس دن اللہ کے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (۱) انصاف کرنے والا حاکم۔ (۲) وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں نشوونما پائے، (۳) وہ شخص جس کا دل مسجد میں لٹکا ہوا ہو جب اس سے نکلے یہاں تک کہ اس میں لوٹ آئے۔ (۴) اور ایسے دو آدمی، جو اللہ کے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں، اسی پر وہ جمع ہوتے ہیں اور اسی پر ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ (۵) اور وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کے آنسو بہ جائیں۔ (۶) وہ شخص جسے حسب و نسب اور حسن و جمال والی عورت (بری نیت سے) بلائے تو وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۷) اور وہ شخص جس نے اس طرح مخفی طور پر صدقہ دیا ہو کہ اس کے بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: المتحابون: آپس میں الفت و محبت کرنے والے۔ یغیطہم: ان سے غبطہ و رشک کریں گے، غبطہ کے معنی ہیں رشک کرنا، یعنی دوسرے کی کوئی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ یہ چیز مجھے بھی حاصل ہو جائے اور اس کے پاس بھی باقی رہے۔ یظلمہم اللہ: اللہ تعالیٰ ان پر سایہ کریں گے۔ نشأ نشوونما پائی، پروان چڑھا۔ فاضت عینا: اس کی آنکھیں بہ پڑیں، آنسو آجائیں۔

انبیاء و شہداء کے غبطہ کرنے سے کیا مراد ہے

باب کی پہلی حدیث میں ہے کہ جو لوگ اللہ کے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں، قیامت کے دن ان کے لئے نور کے منبر ہوں گے، جنہیں دیکھ کر انبیاء اور شہداء بھی غبطہ اور رشک کریں گے، تو سوال یہ ہے کہ اس رشک کا کیا مطلب ہے جبکہ انبیاء اور شہداء تو ان سے اعلیٰ مقام پر فائز ہوں گے، اور اس انداز سے تو بظاہر انبیاء اور شہداء کے مقابلے میں مذکورہ لوگوں کا زیادہ افضل ہونا لازم آتا ہے، کیونکہ رشک اسی کو ہوتا ہے جو مفضول ہو اور جس پر رشک کیا جائے وہ فاضل ہوتا ہے، شارحین حدیث نے اس کے تین جواب دیئے ہیں:

- (۱) یہاں پر حقیقت رشک کرنا مراد نہیں ہے بلکہ ان کے اس عمل پر مدح و ثناء، خوشی اور مسرت کا اظہار کرنا مقصود ہے۔
- (۲) اللہ کے لئے محبت کرنے والوں کے مقام کی اہمیت اور فضیلت کو بیان کرنا پیش نظر ہے کہ اگر بالفرض انبیاء اور شہداء کو کسی رتبہ اور مقام پر رشک ہوتا تو ان لوگوں کے مقام پر غبطہ اور رشک ہوتا، اس قدر یہ اعلیٰ مقام ہوگا، گویا اس سے ان کی فضیلت و شرف اور بلند درجے کو بیان کیا گیا ہے۔^(۱)
- (۳) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ یہاں عبارت محذوف ہے ای لو لم تکن عندہم، معنی یہ ہیں کہ اگر انبیاء و شہداء کو یہ درجہ حاصل نہ ہوتا تو پھر وہ اس کے حصول کی تمنا کرتے، لیکن انہیں پہلے سے دیگر مراتب و درجات کے ساتھ یہ درجہ بھی حاصل ہے۔^(۲)

سات قسم کے لوگ عرش الہی کے سائے میں ہوں گے

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ان سات افراد کا ذکر فرمایا ہے، جو قیامت کے دن اللہ کے سائے میں ہوں گے، اس حدیث میں گو کہ سات کا عدد ہے، لیکن دیگر احادیث میں کچھ مزید لوگوں کا بھی ذکر ہے، جو اس دن اللہ تعالیٰ کے سائے میں ہوں گے، اس لئے اس حدیث میں سات افراد کے علاوہ دوسروں کی نفی کرنا مقصود نہیں ہے۔

”ظل اللہ“ سے اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ مراد ہے۔

امام عادل، اس سے ملک کا سربراہ، کسی بھی ادارے کا بڑا اور سرپرست مراد ہے کہ وہ ہر معاملہ کو عدل و انصاف کے تقاضے کے مطابق حل کرے،

شاب نشأ بعبادة اللہ، اس میں نوجوان کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کہ اس عمر میں عموماً نفسانی شہوتوں اور خواہشات کا غلبہ ہوتا ہے، بہت سے نوجوان خواہشات کی ندی میں بہ جاتے ہیں، ایسے میں جو نوجوان اللہ کے خوف اور ذکر کی وجہ سے گناہ سے

(۱) تحفة الاحوذی ۵۶/۷

(۲) الکوکب الدرۃ ۲۵۵/۳

رکتا ہے، نفس کے تقاضے کے مطابق عمل نہیں کرتا تو اسے یہ فضیلت حاصل ہوگی کہ قیامت کے دن عرش الہی کے سائے میں ہوگا۔
 رجل قلبه معلق بالمسجد، وہ شخص گو کہ مسجد سے باہر ہے لیکن اس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہے، دوبارہ جانے کی فکر ہے،
 مسجد سے محبت کرتا ہے اور اسے ہر طرح سے آباد رکھتا ہے، یہ ایمان کامل کی علامت ہے۔
 اجتماعا علیہ و تفرقا، یہ محبت کرنے والے دو ہیں، اس لحاظ سے تعداد آٹھ ہو جاتی ہے، جبکہ حدیث میں تعداد سات
 ہے، لیکن چونکہ یہ دونوں محبت کے اعتبار سے شریک ہیں، اس لئے انہیں حدیث میں ایک ہی شمار کیا گیا ہے۔
 رجل تصدق، اگر فرض اور واجب صدقہ ہو جیسے زکوٰۃ اور صدقہ فطر، ان میں لوگوں کے سامنے اظہار بہتر ہے، چھپانا بہتر نہیں، تاکہ
 دوسرے لوگوں کو بھی اس کی ترغیب ہو، البتہ نفی صدقات میں افضل یہ ہے کہ خفیہ طریقے سے دیئے جائیں۔^(۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي إِعْلَامِ الْحُبِّ

یہ باب محبت کو بتانے کی فضیلت کے بارے میں ہے

عَنِ الْإِسْقَاطِ بْنِ مَعْدِيكَرَبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذَا أَحَبَّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُعْلِمْهُ إِنِّي أَفْ

حضرت مقدار بن معدیکرب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائی
 سے محبت رکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے بتادے (کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں)۔

عَنْ يَزِيدَ بْنِ نَعَامَةَ الصَّنَبِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذَا أَحَبَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلْيَسْأَلْهُ عَنِ اسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيهِ
 وَمَنْ هُوَ؟ فَإِنَّهُ أَوْصَلَ لِلْمَوَدَّةِ۔

حضرت یزید بن نعامة صنبی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص کسی سے بھائی چارہ قائم کرے،
 تو اسے چاہیے کہ وہ اس سے اس کا اور اس کے باپ کا نام دریافت کر لے اور پوچھ لے کہ وہ کس قبیلہ سے تعلق رکھتا
 ہے، کیونکہ یہ دریافت کرنا دوستی اور تعلق کو بہت زیادہ مضبوط بنانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: إعلام: بتانا، خبر دینا۔ فلیعلمہ: اسے چاہیے کہ وہ اسے بتادے۔ اخا: بھائی چارہ قائم کرے۔
 أوصل: زیادہ جوڑے والا، زیادہ مضبوط بنانے والا۔ مودة: محبت، الفت، دوستی۔

جس سے محبت کرو تو اسے بتادو

مذکورہ احادیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) جس سے دینی بنیاد پر محبت ہو تو اسے بتادیا جائے کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں، کیونکہ اس سے محبت میں اضافہ ہوگا،

فریقین میں سے ہر ایک دوسرے کے حقوق کا خاص خیال رکھے گا۔
(۲) جس سے بھائی چارہ، دوستی اور محبت ہو تو اس سے اس کا نام، والد کا نام اور خاندان معلوم کر لیا جائے کہ یہ چیزیں تعلق و محبت کو مزید مضبوط کرنے کا باعث ہوتی ہیں۔^(۱)

بَابُ كَرَاهِيَةِ الْمَدْحَةِ وَالْمَدَاحِينَ

یہ باب تعریف اور خوشامد کرنے والوں کی مذمت کے بارے میں ہے
عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ قَالَ: قَامَ رَجُلٌ فَأَثْنَى عَلَى أَمِيرٍ مِنَ الْأَمْزَاءِ، فَبَعَلَ الْمُقْدَادُ بْنُ الْأَسْوَدِ يَخْفُو فِي وَجْهِهِ
التَّوَابُ وَقَالَ: أَمَرَ نَارَ سَنُؤَلِ اللَّهِ ﷺ أَنْ نَخْفُو فِي وَجْهِهِ الْمَدَاحِينَ التَّوَابُ۔
ابو معمر کہتے ہیں کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور امراء میں سے کسی امیر کی تعریف کی، حضرت مقداد بن اسود نے اس کے چہرے پر مٹی ڈالنا شروع کر دی، اور فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم خوشامد کرنے والوں کے منہ پر مٹی ڈالیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: أَمَرَ نَارَ سَنُؤَلِ اللَّهِ ﷺ أَنْ نَخْفُو فِي أَلْفَاوِ الْمَدَاحِينَ التَّوَابُ۔
حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا کہ ہم تعریف کرنے والوں کے منہ پر مٹی ڈالیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: المدحہ: (میم کے نیچے زیر اور وال کے سکون کے ساتھ) تعریف، خوشامد۔ نحو: ہم مٹی ڈالیں۔ ألفواہ: ہم کی جمع ہے، منہ، چہرہ۔

خوشامد کرنے والوں کی مذمت

ان احادیث سے ان لوگوں کی مذمت ثابت ہوتی ہے، جو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کسی کی خوشامد اور نعمیاتی تعریف کرتے ہیں، اسے اپنے مقاصد کے حصول اور آمدن کا ذریعہ بنا رکھا ہوتا ہے، انہیں اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ یہ شخص واقعی اس تعریف کا مستحق ہے یا نہیں، اس تعریف سے اس میں عجب، خود پسندی اور تکبر تو نہیں پیدا ہو رہا، اور جو ہم اپنی زبان سے اس کی مبالغہ کے ساتھ تعریف کر رہے ہیں، آیا یہ درست بھی ہے یا نہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا حکم یہ ہے کہ ان کے منہ پر مٹی ڈال دو تاکہ وہ اس سے باز آجائیں۔

اس ”مٹی کے ڈالنے“ سے کیا مراد ہے؟

شارحین حدیث نے اس کے مختلف مطلب بیان کئے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) بعض حضرات کے نزدیک یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے کہ جو منہ پر تعریف اور خوشامد کرے، اس کے منہ پر مٹی ڈال دو، تاکہ جس کی تعریف کی جا رہی ہے وہ خود پسندی اور تکبر میں نہ مبتلا ہو جائے، چنانچہ باب کی پہلی حدیث کے راوی حضرت مقداد نے اس حدیث کے ظاہر پر ہی عمل کرتے ہوئے اس تعریف کرنے والے کے منہ پر مٹی ڈال دی تاکہ وہ اپنے اس عمل سے باز آجائے۔

(۲) اس کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ خوشامد کرتے ہوں، انہیں کچھ رقم دے کر فارغ کر دو کیونکہ کسی کو تھوڑا سا مال حقارت کے ساتھ دینا اس کے منہ پر مٹی ڈالنے کے مشابہ ہے، اور اس دینے میں مصلحت یہ ہے کہ اس کی زبان کے شر سے محفوظ رہا جاسکے، کیونکہ نہ دینے کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ برائی کرنا شروع کر دے۔

(۳) بعض کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ خوشامد کرنے والوں کو کچھ بھی نہ دیا جائے اور نہ ہی ان کا کوئی مقصد حل کیا جائے، یوں وہ اپنی اس خوشامد سے باز آجائیں گے۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ان مداحین کی مذمت کی گئی ہے، جنہوں نے جھوٹی تعریف اور خوشامد کو اپنے لئے پیشہ بنا رکھا ہے، اسی سے وہ اپنے تمام کام نکالتے ہیں، اور مال بھی حاصل کرتے ہیں، لیکن اگر بغیر کسی لالچ کے کسی قابل تعریف آدمی کی تعریف کی جائے، یا کسی کے اچھے اور پسندیدہ کام پر اس کی حوصلہ افزائی کے لئے تعریف کے چند کلمات بولے جائیں تاکہ اسے مزید شوق پیدا ہو یا اس لئے تعریف کی جائے کہ دوسرے لوگوں کو بھی نیک اعمال اور اچھے کام کرنے کی ترغیب ہو جائے تو اس طرح کی تعریف کرنا شرعاً درست ہے، یہ قابل مذمت تعریف کے زمرے میں نہیں آتی، لہذا ایسے شخص پر حدیث میں مذکور لفظ ”مداح“ نہیں بولا جائے گا۔^(۱)

تعریف کی اقسام

تعریف کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

- (۱) کس کے منہ پر تعریف کی جائے، یہ ممنوع ہے، جیسا کہ اوپر تفصیل گزر چکی ہے۔
- (۲) کسی کی غائبانہ تعریف کی جائے، لیکن خواہش یہ ہو کہ اس تک یہ تعریف پہنچ جائے، یہ بھی ممنوع ہے۔
- (۳) کسی کی غیر موجودگی میں تعریف کی جائے، اور اس کی بالکل پرواہ نہ ہو کہ اس تک یہ تعریف پہنچے گی یا نہیں، اور وہ بندہ جس کی تعریف کی جا رہی ہے وہ اس قابل بھی ہے تو اس تعریف کی شرعاً اجازت ہے، اور اس انداز سے تعریف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۱) تحفة الاحوذی ۶/۲۳، تکملة فتح الملہم ۶/۵۰۰، کتاب الزہد، باب النہی عن المدح

بَاب مَا جَاءَ فِي صُحْبَةِ الْمُؤْمِنِ

یہ باب مؤمن سے دوستی کے (حکم کے) بارے میں ہے
 عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: لَا تُصَاحِبِ الْإِمْلَأُ مَنَّا وَلَا يَأْكُلُ طَعَامَكَ إِلَّا تَقَىٰ.
 حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم صرف مؤمن کے
 ساتھ رہو (یا مؤمن سے دوستی کرو) اور تیرا کھانا صرف پرہیزگار آدمی ہی کھائے۔

مؤمن سے دوستی کا حکم

- اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے مؤمنین کو دو چیزوں کا حکم دیا ہے:
- (۱) مؤمن کے ساتھ رہو، اس سے تعلق اور دوستی لگاؤ، اس سے درحقیقت کافر اور منافقین کی صحبت اختیار کرنے سے منع کرنا مقصود ہے، کیونکہ ایسے لوگوں کے ساتھ زیادہ تعلق سے دینی زندگی کو نقصان پہنچتا ہے، البتہ بقدر ضرورت ان سے رابطہ رکھنے کی گنجائش ہے۔
 - (۲) اپنی دعوت میں صرف پرہیزگار لوگوں کو ہی بلایا کریں، یہ کھانا ان کے لئے عبادات میں طاقت کا باعث ہوگا، جس سے تمہیں بھی ثواب ملے گا۔

ہاں وہ کھانا جو حاجت اور اضطراری حالت میں کھلایا جاتا ہے، وہ کافر اور منافقین کو بھی کھلا سکتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے ويطعمون الطعام على حبه مسكينا ويتيمما واسيراً یہ قیدی کافر تھے، مسلمان نہیں تھے۔ (۱)

بَاب فِي الصَّبْرِ عَلَى الْبَلَاءِ

یہ باب آزمائش پر صبر کرنے (کی فضیلت) کے بیان میں ہے
 عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِعَبْدِهِ الْخَيْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا، وَإِذَا أَرَادَ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ أَمْسَكَ عَنْهُ بِذَنْبِهِ حَتَّىٰ يَأْتِيَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ بِهَذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ عَظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عَظَمِ الْبَلَاءِ، وَإِنَّ اللَّهَ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ، فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَىٰ، وَمَنْ سَخَطَ فَلَهُ السَّخَطُ۔
 حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ

فرماتے ہیں تو دنیا میں ہی (گناہوں کی) سزا اسے دے دیتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ شرکا ارادہ فرماتے ہیں تو (دنیا میں) اس سے اس کے گناہ کی سزا روک لیتے ہیں، یہاں تک کہ قیامت کے دن اسے پوری سزا دیں گے، اور اسی سند کے ساتھ آپ ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: بیشک بڑا بدلہ بڑی آزمائش کے ساتھ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتے ہیں تو اسے آزماتے ہیں (یعنی طرح طرح کی مصائب و مشکلات میں گرفتار کر دیتے ہیں) تو جو اس پر راضی رہا (گلہ شکوئی نہیں کیا) تو اس کے لئے رضامندی ہے، اور جو ناراض ہوا (یعنی اس ابتلاء کو ناپسند کیا) تو اس کے لئے ناراضگی ہے (یعنی شدید عذاب ہے)۔

عَنْ أَبِي وَائِلٍ يَقُولُ: قَالَتْ عَائِشَةُ: مَا زِلْتُ أَلْقِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَحَدٍ أَشَدَّ مِنْهُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ۔

حضرت ابو وائل کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے فرمایا: میں نے آپ ﷺ سے زیادہ سخت درد (یعنی بیماری) میں کسی کو نہیں دیکھا۔ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: أَيُّ النَّاسِ أَشَدَّ بَلَاءً؟ قَالَ: الْإِنْسَاءُ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَلَا مَثَلَ؛ يَنْتَلِي الرَّجُلُ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ، فَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ ضَلْبًا أَشَدَّ بَلَاءً، وَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ وَقْفًا ابْتَطَلَ عَلَى قَدْرِ دِينِهِ، لَمَّا يَنْتَرِخُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتَّى يَفْزِكَهُ، يَفْزِكُهُ عَلَى الْأَرْضِ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ۔

حضرت سعد فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ سب سے سخت آزمائش کن لوگوں کی ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء کی پھر جو ان سے زیادہ قریب ہو اور پھر جو ان سے زیادہ قریب ہو، آدمی کو اس کے دین کے بقدر آزمایا جاتا ہے، چنانچہ اگر وہ دین میں خوب مضبوط ہو تو اس کی آزمائش بھی اسی قدر سخت ہوگی، اور اگر وہ اپنے دین میں کمزور ہو تو اسی کے بقدر اسے آزمایا جائے گا، بندے پر مسلسل آزمائش لگی رہتی ہے یہاں تک کہ اسے اس طرح چھوڑتی ہے کہ وہ زمین پر یوں چلتا ہے، کہ اس پر کوئی گناہ باقی نہیں ہوتا (یعنی سارے گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنَةُ فِي نَفْسِهِ وَوَلَدِهِ وَمَالِهِ حَتَّى يَلْقَى اللَّهَ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن مرد اور مؤمن عورت پر اس کے نفس یا اولاد یا اس کے مال کے بارے میں مسلسل آزمائش رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا، اور اس پر کوئی گناہ باقی نہ ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنی: البلاء: آزمائش، امتحان، مصیبت۔ عجل: بیشکلی یعنی دنیا میں ہی دے دیتے ہیں۔ اُمسک: روک لیتے ہیں۔ یواہی: پورا پورا دیں گے۔ سخط: (سین اور خاء پر زبر کے ساتھ) ناراضگی، غضب الہی، دردناک عذاب۔ وجع: درد، یہاں اس سے 'مرض' مراد ہے۔ الامثل: جو انبیاء کے زیادہ قریب ہو گا نیکی اور تقویٰ کے اعتبار سے۔ ضلْبًا: مضبوط، سخت۔ وقْفہ: (راکے نیچے زیر اور قاف پر زبر اور تشدید کے ساتھ) نرمی، کمزوری۔

مصائب پر صبر کیا جائے

اس باب کی احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- (۱) انسان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی آزمائش اور مصیبت آجائے، اس پر صبر کیا جائے، جزع فزع اور زبان پر گلے شکوے کے کلمات نہ لائے جائیں کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، اور غضب الہی نازل ہوتا ہے۔
 - (۲) جو شخص جس قدر قریب سنت اور پرہیزگار ہوگا، اس پر اسی حساب سے آزمائشیں بھی زیادہ آسکتی ہیں، کبھی اس کے نفس کے بارے میں آزمائش ہوگی، کبھی اس کی اولاد کے بارے میں اور اس کے مال و دولت اور کاروبار کے بارے میں، ایسے میں صبر و استقامت کا دامن نہ چھوڑا جائے۔
 - (۳) ابتلاء و آزمائش اور مصائب سے گناہ معاف ہوتے ہیں، تاہم اللہ تعالیٰ سے مشکل حالات اور مصیبتوں کا سوال نہ کیا جائے، غیر اختیاری طور پر اگر حالات سازگار نہ ہوں تو ان پر صبر کیا جائے۔
 - (۴) انبیاء پر سب سے سخت آزمائشیں آتی ہیں، کیونکہ اگر ان پر آزمائشیں نہ آتیں تو لوگ انہیں خدا سمجھنا شروع کر دیتے، نیز اس سے امت کو یہ درس دینا مقصود ہے کہ اگر کوئی آفت و مصیبت تم پر آجائے تو جزع فزع کرنے کے بجائے، اس پر صبر کیا جائے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ و زاری کی جائے تاکہ آزمائش سے خلاصی حاصل ہو جائے۔
- فی نفسه و ولده و ماله میں "واؤ" "او" کے معنی ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي ذَهَابِ الْبَصَرِ

یہ باب بینائی کے چلے جانے کی (جزاء کے) بارے میں ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ: إِذَا أَخَذْتُ كَرِيمَتِي عَبْدِي فِي الدُّنْيَا لَمْ يَكُنْ لَهُ جَزَاءٌ عِنْدِي إِلَّا الْجَنَّةُ۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب میں دنیا میں اپنے بندے کی دونوں آنکھیں لے لیتا ہوں (یعنی وہ نابینا ہو جاتا ہے) تو میرے پاس اس کے لئے جنت کے علاوہ کوئی بدلہ نہیں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: مَنْ أَذْهَبْتُ حَبِيبَتَيْهِ فَصَبَرَ وَاسْتَحْسَبَ لَمْ أَزِمْ لَهُ قَوْلًا بِأَذْوَنِ الْجَنَّةِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جس شخص کی دو محبوب چیزیں یعنی دونوں آنکھیں میں ختم کر دوں، وہ اس پر صبر کرے اور ثواب کی امید رکھے، تو میں اس کے لئے جنت کے علاوہ اور کسی بدلہ کے لئے راضی نہیں ہوں۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَوْزُ أَهْلُ الْعَاقِبَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِينَ يَغْطَى أَهْلُ الْبَلَاءِ الثُّرَابَ لَوْ أَنَّ جُلُودَهُمْ كَانَتْ قِرْصَتٍ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِبِضِ۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دنیا میں آرام و سکون سے رہنے والے قیامت کے دن اس وقت تمنا کریں گے، جب آزمائش والوں کو (بہت زیادہ) بدلہ دیا جائے گا، کہ کاش ان کی کھالوں کو دنیا میں قینچیوں سے کاٹ دیا جاتا (تاکہ ہمیں بھی یہ اجر اور ثواب ملتا)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا مِنْ أَحَدٍ يَمُوتُ إِلَّا تَدْمُ قَالَوْا: وَمَا نَدَامْتُهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: إِنْ كَانَ مُخْسِنًا تَدْمُ أَنْ لَا يَكُونَ إِذَا ذَا، وَإِنْ كَانَ مُسِيئًا تَدْمُ أَنْ لَا يَكُونَ نَزْعَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص بھی مرتا ہے تو وہ ضرور نادم ہوتا ہے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ: مرنے والے کو کس وجہ سے ندامت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: اگر وہ نیکی کرنے والا ہے تو اسے اس بات پر ندامت ہوگی کہ اس نے خیر کے کام زیادہ کیوں نہ کئے، اور اگر برے اعمال والا ہو تو اس بات پر نادم ہوگا کہ اس نے اللہ کی نافرمانی کیوں نہ چھوڑی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ يَغْشَوْنَ الدُّنْيَا بِالذَّنْبِ، يَلْبَسُونَ لِلنَّاسِ جُلُودَ الصَّائِنِ مِنَ اللَّيْنِ، أَلْسِنَتُهُمْ أَخْلَى مِنَ الشَّكْرِ، وَقُلُوبُهُمْ قُلُوبُ الذَّنَابِ يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَبِي تَفْتَرُونَ، أَمْ عَلَى تَجَسَّرُونَ؟ فَبِي حَلَفْتُ لَا أَبْعَثَ عَلَى أُولَئِكَ مِنْهُمْ فَتَنَةً تَدْعُ الْخَلِيمَ مِنْهُمْ خَيْرًا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آخر زمانہ میں ایسے لوگ آئیں گے، جو دھوکہ دے کر دین کے بدلہ میں دنیا طلب کریں گے، لوگوں (کو دھوکہ دینے) کے لئے بھیڑی کھالیں نرمی دکھانے کے لئے پہنیں گے، ان کی زبانیں شکر سے زیادہ شیریں ہوں گی، اور ان کے دل (دنیا کی شدید محبت میں) بھیڑیے کے دل ہوں گے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا تم لوگ مجھے دھوکہ دیتے ہو، یا مجھ پر دلیری کرتے ہو؟ لہذا میں اپنی قسم کھاتا ہوں کہ میں ضرور ان لوگوں پر انہی میں سے ایک ایسا فتنہ بھیجوں گا، جو ان کے بردبار آدمی کو بھی حیران کر دے گا۔

عَنِ ابْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ: لَقَدْ خَلَقْتُ خَلْقًا، أَلْسِنَتُهُمْ أَخْلَى مِنَ الْعَسَلِ وَقُلُوبُهُمْ أَمْرٌ مِنَ الصَّبْرِ، فَبِي حَلَفْتُ لَا أُبَيِّحُ عَنْهُمْ فَتَنَةً تَدْعُ الْخَلِيمَ مِنْهُمْ خَيْرًا، فَبِي تَفْتَرُونَ أَمْ عَلَى تَجَسَّرُونَ۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے ایک ایسی مخلوق کو

پیدا فرمایا ہے، جن کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی، اور ان کے دل ایلوے سے زیادہ کڑوے ہوں گے، میں اپنی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان پر ضرور ایک ایسا نقشہ نازل کروں گا، جو ان کے بردبار آدمی کو بھی حیران کر دے گا، کیا لوگ مجھے دھوکہ دیتے ہیں یا وہ مجھ پر دلیری کرتے ہیں؟

مشکل الفاظ کے معنی: کرمیتین: دونوں آنکھیں، انہیں کرمیتین اس لئے کہتے ہیں کہ انسان کی نظر میں یہ سب سے اہم ہیں اور محبوب بھی ہیں اس لئے انہیں حدیث میں ”حبیبیتین“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جلود: جلد کی جمع ہے، کھالیں یا چمڑے۔ قرصن: انہیں کاٹا جائے۔ مقارص: مقراض کی جمع ہے: فتنی۔ نزع: چھوڑ دے، باز آ جائے۔ یختلون: طلب کرتے ہیں۔ جلود المصان: بھیڑ کی کھالیں۔ احلی: زیادہ میٹھی۔ لغتروں: تم دغا بازی کرتے ہو، دھوکہ دیتے ہو۔ جعتروں: تم سینہ زوری کرتے ہو، دلیری دکھا رہے ہو۔ أمز: زیادہ کڑوی۔ صبر: (صاد پر زبر اور با کے نیچے زیر): ایلا۔ لا یغفلن: میں ضرور بھیجوں گا۔ اتیحنہم: میں ضرور ان کو دوں گا۔

بینائی جانے پر صبر کی فضیلت

جس آدمی کی دنیا میں بینائی چلی جائے، وہ ناپینا ہو جائے، پھر وہ اللہ کی رضا کی خاطر آخرت کو سامنے رکھ کر صبر کرے، زبان سے کوئی کلمہ و شکوہ نہ کرے تو اس کا اجر جنت ہے، اسے ابتداء ہی جنت میں داخل کر دیا جائے گا، یا یہ کہ اسے بغیر کسی عتاب کے جنت میں داخل کیا جائے گا، کیونکہ دنیا میں ناپینا ہونا سب سے بڑی آزمائش ہے، اس پر اس نے صبر و استقامت دکھائی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی آزمائش ہے، لیکن اس آزمائش کے یہ معنی نہیں کہ ایسے آدمی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہیں بلکہ اللہ کی طرف سے دنیا میں آزمائش یا تو کسی مصیبت و آفت سے نجات کا باعث ہوتی ہے یا اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں یا اس سے درجات بلند ہوتے ہیں، اس لئے اگر کسی پر اللہ کی طرف سے کوئی آزمائش آ جائے تو اس پر دل سے صبر کیا جائے تاکہ وہ اجر و ثواب اور فضائل حاصل ہو سکیں جو اللہ تعالیٰ اپنے صابر بندوں کو عطا فرماتے ہیں، اس ابتلاء کو اپنے لئے عذاب اور مصیبت نہ سمجھا جائے، کیونکہ اسے یوں اجر و ثواب حاصل نہیں ہوگا، بلکہ ایسے شخص کے بارے میں تو یہ اندیشہ ہے کہ کہیں وہ گمراہ نہ ہو جائے۔

دنیا میں جو لوگ عیش و عشرت اور آرام و سکون سے زندگی بسر کرتے ہیں، آخرت میں جب وہ دنیا میں آزمائش والے لوگوں کا اجر و ثواب دیکھیں گے تو یہ ترنا کریں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں آزمایا جاتا، بار بار ہمارے جسموں کو فتنہ جیوں سے کاٹا جاتا، تا کہ آج ہمیں بھی یہ اجر و ثواب حاصل ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ ابتلاء ایک نعمت ہے، جس کا اجر حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس پر صبر کیا جائے اور اسے دل و جان سے قبول کیا جائے۔ (۱)

دین کے لبادہ میں دنیا طلبی کی مذمت

قرب قیامت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اپنی وضع قطع، ظاہری رہن بہن، بالکل نیک لوگوں کی طرح اختیار کریں گے، لوگوں کے ساتھ بظاہر بڑے نرم دل، شیریں زبان، دین و ملت کے خیر خواہ اور دین کے داعی ہوں گے لیکن ان کے دل مال و دولت اور جاہ و منصب کے حصول کے لئے بھیڑیے سے بھی سخت ہوں گے، ان کی ساری تنگ و دو مال کے حصول پر ہوگی، دین کا لبادہ اوڑھ کر وہ اپنے یہ مذموم مقاصد حاصل کریں گے، مذکورہ احادیث میں ایسے لوگوں کے لئے تنبیہ ہے کہ وہ اپنی ان حرکات سے باز آجائیں ورنہ انہیں کے اندر سے ایسے خطرناک فتنے رونما ہوں گے، جن کا نہ تو کوئی توڑ ہو سکے گا اور نہ ان فتنوں کے شر سے کوئی بچ سکے گا، وہ فتنے ایسے بھیانک ہوں گے کہ عقلمند اور دانا بھی ان میں ششدر اور حیران رہ جائیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ دین کو دنیا طلبی کا ذریعہ نہ بنایا جائے ورنہ اس طرح کی وعیدوں کا ابتلاء ہو سکتا ہے۔

يلبسون للناس جلود الضان،

اس کے دو مطلب ہیں:

- (۱) لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی، شیریں زبان اور نرمی سے پیش آئیں گے، تاکہ لوگ ان کے گرویدہ ہو جائیں۔
- (۲) ملامی قاری فرماتے ہیں کہ اس جملہ سے اس کے حقیقی اور ظاہری معنی مراد ہیں کہ یہ لوگ بھیڑیے کی کھال اور اس کے بالوں کے بنے ہوئے لباس اور کھل استعمال کریں گے، تاکہ لوگ انہیں نیک و متقی اور عبادت گذار سمجھیں، ان کے مرید اور معتقد بن جائیں، کیونکہ اس طرح کی عقیدت مندی کے بعد دنیاوی مقاصد کا حصول پھر آسان ہو جاتا ہے۔

انہی یفترون

اصل عبارت یوں ہے اہل علم و اہل مال یفترون مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا تم مجھے میری بردباری اور مہلت کی وجہ سے دھوکہ دیتے ہو یعنی تمہیں مجھ سے کوئی خوف نہیں، گناہوں میں بڑھے جا رہے ہو اور توبہ نہیں کرتے۔
 اُمہ علی تجتروون یا مجھ پر تم لوگ دلیری کرتے ہو یعنی نیک اعمال صرف اسی غرض کیلئے کرتے ہو تاکہ لوگ تمہارے معتقد ہو جائیں، تمہیں مال و دولت دیں، اور تمہاری خدمت کی جائے۔

قلوبہم اُمّ من الصبر

ان کے دل ایلوے سے زیادہ کڑوے ہوں گے، اس سے ان کے شاطر اور مکار ہونے کا اظہار کیا گیا ہے۔
فائدہ: اس باب کی آخری دو حدیثیں یعنی حدیث ابن عمر اور حدیث ابی ہریرہ کو اس باب سے کوئی مناسبت نہیں، ممکن ہے کہ ان سے پہلے لفظ ”باب“ کا لکھنا رہ گیا ہو، چنانچہ ترمذی کے بعض نسخوں میں ان سے پہلے لفظ باب لکھا ہوا ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي حِفْظِ اللِّسَانِ

یہ باب زبان کی حفاظت کے بیان میں ہے

عَنْ غُفْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا النَّجَاةُ؟ قَالَ: الْفَلَاحُ عَلَيْكَ لِسَانُكَ، وَلَيْسَ فَلَاحُكَ بِشَيْءٍ، وَالْبَكَ عَلَى خَطِيئَتِكَ۔

حضرت غفبہ بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (مجھے بتادیتجئے کہ دنیا اور آخرت میں) نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی زبان کو قابو میں رکھو، اور چاہیے کہ تمہارا گھر تمہیں کافی ہو، اور اپنی غلطی پر رویا کرو۔
عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَفَعَهُ قَالَ: إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَإِنَّ الْأَعْضَاءَ كُلَّهَا تَكْفُرُ اللِّسَانَ، فَنَقُولُ: اتَّقِ اللَّهَ فَيُنَا، فَإِنَّمَا نَحْنُ بَكَ، فَإِنِ اسْتَقَمَّتْ اسْتَقَمَّتْ، وَإِنِ اغْوَتْ جَحَّتْ اغْوَتْ جَحَّتْ۔

حضرت ابوسعید خدری نبی کریم ﷺ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو اس کے سارے اعضاء زبان کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو ہمارے حق میں اللہ سے ڈر، کیونکہ ہم تجھ سے وابستہ ہیں، اگر تو سیدھی رہے گی، تو ہم سیدھے رہیں گے، اور اگر تو ٹیڑھی ہوگئی، تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔
عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ يَتَوَكَّلْ لِي مَاتَيْنِ لَخِيْبِيْهِ وَمَاتَيْنِ رَجُلِيْهِ اَتَوْا كُلُّ لَهْ بِالْجَنَّةِ۔
حضرت اہل بن سعد سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص مجھے اس چیز کی ضمانت دے، جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان کی) اور اس چیز کی، جو اس کے دونوں پاؤں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ کی)، کہ انہیں غلط استعمال نہیں کریگا) تو میں اس کے لئے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ وَفَّاهُ اللَّهُ شَرَّ مَا بَيْنَ لَخِيْبِيْهِ وَشَرَّ مَا بَيْنَ رَجُلِيْهِ وَدَخَلَ الْجَنَّةَ۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ اس چیز کے شر سے جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے اور اس کے شر سے، جو اس کے دونوں پاؤں کے درمیان ہے، بچالے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

عَنْ سَهْلَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ: حَدِّثْنِي بِأَمْرٍ أَغْتَصِمُ بِهِ۔ قَالَ: قُلْ: رَبِّیْ اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقِم۔
قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: مَا أَخَوْفُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ؟ فَأَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهِ ثُمَّ قَالَ: هَذَا۔

حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: مجھے ایسا کوئی امر بتادیتجئے، جسے میں مضبوطی سے پکڑ لوں (اور میری نجات ہو جائے) آپ نے فرمایا: تو کہہ کہ میرا رب اللہ ہی ہے، اور پھر اس پر ثابت قدم رہ، فرماتے ہیں: پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: وہ چیز کیا ہے، جس کے بارے میں آپ مجھ پر سب سے زیادہ خوف

کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک پکڑی، اور فرمایا: وہ یہ چیز ہے۔

عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: لا تكثير الكلام بغير ذكر الله، فإن كثرة الكلام بغير ذكر الله قسوة للقلب، وإن أبعد الناس من الله القلب القاسي۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ کلام نہ کر، کیونکہ ذکر اللہ کے بغیر کثرت کلام دل کے سخت ہونے کا باعث ہے، اور بے شک لوگوں میں سے سب سے زیادہ، اللہ سے دور، وہ شخص ہے جو سخت دل والا ہو۔

عن أم حبيبة زوج النبي ﷺ عن النبي ﷺ: قال: كلام ابن آدم عليه، لا، له، إلا أمر بمغزوف أو نهى عن المنكر أو ذكر الله۔

زوجہ مطہرہ حضرت ام حبیبہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: ابن آدم کے ہر کلام (کا ضرر و وبال) اس پر ہے، وہ اس کے لئے فائدے مند نہیں، سوائے نیکی کے حکم کے یا برائی سے منع کرنے کے یا اللہ کے ذکر کے۔ مشکل الفاظ کے معنی: املک: (یہ باب ضرب سے میخدا مر ہے)۔ لیسعک: تو قابو میں رکھ، چاہیے کہ وہ تجھے کافی ہو۔ تکفرو اللسان: سارے اعضاء زبان کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہوتے ہیں۔ نحن بک: ہم آپ سے متعلق ہیں۔ ان استقمتم: اگر تو سیدھی رہے گی۔ ان اعوججت: اگر تو ٹیڑھی ہو گئی۔ من يتوكل لي: جو مجھے گارنٹی اور ضمانت دے۔ اعتصم به: میں اسے مضبوطی سے پکڑ لوں۔ القلب القاسي: سخت دل، بے رحم دل، پتھر جیسا سخت دل۔ علیہ لاله: اسی ضرر وہ وبالہ علیہ و لیس لہ نفع فیہ یعنی اس کلام کا ضرر و نقصان اور اس کا وبال اس پر ہے، اور اس میں اس کا کوئی نفع نہیں۔

ما أخوف..... کی ترکیب نحوی

”ما“ استفہامیہ مبتدأ، ”أخوف“ مضاف، ”ما“ موصولہ، تخافى فعل، انت ضمیر فاعل ”علی“ جار مجرور فعل سے متعلق، جملہ ہو کر، صلہ موصول مل کر ”أخوف“ کا مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر خبر، جملہ اسمیہ خبریہ۔

زبان کو قابو میں رکھنے کا حکم

اس باب کی احادیث میں زبان کی حفاظت اور اسے اپنے قابو میں رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ نے تین چیزوں کا حکم دیا:

- (۱) اپنی زبان کو غلط استعمال نہ کرو، اسے اپنے کٹر دل اور قابو میں رکھو، تاکہ فضول بات، جھوٹ، غیبت وغیرہ سے بچاؤ رہے۔
- (۲) فتنوں کے دور میں حتی الامکان اپنے گھر میں ہی رہو، بس ضرورت کے لئے باہر جاؤ اور پھر گھر میں واپس آ جاؤ، بری مجلس

اور برے دوستوں سے یکسوئی اختیار کر دے تو بہت سے گناہوں سے بچ جاؤ گے۔

(۳) جب کوئی غلطی ہو جائے تو فوراً اللہ کے سامنے ندامت کے انکسار بہاؤ، خوب توجہ سے گڑبگڑ کر، تواضع و لجاجت سے اپنے گناہ کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لو۔

فان الاعضاء کلہا تکفر اللسان

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان ہی سارے اعضاء کی سردار ہے، جبکہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ سارے اعضاء کا دار و مدار دل پر ہے کہ اگر دل درست ہو تو جسم کے تمام اعضاء بھی درست اور صالح رہتے ہیں اور اگر دل خراب ہو تو سارے اعضاء بھی ناکارہ اور تباہ ہو جاتے ہیں، تو بظاہر ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں دل ہی سارے اعضاء کا سردار ہے مگر اس کا ترجمان اور خلیفہ چونکہ زبان ہے، اس لئے اس حدیث میں مجازاً زبان کو سارے اعضاء کی اصل قرار دیا گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے شفی الطیب الریض اس میں مجازاً شفا کی نسبت طیب کی طرف کی گئی ہے، ورنہ حقیقت میں تو شافی، اللہ کی ذات ہے، ایسے ہی زبان کی طرف بھی یہ نسبت مجازاً ہے، کہ جس طرح دل کے درست اور خراب ہونے کا اثر تمام اعضاء پر پڑتا ہے، اسی طرح زبان کا بناؤ اور بگاڑ بھی جسم کے تمام اعضاء کو بنانا اور بگاڑتا ہے، اس وجہ سے سارے اعضاء زبان سے بڑی عاجزی سے درخواست کرتے ہیں، کہ تو سیدھی رہنا کہ تیری ہی وجہ سے ہمارے اوپر آفت آتی ہے۔ (۱)

اور فرمایا کہ جو شخص مجھے اس بات کی ضمانت دے دے کہ میں زبان اور شرمگاہ کو غلط استعمال نہیں کروں گا تو میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں کیونکہ یہ دونوں چیزیں ہر قسم کے فساد اور خرابی کی بنیاد ہیں۔
زبان کو اللہ کے ذکر اور تلاوت میں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں استعمال کرنا چاہیے کیونکہ اس کے بغیر جو بھی کلام ہے، اس کا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں، بلکہ وہ اس کے لئے باعث حسرت و افسوس ہوگا۔

فسوة للقلب اس کے معنی یہ ہیں کہ ذکر اللہ کے بغیر جب زیادہ کلام کیا جائے، تو دل سخت ہو جاتا ہے کہ وہ حق بات کو قبول نہیں کرتا، نہ ہی حق بات کی طرف مائل ہوتا ہے، خوف خدا اور خشیت اس میں نہیں رہتی، آخرت سے غافل اور دنیا کی طرف اس کا میلان زیادہ ہو جاتا ہے۔

کلام ابن آدم علیہ لالہ..... ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تین قسم کے کلام کے علاوہ ہر قسم کے کلام بے فائدہ ہیں، حالانکہ بہت سے کلام مباح ہیں اور شرعاً ان کی اجازت ہے تو پھر اس حدیث کے کیا معنی ہیں؟
اس روایت کے تین معنی بیان کئے گئے ہیں:

(۱) یہ روایت مبالغہ اور تاکید پر محمول ہے، ان تین کلاموں کے علاوہ دیگر کلام کی نفی کرنا مقصود نہیں، اس بات کی تاکید پیش نظر

ہے کہ ایک مسلمان کو زیادہ تر ان تین طرح کے کلاموں کے اندر ہی رہنا چاہیے، اپنی زبان سے ایسی کوئی بات نہ نکالے، جو دنیا اور آخرت دونوں کے اعتبار سے یا کم از کم دنیاوی لحاظ سے درست اور مفید نہ ہو۔

(۲) بعض کی رائے یہ ہے کہ کل کلام ابن آدم علیہ لالہ میں ”لالہ“ یہ ”علیہ“ کی تفسیر و توضیح ہے، مطلب یہ ہے کہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ذکر اللہ کے علاوہ باقی جو مباح کلام ہیں، ان کا آخرت میں کوئی نفع اور فائدہ نہیں ہوگا اگرچہ دنیا میں اس سے کوئی نہ کوئی فائدہ اور غرض وابستہ ہوتی ہے۔

(۳) بعض کے نزدیک اس حدیث میں عبارت مقدر ہے یعنی کل کلام ابن آدم حسرة علیہ لا منفعة له فیہ الا المذکورات و أمثالها، یعنی ابن آدم کا ہر کلام اس کے لئے باعث حسرت اور افسوس ہوگا، سوائے امر بالمعروف..... اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے: لَا تَخِزْ لِي كَثِيرٌ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ۔ (۱)

باب

عَنْ أَبِي جَحْفَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَيْنَ سَلْمَانَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ، فَوَارَ سَلْمَانُ أَبَا الدَّرْدَاءِ، فَوَارَى أُمُّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَذِّلَةً. قَالَ: مَا شَأْنُكَ مُتَبَذِّلَةً؟ قَالَتْ: إِنَّ أَحَاكَ أَبَا الدَّرْدَاءِ لَيْسَ لَهُ حَاجَةٌ فِي الدُّنْيَا، قَالَتْ: فَلَمَّا جَاءَ أَبُو الدَّرْدَاءِ قَرَّبَ إِلَيْهِ طَعَامًا فَقَالَ: كُلْ فَإِنِّي صَائِمٌ، قَالَ مَا أَنَا بِكَافٍ حَتَّى تَأْكُلَ، قَالَ: فَتَأْكُلُ. فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ ذَهَبَ أَبُو الدَّرْدَاءِ لِيَقُومَ، فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ: نَمَ فَنَامَ. ثُمَّ ذَهَبَ لِيَقُومَ قَالَ لَهُ: نَمَ فَنَامَ. فَلَمَّا كَانَ عِنْدَ الصُّبْحِ، فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ: قُمِ الْآنَ، فَقَامَا فَصَلَّيَا. فَقَالَ: إِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِصَبِيكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنْ لَا أَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ. فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ: فَلَذَكَرَا ذَلِكَ لَهُ: فَقَالَ: صَدَقَ سَلْمَانُ۔

حضرت ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سلمان اور ابو الدرداء کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا، حضرت سلمان ابو الدرداء کی ملاقات کے لئے آئے، تو ام الدرداء کو پچھنے پرانے پڑوس میں دیکھا تو پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے کہ پچھنے پرانے پڑے پہن رکھے ہیں؟ کہنے لگی: بے شک تمہارے بھائی ابو الدرداء کو دنیا کی کوئی ضرورت نہیں، پھر جب ابو الدرداء آئے تو انہوں نے (سلمان کے سامنے) کھانا قریب کیا اور کہا: کھائیے، کیونکہ میں تو روزے سے ہوں، سلمان نے کہا، میں نہیں کھاؤں گا یہاں تک کہ آپ کھائیں، سلمان کہتے ہیں کہ ابو الدرداء نے کھایا، پھر جب رات ہوئی تو ابو الدرداء جانے لگے تاکہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھیں، تو حضرت سلمان نے ان سے فرمایا: سو جائیے، چنانچہ وہ سو گئے، پھر جانے لگے تاکہ نماز پڑھیں، تو حضرت سلمان نے ان سے فرمایا: سو جائیے، وہ سو گئے، جب صبح کا وقت

ہوا تو حضرت سلمان نے ان سے فرمایا: اب اٹھو، چنانچہ وہ دونوں اٹھے اور نماز پڑھی، پھر حضرت سلمان نے ان سے فرمایا: بیشک آپ پر آپ کے نفس کا حق ہے، اپنے رب کا حق ہے، مہمان کا حق ہے، اور بے شک آپ پر آپ کی بیوی کا بھی حق ہے، لہذا ہر حقدار کا حق ادا کیجئے، پھر دونوں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعے کا دونوں نے آپ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: سلمان نے سچ کہا ہے۔

حضرت سلمان کی حضرت ابو الدرداء کو چند اہم نصیحتیں

نبی کریم ﷺ نے حضرت سلمان اور ابو الدرداء کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصحاب مغازی نے ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان مواخاۃ اور بھائی چارہ دو مرتبہ واقع ہوا تھا، پہلی مرتبہ ہجرت سے پہلے مہاجرین کے درمیان اس بات پر بھائی چارہ قائم کیا گیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے غمخوار اور مددگار ہوں گے، چنانچہ زید بن حارثہ اور حمزہ بن عبد المطلب کے درمیان ہجرت سے پہلے بھائی چارہ اسی پر ہوا تھا، دوسری مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے پانچ ماہ کے بعد مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی بندی قائم فرمائی تھی۔

اسی بھائی چارے کی بنیاد پر حضرت سلمان حضرت ابو الدرداء کے ہاں تشریف لائے، مگر میں صرف اہلیہ تھیں، حضرت ابو الدرداء نہیں تھے، حضرت سلمان نے دیکھا کہ ام الدرداء نے نہایت چھٹے پرانے میلے کچیلے کپڑے پہن رکھے ہیں، پوچھا کہ ایسا کیوں؟ ام الدرداء نے عرض کیا کہ آپ کے بھائی ابو الدرداء کو دنیا سے کوئی حاجت اور تعلق ہی نہیں، ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ وہ دن کو روزہ اور رات کو قیام کرتے ہیں، میری طرف تو جہی نہیں کرتے کہ میں ان کے لئے بن سنور کر رہوں، اتنے میں حضرت ابو الدرداء تشریف لے آئے، اپنے بھائی سلمان کے سامنے کھانا رکھا اور کہا کہ آپ کھائیں، میں تو روزے سے ہوں، سلمان نے فرمایا کہ میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک کہ آپ میرے ساتھ نہ کھائیں، چنانچہ پھر انہوں نے نفلی روزہ توڑ کر کھانا کھایا، پھر جب رات ہوئی تو ابو الدرداء نے رات میں عبادت کے لئے اٹھنا چاہا تو حضرت سلمان نے بار بار اٹھنے سے روک دیا اور سونے کا فرما دیا، پھر صبح کے وقت دونوں حضرات اٹھے، اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کی، حضرت سلمان نے یہ سارا کچھ اس لئے کیا تاکہ حضرت ابو الدرداء اعتدال پر آجائیں، کیونکہ ان پر عبادت کا غلبہ اس قدر طاری تھا کہ ان سے کچھ حقوق میں کوتاہی ہو رہی تھی، تو خیر خواہی کے جذبے سے حضرت سلمان نے انہیں چند چیزوں کی نصیحت فرمائی کہ آپ پر آپ کے نفس کا حق ہے، لہذا رات کے وقت کچھ سو یا بھی کرو، آپ پر اپنے پروردگار کا بھی حق ہے کہ اعتدال کے ساتھ اس کی عبادت کی جائے، مہمان کا بھی حق ہے کہ اسے بھی آپ کچھ وقت دیں اور آپ کی بیوی کا بھی آپ پر حق ہے کہ اس کے ساتھ آرام کیا کریں، اس کے جذبات کو تسکین دیا کریں، لہذا جس جس کا بھی آپ پر حق ہے، اس کا حق ادا کریں۔

پھر ان دونوں نے آپ ﷺ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سلمان نے سچ کہا ہے،

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے یہ واقعہ آپ ﷺ کے سامنے عرض کیا جبکہ سنن دارقطنی کی روایت میں ہے کہ نماز کے بعد حضرت ابوالدرداء نبی کریم ﷺ کے قریب ہوئے تاکہ آپ کے سامنے یہ سارا واقعہ بیان کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوالدرداء: ان لجسدک علیک حقاً..... اس روایت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وحی کے ذریعہ آپ کو یہ سارا واقعہ بتا دیا گیا تھا، بظاہر ان دونوں باتوں میں تعارض ہے؟

اس تعارض کا حل یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو پہلے سے اس واقعہ کا علم، وحی یا کشف کے ذریعہ ہو چکا ہو، اور ابوالدرداء نے بھی ذکر کر دیا ہو، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا صدق سلمان، فرمایا متبذلہ، سلمان نے ام الدرداء کو پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھا، ممکن ہے کہ یہ واقعہ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے پیش آیا ہو، اور اگر پردے کے احکام نازل ہو چکے ہوں، تب بھی اشکال نہیں، کیونکہ پھٹے پرانوں کپڑوں پر واقفیت پردے کے باوجود ہو سکتی ہے۔

ام الدرداء: ان کا نام خیرہ بنت ابی حدرد اسلمیہ ہے، یہ صحابیہ ہیں اور نبی کریم ﷺ سے روایات بھی نقل کی ہیں، ابوالدرداء کی ان سے پہلے وفات ہوئی، حضرت ابوالدرداء کی ایک اور بیوی تھی، اسے بھی ام الدرداء کہا جاتا تھا، ان کا نام ”ہجیمہ“ ہے، یہ تابعیہ ہیں، اور ابوالدرداء کی وفات کے بعد کافی عرصہ حیات رہیں، اور ابوالدرداء سے انہوں نے روایات بھی نقل کی ہیں۔ (۱)

حدیث باب سے چند امور کا ثبوت

اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور کا جواز ثابت ہوتا ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

- (۱) اللہ کے لئے بھائی چارہ قائم کرنا جائز ہے۔ (۲) ضرورت کے وقت دوست کے پاس ملاقات کے لئے جانا اور وہاں رات گزارنا درست ہے۔ (۳) غیر محرم عورت سے ضرورت کی گفتگو کرنا، اور اصلاح کی غرض سے اس کے حالات بھی دریافت کئے جاسکتے ہیں۔ (۴) مسلمان بھائی کو نصیحت کرنا اور اسے دین کے معاملات میں کوتاہی سے آگاہ کرنا چاہیے۔ (۵) عورت اپنے شوہر کے لئے اچھا لباس اور زیب و زینت اختیار کر سکتی ہے۔ (۶) شوہر پر اپنی بیوی کا یہ حق ہے کہ اس کے ساتھ رات کو سوئے اور تعلقات قائم کرے۔ (۷) مستحب عمل سے روکنا جائز ہے، جبکہ اس میں مشغولیت کی وجہ سے فرض یا واجب عمل میں کوتاہی لازم آ رہی ہو۔ (۸) نماز پڑھنے سے روکنا، اس وقت ممنوع ہوتا ہے، جب بغیر کسی شرعی وجہ کے محض ظلم اور زیادتی کی وجہ سے روکا جائے۔ (۹) نفس پر حد سے زیادہ عبادات کا بوجھ ڈالنا مکروہ ہے۔ (۱۰) اس پوری حدیث میں اعتدال کا درس ہے کہ ہر معاملے میں میمانہ روی اختیار کی جائے خواہ وہ دنیوی معاملہ ہو یا دینی معاملہ ہو۔ (۲)

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۱، فتح الباری ۲/۲۶۳، کتاب الصوم، باب من أقسم علی أخیه۔۔۔

(۲) تحفۃ الاحوذی ۸/۲، فتح الباری ۲/۳۶۵۔

باب

عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ قَالَ: كَتَبْتُ مُعَاوِيَةَ إِلَى عَائِشَةَ أَنْ تَكْتُبِيَ إِلَيَّ كِتَابًا، تُوصِينِي فِيهِ وَلَا تُكْذِبِي عَلَيَّ، قَالَ: فَكَتَبْتُ عَائِشَةَ إِلَى مُعَاوِيَةَ: سَلَامٌ عَلَيْكَ أَمَا بَعْدُ لِمَ أَتَانِي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ التَّمَسَّ بِرِضَا اللَّهِ يَسْخَطِ النَّاسَ، كَفَاهُ اللَّهُ مَوْنَةَ النَّاسِ، وَمَنْ التَّمَسَّ بِرِضَا النَّاسِ يَسْخَطِ اللَّهُ، وَتَحْلَهُ اللَّهُ إِلَى النَّاسِ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ۔

مدینہ منورہ کے ایک آدمی کا کہنا ہے کہ حضرت معاویہ نے حضرت عائشہ کی طرف لکھا کہ مجھے ایک ایسا خط لکھئے، جس میں آپ مجھے وصیت کریں اور مجھ پر کثرت نہ کریں، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ ؓ نے حضرت معاویہ کو لکھا: ”آپ پر سلام ہو، اما بعد: بے شک میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: جو شخص اللہ کی رضا کو لوگوں کی ناراضگی میں طلب کرے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے بوجھ اور مشقت سے اس کی کفایت کرتے ہیں اور جو شخص لوگوں کی خوشنودی کو اللہ کی ناراضگی میں چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کے حوالے کر دیتے ہیں، اور آپ پر سلام ہو۔“

مشکل الفاظ کے معنی: تو صہنی فیہ: اس تحریر میں مجھے نصیحت و وصیت کیجئے۔ وَلَا تُكْذِبِي عَلَيَّ: اور مجھ پر کثرت نہ کیجئے یعنی زیادہ لمبی وصیت نہ کریں، مختصری نصیحت ہو، تاکہ میں اس پر عمل کر سکوں۔ التَّمَسَّ بِرِضَا اللَّهِ: تلاش کرے، چاہے۔ سَخَطُ: ناراضگی، ناگواری، غصہ۔ مَوْنَةُ: بوجھ، کلفت، مشقت۔

حضرت معاویہ کی طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خط

حضرت عائشہ ؓ نے حضرت معاویہ کی طرف خط میں دو باتیں لکھیں:

(۱) جو شخص ہر معاملے میں اللہ کی رضا کو مقدم رکھتا ہے، لوگوں کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ خوش ہیں یا ناراض، تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو لوگوں کی تکلیف و ایذا سے محفوظ رکھتا ہے، کیونکہ یہ حزب اللہ یعنی اللہ والوں کی جماعت میں شامل ہو چکا ہے، اور جو اللہ کا ہو جائے، وہ کبھی نامراد و ناکام نہیں ہوتا، اِلَّا اِنْ حِزَبَ اللَّهُ هُمْ الْمُفْلِحُونَ۔

(۲) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے ہر وقت لوگوں کی خوشنودی کے پیچھے پڑا رہے، تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس پر مسلط فرما دیتے ہیں اور لوگوں کی تکلیف و ایذا سے اس کی حفاظت نہیں فرماتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کامیاب مسلمان وہی ہے جو ہر وقت اپنے رب کو راضی کرنے کی فکر اور کوشش میں لگا رہے، یہی چیز اس کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں باعث عافیت اور ذریعہ نجات ہے۔ (۱)

أَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ

قیامت کی صفت سے متعلق احادیث پر مشتمل ابواب

بَابُ مَا جَاءَ فِي شَأْنِ الْحِسَابِ وَالْقَصَاصِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جو حساب اور بدلہ کی شان اور حالت کے بارے میں ہیں۔

عَنْ عَبْدِ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا مِنْكُمْ مِنْ رَجُلٍ إِلَّا سَيَكْلِمُهُ رَبُّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ، ثُمَّ يَنْظُرُ أَيْمَنَ مِنْهُ فَلَا يَرَى شَيْئاً إِلَّا شَيْئاً قَدَّمَهُ، ثُمَّ يَنْظُرُ أَشْأَمَ مِنْهُ فَلَا يَرَى شَيْئاً إِلَّا شَيْئاً قَدَّمَهُ، ثُمَّ يَنْظُرُ بِلِقَاءِ وَجْهِهِ فَتَسْتَقْبِلُهُ النَّارُ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَقِيَ وَجْهَهُ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ۔

عبدی بن حاتم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا، جس سے اس کا پروردگار قیامت کے دن (براہ راست) ہم کلام نہ ہو، اس کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان (بھی) نہ ہوگا (کہ جو ہر ایک کو دوسرے کا مفہوم سمجھائے)، پھر بندہ اپنی داہنی جانب دیکھے گا تو اسے وہ چیز نظر آئے گی، جو اس نے آگے بھیجی ہوگی (یعنی نیک اعمال)، پھر وہ اپنی بائیں جانب نظر ڈالے گا تو اس کو وہ چیز نظر آئے گی، جو اس نے آگے بھیجی ہوگی (یعنی برے اعمال) پھر (جب) وہ اپنے چہرے کے سامنے دیکھے گا، تو آگ اس کے سامنے ہوگی، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ وہ اپنی ذات کو جہنم کی آگ سے بچائے، تو اسے ایسا کرنا چاہیے، اگرچہ کھجور کے ایک گلڑے ہی سے کیوں نہ ہو۔

حَدَّثَنَا أَبُو السَّائِبِ، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ يَوْمَ هَذَا الْحَدِيثِ عَنِ الْأَعْمَشِ، فَلَمَّا فَرَغَ وَكِيعٌ مِنْ هَذَا الْحَدِيثِ قَالَ: مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ خُرَاسَانَ فَلْيَخْتَسِبْ لِي إِظْهَارِ هَذَا الْحَدِيثِ بِخُرَاسَانَ، قَالَ أَبُو عِيْسَى: لِأَنَّ الْجَهَنِمِيَّةَ يَنْكُرُونَ هَذَا۔

ابو السائب کہتے ہیں کہ ایک دن وکیع نے یہ حدیث اعمش سے روایت کر کے ہمارے سامنے بیان کی تو حدیث سے فارغ ہو کر فرمایا: یہاں پر خراسان کا جو باشندہ ہو، اسے چاہیے کہ ثواب کی نیت سے خراسان میں یہ حدیث بیان کرے، امام ترمذی فرماتے ہیں: اس لئے کہ (خراسان میں) جہیمہ (ہیں، جو) اس (یعنی کلام اللہ) کا انکار کرتے ہیں۔

مشکل الفاظ کی تشریح: حساب: اس کے معنی ہیں: گننا اور شمار کرنا، اور یہاں مراد ہے قیامت کے دن بندوں کے اعمال کو شمار کرنا اور ان کا حساب کرنا، یوں تو اللہ تعالیٰ کو سب ہی کچھ معلوم ہے کہ ہر انسان نے کیا کچھ کیا ہے، لیکن لوگوں پر ظاہر کرنے کے لئے

اعمال کا حساب ہوگا تاکہ انسان پر حجت قائم ہو جائے اور سب کے سامنے یہ واضح ہو جائے کہ دنیا میں کس نے کیا کچھ کیا ہے اور کون کس درجہ کا آدمی ہے، قیامت کا یہ حساب چونکہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اس لئے مومن ہونے کے لئے اس کا عقیدہ رکھنا بھی واجب ہے۔ قصاص: (قاف کے نیچے زیر): بدلہ، یعنی جس شخص نے جیسا کیا ہے اس کے ساتھ بھی ویسا ہی کیا جائے، یہ قصاص کہلاتا ہے، لہذا دنیا میں جس نے جس کے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہوگا، خواہ اس کو ستایا ہو، جسائی اور روحانی طور پر کسی بھی طرح تکلیف پہنچائی ہو قیامت کے دن اس سے اس کا بدلہ لیا جائے گا۔ ایمن: داہنی جانب۔ أشام: بائیں جانب۔ تلقاء: مقابل، آمنے سامنے۔ تسقبلہ: آگ اس کے سامنے ہوگی۔ یقی: وہ بچائے۔ بشق تمرۃ: کھجور کے ٹکڑے سے ہی۔ تو جمان: بات سمجھانے والا، ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے والا۔ فلیحتسب: چاہیے کہ وہ اللہ سے ثواب طلب کرے۔

قیامت کے دن ہر انسان اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہمکلام ہوگا

اس حدیث سے تین امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر انسان سے بغیر کسی واسطہ کے براہ راست کلام کرے گا، درمیان میں نہ تو کوئی حجاب اور مانع ہوگا اور نہ ہی کوئی ترجمان ہوگا۔

یہ جمہور المسنت کا مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے دیگر صفات کی طرح صفت کلام بھی ثابت ہے، صرف جمیہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرتے ہیں، یہ ایک گمراہ فرقہ ہے جس کا سربراہ جہم بن صفوان ہے، ان کا کہنا ہے کہ انسان کو اپنے افعال پر کوئی قدرت واختیار نہیں، بلکہ وہ محض جبر کی طرح ہے، انہیں ”جبریہ“ بھی کہا جاتا ہے، پھر اس سربراہ کو ہشام بن عبد الملک کے زمانے میں قتل کر دیا گیا، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات کے منکر ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے مختلف صفات ثابت کی جائیں، تو اس سے لازم آئے گا کہ کئی خدا ہیں، کیونکہ صفات کے متعدد ہونے سے موصوف کا متعدد ہونا لازم آتا ہے۔

یہ ایک فضول بات ہے کیونکہ ایک موصوف کے لئے کئی صفات ثابت ہو سکتی ہیں لہذا یہ فلسفہ کہ تعدد صفات سے موصوف کا متعدد ہونا لازم آئے گا، بالکل لغو بات ہے، چنانچہ جمیہ کے ہاں اللہ تعالیٰ کے لئے صفت کلام بھی ثابت نہیں، ان کے نزدیک قرآن مجید بھی اللہ کا کلام نہیں بلکہ وہ مخلوق ہے، اور حدیث باب میں چونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا ذکر ہے کہ وہ آخرت میں ہر انسان سے براہ راست کلام فرمائیں گے، اس لئے کتب نے یہ حدیث بیان کر کے خاص طور پر اہل خراسان سے یہ فرمایا کہ وہ اسے خراسان میں ضرور بیان کریں کیونکہ وہاں اکثر جمیہ ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کی طرح صفت کلام کا بھی انکار کرتے ہیں، جبکہ اس حدیث میں صراحتہً اللہ تعالیٰ کے کلام کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں تفصیلی کلام ابواب القدر، باب ماجاء ان القلوب بین اصبعی الرحمن میں گذر چکا ہے۔

(۲) اور انسان اپنی دائیں جانب نیک اعمال اور بائیں جانب برے اعمال اور سامنے آگ دیکھے گا، کیونکہ جب کوئی شخص کسی

سخت صورتحال سے دو چار ہوتا ہے اور کسی مشکل میں پھنسا ہوتا ہے تو دائیں بائیں دیکھنے لگتا ہے، قیامت کے دن چونکہ ہر بندے کو ایک سخت ترین مرحلہ درپیش ہوگا، اس لئے وہ بھی دائیں بائیں دیکھے گا، دائیں طرف اسے اپنے نیک اعمال اور بائیں طرف اپنے برے اعمال دکھائی دیں گے اور سامنے کی طرف اسے آگ نظر آئے گی، اس آگ کے اوپر پل صراط ہوگی، جہاں سے اسے ضرور گذرنا ہے، لہذا اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ میں اس آگ کے شر سے محفوظ رہوں اور پرسکون طریقے سے پل صراط پر سے گذر جاؤں تو اسے چاہیے کہ وہ اس دنیا میں نیک اعمال کرے اور اللہ کی نافرمانی سے کھل پرہیز کرے، تاکہ وہ جہنم کی آگ سے بچ سکے۔

(۳) نبی کریم ﷺ نے تاکید فرمائی کہ تم سے جس قدر ہو سکے، اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اور کچھ نہیں تو کجگور کا ایک ٹکڑا صدقہ کر کے ہی اپنے آپ کو عذاب جہنم سے بچالو، ولو بشفق تمرۃ سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ معمولی اور چھوٹی چیز بھی صدقہ کر دو، کیونکہ صدقہ آگ کو بجھاتا ہے، لہذا کسی بھی معمولی نیکی اور صدقہ سے جہنم کی آگ سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ (۱)

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ، حَتَّى يَسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ: عَنْ غَمْرٍ وَفِيمَا أَتَفَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ۔

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن کسی انسان کے قدم اللہ تعالیٰ کے پاس سے اس وقت تک نہیں ہٹ سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں سے متعلق پوچھ نہ لیا جائے گا، اس کی عمر کے بارے میں (سوال ہوگا) کہ اسے کس چیز میں صرف کیا، اس کی نوجوانی کے بارے میں کہ اسے کہاں ضائع کیا ہے، اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے اسے کمایا اور کس چیز میں اسے خرچ کیا، اور اس علم پر کتنا عمل کیا، جو اس نے جانا ہے (یعنی جو اس نے سیکھ لیا ہے)۔

عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ حَتَّى يَسْأَلَ عَنْ غَمْرٍ وَفِيمَا أَتَفَاهُ، وَعَنْ عِلْمِهِ فِيمَا فَعَلَ، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ، وَعَنْ جَسَمِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ۔

ابو بزرہ اسلمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی شخص کے قدم (اللہ تعالیٰ کے پاس سے) نہیں ہٹ سکیں گے، یہاں تک کہ اس کی عمر کے بارے میں سوال ہوگا کہ اس نے کس چیز میں اسے صرف کیا، اس کے علم کے بارے میں سوال ہوگا کہ اس پر کتنا عمل کیا، اور اس کے مال کے بارے میں سوال ہوگا کہ اسے کہاں سے کمایا اور کس چیز پر خرچ کیا اور اس کے جسم کے بارے میں سوال ہوگا کہ کس چیز میں اسے بوسیدہ کیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: لا تَزُولُ: نہیں ہٹ سکیں گے۔ فِيمَا أَتَفَاهُ: کس چیز میں اسے صرف کیا، ابلاہ: ضائع کیا، بوسیدہ کیا۔ اکتسبہ: اسے کمایا، حاصل کیا۔

ہر شخص سے پانچ چیزوں کا سوال ہوگا

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر شخص سے پانچ چیزوں سے متعلق سوال ہوگا۔ (۱) اس نے عمر کس چیز میں صرف کی، نیکی کے کاموں میں یا اللہ کی نافرمانی میں۔ (۲) جوانی کہاں گنوائی، عبادت میں یا گناہوں میں۔ (۳) مال کس طریقے سے حاصل کیا ہے، جائز اور حلال طریقے سے یا حرام راستے سے۔ (۴) پھر اس مال کو کہاں خرچ کیا، جائز مقامات پر یا ناجائز جگہوں پر۔ (۵) جو کچھ اللہ نے اسے علم عطا فرمایا تھا، اس پر کتنا عمل کیا، کیونکہ علم کے مطابق اگر عمل نہ ہو، تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا بلکہ النایہ علم اس کے لئے وبال جان ثابت ہوتا ہے، لہذا جو شخص یہ چاہتا ہے کہ قیامت کے دن ان سوالوں کے صحیح جواب دے سکے، اسے چاہیے کہ دنیا میں ان پانچ چیزوں میں شرعی احکام کا لحاظ رکھے۔ (۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: أَتَذَرُونَ مِنَ الْمُفْلِسِ؟ قَالُوا: الْمُفْلِسُ فِينَا يَارَسُولَ اللَّهِ مِنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْمُفْلِسُ مِنْ أَتَيْتَ مِنْ أَتَيْتَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامَةٍ وَزَكَاةٍ، وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَأَكَلَ مَالَ هَذَا وَسَفَكَ دَمَ هَذَا، وَضَرَبَ هَذَا، فَيَقْتَضِ هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ فُتِحَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يَقْتَضِ مَا عَلَيْهِ مِنَ الْخَطَايَا، أَخَذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطَرَحَ عَلَيْهِ فَمَ طَرَحَ فِي النَّارِ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ (صحابہ سے) پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: ہمارے ہاں مفلس وہ شخص ہوتا ہے جس کے پاس نہ تو درہم (یعنی مال) ہو اور نہ ساز و سامان، آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے، جو قیامت کے دن نماز روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا (لیکن) اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، اور کسی کا مال (ناحق) کھایا ہوگا، اور کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا، وہ مفلس بیٹھے گا، تو (اصحاب حقوق میں سے) ہر ایک اس کی نیکیوں سے بدلہ لے گا، اور اگر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں قبل اس کے کہ ان برائیوں کا بدلہ اس کی نیکیوں سے لیا جائے، تو اصحاب الحقوق کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے، پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

اصل تنگدست

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل مفلس اور تنگدست وہ شخص ہے: جو قیامت کے دن بظاہر نیکیوں کے انبار لے کر آئے گا، لیکن اس نے چونکہ لوگوں کے حقوق تلف کئے ہوں گے، اس لئے اس کی نیکیاں اہل حقوق میں تقسیم کر دی جائیں گی، اور جب

نیکیاں ختم ہو جائیں گی، تو ان کے گناہ اس آدمی کے نامہ اعمال میں ڈال دیئے جائیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ گناہوں کے رجسٹروں کے ساتھ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اس لئے مسلمانوں کو چاہیے کہ فرائض و واجبات ادا کرنے کے ساتھ لوگوں کے حقوق کا مکمل لحاظ رکھیں، ان میں ہرگز کوتاہی نہ ہونے دیں، اور اگر خدا نخواستہ کسی سے کسی بندے کی حق تلفی ہو جائے تو دنیا کے اندر ہی اس معاملے کو نمٹالے، اس بندے سے معذرت کر لے اور اگر کچھ مال وغیرہ کھایا ہے تو وہ بھی اسے واپس کر دے، ایسے میں پھر آخرت میں اس سے باز پرس نہیں ہوگی۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی آیت ولا تنزروا ذرۃ و ذرۃ اخوی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک کا بوجھ، گناہ اور عذاب دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا جبکہ اس حدیث سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اصحاب حقوق کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے، بظاہر دونوں میں تعارض لازم آرہا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تعارض لازم نہیں آرہا، اس لئے کہ اس پر جو دوسروں کے گناہ ڈالے گئے ہیں یہ اس کے اپنے گناہوں کی وجہ سے ہے، اس نے ان کے حقوق تلف کئے ہیں اور دنیا سے معاف کرائے بغیر چلا گیا تو اولاً اس مفلس کی نیکیاں ان میں تقسیم کی جائیں گی، اور اگر پھر بھی اہل حق کے حقوق باقی ہوں اور اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو پھر ان کے گناہ اس کے نامہ اعمال میں ڈال دیئے جائیں گے تو یہ حقیقت میں اس کے اپنے جرم کا نتیجہ ہے، کہ دوسروں کے گناہ اس پر ڈالے گئے ہیں۔ (۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: رَحِمَ اللَّهُ عَبْدًا كَانَتْ لِأَخِيهِ عِنْدَهُ مَظْلَمَةٌ فِي عِزٍّ أَوْ مَالٍ، فَجَاءَهُ فَاسْتَحْلَهَ قَبْلَ أَنْ يُؤْخَذَ وَلَا يَنْزَلَ وَلَا يَرْهَمَ، فَإِنْ كَانَتْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ حَسَنَاتِهِ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ حَمَلُوا أَعْلَاهُ مِنْ سَيِّئَاتِهِمْ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جس نے اپنے کسی بھائی کی عزت یا مال میں کوئی ظلم کیا ہو پھر وہ اس کے پاس آئے اور اس کی معافی کرائے قبل اس کے کہ (قیامت کے دن) اس کا مواخذہ کیا جائے، اور وہاں (یعنی قیامت کے دن) تو نہ درہم ہوگا اور نہ دینار، اگر ظالم کے پاس نیکیاں ہوں گی تو وہ اس سے لے لی جائیں گی (اور مظلوم کو دیدی جائیں گی) اور اگر اس کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو وہ (یعنی اصحاب الحق) اس پر اپنی برائیاں ڈال دیں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: شتم: برا بھلا کہا، گالی گلوچ دیا۔ سفک: خون بہایا۔ یقتص: بدلہ لے گا۔ فنیت: ختم ہو جائیں۔ طرح: چینک دیا گیا، ڈال دیا گیا۔ مظلّمہ: ظلم۔ استحلہ: اس ظلم کو وہ حلال کر لے یعنی اس کی معافی کرائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَتُؤَذَّنَ الْحَقُّوقُ إِلَى أَهْلِهَا حَتَّى تُقَادَ الشَّاةُ الْجُلْحَاءُ مِنَ الشَّاةِ الْقَزَاءِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن حقداروں کو ان کے حقوق ادا کئے جائیں گے، یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کا بدلہ سینگ دار بکری سے لیا جائے گا۔
مشکل الفاظ کے معنی: لَقَوْذَنْ: (مجمول کا صیغہ ہے) ضرور بضرور ادا کئے جائیں گے۔ بقاد: بدلہ اور قصاص لیا جائے گا۔
الجلحاء: بغیر سینگوں والی بکری۔ القواء: سینگ دار بکری۔

قیامت کے دن ہر حق تلفی کا بدلہ لیا جائے گا

قیامت کے دن میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کا عدل و انصاف اس حد تک کار فرما ہوگا کہ انسانوں کے حقوق کا بدلہ تو لیا ہی جائے گا، حیوانات سے بھی حق تلفی کا بدلہ لیا جائے گا حالانکہ وہ تو انسان کی طرح مکلف نہیں ہیں، امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ظاہر سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ حیوانات کو بھی قیامت کے دن اٹھایا جائے گا، جیسا کہ قرآن میں ہے وَاِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ، لہذا اس حدیث کو ظاہر پر ہی محمول کیا جائے گا،

علامہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن حشر اور دوبارہ زندہ ہونے کے لئے جزاء و سزا اور ثواب کا ہونا ضروری نہیں۔
اور اس حدیث میں جس قصاص اور بدلہ کا ذکر ہے یہ اس طرح کا قصاص نہیں ہے جو مکلف سے لیا جاتا ہے بلکہ اس سے صرف مقابلہ کا قصاص اور بدلہ مراد ہے۔ (۱)
ابن مالک فرماتے ہیں کہ اس قصاص کے معنی یہ ہیں کہ قیامت کے دن بے سینگ والی بکری کو سینگ دار بکری کا سینگ دیا جائے گا، وہ اس سے اپنا بدلہ لے لے گی۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ حیوان جب مکلف ہی نہیں تو بکری سے قصاص لینے کے کیا معنی ہیں؟
اس کے جواب میں دو باتیں پیش نظر رہیں:

- (۱) اللہ تعالیٰ اپنے افعال پر قادر اور خود مختار ہے، وہ جو چاہے، جیسا چاہے، کر سکتا ہے، اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا۔
- (۲) حدیث میں بکری کے قصاص کے ذکر سے بندوں کو اس امر سے آگاہ کرنا مقصود ہے، کہ جب بکری سے بھی بدلہ لیا جائے گا، جو کہ احکام شرع کی مکلف نہیں ہے تو پھر انسان جو کہ مکلف ہے، اس سے کیسے بدلہ نہیں لیا جائے گا چنانچہ آخرت میں کسی کا کوئی حق ضائع نہیں ہوگا، بلکہ جس نے بھی کسی کا کوئی حق مارا ہوگا، اس کے ساتھ کوئی ظلم کیا ہوگا، تو اس سے اس حق تلفی اور ظلم کا بدلہ حقدار اور مظلوم کو ضرور دلا یا جائے گا، (۲)

(۱) مرقاة المفاتیح، باب الظلم، کتاب الاداب ۳۱۶/۹، شرح مسلم للنووی ۳۲۰/۲، کتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم،
تكملة فتنح للملم ۳۸۸/۵۔
(۲) مرقاة ۳۱۶/۹

بَاب

عَنِ الْمُقَدِّدِ صَاحِبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ أَذْنِبْتُ الشَّمْسُ مِنَ الْعِبَادِ حَتَّى يَكُونَ قَبْدٌ مِثْلُ أَوْ الثَّانِيَيْنِ، قَالَ سَلِيمُ بْنُ عَامِرٍ: لَا أَذْرى أَىِّ الْمِثْلَيْنِ عَنَى؟ أَمَسَافَةٌ الْأَرْضِ أَمْ الْجَمِيلُ الَّذِى تَكْتَحِلُ بِهِ الْعَيْنُ؟ قَالَ: فَتَضَاهَهُمُ الشَّمْسُ فَيَكُونُونَ فِي الْعَرَقِ بِقَدْرِ أَغْمَالِهِمْ: فَمِنْهُمْ مَنْ يَأْخُذُهُ إِلَى عَقِبِهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَأْخُذُهُ إِلَى رُكْبَتَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَأْخُذُهُ إِلَى حَقْوَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْجِئُهُ إِلَى جَنَاحَيْهِ، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يُشِيرُ بِيَدِهِ إِلَى فِيهِ، أَى يَلْجِئُهُ إِلَى جَنَاحَيْهِ.

حضرت مقداد کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب قیامت کا دن ہوگا، تو سورج کو بندوں کے قریب کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ ایک یا دو میل کے برابر فاصلہ رہ جائے گا، سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ معلوم نہیں آپ ﷺ نے کون سے میل مراد لئے ہیں، زمین کی مسافت والے یا سرمہ کی سلائی، جس سے آنکھوں میں سرمہ ڈالا جاتا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر سورج ان کو پگھلا نا شروع کر دے گا، چنانچہ لوگ اپنے اپنے اعمال کے بقدر پسینے میں ڈوبے ہوں گے، بعض کا پسینہ ایڑی تک، بعض کا گھٹنوں تک، بعض کا کوکھ تک اور بعض کا منہ تک ہوگا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے دست مبارک سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیکھا یعنی یہ پسینہ (گویا) اسے لگام ڈال دے گا۔

عَنِ ابْنِ عَمَرَ، قَالَ حَمَّادٌ: وَهُوَ عِنْدَنَا مَزَلُوعٌ {يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ} قَالَ: يَقُومُونَ فِي الرَّشَحِ إِلَى أَنْصَافِ أَذَانِهِمْ.

یہ روایت عبداللہ بن عمر سے منقول ہے، حماد کہتے ہیں: یہ حدیث ہمارے نزدیک مرفوع ہے اور اس آیت یوم يقوم الناس لرب العالمین (جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے) کی تفسیر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ پسینے میں کھڑے ہوں گے، جوان کے نصف کانوں تک ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ادنیٰ: (مجهول کا صیغہ ہے) سورج قریب کر دیا جائے گا۔ (میم کے نیچے زیر اور یاء ساکن) اس سے زمین والی مسافت مراد ہے یعنی میل، سرمہ کی سلائی۔ تصہرہم: سورج ان کو پگھلائے گا۔ عروق: (عین اور را پر زبر کے ساتھ) پسینہ۔ حقویہ: (حاء پر زبر اور قاف کے سکون کے ساتھ) حقو کا تشبیہ ہے: کوکھ، ازار باندھنے کی جگہ۔ یلجمہ: وہ پسینہ اس کو لگام پہنا دے گا، یعنی وہ پسینہ کی وجہ سے بول نہیں سکے گا۔ رشح: (را پر زبر اور شین کے سکون کے ساتھ) پسینہ۔ انصاف: نصف کی جمع ہے: آدھا، نصف۔

سورج ایک میل کے فاصلے پر ہوگا

قیامت کے دن کافر، گنہگار اور مجرم انسان اور جنات کو اذیت دینے کے لئے سورج کو ایک میل کے فاصلے پر قریب کر دیا جائے گا، سورج کی حرارت اور لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے بقدر پسینے میں ڈوبا ہوگا، ہر شخص کا پسینہ خرق عادت کے طور پر اسی تک محدود ہوگا، اس کا پسینہ کسی اور تک نہیں پہنچے گا، اور اس میں کوئی بحد نہیں، کیونکہ قیامت میں اکثر امور خرق عادت کے طور پر پیش آئیں گے، جیسے ایک قبر میں دو شخص ڈالے جائیں تو ایک عذاب میں ہوتا ہے اور دوسرا ناز و نعمت میں، ایسے ہی پسینہ کا معاملہ ہوگا، جیسا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے خرق عادت کے طور پر دریائے نیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے لئے گزرنے کا راستہ بنا دیا تھا، جبکہ دوسرے لوگ اس راستے سے نہیں گزر سکتے تھے، یہ پسینہ بعض کا ایڑی تک، کمر اور کونکھ تک، اور بعض کا گھٹنے اور منہ تک پہنچا ہوگا، بعض حضرات کے نزدیک بعض لوگوں کی زمین اونچی کر دی جائے گی، جس سے ان کا پسینہ زیادہ اوپر نہیں ہوگا اور بعض کی زمین نیچے کر دی جائے گی، اگر اس قول کو لیا جائے تو یہ بھی خرق عادت کے قبیل سے ہے۔

دوسری حدیث میں حضرت حماد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یوم یقوم الناس لزوب العالمین کی تفسیر و تشریح ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: اس دن وہ لوگ اپنے اپنے پسینے سے شرابور ہوں گے، اور بعض لوگوں کا پسینہ کانوں کے نصف تک پہنچا ہوگا۔ اس پسینے میں سب سے شدید تکلیف کفار کو ہوگی، پھر کبیرہ گناہ کے مرتکب مسلمانوں کو پھر..... اور مسلمانوں کی تعداد اس عذاب میں کفار کے مقابلے میں نہایت قلیل ہوگی۔

ملاحظی قاری فرماتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ انبیاء، شہداء اور کامل ایمان والے مسلمان یعنی اولیاء اللہ اور جسے اللہ چاہے، اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي شَأْنِ الْحَشْرِ

یہ باب قبروں سے اٹھائے جانے کی حالت کے بارے میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَحْشُرُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَفَاةٌ، غَوَاةٌ، غَزَلَاءٌ، كَمَا خُلِقُوا اَوَّلَ مَرَّةٍ: {كَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَغَدَا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاَعِلِينَ} وَ اَوَّلُ مَنْ يَكْسَى مِنَ الْخَلَائِقِ اَبْرَاهِيمُ، وَيُؤْخَذُ مِنْ اَصْحَابِي بِرِجَالِ ذَاتِ الْيَمِينِ وَ ذَاتِ الشِّمَالِ، فَاَقُولُ يَا رَبِّ: اَصْحَابِي! لَقِيََالَ: اِنَّكَ لَا تَذَرِي مَا اخَذْتُمَا بَعْدَكَ، اِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلٰى اَعْقَابِهِمْ مِنْذُ فَاَرَقْتَهُمْ، فَاَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ: اِنْ فَعَلْتُ بِهِمْ

(۱) تحفة الاحوذی ۸۹/۷، مرقاة ۱۰/۱۹۷، کتاب احوال القیامۃ، باب الحشر، تکملة فتح للملهم ۲۲۶/۲ کتاب الجنة، باب فی صفۃ یوم القیامۃ

فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرَ لَهُمْ فَمَا أَنْتَ بِغَافِرٍ ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کو برہنہ پا، ننگے جسم اور بغیر عتقے کے اٹھایا جائے گا، جس طرح کہ انہیں پیدا کیا گیا، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کیا تھا، اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے، جسے ہم ضرور پورا کریں گے) اور مخلوق میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے، اور میرے صحابہ میں سے کچھ لوگوں کو دائیں جانب اور کچھ کو بائیں طرف لے جایا جائے گا، تو میں عرض کروں گا، اے میرے رب: یہ میرے صحابہ ہیں، تو کہا جائے گا: یقیناً آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا نئی باتیں ایجاد کی ہیں؟ جس دن آپ ان سے جدا ہوئے ہیں، اس دن سے یہ لوگ مسلسل اپنی ایڑیوں پر پیچھے کی طرف لوٹتے رہے، چنانچہ میں (بھئی) نیک بندے (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کی طرح عرض کروں گا: اگر آپ انہیں عذاب دیں تو یہ آپ ہی کے بندے ہیں، اور اگر آپ انہیں معاف کر دیں تو آپ بہت ہی زبردست اور حکمت والے ہیں۔

أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّكُمْ تَخْشَوْنَ رِجَالَ أَوْ رُجُلَانَا وَتَجْزُونَ عَلَيَّ وَجْوهَكُمْ۔

بہر بن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہیں (میدان حشر میں) پیادہ اور سوار کر کے جمع کیا جائے گا، اور تم میں سے کچھ لوگوں کو منہ کے بل گھسیٹ کر جمع کیا جائے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: حشر: مردوں کا قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں جمع ہونا۔ حفاة: حاف کی جمع ہے: ننگے پاؤں والا۔ عراة: عابر کی جمع ہے: ننگے بدن۔ غولا: أغزل کی جمع ہے: غیر مختون، جس کا ختنہ نہ ہو۔ یکسی: کپڑا پہنایا جائے گا۔ ما احدثوا: انہوں نے کیا کیا ایجاد کیا۔ موقدین: لوٹ رہے ہیں، پھر رہے ہیں۔ رجال: راجل کی جمع ہے: پیدل چلنے والا۔ ركبان: راکب کی جمع ہے: سوار۔ فجرون: (صیغہ مجہول) تمہیں کھینچا اور گھسیٹا جائے گا۔

حشر کی کیفیت

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے قبروں سے اٹھنے اور حساب و کتاب کے لئے میدان حشر کی طرف جانے کی کیفیت کا ذکر فرمایا ہے، اس دن لوگ ننگ بدن، برہنہ پا اور غیر مختون حالت میں قبروں سے اٹھیں گے، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہلی بار پیدا فرمایا ہے، اسی طرح دوبارہ پیدا فرمائیں گے۔

اشکال ہوتا ہے کہ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ قیامت کے دن لوگ قبروں سے ننگے بدن اٹھائے جائیں گے، جبکہ حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ قبروں سے اسی لباس میں اٹھائے جائیں گے جس میں

ان کی وفات ہوئی ہوگی، اس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ انسان ننگے بدن نہیں اٹھیں گے بلکہ لباس میں ملبوس ہوں گے، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے؟

اس کے چار جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) ان روایات میں تعارض نہیں کیونکہ بعض لوگوں کو ننگا اور بعض کو لباس میں اٹھایا جائے گا۔

(۲) یا سب کو ننگ بدن اٹھایا جائے گا پھر انبیاء علیہم السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔

(۳) یا قبروں سے تو لباس کے ساتھ اٹھائے جائیں گے، پھر حشر کی ابتداء میں انہیں ننگا کر دیا جائے گا، پھر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔

(۴) بعض شارحین حدیث کے نزدیک حضرت ابوسعید خدری کی حدیث کا تعلق شہداء سے ہے کہ انہیں اسی لباس میں اٹھایا جائے گا، جس میں ان کی شہادت واقع ہوئی ہوگی، اور عام مردوں کو ننگ بدن ہی اٹھایا جائے گا، اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت کما بدأننا أول خلق نعیدہ سے بھی ہوتی ہے، ممکن ہے حضرت ابوسعید خدری نے بھی یہ روایت شہید سے متعلق آپ ﷺ سے سنی ہو اور پھر اسے عموم پر محمول کر لیا ہو، چنانچہ صحابہ میں سے حضرت معاذ بن جبل کا بھی یہی موقف تھا۔

سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا، کیونکہ انہیں نار مردوں میں ننگا کر کے ڈالا گیا تھا، اور بعض نے یہ وجہ لکھی ہے کہ شلوار کے ذریعہ ستر کرنے کی سنت سب سے پہلے انہوں نے جاری کی تھی، اس کے اعزاز میں انہیں سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک جزوی فضیلت ہے، اس سے ان کا مکمل طور پر نبی کریم ﷺ پر افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ (۱)

انہم لم یز الو امر تدین علی أعقابہم منذ فارقتہم

امت محمدیہ میں سے کچھ لوگوں کو دائیں اور کچھ کو بائیں جانب کر دیا جائے گا، نبی کریم ﷺ انہیں دیکھ کر فرمائیں گے کہ یہ تو میرے اصحاب ہیں، یہ بائیں جانب کیوں کھڑے ہیں، تو آپ کو بتایا جائے گا کہ آپ کے بعد یہ مرتد ہو گئے تھے، اس جملے یعنی لم یز الو امر تدین کے کیا معنی ہیں؟ اس میں شارحین حدیث کے تین قول ہیں:

(۱) اس سے وہ دیہاتی مسلمان مراد ہیں، جو حضور ﷺ کے زمانے میں مشرف باسلام ہو گئے تھے، پھر وہ آپ ﷺ کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں میلہ کذاب اور اسود عسفی وغیرہ کی اتباع کی وجہ سے مرتد ہو گئے، نبی کریم ﷺ انہیں پہچان لیں گے، تو آپ کو بتایا جائے گا کہ یہ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ (۲)

(۲) اس سے منافقین مراد ہیں، جو حضور ﷺ کے زمانے میں تھے، ان پر لفظ ”اصحاب“ ظاہر حال کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔

(۱) مرقاة ۱۹۲/۱۰، کتاب احوال القیامۃ، باب الحشر، تحفۃ الاحوذی، ۹۱/۷

(۲) مرقاة ۱۹۳/۱۰، کتاب احوال القیامۃ، باب الحشر، ۲۲۷/۱۰، باب الخوض والشفاعة

(۳) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ان سے گنہگار مسلمان مراد ہیں، جو عقیدہ توحید میں مخلص ہوں گے، لیکن عملی کوتاہی کی وجہ سے انہیں حوض کوثر سے دھکا کر دیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق ان پر رحم فرمائیں گے، اور انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ (۱)

میدان حشر میں لوگ تین طرح سے آئیں گے

دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے میدان حشر میں لوگوں کے آنے کی کیفیت کا ذکر فرمایا کہ وہ تین طرح سے آئیں گے، بعض لوگ پیدل چل کر آئیں گے، یہ گنہگار مسلمان ہوں گے، بعض لوگ سوار یوں پر سوار ہو کر حاضر ہوں گے، یہ کامل ایمان والے نیک لوگ ہوں گے، اور بعض لوگوں کو منہ کے بل گھسیٹ کر لایا جائے گا، یہ کافر اور مشرک ہوں گے۔
واضح رہے کہ ”حشر“ دو قسم کا ہے:

- (۱) ایک وہ حشر ہے جو قیامت کے دن ہوگا، اس حدیث میں یہی آخرت کا حشر مراد ہے۔
 - (۲) دوسرا وہ حشر ہے جو دنیا میں واقع ہوگا اور جو علامات قیامت میں سے ہے، کہ قرب قیامت میں ایک آگ مشرق کی طرف سے نمودار ہوگی جو لوگوں کو گھیر کر ملک شام کی ایک جگہ کی طرف لے جائے گی اور وہاں سب کو اکٹھا کرے گی، (۳)
- فأقول كما قال العبد المصالح، عبد صالح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں یعنی جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اپنی قوم کی گمراہی سے براءت کا اظہار کریں گے اور اپنی گمراہ قوم کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے انصاف پر چھوڑ دیں گے، اسی طرح میں بھی یہی کہوں گا کہ پروردگار میری امت کے یہ وہ لوگ ہیں، جو دنیا میں میری موجودگی کے وقت سیدھی راہ پر تھے، لیکن میرے بعد انہوں نے نفس و شیطان کا راستہ اختیار کر لیا، اب ان کا معاملہ آپ کے سپرد ہے، آپ چاہیں تو عذاب دیں اور چاہیں تو مغفرت فرمادیں۔ (۴)

بَاب مَا جَاءَ فِي الْعَرْضِ

یہ باب اللہ کے سامنے پیش ہونے کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَغْزِي النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَ عَرَصَاتٍ، فَأَمَّا عَرَصَتَانِ: فَجَدَالٍ وَمَعَادِيزٍ وَأَمَّا الْعَرَصَةُ الثَّلَاثَةُ: فَعِنْدَ ذَلِكَ تَطْيِيرُ الصُّحُفِ فِي الْأَيْدِي، فَاتَّخِذْ بِمِيزَانِهِ وَاتَّخِذْ بِسِمَائِهِ۔

(۱) تحفة الاحوذی ۹۲/۷، تکملة فتح الملهم، کتاب الفضائل، باب اثبات الحوض ۵۰۰/۳۔

(۲) مرقاة ۱۹۰/۱۰۔

(۳) تحفة الاحوذی ۹۱/۷، ۹۲۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کو (اللہ تعالیٰ کے سامنے) تین مرتبہ پیش کیا جائے گا، دوسری مرتبہ تو بحث و جرح اور معذرت خواہی ہوگی اور تیسری پیشی کے وقت (چونکہ حساب کتاب ہو چکا ہوگا، اس لئے) اعمال نامے اڑا کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے، پس ان میں سے کچھ لوگ (کہ جو اہل سعادت میں سے ہوں گے) اپنے دائیں ہاتھ میں اعمال نامے لیں گے، اور کچھ لوگ (کہ جو بد بخت ہوں گے) اپنے بائیں ہاتھ میں اعمال نامے لیں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: العوض: اللہ کے سامنے قیامت کے دن پیش ہونا۔ عرضات: عرضہ کی جمع ہے: پیشی۔ جدال: بحث و مباحثہ، جرح، انکار۔ معاذیر: معذرت کی جمع ہے، معذرت، معافی۔ صحف: صحیفہ کی جمع ہے: اعمال نامے۔ تطہیر: اڑا کر آئیں گے۔

اللہ کی عدالت میں تین مرتبہ پیشی ہوگی

قیامت کے دن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے تین مرتبہ پیش کیا جائے گا، پہلی مرتبہ جب پیش ہوں گے، تو اس وقت وہ یہ کہہ کر اپنے گناہوں کا اقرار اور اعتراف نہیں کریں گے کہ ہمیں کسی نے بتایا ہی نہیں، کہ ہم نے کس طریقے سے زندگی گزارنی ہے، کونسا عمل درست ہے اور کونسا غلط، آپ کا کوئی نبی، کوئی قاصد اور نمائندہ ہمارے پاس نہیں آیا، لہذا ہم نے جو عمل کیا ہے، وہ درست کیا ہے، غلط نہیں کیا، حدیث میں لفظ ”جدال“ سے یہی مراد ہے، لیکن اللہ تعالیٰ جب مختلف دلائل، طریقوں اور گواہوں سے یہ ثابت فرمادے گا کہ ان کے پاس اللہ کا پیغام لے کر رسول آیا تھا، اس نے انہیں سمجھایا تھا لیکن لوگوں نے ان کی بات یا تو قبول ہی نہیں کی یا اس پر صحیح طرح سے عمل نہیں کیا، اس لئے جب دوسری مرتبہ پیش ہوں گے تو اس وقت وہ اپنی غلطیوں اور بد اعمالیوں کا اعتراف کریں گے اور پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے مختلف طریقوں سے معذرت کریں گے، کوئی کہے گا: مجھ سے غلطی ہوگئی، غفلت اور لا پرواہی ہوگئی..... اس وجہ سے ہدایت کے راستہ پر نہیں چل سکا، غرض یہ کہ ہر ایک کوئی نہ کوئی عذر بیان کرے گا، اسی کو ”معاذیر“ کے لفظ سے ذکر کیا ہے۔

پھر تیسری پیشی میں چونکہ لوگوں کے تمام معاملات کھڑے کر سامنے آچکے ہوں گے، اس لئے اہل حق اور باطل، نیک اور گنہگار کے درمیان فرق واضح ہو جائے گا، جس کی صورت یہ ہوگی کہ جو اہل جنت ہوں گے، ان کے اعمال نامے داہنے ہاتھ میں پہنچ جائیں گے اور جن کا دوزخ میں جائزہ فیصلہ ہوگا، تو ان کے نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ (۱)

اس حدیث سے یہ درس حاصل ہوتا ہے کہ انسان کے ذہن میں ہر وقت یہ منظر پیش نظر رہے کہ میں جو کچھ اس دنیا میں اعمال کر رہا ہوں، اس کا میں نے اللہ کی عدالت میں حساب دینا ہے، اور حساب و کتاب کے لئے تین مرتبہ پیشی سے گزرنا ہوگا، اگر

خدا نخواستہ اعمال درست نہ ہوئے، اور نامہ اعمال گناہوں سے لبریز ہوا تو اس دن ایسی رسوائی ہوگی، جس کی کوئی تلافی نہیں ہو سکے گی، اس لئے ہر مسلمان کو اپنی زندگی کا ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہیے، تاکہ وہ آخرت کی ذلت اور رسوائی سے محفوظ رہے۔

بَابُ مِنْهُ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ لُوِشَ الْحِسَابُ هَلَكَ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ: {فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِمِيزَانٍ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا} قَالَ: ذَاكَ الْعَرْضُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس کے ساتھ (قیامت کے دن) حساب میں مناقشہ یعنی سختی کی گئی، تو وہ ہلاک ہو جائے گا، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول: بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”جس شخص کو اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو اس کا آسان حساب ہوگا“ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ آسان حساب صرف (اعمال کو اللہ کے سامنے) پیش کرنا ہے۔

آسان اور سخت حساب

آسان حساب یہ ہے کہ انسان کا نامہ اعمال جب پیش ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے دیکھ کر معاف فرمادیں، گناہوں پر مؤاخذہ اور باز پرس نہ فرمائیں اور سخت حساب یہ ہے کہ آدمی کے ساتھ مناقشہ ہو یعنی تمام اعمال کا حساب تفصیل سے اور سختی سے لیا جائے، ہر عمل کے بارے میں اللہ تعالیٰ باز پرس فرمائیں کہ تم نے یہ گناہ کس وجہ سے کیا ہے، یہ صورت حال جس آدمی کے ساتھ پیش آگئی تو وہ ہلاک ہو جائے گا یعنی اسے ضرور عذاب ہوگا، اس لئے ایک اور حدیث میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت آسان حساب کی دعا کی جائے۔

اس حدیث کے ایک اور طریق میں آپ ﷺ نے فرمایا ”لیس احد يحاسب يوم القيامة الا هلك“ کہ قیامت کے دن جس سے حساب لیا جائے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گا یعنی اسے ضرور عذاب ہوگا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی شخص حساب سے گزرے گا تو وہ یقیناً عذاب میں مبتلا ہوگا لیکن قرآن کریم کی مذکورہ آیت ”فأما من أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِمِيزَانٍ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا“ میں جو کچھ فرمایا گیا ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حساب کے مرحلہ سے گزرنے والوں میں سے بعض لوگوں کو عذاب نہیں ہوگا، یوں گویا قرآن کریم کی آیت اور حضور ﷺ کے مذکورہ ارشاد میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے؟ اسی تعارض کو ختم کرنے کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ میں ”حساب“ سے صرف، ”عوض اعمال“ مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جن کو نجات دینا مقصود ہوگا، تو ان کے تمام اعمال اچھے اور برے ان کے سامنے کھول کر رکھ دیئے جائیں گے، وہ ان تمام گناہوں کا اعتراف کریں گے کہ ہم نے یہ کئے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کو معاف فرمادیں گے، اس کے برخلاف

حدیث میں "حساب" سے واقعی مواخذہ، تفصیلی باز پرس اور دارو گیر مراد ہے، جس کو اس باب کی حدیث میں من لوقش الحساب یعنی "حساب میں مناقشہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۱)

باب وثنہ

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يُجَاءُ بِأَبْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُ بَدَجٌ فَيُوقَفُ بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ تَعَالَى فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ: أَغْطَيْتُكَ، وَخَوَّلْتُكَ، وَأَنْعَمْتُ عَلَيْكَ، فَمَاذَا صَنَعْتَ؟ فَيَقُولُ: جَمَعْتُهُ وَتَمَرَّتُهُ وَتَرَكْتُهُ أَكْثَرَ مَا كَانَ، فَاذْجَعْنِي آتِكَ بِهِ كُلِّهِ. فَيَقُولُ لَهُ: أَرَأَيْتَ مَا قَدَّمْتُ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ: جَمَعْتُهُ وَتَمَرَّتُهُ، فَتَرَكْتُهُ أَكْثَرَ مَا كَانَ، فَاذْجَعْنِي آتِكَ بِهِ كُلِّهِ، فَمَاذَا عِبَدَ لَمْ يَقْدَمْ خَيْرَ الْفَيْضِ بِهِ إِلَى النَّارِ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن ایک شخص کو (حقارت و ذلت کے ساتھ) لایا جائے گا، گویا وہ بھیڑ کا بچہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اسے کھڑا کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ میں نے تجھے (زندگی، خوبصورت جسم، صحت اور عافیت وغیرہ) عطا کی تھی اور میں نے تجھے (خادم، مال و دولت اور جاہ و منصب وغیرہ کا) مالک بنایا تھا اور میں نے تجھ پر (قرآن مجید اور رسول بھیج کر) انعام فرمایا، تم نے (ان کا) کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار میں نے اسے جمع کیا، مزید بڑھایا اور میں نے اسے اس سے زیادہ کر کے چھوڑا، جتنا وہ تھا، آپ مجھے واپس (دنیا میں) بھیج دیجئے، تاکہ میں (اسے راہ خدا میں خرچ کر کے) پورے کا پورا لے کر حاضر کر سکوں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے آگے کیا بھیجا تھا؟ (یعنی صدقہ و خیرات وغیرہ میں کیا دیا تھا) وہ (دوبارہ اسی طرح عرض کرے گا) کہے گا: اے میرے رب: میں نے اسے جمع کیا، مزید بڑھایا اور میں نے اسے اس سے زیادہ کر کے چھوڑا، جتنا وہ تھا، آپ مجھے واپس (دنیا میں) بھیج دیجئے تاکہ میں (اسے اللہ کے راستے میں خرچ کر کے) پورے کا پورا لے کر حاضر کر سکوں، لہذا جو شخص کسی نیکی کو آگے نہیں بھیجے گا (یعنی کوئی نیکی اور صدقہ وغیرہ نہیں کرے گا تو اس کا یہی حال ہوگا)، چنانچہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَا: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يُؤْتَى بِالْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ: أَلَمْ أَجْعَلْ لَكَ سَخْمًا وَبَصْرًا وَمَالًا وَلَدًا وَمَسْعُوثَ لَكَ الْأَنْعَامَ وَالْخَرْثَ وَتَرَكْتُكَ تَزْأَسُ وَتَرْبِغُ فَكَيْتَ تَنْظُنُّ أَنَّكَ مَلَائِي يَوْمَكَ هَذَا؟ فَيَقُولُ: لَا، فَيَقُولُ لَهُ: الْيَوْمَ أَلَسَّاكَ كَمَا نَسِيتَنِي،

قَالَ أَبُو جَيْسَى: مَغْلَى قَوْلِهِ: الْيَوْمَ أَلَسَّاكَ: الْيَوْمَ أَتَزَكُّكَ فِي الْعَذَابِ، هَكَذَا فَتَسْزُوهُ، وَقَدْ فَسَّرَ بَغُضُّ أَهْلِ الْعِلْمِ هَذِهِ الْآيَةَ: {فَالْيَوْمَ نَنْسَاهُمْ} قَالُوا: إِنَّمَا مَغْنَاةُ: الْيَوْمَ نَنْفَرُ كُلُّهُمْ فِي الْعَذَابِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن

ایک شخص کو (اللہ تعالیٰ کے سامنے) لایا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ کیا میں نے تجھے کان، آنکھ، مال اور اولاد (وغیرہ) نہیں دی تھی اور کیا میں نے تیرے لئے چوپائے اور کھیت مسخر نہیں کئے تھے، اور تجھے چھوڑ دیا تاکہ تو قوم کا سردار بنے اور ان سے چوتھائی (مال وصول) کیا کرے، کیا تیرے گمان میں بھی تھا کہ اس دن تجھے مجھ سے ملنا ہے، راوی کہتے ہیں کہ وہ کہے گا: نہیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تو پھر میں بھی آج تجھے اسی طرح بھول جاتا ہوں جس طرح تو مجھے بھول گیا تھا۔

ابام ترمدی فرماتے ہیں کہ الیوم أنساک کمانسیتی کے معنی ہیں: آج میں تجھے عذاب میں چھوڑ دوں گا۔ اور بعض اہل علم نے اس آیت: "فَالْیَوْمَ نُنْصِفُہُمْ" کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ: آج ہم ان کو عذاب میں ہی چھوڑ دیں گے۔ مشکل الفاظ کے معنی: ہذج: (باوردال پر زبر کے ساتھ) بھیڑ کا بچہ۔ خولعک: میں نے تجھے خادم، مال و دولت اور مرتبہ وغیرہ کا مالک بنایا، عطا کیا۔ نمرہ: میں نے اسے مزید بڑھایا۔ بمعطی بہ: (میضہ مجہول) اس کو لے جایا جائے گا، جہنم میں ڈالا جائے گا۔ انعام: چوپائے، مویشی۔ حرث: کھیت۔ نوأس: تو قوم کا سردار ہوگا۔ تربع: تو مال غنیمت کا چوتھائی حصہ وصول کرے۔

ہر نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا

دنیا میں ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے بے شمار نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں، ان سب کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ تم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے، انہیں جائز جگہوں پر صرف کیا یا اللہ کی نافرمانی کے مقامات پر، اللہ تعالیٰ نے مال و دولت، خدمت کے لئے ملازمین، جاہ و منصب، قوم کی سرداری، اخروی نجات کے لئے آسمانی کتاب یعنی قرآن مجید اور پیغمبر بھیجا اور سلیم الاعضاء جسم دیا جس میں کان، ناک، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور دماغ وغیرہ ہیں، یہ سب نعمتیں اس لئے عطا کی تھیں تاکہ تو میری عبادت کرے، اور اپنے لئے نیک اعمال آگے بھیجے، صدقہ خیرات کرے، ان تمام نوازشات کے باوجود تو آخرت سے یا تو انکاری رہا یا غافل رہا، مجھے تو نے یاد نہ کیا، بھلا دیا، لہذا آج میں بھی تجھے بھلا رہا ہوں، چنانچہ ایسے شخص کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

نوأس و تربع: تو سردار رہے اور مال غنیمت کا ربع لے، زمانہ جاہلیت میں جو شخص سردار ہوتا، اسے دیگر لوگوں کے مقابلے میں امتیازی طور پر مال غنیمت کا چوتھا حصہ ملتا تھا، اسے ”مربع“ کہا جاتا تھا۔ (۱)

بَاب مِّنْہٗ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ {يَوْمَئِذٍ نُّحَدِّثُ أَخْبَارَهَا} قَالَ: أَلْتَدْرُونَ مَا أَخْبَارُهَا؟ قَالُوا: اللَّهُ

وَرَسُولُهُ أَغْلَمُ، قَالَ: فَإِنْ اخْتَارَ هَآءَا أَنْ تَشْهَدَ عَلَيَّ كُلِّ عَبْدٍ أَوْ أُمَّةٍ بِمَا عَمِلَ عَلَى ظَهْرِهَا، أَنْ تَقُولَ: عَمِلَ كَذَا وَكَذَا، فَبِي يَوْمٍ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: بِهَذَا أَمَرُهَا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی ”یومئذ تحدث أخبارها“ اس دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی، فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ خبریں کیا ہوں گی؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی خبریں یہ ہوں گی کہ (وہ قیامت کے دن) ہر غلام اور باندی کے متعلق گواہی دے گی، کہ اس نے روئے زمین پر کیا کیا اعمال کئے ہیں، وہ کہے گی کہ اس نے فلاں فلاں دن مجھ پر یہ عمل کیا ہے، (یہ اس زمین کا خبر دینا ہے) فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اسے اس چیز کا حکم دیا ہے۔

زمین گواہی دے گی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان روئے زمین پر جو کچھ بھی کر رہا ہے، زمین اسے ریکارڈ کر رہی ہے، زمین کے جس حصے پر آدمی نے جو بھی عمل کیا ہوگا، وہ حصہ زمین گواہی دے گا، اگر اچھے اعمال کئے ہوں گے، تو وہ گواہی اس کے حق میں ہوگی ورنہ اس کے خلاف ہوگی، لہذا انسان جب بھی کوئی عمل کرے، تو یہ سوچ کر کرے، کہ یہ زمین اسے محفوظ کر رہی ہے، اور قیامت کے دن اس کے بارے میں مجھ سے باز پرس ہوگی۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي الضُّورِ

یہ باب بگل کی کیفیت و حالت کے بارے میں ہے

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ النَّعَّاسِ قَالَ: جَاءَ أَغْرَابِي إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: مَا الضُّورُ؟ قَالَ: قُرُونٌ يَنْفَعُ فِيهِ۔
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ صور کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ ایک سینک ہے، جس میں قیامت کے دن پھونک داری جائے گی۔
عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: وَكَيْفَ أَنْعَمَ وَصَاحِبُ الْقُرُونِ قَدْ انْتَقَمَ الْقُرُونُ، وَاسْتَمَعَ الْأَذْنَ، مَتَى يُؤْمَرُ بِالنَّفْعِ فَيَنْفَعُ، فَكَأَنَّ ذَلِكَ قُلَّ عَلَى أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ لَهُمْ: قُولُوا: حَسْبُنَا اللَّهُ، وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں آرام و سکون اور طمینان سے کیسے بیٹھا ہوں، جبکہ سینک والے یعنی حضرت اسرافیل نے سینک (یعنی صور کو پھونکنے کے لئے) منہ میں لگایا ہوا ہے اور اپنے کان

(اللہ کی طرف) لگائے ہوئے ہیں کہ کب پھونکنے کا حکم دیا جائے کہ وہ پھونکیں، یہ بات صحابہ پر بڑی گراں گزری تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم یوں کہا کرو: حسبنا اللہ... (ہمیں اللہ ہی کافی ہے، اور وہ بہترین کارساز ہے، ہم اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں)۔

مشکل الفاظ کے معنی: صور: زنگہا، بگل۔ قون: سینک۔ التقم: بگل جانا، منہ میں لے لینا۔ استمع: غور سے سننا، سننے کے لئے متوجہ ہونا۔ اذن: (ہنرے اور ذال پر پیش) کان۔

کچھ صور کے بارے میں

ان احادیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) ”صور“ ایک سینک نما چیز ہے، جس میں پھونک ماری جائے گی، یہ صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا، پہلی مرتبہ مارنے کے لئے اور دوسری مرتبہ سب کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے ہوگا۔

(۲) حضرت اسرائیل علیہ السلام صور پھونکنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں، اللہ کے حکم کا انتظار کر رہے ہیں کہ جیسے ہی حکم ہو تو اس میں پھونک دیا جائے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان سے ہو گئے تو آپ ﷺ نے ایک وظیفہ پڑھنے کا انہیں ارشاد فرمایا، اور وہ ہے حَسْبُنَا اللَّهُ وَبِعَمَلِهِ الْوَكِيلُ، عَلَيَّ اللَّهُ تَوَكَّلْنَا، یہ ایک ایسا عمل ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ بڑی سے بڑی مصیبت و آفت اور سخت سے سخت مشکل دور فرما دیتے ہیں، چنانچہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جانا تھا تو آپ کی زبان پر یہی بابرکت جملہ جاری تھا، اسی طرح ایک جہاد میں کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے یہ کہا: ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم یعنی دشمنوں نے آپ لوگوں کے مقابلے کے لئے بڑا لشکر جمع کر لیا ہے، لہذا تم لوگوں کو ان سے ڈر جانا چاہیے تو اس وقت بھی نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے ”حسبنا اللہ“ پڑھا، اس سے معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی مشکل اور مصیبت پیش آجائے تو اس کلمہ کو کثرت سے پڑھنا چاہیے، اللہ کے فضل سے وہ مشکل حل ہو جائیگی۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي شَأْنِ الصِّرَاطِ

یہ باب پہلے صراط کی حالت کے بارے میں ہے

عَنْ الْمُؤَنِّزَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: شِعَارُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الصِّرَاطِ: رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن پہل صراط پر سے گذرتے وقت الہی ایمان کی علامت یہ الفاظ ہوں گے رب سلم سلم (اے میرے پروردگار: سلامت رکھنا، سلامت رکھنا)۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَنْ يَشْفَعَ لِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَ: أَنَا فَاعِلٌ، فَلَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ: فَأَيْنَ أَطْلُبُكَ؟ قَالَ: أَطْلُبُنِي أَوَّلَ مَا تَطْلُبُنِي عَلَى الصِّرَاطِ، فَلَنْتَ: فَإِنْ لَمْ أَلْقُكَ عَلَى الصِّرَاطِ؟ قَالَ: فَطْلُبُنِي عِنْدَ الْمِيزَانِ، فَلَنْتَ: فَإِنْ لَمْ أَلْقُكَ عِنْدَ الْمِيزَانِ؟ قَالَ: فَطْلُبُنِي عِنْدَ الْحَوْضِ، فَإِنِّي لَا أَطْغِي هَذِهِ الْفَلَاحِ الْمَوَاطِنَ۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ قیامت کے دن (عام شفاعت کے علاوہ خاص طور پر الگ سے بھی) میری شفاعت فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا میں شفاعت کروں گا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کو (اس دن) کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا: سب سے پہلے مجھے پلی صراط پر تلاش کرنا، میں نے عرض کیا: اگر میں آپ سے پلی صراط پر نہ مل پاؤں (تو پھر کہاں تلاش کروں)؟ فرمایا: تو پھر میزان کے پاس تلاش کرنا، میں نے عرض کیا: اگر میں آپ سے میزان پر (بھی) نہ مل پاؤں؟ آپ نے فرمایا: (اگر ان دونوں جگہ پر نہ مل سکوں) تو پھر حوض پر مجھے تلاش کرنا، اس لئے کہ میں ان تینوں جگہوں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔

پلی صراط پر اہل ایمان کا شعار کونسا جملہ ہوگا

اس باب کی پہلی حدیث میں ہے کہ اہل ایمان جب پلی صراط پر سے گزریں گے تو ان کی شناخت اور علامت یہ جملہ ہوگا رب سلم سلم، یہ جملہ خود ہی ان کی زبانوں پر جاری ہوگا۔

صحیح بخاری میں روایت ہے جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ یہ جملہ اس دن صرف حضرات انبیاء کی زبان پر جاری ہوگا، اور حدیث باب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایمان کا شعار یہ جملہ ہوگا، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض سا ہے؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں طرح کی احادیث میں تعارض اس لئے نہیں کہ اہل ایمان کا شعار ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس وقت اس کی گفتگو بھی کریں بلکہ صرف رسول یہ جملہ بولیں گے اور مؤمنین کے لئے سلامتی کی دعا کریں گے، یوں یہ جملہ مؤمنین کا شعار ہے، اس تفصیل کی رو سے گویا احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو سے جامع صغیر میں روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: پلی صراط پر سے گزرتے وقت میری امت کا شعار یہ جملہ ہوگا: لا الہ الا انت، جب کہ حدیث باب میں رب سلم سلم کا جملہ ہے؟ اس لئے اس کی تشریح میں علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ رب سلم سلم کا جملہ عام ہے جو کسی بھی امت کے اہل ایمان اسے پلی صراط پر بولیں گے اور امت محمدیہ کا شعار یہ مخصوص جملہ یعنی لا الہ الا انت ہوگا۔ (۲)

(۱) فتح الباری ۱/۵۵۲ کتاب الرقاق، باب الصراط جسر جہنم

(۲) تحفة الاحوذی ۱/۱۰۶

قیامت کے دن حضور ﷺ سے کہاں ملاقات ہو سکے گی

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے خصوصی سفارش کی درخواست کی تو آپ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا کہ میں تمہاری خصوصی سفارش کروں گا، آپ نے فرمایا میں قیامت کے دن یا پہلے صراط پر ہوں گا، یا میزان پر اور، یا حوض کوثر پر، کیونکہ یہ تین مواقع ایسے ہوں گے جہاں لوگوں کو سخت پریشانی اور ہولناکی سے دوچار ہونا پڑے گا، اس لئے میں لوگوں کے معاملات نمٹانے کے لئے ان تینوں جگہوں پر باری باری موجود رہوں گا، ان کے علاوہ کسی اور مقام پر نہیں ہوں گا۔

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے معارض ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ قیامت کے دن اپنے اہل و عیال کو یاد رکھیں گے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اس دن ان تین موقعوں پر یعنی پہلے صراط، میزان اور حوض کوثر پر کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا، اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ان تین موقعوں پر خصوصی سفارش بھی فرمائیں گے، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے؟ اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا غائبین پر محمول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن ان تین موقعوں پر جو لوگ آپ کے سامنے نہیں ہوں گے، غائب ہوں گے، آپ ان کو از خود یاد نہیں فرمائیں گے اور حدیث انس ”حاضرین“ پر محمول ہے، معنی یہ ہیں کہ آپ کی امت کے جو لوگ آپ کے سامنے ہوں گے، آپ ان کی خصوصی سفارش بھی فرمائیں گے۔

(۲) علامہ طیبی نے ان دونوں احادیث میں یوں تطبیق دی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مذکورہ جواب آپ نے اس لئے دیا کہ وہ آپ کی زوجہ مطہرہ ہیں، اور یہ خدشہ تھا کہ کہیں یہ مخصوص سفارش کی امید میں اعمال میں سستی اور غفلت اختیار نہ کر لیں، کیونکہ آخرت میں قرابت نہیں بلکہ نیک اعمال کام آئیں گے، اس کے برخلاف آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ جواب اس لئے دیا کہ وہ ناامید اور مایوس نہ ہو جائیں، لہذا نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کو جو الگ الگ جواب ارشاد فرمائے، وہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں، ہر جواب میں مخاطب کے حال کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ (۱)

(۳) حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا اس زمانے سے متعلق ہے جس میں آپ کی طرف اس بارے میں کوئی وحی نہیں آئی تھی، اس لئے آپ نے خصوصی سفارش کی نفی فرمادی اور حدیث انس اس وقت ارشاد فرمائی، جب آپ کو وحی کے ذریعہ خصوصی سفارش کی اجازت عطا فرمائی گئی۔ (۲)

(۱) مرقاة المفاتیح، ۵۵۹/۹، باب الحوض

(۲) الکوکب الدرر، ۲۷۶/۳۔

حوض کوثر پر حاضری پل صراط سے پہلے ہوگی یا بعد میں

اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ حوض کوثر کا مقام پل صراط سے پہلے ہوگا یا بعد میں، بعض حضرات کے نزدیک اس پر حاضری پل صراط سے پہلے ہوگی، اور بعض کے نزدیک اس کے برعکس ہے یعنی اس کا مقام پل صراط کے بعد جنت سے پہلے ہے، دونوں فریقوں کا استدلال احادیث سے ہی ہے، چنانچہ ”حدیث باب“ سے بھی بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے کہ حوض کوثر پر حاضری پل صراط اور میزان کے بعد جنت سے پہلے ہوگی، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بعض احادیث میں ہے کہ کچھ لوگوں کو حوض کوثر سے ہٹا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا، تو سوال یہ ہے کہ جو شخص پل صراط عبور کر کے حوض تک پہنچ جائے تو اس نے جہنم سے نجات حاصل کر لی، پھر اسے جہنم کی طرف کیسے لوٹا دیا جائے گا؟

شاید کہ اسی وجہ سے بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے دو حوض ہوں گے، ایک پل صراط سے پہلے ہوگا اور دوسرا بعد میں ہوگا، چنانچہ علامہ مینی کا رجحان بھی اسی طرف ہے، (۱)

لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس پر تفصیلی کلام کے بعد اس بات کو مختلف احادیث سے صحیح قرار دیا ہے کہ حوض کوثر کا مقام پل صراط سے پہلے ہے۔ (۲)

اب سوال یہ ہے کہ پھر حدیث باب میں پل صراط کو پہلے اور حوض کوثر کا ذکر آخر میں کس وجہ سے کیا گیا ہے؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) پل صراط کا مرحلہ چونکہ نہایت سخت ہوگا، اس وجہ سے نبی کریم ﷺ نے حدیث باب میں تین موقعوں کے ذکر میں سب سے پہلے پل صراط کو ذکر فرمایا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ پل صراط کا مقام حوض کوثر سے پہلے ہے۔ (۳)

(۲) ”بستان المحدثین“ میں ہے کہ سب سے پہلے حوض، پھر میزان اور پل صراط ہوں گے، حدیث باب کا جواب یہ دیا کہ اس حدیث میں صرف ان تین مقامات کا ذکر کرنا مقصود ہے جن میں نبی کریم ﷺ کا بار بار آنا جانا لگا رہے گا، اس میں یہ ترتیب بیان کرنا مقصود نہیں کہ ان میں سے پہلے کس کا وقوع ہوگا۔ (۴)

(۱) عمدة القاری ۱۳۵/۲۳، کتاب الرقاق، باب ما جاء فی الحوض۔

(۲) فتح الباری ۵۶۹/۱۱، کتاب الرقاق، باب فی الحوض، تکملة فتح اللہم ۲۹۸/۴ کتاب الفضائل باب إثبات الحوض

(۳) الکوکب الدرۃ ۲۷۶/۳۔

(۴) العرف الشذی علی الترمذی ۶۹/۲۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الشَّفَاعَةِ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں شفاعت کا ذکر ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: أُنِيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِلَحْمٍ فَرَفَعَ إِلَيْهِ الدَّرَاغَ فَأَكَلَهُ وَكَانَ يُعْجِبُهُ، فَتَهَسَّ مِنْهُ تَهْسَةً ثُمَّ قَالَ: أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، هَلْ تَذَرُونَ لِمَ ذَاكَ؟ يَجْمَعُ اللَّهُ النَّاسَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ فِي صَوْبٍ وَاحِدٍ فَيَسْمِعُهُمُ الدَّاعِيَ وَيَنْفُذُهُمُ الْبَصَرَ وَتَذْنُو الشَّمْسُ مِنْهُمْ فَيُبْلَغُ النَّاسَ مِنَ الْقَمَرِ وَالْكَزْبُ مَا لَا يُطِيقُونَ وَلَا يَتَحَمَّلُونَ، فَيَقُولُ النَّاسُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: أَلَا تَرَوْنَ مَا قَدْ بَلَغَكُمْ؟ أَلَا تَنْظُرُونَ مَنْ يَشْفَعُ لَكُمْ إِلَى رَبِّكُمْ؟ فَيَقُولُ النَّاسُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: عَلَيْكُمْ بِآدَمَ، فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ: أَأَنْتَ أَبُو الْبَشَرِ خَلَقَكَ اللَّهُ بِيدِهِ، وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ، وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغْنَا؟ فَيَقُولُ لَهُمْ آدَمُ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضْبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَإِنَّهُ قَدْ نَهَانِي عَنِ الشَّجَرَةِ فَغَضِبْتُه، نَفْسِي، نَفْسِي، نَفْسِي، أَذْهَبُوا إِلَيَّ غَيْرِي، أَذْهَبُوا إِلَيَّ نُوحَ، فَيَأْتُونَ نُوحًا فَيَقُولُونَ: يَا نُوحُ: أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ وَقَدْ سَمَّاكَ اللَّهُ عَبْدًا شَكُورًا، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغْنَا؟ فَيَقُولُ لَهُمْ نُوحٌ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضْبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَإِنَّهُ قَدْ كَانَتْ لِي دَعْوَةٌ دَعَوْتُهَا عَلَى قَوْمِي - نَفْسِي، نَفْسِي، نَفْسِي، أَذْهَبُوا إِلَيَّ غَيْرِي، أَذْهَبُوا إِلَيَّ إِبْرَاهِيمَ، فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ، فَيَقُولُونَ يَا إِبْرَاهِيمَ: أَنْتَ نَبِيُّ اللَّهِ، وَخَلِيلُهُ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ فَيَقُولُ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضْبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَإِنِّي قَدْ كَذَبْتُ ثَلَاثَ كَذِبَاتٍ، فَذَكَّرْتُهُنَّ أَبُو حَتَّىٰ فِي الْحَدِيثِ، نَفْسِي، نَفْسِي، أَذْهَبُوا إِلَيَّ غَيْرِي أَذْهَبُوا إِلَيَّ مُوسَى -

فَيَأْتُونَ مُوسَى فَيَقُولُونَ يَا مُوسَى: أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ، فَصَلِّكَ اللَّهُ بِرَسَالَتِهِ وَكَلَامِهِ عَلَى النَّاسِ، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ فَيَقُولُ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضْبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَإِنِّي قَدْ قَتَلْتُ نَفْسًا، لَمْ أَوْمَرْ بِقَتْلِهَا، نَفْسِي، نَفْسِي، نَفْسِي، أَذْهَبُوا إِلَيَّ غَيْرِي، أَذْهَبُوا إِلَيَّ عِيسَى، فَيَأْتُونَ عِيسَى فَيَقُولُونَ: يَا عِيسَى: أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ، أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَوَزَّعَ مِنْهُ، وَكَأَمَتِ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ فَيَقُولُ عِيسَى: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضْبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ ذُلًّا، نَفْسِي، نَفْسِي، نَفْسِي، أَذْهَبُوا إِلَيَّ غَيْرِي -

أَذْهَبُوا إِلَيَّ مُحَمَّدٌ ﷺ قَالَ: فَيَأْتُونَ مُحَمَّدًا ﷺ فَيَقُولُونَ: يَا مُحَمَّدُ: أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ، وَقَدْ

غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، اِشْفَعْ لَنَا اِلٰى رَبِّكَ، اَلَا تُرَى مَا نَحْنُ فِيْهِ؟ فَالْتَطَلَّقْ فَاتَى نَحْتِ الْعَرْشِ فَاخْزُ سَاجِدًا لِرَبِّیْ، ثُمَّ يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰی مِنْ مَّحَابِدِهِ وَحَسَنَ الثَّنَاءِ عَلَیْهِ سُبْحَانَا، لَمْ يَفْتَحْهُ عَلٰی اَحَدٍ قَبْلِیْ، ثُمَّ یَقَالُ: يَا مُحَمَّدُ: اَرْفَعُ رَأْسَكَ، سَلْ: تُغْفَطُهُ وَاشْفَعُ تُشْفَعُ، فَاَرْفَعُ رَأْسِیْ، فَاَقُولُ: يَا رَبِّ: اَمْتَعْنِیْ، يَا رَبِّ: اَمْتَعْنِیْ، يَا رَبِّ: اَمْتَعْنِیْ، فِیْقُولُ: يَا مُحَمَّدُ: اَدْخِلْ مِنْ اَمَّتِكَ مَنْ لَا حِسَابَ عَلَیْهِ مِنَ الْاَبْنَاءِ الْاَیْمَنِ مِنَ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَکَاءُ النَّاسِ فِیْمَا یَسُوْیْ ذَلِکَ مِنَ الْاَبْوَابِ، لَمْ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بَیْدُ: اِنَّ مَا بَیْنَ الْمَضْرُوعِیْنِ مِنْ مَضَارِیْعِ الْجَنَّةِ کَمَا بَیْنِ مَكَّةَ وَهَجَرَ وَکَمَا بَیْنِ مَكَّةَ وَبُضْرٰی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس گوشت لایا گیا اور آپ کو دسی کا گوشت پیش کیا گیا تو آپ نے اسے تناول فرمایا، اور آپ ﷺ دسی کا گوشت پسند فرماتے تھے، چنانچہ آپ نے اسے دانتوں سے نوح نوح کر کھایا پھر فرمایا: میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں، کیا تم جانتے ہو ایسا کیوں ہوگا؟ (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ اولین و آخرین یعنی تمام لوگوں کو ایک ہی میدان میں اس طرح جمع کرے گا کہ انہیں پکارنے والا اپنی آواز سنا سکے گا اور وہ ان کو دیکھ سکے گا اور سورج (اس دن) لوگوں کے قریب ہوگا اور لوگ اس قدر غم و رنج سے دوچار ہوں گے کہ وہ اس کی طاقت نہیں رکھیں گے اور نہ اسے برداشت کر سکیں گے۔ چنانچہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے: کیا تم لوگ اس مصیبت کو نہیں دیکھتے جو تمہیں پہونچی ہے، تم اس شخص کو کیوں نہیں دیکھتے (یعنی تلاش کرتے) جو رب کے سامنے تمہاری سفارش کرے،

کچھ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے ضروری ہے کہ حضرت آدم کو تلاش کیا جائے، چنانچہ وہ لوگ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا، اور آپ میں اپنی روح پھونگی اور فرشتوں کو حکم دیا، انہوں نے آپ کے سامنے سجدہ کیا (لہذا) آپ اپنے رب کے سامنے (آج) ہماری سفارش کر دیں، کیا آپ ہماری یہ کیفیت نہیں دیکھ رہے جس میں ہم مبتلا ہیں، کیا آپ اس مصیبت کو نہیں دیکھ رہے جو ہمیں پہونچی ہے، حضرت آدم ان سے فرمائیں گے: اللہ تعالیٰ آج اس قدر سخت غصے میں ہیں کہ اس سے پہلے نہ کبھی ایسا غصہ آیا اور نہ آئندہ آئے گا، اللہ نے مجھے اس درخت سے منع کیا تھا لیکن میں نے ان کی نافرمانی کی (لہذا میں شفاعت نہیں کر سکتا) میرا نفس، میرا نفس، میرا نفس (اس لائق ہے کہ اس کی سفارش کی جائے) تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کو تلاش کرو، (ہاں) تم لوگ نوح کے پاس جاؤ، چنانچہ وہ حضرت نوح کے پاس آئیں گے، عرض کریں گے اے نوح: آپ اہل زمین کی طرف بھیجے گئے پہلے رسول ہیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے عبد شکور یعنی شکر گزار بندے کے لقب سے نوازا ہے لہذا آپ اپنے رب کے سامنے ہماری سفارش کر دیجئے، کیا آپ ہماری یہ کیفیت نہیں دیکھ رہے جس میں ہم مبتلا ہیں، کیا آپ اس رنج و ملال کو نہیں دیکھ رہے جو ہمیں پہونچا ہے،

اس پر حضرت نوح ان سے فرمائیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ اتنے غصے میں ہیں کہ آج سے پہلے کبھی اتنے غصے میں نہیں آئے اور نہ ہی آج کے بعد کبھی اتنے غصے میں آئیں گے اور میرے لئے (قبول کی جانے والی) ایک دعا تھی میں نے اسے اپنی قوم کی ہلاکت کے لئے کر لیا (اس لئے میں آپ لوگوں کی سفارش نہیں کر سکتا) میرا نفس..... (اس قابل ہے کہ اس کی سفارش کی جائے) تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس (سفارش کے لئے) جاؤ، چنانچہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آکر کہیں گے کہ اے ابراہیم: آپ زمین والوں میں سے اللہ کے (مخصوص) نبی اور اس کے گہرے دوست ہیں، لہذا آپ ہماری اپنے رب کے سامنے سفارش کر دیجئے، کیا آپ ہماری یہ حالت نہیں دیکھ رہے جس میں ہم مبتلا ہیں، تو وہ فرمائیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ اتنے غصے میں ہیں کہ آج سے پہلے کبھی اس قدر غصے میں نہیں آئے اور نہ ہی آئندہ اتنے غصے میں آئیں گے (میں تم لوگوں کی سفارش کا اہل نہیں کیونکہ) میں نے تین جھوٹ بولے ہیں، ابو حیان نے حدیث میں تین جھوٹوں کا تذکرہ کیا ہے۔ میرا نفس..... (اس لائق ہے کہ اس کی سفارش کی جائے) تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم موسیٰ کے پاس جاؤ،

چنانچہ حضرت موسیٰ کے پاس آکر عرض کریں گے اے موسیٰ: آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور ہم کلام ہونے کے لحاظ سے سب لوگوں پر فضیلت دی، لہذا آپ ہماری اپنے رب کے سامنے سفارش کر دیجئے؟ کیا آپ ہماری یہ کیفیت نہیں دیکھ رہے جس میں ہم مبتلا ہیں تو وہ فرمائیں گے کہ بیشک آج اللہ تعالیٰ اس قدر شدید غصے میں ہیں کہ نہ تو اس سے پہلے اس قدر غصہ ہوئے اور نہ آئندہ ہوں گے، میں نے ایک قطعی آدمی کو قتل کر دیا تھا حالانکہ مجھے اس کے قتل کا حکم نہیں دیا گیا تھا، (اس لئے میں سفارش نہیں کر سکتا) میرا نفس..... (اس قابل ہے کہ اس کی سفارش کی جائے) تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم جاؤ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس، چنانچہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر عرض کریں گے کہ اے عیسیٰ علیہ السلام: آپ اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہ السلام کی طرف القا کیا تھا اور اس کی روح ہیں، اور آپ نے (ماں کی) گود میں لوگوں سے کلام کیا، لہذا آپ اپنے رب کے سامنے ہماری سفارش کر دیجئے..... تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ اس قدر سخت غصے میں ہیں کہ اس سے پہلے کبھی اس طرح غصہ نہیں ہوئے اور نہ ہی آئندہ ہوں گے اور وہ کسی گناہ کا ذکر نہیں کریں گے، میرا نفس..... (اس لئے میں سفارش نہیں کر سکتا) تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم لوگ محمد ﷺ کے پاس جاؤ،

چنانچہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ اے محمد ﷺ: آپ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں، آپ کی اگلی پچھلی سب لغزشیں معاف کر دی گئی ہیں، لہذا آپ ہماری اپنے رب کے سامنے سفارش کر دیجئے، کیا آپ ہماری یہ حالت نہیں دیکھ رہے جس میں ہم مبتلا ہیں (حضور ﷺ فرماتے ہیں) چنانچہ میں چلوں گا اور عرش کے نیچے آکر اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی حمد و ثناء اور عمدہ تعریف کے ایسے کلمات

کھول دیں گے (یعنی میری زبان پر جاری فرمادیں گے) کہ جن کو مجھ سے پہلے کسی پر نہیں کھولا ہوگا (یعنی یہ کلمات کسی اور کی زبان سے جاری نہیں ہوئے ہوں گے) پھر کہا جائے گا اے محمد: اپنا سر اٹھاؤ: مانگو، جو مانگو گے آپ کو عطا کیا جائے گا اور آپ سفارش کریں تو آپ کی سفارش کو قبول کیا جائے گا چنانچہ میں اپنا سر اٹھا کر عرض کروں گا اے پروردگار: میری امت اے میرے رب میری امت، اے میرے رب: میری امت (یعنی میں اس کی نجات اور کامیابی چاہتا ہوں)۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے محمد آپ کی امت میں سے جن لوگوں پر حساب و کتاب نہیں، آپ انہیں جنت کے دروازوں میں سے دائیں جانب کے دروازے سے داخل کر دیجئے اور وہ لوگ جنت کے دوسرے دروازوں سے داخل ہونے میں لوگوں کے ساتھ شریک ہوں گے (یعنی دوسرے دروازوں سے بھی داخل ہونے کی انہیں اجازت ہوگی) پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے: بیشک جنت کے دروازوں میں سے دو دروازوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہے جتنا مکہ اور بصرہ کے درمیان کا فاصلہ ہے اور جتنا مکہ اور بصرہ کے درمیان مسافت ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: نہس: آپ ﷺ نے دانتوں سے گوشت نوچا۔ ینفذہم: نظر نہیں گھیر لے گی، دیکھ سکے گی۔ تدلو: سورج قریب ہوگا۔ کرب: شدید رنج و الم۔ مصاریع: مصراع کی جمع ہے: کواڑ، چوکٹ، یہاں دروازہ مراد ہے۔ ہجر: بحرین میں ایک قصبہ ہے۔ بصری: شام کا ایک شہر ہے۔

شفاعت کے معنی اور اس کی اقسام

”شفاعت“ کے معنی ہیں: گناہوں سے عنود و درگزر کی سفارش کرنا، قیامت کے دن نبی کریم ﷺ گناہگار مسلمانوں کی سفارش فرمائیں گے یہ شفاعت مختلف انواع و اقسام کی ہوگی بعض قسمیں تو آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہیں اور بعض میں دوسرے بھی شریک ہوں گے لیکن چونکہ شفاعت کا آغاز نبی کریم ﷺ سے ہوگا، اس لئے حقیقت میں شفاعت کی تمام قسمیں آپ ہی کی طرف منسوب ہوں گی۔

شفاعت کی نو قسمیں ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

- (۱) ”شفاعت عظمیٰ“ اس سے مراد وہ شفاعت ہے، جو نبی کریم ﷺ تمام مخلوق کے لئے اس وقت کریں گے، جب تمام لوگ میدان حشر کی سختیوں میں مبتلا ہوں گے، آپ سفارش فرمائیں گے کہ یہ سختیاں ختم ہوں اور حساب و کتاب کے مرحلے سے جلد فارغ ہو جائیں، شفاعت کی یہ قسم صرف نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے، آپ کے علاوہ کسی اور نبی کو یہ شرف حاصل نہیں ہو سکے گا۔
- (۲) نبی کریم ﷺ کچھ لوگوں کو حساب و کتاب کے بغیر جنت میں داخل کرنے کی سفارش فرمائیں گے، جسے قبول کر لیا جائے گا۔

- (۳) ان لوگوں کے حق میں سفارش کی جائے گی جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں گے۔
- (۴) وہ گنہگار مسلمان جو اپنے گناہوں اور برے اعمال کی وجہ سے عذاب دوزخ کے مستحق قرار پائیں گے، آپ ﷺ ان کے حق میں سفارش فرمائیں گے تاکہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں۔
- (۵) کچھ لوگوں کے درجات کی بلندی اور ان کے اعزاز و اکرام میں ترقی اور اضافہ کے لئے سفارش کی جائے گی۔
- (۶) جن گنہگار مسلمانوں کو سزا کے طور پر جہنم میں ڈال دیا جائے گا، ان کے حق میں سفارش کی جائے گی اور انہیں جنت میں پہنچایا جائے گا، شفاعت کی یہ قسم عام ہوگی، تمام انبیاء، علماء، صلحاء، شہداء اور فرشتے اپنے اپنے طور پر لوگوں کی سفارش کریں گے۔
- (۷) کچھ لوگوں کے حق میں عذاب میں تخفیف کی سفارش کی جائے گی۔
- (۸) اہل مدینہ کے حق میں سفارش کی جائے گی۔
- (۹) ان لوگوں کی سفارش کی جائے گی، جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے روضہ اقدس کی زیارت کی ہوگی۔ (۱)

شفاعت سے حضور ﷺ کے علاوہ تمام انبیاء کا انکار

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن تمام انبیاء شفاعت سے کسی نہ کسی وجہ سے انکار کر دیں گے، صرف نبی کریم ﷺ ہی اس مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ کی مخصوص کلمات کے ذریعہ حمد و ثناء کر کے سفارش فرمائیں گے، چنانچہ آپ کی شفاعت کو قبول کر لیا جائے گا، اس مشکل وقت میں لوگ سب سے پہلے حضرت آدم کے پاس جائیں گے کہ وہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں، حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ آج شدید غصے میں ہیں، میں سفارش کی جرات نہیں کر سکتا، کیونکہ میرے سامنے اپنی وہ غلطی ہے کہ میں نے درخت سے کھا لیا تھا، جبکہ مجھے اس کے قریب ہونے سے بھی روکا گیا تھا، اس لئے میں آج تمہاری سفارش نہیں کر سکتا، تم لوگ حضرت نوح کے پاس سفارش کے لئے جاؤ،

چنانچہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آ کر سفارش کی درخواست کریں گے، لیکن وہ بھی اس سے معذرت کر دیں گے اور کہیں گے: وانه قد كانت لی دعوة دعوتها علی قومی اور حضرت عیسیٰ کی روایت میں ہے: ویذکر سوال ربہ مالیس بہ علم، اور حضرت ابو ہریرہ کی ایک روایت میں ہے انی دعوت بدعوة أغرق أهل الأرض، ان تمام روایات سے تین امر ثابت ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام اس دن معذرت کریں گے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے انہیں منع فرمایا کہ جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو، اس کا مجھ سے سوال نہ کرو، تو وہ سفارش کرنے سے بھی اس لئے معذرت کر دیں گے کہ کہیں سفارش کی درخواست بھی ممانعت کی قبیل سے نہ ہو۔

(۲) میں نے اپنی قوم پر عذاب کی جو بددعا کی تھی، اسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا ہے اور اس کا قبول ہونا تو یقینی تھا، اب اگر

میں شفاعت کی دعا کروں، تو شاید یہ قبول نہ ہو، اس خطرے کی وجہ سے وہ شفاعت کرنے سے معذرت کر دیں گے۔

(۳) بعض شراح فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے طوفانی سیلاب سے بچانے کے لئے اپنے بیٹے سے کہا کہ تم ایمان لے آؤ، کفار کا ساتھ چھوڑ دو اور ہمارے ساتھ مل جاؤ۔ لیکن وہ نہ مانا، جب وہ غرق ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی رب ان ابی من اہلی وان وعدک الحق وانت احکم الحاکمین (میرے پروردگار: میرا یہ بیٹا میرے اہل میں سے ہے، (اے نجات دے دے) بے شک آپ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور آپ احکم الحاکمین ہیں)۔

یہ دعا چونکہ کافر بیٹے کو بچانے کے لئے تھی جو نبی کی شان کے مناسب نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر عتاب نازل ہوا کہ اے نوح ہم سے وہ چیز نہ مانگو جس کی حقیقت کا تمہیں علم نہیں اور جس کے بارے میں تم نہیں جانتے کہ وہ مانگنی بھی چاہیے یا نہیں، اس وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام اس دن سفارش کرنے سے معذرت کر دیں گے۔

فیقولون یا نوح انت اول المرسل الی اهل الأرض۔

اے نوح آپ اہل زمین کی طرف پہلے رسول ہیں، اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت نوح سے پہلے تین نبی حضرت آدم، حضرت شیث اور حضرت ادریس دنیا میں آچکے تھے، تو پھر حضرت نوح اہل زمین کی طرف پہلے رسول کیسے ہیں؟ اس شبہ کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں، سب سے واضح جواب یہ ہے کہ پہلے تینوں نبی جب دنیا میں آئے تو ان کے مخاطب اہل ایمان اور اہل کفر دونوں تھے، ان کے برخلاف حضرت نوح علیہ السلام کو جب مبعوث کیا گیا تو پوری روئے زمین پر صرف کافر ہی کا فر تھے، اہل ایمان کا وجود ہی نہیں تھا، اس لحاظ سے حضرت نوح علیہ السلام دنیا میں آنے والے پہلے نبی ہیں، جن کا واسطہ صرف کافروں سے پڑا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام لوگوں سے فرمائیں گے کہ تم لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ ظلیل اللہ ہیں، چنانچہ ان سے جب سفارش کی درخواست کریں گے تو وہ بھی معذرت کر دیں گے یہ کہہ کر کہ: میں نے تین جھوٹ بولے تھے..... اس بحث کی تفصیل معارف ترمذی جلد اول، ابواب البر والصلة باب ما جاء فی اصلاح ذات البین میں گزر چکی ہے۔

وہ لوگوں سے فرمائیں گے کہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، چنانچہ وہ معذرت کر دیں گے اور فرمائیں گے کہ میں شفاعت اس لئے نہیں کر سکتا کہ میں نے ایک ایسے نفس کو قتل کر دیا تھا جسے قتل کرنے کا مجھے علم نہیں تھا، لہذا مجھے اپنی جان کی فکر ہے، تم لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جاؤ، وہ بھی اس عمل سے معذرت کر دیں گے، اس روایت میں تو ان کا کوئی عذر مذکور نہیں، لیکن بخاری کی روایت میں ہے کہ وہ کہیں گے کہ مجھے عیسائیوں نے اپنا معبود یا ابن اللہ بنا لیا تھا، مجھے اس پر اتنی ندامت ہے کہ میں اللہ کے سامنے لوگوں کی شفاعت کی درخواست نہیں کر سکتا، اس لئے تم لوگ محمد ﷺ کے پاس جاؤ، ان سے شفاعت کی درخواست کرو، چنانچہ نبی کریم ﷺ مخصوص کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد میدان حشر کی ہولناکی سے جلد خلاصی کے لئے اللہ تعالیٰ سے سفارش

فرمائیں گے، چنانچہ آپ کی سفارش کو بارگاہ الہی میں قبول کر لیا جائے گا۔ (۱)

شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ میدان حشر میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں الہام کریں گے تو وہ سفارش کے لئے سب سے پہلے حضرت آدم کے پاس اور پھر..... ان کے دلوں میں ابتداء یہ بات ذہن میں نہیں آئے گی کہ نبی کریم ﷺ کے پاس سفارش کے لئے جائیں، اس میں درحقیقت نبی کریم ﷺ کی فضیلت و شرف اور مقام کو بیان کرنا مقصود ہے، کیونکہ اگر ابتداء انہی اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دیتے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس سفارش کے لئے جائیں تو یہ احتمال ذہنوں میں رہتا کہ دیگر انبیاء بھی یہ سفارش کر سکتے تھے، جبکہ شفاعت عظمیٰ کا یہ منصب بنی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے آپ کے علاوہ کوئی نبی اور رسول اس کا اہل نہیں ہوگا۔ (۲)

یارب امتی یارب امتی.....

اس مقام پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ حدیث کے شروع میں ان لوگوں کی شفاعت کی درخواست کا ذکر ہے، جو میدان حشر کی سختیوں سے تنگ آ کر نبی کریم ﷺ سے شفاعت کی درخواست کریں گے تا کہ ان کا حساب جلد شروع ہو جائے، میدان حشر کی تنگیوں سے نکل جائیں لیکن حدیث کے آخر میں صرف امت محمدیہ کے لئے شفاعت کا ذکر ہے چنانچہ آپ ﷺ فرمائیں گے یا رب امتی یارب امتی... اس میں ان لوگوں کی شفاعت کا کوئی ذکر نہیں ہے، گویا حدیث کی ابتداء میں جس شفاعت کی درخواست کی گئی ہے، آخر حدیث میں اس کا بظاہر کوئی ذکر نہیں ہے؟

شارحین نے اس اشکال کے دو جواب دیئے ہیں:

(۱) حافظ ابن حجر اور مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ روایت میں اختصار ہے، راوی نے پورا کلام ذکر نہیں کیا، چنانچہ سب سے پہلے شفاعت عظمیٰ ہوگی، جس میں ان لوگوں کی درخواست کے مطابق نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے سفارش فرمائیں گے، تا کہ ان کا حساب جلد شروع ہو جائے اور وہ اس سختی سے نکل جائیں، پھر نبی کریم ﷺ اپنی امت کی خاص طور پر سفارش فرمائیں گے، راوی نے صرف ایک شفاعت کا ذکر کر دیا، دوسری کو اختصاراً ترک کر دیا۔ (۳)

(۲) قرطبی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی سفارش پر اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا: أَدْخِلْ مِنْ أَمَّتِكَ مِنْ لِحَابِطِ عَلِيهِ، اس میں اگر غور کیا جائے تو اس میں اس شفاعت کا بھی ذکر موجود ہے، جس شفاعت کا ذکر حدیث کے شروع میں کیا گیا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ حشر کی سختیوں سے نکلنے کے لئے جلد حساب کی سفارش فرمائیں گے، اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آپ اپنی امت کے ان افراد کو جنت میں داخل کر دیں، جن پر نہ حساب ہے اور نہ عذاب، اس سے معلوم ہوا کہ اس کے بعد ان لوگوں کا حساب شروع ہو

(۱) تحفة الاحوذی ۱۰۳/۷۔

(۲) مرقاۃ ۵۱۶، ۵۱۷، کتاب الفتن باب الخوض والشفاعة۔

(۳) فتح الباری ۵۳۵/۱۱، کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنة والنار، الکوکب الدرۃ ۲۸۰/۳۔

جائے گا جن سے اللہ تعالیٰ حساب لینے کا فیصلہ فرمائیں گے، لہذا حدیث کی ابتداء میں جس شفاعت کا ذکر ہے آخر حدیث میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، ایسا نہیں ہے کہ حدیث کی ابتداء اور انتہاء میں کوئی اختلاف یا تعارض ہے۔ (۱)

بَاب مِنْهُ

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكِبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: گناہ کبیرہ کرنے والوں کے حق میں میری شفاعت صرف میری امت کے لوگوں کے لئے مخصوص ہوگی۔
عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكِبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي۔ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ: فَقَالَ لِي جَابِرُ: يَا مُحَمَّدُ: مَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ الْكِبَائِرِ فَمَا لَذَوِ الشَّفَاعَةِ۔
حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: گناہ کبیرہ کرنے والوں کے حق میں میری سفارش صرف میری امت کے لئے مخصوص ہوگی، محمد بن علی راوی کہتے ہیں کہ حضرت جابر نے مجھ سے فرمایا: جس کے گناہ کبیرہ نہ ہوں گے تو اسے شفاعت سے کیا تعلق (یعنی اسے گناہوں کی معافی کے لئے شفاعت کی ضرورت نہیں ہو گی، البتہ رفع درجات کے لئے اسے بہر حال شفاعت کی ضرورت ہوگی)

امت محمدیہ کی ایک خصوصیت کا ذکر

ان احادیث میں امت محمدیہ کی ایک خصوصیت کا ذکر ہے کہ قیامت کے دن اس امت کے ان لوگوں کی حضور ﷺ سفارش فرمائیں گے، جنہوں نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہوگا اور توبہ کے بغیر دنیا سے چلے گئے ہوں گے، دوسری امتوں کے لئے یہ شفاعت نہیں ہوگی۔

قرآن وحدیث سے شفاعت کا ثبوت

جمہور اہل سنت کے نزدیک قیامت کے دن شفاعت ثابت ہے، صرف خوارج اور بعض معتزلہ اس سے انکار کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ جو گنہگار جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے، انہیں شفاعت کے ذریعہ نہیں نکالا جاسکتا، ان کا استدلال درج ذیل آیات سے ہے:

(۱) لَمَّا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ۔ (مدثر: ۸۴)

(۲) مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَیْمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ (مؤمن: ۸۱)

جمہور ان آیات کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ کافروں سے متعلق ہیں، اس لئے ان سے شفاعت کی نفی پر استدلال کرنا درست نہیں۔

جمہور کا استدلال:

(۱) عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّخْمُومًا، (الاسراء: ۷۹) جمہور کے نزدیک ”مقام محمود“ سے ”شفاعت“ مراد ہے۔

(۲) يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الْكَرِيمُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا (طہ: ۱۰۹)

(۳) لَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْضَاهُ (الانبیاء: ۲۸)

(۴) حدیث باب اور وہ تمام احادیث، جو شفاعت سے متعلق ہیں، جو حد تو اتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔

(۵) اجماع امت۔

ان تمام آیات اور احادیث سے صراحت یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کے حق میں بھی شفاعت ہوگی، جنہیں گناہوں کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جانے کا فیصلہ ہوگا، یا جنہیں جہنم میں ڈال دیا جا چکا ہوگا، خوارج ان احادیث میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ ان سے صرف رفع درجات مراد ہے، شفاعت کے ذریعہ جہنم سے باقاعدہ نکالا نہیں جائے گا، لیکن ان کی یہ تاویل بالکل باطل ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔^(۱)

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: وَعَدَنِي رَبِّي أَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعِينَ أَلْفًا، لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ، مَعَ كُلِّ أَلْفٍ سَبْعُونَ أَلْفًا، وَثَلَاثَ حَتَّيَاتٍ مِنْ حَتَّيَاتِ رَبِّي۔

حضرت ابو امامہ باہلی کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے پروردگار نے مجھ سے اس بات کا وعدہ کیا ہے کہ وہ میری امت میں سے ستر ہزار لوگوں کو حساب و کتاب اور عذاب کے بغیر جنت میں داخل کرے گا اور (ان ستر ہزار میں سے) ہر ہزار کے ساتھ مزید ستر ہزار اور میرے رب کی مٹھیوں میں سے تین مٹھی بھر کر (لوگ جنت میں جائیں گے)۔

امت محمدیہ میں سے حساب کے بغیر جنت میں جانے والوں کی تعداد

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری امت کے ستر ہزار لوگوں کو حساب و کتاب کے بغیر ہی جنت میں داخل فرمائیں گے، اور پھر ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے اور مزید اللہ تعالیٰ اپنے تین چلو کے بقدر لوگوں کو

جنت میں داخل فرمائیں گے۔

ملاحظی قاری فرماتے ہیں سبعین کے لفظ سے یا تو یہ مخصوص تعداد ہی مراد ہے اور یا اس سے کثرت مراد ہے، کیونکہ عربی زبان میں اس لفظ سے بطور مبالغہ کے کثرت و زیادتی مراد لی جاتی ہے، نیز ثلاث حشیات کے لفظ سے بھی کثرت و زیادتی مراد لی جاتی ہے، معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے میری امت کے بے شمار لوگوں کو حساب و عذاب کے بغیر ہی جنت میں داخل فرمائیں گے۔

ثلاث حشیات کی ترکیبی حیثیت

حشیات جمع ہے حشوہ یا حشیۃ کی، مٹی، چلو، اور ثلاث حشیات میں ترکیبی لحاظ سے دو احتمال ہیں:

(۱) یہ منصوب ہے اور اس کا عطف ”سبعین“ پر ہے، اور یہ دخل کا مفعول بہ ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ستر ہزار لوگوں کو اور اپنی تین مٹیوں کے بقدر افراد کو جنت میں داخل کرے گا، اس ترکیب کے لحاظ سے ثلاث حشیات کا وقوع صرف ایک ہی مرتبہ ہوگا۔

(۲) یہ مرفوع ہے اور اس کا عطف ”سبعون“ پر ہے، اب مطلب یہ ہوگا کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور تین مٹی کے بقدر، اس صورت میں ثلاث حشیات کا وقوع ستر بار ہوگا، اس لئے شرح حدیث کے نزدیک اسے مرفوع پڑھنا بہتر ہے۔ (۱)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ: كُنْتُ مَعَ زُهَيْلٍ بِلَيْلَاءَ، فَقَالَ زُحَلٌ مِنْهُمْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ زُحَلٍ مِنْ أُمَّتِي أَكْثَرُ مِنْ بَنِي قَوْمِهِمْ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ سِوَاكَ؟ قَالَ: سِوَايَ، فَلَمَّا قَامَ، قُلْتُ: مَنْ هَذَا؟ قَالُوا: هَذَا ابْنُ أَبِي الْجَدْعَاءِ۔

عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں ایلیاء شہر میں ایک قبیلہ کے ساتھ تھا، تو ان میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ: میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں سے ایک (نیک) آدمی کی شفاعت کی وجہ سے بنو جمیم کے آدمیوں کی تعداد سے بھی زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے، پوچھا گیا اے اللہ کے رسول آپ کے علاوہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے علاوہ، (راوی کہتے ہیں) جب وہ شخص کھڑا ہوا تو میں نے پوچھا: یہ کون ہے (جس نے روایت بیان کی) لوگوں نے کہا: یہ عبداللہ بن ابی الجذعاء ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَشْفَعُ لِلْفَقَامِ مِنَ النَّاسِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَشْفَعُ لِلْقَبِيلَةِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَشْفَعُ لِلْعَصْبَةِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَشْفَعُ لِلزُّجَلِ حَتَّى يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ۔

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک میری امت میں سے (جن لوگوں کو

شفاعت کی اجازت ہوگی) ان میں سے کوئی تو کئی جماعتوں کی سفارش کرے گا، اور کوئی ایک قبیلہ کی سفارش کرے گا، اور کوئی ایک جماعت کی سفارش کرے گا اور کوئی صرف ایک ہی آدمی کی سفارش کرے گا، یہاں تک کہ وہ سب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

عَنْ الْحَسَنِ النَّبْضِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَشْفَعُ عُفَّانُ بْنُ عُفَّانٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمِثْلِ رُبْعَةٍ وَمُضَرٍّ۔ حضرت حسن بصری سے مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عثمان بن عفان قیامت کے دن قبیلہ ربیعہ اور مضر کے برابر لوگوں کی سفارش کریں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: زہط: تین سے یا سات سے دس تک کی جماعت یا دس سے کم کی جماعت بے اُرھط و اُرھاط۔ اہلبیاء: بیت المقدس۔ فنام: جماعت، گروہ، اس لفظ کا مفرد نہیں ہے۔ قبیلہ: ایک باپ یا ایک دادا کی اولاد، کنبہ، خاندان ج قبائل۔ عصبۃ: (عین پر پیش اور صاد کے سکون کے ساتھ) دس سے چالیس افراد پر مشتمل جماعت، اس لفظ سے اس کا مفرد نہیں ہے۔ ربیعہ و مضر: عرب کے دو مشہور قبیلے ہیں، جو کسی شئی کی کثرت و فراوانی کے لئے ضرب المثل ہیں۔ بنی تمیم: یہ ایک بڑا قبیلہ ہے، اس سے بھی بطور محاورے کے کسی شئی کی کثرت کو بیان کیا جاتا ہے۔

نیک لوگوں کی شفاعت کا ذکر

مذکورہ احادیث میں انبیاء کے علاوہ ان نیک لوگوں کی شفاعت کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے سفارش کریں گے، چنانچہ پہلی حدیث میں فرمایا کہ میری امت میں سے ایک آدمی سفارش کرے گا، جس سے قبیلہ بنو تمیم کے لوگوں سے کہیں زیادہ افراد جنت میں داخل ہوں گے، اس ”رجل“ سے کون مراد ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے تین قول ہیں:

- (۱) ”رجل“ سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مراد ہیں جیسا کہ حسن بصری نے بھی مرسل روایت امام ترمذی نے ذکر کی ہے۔
- (۲) ان سے حضرت اویس قرنی مراد ہیں، کیونکہ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ایک شخص ہے جسے اویس بن عبد اللہ قرنی کہا جاتا ہے، وہ قیامت کے دن قبیلہ ربیعہ اور مضر کے برابر لوگوں کی سفارش کرے گا۔
- (۳) بعض نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے جب اس آدمی کا نام ذکر نہیں فرمایا تو اب اس کی تعیین مشکل ہے، لہذا اس سے کوئی بھی نیک شخص مراد ہو سکتا ہے، اس قول کو زین العرب نے حدیث کے مفہوم کے زیادہ قریب قرار دیا ہے۔

حدیث میں جو یہ فرمایا: قللت من هذا؟ قالوا: هذا ابن ابی الجذعاء اس سے راوی مراد ہے۔

دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن بہت سے نیک لوگ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے سفارش کریں گے، بعضوں کی سفارش سے کئی جماعتیں جنت میں داخل ہوں گی، بعضوں کی سفارش سے ایک قبیلہ، ایک جماعت، اور بعضوں کی

شفاعت سے ایک آدمی جنت میں داخل ہوگا، غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے لوگوں پر خصوصی فضل کا معاملہ فرمائیں گے، چنانچہ اس طرح بہت سے لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (۱)

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَتَانِي آتٍ مِنْ عِنْدِ رَبِّي فَخَبَّرَنِي بَيْنَ أَنْ يَدْخُلَ نِصْفُ أُمَّتِي الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ، فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَاتَ، لَا يَشْرِكُ بِهَا اللَّهُ شَيْئًا.

حضرت عوف بن مالک اشجعی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پروردگار کے پاس ایک آنے والا (یعنی فرشتہ) آیا اور اس نے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مجھے ان دو باتوں میں سے ایک بابت چن لینے کا اختیار دیا، یا تو میری نصف امت کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کر دے یا (سب کے حق میں) شفاعت کا حق مجھے حاصل ہو جائے، چنانچہ میں نے (اپنی پوری امت کے حق میں) شفاعت کرنے کو اختیار کر لیا، اور یہ شفاعت ہر اس شخص کے لئے ہوگی جس کی وفات اس حال میں ہو کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا۔

حضور ﷺ کی شان رحمت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو اپنی امت کے لوگوں کے ساتھ کس قدر شفقت ہے کہ آپ نے امرین میں سے اس امر کو منتخب فرمایا یعنی شفاعت کے حق کو، جو پوری مسلم امت کے لئے باعث خیر ہوگی، آپ کی شفاعت ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جس کی وفات ایمان پر ہوگی اور اس نے شرک بھی نہ کیا ہوگا، غرض یہ کہ قیامت کے دن تمام اہل ایمان کو نبی کریم ﷺ کی شفاعت یقیناً حاصل ہوگی، (۲)

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْخَوْضِ

یہ باب حوض کوثر کی مفت کے بیان میں ہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ فِي خَوْضِي مِنَ الْأَنْبَارِ يَنْقِي بَعْدَ دُنُجُومِ السَّمَاءِ.

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میرے حوض میں آسمان کے ستاروں کی تعداد کی بقدر (سونے چاندی کے) آنخوڑے ہوں گے۔

عَنْ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ خَوْضًا وَأَنَّهُمْ يَتَبَاهَوْنَ أَكْثَرُ وَارِدَةٍ وَإِلَى أَزْجُو أَنْ أَكْثَرُ أَكْثَرُ هُمْ وَارِدَةٌ.

(۱) تحفة الاحوذی ۱۱۰/۷، مرقاۃ ۵۶۶/۹، الکوکب الدرۃ ۲۸۳/۳۔

(۲) تحفة الاحوذی ۱۱۲/۷۔

حضرت سرہ ڈیوڈ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک (قیامت کے دن) ہر نبی کا ایک حوض ہوگا (اور ہر امت اپنے اپنے نبی کے پاس آکر پانی پئے گی) اور تمام انبیاء آپس میں اس بات پر فخر کریں گے کہ ان میں سے کس کے حوض پر زیادہ آدمی آتے ہیں، اور مجھے امید ہے کہ سب سے زیادہ آدمی میرے حوض پر آئیں گے۔
مشکل الفاظ کے معنی: اہادیق: اہریق کی جمع ہے: آنخورے، جگ۔ یتباہون: آپس میں فخر و مباحات کریں گے۔ واردة: آنے والے۔

ہر نبی کا ایک حوض ہوگا

مذکورہ احادیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

- (۱) حوض کوثر پر کثیر تعداد میں آنخورے ہوں گے، جس طرح کہ آسمان پر ستاروں کی تعداد ہے۔
- (۲) ہر نبی کا ایک حوض ہوگا، جس پر اس کے امتی پانی پینے کے لئے آئیں گے، اور نبی کریم ﷺ کی امت کے لوگوں کی تعداد چونکہ دوسری تمام امتوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوگی، اس لئے آپ کے حوض پر پانی پینے کے لئے آنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی، اور یہ بات یقینی ہے، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں، لہذا نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ ”مجھے امید ہے“ جس سے شک کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے، یہ محض تواضع اور عاجزی کی وجہ سے ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَوَانِي الْحَوْضِ

یہ باب حوض کے برتنوں کی صفت کے بیان میں ہے

عَنْ أَبِي سَلَامٍ الْخَنَسِيِّ قَالَ: بَعَثَ إِلَى عَمْرِو بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَحَمَلَتْ عَلَى الْبَرِيدِ، قَالَ: فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ قَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ: لَقَدْ شَقَّ عَلَيَّ مَرْكَبِي الْبَرِيدُ، لَقَالَ يَا أَبَا سَلَامٍ: مَا أَرَدْتُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ وَلَكِنْ بَلَّغْنِي عَنْكَ حَدِيثَ، فَعَدَدْتُ عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْحَوْضِ، فَأَخْبَيْتُ أَنْ تُشَافِهَنِي بِهِ، قَالَ أَبُو سَلَامٍ: حَدَّثَنِي ثَوْبَانُ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: حَوْضِي مِنْ عَدَنَ إِلَى عَمَانَ الْبَلْقَاءِ، مَاءُهُ أَشَدُّ بَيَاضاً مِنَ اللَّبَنِ وَأَخْلَى مِنَ الْقَسَلِ، وَأَكْوَابُهُ عَدَدُ نَجُومِ السَّمَاءِ. مَنْ شَرِبَ مِنْهُ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ بَعْدَهَا أَبَدًا، أَوَّلَ النَّاسِ وَزُودَ عَلَيْهِمْ فَفَرَّءَ الْمُهَاجِرِينَ، الشُّعْثُ زُؤُوسًا، الدُّنْسُ لِيَابًا، الَّذِينَ لَا يَنْكَحُونَ الْمُتَنَعِمَاتِ وَلَا يَفْتَحُ لَهُمُ الشَّدَفُ، قَالَ عَمْرُو: وَلَكِنِّي نَكَحْتُ الْمُتَنَعِمَاتِ، وَلِحَبْثِ لِي الشَّدَفُ، نَكَحْتُ فَاظْمَأَتْ بَنْتُ عَبْدِ الْمَلِكِ، لَا جَزْمَ لِي لَا أَغْسِلُ رَأْسِي حَتَّى يَشْفَتْ، وَلَا أَغْسِلُ ثَوْبِي الَّذِي يَلِي جَسَدِي حَتَّى يَنْسَخَ.

حضرت ابوسلام حبشی کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے میری طرف پیغام بھیجا (کہ میرے پاس آؤ اور سفر کے لئے سواری بھیجی) تو مجھے برید یعنی خچر پر سوار کیا گیا، راوی کہتے ہیں کہ جب وہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس داخل ہوئے تو عرض کیا اے امیر المؤمنین: برید والی سواری مجھ پر شاق گذری تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: میں آپ کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتا (آپ کو بلایا اس لئے ہے) کہ مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ آپ حضرت ثوبان کے واسطے سے نبی کریم ﷺ سے حوض کوثر کے بارے میں حدیث بیان کرتے ہیں تو میں نے چاہا کہ آپ سے بالمشافہ (یعنی براہ راست) سن لوں، ابوسلام نے کہا کہ: مجھے حضرت ثوبان نے نبی کریم ﷺ سے حدیث بیان کی کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے حوض کی لمبائی عدن اور عمان بقاء کے درمیانی فاصلہ کے بقدر ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے، اور اس کے آنخورے آسمان کے ستاروں کی تعداد کے بقدر ہیں (یعنی بہت زیادہ ہیں) جو شخص بھی ایک مرتبہ اس کا پانی پی لے گا، اس کے بعد کبھی وہ پیاسا نہ ہوگا، اس حوض پر پانی پینے کے لئے آنے والے سب سے پہلے لوگ فقراء مہاجرین ہوں گے، (دنیا میں ان کے فقر و فاقہ کا یہ حال ہوگا کہ) جن کے ہال بکھرے ہوئے اور کپڑے میلے کھیلے ہوں گے، جو خوشحال گھرانوں کی لڑکیوں سے (اگر اپنے نکاح کا پیغام بھیجیں تو وہ ان سے) نکاح کے قائل نہیں سمجھے جاتے اور جن کے لئے (گھروں کے) دروازے نہیں کھولے جاتے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: لیکن میں نے تو تازہ پروردہ اور خوشحال عورتوں سے نکاح کیا ہے اور میرے لئے دروازے بھی کھولے جاتے ہیں، میں نے فاطمہ بنت عبدالمکک سے نکاح کیا ہے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ میں اپنا سراس وقت تک نہیں دھوتا، جب تک کہ وہ غبار آلود نہ ہو جائے، اور میں اپنے اس کپڑے کو بھی (اس وقت تک) نہیں دھوتا، جو میرے جسم پر ہو، یہاں تک کہ وہ میلا کچھلا ہو جائے۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ: مَا آيَةُ الْخَوْضِ؟ قَالَ: وَاللَّهِ نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَيْفُةُ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ لُجُومِ السَّمَاءِ وَكَوَاكِبِهَا فِي لَيْلَةٍ، مَظْلَمَةٌ مُضْجِيَّةٌ مِنْ آيَةِ الْجَنَّةِ مِنْ شَرِبَ مِنْهَا شَرْبَةً لَمْ يَطْعَمْ أَحَدٌ مَّا عَلَيْهِ، عَزْطَةٌ مِثْلَ طُولِهِ مَا بَيْنَ عَمَّانَ إِلَى أَيْلَةَ، مَاؤُهُ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَخْلَى مِنَ الْعَسَلِ۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: حوض کے برتن کس طرح کے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس کے برتن آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہوں گے اور ستارے بھی ایسی تاریک رات کے کہ جس میں بادل بالکل نہ ہوں، وہ برتن جنت کے برتنوں میں سے ہیں، جس نے اس سے ایک مرتبہ پانی پی لیا تو پھر وہ آخر تک کبھی پیاسا نہیں ہوگا، اس کی چوڑائی بھی لمبائی کی طرح ہی ہوگی یعنی عمان سے ایلہ تک، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنی: آوانی: آیہ کی جمع ہے، اور آیہ جمع ہے اِناء کی: برتن۔ برید: یہ فارسی زبان کا کلمہ ہے، اس کے معنی

”نخّر“ کے ہیں، اور اصل میں یہ لفظ ”بریدہ دم“ ہے جس کے معنی ”دم کتا“ کے ہیں، یہ نخّر ایک مقام سے دوسرے مقام تک ڈاک لے جانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، اور علامت کے طور پر اس کی دم کو کاٹ دیا جاتا تھا، پھر اس ڈاک کو بریدہ کہا جانے لگا، جو اس پر سوار ہو کر جایا کرتا تھا، یہاں حدیث میں برید کے اصل معنی یعنی نخّر ہی مراد ہیں۔ شق علی: مجھ پر دشوار ہوا، مشقت میں ڈالا۔ اُن تشافہنی: کہ آپ مجھ سے بالمشافہ یعنی براہ راست بیان کریں۔ عدن: (عین اور دال پر زبر کے ساتھ) ساحل سمندر پر یمن کا ایک شہر ہے۔ عمان البلقاء: (عین پر زبر اور میم پر تشدید کے ساتھ) یہ موجودہ اردن کا دار الحکومت ہے، اور بلقاء فلسطین کا ایک شہر ہے، اور عمان چونکہ اس کے قریب ہے، اس لئے اسے عمان البلقاء کہتے ہیں۔ ”ما بین عمان: (عین پر پیش اور میم پر زبر کے ساتھ) الی ایلہ“: اس سے حافظ ابن حجر کے نزدیک ملک عمان مراد ہے جو بحر ہند اور خلیج عربی پر جنوب مشرق میں واقع ہے، جس کا دار الخلافہ ”مسقط“ ہے۔ ”ایلہ“ ملک شام کا ایک شہر ہے، (۱)

أحلی: زیادہ شیریں، زیادہ میٹھا۔ اکواب: کوب کی جمع ہے: دستہ کے بغیر کوزہ، گلاس۔ الشعث: (شین پر پیش اور عین کے سکون کے ساتھ) اشعث کی جمع ہے پراگندہ بال، منتشر اور بکھرے ہوئے بال والا۔ الدنس: (دال اور نون پر پیش کے ساتھ) دُسن (دال اور نون پر زبر کے ساتھ) میل پکیل۔ المتنعمت: متعصم کی جمع ہے ناز و نعمت میں پروردہ لڑکیاں۔ لایسک حون المتنعمت: اس مضارع کو معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے، معروف کی صورت میں معنی ہوں گے: وہ آسودہ حال لڑکیوں سے نکاح نہیں کر سکتے، اور مجہول کی صورت میں معنی ہوں گے: وہ خوشحال گھرانوں کی لڑکیوں سے نکاح کے قابل نہیں سمجھے جاتے، سدد: (سین پر پیش اور دال پر زبر کے ساتھ) سدة کی جمع ہے: دروازے۔ یتسغ: وہ میلا پھیلا ہو جائے۔ مصحیة: وہ رات جو بادل سے بالکل صاف ہو، اخر ما علیہ: اسے ترکیبی لحاظ سے مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، اس پر نصب ظرف کی وجہ سے ہوگی، اور رفع کی صورت میں اس کا مبتدا مخدوف ہوگا ای ذلک اخر ما علیہ۔

حوض کوثر کا طول و عرض کتنا ہوگا

حوض کوثر کی وسعت بیان کرنے کے لئے مختلف حدیثوں میں مختلف شہروں اور علاقوں کے درمیانی فاصلہ کا ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ باب کی پہلی حدیث میں عدن اور عمان البلقاء کے درمیانی فاصلہ کا ذکر ہے، اور باب کی دوسری حدیث میں عمان اور ایلہ کی درمیانی مسافت، اور ایک حدیث میں ایلہ اور صنعاء یمن کا ذکر ہے، ایک حدیث میں دو مہینے کی مسافت اور بعض روایات میں تین دن کی مسافت کا ذکر کیا گیا ہے، گویا مسافت کے بیان کے لحاظ سے روایات میں تعارض ہے؟ شارحین حدیث نے مذکورہ تعارض میں دو طرح کی تطبیق ذکر کی ہے:

(۱) ان تمام احادیث میں حوض کوثر کی لمبائی اور چوڑائی کو متعین طور پر حد بندی کے ساتھ بیان کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ ان

(۱) نکملۃ فتح الملہم ۵۱۱/۲، ۵۰۴، کتاب الفضائل، باب اثبات۔ حوض۔ تحفۃ الاحوذی ۱۸۱/۷

سے صرف اس کی لمبائی اور چوڑائی کی وسعت و زیادتی کو بیان کیا گیا ہے، اور احادیث میں مختلف شہروں کی مسافتیں مختلف سامعین کے اعتبار سے بیان کی گئی ہیں، جو شخص جن علاقوں سے واقف تھا، ان کی مسافتوں کے بارے میں اسے علم تھا تو نبی کریم ﷺ نے اس کے سامنے حوض کوثر کی وسعت کو سمجھانے کے لئے اسی علاقے کا نام ذکر فرمادیا۔

(۲) علامہ نووی فرماتے ہیں کہ عدد اقل عدد اکثر کی نفی نہیں کرتا، نبی کریم ﷺ نے پہلے تھوڑی مسافت کا ذکر فرمایا پھر آپ کو وحی کے ذریعہ زیادہ کا بتایا گیا تو آپ نے پھر زیادہ مسافت کو بیان فرمادیا۔ (۱)

”فقراء المهاجرين“ سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے، پھر انہی کے حکم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جنہوں نے دین کی خاطر اپنے وطن سے ہجرت اختیار کی اور مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ جا کر بس گئے اور دین کی خاطر طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کیں۔

ولکنی نکحت المتعمات

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خوشحال گھرانے سے شادی کی تھی، ان کی اہلیہ فاطمہ، خلیفہ عبدالملک بن مروان کی بیٹی تھی، اور اس کے چاروں بھائی سلیمان، یزید، ہشام اور ولید بھی خلیفہ تھے اور ان کے شوہر حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی خلیفہ تھے۔ (۲)

باب

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لَمَّا أُنْزِيَ بِالنَّبِيِّ ﷺ جَعَلَ يَمْزُجُ بِالنَّبِيِّ وَالنَّبِيِّينَ وَالْقَوْمَ، وَالنَّبِيِّ وَالنَّبِيِّينَ وَالْقَوْمَ، وَالنَّبِيِّ وَالنَّبِيِّينَ وَالْقَوْمَ، فَقُلْتُ: مَنْ هَذَا؟ قِيلَ: هُوَ نَبِيٌّ وَقَوْمُهُ، وَلَكِنْ إِزْفَعُ وَأَسْكُ فَاَنْظُرْ، قَالَ: فَإِذَا هُوَ سَوَادٌ عَظِيمٌ، قَدْ سَدَّ الْأَفْقَ مِنْ ذَا الْجَنَابِيبِ وَمِنْ ذَا الْجَنَابِيبِ، فَقِيلَ: هُوَ لَأَوْ أَفْشَكَ وَسَيُؤَى هُوَ لَأَوْ مِنْ أَمْتِكَ سَبْعُونَ أَلْفًا، يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ، فَدَخَلَ، وَلَمْ يَسْأَلُوهُ وَلَمْ يُفَسِّرْ لَهُمْ، فَقَالُوا: نَحْنُ هُمْ، وَقَالَ قَائِلُونَ: هُمْ أَبْنَاءُ الَّذِينَ وَلِدُوا عَلَى الْفِطْرَةِ وَالْإِسْلَامِ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ، فَقَالَ: هُمُ الَّذِينَ لَا يَكْتُونُونَ وَلَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ فَكَا شَهْدَ بَنٍ مَحْضَنِ فَقَالَ: أَنَا مِنْهُمْ يَارَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، ثُمَّ قَامَ أَخْرَجَ فَقَالَ: أَنَا مِنْهُمْ؟ فَقَالَ: سَبَقَكَ بِهَا عِشْرَتُكَ.

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کورات کے وقت لے جایا گیا (یعنی آپ ﷺ معراج پر تشریف لے گئے) تو آپ ﷺ کا ایسے نبی یا نبیوں پر گزر ہوا کہ جن کے ساتھ ایک قوم تھی پھر کسی نبی یا نبیوں پر سے گزر ہوا، جن کے ساتھ ایک جماعت تھی، پھر ایسے نبی یا انبیاء پر سے گزر ہوا، جن کے ساتھ ایک آدمی بھی نہیں تھا،

(۱) نکملة فتح للملهم، ۵۰۶/۳

(۲) تحفة الاحوذی ۱۱۶/۷

یہاں تک کہ آپ ایک بڑی تعداد کے پاس سے گزرے، تو میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم ہے (پھر آپ سے کہا گیا) لیکن آپ اپنا سراٹھائیے اور دیکھئے، فرمایا (میں نے دیکھا تو) انسانوں کا ایک جم غفیر ہے، جس نے آسمان کے دونوں جانبوں کو ڈھانپ رکھا ہے، کہا گیا: یہ آپ کی امت ہے اور اس کے علاوہ آپ کی امت کے ستر ہزار آدمی اور ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، اس کے بعد نبی کریم ﷺ گھر تشریف لے گئے، نہ صحابہ نے آپ سے پوچھا، اور نہ آپ نے انہیں بتایا (کہ وہ کون لوگ ہیں) چنانچہ بعض حضرات کہنے لگے کہ شاید وہ ہم لوگ ہوں اور بعض کہنے لگے کہ ان سے وہ بچے مراد ہیں، جو فطرتِ اسلام پر پیدا ہوئے، اتنے میں نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو نہ داغے ہیں اور نہ جھاڑ پھونک کرتے ہیں اور نہ ہی بد فالی لیتے ہیں اور اپنے رب پر ہی اعتماد کرتے ہیں، اس پر عکاشہ بن محسن کھڑے ہوئے اور عرض کیا: کیا میں ان میں سے ہوں یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں، پھر ایک اور (انصاری) صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا: کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا: عکاشہ تم پر سبقت لے گئے۔

مشکل الفاظ کے معنی: الوهط: (را پر زبر اور ہا کے سکون کے ساتھ) گردہ، جماعت۔ سواد: بھاری تعداد، جم غفیر، جمع اسودۃ۔ سد الافق: آسمان کو کثرت کی وجہ سے ڈھانپ دیا۔ لایکتون: وہ داغ نہیں لگاتے۔ لایستوفون: وہ لوگ جھاڑ پھونک نہیں کرتے۔ لایطیرون: وہ بد فالی نہیں لیتے، جیسے زمانہ جاہلیت میں لوگ پرندوں سے بدشگونی لیا کرتے تھے، جس کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔

اللہ پر کامل توکل کرنے والوں کی فضیلت

اس حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) امت محمدیہ کی تعداد تمام امتوں سے زیادہ ہوگی، دیگر امتیں اس کے مقابلے میں تعداد کے اعتبار سے کم ہوں گی، معراج کے موقع پر جب آپ ﷺ کو بھاری تعداد دکھائی گئی، جس نے آسمان کا کنارہ بھی گھیر رکھا تھا، آپ نے پوچھا کہ یہ کس کی امت ہے؟ بتایا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے جو اس قدر کثیر تعداد میں ہوگی۔

سوال یہ ہے کہ اس بات سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت کو نہیں پہچان سکیں گے، جب کہ دیگر بے شمار روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت کے افراد کو اعضاء وضو کے روشن اور چمکنے کی وجہ سے ہی پہچان لیں گے، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے.....؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ وہ لوگ جنہیں آپ نے معراج کے موقع پر افاق پر دیکھا، انہیں پہچانا نہیں جاسکتا تھا، انہیں دیکھ کر صرف کثرت اور بھائی تعداد ہی پر اندازہ لگایا جاسکتا تھا اور جن روایات میں

پہچانے کا ذکر ہے، ان سے مراد یہ ہے کہ اس وقت لوگ آپ ﷺ کے قریب ہوں گے، جس سے آپ انہیں پہچان لیں گے۔ (۱)

(۲) اس امت کے ستر ہزار لوگ حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے، چنانچہ حدیث میں فرمایا: ہولاء امتک و مسوی ہولاء من امتک سبعون الفا۔۔۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ستر ہزار سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان لوگوں کے علاوہ ہیں جن کے بارے میں آپ کو بتایا گیا ہولاء امتک سے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ستر ہزار لوگ بھی ان ہی میں سے ہوں، جو حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے، اس دوسرے معنی کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری میں ہے: ہذہ امتک و یدخل الجنة من ہولاء سبعون الفا یہ آپ کی امت کے افراد ہیں اور انہی میں سے ستر ہزار انسان ایسے بھی ہیں، جو حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔ (۲)

نبی کریم ﷺ نے ان ستر ہزار کے بارے میں کچھ ارشاد نہیں فرمایا کہ وہ کون لوگ ہوں گے، آپ اپنے گھر میں تشریف لے گئے، وہاں پر موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں سوچنے لگے کہ آیا یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں، بعض نے کہا کہ ان سے ہم لوگ ہی مراد ہیں کہ ہم آپ پر اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، جبکہ بعض کی رائے یہ تھی کہ ان سے ہماری اولاد مراد ہے جو فطرت اسلام پر پیدا ہوئی ہے، کیونکہ ہم تو زمانہ جاہلیت کی پیداوار ہیں، اسی دوران نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے، آپ نے بیان فرمادیا کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو لایکھوون.....

لا یکھوون اس کے دو مطلب ہیں:

(۱) وہ لوگ ضرورت کے بغیر جسم پر نہیں دھواتے، الایہ کہ انہیں ایسی کوئی مجبوری پیش آجائے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو پھر یہ عمل وہ کرتے ہیں، اور ضرورت کے وقت داغ لگانا بعض صحابہ کرام سے ثابت ہے مثلاً سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، انہوں نے بھی ضرورت کے تحت داغ لگوا دیا ہے۔

(۲) بعض حضرات کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ بالکل نہیں داغ لگواتے، خواہ انہیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو، ان سے وہ اولیاء کرام مراد ہیں، جو ولایت و بزرگی کے اس مقام تک پہنچ جاتے ہیں کہ دنیا کے ساز و سامان اور اسباب سے بالکل اعراض کرتے ہیں، دنیا کی کسی چیز کے ساتھ ان کا لگاؤ نہیں رہتا، ایسے لوگ اسباب و ذرائع اختیار کرنے سے مستغنی ہو جاتے ہیں، یہ توکل کا سب سے اعلیٰ مقام ہے، جو ہر شخص کو حاصل بھی نہیں ہوتا، اور نہ ہی اس مقام کو حاصل کرنے کا انسان مکلف ہے۔

لایسترقون اس کے دو معنی ہیں:

(۱) وہ لوگ بالکل جھاڑ پھونک کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کیونکہ ان کی نظر اللہ تعالیٰ پر اس درجہ کامل ہوتی ہے کہ وہ ظاہری اسباب کو ترک کر دیتے ہیں۔

(۱) فتح الباری، ۱/۲۹۷، کتاب الرقاق، باب یدخل الجنة سبعون الفا۔

(۲) مرقاة المفاتیح، ۹/۴۷۸، کتاب الرقاق، باب التوکل والصبر۔

(۲) وہ دم، جھاڑ پھونک اور منتر نہیں کرتے، جو زمانہ جاہلیت والا ہے، جس میں شرکیہ الفاظ شامل ہوتے تھے، کیونکہ ان الفاظ سے دم اور جھاڑ پھونک کرنا جو قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہوں، جائز ہے اور توکل کے منافی نہیں بشرطیکہ انہیں موثر حقیقی نہ سمجھا جائے۔

ولا یطعیرون وہ بدقالی اور بدشگونی نہیں لیتے، معنی یہ ہیں کہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی طرح پرندوں کے اڑ جانے اور آواز وغیرہ سن کر ان سے بدشگونی نہیں لیتے، کیونکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں، بلکہ ان کی نظر ہر معاملے میں صرف اللہ تعالیٰ پر رہی ہوتی ہے کہ نفع اور نقصان کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (۱)

چنانچہ علامہ ابن الاثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علاج و اسباب کو ترک کر دینا ان خاص اولیاء کرام اور اللہ کے برگزیدہ بندوں کی صفت ہے جو دنیا اور اس کے اسباب و وسائل سے اعراض کرتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ جب یہ اللہ کے خاص مقرب بندوں کی صفت ہے تو پھر نبی کریم ﷺ نے علاج و اسباب اختیار کرنے کو عملاً اور قولاً کیسے اپنایا، کہ آپ نے خود بھی علاج و اسباب کو اختیار کیا ہے اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ معرفت الہی اور توکل کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز تھے، تاہم علاج و معالجہ اور وسائل و ذرائع کی مشروعیت بتلانے اور بیان جواز کے لئے آپ نے یہ اختیار فرمایا، اس سے آپ کے توکل کی صفت میں کوئی کمی نہیں آئی کیونکہ آپ ایک ایسے کامل متوکل تھے کہ اسباب و ذرائع اختیار کرنے سے آپ کے توکل پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا، یہ صرف اور صرف آپ ﷺ کی خصوصیت تھی دوسرے لوگوں کی بات دوسری ہے، خواہ وہ توکل کے بلند مقام پر ہی کیوں نہ ہوں، تاہم اسباب اختیار کرنے سے ان کے توکل میں فرق پڑ سکتا ہے، لہذا اگر کوئی شخص اخلاص کے ساتھ توکل کر کے اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے اسباب و ذرائع اور علاج ترک کر دیتا ہے تو یقیناً وہ بلند مقام کا حامل ہے۔

اس بارے میں مزید تفصیل معارف ترمذی، جلد اول ابواب الطب، ”اسباب و ذرائع اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں“ کے تحت گزر چکی ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

یہاں ایک اور شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ مذکورہ لوگوں کے بارے میں حدیث میں جو ”ستر ہزار“ کی تعداد کا ذکر ہے تو کیا اس امت میں ایسے لوگوں کی تعداد صرف ستر ہزار ہی ہوگی، بظاہر تو ان اوصاف کے حاملین کی تعداد زیادہ بھی ہو سکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان میں ”ستر“ کا عدد کثرت کے لئے استعمال ہوتا ہے، معنی یہ ہیں کہ بہت سے لوگوں کو جنت میں بغیر حساب کے داخل کیا جائے گا، جو ان صفات کے حامل ہوں گے، حدیث میں محض ستر ہزار کا عدد درج نہیں ہے۔ (۲)

ثم جاءه اخر فقال: انا منهم؟ فقال: سبقك بها عكاشة

(۱) مرقاة المفاتیح ۳۸۰/۹

(۲) فتح الباری ۵۰۰/۱۱، تحفة الاحوذی ۱۱۹/۷

یہ دوسرے آدمی کون تھے؟ اس میں ایک قول تو یہ ہے کہ یہ حضرت سعد بن عبادہ تھے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کوئی اور منافق آدمی تھا، حضور اکرم ﷺ نے اس کی پردہ پوشی کرتے ہوئے سبقک بھاعکاشہ فرما کر اچھے انداز سے اس کی بات کو رد کیا کہ شاید وہ توبہ کر کے غلط مسلمان بن جائے۔

نبی کریم ﷺ نے سبقک بھاعکاشہ کس وجہ سے فرمایا؟

شارحین حدیث نے اس کی تین وجہیں ذکر کی ہیں:

- (۱) بعض حضرات کے نزدیک حضرت عکاشہ نے جب دعا کرائی تو وہ قبولیت کا وقت تھا، اس لئے ان کے حق میں تو دعا قبول ہوگئی لیکن دوسرے نے جب کہا تو اس وقت دعا کی قبولیت کا وقت نہیں تھا، اس لئے اس کے بارے میں آپ نے دعا نہیں فرمائی۔
- (۲) یا اس لئے کہ وہ پوچھنے والا ان لوگوں میں سے نہیں تھا، جن کی بغیر حساب کے مغفرت ہوگی۔
- (۳) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہو لیکن حضور ﷺ نے اس سلسلے کو مزید آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اب ہر ایک اٹھ کر اپنے بارے میں پوچھنا شروع کر دے کہ میں بھی ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہوں یا نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تیسرا قول بہتر ہے، بجائے اس کے کہ یوں کہا جائے کہ وہ آدمی منافق تھا اور اس فضیلت کا اہل نہیں تھا، اس لئے کہ کسی بھی شخص کے بارے میں صریح نص کے بغیر نفاق کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، اور اس وجہ سے بھی کہ اس قسم کا سوال وہی شخص کرتا ہے جو صحیح مسلمان ہو، جس کے دل میں اللہ کی محبت، فکر آخرت اور بغیر حساب کے مغفرت کی طلب ہو، اور منافق کے دل میں چونکہ یہ فکر نہیں ہوتی اس لئے وہ ایسا سوال نہیں کرتا،

فقال: الا انهم يارسل الله؟ قال: نعم،

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں فوراً بتا دیا کہ آپ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جبکہ بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عکاشہ نے آپ ﷺ سے ان لوگوں میں شمولیت کے لئے دعا کی درخواست کی، چنانچہ آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی، اس لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دونوں احادیث میں یوں تطبیق دی ہے کہ پہلے انہوں نے دعا کروائی اور پھر پوچھا کہ کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ تو آپ ﷺ نے بتا دیا کہ: جی ہاں: تم بھی ان میں سے ہو، گویا تمہارے حق میں دعا قبول ہو گئی ہے۔ (۱)

حضرت عکاشہ ایک مشہور صحابی

حضرت عکاشہ (عین پر پیش اور کاف پر زبردتشدید اور تخفیف کے ساتھ) بن محسن بن حراثان، یہ ان صحابہ میں سے ہیں

جنہوں نے ابتداء میں اسلام قبول کر لیا تھا، تمام غزوات میں پابندی سے شریک ہوتے رہے، غزوہ بدر میں ان کی تلوار ٹوٹ گئی تو نبی کریم ﷺ نے ایک لکڑیا کھجور کی شاخ انہیں دی تو ان کے ہاتھ میں معجزانہ طور پر وہ تلوار ہو گئی۔ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے انہیں بشارت دے دی کہ تم ان لوگوں میں سے ہو کہ جنہیں حساب کے بغیر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

بعض کے نزدیک حضرت صدیق اکبر کے دور خلافت میں مرتدین کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے اور انہیں جھوٹے نبی طلحہ بن خویلد نے مارا تھا، ان کی عمر ۳۵ سال تھی، اور ان سے حضرت ابو ہریرہؓ، ابن عباس اور ان کی بہن ام قیس نے روایات نقل کی ہیں۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: مَا أَغْرَفَ شَيْئًا وَمَا كُنَّا عَلَيْهِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَقُلْتُ: أَيْنَ الصَّلَاةُ؟ قَالَ: أَوْلَمْ تَضُنُّوا فِي صَلَاتِكُمْ مَا قَدْ عَلِمْتُمْ؟

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں اس طرح کی کوئی چیز اب نہیں دیکھتا، جس پر کہ ہم نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تھے، ابو عمران جونی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: کہاں ہے نماز؟ (یعنی یہ تو باقی ہے) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم لوگوں نے نماز میں ایسی چیز نہیں ایجاد کر لی، جسے تم جانتے ہو (یعنی اس کی ادائیگی میں تاخیر، اور سستی)

نماز میں اس قدر تاخیر

اس روایت میں دراصل حجاج بن یوسف کے دور میں نماز میں تاخیر کا ذکر ہے، کہ وہ بسا اوقات نماز کو اس کے وقت سے بہت مؤخر کر دیتا تھا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس پر ناگواری کا اظہار فرما رہے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تو نمازوں میں اس قدر تاخیر نہیں کی جاتی تھی، چنانچہ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت انس بن مالک، حجاج بن یوسف کی مجلس سے اس وجہ سے واپس تشریف لے گئے کہ اس نے نماز میں بہت تاخیر کر دی تھی اور سواری پر سوار ہو کر فرمایا کہ اب تو بس حضور ﷺ کے زمانہ کی چیز صرف کلمہ شہادت ہی رہ گیا ہے، یعنی نماز کی ادائیگی میں بہت سستی شروع ہو گئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ زمانہ جس قدر قیامت کے قریب ہوتا چلا جائے گا تو لوگ نمازوں کی ادائیگی میں لا پرواہی اور سستی کا برتاؤ زیادہ کریں گے۔ (۲)

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ الْخَثْعَمِيَّةِ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: يَشْسُ الْعَبْدُ عَبْدَ قَحِيلٍ وَاخْتَالَ، وَنَسِيَ الْكَبِيرَ الْمُتَعَالَ، وَيَشْسُ الْعَبْدُ عَبْدَ تَجَبَرٍ وَاعْتَدَى، وَنَسِيَ الْجَبَّارَ الْأَعْلَى، يَشْسُ الْعَبْدُ عَبْدَ سَهَى وَلَهَى، وَنَسِيَ الْمُقَابِرَ وَالْبَلَى، يَشْسُ الْعَبْدُ عَبْدَ عَتَا وَطَفَى، وَنَسِيَ الْمُبْتَذَأَ وَالْمُنْتَهَى، يَشْسُ الْعَبْدُ عَبْدَ

(۱) الاصابة ۳/۳۳۹، العين بعد ما الكاف، مرقاة ۹/۳۸۰۔

(۲) تحفة الاحوذی ۱۲۰/۷۔

يَخْتَلِ الدُّنْيَا بِالَّذِينَ يَشْتَغِلُ الْعَبْدُ عِبَادَتِ الدِّينِ بِالشُّبُهَاتِ، يَشْتَغِلُ الْعَبْدُ عِبَادَتِ طَمَعٍ يَقْوُ ذُو الْعَبْدِ عِبْدَ هَوَىٰ يُضِلُّهُ يَشْتَغِلُ الْعَبْدُ عِبَادَتِ رَغَبٍ يَذِلُّهُ۔

حضرت اسماء بنت عمیسؓ کہتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: برا بندہ ہے وہ جس نے اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر جانا اور فخر و غرور کیا، اور خدائے بزرگ و برتر کو وہ بھول گیا، اور برا ہے وہ بندہ جس نے تکبر کیا اور ظلم و زیادتی کی، اور اس جبار ذات کو بھول گیا، جو (ہر لحاظ سے) بلند اور غالب ہے، اور برا ہے وہ بندہ جو دنیاوی امور میں مشغولیت کی وجہ سے دینی کاموں کو بھول گیا اور کھیل کود میں مصروف رہا، اور قبروں اور ہڈیوں کے بوسیدہ اور فنا ہو جانے کو بھول گیا، اور برا ہے وہ بندہ جو فتنہ و فساد پھیلانے اور حد سے تجاوز کر جائے، اور اپنی ابتداء اور انتہاء کو بھول جائے (یعنی اسے یہ یاد نہیں کہ کس قدر حقیر اور گندے پانی سے اسے پیدا کیا گیا اور انتہاء یہ کہ ایک نہ ایک دن اس نے منوں مٹی کے نیچے یعنی قبر میں چلے جانا ہے) اور برا ہے وہ بندہ جو دین کے ذریعہ دنیا طلب کرے، برا ہے وہ بندہ جو دین کو طرح طرح کے شبہات سے خراب کرے (اور حرام چیزوں میں تاویل پس کرے) برا ہے وہ بندہ جس کو لالچ ہانکتی رہتی ہے (یعنی اسے امیروں کے دروازے پر کھینچ کھینچ کر لے جاتی ہے) برا ہے وہ بندہ جس کو اس کی نفسانی خواہش گمراہ کرتی ہے، برا ہے وہ بندہ جس کو (دنیا کی) رغبت اور حرص ذلیل کرتی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: تعجیل: دوسروں سے اپنے آپ کو اچھا اور بہتر جانا، تکبر کیا۔ اختلال: فخر و غرور اور تکبر کیا۔ المعتال: بلند و برتر، اصل میں یہ لفظ المتعالی (یاء کے ساتھ) ہے یعنی اسم مقوص ہے، تخفیفاً اس کے آخر سے یاء کو گرا دیا۔ تعجبو: تکبر کیا۔ اعتدی: ظلم و زیادتی کی۔ جبار: اللہ تعالیٰ کا نام ہے: غالب اور زبردست۔ الاعلیٰ: جو ہر لحاظ سے بلند اور غالب ہے۔ سہی: دنیاوی امور میں مشغولیت کی وجہ سے دین کے کاموں کو یعنی اللہ کی اطاعت کو بھول گیا۔ لہی: لہو و لعب اور کھیل کود میں مشغول رہا۔ المقابو: مقبوضہ کی جمع ہے: قبر، قبرستان۔ البلی: (باء کے نیچے زیر) ہڈیوں کا بوسیدہ اور فنا ہو جانا۔ عتا: فساد پھیلانے۔ طغی: تکبر و سرکشی کرے۔ المبتدا: ابتداء، اس سے تخلیق مراد ہے کہ وہ کس قدر ذلیل اور گندے پانی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ المنتہی: انتہاء، مراد یہ ہے کہ بالاخر اس نے قبر میں جانا ہے جو وحشت و تنہائی اور کیڑے مکوڑوں کا گھر ہے۔ یختل: بخل کرتا ہے، حاصل کرتا ہے، فساد پھیلاتا ہے، خراب کرتا ہے۔ الشبہات: شبہ کی جمع ہے: شبہات اور اشکالات۔ یقو وہ: اس کو ہانک کر لے جاتی ہے، کھینچ کر لے جاتی ہے۔ رغب: (را پر پیش اور زبر، فین پر زبر اور سکون کے ساتھ) دنیا طلبی کی زیادہ رغبت و حرص۔ یذللہ: (یا پر پیش اور ذال کی زیر کے ساتھ) حرص و ہوس اس کو ذلیل کرے گی۔

اسلام کی نظر میں برے بندے

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے نو قسم کے بندوں کا ذکر فرمایا ہے، جو اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں ناپسندیدہ اور

برے ہیں، اور ساتھ ہی ان کے وہ اوصاف اور کمزوریاں بھی بیان فرمائی ہیں، جن کی وجہ سے انہیں برا کہا گیا ہے:

(۱) وہ شخص جو اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے افضل اور بہتر سمجھے، اور دوسروں کو کمتر اور حقیر قرار دے، یعنی تکبر کرے، ایسا شخص برا ہے کیونکہ اس نے اللہ کی صفت کبریائی کو اپنے لئے ثابت کیا ہے، وہ اس بات کو بھول گیا ہے کہ ہر قسم کی بڑائی، عظمت اور کبریائی اللہ ہی کی صفت ہے۔

(۲) جو شخص تکبر و غرور کی وجہ سے دوسروں پر ظلم و زیادتی کرے اور اپنے رب کو بھول جائے کہ وہ زبردست، غالب اور ہر لحاظ سے برتر ہے۔

(۳) وہ شخص جو دنیا کے دھندوں میں اس قدر منہمک ہو جائے کہ اللہ کی اطاعت اور دینی کاموں کو نظر انداز کر دے، اور کھیل کود میں مشغول رہے، قبر اور اس میں ہڈیوں کے بوسیدہ اور فنا ہو جانے کو بھول جائے یعنی موت کی تیاری نہ کرے۔

(۴) وہ سرکش جو شرافت کی حدود کو پھیلا نک جائے اور زمین میں فتنہ و فساد پھیلائے اور اپنی ابتداء اور انتہاء کو بھول جائے یعنی یہ نہ دیکھے کہ میری پیدائش کس طرح ہوئی، ایک ناپاک گندے پانی سے اور انتہاء یہ کہ بالآخر اس نے زیر زمین قبر میں جا کر مٹی ہو جانا ہے، معنی یہ ہیں کہ جس کی یہ ابتداء اور انتہاء ہو، اسے تو اللہ جل جلالہ کی ضرور اطاعت کرنی چاہیے، اللہ کی اطاعت سے روگردانی کرنا کسی بھی طرح اس کے لئے مناسب نہیں ہے۔

(۵) وہ شخص جو دین کے ذریعہ دنیا حاصل کرے، یہی اس کا مقصود ہو، اہل دین اور نیک لوگوں کے لہادہ میں رونما ہو کر لوگوں کو دھوکہ دے اور ان سے مال و دولت حاصل کرے، یہ بھی انتہائی برا ہے۔

(۶) اپنے اور دوسروں کے دین کو طرح طرح کے شبہات سے خراب کرے اور حرام کردہ چیزوں میں ایسی تاویل کرے کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ حلال ہیں، گو یا دین کو خلط ملط کر کے پیش کرے۔

(۷) جس شخص پر دنیا کی حرص و ہوس اس قدر سوار ہو کہ وہ اس کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔

(۸) وہ شخص جسے اس کی نفسانی خواہش گمراہ کرتی ہے کہ نفس کو خوش کرنے کے لئے ہر قسم کے گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے۔

(۹) وہ شخص بھی برا ہے، جسے مال و دولت کی کثرت کی لالچ، ہر قسم کی ذلت و رسوائی سے دو چار کرے، دنیا داروں کے دروازوں پر اسے گھماتی رہے، تاکہ مال و دولت زیادہ سے زیادہ حاصل ہو جائے۔

اس روایت سے مقصود یہ ہے کہ مسلمان کو ان بری صفات سے بچ کر زندگی گذارنی چاہیے، تاکہ وہ اللہ اور رسول کی نظر میں بہترین انسان ثابت ہو اور اسے وہ فضیلتیں حاصل ہو سکیں جو کہ کامل ایمان والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں۔ (۱)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَيُّمَا مُؤْمِنٍ أَطْعَمَ مُؤْمِنًا عَلَى جُوعٍ أَطْعَمَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نِشَارَ الْجَنَّةِ، وَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ سَقَى مُؤْمِنًا عَلَى ظَمَأٍ سَقَاهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الرَّحِيقِ الْمَخْضُومِ، وَأَيُّمَا

مؤمن کسما مؤمناً علی غری کسما اللہ من غصنہ الجنۃ۔

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو مؤمن کسی مؤمن کو بھوک کے وقت کھلائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے جنت کے پھلوں سے کھلائے گا، اور جو مؤمن کسی مؤمن کو پیاس کے وقت (پانی، مشروب) پلائے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے صاف و خالص شراب پلائے گا جو مہر لگا ہوا ہوگا (یعنی بند بوتل ہوگی جس کا ڈھکن کسی نے نہیں کھولا ہوگا) اور جو مؤمن کسی مؤمن کو ننگے بدن ہونے کے وقت لباس پہنائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کا سبز لباس پہنائے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: جوع: (جیم پر پیش کے ساتھ) بھوک۔ ظما: (ظا اور میم پر زبر کے ساتھ) پیاس۔ حقیق: صاف اور خالص شراب۔ مغموم: مہر لگایا ہوا یعنی اس کا ڈھکن کسی نے نہیں کھولا ہوگا۔ عری: (عین پر پیش اور را کے سکون کے ساتھ) برہنہ جسم، ننگے بدن۔ غصنہ: (غاء پر پیش اور ضاد کے سکون کے ساتھ) اغصنہ کی جمع ہے: سبز لباس۔

دوسروں کی ضرورت پورا کرنے کی فضیلت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی ضرورت مند کی کوئی شرعی ضرورت کو پورا کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے بہترین صلہ عطا فرمائیں گے، بھوکے کو کھانا کھلایا تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن جنت کے پھل اور میوہ جات کھلائیں گے، پیاس کو پلایا تو جنت کی خالص اور صاف شراب اسے پلائی جائے گی، جس پر مہر لگی ہوگی، جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ کسی اور نے استعمال نہیں کی، یہ گویا اس آدمی کا اعزاز ہوگا، اور جو کسی برہنہ جسم کو لباس پہنائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کا سبز لباس پہنائیں گے، یعنی اس آدمی کو خاص قسم کا عمدہ سبز لباس پہنایا جائے گا، یہ اس کا خاص قسم کا اکرام ہوگا، ورنہ تو جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا، تو اسے کھلایا، پلایا جائے گا اور لباس بھی پہنایا جائے گا۔ (۱)

عن ابی ہریرۃ یقول: قال رسول اللہ ﷺ: مَنْ خَافَ أَذْلَجَ، وَمَنْ أَذْلَجَ، بَلَغَ الْمَنْزِلَ، إِلَّا إِنْ سَلَعَةَ اللَّهُ خَالِيَهُ، إِلَّا إِنْ سَلَعَةَ اللَّهُ: الْجَنَّةَ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص (اس بات سے) ڈرتا ہے (کہ اس کا دشمن رات کے آخری حصے میں حملہ کر دے گا) تو وہ رات کے پہلے حصے میں ہی چل پڑتا ہے (تا کہ دشمن کی غارتگری سے محفوظ رہ سکے) اور جو شخص رات کے پہلے حصے میں چل پڑتا ہے، تو وہ منزل تک پہنچ جاتا ہے، آگاہ ہو جاوے، بیشک اللہ کا مال و متاع بہت قیمتی ہے، (جو جان و مال کی قربانی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا) جان لو: بیشک اللہ کا مال جنت ہے۔ مشکل الفاظ کے معنی: اذلج: رات کے اول حصے میں اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔ سلعة: سامان، مال و متاع، یہاں اس

سے جنت مراد ہے، غالیۃ: مہنگا، قیمتی۔

جان و مال کی قربانی کا حکم

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ وہ شخص جسے اس بات کا یقین ہو چکا ہو کہ میرا دشمن مجھ پر حملے کی تاک میں ہے اور رات کے آخری حصے میں ضرور حملہ کر دے گا، اب یہ آدمی اپنی حفاظت کے لئے یہ تدبیر کرتا ہے کہ رات کے ابتدائی حصے میں ہی کہیں چلا جاتا ہے، تاکہ دشمن کے حملے سے محفوظ رہوں چنانچہ وہ ایسا کرنے سے دشمن کے شر اور اس کی غارتگری سے بچ جاتا ہے۔

اس مثال سے اس بات کو سمجھانا پیش نظر ہے کہ اللہ کا مال و متاع جنت ہے جو بلاشبہ انتہائی قیمتی ہے اور یہ اصول ہے کہ جو چیز جس قدر قیمتی ہو تو اس کے حصول کے لئے زیادہ محنت، زیادہ تنگ و دو، جان و مال اور وقت کی قربانی دینی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ گناہوں کو مکمل طور پر چھوڑ دیا جائے اور اعمال صالحہ کئے جائیں، اور دشمن کے وار سے بچنے کے لئے عزم و ہمت سے کام لیا جائے، ہمارا دشمن شیطان ہے، ہمارا نفس، اور برا ماحول اس کے معاون ہیں، اگر اس کے حملے سے بچنے کی تدبیر اختیار کرتے رہے کہ اس کی بات نہ مانی بلکہ اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گزارتے رہے تو عذاب سے بچ جائیں گے چنانچہ اسی بات کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا:

والباقیات الصالحات خیر عند ربک ثوابا وخیر أملاً (اور جو اعمال صالحہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب اور امید کے اعتبار سے بہتر ہیں)۔

اور فرمایا: ان الله اشترى من المؤمنين أنفسهم وأموالهم بأن لهم الجنة. (بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کے لئے جنت ہے)۔
اور اگر خدا نخواستہ نفس و شیطان کے جال میں پھنس گئے اور ان کی باتوں میں آکر اللہ کی نافرمانی کرتے رہے اور دنیا سے توبہ کے بغیر ہی چلے گئے تو پھر آخرت میں ذلت و رسوائی اور عذاب کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا۔ (۱)

عَنْ عَطِيَّةِ السَّعْدِيِّ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتَّى يَدَّغَ مَا لَا بَأْسَ بِهِ وَخَذَرَ مَا لَا بَأْسَ بِهِ۔

حضرت عطیہ سعدی سے روایت ہے اور وہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے تھے۔ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بندہ متقیوں کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا، یہاں تک کہ وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے جن میں (شرعاً) کوئی حرج نہیں، اس چیز سے بچنے کے لئے جس میں حرج ہے۔

(۱) تحفة الاحوذی ۱۲۴/۷ - مرقاة ۲۰۹/۹ کتاب الرقاق باب البکاء والخوف۔

عَنْ حَنْظَلَةَ الْأَسَدِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَوْ أَنَّكُمْ تَكُونُونَ كَمَا تَكُونُونَ عِنْدِي لَأَظْلَمْتُكُمْ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنَحَتِهَا۔

حضرت حنظلہ اسیدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم عام حالات میں بھی اسی طرح ہو جاؤ جس طرح کہ میرے پاس تمہاری دل کی کیفیت ہوتی ہے (یعنی دل کی صفائی اور خوف خدا کی مخصوص حالت و کیفیت جو میری مجلس میں تمہیں حاصل ہوتی ہے) تو فرشتے تم لوگوں پر اپنے پروں سے سایہ کرنے لگیں۔
مشکل الفاظ کے معنی: متعین: متقی کی جمع ہے: وہ شخص جو اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گزارے اور ہر قسم کے گناہ اور نافرمانی ترک کر دے۔ حتیٰ یدع: یہاں تک کہ وہ چھوڑ دے۔ حذراً: بچنے کے لئے۔ مالا باس بہ: وہ امر جس میں کوئی حرج اور گناہ نہ ہو یعنی خلاف اولیٰ۔ لا ظلمتکم: تم پر سایہ کرنے لگیں۔ اجنحة: جناح کی جمع ہے، پر۔

تقویٰ کے درجات

پہلی حدیث میں ہے کہ انسان اس وقت تک تقویٰ کا کامل درجہ حاصل نہیں کر سکتا، جب تک کہ وہ ایسی باتیں نہ چھوڑ دے، جن میں کوئی حرج نہیں، یعنی خلاف اولیٰ امور کو ترک کر دے، کیونکہ ان کو چھوڑنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ گناہوں سے بچ جائے گا، تقویٰ کے تین درجات ہیں:

- (۱) ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ کفر و شرک سے براہت کا اظہار کر دے۔
 - (۲) ان تمام کاموں کو چھوڑ دے، جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول۔ منع کیا ہے، خواہ وہ گناہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ۔
 - (۳) خلاف اولیٰ امور کو بھی ترک کر دے، تاکہ گناہوں میں مبتلا ہونے سے بچ جائے، یہ تقویٰ کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔
- دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ بات سمجھائی کہ میری مجلس میں تمہارے دلوں کی جو کیفیت ہوتی ہے یہ اگر بعد میں بھی باقی رہے، تو فرشتے تمہارے لئے دھوپ میں اپنے پروں سے سایہ کرنے لگیں، اور مسلم کے طریق میں ہے کہ وہ تم لوگوں سے بستروں اور راستوں پر مصافحہ کرنے لگیں، اس لئے میری مجلس سے باہر تمہاری یہ قلبی کیفیت یعنی دل کی صفائی، محبت الہی اور خوف خدا کی مخصوص حالت باقی نہیں رہے گی، ایسے میں تم لوگ سنت کے مطابق زندگی گزارتے رہو۔ (۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ شِرْطَةً، وَلِكُلِّ شِرْطَةٍ فَتْرَةٌ، فَإِنْ صَاحَبَهَا مَسَدٌ، وَقَارَبَ، فَارْجَوْهُ، وَإِنْ أَهْبَطَ إِلَيْهَا بِأَصَابِعٍ، فَلَا تَعْدُوهُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک ہر چیز کے لئے ایک تیزی، حرص اور نشاط ہے اور ہر حرص و نشاط اور تیزی کے لئے ضعف اور کمزوری ہے، اگر صاحب نشاط اپنے آپ کو درست کر لے اور

میانہ روی اختیار کر لے تو تم اس کی کامیابی کی امید رکھو اور اگر اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے (یعنی ریا کاری کے طور پر نیک اعمال بہت زیادہ کرتا ہے) تو تم اسے کسی شمار میں نہ لاؤ (یعنی اسے نیک لوگوں میں شمار نہ کرو)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: بِحَسَبِ اغْرَبِي مِنَ الشَّرِّ أَنْ يُشَارَ إِلَيْهَا بِأَصَابِعِ فِى دِينٍ أَوْ دُنْيَا إِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللَّهُ

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کے لئے اتنی برائی اور شر ہی کافی ہے کہ اس کی طرف دین یا دنیا کی وجہ سے انگلیوں سے اشارہ کیا جائے مگر وہ شخص کہ جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: خَطٌّ لَنَا وَسُورُ اللَّهِ ﷻ خَطٌّ مَرْبَعٌ، وَخَطٌّ لِي وَسُورُ الْخَطِّ خَطٌّ، وَخَطٌّ خَارِجٌ مِنَ الْخَطِّ خَطٌّ، وَخَوَلُ الَّذِي فِي الْوَسْطِ خَطُّ طًا، فَقَالَ: هَذَا ابْنُ آدَمَ وَهَذَا أَجَلُهُ مِنْ حَيْطُورِهِ، وَهَذَا الَّذِي فِي الْوَسْطِ: الْإِنْسَانُ وَهَذَا الْخَطُّ طَغْرُ وَهُوَ: إِنْ نَجَا مِنْهُ يَنْهَشُهُ هَذَا، وَالْخَطُّ الْخَارِجُ: الْأَمَلُ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے (ہمیں سمجھانے کے لئے) چار خط کھینچ کر ایک مربع (چوکور) بنایا، پھر اس مربع یعنی چوکور کے درمیان ایک اور خط کھینچا اور اس خط یعنی مربع سے باہر بھی ایک خط کھینچا، اور درمیان والے خط کے آس پاس کئی لکیریں کھینچی، پھر آپ نے فرمایا: یہ (پورا خط) انسان ہے، اور یہ (چوکور لکیر) اس کی موت ہے، جس نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے، اور یہ خط جو اس کے درمیان ہے (یہ) انسان ہے، اور یہ (چھوٹے چھوٹے) خط اس کے عروض یعنی مصائب و آفات ہیں، اگر وہ ایک سے نجات پالے تو یہ (یعنی دوسری آفت) اسے ڈس لیتی ہے اور باہر والا خط اس کی امید ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: شورة: (شین کے نیچے زیر اور را پر تشدید اور زیر)، حرص، نشاط، حیزی، کمال۔ فتوة: (فا پر زیر اور تا کے سکون کے ساتھ) ضعف، کمزوری، ڈھیلا پن، زوال۔ فان صحابها: ”ان“ حرف شرط ہے، اور صحابها بعد والے فعل کا فاعل مقدم ہے جس طرح کہ اس آیت میں ہے و ان احد من المشركين استجارك۔ سدد: اپنے آپ کو درست کر لے، راہ راست پر لے آئے۔ قارب: اعتدال اور میانہ روی اختیار کرے۔ فار جوہ: (صینہ امر ہے) تم اس کی بہتری اور کامیابی کی امید رکھو۔ فلا تعدوه: تم اسے کسی شمار میں نہ لاؤ یعنی وہ ریا کار ہے لہذا اسے نیکیوں میں سے نہ سمجھو۔ عروضة: عرض کی جمع ہے: مصائب اور تکلیفیں، بیماری، بھوک، پیاس اور پریشانی وغیرہ۔ ینہشه: اسے ڈس لے گا۔

ہر معاملے میں میانہ روی اور اعتدال کا حکم

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر شئی کی ابتداء میں ایک نشاط، فرحت و خوشی اور جوش و جذبہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے آدمی بڑی لگن اور شوق سے وہ کام کرتا ہے، اسی طرح چلتا رہے تو وہ ایک دن خوب ترقی کر جاتا ہے، بلند مقام اور عروج پر پہنچ جاتا ہے،

اور پھر اس میں زوال شروع ہو جاتا ہے کیونکہ ہر ترقی کے بعد زوال ضرور آتا ہے، اسی طرح عبادات اور دینی امور میں بھی دونوں پہلو ہوتے ہیں، ایک وقت ایسا آتا ہے کہ آدمی اس میں خوب کمال حاصل کر لیتا ہے، پھر ایک عرصہ کے بعد اس میں ضعف اور فتور شروع ہو جاتا ہے، لیکن اگر انسان میانہ روی اور اعتدال کے ساتھ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا رہے تو پھر زوال اور فتور سے محفوظ رہتا ہے، اس لئے ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہر معاملے میں افراط اور تفریط سے کنارہ کش ہو کر اعتدال کا دامن تھام لیں تاکہ اس کام میں زوال کے بجائے استحکام اور ترقی کا پہلو غالب رہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میانہ روی کے ساتھ زندگی گزارے تو اس سے تم خیر کی امید رکھو، اور جو شخص دینی لائن میں اپنی حسن کارکردگی، تقویٰ و طہارت اور شرافت میں مشہور ہو جائے کہ لوگ اس کی طرف انگلیوں سے اشارے کرنے لگیں اور وہ عالم اس تمام تر کوشش سے لوگوں میں نام و نمود اور شہرت کا طلب گار رہے تو ایسے بندے میں خیر کی کوئی امید نہ رکھیں، وہ نیک لوگوں میں سے نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص دنیاوی لائن میں اس قدر شہرت کا حامل ہو جائے کہ لوگ اس کی طرف انگلیوں سے اشارے کرنے لگیں، تو ایسی صورت میں فتنے سے بچنا اور ذلت و رسوائی سے محفوظ رہنا بہت مشکل ہوتا ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ خصوصی مدد فرمائیں تو پھر انسان فتنے سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

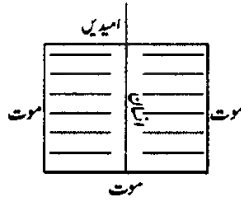
دوسری حدیث میں فرمایا کہ آدمی کے شر اور برائی کے لئے اتنی بات ہی کافی ہے کہ لوگ دین یا دنیا کے معاملے میں لوگ اس کی طرف انگلیوں سے اشارے کریں، ان کی علمی وجاہت یا دنیاوی مال و دولت کی وجہ سے لوگ ان کا ادب و احترام، خوشامد اور آؤ بھگت کریں تو عموماً انسان خود پسندی، عجب اور تکبر جیسے امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے الایہ کہ اللہ تعالیٰ ہی جسے بچالیں کہ ان کے دلوں میں نور ایمان اس قدر مستحکم ہو کہ لوگوں کی خوشامد اور تعریفوں سے ان پر کچھ اثر نہ پڑتا ہو، ایسے ہی دنیاوی مال و دولت کی محبت ان کے دل میں نہ ہو، تو ایسا آدمی فتنے سے محفوظ رہ سکتا ہے ورنہ عموماً انسان اس طرح کی صورتحال میں طرح طرح کے فتنوں میں ضرور مبتلا ہو جاتا ہے، ہاں اگر ہر امر میں میانہ روی اختیار کی جائے تو پھر انسان فتنوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ ”فی دین او دنیا“ کے معنی یہ ہیں کہ دین میں اس کی طرف اس لئے اشارہ کیا جاتا ہے کہ اس نے کسی بدعت کا اضافہ کیا ہوتا ہے اور دنیا کی وجہ سے اس کی طرف اشارہ اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس نے معاشرے میں کسی ایسے گناہ کا آغاز کیا ہوتا ہے جو لوگوں میں پہلے متعارف نہیں تھا۔ (۱)

طویل آرزوں سے اجتناب کا حکم

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ:

نبی کریم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ایک مرلح بنایا، جس کے اندر ایک لکیر ہے، اور اس درمیان والی لکیر کے آس پاس چھوٹے چھوٹے خطوط یعنی لکیریں ہیں، اور ایک خط اس مرلح سے باہر نکل رہا ہے، جس کی صورت یہ ہے۔



اس میں مربع سے موت مراد ہے جس نے انسان کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے کسی بھی صورت میں انسان اس سے بچ نہیں سکتا، اور درمیان والے خط سے انسان مراد ہے، اور چھوٹے خطوط مصیبتیں، پریشانیاں اور تکلیفیں مراد ہیں کہ ایک مصیبت سے خلاصی ہو جائے تو دوسری سے انسان دوچار ہو جاتا ہے اور اگر کسی آفت کا شکار نہ بھی ہو تو بالآخر طبعی موت تو ضرور آتی ہی ہے، اور باہر والے خط سے انسان کی طویل آرزوئیں اور امیدیں مراد ہیں، ان آفات و بلیات کے پیش آنے کو ”بہش“ سے تعبیر فرمایا، حالانکہ ڈسنا تو زہریلے جانور کی صفت ہوتی ہے، اس لئے کہ یہ بھی انسان کو بہت درد اور دکھ پہنچاتی ہیں جس طرح کہ زہریلے جانور سے انسان کو اذیت ہوتی ہے۔

اس حدیث سے دراصل انسان کو لمبی لمبی امیدیں اور آرزوئیں قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ انسان اس خوش فہمی میں رہتا ہے کہ میں یہ خواہشات، یہ امیدیں اور آرزوئیں ضرور حاصل کر لوں گا، جبکہ حقیقت میں وہ ان کے حصول پر قادر نہیں ہوتا، وہ ان سے بہت دور ہوتا ہے اور موت اس کے بہت قریب ہوتی ہے، اس لئے دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ جو چیز قریب ہو، جس سے ضرور دوچار ہونا ہے، اس کی تیاری کرے، تاکہ آخرت کی ذلت و رسوائی سے محفوظ رہے، اور اس چیز کے پیچھے نہ پڑے جو اس کے قریب بھی نہیں اور اس کے اختیار میں بھی نہیں، کیونکہ لمبی آرزو کو حاصل کرنے کے لئے وقت، جسمانی اور ذہنی طاقت کے ضیاع اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہوتا، اس لئے ان سے اجتناب ہی بہتر ہے۔ (۱)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَتَشِبُّ مِنْهُ الثَّنَائِي: الْحِزْضُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِزْضُ عَلَى الْغَمْرِ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انسان خود تو بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کے اخلاق میں دو چیزیں جوان اور نہایت قوی ہو جاتی ہیں، ایک تو مال (جمع کرنے) کی حرص (اور اس کو خرچ نہ کرنے کی عادت) اور دوسرے طویل عمر کی آرزو۔

مشکل الفاظ کے معنی: بھرم: (را پر زبر کے ساتھ) بوڑھا اور کمزور ہو جاتا ہے، تشب: (شین کے نیچے زیر اور باکی تشدید کے ساتھ) جوان اور قوی ہو جاتی ہے۔

بڑھاپے کی دو خواہشیں

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا کہ جوں جوں انسان بوڑھا اور کمزور ہوتا جاتا ہے، اسی طرح اس میں مال و دولت کو مزید جمع کرنے کی حرص اور خرچ نہ کرنے کی عادت میں قوت پیدا ہوتی جاتی ہے، اور یہ خواہش کہ میری عمر طویل ہو جائے، مقصود یہ ہے کہ انسان کو اس طرح کی خواہشات اور آرزوں سے اجتناب کرنا چاہیے، قرطبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ان دو خواہشات کی کراہت ثابت ہوتی ہے۔ (۱)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الشَّخِيرِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مُثَلُّ ابْنِ آدَمَ وَإِلَى جَنْبِهِ بَسْعَةٌ وَيَسْفُونَ مَنِيَّةً، إِنْ أَخْطَأَتْهُ الْمَنَائِي، وَقَعَ فِي الْهَزَمِ.

عبد اللہ بن شخیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابن آدم کو پیدا کیا گیا اور اس کے پہلو میں نانوے مہلک آفات یعنی موت کے اسباب ہوتے ہیں، اگر یہ اسباب اس سے تجاوز کر جائیں (یعنی اسے اپنی گرفت میں نہ لیں) تو وہ بڑھاپے میں ضرور مبتلا ہوگا۔

اس روایت کے بارے میں تفصیلی کلام معارف ترمذی جلد اول (ص: ۶۲۲) ابواب القدر میں ”مصائب پر صبر کیا جائے“ کے عنوان کے تحت گزر چکا ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ كَعْبٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا ذَهَبَ لَنَا اللَّيْلُ قَامَ، فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ: اذْكُرُوا اللَّهَ، اذْكُرُوا اللَّهَ، جَاءَتْ الزَّاجِفَةُ تَتَّبِعُهَا الزَّادِفَةُ، جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ، جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ قَالَ أَنَسٌ: فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ: إِنِّي أَكْثِرُ الصَّلَاةَ عَلَيْكَ، لَكُمُ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِي؟ قَالَ: مَا شِئْتَ، قَالَ: قُلْتُ: الزُّبْعُ؟ قَالَ: مَا شِئْتَ، وَإِنْ زِدْتُ فَهَوَّ خَيْرُ لَكَ، قُلْتُ: وَالتَّصَفُّفُ؟ قَالَ: مَا شِئْتَ، فَإِنْ زِدْتُ فَهَوَّ خَيْرُ لَكَ، قَالَ: قُلْتُ: فَالْقُلْفَتَيْنِ؟ قَالَ: مَا شِئْتَ، فَإِنْ زِدْتُ فَهَوَّ خَيْرُ لَكَ، قُلْتُ: أَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِي كُلَّهَا؟ قَالَ: إِذَا كُنْتُ كُنْتُ هَكَذَا وَيَغْفِرُ لَكَ ذَنْبَكَ.

حضرت انس بن کعب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کا دو تہائی حصہ گزر جاتا تو (نماز تہجد کے لئے) اٹھتے تو فرماتے اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو، آگئی ہلا دینے والی (مراد فحہ اولیٰ ہے) جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آجائے گی (مراد دوسرا فحہ ہے) موت ان تمام سختیوں کے ساتھ آگئی، جو اس میں ہیں، موت ان تمام مشکلات کے ساتھ آگئی جو اس میں ہیں، حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: میں آپ پر کثرت سے درود بھیجتا چاہتا ہوں (اب آپ ہی بتا دیجئے کہ) میں نے اپنے لئے دعا کے واسطے جو وقت مقرر کر رکھا ہے، اس میں

سے کتنا وقت آپ پر درود بھیجنے کے لئے مخصوص کر دوں؟ آپ نے فرمایا: جس قدر تمہارا جی چاہے، میں نے عرض کیا: کیا چوتھائی (وقت مقرر کر دوں)؟ آپ نے فرمایا: جس قدر آپ چاہیں اور اگر زیادہ وقت مقرر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے، میں نے عرض کیا: کیا آدھا وقت (مقرر کر دوں)؟ آپ نے فرمایا: جس قدر آپ چاہیں اور اگر آپ زیادہ وقت مقرر کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، میں نے عرض کیا: تو پھر دو تہائی وقت مقرر کر دوں؟ آپ نے فرمایا: جتنا آپ کا دل چاہے، اور اگر اضافہ کر دو تو یہ تمہارے لئے اچھا ہے، میں نے عرض کیا: اچھا تو پھر میں اپنی دعا کا سارا وقت ہی آپ پر درود بھیجنے کے لئے مقرر کئے دیتا ہوں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو اب تم تمام افکار سے کفایت کئے جاؤ گے (یعنی اس کی برکت سے تمہارے تمام دینی اور دنیاوی مقاصد پورے ہوں گے) اور تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: راجفۃ: ”رجف“ سے ہے جس کے معنی حرکت کرنے اور بے چین و بے قرار ہونے کے ہیں اور ”راجفۃ“ کے معنی ہیں: قیامت کے دن صور کا پہلا نغمہ یعنی صور پھونکنے کی پہلی آواز کہ جس سے تمام مخلوق مرجائے گی، الرادفۃ: یہ ”ردف“ سے ہے: کسی کے پیچھے سوار ہونا، پیچھے چلنا، اور رادفہ: قیامت کے دن صور کا دوسرا نغمہ یعنی صور پھونکنے کی دوسری آواز کہ جس سے تمام مخلوق زندہ ہو جائے گی۔ تبھی اس کے پیچھے آئے گی۔ من صلاحی: اپنی دعا کے مقرر کردہ وقت میں سے۔ اذا تکفی همک: اب تم تمام فکر و غم سے کفایت کئے جاؤ گے یعنی اس کی برکت سے تمہارے تمام مقاصد اور ضروریات پوری ہوں گی۔ اس میں ”تکفی“ فاعل مجہول کا صیغہ ہے، اس میں انت ضمیر نائب فاعل ہے، اور ”همک“ مفعول ثانی ہونے کے وجہ سے منصوب ہے۔

آخرت کی تیاری اور کثرت سے درود و سلام بھیجنے کی ترغیب

اس حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) آخرت کی تیاری کی اس میں تاکید کی جا رہی ہے کہ اے صحابہ: تہجد کی نماز کے لئے اٹھو، اللہ کو یاد کرو، خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ، کیونکہ قیامت قریب ہے، یوں سمجھو کہ صور کا پہلا نغمہ آچکا ہے کہ جس سے تمام مخلوق ختم ہو جائے گی، اور اس کے بعد دوسرا نغمہ بھی آگیا کہ جس سے مخلوق کو حساب و کتاب کے لئے دوبارہ زندہ کیا جائے گا، موت اپنی تمام تر شدائد اور سختیوں کے ساتھ آ پہنچی ہے، جب یہ بات ہے تو پھر آخرت کی تیاری میں تاخیر کس بات کی ہے۔

(۲) نبی کریم ﷺ پر کثرت سے درود و سلام بھیجنے کی ترغیب ہے، کہ اگر تم فرائض و واجبات کے بعد کثرت سے درود و سلام بھیجو گے تو اس کی برکت سے تمہارے غم، پریشانیاں اور معاشی تنگی دور ہوگی، گھر میں سکون، دلوں میں تازگی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آخرت میں نبی کریم ﷺ کا خصوصی قرب اور شفاعت نصیب ہوگی، اس لئے کثرت سے درود و سلام کا اہتمام کیا جائے تاکہ یہ

فضیلتیں حاصل ہو سکیں۔

حدیث میں اجعل لك من صلاتی میں ”صلاة“ سے دعا مراد ہے، حضرت ابی بن کعب کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میری خواہش ہے کہ میں آپ پر بہت زیادہ درود بھیجا کروں، اور چونکہ میں نے اپنے اوقات میں سے ایک خاص وقت اپنے لئے دعا کا مقرر کر رکھا ہے، تو اب میں یہ چاہتا ہوں کہ اسی وقت میں آپ پر زیادہ سے زیادہ درود بھیجا کروں لہذا آپ ہی مقرر فرما دیجئے کہ میں اس وقت کا کتنا حصہ آپ پر درود و سلام بھیجنے میں صرف کیا کروں، پھر حضرت ابی بن کعب پوچھتے رہے..... آپ ہر بار یہ ارشاد فرماتے رہے کہ اگر تم اس سے زیادہ درود و سلام بھیجو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، جب انہوں نے اپنی دعا کا پورا وقت اس پر صرف کرنے کا عزم ظاہر کیا تو آپ خوش ہو گئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہارے تمام کام اور پریشانیاں حل فرما دیں گے، اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ (۱)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: اسْتَغْنُوا مِنَ اللَّهِ حَقَّ الْحَيَاءِ، قَالَ: قُلْنَا: يَا نَبِيَّ اللَّهِ: إِنَّا لَنَسْتَغْنِيهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، قَالَ: لَيْسَ ذَاكَ وَلَكِنَّ الْأَسْتَغْنَاءَ مِنَ اللَّهِ حَقَّ الْحَيَاءِ: أَنْ تَحْفَظَ الزَّأْنُ وَمَا وَحَى، وَتَحْفَظَ الْبُطْنُ وَمَا حَوَى، وَتَتَذَكَّرَ الْمَوْتَ وَالْهَلَى، وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ تَوَكَّلْ زِينَةَ الدُّنْيَا، فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ اسْتَغْنَى عَنْهُ مِنَ اللَّهِ حَقَّ الْحَيَاءِ

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اللہ تعالیٰ سے یوں حیا کرو جس طرح حیا کرنے کا حق ہے، ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی: بیشک ہم حیا کرتے ہیں اور اللہ ہی کا شکر ہے، آپ نے فرمایا: یہ مراؤ نہیں بلکہ اللہ سے حیا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ تم سر کی اور اس چیز کی جس کو سر نے جمع کر رکھا ہے (یعنی زبان، نظر، کان کی) حفاظت کرو (کہ وہ اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہ ہوں) اور تم پیٹ کی اور اس چیز کی حفاظت کرو جس کو پیٹ نے جمع کر رکھا ہے، اور تم موت اور ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے کو یاد کیا کرو، اور جو آخرت (کی کامیابی) چاہتا ہے تو وہ دنیا کی زیب و زینت چھوڑ دیتا ہے، لہذا جو شخص اس طرح حیا کرے تو اس نے واقعی اللہ سے یوں شرم کی، جیسے شرم کرنے کا حق ہے۔

اللہ سے حیا کرنے کے معنی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے حیا کی جائے جیسے اس سے حیا کرنے کا حق ہے، اور وہ یہ ہے کہ جسم کے کسی عضو اور حصے کو اللہ کی نافرمانی اور گناہ میں استعمال نہ کرے، سر کا حیا یہ ہے کہ اسے صرف اللہ کے سامنے جھکایا جائے، نام و نمود اور ریا کاری کے لئے نماز نہ پڑھے، تکبر و غرور نہ کرے، اور جو چیزیں سر میں ہیں یعنی زبان، کان اور آنکھیں، انہیں بھی اللہ کی اطاعت

(۱) تحفة الاحوذی ۱۳۰/۷، مرقاة ۱۳/۳ کتاب الصلوة، باب الصلوة علی النبی ﷺ۔

میں ہی صرف کیا جائے، چنانچہ زبان سے جھوٹ، غیبت، الزام تراشی، چغلی، بری بات اور گالی گلوچ نہ کیا جائے، کان کا حیا یہ ہے کہ اس سے گانے اور بری چیزیں نہ سنی جائیں، اور آنکھ سے بد نظری نہ کی جائے، پیٹ کا حیا یہ ہے کہ اسے حرام اور مشتبہ چیزیں نہ کھلائی جائیں، اور جو چیزیں پیٹ میں ہیں یعنی شرمگاہ، دونوں ٹانگیں، دونوں ہاتھ اور دل، ان تمام چیزوں کو اللہ کی نافرمانی اور گناہوں میں نہ استعمال کیا جائے، موت اور ہڈیوں کے گل سڑ جانے اور بوسیدہ ہونے کو یاد کیا جائے تاکہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی تیاری کی فکر پیدا ہو جائے، کیونکہ جو شخص آخرت کی کامیابی چاہتا ہے تو اسے دنیا کی زیب و زینت اور لذات و خواہشات ترک کرنا پڑیں گی، آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے جسم کے اعضاء کو اس طرح پابند کر لیا، تو اس نے واقعی اللہ سے حیا کر لیا، جیسا کہ حیا کرنے کا حق ہے۔ (۱)

عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: الْكَيْسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ اتَّبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللَّهِ.

وَمَعْنَى قَوْلِهِ: مَنْ دَانَ نَفْسَهُ يَقُولُ: خَاسِبٌ نَفْسَهُ فِي الدُّنْيَا قَبْلَ أَنْ يُخَاسِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَيُزَوِّى عَنْ غَمَرِ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: خَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُخَاسِبُوا وَتُزَيَّنُوا لِلْعَرْضِ الْأَكْبَرِ وَإِنَّمَا يَخْغَفُ الْحَسَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى مَنْ خَاسَبَ نَفْسَهُ فِي الدُّنْيَا، وَيُزَوِّى عَنْ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ قَالَ: لَا يَكُونُ الْعَبْدُ تَقْوِيًّا حَتَّى يُخَاسِبَ نَفْسَهُ كَمَا يُخَاسِبُ شَرِيكَهُ مِنْ أَيْنَ مَطْعَمُهُ وَمَلْبَسُهُ.

حضرت شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عقلمند وہ شخص ہے، جو اپنے نفس کو (اسلام کے) تابع بنائے اور اس زندگی کے لئے عمل کرے، جو موت کے بعد شروع ہوگی، اور بے وقوف وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کرے، اور اللہ سے (معافی کی) امید رکھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ من دان نفسہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے نفس کا دنیا میں محاسبہ کرے، قبل اس کے کہ آخرت میں اس کا محاسبہ کیا جائے، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: تم اپنے نفس کا خود ہی محاسبہ کرو، قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے اور بڑی پیشی کے لئے تیار ہو جاؤ اور اس آدمی کا حساب قیامت کے دن ہلکا ہوگا، جس نے دنیا میں اپنے نفس کا محاسبہ کیا ہوگا اور ميمون بن مهران سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: آدمی پر ہیزگار نہیں ہوتا، یہاں تک کہ اپنے نفس کا اسی طرح محاسبہ کرے، جیسے وہ اپنے شریک کا محاسبہ کرتا ہے کہ اس کا کھانا اور لباس کہاں سے ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَصْلَاهُ، فَرَأَى نَاسًا، كَأَنَّهُمْ يَكْتُمُونَ، قَالَ: أَمَا إِنَّكُمْ لَوَأَكْتُمُونَ ذِكْرَ هَازِمِ اللَّذَاتِ لَشَغَلَكُمْ عَمَّا أَرَى، فَاسْكُتُوا مِنْ ذِكْرِ هَازِمِ اللَّذَاتِ الْمَوْتِ، فَإِنَّهُ لَمْ يَأْتِ عَلَى الْقَبْرِ يَوْمَ

إِلَّا تَكَلَّمُ فَيَقُولُ: أَنَا بَيْتُ الْغَزْبَةِ، أَنَا بَيْتُ الْوَحْدَةِ، أَنَا بَيْتُ التَّرَابِ، وَأَنَا بَيْتُ الدَّوْدِ، لِذَا ذَلِيقُ الْعَبْدِ
 الْمُؤْمِنِ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ: مَرْحَبًا وَأَهْلًا، أَمَا إِنْ كُنْتُ لَأَحَبُّ مِنْ يَمُشِي عَلَى ظَهْرِي إِلَى لِذَا وَلَيْفَكَ الْيَوْمَ
 وَصِرْتُ إِلَيَّ، فَسَتَرَى صَنِيعِي بِكَ، قَالَ: فَيَسْبِغُ لَهُ مَذْبُورًا، وَيَفْتَحُ لَهُ بَابَ إِلَى الْجَنَّةِ
 وَإِذَا ذَلِيقُ الْعَبْدِ الْفَاجِرِ أَوْ الْكَافِرِ، قَالَ لَهُ الْقَبْرُ: لَا مَرْحَبًا وَلَا أَهْلًا، أَمَا إِنْ كُنْتُ لَأَبْغَضُ مِنْ يَمُشِي عَلَى
 ظَهْرِي إِلَيَّ، لِذَا وَلَيْفَكَ الْيَوْمَ وَصِرْتُ إِلَيَّ فَسَتَرَى صَنِيعِي بِكَ، قَالَ: فَيَلْتَمِسُ عَلَيْهِ حَتَّى يَلْتَقِيَ عَلَيْهِ
 وَتَخْتَلِفُ أَضْلَاعُهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِأَصَابِعِهِ، فَأَدْخَلَ بَعْضَهَا فِي حُزْبِ بَعْضٍ، قَالَ: وَيَقْبِضُ لَهُ
 مَسْبُورًا يَبِينُ لَوْ أَنَّ وَاحِدًا مِنْهَا نَفَعَ فِي الْأَرْضِ، مَا أَتَيْتُ شَيْئًا مَا بَقِيَتْ الدُّنْيَا، فَيَنْهَشُهُ وَيَخْدَشُهُ حَتَّى
 يَفْقِصَ بِهِ إِلَى الْحِسَابِ - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّمَا الْقَبْرُ رُوضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، أَوْ حَفْرَةٌ مِنْ حَفْرِ
 النَّارِ -

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جنازہ گاہ تشریف لائے تو کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ ہنس رہے ہیں،
 آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم لذتوں کو ختم کر دینے والی چیز کو کثرت سے یاد کرو، تو وہ تمہیں اس چیز سے مشغول کر
 دے گی، جو میں (تمہارے اندر) دیکھ رہا ہوں، لہذا تم لوگ لذتوں کو فنا کر دینے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد
 کرو، کیونکہ قبر پر کوئی دن نہیں گذرتا مگر یہ کہ وہ کلام کرتی ہے، وہ کہتی ہے کہ میں پردیس کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر
 ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، اور میں کیڑوں کا گھر ہوں، جب مومن بندہ دفن ہوتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے: خوش آمدید،
 آپ انہوں میں ہی آئے، واقعی تو مجھے ان لوگوں میں سب سے زیادہ پسند تھا، جو میری پشت پر چلتے ہیں، اب جب
 میں تیرے کام کی متولی ہو گئی اور تو میری طرف آ گیا، تو عنقریب تو میرا حسن سلوک دیکھے گا، جو میں تیرے ساتھ کروں
 گی پھر وہ قبر اس کے لئے تاحد نگاہ کشادہ ہو جاتی ہے، اور اس کے لئے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔
 اور جب گنہگار یا کافر بندہ دفن ہوتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے: تمہیں کوئی خوش آمدید نہیں، تم انہوں میں نہیں آئے،
 بیشک تم مجھے ان لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسند تھے، جو میری پشت پر چلتے ہیں، اب جب میں تیری دالی ہو گئی اور تو
 میرے پاس آ گیا تو عنقریب میرا برتاؤ تو دیکھ لے گا جو میں تمہارے ساتھ کروں گی، حضور ﷺ فرماتے ہیں: وہ قبر
 اس پر جڑ جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ اس پر مل جاتی ہے اور اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں، راوی
 کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ فرمایا اور اذان میں سے بعض کو بعض میں داخل کیا، نبی کریم ﷺ
 نے ارشاد فرمایا: اور اس پر ستر اڑ دے مسلط کر دیے جاتے ہیں، اگر ان میں سے ایک (بھی) زمین کی طرف پھونک
 مارے تو وہ کسی چیز کو نہ اگائے، جب تک کہ دنیا باقی ہے، چنانچہ وہ اسے دانٹوں سے کانٹے اور نوچتے ہیں، یہاں تک
 کہ اسے حساب (کی جگہ) کی طرف پہونچا دیا جائے گا، راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک قبر

جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھ ہے۔
 مشکل الفاظ کے معنی: الکس: (کافی پرزبر اور یا کے نیچے زیر اور تشدید) عقلمند، جو ہر معاملے میں خوب بصیرت رکھتا ہو اور
 انجام پر نظر رکھتا ہو۔ دان: متابع بنائے، مطیع اور فرمانبردار بنالے۔ عاجز: بے وقوف۔ اتبع نفسه: اپنے نفس کی پیروی کرے۔
 تمنیٰ علی اللہ: اللہ سے (معافی کی) امید رکھے۔ تزیینا بتم آراستہ ہو جاؤ یعنی تیاری کرو۔ العرض الاکبر: بڑی پیشی، جو حساب
 کے لئے ہوگی۔ یکتشرون: ہنس رہے ہیں۔ العروبة: (غین پر پیش کے ساتھ) پردیس، مسافرت۔ الدود: دودہ کی جمع ہے:
 کیڑے۔ موحبا: خوش آمدید۔ اهلا: تم انہوں میں ہی آئے ہو، اس لئے تمہارے لئے کوئی اجنبیت نہیں۔ ولیتک: اسے اگر
 ”تولیہ“ سے قرار دیں تو پھر یہ مجھول کا صیغہ ہوگا: میں تیرا متولی ہو گئی، اور اگر مجرد سے لیں تو پھر یہ معروف کا صیغہ ہوگا، صنع: حسن
 سلوک، برتاؤ۔ مدبصرہ: ساحد نگاہ۔ یلتئم: وہ قبر اس پر جڑ جاتی ہے، مل جاتی ہے۔ یلتقی: وہ مل جاتی ہے۔ تختلف اضلاعه:
 اس کی پسلیاں بھینچ جاتی ہیں یعنی آپس میں ایک دوسری میں داخل ہو جاتی ہیں۔ یقیض: (مجھول کا صیغہ ہے) مسلط کئے جاتے ہیں،
 مقرر کئے جاتے ہیں۔ تنین: (تا کے نیچے زیر اور نون کے نیچے زیر و تشدید) بڑا سانپ، اژدھا۔ ینہشنہ: وہ اسے دانتوں سے
 کاٹتے ہیں۔ ینخذشنہ: وہ اسے نوچتے ہیں۔ یفصی بہ: (مجھول کا صیغہ ہے) اس کو پھونچا دیا جائے گا۔ حفرة: حاء پر پیش اور
 فاء کے سکون کے ساتھ) گڑھا۔

موت کو کثرت سے یاد کرنے کا حکم

مذکورہ احادیث سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) اصل عقلمند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو اسلامی احکام کے مطابق ڈھال لے، نفس و شیطان کے دھوکے میں نہ آئے، اور ہر
 وقت آخرت کی زندگی کے لئے اخلاص کے ساتھ عمل کرتا رہے، اور بیوقوف وہ آدمی ہے، جو آخرت کے لئے کچھ بھی نہ کرے، نفس کی
 خواہشات کے مطابق زندگی گزارتا رہے، اور اللہ سے یہ امید قائم نہ کرے کہ وہ مجھے معاف کر دے گا، اس لئے دنیا میں ہی اپنے
 اعمال کا جائزہ لیا جائے، ان کی اصلاح کی فکر کی جائے، تاکہ آخرت میں حساب کے مراحل آسان ہو جائیں۔

(۲) لذات و شہوات کو ختم کر دینے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا جائے تاکہ اعمال میں کمزوری اور سستی نہ ہو۔

(۳) عذاب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے، (۱)

عَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَمَّا ذَا هُوَ مُتَّكِئٌ عَلَى رَمْلٍ حَصِيرٍ، فَوَإِثَّ أَثَرُهُ فِي
 جَنْبِهِ. وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةُ طَوِيلَةٍ

حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اچانک دیکھا کہ آپ بنی ہوئی

چٹائی پر سہارا لگائے (لیٹے) ہوئے تھے، میں نے اس چٹائی کے نشان آپ کے پہلو میں دیکھے، اور اس حدیث میں ایک طویل قصہ ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- متکبی: تکبیر اور سہارا لگانے والے۔ رمل حصو: بنی ہوئی چٹائی، جنب: پہلو، بازو۔ الثو: نشان۔

تشریح: اس حدیث میں اس قصہ کی طرف اشارہ ہے، جس پر سورہ تحریم نازل ہوئی، اس موقع پر ایک خاص گفتگو کے لئے حضرت عمر فاروق تشریف لائے، تو آپ چٹائی پر آرام فرما رہے تھے، جس کے نشان آپ کے پہلو پر نمایاں تھے۔

عَنْ الزُّهْرِيِّ أَنَّ غُرَّةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ أَنَّ الْمُسَوِّرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَمْرُو بْنَ عَوْفٍ وَهُوَ حَلِيفُ بَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ، وَكَانَ شَهِيدَ بَدْءِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعَثَ أَبَا غَبِيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ، لِقَدَمِ بَنِي مَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ، فَسَمِعَتْ الْأَنْصَارَ بِقُدُومِ أَبِي غَبِيْدَةَ، فَوَافُوا صَلَاةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ انْصَرَفَ، فَتَعَرَّضُوا لَهُ، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حِينَ رَأَوْهُ لَمْ يَقُلْ: أَطَنَّاكُمْ سَمِعْتُمْ أَنَّ أَبَا غَبِيْدَةَ قَدِمَ بِشَيْءٍ؟ قَالُوا: أَجَلْ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: فَأَبْشِرُوا أَوْ أَمْلُوا أَمَا يَسُرُّكُمْ، فَوَاللَّهِ مَا الْقَفَرُ أَخْشَى عَلَيْكُمْ، وَلَكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسِطَ الدُّنْيَا عَلَيْكُمْ كَمَا بَسِطَتْ عَلَى مَنْ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوها كَمَا أَهْلَكْتَهُمْ۔

حضرت مسور بن مخرمہ نے حضرت عروہ بن زبیر کو بتایا کہ عمرو بن عوف، جو بنی عامر بن لوی کے معابد اور حضور ﷺ کے ساتھ غزوہ بدر میں حاضر تھے، نے مسور کو خبر دی کہ نبی کریم ﷺ نے ابوعبیدہ بن الجراح کو (بحرین مال وصول کرنے کے لئے) بھیجا، چنانچہ وہ بحرین سے کچھ مال لائے تو انصاری صحابہ نے ابوعبیدہ کے آنے کا سن لیا، وہ نماز فجر میں نبی کریم ﷺ کے پاس آگئے، جب نبی کریم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو پھر کر بیٹھے، تو وہ آپ ﷺ کے سامنے آگئے، آپ انہیں دیکھ کر مسکرائے، اور فرمایا: میرا خیال ہے کہ تم نے یہ سن لیا ہے کہ ابوعبیدہ کچھ لے کر آئے ہیں، صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خوشخبری سن لو اور اس چیز کی امید رکھو جو تمہیں خوش کر دے، اللہ کی قسم: میں تمہارے بارے میں فقر و فاقہ سے نہیں ڈرتا، لیکن مجھے تم پر اس بات کا اندیشہ ہے کہ تم پر دنیا کو پھیلا دیا جائے گا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر وہ پھیلا دی گئی، پھر تم اس میں آپس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں مقابلہ کرنے لگو گے، جیسا کہ انہوں نے اس میں سبقت کرنے میں مقابلہ کیا، پھر یہ دنیا تمہیں ہلاک کر دے گی، جیسا کہ اس نے پہلے لوگوں کو تباہ و برباد کیا۔

عَنْ حَكِيمِ بْنِ جَرَّامٍ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَأَعْطَانِي، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي، ثُمَّ قَالَ: يَا حَكِيمُ: إِنَّ هَذَا الْمَالَ خَصِيْرَةٌ، خَلُوفَةٌ، فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةٍ نَفْسٍ، بَوْرِكٌ لَهُ فِيهِ، وَمَنْ أَخَذَهُ بِأَشْرَافِ نَفْسٍ

لَمْ يَبَارِكْ لَهُ فِيهِ، وَكَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ، وَالْيَدُ الْغَلِيظُ عَزِيزٌ مِنَ الْيَدِ السَّفَلَى، فَقَالَ حَكِيمٌ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ: لَا أَرَى أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتَّى أَفَارِقَ الدُّنْيَا، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يَدْعُو حَكِيمًا إِلَى الْعَطَاءِ، فَيَأْتِي أَنْ يَقْبَلَهُ، ثُمَّ إِنَّ عُمَرَ دَعَاهُ لِيُعْطِيَهُ، فَيَأْتِي أَنْ يَقْبَلَ مِنْهُ شَيْئًا، فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّي أَشْهَدُكُمْ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى حَكِيمٍ: أَنِّي أَعْرِضُ عَلَيْهِ حَقَّهُ مِنْ هَذَا الْقَنِيِّ، فَيَأْتِي أَنْ يَأْخُذَهُ، لَمْ يَزُرْ أَحَدًا مِنْ النَّاسِ شَيْئًا بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حَتَّى تُؤْفَى.

حضرت حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے کچھ مال مانگا، آپ نے مجھے عطا فرمادیا، پھر میں نے آپ سے مانگا، آپ نے پھر عطا فرمادیا، پھر میں نے سوال کیا تو آپ نے مجھے عنایت فرمادیا پھر فرمایا: بے شک یہ مال سر سبز و شاداب اور شیریں ہے، جو شخص یہ مال سخاوت نفس کے ساتھ لے تو اس کے لئے اس میں برکت دیدی جاتی ہے، اور جو شخص نفس کی لالچ کے ساتھ وہ مال لے تو وہ اس کے لئے مبارک نہیں ہوتا اور وہ مال لینے والا اس شخص کی مانند ہے جو کھانا کھائے اور سیراب نہ ہو، اور اوپر والا (یعنی دینے والا) ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، حضرت حکیم فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں آپ کے بعد کسی کے مال میں (اس سے مانگ کر) کچھ بھی کمی نہیں کروں گا یہاں تک کہ میں دنیا سے جدا ہو جاؤں، (آپ کے بعد) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت حکیم کو عطیہ دینے کے لئے بلا تے تو وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے، پھر حضرت عمرؓ نے انہیں بلایا تا کہ وہ انہیں کچھ دیں تو ان سے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا، حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت: میں تمہیں حکیم پر اس بات کا گواہ بناتا ہوں، کہ میں مال فی میں سے اس کا حق اسے پیش کرتا ہوں لیکن وہ اسے لینے سے انکار کر دیتا ہے، چنانچہ حضرت حکیم نے نبی کریم ﷺ کے بعد کسی کے مال میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا (یعنی نہیں لیا) یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ: ابْتُلِينَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِالضَّرَاءِ فَصَبَرْنَا، ثُمَّ ابْتُلِينَا بَعْدَهُ بِالسَّرَّاءِ فَلَمْ نَضْطِرْ.

حضرت عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تنگی اور تکلیف میں آزمائے گئے تو ہم نے صبر کیا پھر ہم آپ کے بعد وسعت و فراخی میں مبتلا ہوئے تو ہم صبر نہ کر سکے (یعنی دنیا میں مشغول ہو گئے)۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ كَانَتْ الْآخِرَةُ هَمَّهُ، جَعَلَ اللَّهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ، وَجَمَعَ لَهُ شَمْلَهُ، وَآتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ زَاغِمَةٌ، وَمَنْ كَانَتْ الدُّنْيَا هَمَّهُ، جَعَلَ اللَّهُ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَفَرَّقَ عَلَيْهِ شَمْلَهُ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا قُدِّرَ لَهُ.

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کا مقصد آخرت کی زندگی ہو تو اللہ تعالیٰ

اس کے دل میں غنا یعنی قناعت ڈال دیتے ہیں، اور اس کے لئے شیرازہ بندی کر دیتے ہیں، اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے، اور جس شخص کا مقصد محض دنیا ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان فقر رکھ دیتا ہے، اور اس پر اس کے شیرازے کو منتشر کر دیتا ہے (یعنی اسے یکسوئی اور دلجمعی حاصل نہیں ہوتی) اور اس کے پاس صرف اتنی ہی دنیا آتی ہے، جتنی کہ اس کے لئے مقدر ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ: يَا ابْنَ آدَمَ: تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِي، أَمَلًا صَدْرَكَ غَنِي وَأَسَدُ فَقْرِكَ، وَإِنْ لَا تَفْعَلْ مَلَائِكُ بَدَنِكَ شُغْلًا وَلَمْ أَسَدُ فَقْرَكَ۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم: تو میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا تو میں تیرے دل کو غنا سے بھر دوں گا اور میں تیرے فقر (کے دروازے) کو بند کر دوں گا، اور اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو میں تیرے دونوں ہاتھ محنت و مزدوری میں بھر دوں گا اور تیرے فقر و فاقہ کو بھی دور نہیں کروں گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: والہوا: (ماضی کا صیغہ ہے) انصاری صحابہ آئے۔ تعرضوا لہ: وہ آپ ﷺ کے سامنے آ گئے۔ املوا: تامل سے ہے۔ امید رکھو۔ تبسط: دنیا کشادہ کر دی جائے، یعنی مال و دولت کی فراوانی ہو جائے۔ تنافسوها: سابقہ لوگوں نے دنیا میں ایک دوسرے سے بڑھنے میں مقابلہ کیا۔ خضرة: (خا پر زبر اور ضاد کے نیچے زیر کے ساتھ) سرسبز و شاداب۔ حلوة: میٹھا، شیریں۔ سخاوہ نفس: نفس کی سخاوت کے ساتھ یعنی بغیر کسی لالچ اور اصرار کے۔ اشراف: طبع اور لالچ۔ لا ارضا: میں کی نہیں کروں گا یعنی دوسروں سے مانگ کر ان کا مال کم نہیں کروں گا۔ ابتعلینا: ہم آزمائے گئے۔ حضراء فقر و فاقہ، تکلیف، مشقت۔ سراء: خوشحالی، مالی وسعت و فراوانی۔ ہمہ: اس کا مقصد، اس کی فکر۔ شمل: (شین پر زبر اور میم کے سکون کے ساتھ) اجتماعیت، شیرازہ بند۔ راعمة: ذلیل و رسوا۔ تفورغ: جو فارغ ہو جا یعنی میری عبادت میں مشغول رہے۔ اسد: میں بند کر دوں گا، میں دور کر دوں گا۔ شغل: (شین پر پیش اور شین کے سکون کے ساتھ) محنت و مزدوری، کام، عمل۔ فہی: جنگ کے بغیر حاصل ہونے والا مال غنیمت۔

دنیا کی حرص باعث ہلاکت ہے

مذکورہ تمام احادیث سے قدر مشترک کے طور پر یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص مال و دولت کی محبت اور دنیا کی حرص و ہوس میں مبتلا ہو جائے تو وہ دنیا اور آخرت دونوں میں تباہ ہو جاتا ہے اور جو شخص آخرت کی زندگی کی فکر اور اس کی تیاری میں مصروف رہے، دنیا اور اس کی چمک دک سے کنارہ کش رہے، تو وہ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہوگا، اس کے پاس دنیا ذلیل ہو کر آتی ہے، اس کے کاروبار، مال و دولت اور ہر امر میں اللہ کی طرف سے برکت پیدا ہو جاتی ہے، نیز ان احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) پہلی حدیث سے یہ درس حاصل ہوتا ہے کہ انسان کو دنیا کے حصول میں زیادہ منہمک نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ دنیا کے حصول میں اس قدر انہماک کہ جس سے آدمی یادِ الہی سے غافل ہو جائے، یہ باعثِ ہلاکت ہے، چنانچہ پہلی امتیں بھی دنیا میں انہماک اور اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے مقابلے کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئیں، اس لحاظ سے مال و دولت اور ثروت و مالداری ایک بہت بڑا فتنہ اور آزمائش ہے۔

(۲) دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص مالی معاملات استغناء کے ساتھ کرے، نالچ اور حرص کی اس میں آمیزش نہ ہو، وہ مال دیتا ہے تو بھی اس میں اس کے دل میں کوئی حرص نہیں ہوتی، اگر کسی سے مال وصول کرتا ہے تو بھی استغناء کا دامن نہیں چھوڑتا، تو ایسے آدمی کے ہر امر میں اللہ تعالیٰ برکت ڈال دیتے ہیں، اور فرمایا: دینے والا ہاتھ اس ہاتھ سے بہتر ہے جو لینے والا ہے، چنانچہ حدیث کے راوی حضرت حکیم بن حزام کا عمل اس کے بعد یہ ہو گیا تھا کہ کسی سے مال نہیں لیتے تھے، ان کے کمال تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اپنا حق فی بھی نہیں لیتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو اللہ کے راستے میں جس قدر ہو سکے، خرچ کرنے کا معمول بنانا چاہیے۔

(۳) جو شخص آخرت کو اپنا غم بنالے، اس کی تیاری اور اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جائے تو دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے، فقر و فاقہ کے دروازے اس پر بند ہو جاتے ہیں، دنیا کے جھیلوں اور محنت و مزدوری کی مشقت سے بچ جاتا ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے، طرح طرح کے مسائل سے ہر وقت دوچار رہتا ہے، اس لئے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان دنیا کے بجائے اپنی آخرت کی زندگی کو سنوارنے اور بہتر بنانے کی کوشش کرے، یوں وہ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ (۱)

بَاب

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ لَنَا قَوْمٌ مِنْهُمْ، فَبِهِ تَمَائِيلُ عَلَى بَابِي، فَرَأَوْهُ سَوَّلَ اللَّهُ لَهُ فَقَالَ: انْزِعْ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَذْكُرُ لِي
الدُّنْيَا، قَالَتْ: وَكَانَ لَنَا سَمَلٌ قَطِيفَةٌ، عَلَّمَهَا حَرِيرٌ، كُنَّا نَلْبَسُهَا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارا ایک باریک، مختلف رنگوں والا اونٹنی پردہ تھا جس میں کچھ تصویریں تھیں، وہ میرے دروازے پر تھا، اسے نبی کریم ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: تم اس پردے کو اتار دو کیونکہ وہ مجھے دنیا یاد دلاتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس ایک جمالردار پرانی چادر تھی، اس کے نقشِ ریشم کے تھے، ہم اسے پہنتے (یعنی اوڑھتے) تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: قوام: (قاف کے نیچے زیر اور را پر زبر کے ساتھ) متشکل یا مختلف رنگوں کا اونٹنی پردہ۔ تمائیل: تمثال کی جمع ہے: تصویر، مجسمہ۔ انزعہ: اس پردے کو اتار دو۔ سمل: (سین اور میم پر زبر کے ساتھ) بوسیدہ اور پرانا کپڑا۔

قطیفہ: جمالردار چادر۔ علم: (عین اور لام پر زبر کے ساتھ) نقش، علامت، نشان۔ کسانلبسہا: ہم اسے پہنتے تھے یعنی اوڑھتے تھے۔

مسئلہ تصویر

جاندار کی تصویر بنانا اور استعمال کرنا حرام ہے، جو لوگ تصویر کھینچتے یا کھینچواتے ہیں، ان کے بارے میں احادیث میں سخت وعیدیں منقول ہیں، انہیں قیامت کے دن اس بات کا مکلف بنایا جائے گا کہ وہ ان میں روح ڈالیں، لیکن وہ ان میں جان نہیں ڈال سکیں گے، معنی یہ ہیں کہ انہیں اس پر شدید عذاب ہوگا، یہ حکم بہت سی احادیث صحیحہ، صحابہ کرام، تابعین کے اقوال اور ان کے عمل سے ثابت ہے، اور فقہاء کرام کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ اگر تصویر مجسموں کی شکل میں ہو اور اس کے وہ تمام اعضاء موجود ہوں جن پر زندگی کا انحصار ہوتا ہے، نیز وہ تصویر بہت چھوٹی بھی نہ ہو، اور گزریوں کی قسم سے بھی نہ ہو تو اس کے حرام ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے یعنی اس کا بنانا اور استعمال کرنا بالاتفاق ناجائز اور حرام ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔

البتہ ایسی جگہ جہاں آدمی بیٹھتا، چلتا یا لیٹتا ہے چونکہ یہ موضع تحقیر ہے اس لئے اکثر علماء نے ایسی صورت میں تصویر رکھنے کو حرام نہیں کہا ہے، لیکن اگر تصویر مجسموں کی شکل میں نہ ہو بلکہ وہ کاغذ یا کپڑے وغیرہ پر اس طرح بنی ہوئی ہو کہ اس کا سایہ نہ پڑتا ہو تو جمہور فقہاء کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے البتہ امام مالک رحمہ اللہ سے اس قسم کی تصویر کے جواز اور عدم جواز کی دونوں روایتیں منقول ہیں، بعض نے اس کو حرام کہا ہے، اور اکثر مالکی علماء کرام نے اسے مکروہ لکھا ہے۔^(۱)

کمرے کی تصویر کا حکم

جو تصویر کمرے سے بنائی جائے، اس کے بارے میں اگرچہ مصر کے بعض علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ لیکن جمہور اہل فتاویٰ کے نزدیک یہ تصویر بھی حرام ہے، ہاں ضرورت کے مواقع پر اس تصویر کی گنجائش ہے مثلاً پاسپورٹ، ویزے، یا شناختی کارڈ کے لئے، یا ایسے مواقع پر تصویر کھینچانا، جہاں انسان کے چہرے کی شناخت ضروری ہو۔

ڈیجیٹل سسٹم یعنی ٹی وی، موبائل، ویڈیو اور کمپیوٹر کی تصویر کا حکم

ڈیجیٹل سسٹم کے ذریعہ جو تصویر ٹی وی، موبائل، ویڈیو اور کمپیوٹر کی سکرین پر آتی ہے، آیا یہ بھی حرام تصویر میں داخل ہے یا نہیں؟ اس میں علماء عصر کے درمیان اختلاف ہے، جمہور علماء کرام کے نزدیک یہ بھی حرام تصویر میں داخل ہے، اس میں اور سادے کمرے کی تصویر کے درمیان حکم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں یعنی دونوں ہی حرام ہیں۔

البتہ بعض محقق علماء کا کہنا یہ ہے کہ یہ تصویر کے حکم میں نہیں، کیونکہ اس میں تصویر کی بنیادی شرط ”ثابت و قرار“ ہوتا نہیں

پائی جارہی، بلکہ یہ عکس ہے جیسے جدید آلات کے ذریعہ شعاؤں اور لہروں کو محفوظ کر لیا جاتا ہے، لہذا اس پر تصویر کے احکام جاری نہیں ہوں گے، ہاں اگر اس کا پرنٹ لے لیا جائے تو پھر وہ حرام تصویر کے حکم میں داخل ہو جائے گی۔

یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب ٹی وی، ویڈیو اور کمپیوٹری ڈیز میں آنے والی اور محفوظ کی جانے والی تصویر میں کوئی اور شرعی قباحت نہ ہو، لیکن اگر اس میں منکرات، ناجائز پروگرام اور امور ہوں اور شرعی حدود کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو تو ایسی صورت میں یہ تصویر بالاتفاق ناجائز اور حرام ہوگی۔

موجودہ دور میں ٹی وی کا عام استعمال چونکہ خلاف شرع امور پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے اس وقت ٹی وی کو اپنے گھر میں رکھنا اور اس کے ناجائز پروگرام سننا ناجائز ہے، لیکن اگر کوئی ٹی وی چینل ان مفاسد و منکرات سے پاک ہو یا کوئی عالم دین ممکنہ احتیاطوں کے ساتھ، مفاسد سے احتراز کرتے ہوئے، دینی ضرورت سے متعلق امور بیان کرنے کے لئے ٹی وی چینل پر آئے یا ٹی وی پروگرام میں کوئی وعظ و نصیحت کی بات کرے یا جائز تدریسی مقاصد کے لئے اسے استعمال کرے یا کمپیوٹر، سی ڈیز اور ویڈیو میں شرعی قباحتوں سے پاک کچھ اسلامی پروگرام مرتب کئے جائیں تو بعض علماء کے نزدیک اس کی گنجائش ہے۔ (۱)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَتْ وَ سَادَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الَّتِي يَضْطَجِعُ عَلَيْهَا مِنْ اَدَمَ، حَشَوُهَا لِيَفْ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا تکیہ یعنی بچھونا جس پر آپ لیٹتے تھے، چمڑے کا تھا، جس کا بھراؤ کھجور کی چھال سے تھا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: اَنْتَهُمْ ذَبَحُوا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَا بَقِيَ مِنْهَا؟ قَالَتْ: مَا بَقِيَ مِنْهَا اِلَّا كَيْفُهَا، قَالَ: بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَيْفُهَا۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک بکری ذبح کی تو نبی کریم ﷺ نے پوچھا: کیا اس میں سے کچھ بچا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اس میں سے صرف دسی کا گوشت بچا ہے، آپ نے فرمایا: (جو صدقہ کیا ہے وہ) سارا باقی ہے (آخرت کے اعتبار سے) سوائے دسی کے گوشت کے (جسے صدقہ نہیں کیا اور بچا کر رکھ لیا گیا)۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: اِنْ كُنَّا اَلْ مُحَمَّدٍ لَمْ نَكُثْ شَهْرًا، مَا نَسْتَوْقِدُ نَارًا، اِنْ هُوَ اِلَّا اَلْمَاءُ وَ التَّمْرُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بیشک ہم اہل بیت ایک ایک مہینہ اس طرح گزار دیتے، کہ ہم آگ تک نہ جلاتے، ہماری خوراک صرف پانی اور کھجور ہوتی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: ثَوَّلَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ عِنْدَنَا شَطْرٌ مِنْ شَعِيْبٍ، فَكُلْنَا مِنْهُ مَا شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ قُلْتُ: لِلْجَارِيَةِ:

(۱) فتویٰ جامعہ دارالعلوم کراچی، فتویٰ نمبر: ۱۰۹۸، مورخہ ۱۴۲۹/۱۰/۵ھ، کشف الباری، کتاب اللباس ص: ۳۰۴-۳۰۹، فقہی مقالات ۱۰۶۴، فتاویٰ حقانیہ، باب التصاویر، جدید آلات کا حکم ۳۲۲/۲، فتاویٰ محمودیہ ۱۶۹/۵،

کیلیہ، فَلَکَالْفَہِ، فَلَمْ یَلْبِثْ أَنْ فُتِی، قَالَ: فَلَوْ کُنَّا نَرُ کُفَّاه، لَا کُنَّا لَمِنَہُ أَشْخَرُ مِنْ ذَٰلِکَ۔

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے وفات پائی اور ہمارے پاس کچھ جو تھے، اس میں سے ہم کھاتے رہے جب تک اللہ نے چاہا، پھر میں نے باندی سے کہا: اس جو کوم ناپ لو، چنانچہ اس نے اسے ناپ لیا، پھر جلد ہی وہ ختم ہو گئے، حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں، اگر ہم انہیں یوں ہی چھوڑ دیتے (نہ ناپتے) تو ہم اس میں سے اس سے کہیں زیادہ عرصہ کھاتے رہتے۔

مشکل الفاظ کے معنی: و سادۃ: (واؤ کے نیچے زیر کے ساتھ) تکیہ۔ آدم: (ہمزے اور دال پر زبر کے ساتھ) آدم کی جمع ہے: چمڑا۔ حشو: (چا پر زبر اور شین کے سکون کے ساتھ) بھراؤ۔ لیف: کھجور کے درخت کی چھال۔ کشفھا: بکری کا شانہ یعنی اس کی دسی کا گوشت۔ مانستوقد: ہم آگ نہیں جلاتے تھے۔ شطر: (شین پر زبر اور طاء کے سکون کے ساتھ) جز، حصہ، کچھ۔ کیلیہ: تم اس جو کونا پ دو۔ فلم یلبث: پس وہ نہیں ٹھہرے۔

نبی کریم ﷺ اور اہل بیت کی قناعت پسندی

مذکورہ احادیث سے نبی کریم ﷺ اور اہل بیت کی قناعت پسندی ثابت ہوتی ہے کہ انہیں اپنے رہن سہن اور کھانے پینے کے لئے جو کچھ بھی میسر آ جاتا، اسی پر قناعت فرماتے، ان کی نظر میں آخرت کی زندگی تھی کہ اسے بنا لیا جائے، اس میں کامیابی کی کوشش اور وہاں کی ذلت سے بچا جائے، یہی ہے ان کی کامیابی کا راز، آج اہل اسلام نے دنیا کی زندگی کو اپنا مقصود اور منتہائے نظر بنا رکھا ہے، اس کے حصول میں صبح شام معروف ہیں اور آخرت کی زندگی کو اعمال کے اعتبار سے پس پشت ڈال دیا ہے، اس کی طرف ان کو توجہ نہیں، اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائے۔

مکمل حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کا تکیہ چمڑے کا تھا، اور اس کے اندر کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، شارحین فرماتے ہیں کہ تکیہ سے یہاں بستر مراد ہے کہ آپ ﷺ کا بچھونا اس قسم کا تھا، چنانچہ بخاری کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔

دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے راستے میں جو چیز صدقہ کر دی جائے، وہ اللہ کے ہاں محفوظ ہو جاتی ہے، اسے زوال نہیں آتا، اور جو اللہ کے راستے میں صدقہ نہ کیا جائے تو وہ بالآخر فنا ہو جاتی ہے، اسے زوال سے دو چار ہونا پڑتا ہے، اس سے درحقیقت اس آیت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے ما عند کم ینفد و ما عند اللہ باق (جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے، وہ ہمیشہ باقی رہے گا)۔

تیسری روایت سے معلوم ہوا کہ انسان کو کھانے پینے کی جو کچھ بھی روکھی سوکھی چیز میسر ہو جائے، اس پر قناعت کرے، ہر وقت کھانے پینے کی فکر میں رہنا اور اس میں تکلف کرنا درست نہیں ہے۔

چوتھی حدیث سے معلوم ہوا کہ گھریلو استعمال کی کھانے پینے کی چیزوں میں ناپ تول استعمال نہ کیا جائے کہ اس سے

برکت اٹھ جاتی ہے۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ ؓ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت آپ کے پاس کچھ جو گھر میں موجود تھے، جبکہ حضرت عمرو بن حارث مصطفیٰ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد کوئی مال نہیں چھوڑا، نہ درہم، نہ دینار اور نہ اور کچھ، بظاہر ان دونوں میں تعارض ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ دونوں حدیثوں کا مفہوم اور محل الگ الگ ہے، حضرت عمرو بن حارث کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا ذاتی مال کچھ بھی نہیں چھوڑا، اور حدیث عائشہ ؓ میں جس ”جو“ کے چھوڑنے کا ذکر ہے اس سے حضرت عائشہ کا اپنا خرچہ مراد ہے جو حضور ﷺ نے آپ کو دیدیا تھا، اس لئے دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

پھر ایک اور اشکال ہوتا ہے کہ حدیث عائشہ ؓ میں ہے کہ اگر ہم اس جو کو نہ ناپتے تو اس سے زیادہ عرصہ تک اسے کھاتے رہتے، گویا ہمیں کیل نہیں کرنا چاہئے تھا جبکہ حضرت مقداد بن معدیکرب کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا: تم اپنے غلہ میں کیل کرو، اسے ناپ لو، یہ تمہارے لئے باعث برکت ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ کیل کرنا چاہیے،.....؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بھی دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں، کیونکہ جس حدیث میں غلہ کو ناپنے کا حکم ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ خرید و فروخت کے وقت غلہ کو ناپا کرو، اور حضرت عائشہ ؓ کی حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کے وقت غلہ کو نہ ناپا جائے کہ یہ نخل کی علامت ہے اور اس سے برکت بھی اٹھ جاتی ہے۔ (۱)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَقَدْ أَخِفْتُ فِي اللَّهِ وَمَا يَخَافُ أَخَذَ، وَلَقَدْ أَوْذَيْتُ فِي اللَّهِ وَمَا يُؤْذِي أَخَذَ، وَلَقَدْ أَتَيْتُ عَلَى ثَلَاثُونَ مِنْ بَنِي يَمٍّ وَلَيْلَةٍ، وَمَالِي وَلَيْلَةٍ، لَطْعَامٍ، يَأْكُلُهُ ذُو كِبْدٍ إِلَّا شَيْءًا لِيَوْأِي بِطَلَالٍ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خدا (کے دین کو ظاہر کرنے اور اس کی طرف لوگوں کو بلانے) کی راہ میں جس طرح مجھے خوف و درشت میں مبتلا کیا گیا، ایسا کسی اور کو نہیں ڈرایا گیا، اور اللہ کی راہ میں جس قدر مجھے اذیتیں پہنچائی گئیں، اس طرح کسی اور (نبی) کو نہیں ستایا گیا، اور بلاشبہ مجھ پر تیس دن اور تیس راتیں ایسی گذری ہیں، جن میں میرے اور بلال کے لئے کھانے کا ایسا کوئی سامان نہیں تھا، جس کو کوئی جگر والا (یعنی کوئی جانور) کھاتا ہے، سوائے اس معمولی چیز کے جس کو بلال اپنی بغل میں چمپا کر رکھتے تھے۔

وَمَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ جِهَنَّمَ خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ هَارِبًا مِنْ مَكَّةَ وَمَعَ بَلَالٍ، إِنَّمَا كَانَ مَعَ بَلَالٍ مِنَ الطَّعَامِ مَا يَخْمَلُهُ تَخْتِ ابْطَل۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں جب نبی کریم ﷺ اہل مکہ سے ہزار ہو کر نکلے تو اس وقت آپ

کے ساتھ حضرت بلال تھے، اور حضرت بلال کے ساتھ کچھ کھانا تھا، جسے انہوں نے اپنے بغل کے نیچے اٹھا رکھا تھا۔ مشکل الفاظ کے معنی: اخفت: (بھول کا صیغہ ہے) مجھے ڈرایا گیا، خوف و دہشت میں ڈالا گیا۔ اذیت: (ماضی مجہول) مجھے دکھ، درد اور ایذا پہنچائی گئی۔ ذو کبد جگر والا یعنی جاندار۔ یوارہ: اس کو چھپا رکھا ہے۔ ابط: (ہزرے اور باکے کے نیچے) بغل۔

حضور ﷺ کے فقر و فاقہ اور آزمائشوں کا ذکر

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

- (۱) اللہ کے راستے میں نبی کریم ﷺ کو جس قدر خوف و دہشت میں مبتلا کیا گیا اور جس قدر آپ کو تکلیفیں پہنچائی گئیں، اتنا کسی اور نبی کو نہیں آزمایا گیا، کیونکہ جو شخص جتنا اللہ کے ہاں قریب ہوتا ہے، اتنی ہی زیادہ اس پر تکلیفیں اور آزمائشیں آتی ہیں، اور آپ ﷺ کو چونکہ اللہ کے ہاں انتہائی اعلیٰ اور اونچا مقام حاصل ہے، اس لئے آپ پر اسی اعتبار سے طرح طرح کے امتحانات اور آزمائشیں آئیں، آپ ان پر صبر فرماتے رہے، زبان مبارک پر بلکہ حاشیہ خیال میں بھی کبھی حرف شکوہ کا تصور تک نہیں آیا، کفار اور اللہ کے دین کے دشمن آپ کو تکلیف پہنچانے اور ستانے میں اپنی تمام تر توانائیاں استعمال کر گزرتے لیکن رحمۃ اللعالمین کی زبان مبارک سے ان کے حق میں بددعا تو کیا، خیر اور ہدایت کی دعا ہی جاری ہوتی، تاکہ وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائیں۔
- (۲) دعوت اسلام کی خاطر آپ ﷺ نے فقر و فاقہ اور تنگی بھی برداشت کی۔ چنانچہ ایک سفر میں آپ نے پورا مہینہ یوں گزارا کہ آپ کے رفیق حضرت بلال کے پاس کھانے کی انتہائی معمولی مقدار تھی، جسے وہ بغل کے نیچے چھپائے رکھتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی راہ میں اگر فقر و فاقہ پیش آجائے تو اس پر گلہ و شکوہ کے بجائے، صبر و استقامت کا دامن مضبوطی سے تھاما جائے، ان ایام کو اپنے اوپر عذاب اور مصیبت نہ سمجھا جائے، اس لحاظ سے یہ وقت بھی ایک طرح سے عبادت میں گزرنے والا ہو جائے گا۔

امام ترمذی نے جو یہ فرمایا کہ ”اور اس وقت آپ کے ساتھ حضرت بلال تھے“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق اس وقت سے نہیں جب آپ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی کیونکہ اس وقت آپ کے ساتھ حضرت بلال نہیں تھے بلکہ یہ واقعہ غالباً اس وقت کا ہے جب آپ ابتداء اسلام میں مکہ مکرمہ سے طائف تشریف لے گئے تھے۔

چنانچہ نبوت کے دسویں سال آپ کے چچا ابوطالب کی وفات ہو گئی، اس کے کچھ عرصہ بعد ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بھی وفات ہو گئی، یہ دونوں حادثے آپ کے لئے انتہائی المناک اور سخت تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس سال کو ”عام الحزن“ یعنی ”غم کا سال“ فرمایا، آپ ﷺ کے چچا کی وفات کے بعد کفار مکہ نے اپنی ایذا و رسانیوں میں مزید اضافہ کر دیا، اس وقت تک آ کر نبی کریم ﷺ نے سفر طائف کا ارادہ فرمالیا، تاکہ وہاں لوگوں کو دعوت اسلام دیں اور آپ کے ساتھ اس سفر میں حضرت زید بن حارثہ تھے، یہ سفر سارا پیدل ہوا، وہاں پہنچ کر طائف کے سردار عبد کلال کو اسلام کی دعوت دی، وہ نہ مانا، مسلسل

ایک ماہ آپ اہل طائف کو اسلام کی طرف آنے کی دعوت دیتے رہے، مگر انہوں نے آپ کی ایک بات نہیں سنی اور کسی ایک کو بھی اسلام قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی، بلکہ اس سردار نے اپنے اوباش قسم کے لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کہ جس قدر ہو سکے آپ کو تکلیفیں پہنچائیں۔

چنانچہ ان بد بختوں نے آپ پر پتھر برسائے شروع کئے، جس سے نبی کریم ﷺ کے قدم مبارک شدید زخمی ہو جاتے تھے، اور اتنا خون بہتا تھا کہ آپ کے نعلین مبارک اس سے بھر جاتے تھے، جب آپ پتھر کے زخموں سے چور ہو کر گر پڑتے تھے تو وہ لوگ آپ کے دونوں بازو پکڑ کر کھڑا کر دیتے تھے اور آپ آگے چلتے تو پیچھے سے پھر پتھر اڑ شروع کر دیتے تھے اور خوش ہو ہو کر تالیاں بجاتے اور تہمتیں لگاتے تھے، حضرت زید بن حارثہ جس طرف سے پتھر آتا دیکھتے، اس طرف خود کھڑے ہو کر نبی کریم ﷺ کو بچاتے اور پتھر کو اپنے سر پر لے لیتے تھے، یہاں تک کہ حضرت زید کا سر بھی پتھروں کے زخم سے چور ہو گیا۔

اسی دوران اللہ تعالیٰ نے بادل کا ایک ٹکڑا بھیجا، جو آپ ﷺ پر سایہ کرنے لگا اور پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک اور فرشتے کے ساتھ حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کے پروردگار نے آپ کی قوم کی ساری باتیں سنیں اور آپ کے ساتھ جو کچھ سلوک کیا ہے، اس کو دیکھا، میرے ساتھ پہاڑوں کی خدمت پر مامور فرشتہ ہے، اگر آپ حکم دیں، تو یہ ان پہاڑوں کو ملا کر اہل طائف کو تباہ و برباد کر دے، کیونکہ انہوں نے آپ کو ستانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اس پر راضی نہیں، میں رحمۃ للعالمین نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، یہ زندہ رہے تو ممکن ہے، کہ ان کی نسلوں سے ایسے لوگ پیدا ہو جائیں، جو رب العالمین پر ایمان لے آئیں اور اس کی وحدانیت کا اقرار کر لیں۔

بالآخر نبی کریم ﷺ طائف سے ایک ماہ کے بعد اس طرح واپس ہوئے کہ فقر و فاقہ اور اہل طائف کی تکلیفوں سے جسم نڈھال تھا اور ٹخنے مبارک خون سے لہولہاں تھے، اس سب کے باوجود آپ کی زبان مبارک پر بدعا کے بجائے ہدایت کے الفاظ جاری تھے۔

یہی یہ بات کہ حدیث میں اس موقع پر نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت بلال کا ساتھ ہونا مذکور ہے، جبکہ مذکورہ واقعہ میں حضرت زید بن حارثہ کا ذکر ہے تو ان دونوں باتوں میں کوئی منافات اور تعارض نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے یہ سفر کئی دفعہ ہوئے ہوں، اور کئی سفر میں حضرت بلال اور حضرت زید بن حارثہ دونوں ہی آپ کے ساتھ رہے ہوں، تاہم یہ طے ہے کہ حدیث کا یہ واقعہ سفر ہجرت سے متعلق نہیں، کیونکہ اس میں حضرت بلال آپ کے ساتھ نہیں تھے۔ (۱)

عن علی بن ابی طالب یقول: خرجت فی یوم شابت من بیت رسول اللہ ﷺ وقد أخذت إهاباً مغطوناً، فجؤبت و متطعم، فأدخلته فی غنقی، وشدذت و سطلی، فخرجت منه بخوص النخل، وانی لشدید الجوع و لؤ کان فی بیت رسول اللہ ﷺ: طعام لطعمت منه، فخرجت ألتمس شیئاً فمررت بیہودی فی مال لہ، و هو

يَسْقَى بِبَكْرَةٍ لَهُ، فَأَطْلَعَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللَّمَّةِ فِي الْحَائِطِ، فَقَالَ مَا لَكَ يَا أَعْرَابِي؟ هَلْ لَكَ فِي ذُلِّهِ بِتَمْزُةٍ؟
فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَأَفْتَحَ الْبَابَ، حَتَّى أَذْخُلَ، فَفَتَحَ فَدَخَلْتُ فَأَعْطَانِي ذُلُّهُ، فَكَلَّمَا نَزَعْتُ ذُلُّهُ أَعْطَانِي تَمْزُةً
حَتَّى إِذَا امْتَلَأْتُ كَفَى أَرْسَلْتُ ذُلُّهُ وَقُلْتُ: حَسْبِيَ فَأَكَلْتُهَا، ثُمَّ جَزَعْتُ مِنَ الْمَاءِ، فَشَرِبْتُ ثُمَّ جِئْتُ
الْمَسْجِدَ فَلَوْ جَدْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَبَيَّتُهُ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں سردی کے دنوں میں نبی کریم ﷺ کے گھر سے نکلا اور میں نے
ایک بدبودار چڑا لیا، جس کے بال جھڑے ہوئے تھے، پھر میں نے اسے درمیان سے کاٹا اور اسے میں نے اپنی
گردن میں ڈال لیا اور میں نے اپنی کمر باندھ دی اور میں نے اسے کجور کی شاخوں سے باندھا، اور میں اس وقت
واقعی شدید بھوکا تھا، اگر حضور ﷺ کے گھر میں کچھ کھانا ہوتا تو میں اس میں سے ضرور کھا لیتا، پھر میں کسی چیز کی تلاش
میں نکلا تو میں ایک یہودی کے پاس سے گذرا، جو اپنے باغ میں تھا اور وہ اپنی ایک چرخی سے (باغ کو) پانی دے رہا
تھا، میں نے دیوار کے ایک شکاف سے اسے جھانکا تو وہ کہنے لگا: اے دیہاتی تجھے کیا ہے؟ کیا تو ایک کجور کے عوض
پانی کا ڈول (کنویں سے) کھینچے گا؟ میں نے کہا: جی ہاں، تو دروازہ کھول تاکہ میں باغ میں داخل ہو جاؤں، چنانچہ اس
نے دروازہ کھولا، میں داخل ہوا، تو اس نے مجھے اپنا ڈول دیا، جب میں ایک ڈول پانی کھینچ لیتا تو وہ مجھے ایک کجور
دیدیتا، یہاں تک کہ جب میری مٹھی بھر گئی تو میں نے اس کا ڈول چھوڑ دیا اور میں نے کہا: بس مجھے کافی ہے، میں نے
وہ کجور کھائی اور پھر چند گھونٹ پانی پیا، اور واپس مسجد نبوی میں آیا، تو نبی کریم ﷺ کو وہیں موجود پایا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُمْ أَصَابَهُمْ جُوعٌ، فَأَعْطَاهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَمْزُةً تَمْزُةً.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید بھوک لگی، تو نبی کریم ﷺ نے انہیں ایک
ایک کجور دی۔

مشکل الفاظ کے معنی: یوم شہات: سردی والا دن، ٹھنڈا دن، اہاب: چڑا، کھال: معطونا: بدبودار، سڑا ہوا چڑا جس کے بال
دباغت کی وجہ سے جھڑ گئے ہوں۔ جوبت: میں نے کاٹا۔ وسط: درمیانہ حصہ، کمر، پشت۔ شدت: محنت: میں نے باندھا۔
خصوص: خصوصہ کی جمع ہے: کجور کی شاخیں، پتے۔ بکرة: (با پر زبر اور کاف کے سکون کے ساتھ) چرخی، جس سے وزنی چیز کھینچی
جاتی ہے۔ لئمة: (تاء پر پیش اور لام کے سکون کے ساتھ) شکاف، سوراخ۔ امتلائت کفی: میری مٹھی بھر گئی۔ جوعت من
الماء: میں نے چند گھونٹ پانی پیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمیعین کا فقر وفاقہ

ان احادیث سے صحابہ کرام کا فقر وفاقہ اور معاشی تنگدستی معلوم ہوتی ہے کہ وہ دین پر عمل کرنے کی خاطر ہر قسم کی تکلیف

اور مشکل برداشت کرتے تھے، یہی حال ان صحابہ کرام کا بھی تھا، جو اصحاب صفہ تھے، جس کا ذکر دوسری حدیث میں ہے، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ باب کی دوسری حدیث میں سفر کا واقعہ ہے کہ دور دراز کے سفر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید بھوک لگی تو آپ ﷺ نے انہیں ایک ایک کھجور عنایت فرمائی۔ (۱)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَنَحْنُ لَلْأَمَلَاءِ، نَحْمِلُ زَادَنَا عَلَى رِقَابِنَا، فَقَبِي زَادُنَا، حَتَّى كَانَ يَكُونُ لِلزَّجَلِ مِنَّا كُلِّ يَوْمٍ تَمْرَةٌ، فَقِيلَ لَهُ يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ: وَأَيْنَ كَانَتْ تَقَعُ التَّمْرَةُ مِنَ الزَّجَلِ؟ قَالَ: لَقَدْ وَجَدْنَا لَقَدْ هَاجِنَ، لَقَدْ نَاقَتُنَا الْبَحْرُ، لَمَّا إِذَا نَحْنُ بِحَوْبٍ، قَدْ قَلَّدَهُ الْبَحْرُ، فَأَكَلْنَا مِنْهُ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ يَوْمًا مَا أَحْبَبْنَا.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک مہم پر بھیجا، ہم تین سو افراد تھے، ہم اپنا توشہ اپنی گردنوں پر اٹھائے ہوئے تھے، (یعنی وہ توشہ تھوڑا تھا) پھر ہمارا توشہ ختم ہو گیا، یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ ہم میں سے ہر آدمی کے حصہ میں روزانہ ایک ایک کھجور آتی، تو ان سے (یعنی حضرت جابر سے) پوچھا گیا کہ اے ابو عبد اللہ: ایک آدمی کا ایک کھجور سے کیا بنتا ہوگا؟ تو انہوں نے فرمایا: ہمیں اس ایک کھجور کی قدر اس وقت ہوئی، جب ہم اس سے بھی محروم ہو گئے پھر ہم سمندر کے کنارے پر آ گئے تو اچانک ہم ایک مچھلی کے پاس آٹھہرے، جسے سمندر نے پھینک دیا تھا، پھر ہم اس میں سے اٹھارہ دن تک کھاتے رہے، جس قدر کہ ہم نے چاہا۔

سریرہ سیف البحر

سن چہ ہجری یا اس سے بھی پہلے نبی کریم ﷺ نے تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ابو عبیدہ بن جراح کی قیادت میں قریش کے قافلے کی گھات لگانے کے لئے بھیجا، یہ حضرات سمندر کے کنارے پر تقریباً آدھا مہینہ ٹھہرے رہے اور پھر واپس آ گئے، اور ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سریرہ کو جہینہ کے ایک قبیلہ کی طرف بھیجا تھا، جو سمندر کے ساحل پر رہتے تھے، پھر یہ حضرات نصف ماہ کے بعد بغیر کسی لڑائی کے واپس آ گئے،

بظاہر دونوں میں تعارض ہے کہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سریرہ قریش کے قافلے کی گھات اور نگرانی کے لئے گیا تھا، اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہینہ کے ایک قبیلہ کی طرف بھیجا گیا تھا، اس لئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ ایک ہی سفر میں دونوں کی طرف بھیجے گئے ہوں، اس لئے ان میں کوئی تعارض نہیں۔

صحابہ کرام کا قیام چونکہ ساحل سمندر پر رہا تھا، اس لئے اسے ”سریرہ سیف البحر“ کہا جاتا ہے، اور اس سفر میں صحابہ کرام

یعنی صحیحین کے پاس کھانے کی کوئی چیز بھی نہیں بچی تھی، یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ درختوں کے پتے جھاڑ کر کھائے جاتے تھے، اس لئے اسے ”غزوۃ الخبط“ بھی کہا جاتا ہے۔ (۱)

فأكلنا منه ثمانية عشر يوماً

اس روایت میں اٹھارہ دن کا ذکر ہے، اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں مہینے کا اور ایک دوسری روایت میں پندرہ دن کا ذکر ہے، بظاہر دونوں کی تعداد میں تعارض لازم آ رہا ہے؟

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ وہ روایت جس میں مہینے کا ذکر ہے، وہ چونکہ زیادہ مقدار کو ثابت کر رہی ہے، اس لئے وہ رائج ہے اور جن روایات میں کم دنوں کا ذکر ہے، ان سے اکثر کی نفی ثابت نہیں ہوتی، اس لئے تعارض نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یوں تطبیق دی ہے کہ جس روایت میں اٹھارہ دن کا ذکر ہے وہ اصل ہے، اور جن روایات میں پندرہ دن یا مہینے کا ذکر ہے، ان میں کسر کو حذف کر دیا گیا ہے۔

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ حدیث کے راویوں کی توجہ اصل قصہ کے بیان کی طرف ہوتی ہے، اس میں وہ پورا اہتمام کرتے ہیں، دنوں کی تعداد یا اس جیسی چیزوں کی طرف وہ خاص توجہ نہیں فرماتے، کیونکہ یہ مقصود نہیں، ایسے میں اگر کوئی تعارض پیش آجائے تو اس سے حدیث کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ (۲)

سمک طانی کا مسئلہ

سمک طانی: وہ مچھلی ہے جو سمندر کے اندر از خود طبعی موت مر جائے اور پانی کے اوپر آجائے، اس مچھلی کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ آئمہ ثلاثہ یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک سمک طانی حلال ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسکی حرمت کے قائل ہیں۔
جمہور کا استدلال:

- (۱) هو الطهور ماء والحل ميتته، آئمہ ثلاثہ ”میتہ“ سے غیر مذبوح مراد لیتے ہیں، اس لئے سمک طانی حلال ہے۔
 - (۲) مذکورہ حدیث سے استدلال ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غیر نامی مچھلی استعمال کی تھی، جو انہیں مری ہوئی ملی تھی، اس کے باوجود وہ اسے نصف ماہ تک کھاتے رہے۔
 - (۳) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کیا ہے جس میں سمک طانی کو حلال قرار دیا گیا ہے۔
- امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال حضرت جابر کی روایت سے ہے جسے امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے

(۱) فتح الباری ۹/۸۸ کتاب للغازی، باب غزوۃ سیف البحر

(۲) تکملة فتح اللہم ۵۰۴/۳ کتاب الصيد باب اباحۃ میتات البحر۔

ارشاد فرمایا: مَا أَلْفَى الْبَيْخُرَ أَوْ جَزَرَ عَنَّهُ فَكُلُوهُ وَمَا مَاتَ فِيهِ وَطَفًا فَلَا تَأْكُلُوهُ

جس کو سمندر ڈال دے یا جس سے سمندر خشک ہو جائے (یعنی مچھلی کنارے پر ہی رہ جائے، پانی کے ساتھ واپس نہ جائے) تو تم اسے کھاؤ، اور جو اس میں طبعی موت مر جائے اور اوپر تیرنے لگے، تو اسے نہ کھاؤ۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ سمک طافی کو نہ کھائیں، اور یہ اصول ہے کہ حلت و حرمت میں جب تعارض آجائے، تو احتیاط اسی میں ہے کہ حرمت کو ترجیح دی جائے۔

جہور کے استدلال کے جواب:

(۱) حدیث میں ”میتہ“ سے غیر مذبوح نہیں، بلکہ وہ جانور مراد ہے، جس میں پہنے والا خون نہ ہو جیسا کہ احلت لنا میتان میں ”میتہ“ سے یہی معنی مراد ہیں۔

اور حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ حدیث میں ”الحل میتہ“ میں ”الحل“ سے ظاہر مراد ہے کہ سمندر کا مردار ظاہر ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ شبہ تھا کہ سمندر میں مرنے والا جانور ناپاک ہو جاتا ہے، اس شبہ کو ختم کرنے کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ سمندر کا میتہ ظاہر ہوتا ہے۔

(۲) حدیث عنبر سے استدلال تام نہیں، کیونکہ اس حدیث میں ایسی کوئی تصریح نہیں، جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ عنبر، سمک طافی تھی، ہو سکتا ہے کہ سمندر نے اس کو خشکی کی طرف پھینک دیا ہو، اور اس کے نتیجے میں وہ مری ہو، ایسی مچھلی کا کھانا بالاتفاق جائز ہے۔

(۳) اس اثر کے بارے میں شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں شدید اضطراب ہے اور اگر بالفرض اسے سند کے لحاظ سے صحیح مان لیا جائے تو بھی وہ ایک صحابی کا اجتہاد ہو سکتا ہے، جو حدیث مرفوع کے مقابلہ میں حجت نہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس اثر میں ”میتہ“ سے وہ مچھلی مراد ہو جو کسی سبب خارجی سے مری ہو۔ (۱)

جھینگے کا حکم

حنابلہ، شافعی اور مالکیہ کے نزدیک تو جھینگا حلال ہے، احناف کے نزدیک اس کے حکم کا مدار اس بات پر ہے کہ جھینگا مچھلی ہے یا نہیں؟ علم حیوانات کے جدید ماہرین کے نزدیک جھینگا مچھلی نہیں، کیونکہ ماہرین کے نزدیک مچھلی ریڑھ کی ہڈی والا وہ جانور ہے جو گھڑوں کے ذریعہ سانس لیتا ہے، جبکہ یہ تعریف جھینگے پر صادق نہیں آتی، لیکن اس کے برعکس مشہور اہل لغت نے جھینگے کو مچھلی میں شمار کیا ہے ابن درید، علامہ فیروز آبادی، علامہ زبیدی اور دبیری کی یہی رائے ہے، اسی بناء پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ مفتی محمود الحسن گنگوہی، مولانا عبدالحی کھنوی، مفتی عبدالرحیم لاچپوری اور مفتی عبدالسلام چانگانی نے جھینگے کو مچھلی میں شمار کیا ہے، ان کے نزدیک یہ حلال ہے، اسناد محترم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ لکھتے ہیں: مناسب یہ ہے کہ جھینگے کے مسئلے میں سختی نہ کی جائے

کیونکہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے، جو باعث تخفیف ہے، تاہم چونکہ یہ حلت و حرمت کا مسئلہ ہے، اس لئے اس کے کھانے سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔ (۱)

عن علی بن ابی طالب یقول: إِنَّا لَجُلُوسٌ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا مُضْعَبُ بْنُ غَمِيٍّ، مَا عَلَيْهِ إِلَّا بُزْدَةٌ لَهُ مَرْقُوعَةٌ بِفَرْوٍ، فَلَمَّا رَأَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَكَى لِلَّذِي كَانَ فِيهِ مِنَ النِّعْمَةِ وَالَّذِي هُوَ فِيهِ الْيَوْمَ. ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: كَيْفَ بِكُمْ إِذَا أَخَذَ أَحَدُكُمْ فِي خَلْعٍ وَرَاحٍ فِي خَلْعٍ وَوَضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ صَخْفَةٌ وَرَفِعَتْ أُخْرَى وَسَتَرْتُمْ بِيُوتِكُمْ كَمَا تَسْتَسِرُّ الْكَعْبَةُ؟ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ: نَحْنُ يَوْمَ مَوْلِدِ خَيْرٍ مِنَّا الْيَوْمَ، نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ وَنُكْفَى الْمُؤَنَّةَ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا، أَنْتُمْ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِنْكُمْ يَوْمَ مَوْلِدِ.

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ مسجد (نبوی یا قباء) میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے، ان کے جسم پر صرف ایک ایسی دھاری دار چادر تھی، جسے پوتین کے پوند لگے ہوئے تھے، نبی کریم ﷺ نے جب انہیں (اس حالت میں) دیکھا تو رو پڑے، اس ناز و نعمت کا خیال کر کے، جس میں وہ پہلے تھے اور اس حال کو دیکھ کر جس میں آج وہ ہیں، پھر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا کہ جب تم میں سے ایک، صبح ایک عمدہ جوڑا پہنے گا اور شام میں دوسرا عمدہ پوشاک پہنے گا (یعنی صبح و شام کپڑے بدلے گا) اور اس کے سامنے ایک پلیٹ رکھی جائے گی اور دوسری اٹھائی جائے گی (یعنی مختلف قسم کی ڈشیں اور کھانے ہوں گے) اور تم اپنے گھروں پر پردے ڈالو گے (یعنی قیمتی پردوں سے انہیں آراستہ کر دو گے) جیسے بیت اللہ پر پردہ ڈالا جاتا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ: ہم اس دن آج کے مقابلے میں بہتر ہوں گے، ہم عبادت کے لئے فارغ ہوں گے اور محنت و مشقت سے ہماری کفایت کی جائے گی (یعنی محنت و عمل کے لئے خادم ہوں گے) اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ تم آج بہت بہتر ہو، اس دن کے مقابلے میں۔

عن ابی ہریرۃ قال: كَانَ أَهْلُ الصُّفَّةِ أَضْيَافَ أَهْلِ الْإِسْلَامِ، لَا يَأْوُونَ عَلَى أَهْلِ وَلَا مَالٍ، وَاللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، إِنْ كُنْتُ لَا أَعْتَمِدُ بِهَيْدَى عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْجُوعِ، وَأَشَدُّ الْحَجَرِ عَلَى بَطْنِي مِنَ الْجُوعِ، وَلَقَدْ قَعُذْتُ يَوْمًا عَلَى طَرِيقِهِمُ الَّذِي يَخْرُجُونَ فِيهِ، فَعَمَّرَ بِي أَبُو بَكْرٍ فَسَأَلْتُهُ عَنْ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ، مَا سَأَلْتُهُ إِلَّا أَنْ يَسْتَتِيعَنِي فَعَمَّرَ وَلَمْ يَفْعَلْ، ثُمَّ مَرَّ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ، فَتَبَسَّمَ حِينَ رَأَى وَقَالَ: أَبُو هُرَيْرَةَ؟ قُلْتُ: تَبِيكُ يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ: الْحَقُّ، وَمَضَى، فَاتَّبَعْتُهُ وَدَخَلْتُ مَنْزِلَهُ، فَاسْتَأْذَنْتُ فَأَذِنَ لِي، فَوَجَدَ قَدْ حَامَنَ اللَّبَنَ، قَالَ مِنْ أَيْنَ هَذَا اللَّبَنُ لَكُمْ؟ قِيلَ: أَهْلُهُ

(۱) تکملة فتح للملهم ۵۱۳/۳ کتاب الصيد، مسألة الروبيان، كشف الباری ص: ۲۵۶، کتاب الذبائح، باب قول الله: أحل لكم صيد البحر۔

لَنَا فُلَانٌ۔

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَبَا هُرَيْرَةَ، قُلْتُ: لَتَيْيَكُ، قَالَ: الْحَقُّ إِلَى أَهْلِ الصُّفَّةِ فَأَذْغَهُمْ، وَهُمْ أَضْيَافُ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا يَأْوُونَ عَلَى أَهْلِ وَلَا مَالٍ، إِذَا أَتَتْهُ الصَّدَقَةُ بَعَثَ بِهَا إِلَيْهِمْ، وَلَمْ يَتَنَاوَلْ مِنْهَا شَيْئًا، وَإِذَا أَتَتْهُ هَدِيَّةٌ أَرْسَلَ إِلَيْهِمْ فَأَصَابَ مِنْهَا وَأَشْرَكَهُمْ فِيهَا، فَسَاءَ لِي ذَلِكُ، وَقُلْتُ: مَا هَذَا الْقَدَحُ بَيْنَ أَهْلِ الصُّفَّةِ وَأَنَا رَسُولُهُ إِلَيْهِمْ، فَسَيَأْمُرُنِي أَنْ أُدِيرَهُ عَلَيْهِمْ فَمَا عَسَى أَنْ يَصِيبَنِي مِنْهُ؟ وَقَدْ كُنْتُ أَرْجُو أَنْ أَصِيبَ مِنْهُ مَا يَغْنِيَنِي، وَلَمْ يَكُنْ بَذَمِينَ طَاعَةَ اللَّهِ وَطَاعَةَ رَسُولِهِ، فَآتَيْتُهُمْ فَقَدَعُوا ثَلْثَهُمْ۔

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ فَأَخَذُوا مَجَالِسَهُمْ قَالَ: أَبَا هُرَيْرَةَ: خُذِ الْقَدَحَ فَأَعْطِهِمْ، فَأَخَذْتُ الْقَدَحَ فَجَعَلْتُ أَتَاوِلُهُ الرَّجُلَ فَيَشْرَبُ حَتَّى يَزُورَ ثُمَّ يَزُدُّهُ فَأَتَاوِلُهُ الْآخَرَ حَتَّى انْتَهَيْتُ بِهِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَقَدْ زَوَى الْقَوْمُ كُلَّهُمْ، فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْقَدَحَ فَوَضَعَهُ عَلَى يَدِهِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَتَشَمَّ وَقَالَ: أَبَا هُرَيْرَةَ: اشْرَبْ، فَشَرِبْتُ، ثُمَّ قَالَ: اشْرَبْ، فَلَمْ أَزَلْ أَشْرَبُ وَيَقُولُ: اشْرَبْ ثُمَّ قُلْتُ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ: مَا أَجِدُ لَهُ مَسْلَكًا، فَأَخَذَ الْقَدَحَ، فَحَمِدَ اللَّهُ وَسَمِعِي وَشَرِبَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل صفہ مسلمانوں کے مہمان تھے، وہ نہ تو اپنے اہل کی طرف پناہ لیتے تھے اور نہ مال کی طرف، قسم ہے اللہ جل شانہ کی جس کے بغیر کوئی معبود نہیں، بیشک میں بھوک کی وجہ سے اپنا جگر (یعنی اپنا پیٹ) زمین کے ساتھ ٹیکتا تھا (یعنی زمین کے ساتھ ملا لیتا تھا، تاکہ بھوک کی شدت میں کمی ہو جائے) اور بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا، اور میں ایک دن مسلمانوں کے راستے پر بیٹھا، جہاں سے مسلمان گذرتے تھے، اتنے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گذرے، میں نے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی، میں نے ان سے اس لئے پوچھا تھا تاکہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں، لیکن وہ گذر گئے اور انہوں نے ایسا نہ کیا، پھر عمر فاروق گذرے، ان سے بھی میں نے کتاب اللہ کی ایک آیت پوچھی اور پوچھنے سے میرا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں، وہ بھی چلے گئے اور انہوں نے ایسا نہ کیا پھر ابوالقاسم یعنی نبی کریم ﷺ گذرے تو مجھے دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: تو ابو ہریرہ ہے، میں نے کہا: لبیک یا رسول اللہ فرمایا: میرے ساتھ چلو، آپ چل پڑے اور میں آپ کے پیچھے ہو گیا، اور آپ اپنے گھر داخل ہو گئے پھر میں نے اجازت طلب کی، تو مجھے (اندر جانے کی) اجازت دیدی گئی، آپ نے (گھر میں) دودھ کا ایک پیالہ موجود پایا تو فرمایا: یہ دودھ تمہارے لئے کہاں سے آیا ہے؟ بتایا گیا کہ فلاں نے یہ دودھ ہمارے لئے ہدیہ بھیجا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابو ہریرہ: میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا: تم اہل صفہ کے پاس جاؤ اور انہیں بلا کر لاؤ، وہ مسلمانوں کے مہمان ہیں وہ نہ تو اپنے اہل کی طرف پناہ لیتے تھے اور نہ مال کی طرف،

جب آپ کے پاس صدقہ کا کوئی مال آتا تو وہ ان کی طرف بھیج دیتے تھے اور اس سے خود کچھ بھی نہیں لیتے تھے، اور جب آپ کے پاس کوئی ہدیہ آتا تو ان کی طرف پیغام بھیجتے اور آپ خود بھی اس میں سے کچھ لے لیتے، اور اہل صفہ کو اس میں شریک فرماتے، (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) مجھے یہ بات ناگوار محسوس ہوئی اور میں نے کہا (دل ہی دل میں) اس پیالے کی اہل صفہ کے سامنے کیا حیثیت ہے اور میں تو آپ کی طرف سے ان کی طرف فرستادہ ہوں پھر حضور مجھے حکم فرمائیں گے کہ میں (وہ پیالہ لے کر) ان پر چکر لگاؤں تو مجھے نہیں لگتا کہ اس پیالے سے مجھے بھی کچھ مل سکے؟ جبکہ مجھے یہ امید تھی کہ میں اس میں سے اتنا ضرور پالوں گا، جو مجھے بے نیاز کر دے گا (یعنی مجھے کفایت کر جائے گا) مگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا، چنانچہ میں اہل صفہ کے پاس آیا اور انہیں (حضور کی طرف) بلا یا۔

جب اہل صفہ حضور ﷺ کے پاس آگئے اور اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تو آپ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ: پیالہ لو اور ان کو دیدو، چنانچہ میں نے دودھ کا پیالہ لیا اور ایک ایک شخص کو دینے لگا تو وہ اس سے پیتا، یہاں تک کہ وہ سیراب ہو جاتا پھر وہ اسے واپس کر دیتا پھر میں دوسرے کو دیدیتا، یہاں تک کہ میں نبی کریم ﷺ تک پہنچ گیا اور پوری قوم سیراب ہو چکی تھی، پھر آپ نے وہ پیالہ لیا اور اسے اپنے ہاتھ پر رکھا پھر اپنا سر مبارک اٹھایا اور مسکرائے، اور فرمایا: اے ابو ہریرہ: اب تم بیو، چنانچہ میں نے پیالہ آپ نے پھر فرمایا: تم بیو، میں مسلسل پیتا رہا اور آپ مجھے فرماتے رہے کہ تم بیو پھر میں نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں (مزید) پینے کی اب گنجائش نہیں رکھتا، پھر آپ نے دودھ کا پیالہ لے لیا، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور بسم اللہ پڑھ کر اسے پی لیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: بردۃ: (با پریش اور را کے سکون کے ساتھ) دھاری دار چادر۔ مرفوعۃ: پیوند لگی ہوئی۔ فزو: (فا پر زبر اور را کے سکون کے ساتھ) چڑا، پستین۔ حلۃ: (حا پریش اور لام پر زبر اور تشدید کے ساتھ) پوشاک، عمدہ لباس۔ اعتماد: میں ٹیک لگا لیتا یعنی اپنا پیٹ زمین کے ساتھ چپکا لیتا۔ کبدی: اپنے جگر اور کلیجہ کو۔ لیستب یعنی: تاکہ مجھے اپنے ساتھ لے جائے۔ الحق: تم میرے ساتھ چلو۔ ادیوہ علیہم: میں اس پیالے کو اصحاب صفہ پر گھاؤں۔ ما یغنی: جو مجھے بے نیاز کر دے۔ مسلکا: جگہ، راستہ، پینے کی گنجائش۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جنہوں نے ”دار ارقم“ میں اپنی ماں اور اہل و عیال سے چھپ کر اسلام قبول کر لیا تھا، پھر جب ان کے اہل خانہ کو ان کے اسلام کا پتہ چلا تو انہوں نے انہیں زنجیروں سے جکڑ کر قید کر دیا تاکہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکیں، لیکن ان کے دل میں ایمان رچ بس چکا تھا، انہوں نے اپنے ایمان کو بچانے کی خاطر گھر سے

کسی طرح بھاگ کر حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مکہ مکرمہ واپس آ گئے اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، غزوہ احد میں شریک ہوئے، بالآخر کفار سے مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا، جبکہ اسلام - مجتہدین ان کے ہاتھ میں تھا۔

نبی کریم ﷺ نے بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد انہیں اہل مدینہ کی طرف معلم بنا کر بھیجا، تاکہ وہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم اور دینی مسائل سکھائیں، اسلام سے پہلے بڑے ناز و نعمت، عیش و عشرت اور خوب خوشحال تھے لیکن قبول اسلام کے بعد دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی، بالکل زاہدانہ زندگی گزارنا شروع کر دی تھی، امام ترمذی کی مذکورہ روایت میں اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب انہیں خستہ حالت میں دیکھا کہ ایک چادر اوڑھ رکھی ہے اور وہ بھی کتنی جگہ سے بیوند لگی ہوئی ہے، تو آپ ﷺ انہیں دیکھ کر رو پڑے کہ ایک دن وہ تھا کہ مصعب بن عمیر انتہائی ناز و نعمت میں تھے اور آج ان کے پاس پہننے کا صحیح لباس بھی نہیں، اسلام کی وجہ سے سب کچھ قربان کر دیا۔

اپنے ترکہ میں صرف ایک کپڑا چھوڑا تھا کہ جس سے کفن کے طور پر ان کے پاؤں ڈھانپے جاتے تو سرنگاہو جاتا اور سر پر وہ کپڑا کیا جاتا تو پاؤں ننگے ہو جاتے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو۔

حضرت مصعب بن عمیر اصحاب صفہ میں سے تھے، دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ یہ بھی مسجد میں رہتے تھے۔ (۱)

اصحاب صفہ کی تنگدستی

”صفہ“ مسجد نبوی کے ساتھ ایک سایہ دار چبوترہ تھا، جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھ کر نبی کریم ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے، اصحاب صفہ وہ تنگدست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، جن کی نہ تو اہل و عیال اور اولاد تھی اور نہ ان کے پاس مال و دولت تھی، ہر وقت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں رہتے تھے، ان کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی، ابو نعیم نے ”حلیہ“ میں سو سے زیادہ ان کے نام ذکر کئے ہیں۔

مذکورہ احادیث میں اصحاب صفہ کے فقر و فاقہ اور تنگدستی کا ذکر ہے کہ بھوک کی وجہ سے زمین پر گر پڑتے تھے، بے ہوش ہو جاتے لیکن اس کے باوجود بڑی استقامت کے ساتھ دینی تعلیم سیکھنے میں مصروف رہتے، اس حدیث سے بڑی عبرتیں، درس اور نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں، سب سے اہم یہ درس ہے کہ انسان پر کسی بھی قسم کی حالت آجائے، اسلام کے دامن کو ہرگز نہ چھوڑے، اس راستے میں جو مشکلات، فقر و فاقہ اور مصائب پیش آئیں، انہیں برداشت کرے، حالات کے کشیدہ ہونے سے مایوس نہ ہو، بلکہ شوق و جذبہ اور ولولہ سے دینی تعلیم حاصل کرنے، پھیلانے اور عمل کرنے میں مصروف رہے کہ اسی میں دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی ہے۔

لا انتقم الیوم خیر منکم یومئذ

صحابہ کرام نے یہ سمجھا کہ جب مال و دولت زیادہ ہوگا، کام کاج اور خدمت کے لئے ملازم ہوں گے تو اس وقت ہم اللہ کی عبادت زیادہ کر سکیں گے، اس پر نبی کریم ﷺ نے انہیں سمجھایا کہ ایسا نہیں جیسا تم گمان کر رہے ہو بلکہ وہ فقیر جس کے پاس بقدر ضرورت مال موجود ہے، وہ مالدار سے بہتر ہے کیونکہ مالدار آدمی مال و دولت کمانے کے لئے زیادہ مشغول رہتا ہے، اللہ کی عبادت کا اسے زیادہ موقع نہیں ملتا، اس کے مقابلے میں وہ شخص زیادہ دینی کام اور عبادت کر سکتا ہے جس کے پاس ضرورت کے بقدر روزی ہو اور دنیا کے جھمیلوں میں وہ زیادہ مبتلا نہ ہو۔

لا تعتمد بکبدی علی الارض من الجوع

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھوک کی شدت کو کم کرنے کے لئے کبھی پیٹ پر پتھر باندھ لیتے، کبھی پیٹ کو زمین کے ساتھ ملا لیتے اور کبھی شدید بھوک کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے، اللہ تعالیٰ انھیں اپنے فضل و کرم سے ہر قسم کی آزمائش سے بچائے۔ آمین۔

فمر ابو بکر ولم یفعل... ثم مر عمر ولم یفعل۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرات شیخین سے ایک سوال پوچھا، ذہن میں یہ تھا کہ یہ حضرات میری اس حالت میں تو جواب نہیں دیں گے بلکہ کہیں گے کہ آؤ ہمارے ساتھ چلو، جب گھر پہنچ جاتے تو ضرور کھانا بھی کھلا دیتے، یوں میرا کھانے کا مقصد پورا ہو جاتا، لیکن ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ان کے سوال کو ظاہر پر محمول کیا ہو، اس کے جواب دینے کی ضرورت محسوس نہ کی ہو، اس لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ چلنے کا نہیں فرمایا۔ (۱)

عن ابن عمر قال: تَجَشَّأَ زَجَلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: كَفَّ عَنَّا جَشَاءٌ كَ، لِإِنَّ أَكْثَرَهُمْ جَبَعًا فِي الدُّنْيَا أَطْلَوْ لَهُمْ جَوْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے پاس ڈکار لیا تو آپ نے فرمایا: تم اپنا ڈکار ہم سے روک کے رکھو، کیونکہ دنیا میں خوب سیر ہو کر کھانے والا قیامت کے دن بہت دیر تک بھوکا رہے گا۔
مشکل الفاظ کے معنی: تَجَشَّأَ: ڈکار لینا۔ جَشَاءَ: (جیم پر پیش کے ساتھ) ڈکار۔ اَطْلَوْ لَهُمْ جَوْعًا: وہ بہت طویل عرصہ یعنی بہت دیر تک بھوکا رہے گا۔

زیادہ کھانے کی مذمت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا میں زیادہ کھانا ناپسندیدہ ہے، خاص طور پر اس وقت جب اس سیرابی سے دینی امور میں غفلت و سستی پیدا ہو رہی ہو، مستحق اور غریب لوگوں کا خیال نہ رکھا جائے، تاہم اگر یہ قباحتیں نہ ہوں تو کبھی کبھار سیراب ہو کر کھانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

(۱) فتح الباری ۴/۳۸۶ کتاب المناقب، باب علامات النبوة، الکوکب الدرۃ ۲۹۵/۳، تحفۃ الاحوذی ۱۵۰/۷۔

حدیث میں ”رجل“ سے حضرت وہب ابو جحیفہ سوائی مراد ہیں، انہوں نے اس دن گندم اور گوشت کی خرید کھائی تھی، جسکی وجہ سے انہیں حضور ﷺ کے سامنے ڈکار آیا، تو آپ نے ناگواری کا اظہار فرمایا، اس واقعہ کے بعد یہ صحابی رسول تیس سال زندہ رہے، لیکن کبھی انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا تناول نہیں فرمایا۔ (۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: يَا بَنِي: لَوْ رَأَيْتُنَا وَنَعْنُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، وَأَصَابَتْنَا السَّمَاءُ لَحَسِبْتُ أَنَّ رِيحَنَا رِيحُ الصَّائِنِ۔

وَمَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ: أَنَّهُ كَانَ ثِيَابَهُمُ الصُّوفَ، فَكَانَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ الْمَطَرُ، يَجِيءُ مِنْ ثِيَابِهِمْ رِيحُ الصَّائِنِ۔ حضرت ابوموسیٰ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! اگر تو ہمیں دیکھتا، جب کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہوتے اور ہم پہ بارش ہو جاتی (جس سے ہمارے کپڑوں میں بدبو پیدا ہو جاتی) تو تجھے ایسا محسوس ہوتا کہ ہمارے جسم کی بدبو بھیڑ کی بدبو کی طرح ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ان کے کپڑے اون کے تھے، جب ان پر بارش برسی (اور وہ کپڑے گیلے ہو جاتے) تو ان کے کپڑوں سے بھیڑ کی بو کی طرح بدبو نکلتی۔

اون کے لباس کا ذکر

اس حدیث سے اون کے لباس کا جواز ثابت ہوتا ہے، تاہم اگر یہ لباس محض اس نیت سے پہنا جائے تاکہ میرے زہد و پرہیزگاری کی شہرت ہو جائے، تو امام مالک فرماتے ہیں کہ پھر اس لباس کا استعمال مکروہ ہے۔ (۲)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الْجَدِّيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: مَنْ تَرَكَ اللَّبَاسَ تَوَاضَعًا لِلَّهِ، وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ، دَعَاهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى زَوْسٍ الْخَلَاقِ، حَتَّى يُخَوِّفَهُ مِنْ أَيْ خَلَلٍ الْإِيمَانِ شَاءَ، يَلْبَسُهَا۔

حضرت معاذ بن انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ کے لئے تواضع کے طور پر عمدہ لباس چھوڑ دے، حالانکہ وہ عمدہ لباس پہننے پر قادر ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے تمام مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اسے اختیار دے گا کہ وہ اہل ایمان کے لباسوں میں سے جو نسا لباس چاہے، پہن لے۔

تواضعاً عمدہ لباس ترک کرنے کی فضیلت

اس حدیث میں اس شخص کی فضیلت کا ذکر ہے، جو عمدہ اور اعلیٰ لباس پہننے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود محض اللہ کی رضا کے

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱/۱۵۳۔

(۲) تحفۃ الاحوذی ۱/۱۵۳۔

لئے تواضع کے طور پر سادہ لباس استعمال کرتا ہے، تو قیامت کے دن تمام مخلوق کے سامنے وہ اہل ایمان کا لباس حسب منشا پہنے گا، لیکن حیثیت اور قدرت کے باوجود بگل کی وجہ سے عمدہ لباس استعمال نہ کیا جائے، تو یہ شرعاً مذموم اور نا پسندیدہ ہے۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: التَّفَقُّةُ كُلُّهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِلَّا الْبِنَاءَ فَلَا خَيْرَ فِيهِ۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خرچہ سارے کا سارا اللہ کے راستے میں ہے (یعنی اس پر ثواب ملتا ہے) سوائے عمارت (کے خرچے) کے کہ اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔

عَنْ حَارِثَةَ بْنِ مُصْطَبٍ قَالَ: أَتَيْنَا خُبَابًا نَعُوذُ، وَقَدْ اِكْتَوَى سِنْعَ كِتَابٍ، فَقَالَ: لَقَدْ تَطَاوَلَ مَرَضِي، وَلَوْلَا أَنِّي سَجَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: لَا تَمْتَنُوا الْمَوْتَ: لَمَتَّيْنَهُ، وَقَالَ: يُؤْجِزُ الزَّجْلُ فِي نَفَقَتِهِ إِلَّا الثَّرَابُ أَوْ قَالَ: فِي الثَّرَابِ۔

حضرت حارث بن مصعب کہتے ہیں کہ ہم حضرت خباب کی بیمار پرسی کے لئے آئے اور انہوں نے سات داغ لگوائے تھے (اور شدید تکلیف میں تھے) تو انہوں نے فرمایا: میری بیماری بہت طویل ہو گئی ہے، اور اگر میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ: تم موت کی تمنا نہ کرو تو یقیناً میں موت کی تمنا کر لیتا اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کو ہر موقع پر مال خرچ کرنے کا اجر و ثواب دیا جاتا ہے سوائے مٹی کے یعنی عمارت پر خرچ کرنے میں کوئی اجر و ثواب نہیں۔

عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: كُلُّ بِنَاءٍ وَبَالٍ عَلَيَّ، قُلْتُ: أَرَأَيْتَ مَا لَا بِنَاءَ مِنْهُ؟ قَالَ: لَا أَجِبُ، وَلَا وَزَرَ۔

حضرت ابراہیم بن یزید غنمی کہتے ہیں: ہر عمارت آپ پر وبال ہے، میں (یعنی ابو حمزہ راوی) نے عرض کیا: اس عمارت کے بارے میں بتا دیجئے، جو ضروری ہو؟ (کیا وہ بھی وبال ہوگی) حضرت ابراہیم نے فرمایا: اس کے مالک کے لئے نہ اجر و ثواب ہے اور نہ عذاب۔

مشکل الفاظ کے معنی: بناء: (با کے نیچے زیر) عمارت، نعوذہ: ہم ان کی بیمار پرسی کرنے لگے۔ اکتوی: داغ لگوا یا، یہ ایک طریقہ علاج ہے جس کی تفصیل ابواب الطب میں گزر چکی ہے۔ کیات: کینہ کی جمع ہے: داغ۔ تطاول: طویل ہو گئی، بہت دیر ہو گئی۔ وزر: (داؤ کے نیچے زیر اور زاء کے سکون کے ساتھ) عذاب۔ الثواب: مٹی یہاں حدیث میں عمارت مراد ہے۔

عمارت پر خرچ کرنے کا حکم

مذکورہ احادیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) انسان اپنا مال شرعی دائرے میں رکھتے ہوئے جہاں بھی خرچ کرے، تو اسے اس پر اجر و ثواب ملتا ہے، خواہ وہ اپنے اہل

و عیال پر خرچ کرے یا غرباء و مساکین پر، خواہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق اپنا مکان بنائے، کوئی مسجد و مدرسہ یا قافہ ای ادارہ بنائے، ان تمام خرچوں پر اسے اجر و ثواب ملتا ہے مگر وہ خرچہ جو ضرورت کے بغیر تعمیرات پر کیا جائے یا اسے آراستہ کرنے پر لگایا جائے، اس پر کوئی اجر و ثواب حاصل نہیں ہوتا،

البتہ ضرورت کے لئے جو تعمیر کی جائے گی، اس پر اسے اجر و ثواب ملتا ہے، کیونکہ ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: مَا لَا بَدَّ مِنْهُ لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ (جو انسانی حاجت کے لئے ضروری ہو) اور روایت میں ابراہیم بن یزید غنوی نے ضروری تعمیر کے بارے میں جو یہ کہا ہے کہ ”اس کے مالک کے لئے نہ اجر و ثواب ہے اور نہ عذاب“ یہ ان کی اپنی رائے ہے، جو حدیث کے مقابلے میں بہر حال حجت نہیں ہے۔

(۲) انسان پر کتنی شدید بیماری وغیرہ آجائے تو بھی موت کی آرزو کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، اگر یہ تمنا جائز ہوتی، تو حضرت خباب بن ارت ضرور اسکی تمنا فرماتے، کیونکہ وہ سخت مرض میں مبتلا تھے۔ (۱)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ

حضرت خباب بن ارت تھمی زمانہ جاہلیت میں گرفتار ہو گئے تھے، پھر انہیں مکہ مکرمہ میں فروخت کیا گیا، اسلام کا سورج طلوع ہوا تو ابتداء میں ہی سن چھ نبوی میں اسلام قبول کر لیا، اسلام کے اعلان پر انہیں سخت زد و کوب کیا گیا، غزوہ بدر اور اس کے بعد دیگر غزوات میں شریک ہوتے رہے، پھر کوفہ میں سن ۳۶ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

ایک شدید بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر شریعت میں موت کی تمنا کرنا جائز ہوتا تو میں تمنا کر لیتا، کیونکہ میری بیماری کو طویل عرصہ گزر چکا ہے۔

طبرانی نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب جنگ صفین سے واپس تشریف لارہے تھے تو راستے میں حضرت خباب کی قبر پر کھڑے ہو کر یہ ارشاد فرمایا:

رَحِمَ اللَّهُ خَبَابًا، أَسْلَمَ زَاغِبًا، وَهَاجَرَ طَائِعًا، وَعَاشَ مُجَاهِدًا، وَابْتَغَى فِي جَسَدِهِ أَخْوَالَ، وَلَنْ يُضَيِّعَ اللَّهُ أَجْرَهُ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ حضرت خباب پر رحم فرمائے، انہوں نے بڑے شوق و رغبت سے اسلام قبول کیا، خوشی سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی، مجاہدانہ زندگی گزاری اور مختلف جسمانی بیماریوں میں طویل عرصہ محبلی رہے، یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے اجر کو کسی صورت میں ضائع نہیں فرمائیں گے۔ (۲)

(۱) تحفة الاحوذی ۱۵۸/۶

(۲) الاصابة ۲۲۱/۲ الخاء بعدھا الباء۔

عَنْ خُصَيْنِ بْنِ قَالٍ: جَاءَ سَائِلٌ فَسَأَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِلْسَّائِلِ: أَتَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَتَضُمُّونَ مَضَامَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: سَأَلْتُ وَلِلْسَّائِلِ حَقٌّ، إِنَّهُ لَحَقٌّ عَلَيْنَا أَنْ نَصْلِكَ، فَأَعْطَاهُ ثَوْبًا ثُمَّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا إِلَّا كَانَ فِي حِفْظِ اللَّهِ مَا دَامَ وَنَدَّ عَلَيْهِ حِزْقُهُ.

حضرت حصین بن مالک بجلی کہتے ہیں کہ ایک سائل نے ابن عباس سے مانگا تو ابن عباس نے اس سے پوچھا کہ کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں (میں گواہی دیتا ہوں) پھر فرمایا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں، ابن عباس نے پوچھا: کیا تو رمضان کے روزے رکھتا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں، ابن عباس نے فرمایا: تم نے سوال کیا اور سائل کا بھی ایک حق ہے، وہ حق ہم پر یہ ہے کہ ہم تمہیں دیں، چنانچہ ابن عباس نے اس سائل کو ایک کپڑا دیا پھر فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو مسلمان کسی مسلمان کو لباس پہنائے تو وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کے حفظ و امان میں رہتا ہے جب تک کہ اس پر اس کپڑے کا ایک ٹکڑا (بھی باقی) ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی: نصلک: ہم آپ کو عطا کریں، عطیہ دیں۔ خرقۃ: (خاء کے نیچے زیر) ٹکڑا۔

مسلمان کو لباس پہنانے کی فضیلت

اس حدیث سے مسلمان کو لباس پہنانے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ ایسا بندہ مسلسل اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے، اسے دنیا اور آخرت میں کسی بھی ناخوشگوار واقعہ سے سامنا نہیں کرنا پڑتا، یہ فضیلت اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کہ کپڑے کا ایک ٹکڑا بھی اس کے جسم پر باقی ہو، علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کپڑا پہنانے کی یہ فضیلت صرف مسلمان کو پہنانے سے حاصل ہوتی ہے، کسی ذمی اور کافر کو لباس پہنانے سے یہ شرف حاصل نہیں ہوتا، چنانچہ ایک دوسری حدیث میں اسکی تصریح موجود ہے۔ (۱)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، يَغْنِي الْمَدِينَةَ، انْجَفَلَ النَّاسُ إِلَيْهِ، وَقِيلَ: قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَجِئْتُ فِي النَّاسِ لَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ، فَلَمَّا اسْتَبْنَثَ وَجْهَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَزَفْتُ أَنْ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ، وَكَانَ أَوَّلَ حَسَنِي تَكَلَّمْتُ بِهِ أَنْ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ: أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعَمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا وَالنَّاسُ بِيَامٍ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.

حضرت عبد اللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، لوگ آپ کی طرف

دوڑ پڑے، اور کہا گیا کہ نبی کریم ﷺ مدینہ میں تشریف لے آئے ہیں، تو میں بھی لوگوں کے ساتھ آیا، تاکہ میں آپ کو دیکھ سکوں، جب میں نے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ آپ کا چہرہ کسی جھوٹے کا چہرے نہیں ہے، اور سب سے پہلا وہ کلام جو آپ نے ارشاد فرمایا: وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، اور نماز پڑھو جب کہ لوگ سو رہے ہوں تو تم جنت میں اسن و سلام کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: انجفل: لوگ دوڑ پڑے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فلما استعینت: جب میں نے دیکھا۔ الفشوا: تم پھیلاؤ۔ نیام: نام کی جمع ہے: سوتے لوگ۔ بسلام: اسن و سکون اور سلامتی کے ساتھ۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا قبول اسلام

حضرت عبداللہ بن سلام یہود کے بڑے علماء میں سے تھے، پہلی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کا تذکرہ اور حمد و ثناء پڑھ کر آپ کے دیدار کے بہت مشتاق تھے، ہجرت کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا، اور نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ یہ چہرہ ایک سچے اور صادق کا چہرہ ہے، کسی جھوٹ بولنے والے کا چہرہ نہیں ہو سکتا، اس موقع پر آپ نے تین چیزوں کا ارشاد فرمایا: سلام کو پھیلاؤ، ہر بندے کو سلام کرو، خواہ تم اسے پہچانتے ہو یا نہیں، اور غرباء و مساکین کو کھانا کھلاؤ، اور رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھا کر جبکہ لوگ سو رہے ہوتے ہیں، اس وقت میں خوب توجہ کے ساتھ عبادت ہو سکتی ہے، نام و نمود اور ریا کاری کا بھی کوئی شائبہ نہیں ہوتا، یہ عمل کرو گے تو جنت میں بڑے اسن و سکون سے داخل ہو جاؤ گے۔ (۱)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ أَتَاهُ الْمُهَاجِرُونَ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ: مَا زَأَيْنَا قَوْمًا أَبْهَلَ مِنْ كَثِيرٍ وَلَا أَحْسَنَ مَوَاسَاةً مِنْ قَلِيلٍ، مِنْ قَوْمٍ، نَزَلْنَا بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ، لَقَدْ كَفَرْنَا بِالْمُؤَلَّةِ وَأَشْرَكْنَا فِي الْمَهْنَاءِ، حَتَّى لَقَدْ خِفْنَا أَنْ يَذْهَبُوا بِالْأَجْرِ كُلِّهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا، مَا ذَعَرْتُمْ اللَّهَ لَهُمْ وَأَنْتُمْ عَلَيْهِمْ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو مہاجرین آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے یا رسول اللہ: ہم نے ایسی قوم نہیں دیکھی، جو مال کثیر سے خوب خرچ کرنے والی ہو اور نہ ایسی قوم کو جو مال قلیل سے غمخواری کے اعتبار سے زیادہ اچھی ہو، اس قوم کے مقابلے میں، جن کے درمیان ہم اترے ہیں، تحقیق وہ ہم کو خدمت کی محنت و مشقت میں کافی ہو گئے، اور انہوں نے ہمیں خوشگوار اور اپنی من پسند چیز میں شریک کر لیا، حتیٰ کہ ہمیں یہ اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں (ہماری نیکیوں کا) سارا اجر وہی نہ لے جائیں، تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں، جب تک تم ان کے لئے دعا خیر کرتے رہو گے اور ان کا اس احسان پر شکر یہ ادا کرتے رہو گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ابھل: (اسم تفضیل) زیادہ خرچ کرنے والی قوم۔ احسن مواصلات: غمخواری کے اعتبار سے سب سے

اچھی قوم۔ بین اظہر ہم: ان کے درمیان۔ لَقَدْ کَفَوْنَا: تحقیق وہ ہم کو کافی ہو گئے۔ مَوْنَةٌ: خدمت کی محنت و مشقت۔ مہنّا: خوشگوار اور من پسند کی چیز۔

احسان کا بدلہ دعا اور شکر سے

حضرات مہاجرین نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ قوم جن میں ہم اترے ہیں یعنی حضرات انصار، یہ عجیب غمخور اور خرچ کرنے والے لوگ ہیں، ہماری ہر مشکل کو حل کر رہے ہیں، محنت و مشقت کے کاموں سے ہمیں بے نیاز کر دیا ہے، اور اپنی من پسند کی چیز میں بھی ہمیں شریک کر لیا، چنانچہ جس کی دو بیویاں تھیں، اس نے مہاجر صحابی رضی اللہ عنہ کے لئے ان میں سے خوبصورت بیوی کو طلاق دے دی، اپنا آدھا کھیت انہیں دیدیا اور بعض نے اپنا آدھا پھل انہیں عطا کر دیا، ان کا جذبہ ایثار اس حد تک تھا، ان کے احسان اور نیکیاں دیکھ کر بعض مہاجرین کو یہ اندیشہ ہونے لگا کہ یہ لوگ ہماری تمام نیکیوں کا بدلہ اور ثواب حاصل کر لیں گے، ہم نے جو ہجرت کی ہے، اس کا صلہ بھی انصار صحابہ ہم پر نیکی کر کے حاصل کر لیں گے، ان کی بات سن کر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں یہ لوگ تمہاری ہجرت کا ثواب نہیں لے جائیں گے، تمہارے لئے ہجرت کا ثواب ہے اور انصار کے لئے مدد و نصرت اور تعاون کا اجر ہے، تم ان کے لئے دعا اور شکر یہ ادا کرتے رہو، یوں تمہاری طرف سے ان کے احسان کا بدلہ بھی ہو جائے گا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا میں جب کوئی انسان کسی کے ساتھ احسان کرے تو زبان سے اس کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے، کہ اس سے اس کے احسان کا بدلہ ہو جاتا ہے۔ (۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: الطَّاعِمُ الشَّاكِرُ يَمْنُنُ لِرَبِّهِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: شکر گزار کھانا کھانے والا (اجر و ثواب کے اعتبار سے) اس روزے دار کی طرح ہے جو صبر کرنے والا ہے۔

شکر کی فضیلت

اس حدیث سے شکر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ جو کھانا کھانے والا شکر گزار ہو، اجر و ثواب کے لحاظ سے اس روزے دار کی طرح ہے، جو اپنے آپ کو ہر قسم کے گناہوں سے روک کر رکھتا ہے، صبر کرتا ہے، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ کم از کم شکر یہ ہے کہ کھانے سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور صبر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ روزے کو ہر اس چیز سے بچائے جس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ (۲)

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۵۹/۷۔

(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۶۰/۷۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَخْزَمُ عَلَى النَّارِ، وَيَمْنَعُ خَزْمَ عَلَيْهِ النَّارُ؟ عَلَى كُلِّ قَرِيبٍ هَيْبَتٍ سَهْلٍ۔

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں کو ایسے شخص کے متعلق نہ بتاؤں جو آگ پر حرام ہے اور جس پر آگ حرام ہے؟ یہ ہر وہ رشتہ دار ہے جو باوقار، آسانی پیدا کرنے والا، روادار، نرم خور اور عمدہ اخلاق والا ہو۔

عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدٍ قَالَ: قُلْتُ يَا عَائِشَةُ: أَيُّ شَيْءٍ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْنَعُ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ؟ قَالَتْ: كَانَ يَكُونُ فِي مَهْنَةِ أَهْلِهِ، فَإِذَا خَضَعَتْ الصَّلَاةُ قَامَ فَصَلَّى۔

حضرت اسود بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ جب گھر میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اپنے اہل کے کام کاج میں مشغول رہتے، اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگتے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اسْتَقْبَلَهُ الرَّجُلُ فَصَافَحَهُ، لَا يَنْزِعُ يَدَهُ مِنْ يَدِهِ، حَتَّى يَكُونَ الرَّجُلُ الَّذِي يَنْزِعُ، وَلَا يَضْرِبُ وَجْهَهُ عَنْ وَجْهِهِ، حَتَّى يَكُونَ الرَّجُلُ هُوَ الَّذِي يَضْرِبُ، وَلَمْ يَرِ مَقْدِمًا رَكِبَتْهُ بَيْنَ يَدَيَّ جَلِيسٍ لَدِي۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے جب کوئی بندہ آتا اور آپ سے مصافحہ کرتا تو آپ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے اس وقت تک نہ کھینچتے، جب تک کہ وہ بندہ اپنا ہاتھ خود نہ کھینچ لیتا، اور اپنا چہرہ اس کے چہرے سے نہ پھیرتے، یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنا چہرہ پھیر لیتا، اور آپ کو (مجلس میں) اپنے ہمنشین کے سامنے کبھی بھی پاؤں پھیلا کر بیٹھا ہوا نہیں دیکھا گیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: قریب: رشتہ دار۔ ہین: آسانی اور سہولت پیدا کرنے والا، باوقار و سنجیدہ۔ سہل: (سین پر زبر اور ہا کے سکون کے ساتھ) نرم خور اور نرم مزاج والا، روادار، عمدہ اخلاق والا۔ مہنت: (میم کے نیچے زیر اور ہا کے سکون کے ساتھ) کام کاج، خدمت۔ یکون فی مہنتہ اہلہ: اپنے اہل خانہ کی خدمت اور کام کاج میں مشغول رہتے۔ لا ینزع: آپ نہ کھینچتے۔ مقدمات رکبۃ: اپنے گھٹنوں اور پاؤں کو پھیلاتا ہوا۔

نرم مزاجی کی فضیلت اور آپ ﷺ کی تواضع

مذکورہ احادیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) جو شخص اپنے رشتہ داروں اور دیگر لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور نرمی کا معاملہ کرے، تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگا، اس

پر جہنم حرام ہو جاتی ہے، اس حدیث سے نرمی اور میانہ روی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے بشرطیکہ اپنی حدود کے اندر ہو، خلاف شرع امور کے بارے میں نرمی اور چشم پوشی درست نہیں، کیونکہ یہ مہمناخت اور نفاق ہے، جس سے منع کیا گیا ہے۔

(۲) سنت یہ ہے کہ جب انسان گھر پہ آجائے تو اہل خانہ کے ساتھ کام کاج میں ہاتھ بٹائے، حاکم بن کر نہ بیٹھ جائے چنانچہ نبی کریم ﷺ گھر میں اپنے اہل خانہ کے کام کاج میں مشغول رہتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ایک روایت میں فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک انسان تھے جو دیگر انسانوں کی طرح اپنے کپڑے صاف کرتے، بکری کا دودھ نکالتے، اپنے نفس کی خدمت کرتے، اپنے کپڑوں کی سلائی کرتے، اپنے جوتوں کی مرمت فرماتے، پانی کا ڈول اٹھاتے اور آپ نے ساری زندگی نہ تو کسی خادم کو مارا اور نہ کسی بیوی کو، یہ نبی کریم ﷺ کی تواضع اور انکساری کا واضح ثبوت ہے۔

جب کوئی شخص نبی کریم ﷺ سے ہاتھ ملاتا تو آپ اس کی طرف اپنی پوری توجہ فرماتے، اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں ہی رکھتے، اپنا چہرہ بھی اس سے نہ پھیرتے الا یہ کہ وہ بندہ خود ہی اپنا ہاتھ کھینچ لیتا اور اپنا چہرہ پھیر لیتا، نیز مجلس میں آپ نے کبھی بھی اپنے پاؤں لوگوں کے سامنے نہیں پھیلائے۔

مذکورہ طرز زندگی سے نبی کریم ﷺ کی تواضع اور عاجزی نمایاں ہیں، اس سے امت کو درس دینا مقصود ہے تاکہ وہ بھی اپنی گھریلو اور معاشرتی زندگی اس انداز سے گذاریں، اپنے مزاج میں تواضع و انکساری لائیں اور تکبر و غرور سے اجتناب کریں کہ اسی میں اسن و سکون، خیر و عافیت اور اجر و ثواب ہے۔ (۱)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: مَخْرَجَ رَجُلٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فِي حَلَّةٍ لَدَى يَخْتَالُ فِيهَا، فَأَمَرَ اللَّهُ الْأَرْضَ فَأَخَذَتْهُ، فَهَوَّ يَتَجَلَّجَلُ، أَوْ قَالَ: يَتَلَجَّلُ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص (اپنے گھر سے) کپڑے کا جوڑا پہن کر اترتا ہوا باہر نکلتا تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا (کہ وہ اسے پکڑ لے) چنانچہ زمین نے اسے پکڑ لیا (یعنی نگل لیا) تو وہ قیامت تک اسی طرح زمین میں دھنسا رہے گا، راوی کو شک ہے بتجلجل فرمایا یا يتلجلجل (وہ زمین میں مترد ہے، لڑکھڑا رہا ہے)۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يَخْشَرُ الْمُتَكَبِّرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْفَالَ الدُّنْيَا فِي صُورِ الزُّجَالِ، يَفْشَاهُمُ الدَّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ، يُسَافِقُونَ إِلَى مِصْحَنٍ فِي جَهَنَّمَ، يُسْقَى بُولَسٌ، تَغْلُوهُمْ نَارُ الْأَنْثَارِ، يُسَقُونَ مِنْ غَضَارَةِ أَهْلِ النَّارِ طِينَةَ الْخَبَالِ۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا یعنی عبداللہ بن عمرو بن عاص سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: متکبر لوگ قیامت کے دن (ذلت و حقارت اور چھوٹا ہونے میں) چھینٹیوں کی مانند اٹھائے

جائیں گے، جو انسانوں کی شکلوں میں ہوں گی، ان پر ہر طرف سے ذلت چھائی ہوگی، پھر انہیں جہنم کے اس قید خانے کی طرف گھسیٹا جائے گا، جسے ”بولس“ کہا جاتا ہے، آگوں کی آگ انہیں گھیر لے گی، انہیں دوزخیوں کی پیپ پلائی جائے گی، جو سزا بھو باد بودار کچڑ ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: حلة: (حار پریش اور لام پر تشدید کے ساتھ) پوشاک، کپڑے کا جوڑا۔ یختال: اتراتا ہے، تکبر کرتا ہے، اخذتہ: زمین نے اس کو نگل لیا۔ یثجلجل فیہا: وہ زمین میں دھنستا جا رہا ہے۔ یثجلجلج: وہ زمین میں مترود ہے، زمین کے اندر متحرک ہے، دھنستا جا رہا ہے لڑکھڑا رہا ہے۔ ذر: (ذال پر زبر کے ساتھ) چیونٹیاں۔ یغشاہم: ان پر چھا جائیگی، گھیر لے گی۔ یساقون: (قاف پر پیش کے ساتھ، اصل میں یہ لفظ ”یسنو فون“ ہے، تعلیل کے ذریعہ واؤ کو الف سے بدل دیا تو یساقون ہو گیا) انہیں ہانکا گھسیٹا جائے گا، گھسیٹ اور دھکیل دیا جائے گا۔ تعلقوم: آگوں کی آگ انہیں گھیرے گی اور بعض نسو میں تغلوغین کے ساتھ ہے: ان کو ابالے گی۔ الانیار: نار کی جمع ہے اصل میں اس کی جمع واؤ کے ساتھ انوار ہونی چاہیے، مگر چونکہ اس میں نور کی جمع کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے اور معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ نور کی جمع ہے یا نار کی، اس لئے فرق کرنے کے لئے، ”انیار“ جمع لائی جاتی ہے۔ آگیں: اور حدیث میں نار الانیار سے وہ سخت ترین آگ مراد ہے، جس سے دوزخ کی دوسری آگ بھی پناہ مانگتی ہے، اور دیگر تمام آگوں کو یہ جلا دیتی ہے۔ بولس: (با پر زبر اور پیش کے ساتھ) جہنم کا ایک قید خانہ، جو متکبر لوگوں کے لئے خاص ہے۔ یسقون: (صیغہ مجہول) انہیں پلائی جائیگی عصارة: (عین پر پیش کے ساتھ) اہل دوزخ کا بہتا ہوا خون اور پیپ۔ طینۃ: کچڑ، الخبال: اس کے معنی فساد کے ہیں یعنی بگڑی ہوئی چیز اور طینۃ الخبال کے معنی ہیں: وہ کچڑ جو زیادہ سڑنے کی وجہ سے نہایت بدبودار اور متعفن ہو چکا ہو اور ”طینۃ الخبال“ ترکیب نحوی کے اعتبار سے ”عصارة اهل النار“ سے بدل ہے، اس لئے اس پر زیر پڑی جائے گی۔

تکبر کرنے والوں کی سزا

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے تکبر کرنے والوں کی دوسرا عین ذکر فرمائی ہیں:

(۱) گذشتہ امتوں میں ایک شخص کپڑے کا جوڑا پہن کر تکبر و غرور کے ساتھ گھر سے نکلا تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اسے نگل لے، چنانچہ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔

بعض حضرات کے نزدیک اس ”زجل“ سے قارون مراد ہے، جسے تکبر کی وجہ سے یہ سزا دی گئی ہے، لیکن حدیث کے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے قارون کے علاوہ کسی اور متکبر کو بھی یہ سزا، اگر اللہ چاہیں، تو ہو سکتی ہے۔

(۲) قیامت کے دن متکبر لوگ ”چیونٹیوں کی مانند“ ہوں گے، اس سے کیا مراد ہے؟

شارحین حدیث کے اس میں دو قول ہیں:

(۱) علامہ توریشتی اور بعض دوسرے حضرات کا کہنا یہ ہے کہ ”چیونٹیوں کی مانند“ ہونے کے مجازی معنی مراد ہیں، حقیقی نہیں، مطلب یہ ہے کہ متکبر لوگ چیونٹیوں کی طرح ذلیل و رسوا ہوں گے کہ لوگ انہیں قیامت کے دن اپنے قدموں سے روندیں گے، جس طرح کہ چیونٹیوں کو قدموں سے روندنا جاتا ہے، اپنے اس موقف پر انہوں نے دو دلیلیں پیش کی ہیں:

☆ ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جب لوگ دوبارہ اٹھ کر میدان حشر میں آئیں گے، تو ان کے جسم انہی اجزاء پر مشتمل ہوں گے، جن کے ساتھ وہ بدن دنیا میں تھے، یہاں تک کہ غتہ کے وقت عضو تناسل سے جو گوشت کا ٹکڑا کاٹا جاتا ہے، اسے بھی ان کے ساتھ لگا دیا جائے گا، گویا سارے مرد غیر مختون اٹھیں گے، تو ایسے میں یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان کے جسم کے سارے اجزاء، یہاں تک کہ ناخن اور بال وغیرہ بھی ایک چیونٹی کے جسم میں جمع ہو جائیں، اسی لئے حدیث میں فی صور الرجال (مردوں کی صورت میں) کے الفاظ ارشاد فرمائے گئے ہیں، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ان کی شکل و صورت آدمیوں جیسی ہی ہوگی۔

☆ اسی حدیث میں ہے: یغشاهم الذل من کل مکان کہ ذلت انہیں ہر طرف سے گھیر لے گی، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ”چیونٹیوں کی طرح“ سے مراد ذلت و رسوائی ہے، یہ مراد نہیں کہ ان کے جسم حقیقت میں چیونٹیوں کی طرح ہوں گے۔

(۲) محدثین کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس حدیث سے حقیقی معنی ہی مراد ہیں کہ تکبر کرنے والوں کا جسم واقعتاً چیونٹیوں کی طرح ہوگا، البتہ ان کی شکل و صورت انسانوں جیسی ہوگی اور یہ معنی بعید از قیاس نہیں، کیونکہ جو ذات قیامت کے دن جسم کو اصلی اجزاء کے ساتھ اٹھانے پر قادر ہے، وہ اس پر بھی قدرت رکھتی ہے، کہ کسی جسم کے اصلی اجزاء کو ایک چیونٹی کے جسم میں جمع کر دے اور اسے چیونٹی کا جسم دے کر پوری مخلوق کے سامنے اسے ذلیل و رسوا کر دے۔

ملا علی قاری نے اس موضوع پر تفصیلی کلام کے بعد یہ تحقیق لکھی ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں، کہ جب لوگ قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں آئیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ دوسرے لوگوں کی طرح تکبر کرنے والوں کے جسموں کو بھی اپنے اصلی اجزاء کے ساتھ دوبارہ اٹھائیں گے، تاکہ دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت الہی ظاہر ہو جائے لیکن پھر اللہ تعالیٰ میدان حشر میں ان کے جسم چیونٹیوں کی طرح کر دیں گے تاہم ان کی شکل و صورت مردوں کی سی ہی رہے گی اور ان کے ساتھ یہ رویہ اس لئے اختیار کیا جائے گا تاکہ ان کی ذلت و رسوائی پوری مخلوق کے سامنے ظاہر ہو جائے، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اس ذلت و رسوائی سے محفوظ رکھے۔ (۱)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ كَظَمَ غَيْظًا، وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى أَنْ يَنْفِلَهُ، دَعَا اللَّهَ عَلَى زُؤُوسِ الْخَلَائِقِ حَتَّى يُخَوِّزَهُ فِي أَمْرِ الْخَوْرِ شَاءَ.

حضرت معاذ بن انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص غصے کو پی جائے، جبکہ وہ اسے نافذ کرنے پر خوب قادر ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے تمام مخلوق کے سامنے بلائیں گے، یہاں تک کہ اسے اختیار دیں گے کہ جس

حور کو چاہے، پسند کر لے۔

مشکل الفاظ کے معنی: کظلم: غصے کو پی جانا، برداشت کرنا۔ ینفذه: وہ اسے نافذ کرے، عملی کاروائی کرے۔ رؤوس الخلائق: مخلوق کے سامنے۔

غصے کو برداشت کرنے کی فضیلت

اس حدیث سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ جس آدمی پر کوئی زیادتی ہو، تو وہ اسے برداشت کرتا ہے حالانکہ اگر وہ چاہے تو غصہ کر بھی سکتا ہے، اس کے باوجود محض اللہ کی رضا کے لئے اس پر قابو پاتا ہے، اسے پی جاتا ہے، گویا نفس کی خواہش کے خلاف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ارشاد فرمائیں گے کہ جس حور کو تم چاہو، پسند کر لو۔ (۱)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فَلَا تَمَنْ مَنَّ فِيهِ، نَشَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ كَنْفَهُ وَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ: الْوَلَفُ بِالضَّعِيفِ، وَالشَّفَقَةُ عَلَى الْوَالِدَيْنِ، وَالْإِحْسَانُ إِلَى الْمَمْلُوكِ۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص میں تین چیزیں ہوں، تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کے سایے کو پھیلا دیتے ہیں اور اسے جنت میں داخل کر دیں گے: کمزور کے ساتھ نرمی، والدین پر شفقت اور غلام کے ساتھ نیکی کرنا۔

مشکل الفاظ کے معنی: نشر: پھیلا دیتے ہیں۔ کنفہ: کسی چیز کا کنارہ، سایہ، بازو، پہلو اور کنف اللہ سے اللہ کی رحمت، اللہ کا سایہ اور اس کی حفاظت مراد ہے۔ الوفق: نرم رویہ اختیار کرنا۔

تین چیزیں باعث رحمت

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین چیزیں ارشاد فرمائی ہیں، کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت متوجہ ہو جاتی ہے، اور ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائیں گے، ایک یہ ہے کہ معاشرے میں جو کمزور افراد ہوں ان کے ساتھ خاص طور پر نرمی کی جائے، دوسرا یہ کہ والدین کے ساتھ محبت و شفقت کا معاملہ کیا جائے، تیسرا یہ کہ غلام اور ماتحت ملازم کے ساتھ نیکی کی جائے، اسے مالی تعاون کی ضرورت ہو تو اس کی مدد کی جائے۔ (۲)

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ يَا عَبْدِي: كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَيْتُ فَيَسْلُوْنِي الْهَدَى أَهْلُكُمْ، وَكُلُّكُمْ فَقِيْرٌ إِلَّا مَنْ أَغْنَيْتُ، فَيَسْلُوْنِي أَرْزَاقُكُمْ، وَكُلُّكُمْ مُذْنِبٌ إِلَّا مَنْ عَافَيْتُ، فَمَنْ عَلِمَ

(۱) تحفة الاحوذی ۱۶۵/۷۔

(۲) تحفة الاحوذی ۱۶۵/۷۔

مِنْكُمْ أَنِّي ذُو قُدْرَةٍ عَلَى الْمَغْفِرَةِ، فَاسْتَغْفِرْنِي غَفْرَتَ لَهٗ وَلَا أَبَالِي، وَلَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَحَيْثُكُمْ وَمَتَّيْتُكُمْ وَزَطَبْتُكُمْ وَيَابَسْتُكُمْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَتَقَى قَلْبَ عَبْدِي، مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي جَنَاحَ بَغُوضَةٍ، وَلَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَحَيْثُكُمْ وَمَتَّيْتُكُمْ وَزَطَبْتُكُمْ وَيَابَسْتُكُمْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَشَقَّى قَلْبِ عَبْدِي مِنْ عِبَادِي، مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي جَنَاحَ بَغُوضَةٍ، وَلَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَحَيْثُكُمْ وَمَتَّيْتُكُمْ وَزَطَبْتُكُمْ وَيَابَسْتُكُمْ اجْتَمَعُوا فِي صُورَةٍ وَاحِدَةٍ فَسَأَلَ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْكُمْ مَا بَلَغَتْ أُمِّيَّتُهُ، فَأَعْطَيْتُ كُلَّ سَائِلٍ مِنْكُمْ، مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي إِلَّا كَمَا لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ مَرَّ بِالْبَحْرِ فَعَمَسَ فِيهِ إِبْرَةً ثُمَّ رَفَعَهَا إِلَى، ذَلِكَ بِأَنِّي جَوَّادٌ، وَاجِدٌ، مَا جِدْتُ، أَفْعَلُ مَا أُرِيدُ، عَطَانِي كَلَامٌ وَعَذَابِي كَلَامٌ، إِنَّمَا أَمْرِي لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْتُ أَنْ أَقُولَ لَهُ: كُنْ فَيَكُونُ۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک گمراہ ہے (یعنی اس میں گمراہ ہونے کی صلاحیت موجود ہے) مگر وہ شخص جسے میں ہدایت دوں، لہذا تم مجھ سے ہدایت مانگا کرو، میں تمہیں ہدایت دوں گا، اور تم میں سے ہر ایک (ہر لحاظ سے) محتاج ہے مگر وہ شخص جسے میں غنی کر دوں لہذا تم سب مجھ سے روزی مانگو، میں تمہیں (پاک و حلال) روزی دوں گا اور تم سب گنہگار ہو (یعنی ہر ایک سے گناہ ہو سکتا ہے) مگر وہ شخص جسے میں نے محفوظ رکھا (یعنی انبیاء کرام) تم میں سے جس شخص کو اس چیز کا علم ہے کہ میں گناہ بخشے پر قادر ہوں پھر وہ مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کر دیتا ہوں اور مجھے اس کی کوئی پروا نہیں اور اگر تمہارے اگلے، پچھلے، زندہ، مردے، تر اور خشک، میرے بندوں میں سے سب سے زیادہ متقی دل والے بندے (یعنی محمد ﷺ) پر جمع ہو جائیں (یعنی ان کی طرح ہو جائیں) تو اس سے میری بادشاہت میں ایک چمچر کے پر کے برابر بھی زیادتی نہیں ہوگی اور اگر تمہارے اگلے پچھلے، تمہارے زندے، تمہارے مردے، تمہارے بندے (یعنی تمام مخلوقات) میرے بندوں میں سے سب سے بد بخت دل والے بندے (یعنی شیطان ملعون) پر جمع ہو جائیں (یعنی اس کی طرح ہو جائیں) تو اس سے میری خدائی میں ایک چمچر کے پر کے برابر بھی کمی نہ ہوگی۔

اور اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، تمہارے زندے اور تمہارے مردے تمہارے تر اور تمہارے خشک (یعنی تمام مخلوقات) ایک جگہ جمع ہو جائیں پھر تم میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ سے مانگے، جہاں تک اس کی آرزو اور خواہش پہنچ جائے اور پھر تم میں سے ہر ایک شخص کو اس کی خواہش کے مطابق میں عطا کر دوں، تو اس سے میری خدائی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی (ہاں اگر بغرض محال کی ہو بھی تو) صرف اسی قدر مثلاً تم میں سے کسی شخص کا سمندر پر گزر ہو اور وہ اس میں سوئی ڈال کر پھر اسے نکال لے، میری خدائی میں کمی اس لئے نہیں ہوگی کہ میں بہت زیادہ سخی ہوں، میں (اپنی

مطلوبہ (شی کو) پانے والا ہوں، میں بزرگی والا ہوں اور میں وہ کرگزرتا ہوں جو چاہتا ہوں، میرا دینا بھی کلام ہے (یعنی صرف حکم کرنا ہے) اور میرا عذاب بھی کلام ہے (یعنی صرف حکم کرنا ہے) اور بے شک میں جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہوں، تو اس کے لئے میرا صرف اتنا ہی حکم ہے، کہ میں کہہ دیتا ہوں کہ ”ہو جا“ تو وہ اسی طرح ہو جاتی ہے۔ مشکل الفاظ کے معنی: اتقی القلب: سب سے زیادہ تقویٰ والا دل۔ جناح بعوضۃ: ایک مچھر کے پر کے برابر۔ ماہلغت امنیہ: جہاں تک اس کی آرزو پہنچے، یعنی جو کچھ اس کے دل میں آئے یعنی ہر خواہش۔ غمس: ڈوب دے۔ ہبۃ: سوئی۔ جواد: سخی، بہت دینے والا۔ ماجد: پانے والا، یعنی جو وہ چاہتا ہے، اسے حاصل کر لیتا ہے۔

عبادت اور نافرمانی سے قدرت الہی میں کوئی فرق نہیں پڑتا

اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی شان استغناء ثابت ہوتی ہے، ساری کائنات مل کر اللہ کی اطاعت کرے یا اسکی نافرمانی کرے، اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اطاعت سے اس کی قدرت میں اضافہ اور نافرمانی سے اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی، اطاعت کا فائدہ اور نافرمانی کا نقصان صرف بندے کو ہی پہنچتا ہے۔ نیز اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ثابت ہوتی ہے کہ اگر سارے انسان ایک جگہ جمع ہو کر اپنی منشا اور آرزو کے مطابق اللہ تعالیٰ سے سوال کریں، اور اللہ تعالیٰ انہیں عطا کر دیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں ذرا برابر بھی کمی نہیں ہوتی، اگر بغرض محال کسی کی تصور بھی کیا جائے تو وہ اسی قدر ہوگا جتنا کہ سمندر سے ایک سوئی پر پانی لگ جاتا ہے ورنہ حقیقت میں خدا کی خدائی میں کمی کے کسی بھی درجے کا کیا سوال، وہ کتنا ہی عطا کرے، اس کے ہاں ہرگز کمی نہیں ہوتی۔ انما امری... اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ فرما لیتے ہیں، تو انہیں کسی محنت و مشقت اور جدوجہد کی ضرورت نہیں پڑتی، وہ کلمہ کن کے ذریعہ اس شی کو وجود عطا فرما دیتے ہیں۔ (۱)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَخْدُثُ حَدِيثًا، لَوْ لَمْ أَسْمَعْهُ إِلَّا مَرَّةً، أَوْ مَرَّتَيْنِ حَتَّى عَدَّ سَبْعَ مَرَّاتٍ، وَلَكِنِّي سَمِعْتُهُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ؛ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: كَانَ الْكَفَلُ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ لَا يَقْتَوِرُ مِنْ ذَنْبٍ عَمَلُهُ، فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَأَعْطَاهَا سِتِّينَ دِينَارًا، عَلَى أَنْ يَطَّأَهَا فَلَمَّا قَعَدَ مِنْهَا مَقْعَدُ الزَّجَلِ مِنْ امْرِئِيٍّ أَوْ زَعْدَتِ وَبَكَتْ، فَقَالَ: مَا يَبْكِيكِ؟ أَكْثَرَ هَنْكٍ؟ قَالَتْ: لَا وَلَكِنَّهُ عَمَلٌ، مَا عَمَلْتُهُ قَطُّ وَمَا حَمَلَنِي عَلَيْهِ إِلَّا الْحَاجَةُ، فَقَالَ: تَفْعَلِينَ أُنْتِ هَذَا وَمَا فَعَلْتِهِ؟ أَذْهَبِي لَهَيْ لَكَ وَقَالَ: لَا وَاللَّهِ: لَا أَغْصِي اللَّهَ بَعْدَهَا أَبَدًا، فَمَاتَ مِنْ لَيْلَتِهِ، فَأَصْبَحَ مَكْتُوبًا عَلَى بَابِهِ: أَنَّ اللَّهَ قَدْ غَفَرَ لِلْكَفَلِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ایک حدیث بیان کرتے ہوئے سنا، اگر میں نے

وہ حدیث آپ سے ایک یا دو بار یہاں تک کہ سات بار تک شمار کیا، سنی ہوتی (تو میں اسے آگے روایت نہ کرتا) لیکن میں نے یہ حدیث آپ سے اس سے زیادہ بار سنی ہے، میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل میں کفل نامی شخص تھا، جو کسی بھی گناہ سے پرہیز نہ کرتا، اسے کرگزرتا تھا، اس کے پاس ایک عورت آئی، کفل نے اسے ساٹھ دینار دیئے، اس بات پر کہ وہ اس سے جماع کرے گا، جب وہ مرد اس عورت پر بیٹھا، جیسا کہ مرد اس موقع پر عورت پر (وہ کام کرنے کے لئے) بیٹھا کرتا ہے، تو وہ عورت (خوف خدا کی وجہ سے) کانپ اٹھی اور رونے لگی، اس مرد نے کہا: کس چیز نے تجھے رلایا، کیا میں نے آپ پر کوئی جبر کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، لیکن یہ ایک عمل ہے کہ آج تک میں نے اس کا ارتکاب نہیں کیا اور آج مجھے ضرورت نے اس (زنا) پر آمادہ کیا ہے، کفل نے کہا: تم یہ کام ضرورت کی وجہ سے کر رہی ہو اور تم نے اس سے پہلے کبھی نہیں کیا، چل، تو جا، اور یہ دینار بھی میں نے تجھے ہبہ کر دیئے ہیں، (اس عورت کی کیفیت دیکھ کر) کفل کہنے لگا: اللہ کی قسم: میں اس کے بعد کبھی بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا پھر وہ اسی رات انتقال کر گیا، تو صبح کو اس کے دروازے پر لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کفل کی مغفرت کر دی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: لا یبورع: وہ پرہیز اور اجتناب نہ کرتا۔ علیٰ أن یطأھا: اس بات پر کہ وہ اس سے جماع کرے۔ اُرعدت: وہ عورت کانپنے لگی۔

کفل کی مغفرت کا واقعہ

”کفل“ نامی شخص بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا، جو ہر قسم کا گناہ اور اللہ کی نافرمانی کرتا تھا، ایک دفعہ نفسانی خواہش کی تسکین کے لئے ایک عورت کو ساٹھ دینار دیئے، تاکہ اس سے جنسی استفادہ کرے، وہ عورت اللہ سے ڈر کی وجہ سے کانپنے لگی کہ آج تک میں نے یہ گناہ نہیں کیا تھا اور اب مالی حاجت کی وجہ سے یہ کام کرنا پڑ رہا ہے، اس مرد نے یہ کیفیت دیکھی تو اسے اس پر ترس آ گیا، اس نے وہ پیسے اس عورت کو بخش دیئے اور اس کے ساتھ وہ عمل بھی نہیں کیا، اور ساتھ ہی اللہ سے سچی توبہ کر لی کہ آج کے بعد کبھی بھی میں یہ گناہ نہیں کروں گا، اسی رات اس کی وفات ہو گئی، صبح کے وقت اس کے دروازے پر یہ لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کفل کی بخشش کر دی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان سے جس قدر سنگین گناہ ہو جائے جب وہ توبہ سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس گناہ کو بالکل مٹا دیتے ہیں۔ (۱)

عَنْ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بِحَدِيثَيْنِ: أَخَذَهُمَا عَنْ نَفْسِهِ وَ الْآخَرُ: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ - قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَأَنَّهُ فِي أَصْلِ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ، وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَذُبَابٍ، وَقَعَ عَلَى أَنْفِهِ، قَالَ بِهِ، هَكَذَا، قَطَارٌ - قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: اللَّهُ أَفْرَحُ بِتُوبَةِ أَحَدِكُمْ مِنْ رَجُلٍ يَأْزِيهِ فَلَاةٌ ذُو نَبْهَلٍ لَكُمْ،

مَعْرَاجُهَا رَاحِلَتُهَا رَاحِلَتُهَا وَشَرَّابُهَا وَمَا يَصْلُحُهَا فَأَصْلَحَهَا، فَخَرَجَ فِي طَلَبِهَا حَتَّى إِذَا أَذْرَكَهُ الْمَوْتُ، قَالَ: أَرْجِعْ إِلَى مَكَانِي الَّذِي أَصْلَحْتُهَا فِيهِ فَأَمُوتْ فِيهِ، فَرَجَعَ إِلَى مَكَانِهِ فَلَقِيَتْهُ عَيْنُهُ فَاسْتَيْقِظَ فَإِذَا رَاحِلَتُهَا جَنْدَرُ أُمِّهِ، عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَّابُهُ وَمَا يَصْلُحُهَا۔

حضرت حارث بن سويد سے روایت ہے کہ ہمیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو حدیثیں سنائیں، ان میں سے ایک تو خود عبداللہ کی طرف سے ہے اور دوسری نبی کریم ﷺ سے منقول ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیشک مؤمن اپنے گناہوں کو (پہاڑوں کی طرح) سمجھتا ہے گویا کہ وہ پہاڑ کی بنیاد میں بیٹھا ہے اور ڈرتا ہے کہ وہ اس پر گر پڑے اور فاسق اپنے گناہوں کو کبھی کی طرح سمجھتا ہے کہ وہ اس کی ناک پر بیٹھ گئی اور اس نے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا تو وہ اڑ گئی۔

اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تم میں سے ہر ایک کی توبہ سے کہیں زیادہ خوش ہوتا ہے نسبت اس آدمی کے، جو ایک وسیع و عریض صحراء میں ہو، کہ جس میں کوئی گھاس نہ ہو اور وہ جگہ ہلاک کر دینے والی ہو، اس کے ساتھ ایک ایسی سواری ہو جس پر اس کا توشہ اور کھانے پینے کی اشیاء تھیں اور وہ چیز جو اس کے لئے نفع بخش ہو، پھر اس نے اس سواری کو کھودیا، پھر وہ اسکی تلاش میں نکلا یہاں تک کہ جب اس کو موت نے پالیا (یعنی ہلاک ہونے کے قریب ہو گیا) کہنے لگا: میں اسی جگہ کی طرف لوٹا ہوں، جہاں میں نے اونٹنی کو گم پایا تھا، اور وہیں پر مرجاؤں گا، چنانچہ وہ اس جگہ کی طرف لوٹا پھر اس پر نیند غالب آگئی پھر بیدار ہوا تو اچانک اس کی سواری اس کے سر کے پاس موجود ہے، اس پر اس کا کھانا، پینا اور ہر وہ چیز ہے جو اس کے لئے نفع بخش ہے۔

عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ، وَغَيْرُ الْخَطَّائِينَ النَّوْابُونَ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حضرت آدم کا ہر بیٹا خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: ارض فلاة: وسیع و عریض جنگل، چشیل میدان۔ دویۃ: وہ جگہ جس میں کوئی گھاس نہ ہو۔ مہلکۃ: ہلاک کر دینے والی۔ راحلۃ: اونٹنی، سواری۔ وما یصلحہا: اور وہ چیز جو اس کے لئے نفع بخش ہے، جس کی اسے ضرورت و حاجت ہو۔ فأصلحها: پھر اس نے اس اونٹنی کو گم پایا۔ خطاء: خطا کار، غلطی کرنے والا۔ التوابون: رجوع کرنے والے، توبہ کرنے والے۔

اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے

مذکورہ احادیث سے تین باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) جس شخص کا ایمان کامل ہوتا ہے، اسے اپنے گناہ پہاڑ کی مانند بڑے لگتے ہیں، وہ یوں سمجھتا ہے کہ میں گویا پہاڑ کی بنیاد

میں بیٹھا ہوں، قریب ہے کہ اللہ کے عذاب کا پہاڑ مجھے تمس نہس کر دے اور فاسق و فاجر گناہ کو بہت معمولی سی چیز سمجھتا ہے، جیسے ناک پر کبھی بیٹھ جائے اور اسے ہاتھ کے اشارے سے اڑا دیا جائے، تو وہ اڑ جاتی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ گنہگار بندے کی توبہ سے انتہائی زیادہ خوش ہوتا ہے نسبت اس بندے کی خوشی کے کہ جس کا جانور راش سمیت جنگل میں ایک ایسی جگہ میں گم ہو جائے جہاں قریب قریب میں انسانوں کی کوئی آبادی نہ ہو، اس کی تلاش میں گھومتے پھرتے جب تھک گیا، موت نظر آنے لگی تو دوبارہ اسی جگہ پر آ کر لیٹ جاتا ہے، آنکھ کھلتی ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کی سواری بالکل صحیح سالم راش سمیت موجود ہے، جب وہ سواری دیکھتا ہے تو یقیناً اس کی خوشی کی کوئی انتہاء نہیں ہوتی، تو فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ، آدمی کی توبہ سے خوش ہوتا ہے۔

(۳) ہر انسان سے غلطی ہو جاتی ہے لیکن بہترین خطا کار وہ شخص ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو، توبہ کرنے والا ہو، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ صرف حضرات انبیاء کرام علیہم السلام غلطیوں سے معصوم ہیں اور جن بعض انبیاء سے کچھ غلطیاں سرزد ہوئی بھی ہیں تو وہ محض یہودیسیان کی وجہ سے ہوئی ہیں، ان میں ان کے قصور کا بالکل کوئی دخل نہیں ہے، اور انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔^(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُفَقِلْ غَيْرَ آوٍ لِيَضْمَتْ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو چاہیے کہ وہ خیر کی بات کرے، ورنہ خاموش رہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ صَمَتَ نَجَا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص (بری بات سے) خاموش رہا، اس نے نجات پائی (یعنی وہ کامیاب ہو گیا)۔

مہمان کے اکرام اور زبان کی حفاظت کا حکم

مذکورہ احادیث سے دو حکم ثابت ہوتے ہیں:

- (۱) کوئی مہمان آجائے تو اس کا دل سے اکرام کیا جائے، خندہ پیشانی سے اس سے ملاقات کی جائے اور اپنی حیثیت کے مطابق، شروع میں ذرا اہتمام سے، اس کی خدمت کی جائے، اسے اپنے اوپر بوجھ نہ سمجھیں کہ اس سے اللہ میاں ناراض ہو جاتے ہیں۔

(۱) تحفۃ الاحوذی، ۱/۱۶۷، مرقاة المفاتیح، ۲/۲۹۶، کتاب الدعوات باب الاستغفار والتوبۃ۔

(۲) کلام کرنے سے پہلے یہ سوچیں کہ میں اپنی زبان سے کیا بولنے لگا ہوں، وہ بات میرے لئے جائز بھی ہے یا نہیں، اس کا کوئی فائدہ ہے یا یہ کہ وہ فضول کلام ہے، اگر اس فکر سے زبان کا استعمال کیا جائے تو بہت سے گناہوں اور بے مقصد کلام سے آدمی محفوظ رہ سکتا ہے، اور یوں اپنا قیمتی وقت بھی بچا سکتا ہے، آج ہمارے معاشرے میں اکثر فساد اور لڑائی جھگڑے اس زبان کو غلط استعمال کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، اس کی لپیٹ میں کئی خاندان آ جاتے ہیں، ان کے درمیان قربتوں کے بجائے دوریاں پیدا ہو جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اپنی زبان صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (۱)

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ: أَيْ الْمُسْلِمِينَ الْفَضْلُ؟ قَالَ: مَنْ مَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَبَدَنِهِ۔

حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سے مسلمان افضل ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کامل مسلمان وہ شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کی ایذا) سے مسلمان محفوظ رہیں۔

کامل مسلمان کون

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین صرف اس چیز کا نام نہیں کہ مسلمان صرف چند عبادات کو اپنالے اور بس، بلکہ کامل مسلمان وہ ہے کہ جو اس انداز سے زندگی گزارے کہ اس کی زبان، ہاتھ اور جسم کے کسی بھی حصے سے کسی اور کو کوئی ایذا نہ پہنچے، حدیث میں خاص طور پر زبان اور ہاتھ کا ذکر اس لئے کیا کہ عموماً لوگوں کو ایذا و رسانی کا سبب یہ دو چیزیں ہوتی ہیں، معنی یہ ہیں کہ کسی بھی طرح سے دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں ہے۔

حدیث میں زبان کو پہلے اور ہاتھ کو بعد میں ذکر کیا، اس طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ زبان کے نقصان اور ضرر، ہاتھ کے ضرر و نقصان کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں چنانچہ زبان کا ضرر مردے کو پہنچتا ہے جبکہ ہاتھ کا ضرر تو صرف زندگی تک ہوتا ہے، ایک عربی شاعر نے زبان کے نقصان کو اس طرح بیان کیا:

جراحات السنان لها التیام
ولا یلتام ما جرح اللسان

کہ تیر و شمشیر کے زخم تو ایک وقت کے بعد بالآخر آپس میں مل جاتے ہیں، درست ہو جاتے ہیں لیکن زبان کے تیر سے جہاں خلا پیدا ہوتا ہے، آپس میں ناراضیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو یہ ایسے زخم ہیں کہ دوبارہ آپس میں نہیں ملتے، دوبارہ صلح ہو بھی جائے تو بھی وہ الفت و محبت کی فضا واپس نہیں آتی، جو اس واقعہ سے پہلے موجود تھی، اس لئے اپنی زبان کو خوب سنبھال کر استعمال کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ اس کے زہریلے اثرات سے دنیا اور آخرت دونوں میں بچا جاسکے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ عَتَرَ أَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتَّى يَفْعَلَ. حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے بھائی کو کسی گناہ پر شرم دلائے، تو وہ نہیں مرے گا، یہاں تک کہ وہ اس پر عمل نہ کر لے۔

احمد کہتے ہیں کہ علماء فرماتے ہیں کہ ”ذنب“ سے وہ گناہ مراد ہے جس پر وہ شخص توبہ کر چکا ہے۔

عَنْ وَائِلِ بْنِ الْأَسْقَعِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا تَطْهَرُ الشَّمَاةُ إِلَّا بِخَبِيرٍ فَيُزَحِّمُهُ اللَّهُ وَيَبْتَلِيكَ. حضرت وائل بن اسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کر، اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے گا اور تمہیں (اس آزمائش میں) جتلا کر دے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: من عیر: جو عار دلائے، کسی کو برے فعل پر شرم دلائے، طعنہ دے۔ شماتۃ: دشمن کی مصیبت پر خوش ہونا۔ بیتلیک: وہ آپ کو آزمائش میں ڈال دے گا، جتلا کرے گا۔

کسی کو گناہ پر شرمندہ نہ کیا جائے

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی مسلمان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور وہ اس سے توبہ کر لے تو اس پر اسے شرمندہ نہ کیا جائے، اور نہ طعنہ دیا جائے، اس عار دلانے اور شرمندہ کرنے کا یہ نقصان ہے کہ موت سے پہلے وہ شخص ضرور اس گناہ میں جتلا ہوگا، کیونکہ دوسرے لوگوں کو عار دلانے کی وجہ سے خیر کے کاموں میں اس سے توفیق کو سلب کر لیا جاتا ہے، ایسے میں وہ مختلف گناہوں کے جال میں پھنس جاتا ہے، جس میں اس گناہ کو بھی وہ گزرتا ہے، جس پر اس نے عار دلائی ہوتی ہے، اس مرض سے نکلنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے گریبان کو دیکھے، اپنے عیوب اور کوتاہیوں کو سوچے کہ میرے اندر کیا کیا برائیاں ہیں، کون سے کون سے میرے ایسے اعمال ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں، ان کی اصلاح کی فکر کرے، یوں وہ دوسروں کے عیوب کو تلاش کرنے اور انہیں طعنہ دینے سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

قال احمد: احمد سے یا تو امام احمد بن حنبل مراد ہیں یا احمد بن منیع، جو امام ترمذی کے شیخ ہیں، یہ فرماتے ہیں کہ اہل علم فرماتے ہیں کہ حدیث میں ”ذنب“ سے وہ گناہ مراد ہے جس پر اس نے توبہ کر لی ہو۔

کسی کی مصیبت پر خوش نہ ہوں

سنت یہ ہے کہ جب انسان کسی کو مصیبت اور بیماری میں مبتلا دیکھے، تو اللہ کا شکر ادا کرے کہ جس نے اسے عافیت میں رکھا ہوا ہے، کسی پریشانی اور مرض کی آزمائش میں نہیں ڈالا، دشمن کو مصیبت میں گرفتار دیکھ کر خوشی کا اظہار کرنا مزاج اسلام کے خلاف ہے، اس کا نقصان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت زدہ کو اس مصیبت سے نجات عطا فرمادیتے ہیں اور خوشیاں منانے والا طرح طرح

کی مصیبتوں میں پھنس جاتا ہے، اس لئے کسی بھی انسان کو مصیبت میں پھنسا دیکھ کر خوش ہونے کے بجائے اس کے لئے اور اپنے لئے عافیت کی دعا کی جائے، کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عافیت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے۔ (۱)

عن عائشۃ قالت: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا أَحَبُّ إِلَيَّ حَكِيئَةُ أَحَدٍ أَوْ إِنِّي كَذَاوُ كَذَا.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا، کہ میں کسی شخص کی نقل اتاروں، اگرچہ میرے لئے ایسا اور ایسا ہی کیوں نہ ہو (یعنی مجھے اس نقل اتارنے پر کتنا ہی زیادہ مال و دولت ملے، تو بھی میں کسی کی نقل اتارنا پسند نہیں کرتا)

عن عائشۃ قالت: حَكِيئَةُ لِلنَّبِيِّ ﷺ وَجَلَاءُ فَقَالَ: مَا يَسُوْنِي أَلَيَّ حَكِيئَةُ رَجُلٍ أَوْ إِنِّي كَذَاوُ كَذَا. قَالَتْ: لَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: إِنَّ صُفِيَّةَ امْرَأَةٌ، وَقَالَتْ بَيْدَهَا: هَكَذَا كَأَنَّهَا تَغْنِي قَصِيْرَةً، فَقَالَ: لَقَدْ مَرَجْتَ بِكَلِمَةٍ لَوْ مَرَجَ بِهَا مَاءُ الْبُخَيْرِ لَمُرَجَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک شخص کی نقل اتاری تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے یہ بات خوش نہیں کرتی کہ میں کسی آدمی کی نقل اتاروں، اگرچہ میرے لئے اتنا اور اتنا ہو (یعنی مجھے بے شمار مال دیا جائے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: بیشک صفیہ ایک عورت ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ ایسی ہیں، ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ چھوٹے قد کی ہیں، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو نے اپنی باتوں میں ایک ایسی بات ملائی ہے کہ اگر سمندر کے پانی کو اس کے ساتھ ملایا جائے تو وہ بھی متغیر ہو جائے۔ مشکل الفاظ کے معنی: حکمت: میں کسی کی نقل اتاروں، کسی کا ذکر کروں۔ قصیوۃ: چھٹی، پست قد والی۔ مزجت: تو نے ملایا۔ لمزج: (میضہ مجہول) سمندر کا پانی تبدیل ہو جائے، متغیر ہو جائے۔

کسی کی نقل اتارنے کا حکم

نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات میں ایک حضرت صفیہ بنت حبیبہ بھی ہیں ان کا قد، قدرتی طور پر چھوٹا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن حضور اکرم ﷺ کے سامنے ان کے چھوٹے قد کا ذکر عیب اور حقارت کے طور پر کیا تو اس پر نبی کریم ﷺ نے شدید ناگواری کا اظہار فرمایا، کہ تم نے جو زبان سے اور ہاتھ کے اشارہ سے اسے ٹھکنا بتایا ہے، یہ بھی غیبت میں داخل ہے، جو ایک بدترین گناہ کبیرہ ہے، تمہارا یہ جملہ اور اشارہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر بھیانک اور خوفناک ہے کہ اگر اسے سمندر میں ملا دیا جائے تو وہ بھی اپنی وسعت دامن کے باوجود متغیر ہو جائے، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب غیبت کے اس زہر لیے جملے سے سمندر کا نظام متغیر ہو جاتا ہے، تو جب تم نے اسے اپنے اعمال کے ساتھ ملا دیا، تو اس سے تمہارے اعمال کس قدر متاثر ہوئے ہوں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح زبان سے غیبت کرنا حرام ہے، اسی طرح اگر ہاتھ پاؤں اور جسم کے کسی عضو کے اشارے سے کسی کی نقل اتاری جائے، تو یہ بھی غیبت ہے، جس سے چنانچہ نبی کریم ﷺ فرما رہے ہیں کہ اگر مجھے دنیا کا کتنا ہی وافر مقدار میں مال و دولت دیدیا جائے، تب بھی میں کسی کی نقل نہیں اتاروں گا، کیونکہ یہ غیبت ہے، آج ہمارے معاشرے میں غیبت کا یہ گناہ بھی بہت عام ہے، کوئی مجلس اس گناہ سے خالی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی اصلاح فرمائے۔ (۱)

باب

عَنْ يَحْيَى بْنِ وَثَّابٍ، عَنْ شَيْخٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَرَادَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا كَانَ يَخَالِطُ النَّاسَ وَيَضْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ خِيَزَ مِنَ الْمُسْلِمِ الَّذِي لَا يَخَالِطُ النَّاسَ، وَلَا يَضْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ۔ قَالَ ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ: كَانَ شُعْبَةُ يُزِي أُمَّةً: ابْنُ عَمْرٍو۔

حضرت یحییٰ بن وثاب ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ اس صحابی نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: بیشک جو مسلمان لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی تکلیف پر مبر کرتا ہے وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر نہیں رہتا اور نہ ان کی طرف سے تکلیف پر مبر کرتا ہے۔ ابن ابی عدی راوی کہتے ہیں کہ شعبہ کا خیال یہ تھا کہ ”شیخ“ سے حضرت عبداللہ بن عمر مراد ہیں۔

لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا گوشہ نشینی سے بہتر ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان مسلم معاشرہ میں رہ کر لوگوں کی تکلیفیں برداشت کرتا ہے، یہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے، اور نہ کسی کی تکلیف اور ضرر پر مبر کرتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّمَا كُمْ وَمَنْ مَوَّءَ ذَاتِ النَّبِيِّنَ فَإِنَّهَا الْحَالِقَةُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم آپس کی برائی (یعنی بغض و عداوت) سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ یہ موٹنے والی یعنی دین کو تباہ کر دینے والی چیز ہے۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالْفَضْلِ مِنْ ذَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوا: بَلَى، قَالَ: صَلَاحُ ذَاتِ النَّبِيِّنَ، فَإِنَّ فَسَادَ ذَاتِ النَّبِيِّنَ هِيَ الْحَالِقَةُ۔

حضرت ابو الدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں ایک ایسا عمل نہ بتا دوں، جس کے ثواب کا درجہ روزے، نماز اور صدقے کے ثواب سے زیادہ ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: ہاں کیوں نہیں (ضرور بتا

دیجئے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (دشمنی رکھنے والے) لوگوں کے درمیان صلح کرنا، کیونکہ آپس کا فساد ایک ایسی خصلت ہے، جو مونڈنے والی یعنی دین کو تباہ و برباد کرنے والی ہے۔

ویروی عن النبی ﷺ أَنَّهُ قَالَ: هِيَ الْحَالِقَةُ لَا أَقُولُ: تَخْلُقُ الشَّعْرَ وَلَكِنْ تَخْلُقُ الدِّينَ۔

اور ایک روایت میں نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: وہ خصلت مونڈنے والی ہے، میری یہ مراد نہیں کہ وہ بالوں کو مونڈتی ہے، بلکہ دین کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔

عن الزبير بن العوام حَدَّثَنَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ذُبْ إِلَيْكُمْ ذَاؤُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمْ: الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ، لَا أَقُولُ: تَخْلُقُ الشَّعْرَ وَلَكِنْ تَخْلُقُ الدِّينَ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ: لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تَتُومُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَخَابُوا، أَفَلَا أَتَيْتُكُمْ بِمَا يَنْبَغُ ذَلِكَ لَكُمْ: أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ۔

حضرت زبیر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلے کی امتوں کی بیماری تمہارے اندر سرایت کر گئی ہے اور وہ حسد اور بغض ہے، جو مونڈنے والی ہے، میری یہ مراد نہیں کہ وہ بالوں کو مونڈ دیتی ہے، بلکہ دین کو تباہ و برباد کر دیتی ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے: تم لوگ جنت میں داخل نہیں ہو سکو گے یہاں تک کہ تم ایمان لے آؤ، اور مومن کامل نہیں ہو گے یہاں تک کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے پیار و محبت کرو، کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں، جو اس محبت کو پختہ کرے گی (وہ یہ ہے کہ) تم لوگ اپنے درمیان سلام کو پھیلاؤ۔

مشکل الفاظ کے معنی: سوء ذات البین: آپس کی برائی، اپنے درمیان کی برائی۔ حالقہ: مونڈنے والی۔ دب الیکم: تمہارے اندر سرایت کر گئی، داخل ہو گئی۔ بما یبغی: وہ چیز جو عداوت اور پختہ کرے گی۔ افشوا: تم لوگ پھیلاؤ، عام کرو۔

صلح کرانے کی فضیلت

مذکورہ احادیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

- (۱) نبی کریم ﷺ نے افتراق و انتشار، لڑائی جھگڑے اور حسد و بغض جیسی مہلک امراض اپنی صفوں میں داخل کرنے سے بڑی سختی سے منع فرمایا ہے، کیونکہ یہ چیزیں دین کو یوں تباہ و برباد کر دیتی ہیں جیسے استرا، سر کے بالوں کو مونڈ دیتا ہے، حدیث میں ”سوء ذات البین“ سے حسد و بغض مراد ہے، کیونکہ دو افراد اور قبیلوں میں بھی دو چیزیں لڑائی جھگڑے اور آپس میں دوری کا سبب بنتی ہیں، چنانچہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ پہلی امتوں کی طرح میری امت میں بھی یہ مہلک امراض حسد اور بغض سرایت کر گئے ہیں، ان سے گزشتہ امتیں بھی تباہ ہوئیں اور میری امت کے اندر بھی یہ بیماری بہت زیادہ پائی جاتی ہے، یہ دین کو جڑ سے نکال دیتی ہے پھر آپ نے حدیث میں ہی اس کا علاج تجویز فرمایا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا کرو، اس سے تمہارے اندر محبتیں پیدا ہوں گی، دلوں سے نفرتیں اور حسد و بغض کے جراثیم ختم ہو جائیں گے، آج مسلمانوں میں سلام کرنے کی

سنت بھی متروک ہوتی جا رہی ہے، سلام کی جگہ دوسرے الفاظ استعمال کر لئے جاتے ہیں، یہ طریقہ درست نہیں، بس مسلمانوں کو سلام پھیلانے کا ہی اہتمام کرنا چاہیے۔

(۲) دوناراض افراد یا خاندانوں میں صلح کرانا انتہائی اجر و ثواب کا باعث ہے، نبی کریم ﷺ نے اسے نماز، روزے اور صدقہ سے افضل قرار دیا ہے، علماء کرام فرماتے ہیں کہ ان عبادات سے نقلی عبادات مراد ہیں، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان صلح کرانا فرض نماز، فرض روزے اور فرض صدقہ سے بھی اس صورت میں افضل ہو سکتی ہے کہ جب صلح ایک ایسے فساد کو ختم کرنے کے لئے ہو جس کے نتیجہ میں لوگوں میں قتل و خونریزی، مال و اسباب کی غارتگری اور عزت و ناموس کی بے حرمتی یقینی ہو، ایسے میں عقل کا تقاضا یہی ہے کہ یہ صلح مذکورہ عبادات سے افضل ہو کیونکہ اول تو عبادات ایسے اعمال ہیں جو اگر وقت پر ادا نہ ہو سکیں تو بعد میں ان کی قضا کی جاسکتی ہے، جبکہ اس عداوت و دشمنی کے نتیجہ میں جو نقصان، مال و دولت کا ضیاع، انسانی جانوں کی ہلاکتیں اور عزت و ناموس کی بے حرمتی رونما ہوگی، اس کا ازالہ اور تلافی ممکن نہیں، دوسرے یہ کہ ان عبادات کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اور مذکورہ ہلاکت و تباہی کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور یہ حقیقت ہے کہ بعض اعتبار سے حقوق العباد کی اہمیت حقوق اللہ سے زیادہ ہے، اس لحاظ سے یوں کہا جاسکتا ہے کہ اصلاح بین الناس کو ایک طرح سے عبادات پر فضیلت حاصل ہے جیسے یوں کہا جاتا ہے کہ ”نفس انسان، فرشتہ سے بہتر ہے، اور مرد، عورت سے بہتر ہے۔“ (۱)

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعْجَلَ اللَّهُ لِمَا جِئَ بِهِ الْعُقُوبَةُ فِيهِ مِنَ الدُّنْيَا مِمَّا يَدْخُلُ لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْغَنِيِّ وَقَوْلُهُ الرَّحْمَ.

حضرت ابو بکرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی گناہ اس لائق نہیں کہ جس کے مرتکب کو اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی سزا دیدے، اس سزا کے ساتھ جو اس کے لئے آخرت میں محفوظ ہوگی، امام وقت کے خلاف بغاوت اور قطع رحمی کے مقابلے میں (کہ یہ دو گناہ ایسے ہیں کہ ان کی سزا دنیا میں بھی دی جاتی ہے اور آخرت میں بھی ہوگی)۔
مشکل الفاظ کے معنی: أجدر: (اسم تفضیل) زیادہ لائق، زیادہ مناسب۔ يعجل: جلدی دیدے۔ العقوبة: سزا، عذاب۔ ما يدخوله: جو اس کے لئے محفوظ ہوگی، ذخیرہ ہوگی۔ بغی: ظلم کرنا، امام وقت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا۔

وہ دو گناہ جن پر دنیا میں بھی عذاب ہوتا ہے

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے وہ دو گناہ ذکر فرمائے ہیں، جن پر آخرت کے عذاب کے ساتھ ساتھ، دنیا میں بھی عذاب ہوتا ہے ایک امام وقت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا اور دوسرا رشتہ داروں سے تعلقات کو توڑنا، کیونکہ ان کے اثرات صرف ان کی ذات تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ پورے ملک اور اس کے پورے خاندان پر مرتب ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ دنیا میں

ان کے ارتکاب کرنے والے لوگوں پر جلد سزا کا فیصلہ فرماتے ہیں تاکہ یہ دوسروں کے لئے سامانِ عبرت بنیں، اور اگر انہوں نے توبہ نہ کی، تو پھر آخرت میں بھی انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا۔

حدیث میں ”بنی“ کے مفہوم میں ظلم و زیادتی اور تکبر بھی داخل ہے، اس لحاظ سے حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو کسی پر ظلم و ستم کرے گا یا جو تکبر و غرور کرے گا اور رشتہ داروں سے قطع تعلقی کرے گا تو اسے دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ (۱)

عَنْ عُمَرَ بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: خُصَلَّتَانِ مَنْ كَانَتْ فِيهِ كُتْبَةُ اللَّهِ شَاكِرًا، وَمَنْ لَمْ تَكُنْ نَا فِيهِ لَمْ يَكُنْ اللَّهُ شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا: مَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَأَقْتَدَى بِهِ، وَمَنْ نَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلَى مَنْ هُوَ دُونَهُ فَحَمِدَ اللَّهَ عَلَى مَا فَضَّلَهُ بِهِ عَلَيْهِ، كُتِبَ اللَّهُ شَاكِرًا وَصَابِرًا، وَمَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلَى مَنْ هُوَ دُونَهُ وَنَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَأَسِيفَ عَلَى مَا فَاتَهُ مِنْهُ، لَمْ يَكُنْ اللَّهُ شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو بن عامر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ پائی جائیں تو اللہ تعالیٰ اسے شکر گزار اور صبر کرنے والا لکھ دیتے ہیں، اور جس میں وہ دونوں خصلتیں نہ ہوں تو اسے اللہ تعالیٰ شاکر و صابر قرار نہیں دیتے، ایک یہ کہ دینی معاملے میں جب وہ ایسے بندے کو دیکھے، جو اس سے (طاعات و عبادات وغیرہ کے اعتبار سے) برتر ہو تو وہ اس کی اقتداء کرے، (اور اپنے کو اس طرح بنانے کی کوشش کرے) اور دوسری خصلت یہ ہے کہ جب وہ اپنے دنیا کے معاملے میں اس آدمی کو دیکھے جو اس سے کم تر ہو تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس بات پر شکر کرے کہ اس نے اس آدمی پر اسے فضیلت و برتری عطا کی ہے، (تو جس میں یہ دو عادتیں پائی جائیں تو) اللہ تعالیٰ اسے شکر گزار اور صبر کرنے والا بندہ لکھ دیتے ہیں، اور جو شخص ایسا ہو کہ جب وہ کسی ایسے شخص کو دیکھے، جو اس سے دینی امر (یعنی اعمال وغیرہ) کے اعتبار سے کمتر درجہ کا ہو اور جب کسی ایسے آدمی کو دیکھے، جو اس سے دنیا کے لحاظ سے اعلیٰ و برتر ہو اور اس چیز (یعنی جاہ و مال) پر رنج و افسوس کرے، جس سے وہ محروم ہے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نہ شاکر لکھتے ہیں اور نہ اسے صابر قرار دیتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: انْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلُ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ، فَإِنَّهُ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزِدُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم لوگ (دنیاوی امور میں) اس آدمی کو دیکھو جو تم سے (مال و دولت وغیرہ کے اعتبار سے) کم درجہ کا ہو اور اس آدمی کی طرف نظر نہ کرو جو تم سے (دنیاوی اعتبار سے) اعلیٰ و برتر ہو، کیونکہ یہ طریقہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو حقیر نہیں جانو گے جو اس نے

تمہیں عطا فرما رکھی ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: من ہو فوقہ: وہ شخص جو اس سے اعلیٰ و برتر ہو۔ من ہو دونہ: وہ شخص جو اس سے کتر ہو۔ اُسف: رنج و غم اور افسوس کرے۔ لا تنزدروا بتم حقیر نہ جانو۔

صابر و شاکر کون؟

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے دو اہم خصلتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جس میں وہ دونوں پائی جائیں تو وہ صابر و شاکر قرار پاتا ہے یعنی وہ مؤمن کامل کا مقام حاصل کر لیتا ہے، وہ دو خصلتیں یہ ہیں:

(۱) دینی امور میں اس آدمی کو دیکھا جائے جو اعمال و عبادات وغیرہ کے اعتبار سے اس سے بلند مقام پر ہو، تاکہ اسے دیکھ کر مزید عبادت کا داعیہ پیدا ہو، کیونکہ اگر ایسا وہ نہ کرے بلکہ دینی امر میں اپنے سے کم تر بندے کو دیکھے گا تو پھر اپنے آپ کو کامل سمجھے گا اور پھر وہ تکبر اور خود پسندی جیسے مہلک امراض میں مبتلا ہو جائے گا۔

(۲) دنیاوی امور میں اپنے سے کتر بندے کو دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا جائے، کہ جس نے مجھے بہت سے لوگوں پر مختلف نعمتوں کے اعتبار سے فوقیت اور فضیلت عطا فرمائی ہے، اس فکر سے اس کے اندر اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق ہوگی، کیونکہ اگر انسان مال و دولت اور جاہ و منصب کے اعتبار سے اپنے سے اوپر کے لوگوں کی طرف دیکھے گا تو اس کے اندر مایوسی پیدا ہو جائے گی، جو نعمتیں اسے حاصل ہیں انہیں وہ حقیر و کتر سمجھے گا، اور جو نعمتیں اسے حاصل نہیں ہوں گی ان پر وہ رنج و غم اور افسوس کرے گا، آپ نے فرمایا کہ جو شخص ان دو خصلتوں کے ساتھ آراستہ ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں شاکر و صابر بندہ لکھ دیا جاتا ہے، یعنی اسے ”کامل مؤمن“ کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ (۱)

باب

عَنْ حَنْظَلَةَ الْأَسَدِيِّ وَكَانَ مِنْ كُتَّابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، أَنَّهُ مَرَّ بِأَبِي بَكْرٍ وَهُوَ يَبْكِي فَقَالَ: مَا لَكَ يَا حَنْظَلَةُ؟ قَالَ: نَأْتِي حَنْظَلَةَ يَا أَبَا بَكْرٍ، نَكُونُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، يَذْكُرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ، كَأَنَّا رَأَى عَيْنٍ، فَإِذَا رَجَعْنَا عَافَسْنَا الْأَرْوَاحَ وَالطَّيِّعَةَ وَنَسِينَا كَثِيرًا، قَالَ: فَوَاللَّهِ إِنَّا كَذَلِكُ، انْطَلِقُ بِنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَإِنَّا نَلْقَا، فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ: مَا لَكَ يَا حَنْظَلَةُ؟ قَالَ نَأْتِي حَنْظَلَةَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، نَكُونُ عِنْدَكَ، ثُمَّ نَكُونُ بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ حَتَّى كَأَنَّا رَأَى عَيْنٍ، فَإِذَا رَجَعْنَا عَافَسْنَا الْأَرْوَاحَ وَالطَّيِّعَةَ وَنَسِينَا كَثِيرًا، قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَوْ تَذَمُّونَ عَلَى الْحَالِ الَّتِي تَقْرَأُونَ بِهَا مِنْ عِنْدِي لَصَافَحْتُكُمْ الْمَلَائِكَةُ فِي مَجَالِسِكُمْ وَعَلَى

فَوَيْسُكُمْ وَفِي طُوقِكُمْ، وَلَكِنْ يَأْخُظُّ لَهَا سَاعَةٌ وَسَاعَةٌ

حضرت حنظلہ سے روایت ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے کاتین وحی میں سے تھے کہ وہ (ایک دن) حضرت ابوبکر کے پاس سے روتے ہوئے گزرے تو حضرت ابوبکر نے فرمایا: اے حنظلہ تمہیں کیا ہوا؟ کہنے لگے: اے ابوبکر حنظلہ تو منافق ہو گیا، اور اس کی کیفیت یوں ہے کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کے پاس ہوتے ہیں، تو آپ ہمیں دوزخ (کا عذاب) اور جنت (کی نعمتیں) یاد دلاتے ہیں تو اس وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم جنت اور دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، مگر جب ہم نبی کریم ﷺ کی مجلس سے لوٹتے ہیں تو ہم اپنی بیویوں اور جائیداد و کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں اور بہت کچھ ہم (ان نصیحتوں میں سے) بھول جاتے ہیں (یعنی ہماری وہ کیفیت نہیں رہتی، جو نبی کریم ﷺ کی صحبت میں ہوتی ہے) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا ہماری کیفیت بھی اسی طرح ہے، تو ہمیں بھی نبی کریم ﷺ کی طرف لے چل چنانچہ ہم دونوں چل پڑے، جب نبی کریم ﷺ نے حنظلہ کو دیکھا تو فرمایا: تمہارا اے حنظلہ کیا حال ہے؟ عرض کیا: یا رسول اللہ حنظلہ تو منافق ہو گیا (وہ اس طرح کہ) جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو آپ ہمیں دوزخ (کا عذاب) اور جنت (کی نعمتیں) یاد دلاتے ہیں تو اس وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم جنت و دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مگر جب ہم آپ کے پاس سے واپس جاتے ہیں تو اپنی بیویوں اور جائیداد و کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں اور (نصیحتوں میں سے) بہت کچھ بھول جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم لوگ ہمیشہ اسی کیفیت پر رہو، جس کے ساتھ کہ تم میرے پاس سے اٹھتے ہو، تو فرشتے تمہاری مجلسوں، پچھونوں اور راستوں میں تم سے مصافحہ کرنے لگیں، لیکن اے حنظلہ کوئی گھڑی کیسی ہوتی ہے اور کوئی کیسی۔

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی کچھ پسند کرے، جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: رای عین: آنکھوں کے سامنے، اس لفظ کو ترکیبی اعتبار سے مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے، مرفوع کی صورت میں یہ خبر ہوگی اور منصوب کی صورت میں تقدیر عبارت یوں ہوگی: تراہما راٰی عین (تم جنت و دوزخ کو گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو) عافسنا: ہم اپنی بیویوں سے ملاقات کرتے ہیں، اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ الضیعة: جائیداد، صنعت، حرفت، کاروبار۔ فوش: فواش کی جمع ہے: بستر، پچھونے۔ ساعۃ و ساعۃ: اصل عبارت یوں ہے: یکون ساعۃ کذا و یکون ساعۃ کذا، یعنی ایک گھڑی وہ اس طرح ہوتا ہے اور دوسری گھڑی میں وہ دوسری کیفیت میں ہوتا ہے۔

ذکر سے غفلت کی وجہ سے آدمی منافق نہیں ہوتا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے قلب پر مختلف کیفیتیں طاری ہوتی ہیں، نیک مجلس اور وعظ و نصیحت کے وقت قلب کی کیفیت اور ہوتی ہے، اور مجلس سے باہر سابقہ کیفیت برقرار نہیں رہتی، لہذا گھریلو امور، صنعت و حرفت اور کاروبار میں مشغولیت کے وقت اگر قلب ذکر سے غافل ہو جائے تو اس سے آدمی منافق نہیں ہوتا، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو قلب کی ان مختلف کیفیتوں کی وجہ سے نفاق کا اندیشہ ہوا تو نبی کریم ﷺ نے انہیں سمجھایا کہ اے حنظلہ ”ساعة وساعة“ ایک وقت تم پر یہ حالت طاری ہوتی ہے جسے تم نے میری محبت میں محسوس کیا تا کہ تم اپنے پروردگار کے حقوق ادا کر سکو اور ذکر و شکر میں مشغول رہ سکو اور ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ جب تم پر غفلت کا غلبہ رہتا ہے تا کہ تم اپنے نفس اور اپنے متعلقین کے حقوق ادا کر سکو، لہذا اپنے اور متعلقہ لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں مشغولیت کے وقت ذکر و فکر سے غفلت نقصان دہ نہیں کہ اس صورت میں تم اپنے آپ کو منافق سمجھنے لگو، اس لئے اپنے دل سے یہ خوف نکال دو کہ تم منافق ہو گئے ہو۔

لصافحتکم الملائکۃ: فرشتے تم سے علانیہ طور پر سب کے سامنے ہر وقت اور ہر جگہ مصافحہ کرتے نظر آئیں اور تم انہیں مصافحہ کرتے دیکھو۔

ایمان کامل کی علامت

دوسری حدیث میں ہے کہ انسان کا ایمان اس وقت کمال کا درجہ حاصل کرتا ہے جب وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی وہی کچھ پسند کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے، آج ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ سب نعمتیں مجھے حاصل ہو جائیں، دوسروں کو ملیں یا نہ ملیں، یہ نبوی فکر نہیں، سنت یہ ہے کہ انسان دوسروں کے لئے بھی وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (۱)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمًا، فَقَالَ يَا غُلَامُ: إِنِّي أَعْلَمُكَ كَلِمَاتٍ: احْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللَّهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ، وَإِنْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ، رَفِعتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن سفر کے دوران) میں نبی کریم ﷺ کی سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، کہ آپ نے (مجھے مخاطب کر کے) فرمایا: لا کے: میں تمہیں چند کلمات (یعنی کچھ باتیں) سکھاتا ہوں، (وہ یہ ہیں) اللہ تعالیٰ (کے تمام احکام امر و نہی) کا خیال رکھو، وہ تمہارا خیال رکھے گا (کہ دنیا میں مصائب و

آفات سے اور آخرت میں ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رکھے گا) اللہ کے حق کا لحاظ رکھو تو تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے (یعنی وہ تمہاری ہر مشکل حل کرے گا) اور جب مانگو، تو اللہ ہی سے مانگو، اور جب مدد طلب کرنا چاہو تو اللہ ہی سے مدد نصرت طلب کرو، اور یہ جان لو کہ تمام مخلوق اگر اس بات پر جمع ہو جائے کہ وہ تمہیں کچھ نفع پہنچائیں تو وہ ہرگز تمہیں نفع نہیں پہنچا سکے گی، مگر صرف اس چیز کا جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور اگر وہ اس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ آپ کو نقصان پہنچائیں تو وہ ہرگز آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اسی قدر کہ جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تقدیر میں لکھ دیا ہے، قلم اٹھائے گئے اور حیفے خشک ہو گئے (یعنی ہر ایک کی تقدیر لکھی جا چکی ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: احفظ اللہ: تم اللہ تعالیٰ کے احکام یعنی امر و نہی کا لحاظ رکھو، اللہ کے حق کا خیال کرو۔ تجاہک: اپنے سامنے، اس میں لفظ ”نا“ ”واو“ سے بدل کر آئی ہے، اصل میں ”وجاہ“ تھا۔ جفت: خشک ہو گئے۔ الصحف: صحیفہ کی جمع ہے: نوشتے، تحریریں۔

نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے

اس حدیث سے درج ذیل امور اور احکام ثابت ہوتے ہیں:

(۱) جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ احکام اور حدود کا لحاظ رکھے، ان کے مطابق عمل کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں میں اس کا خیال رکھیں گے، دنیا میں خیال رکھنا اس طرح ہوگا کہ دنیا کی پریشانیوں، تکلیفوں اور مصائب سے اسے بچاتے ہیں اور آخرت میں ہر قسم کے عذاب سے اسے محفوظ رکھتے ہیں۔

(۲) ہر موقع پر اللہ ہی سے مانگا جائے، اسی سے ہر امر میں مدد و نصرت کا سوال کیا جائے، کیونکہ اللہ کی ذات کے علاوہ کوئی ذات اس قابل نہیں کہ اس کے سامنے دست سوال دراز کیا جائے اور کوئی اس قابل نہیں کہ اس سے کسی مسئلے میں مدد مانگی جائے، وہ داتا ہے، وہ مستغنی ذات ہے، کوئی پیر فقیر، کسی کی کوئی مشکل، کسی بھی وقت، حل نہیں کر سکتے، اس لئے ہر موقع پر رب کا دامن ہی مضبوطی سے تھاما جائے۔

(۳) نفع اور نقصان پہنچانے کا دائرہ اختیار، صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اللہ کے علاوہ ساری کائنات مل کر کسی کو کوئی نفع پہنچانا چاہیں تو ہرگز وہ ذرہ برابر بھی کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے مگر اسی قدر کہ جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے تقدیر میں لکھ دیا ہے، ایسے ہی اگر ساری انسانیت اکٹھے ہو کر کسی فرد کو ضرر پہنچانا چاہیں تو وہ بالکل کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے اس کے لئے لکھ دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار، صرف اللہ جل جلالہ کے پاس ہے، لہذا ہر نفع کے حصول اور نقصان سے بچنے کے لئے صرف اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

(۴) رفعت الاثلام و جفت الصحف کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں جو بھی آتا ہے اور آئندہ بھی قیامت تک جو

آئے گا اس کی تقدیر قسمت کے فیصلے ”لوح محفوظ“ میں لکھ جا چکے ہیں، اور اس کام سے فراغت بھی ہو چکی ہے کہ اب کسی کے حق میں کچھ نہیں لکھا جائے گا، تو ہر شخص کی تقدیر قسمت کو پہلے لکھ جانے کو ”قلم اٹھا کر رکھ دینے اور صحیفوں کے خشک ہو جانے“ سے تعبیر کیا ہے، کہ جس طرح کاتب جب کوئی کتاب لکھ کر فارغ ہو جاتا ہے تو قلم کو اٹھا کر ایک جانب رکھ دیتا ہے اور کتاب بند کر دیتا ہے، اسی طرح کاتب تقدیر بہت پہلے ہی مخلوق کی تقدیریں لکھ کر فارغ ہو چکا ہے، اور وہ صحیفہ ہمیشہ کے لئے لپیٹ دیا گیا ہے کہ اس میں اب کوئی تبدیلی اور کمی بیشی ممکن نہیں ہے۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، يَقُولُ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: أَغْفَلُهَا وَأَتَوَكَّلُ أَوْ أَطْلُقُهَا وَأَتَوَكَّلُ؟ قَالَ: اغْفَلُهَا وَتَوَكَّلْ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص آ کر کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں اونٹ کا پاؤں باندھوں اور توکل کروں یا اسے آزاد چھوڑ دوں اور توکل کروں؟ آپ نے فرمایا: اس کے پاؤں (پہلے) باندھو اور پھر توکل کرو۔
مشکل الفاظ کے معنی: - اغفلها: میں اونٹ کی پنڈلی کو ران سے باندھ دوں (تا کہ وہ بیٹھا رہے، اٹھ نہ سکے)۔ اطلقها: اسے آزاد چھوڑ دوں۔

توکل ترک اسباب کا نام نہیں

اس حدیث میں یہ اصول بیان کرنا مقصود ہے کہ توکل اس چیز کا نام نہیں کہ انسان سرے سے اس کام کے اسباب ہی اختیار نہ کرے، بلکہ توکل کے معنی یہ ہیں کہ اپنی طاقت کے بقدر اس جائز اور مباح کام کے لئے اسباب حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور پھر اس کے نتیجے اور انجام کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے، چنانچہ اس صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے یہی پوچھا کہ میں اونٹ کو پاؤں سے باندھ کر توکل کروں یا اسے آزاد چھوڑ کر توکل کروں، گویا یہ سوال کرنا پیش نظر ہے کہ اسباب اختیار کر کے توکل کروں یا اسباب کو چھوڑ کر توکل کروں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسباب اختیار کر کے پھر توکل کریں، اس سے ان لوگوں پر رد ہو جاتا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ توکل ترک اسباب کا نام ہے، لہذا اسباب کو اختیار کر کے توکل کرنا چاہیے (۲)

عَنْ أَبِي الْخُوَزَاءِ السَّعْدِيِّ قَالَ: قُلْتُ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ: مَا حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ؟ قَالَ: حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ: دَعَا مَا يُرِيدُ إِلَى مَا لَا يُرِيدُ، فَإِنَّ الصِّدْقَ طَمَأْنِينَةٌ وَإِنَّ الْكَذِبَ رَيْبٌ فِي الْخَدِيثِ قِصَّةٌ۔

ابوالخوراء سعدی سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن علی سے کہا: آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا یاد کیا؟

(۱) تحفة الاحوذی ۱۸۵/۷۔

(۲) تحفة الاحوذی ۱۸۶/۷۔

انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ یاد کیا: تو اس چیز کو چھوڑ دے، جو تجھے شک میں ڈالے، اس چیز کو اختیار کر کے، جو تجھے شک میں نہ ڈالے، اس لئے کہ سچ پر دل مطمئن ہوتا ہے اور بیشک جھوٹ تو بے چینی اور اضطراب ہے، اور حدیث میں ایک قصہ ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ ذَكَرَ جُلَّ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ بَعْبَادَةً وَاجْتِهَادًا، وَذَكَرَ أَخْوَ بِرَعَةٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا يَغْدُلُ بِالرَّعَةِ۔

حضرت جابر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص کی عبادت اور (دینی امور میں) اس کی جدوجہد کا ذکر کیا گیا اور ایک اور شخص کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ورع و تقویٰ کے برابر کوئی خصلت نہیں۔ مشکل الفاظ کے معنی: دُع: تو چھوڑ دے۔ مایویک: جو چیز تجھے شک میں ڈال دے۔ طمانینہ: وہی جس پر دل مطمئن ہو۔ ریعہ: (را کے نیچے زیر) قلق و اضطراب، بے چینی۔ اجتہاد: دینی امور میں محنت و کوشش اور ریاضت۔ رعة: (را کے نیچے زیر) پرہیزگاری، تقویٰ۔ لا یعدل: (مجهول کا صیغہ ہے) کوئی خصلت تقویٰ کے برابر نہیں۔

مشکوک چیز چھوڑنے کا حکم

مذکورہ احادیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) جس چیز کے بارے میں کوئی حتمی حکم معلوم نہ ہو، کہ یہ حلال ہے یا حرام، سنت ہے یا بدعت، جائز ہے یا ناجائز، تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اس مشکوک شے کو چھوڑ دیا جائے اور اس چیز یا عمل کو اختیار کر لیا جائے، جس سے کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہ ہو اور جس پر آدمی کو یقین ہو، کیونکہ صدق تو اطمینان قلبی کا نام ہے اور کذب میں بے چینی اور اضطراب ہوتا ہے، اگر شک والی چیز کو اختیار کیا گیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ کذب کو اختیار کیا گیا کہ اس میں بھی بے چینی ہوتی ہے، اس لئے جب بھی کسی امر میں اشتباہ ہو جائے، تو اس عمل اور شے کو ہرگز اختیار نہ کیا جائے۔

وفی الحدیث قصۃ سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابوالحوراء نے حسن بن علی سے کہا: آپ نے رسول ﷺ سے کیا یاد کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ میں نے صدقہ کی ایک کھجور منہ میں ڈالی تو نبی کریم ﷺ نے اسے میرے منہ سے لعاب سمیت نکال لیا اور صدقہ کی کھجوروں میں اسے ڈال دیا، تو ایک شخص آپ سے کہنے لگا: اگر وہ کھجور کھا لیتا تو؟ آپ نے فرمایا: ہم آل رسول، صدقہ کا مال نہیں کھاتے اور فرمایا: دُع مایریبک۔

(۲) دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ تقویٰ و پرہیزگاری کے برابر کوئی خصلت نہیں، کیونکہ متقی آدمی ہر قسم کے منکرات اور گناہوں سے بچنے کے ساتھ ان چیزوں اور اعمال کو بھی چھوڑ دیتا ہے، جن میں اسے حلال اور جائز ہونے کا یقین نہیں ہوتا، شک اور دل میں کھٹک سی ہوتی ہے، یہ بہت اعلیٰ درجہ ہے، اس لئے حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تقویٰ کی خصلت کو اعلیٰ قرار دیا ہے بنسبت

اس شخص کے جو زیادہ عبادات تو کرتا ہے لیکن ورع و پرہیزگاری کی خصلت اسے حاصل نہیں، اس لئے مسلمانوں کو صرف عبادات پر ہی اکتفاء نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ورع و تقویٰ اور پرہیزگاری کے زیور سے آراستہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو تقویٰ کی دولت عطا فرمائے، آمین۔ (۱)

عن ابی سعید الخدری قال: قال رسول اللہ ﷺ: مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ وَأَمِنَ النَّاسَ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: إِنَّ هَذَا الْيَوْمَ فِي النَّاسِ لَكَثِيرٌ قَالَ: فَسَيَكُونُ فِي قُرُونٍ بَعْدِي۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص رزق حلال کھائے، سنت کے مطابق عمل کرے، اور لوگ اس کی شرور (یعنی ظلم و ستم، دوکے اور ایذا) سے محفوظ رہیں تو وہ جنت میں داخل ہوگا، ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ: ایسے لوگ تو اس زمانے میں بہت ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد کے زمانوں میں بھی ہوں گے۔

عن سهل بن معاذ الجهني عن أبيه أن النبي ﷺ قال: مَنْ أَعْطَى اللَّهُ، وَمَنَعَ اللَّهُ، وَأَحَبَّ اللَّهُ، وَأَبْغَضَ اللَّهُ وَأَنْكَحَ اللَّهُ، فَقَدْ اسْتَكْمَلَ إِيْمَانَهُ۔

حضرت معاذ جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ کی رضا کے لئے دے، اللہ ہی کے لئے روکے، اللہ کے لئے محبت کرے، اللہ کے لئے بغض کرے اور اللہ کے لئے اپنا نکاح کرے تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: طیب: رزق حلال۔ بوائق: بائقہ کی جمع ہے: شرور و آفات، مصائب۔ قرون: قرن کی جمع ہے، زمانہ۔ استکمل: اس نے مکمل کر لیا۔

اتباع سنت کی برکت

پہلی حدیث میں آپ نے فرمایا کہ رزق حلال، اتباع سنت اور لوگوں کو اپنی تکلیفوں سے جو شخص محفوظ رکھے تو وہ یا تو عذاب کے بغیر ہی جنت میں داخل ہو جائے گا یا ان لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا جو سابقین ہوں اور جو شخص اعمال تو کرتا رہا لیکن سنت کی اتباع کا اہتمام نہیں کیا، تو وہ بھی اگرچہ جنت میں تو داخل ہوگا لیکن کچھ عرصہ اسے اپنے گناہوں کی سزا سے دوچار ہونا پڑے گا، اس لئے سنت کی اتباع کا ہر قدم پر لحاظ رکھنا چاہیے، آپ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ہر زمانے میں کچھ لوگ ایسے ضرور ہوں گے، جو ان اوصاف کے ساتھ متصف ہوں گے۔

اخلاص کا حکم

دوسری حدیث میں درحقیقت اپنی نیت کو درست کرنے اور اخلاص کا حکم دیا گیا ہے، کہ جو عمل بھی کیا جائے اس میں صرف اللہ جل جلالہ کی رضا اور اس کے حکم کی اتباع پیش نظر ہونی چاہیے، اس کے علاوہ اور کوئی غرض اور مقصد نہیں ہونا چاہیے، جس شخص کو اخلاص حاصل ہو جائے تو اس نے گویا اپنا ایمان مکمل کر لیا، ایسے میں اسے وہ تمام فضائل و مناقب حاصل ہوں گے جو اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو عطا فرمایا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ہر عمل میں ہمیں بھی اخلاص کی نعمت عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔



کتاب صفۃ الجنة من رسول اللہ ﷺ

نبی کریم ﷺ سے جنت کی صفت سے متعلق احادیث پر مشتمل کتاب

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شَجَرِ الْجَنَّةِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں جنت کے درخت کی صفت کا بیان ہے

عَنْ أَبِي سَوِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةٌ يُسَمَّى الزَّائِكُ فِي ظِلِّهَا مِائَةُ عَامٍ، لَا يَقْطَعُهَا، قَالَ: وَذَلِكَ الظِّلُّ الْمَمْلُوءُ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں ایک ایسا درخت ہے، جس کے سائے میں سو سال تک بھی کوئی سوار چلتا رہے، تو اسے طے نہ کر سکے اور فرمایا: یہی وہ ”ظل مردود“ ہے، جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يُسَمَّى الزَّائِكُ فِي ظِلِّهَا مِائَةُ عَامٍ. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یقیناً جنت میں ایک ایسا درخت ہے، جس کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةٌ إِلَّا وَسَاقُهَا مِنْ ذَهَبٍ. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں کوئی درخت ایسا نہیں، جس کا تنا سونے کا نہ ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی :- لا یقطعہا: اس درخت کو وہ پار نہ کر سکے، طے نہ کر سکے، یعنی اس درخت کی شاخوں کے آخری کنارے تک نہ پہنچ سکے۔ وظی ظلہا: اس کے سائے میں، اس کے دو مطلب ہیں: (۱) جنت کی نعمت اور راحت میں، (۲) اس درخت کی ایک جانب میں چلتا رہے، تو بھی اسے طے نہیں کر سکے گا، یہ مطلب اس لئے بیان کرنا ضروری ہے کہ جنت میں کسی سائے کی ضرورت نہیں ہوگی، کیونکہ وہاں نہ سورج ہوگا، نہ دھوپ اور تپش ہوگی کہ جس سے کسی جنتی کو اذیت ہو۔ ظل معدود: لمبا سایہ، ساقہا: درخت کا تنا۔

جنت اس وقت موجود ہے

”جنت“ کے لغوی معنی ہیں ”نظروں سے پوشیدہ چیز“، باغ، اور شرع میں اس لفظ سے وہ مخصوص مکان مراد ہے، جس

میں اللہ تعالیٰ نے آخرت میں اپنے مخصوص بندوں کے لئے مختلف قسم کی نعمتیں پیدا فرمائی ہیں، تاکہ نیک بندوں کو طرح طرح کی نعمتوں سے لطف اندوز کیا جائے۔

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جنت اس وقت موجود ہے، ایسا نہیں کہ جنت کو قیامت کے دن پیدا کیا جائے گا، جیسا کہ معتزلہ کی رائے ہے، جسے جمہور اہل سنت نے رد کیا ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری میں اس بات پر باقاعدہ باب کا عنوان قائم کر کے احادیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ جنت اس وقت موجود ہے اور اسے پیدا کیا جا چکا ہے،

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جمع کا لفظ یعنی ”جنات“ ذکر فرمایا ہے، اس لئے کہ جنتیں سات قسم کی ہیں: جنت الفردوس، جنت عدن، جنت نعیم، دارالخلد، جنة المأوی، دارالسلام اور علیین، اور مسند احمد اور سنن ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ نے جنت کو پیدا کیا تو جبرئیل امین علیہ السلام سے فرمایا: اذهب فانظر اليها (جاؤ، ذرا جنت کو دیکھ لو)۔

ان تمام روایات سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جنت کا وجود اس وقت بھی موجود ہے اور اسے پیدا کیا جا چکا ہے، گو کہ ہمیں نظر نہیں آرہی کیونکہ کسی چیز کے نظر نہ آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چیز سرے سے موجود ہی نہیں، دنیا کی کتنی ہی اشیاء، شہر اور ملک ہم نے مثلاً نہیں دیکھے، لیکن ان کا دنیا میں یقیناً وجود ہے۔ (۱)

جنت کے شجر ”طوبی“ کا ذکر

اس باب کی احادیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام ”طوبی“ ہے، وہ اس قدر طویل و عریض اور پھیلا ہوا ہوگا کہ کوئی گھوڑا سوار تیز رفتار گھوڑے پر سو سال تک بھی اس کے نیچے چلتا رہے، تو اسے پار نہیں کر سکے گا، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سورہ واقعہ میں جو مظل ممدود (لباسا یہ) فرمایا: اس سے بھی درخت مراد ہے، اس کی تائید بخاری کی حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں آپ ﷺ نے اس حدیث کے بعد فرمایا: وافرأ ان هنتم ”و ظل معدود“، اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: و ظل معدود۔

باب کی مذکورہ احادیث میں اگرچہ لفظ ”طوبی“ کی تصریح نہیں ہے، لیکن چونکہ دوسری احادیث میں یہ لفظ موجود ہے، اس لئے شارحین حدیث کے نزدیک ان احادیث میں بھی، اس درخت سے شجرہ طوبی ہی مراد ہے، چنانچہ ابن جوزی نے اس پر تصریح کی ہے، اس کی تائید مسند احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس شخص کے لئے ”طوبی“ ہے، جس نے مجھے ایمان کی حالت میں دیکھ لیا ہے، ایک شخص نے پوچھا: ”طوبی“

کیا ہے؟ فرمایا: وہ جنت کا درخت ہے، جس کی مسافت سو سال ہے، اہل جنت کے کپڑے اس کی شاخوں سے نکلیں گے۔ (۱)
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”ظل ممدود“ جنت میں ایک درخت ہے، جس کے ہر طرف سو سو سال کے راستے تک سایہ پھیلا ہوا ہے، جنتی لوگ اس کے نیچے آکر بیٹھیں گے اور آپس میں باتیں کیا کریں گے، انہیں اپنے دنیوی کھیل تماشے اور دل بہلاوے یاد آئیں گے، تو اس وقت ایک ہوا چلے گی، جو اس درخت کو ہر اس کھیل تماشے کے ساتھ متحرک کر دے گی، جسے وہ دنیا میں اختیار کئے ہوئے تھے (یوں ان کی خواہش پوری کر دی جاتی ہے)۔

(۲) جنت کے درختوں کے تنے سونے کے ہوں گے، اس پر مزید دو حدیثیں درج ذیل ہیں:

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں واقعی ایک درخت ہے، جس کے تنے سونے کے اور اس کی شاخیں زبرجد اور موتیوں کی ہوں گی، ہوا سے وہ شاخیں جب ہلتی ہیں، تو اس سے ایسی پر لطف آواز نکلتی ہے کہ اس سے پہلے کسی سننے والے نے اس طرح کی لذیذ آواز نہیں سنی ہوگی۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جنت میں کھجور کے درخت کے تنے سبز زمر اور اس کی شاخوں کی چوڑی اور سخت جڑیں سرخ سونے کی ہوں گی، اس کی شاخیں اور پتے اہل جنت کا لباس ہوگا، جن سے ان کے کپڑوں کے مختلف جوڑے ہوں گے، اس کے پھل مشکوں اور ڈولوں کے برابر بڑے ہوں گے، یہ پھل دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھے، مکھن سے زیادہ نرم، اور مزید یہ کہ ان میں کوئی گھٹلی نہیں ہوگی۔ (۲)

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْجَنَّةِ وَنَعِيمِهَا

یہ باب جنت کی صفت اور اس کی نعمتوں کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ: مَا لَنَا إِذَا كُنَّا عِنْدَكَ: رَقَّتْ قُلُوبُنَا وَزَهَدْنَا وَكُنَّا مِنْ أَهْلِ الْآخِرَةِ، لِمَ إِذَا كُنَّا عِنْدَكَ؟ قَالَتْ سَمِعْنَا أَوْ لَا دَنَا أَنْكُرْنَا أَنْفُسَنَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَوْ أَنَّكُمْ تَكُونُونَ إِذَا كُنْتُمْ عِنْدِي كُنْتُمْ عَلَى خَالِكُمْ ذَلِكَ لَزَارَتْكُمْ الْمَلَائِكَةُ فِي بُيُوتِكُمْ، وَلَوْ لَمْ تَذْبَحُوا لَجَاءَ اللَّهُ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ كَمَنْ يَذْبَحُونَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَنْ خَلَقَ الْخَلْقَ؟ قَالَ: مِنَ الْمَاءِ. قُلْتُ: الْجَنَّةُ مَا بَنَازُهَا؟ قَالَ: لَبَنٌ مِنْ لَبَنَةٍ وَلَبَنَةٌ مِنْ دَهَبٍ، وَمِلَاطُهَا: الْمِسْكُ الْأَذْفَرُ، وَخَضَبَاؤُهَا اللَّوْلُؤُ وَالْيَاقُوتُ، وَتُرْبَتُهَا التَّرْغَفَرَانُ، مَنْ يَدْخُلُهَا يَنْعَمُ لَا يَبْئَسُ، وَيَخْلُدُ لَا يَمُوتُ، وَلَا تَبْلَى ثِيَابُهُمْ وَلَا يَفْتَنُ شَبَابُهُمْ، لَمْ قَالَ: قُلْتُ: لَا تُرْدُّ دَعْوَتُهُمْ: الْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَالصَّائِمُ حِينَ يَقُطِرُ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ يَزْفَعُهَا فَرَقَ الْعَمَامُ، وَيَفْتَحُ لَهَا

(۱) تکملة فتح للمهم، ۱۷۳/۶ کتاب الجنة، باب ان فی الجنة لشجرة۔

(۲) تحفة الاحوذی ۱۹۱/۷

أَبْوَابِ السَّمَاءِ وَيَقُولُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: وَعِزَّتِي لَا تُضَرُّنَا وَلَوْ بَعْدَ حِينٍ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ: جب ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں، تو ہمارے دل نرم اور دنیا سے ہم بیزار ہوتے ہیں، اور ہم اہل آخرت میں سے ہوتے ہیں، لیکن جب ہم آپ کے پاس سے نکل آتے ہیں، تو اپنی اہل کے ساتھ مل جاتے ہیں، اور اولاد کے ساتھ مشغول ہو جاتے ہیں، تو ہم اپنے نفسوں سے جاہل ہو جاتے ہیں (یعنی ہماری وہ کیفیت نہیں رہتی، جو آپ کی مجلس میں تھی)؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم لوگ (ہر وقت) اسی حال میں رہو، جس وقت کہ تم میرے پاس سے جاتے ہو (اور وہی حالت تمہاری برقرار رہے) تو فرشتے تم سے ملنے کے لئے تمہارے گھروں میں آئیں اور اگر تم لوگ گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ نئی مخلوق کو پیدا کر دے گا، تا کہ وہ گناہ کرے (پھر وہ اللہ سے استغفار کریں) تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مخلوق کو کس چیز سے پیدا کیا گیا؟ فرمایا: پانی سے، میں نے عرض کیا: جنت کس چیز سے بنائی گئی ہے؟ فرمایا: وہ اس طرح بنی کہ اس کی ایک اینٹ چاندی کی اور ایک اینٹ سونے کی ہے، اس کا گارا تیز مشک کا، اس کی کنکریاں موتی اور یا قوت کی اور اس کی مٹی زعفران کی ہے، جو اس میں داخل ہوگا، تو وہ خوب خوشحال ہوگا، کبھی حاجت مند اور مفلس نہ ہوگا، ہمیشہ اسی میں رہے گا، اسے کبھی موت نہیں آئے گی، اور جنتیوں کے کپڑے کبھی پرانے اور ان کی جوانی کبھی ختم نہیں ہوگی، پھر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین آدمیوں کی دعا کو کبھی رد نہیں کیا جاتا (یعنی ان کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے) عدل و انصاف کرنے والا حاکم، روزے دار جب وہ افطار کرنے لگے اور مظلوم کی بددعا، اللہ تعالیٰ مظلوم کی بددعا کو بادلوں سے بلند کرتے ہیں اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیتے ہیں اور رب تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں: مجھے میری عزت کی قسم: میں ضرور تمہاری مدد کروں گا، اگرچہ کچھ عرصہ بعد ہی کروں۔

مشکل الفاظ کے معنی:- نعیم: آسودہ حالی، آرام و راحت، مال و دولت۔ رفقت: ہمارے دل نرم ہوتے ہیں۔ زہدنا: ہم دنیا سے بے رغبت اور بے زار ہو جاتے ہیں۔ انسنا: ہم مانوس ہو جاتے ہیں، مل جاتے ہیں۔ اہالی: اہل کی جمع ہے: اہل و عیال، اہلیہ۔ شمعنا: ہم سوکتے ہیں یعنی ہم اپنی اولاد میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ انکرنا انفسنا: ہم اپنے نفسوں سے جاہل ہو جاتے ہیں، یعنی ہماری وہ کیفیت نہیں رہتی، جو آپ کے پاس تھی۔ لبنۃ: اینٹ۔ ملاحط: (نیم کے نیچے زیر) لپائی کا گارا۔ المسک: مشک۔ الاذفر: بوکاڑنا خواہ وہ خوشبو یا بدبو، شدید مہک والی۔ حصاد: کنکریاں۔ ینعم: خوشحال اور آسودہ ہوگا۔ لایأس: (صیغہ معروف) وہ حاجت مند اور مفلس نہیں ہوگا۔ ینخلد: وہ ہمیشہ جنت میں رہے گا۔ لایبلی: پرانے اور بوسیدہ نہیں ہوں گے۔ لایفنی شبابہم: ان کی جوانی کبھی فنا نہیں ہوگی۔ ولو بعد حین: اگرچہ کچھ عرصہ کے بعد ہی مدد کروں۔

اللہ کی صفت ”غفار“ کا مظہر

”ولو لم تذنبوا لاجاء اللہ بخلق جدید کسی یذنبوا فیغفر لہم“ اس سے گنہگار لوگوں کو گناہ پر ابھارتا یا ان کی حوصلہ افزائی مقصود نہیں، بلکہ اس سے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفت ”غفار“ کی شان کو ظاہر کرنا پیش نظر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جہاں یہ مشیت ہے کہ انسان میری طاعت و عبادت کریں کہ اسی کا انہیں حکم دیا گیا ہے، اور تاکہ میں انہیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازوں، وہاں یہ بھی مصلحت ہے کہ انسان نافرمانی کر کے مایوس نہ ہو، بلکہ مجھ سے آہ و زاری اور توبہ کرے، تاکہ میں اس سے درگزر کروں، وہ یہ نہیں چاہتے کہ سارے انسان فرشتوں کی طرح ہر وقت اللہ کی تسبیح و تقدیس اور عبادت کرتے رہیں، ان سے کوئی گناہ سرزد ہی نہ ہو، کیونکہ وہ غفار ذات ہے، چاہتے ہیں کہ کوئی مغفور ہو، جس کی بخشش کی جائے، جیسے رازق یہ چاہتا ہے کہ کوئی مرزوق ہو کہ جسے رزق دیا جائے، گو کہ سارے انسانوں کی اطاعت سے اللہ کی قدرت میں کوئی اضافہ اور نافرمانی سے کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، لیکن ان کی حکمت و مصلحت اور مشیت اسی طرح ہے۔ (۱)

تین افراد کی دعا کو ضرور قبول کیا جاتا ہے

اس حدیث میں ہے کہ تین افراد کی دعا کو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتے ہیں:

(۱) عدل و انصاف کرنے والا حکمران، اس میں جہاں کسی ملک کا سربراہ داخل ہے، وہاں اس کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ جو شخص جتنے افراد پر حاکم، سرپرست، افسر اور ذمہ دار ہو اس پر لازم ہے کہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ عدل و انصاف کرے، کسی کے ساتھ ظلم اور زیادتی نہ کرے۔

(۲) روزے دار جب افطار کرنے لگے، لہذا افطاری کے قریب روزے دار کو دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے، اس وقت کو کھانے پینے کے پروگرام اور فضول گپ شپ میں گزارنا، کسی بھی طرح مناسب نہیں۔

(۳) مظلوم کی دعا کو فوراً قبول کر لیا جاتا ہے، اس دعا کو اللہ تعالیٰ فوراً بلند کرتے ہیں چنانچہ اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ جل جلالہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ میں تمہاری ضرورت مدد کروں گا، اگرچہ اس میں کچھ وقت لگ جائے۔ عربی قواعد کے اعتبار سے ”والمظلوم“ ہونا چاہئے تھا جیسا کہ الامام العام اور الصائم ہے لیکن نبی کریم ﷺ نے ”و دعوة المظلوم“ فرما کر دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا:

☆ ایک اس طرف کہ مظلومیت شرعاً کوئی مقصود نہیں، جیسا کہ امام کا عادل ہونا اور روزہ مقصود ہوتا ہے۔

☆ مظلوم کی دعا کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے انداز اور اسلوب کو تبدیل کیا کہ امام عادل اور روزے دار کی دعا کے

مقابلے میں مظلوم کی دعا کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

”یرفعہا فوق الغمام“ کی ترکیب نحوی

”یرفعہا“ ترکیب میں کیا واقع ہے، اس میں دو احتمال ہیں:

(۱) علامہ طبری فرماتے ہیں کہ ”دعوة المظلوم“ ”دعوتہم“ سے بدل ہے اور ”یرفعہا“ ”دعوة المظلوم“ سے حال ہے

(۲) مناسب یہ ہے کہ ”یرفعہا“ کو ”دعوة المظلوم“ کی خبر قرار دیا جائے، ایسے میں ”یفتح“ اور ”یقول“ کا عطف بھی اس پر ہوگا۔

اور ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر دو احتمال میں ”یرفعہا“ میں ضمیر کا مرجع ”دعوة المظلوم“ ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ غُرَفِ الْجَنَّةِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں جنت کے بالا خانوں کی صفت کا بیان ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَغُرَفًا يَرَى ظُهُورُهَا مِنْ بَطُونِهَا وَبَطُونُهَا مِنْ ظُهُورِهَا، لَقَامَ إِلَيْهِ أَعْرَابِيٌّ، فَقَالَ: لِمَنْ هِيَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ؟ قَالَ: هِيَ لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ وَأَدَامَ الْقِيَامَ وَصَلَّى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسِ نِيَامَ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں ایسے کمرے ہوں گے، جن کا اندرون بیرون کا منظر ہو اور باہر کا منظر اندرون سے دکھائی دے گا، ایک دیہاتی کھڑے ہو کر کہنے لگا، یا رسول اللہ! یہ کس کے لئے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: یہ اس شخص کے لئے ہوں گے جو اچھا کلام کرے، کھانا کھلائے اور ہمیشہ (یعنی اکثر نفلی) روزے رکھے اور اللہ کے لئے رات میں نماز (تہجد) پڑھے، جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ جَنَّاتَيْنِ، مِنْ لُصَّةٍ أَتَيْتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَجَنَّاتَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ أَتَيْتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ إِلَّا رَذَاءُ الْكِبَرِ بَاءً عَلَى وَجْهِهِ جَنَّةُ عَذْنٍ۔ وَبِهَذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَغَنِيمَةً مِنْ ذُرَّةٍ مُجَوَّفَةٍ، عَزْ ضَهَا سِتُونَ مِيلًا، فِي كُلِّ رَاوِيَةٍ مِنْهَا أَهْلٌ، لَا يَزُورُونَ الْآخَرِينَ يَطُوفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُونَ۔

عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک جنت میں دو ایسی جنتیں ہوں گی،

جن کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے (یعنی مکان و محلات، پلنگ، میز اور درخت وغیرہ) سب چاندی کے ہوں گے اور دو جنتیں ایسی ہوں گی جن کے برتن اور جو کچھ کہ ان میں ہے، سب سونے کے ہوں گے اور اہل جنت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار میں اس کی عظمت و کبریائی کی چادر کے علاوہ اور کوئی چیز حائل نہیں ہوگی، جو جنت عدن میں اس کے چہرہ پر ہوگی۔ اور اسی سند سے یہ بھی منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک جنت میں (اہل جنت کے لئے) کھوکھلے موتی کا ایک عظیم خیمہ ہوگا، جس کی چوڑائی ساٹھ میل ہوگی، اس خیمہ کے ہر کونے میں (مومن کے) اہل خانہ (حوریں) ہوں گے، جو دوسرے کونے والوں کو نہیں دیکھ سکیں گے، مومن ان تمام (اہل خانہ) پر آتا جاتا رہے گا (یعنی ان کے ساتھ جماع کرے گا)

مشکل الفاظ کے معنی :- عرف: (غین پر پیش اور را پر زبر کے ساتھ) کمرے، بالا خانے۔ ظہور ہا من بطونہا: ظہور جمع ہے ظہور کی اور بطون بطن کی جمع ہے: اندرونی منظر باہر سے۔ و بطونہا من ظہورہا: باہر کا منظر اندر سے (دکھائی دے)۔ اطاب: عمدہ اور اچھے طریقے سے کمرے۔ نیام: نائیم کی جمع ہے: سونے والے۔ انیۃ: بناء کی جمع ہے: برتن۔ درۃ: (دال پر پیش اور را پر تشدید اور زبر کے ساتھ) موتی۔ معجوفۃ: کھوکھلا۔ عرضہا: اس کی چوڑائی۔ زاویۃ: گوشہ، کونا۔ لایرون الاخرین: ایک کونے والا دوسرے کونے والے کو نہیں دیکھ سکے گا، لایرون کا لفظ معنی کے اعتبار سے جمع لائے ہیں۔ بطوف بمومن کا آنا جانا لگا رہے گا، اس سے جماع کے معنی مراد ہیں۔

جنت کے بالا خانے

- جنت کے کمرے اس قدر شفاف اور نظیف ہوں گے کہ ان کا بیرونی منظر اندر سے اور اندرونی منظر باہر سے نظر آئے گا، بیان مسلمانوں کے لئے ہوں گے، جن کے اندر چار صفات پائی جائیں۔
- (۱) لوگوں کے ساتھ اچھے طریقے سے باتیں کرے، لب و لہجہ سخت اور متکبرانہ انداز کلام اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اور نہ ہی ایسے لوگوں کو معاشرہ میں اچھا سمجھا جاتا ہے۔
 - (۲) فقراء و مساکین اور ضرورت مندوں کو کھانا کھلائے۔
 - (۳) اکثر و بیشتر نقلی روزے رکھے۔
 - (۴) راتوں کو اٹھ کر اللہ کے سامنے آواز داری کرے، نماز تہجد ادا کرے، جبکہ لوگ اس وقت خواب غفلت میں مبتلا ہوتے ہیں۔
- لہذا کامل اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس مقام اور فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے اپنے اندر مذکورہ اوصاف پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ (۱)

جنتوں کی تعداد اور دیدار الہی

باب کی دوسری حدیث میں دو چیزوں کا ذکر ہے:

(۱) جنتوں کی تعداد کیا ہے، اس بارے میں امام بیہقی فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث سے جنتوں کی تعداد چار معلوم ہوتی ہے، اس پر دو دلیلیں:

☆ سورۃ رحمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولمن خاف مقام ربہ جنتان (اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ہر وقت ڈرتا ہو، اس کے لئے دو جنتیں ہیں) اور پھر ارشاد فرمایا: ومن دونہما جنتان (اور ان دو جنتوں سے کم درجہ میں دو جنتیں اور ہیں)، اس سے معلوم ہوا کہ جنتوں کی تعداد چار ہے۔

☆ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو جنتیں ایسی ہیں جن کے برتن اور جو ان کے درمیان ہے، وہ سب چاندی کے ہیں اور دو جنتیں ایسی ہیں کہ ان کے برتن اور تمام چیزیں سونے کی ہیں، اس روایت سے بھی صراحتہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ جنتیں چار ہیں۔

اور ”جنتان“ کا لفظ اگرچہ ثننیہ کا ہے، لیکن عربی زبان میں کبھی اس سے کثرت و فراوانی بھی مراد لی جاتی ہے، اس لئے ایسا ہو سکتا ہے کہ ”جنتان“ سے چار چار جنتیں مراد ہوں، اور مخصوص بندوں کو ان دو اصل جنتوں کے علاوہ دو جنتیں اور عطا ہوں، جو سونے اور چاندی ہی کی ہوں گی، اور تزئین و آرائش اور خوشنمائی کے لئے ان کا مل لوگوں کے محلات کے دائیں بائیں واقع ہوں گی، اس بات کی تائید، ان روایات سے بھی ہوتی ہے، جن میں جنت کے آٹھ طبقات کا ذکر ہے، جن کے نام یہ ہیں: جنت عدن، جنت الفردوس، جنت الخلد، جنت النعیم، جنت المآوی، دار السلام، دار القرار اور دار المقام۔

(۲) جنتی لوگ جب جنت میں پہنچ جائیں گے، تو دیدار الہی اور بندے کے درمیان جو جسمانی حجاب اور طبعی کدورتیں حائل ہوتی ہیں، وہ سب ختم ہو جائیں گی، مگر اللہ جل جلالہ کی عظمت و کبریائی اور ہیبت و جلال کا پردہ جنت عدن میں حائل ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم سے اس پردے کو بھی اٹھا دیں گے، یوں جنتی لوگ براہ راست اللہ جل جلالہ کے دیدار سے لطف اندوز ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان خوش نصیب لوگوں میں شامل فرمادے! میں یارب العالمین۔ (۱)

ان فی الجنة جنتین... اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو جنتیں خالص سونے کی اور دو خالص چاندی کی ہوں گی، جبکہ جنت کی تعمیر و بناء کے بارے میں حدیث میں ہے کہ ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی ہوگی، بظاہر ان دونوں میں تعارض سا ہے؟

اس تعارض کو اس طرح حل کیا گیا کہ پہلی روایت میں ان چیزوں کا ذکر ہے، جو جنت کے اندر ہوں گی، برتن، پتنگ، میز

اور دیگر اشیاء، چنانچہ ایک جنت میں تو تمام چیزیں سونے کی ہوں گی اور ایک جنت میں تمام چیزیں چاندی کی ہوں گی اور دوسری روایت میں جنت کی تعمیر و بناء کا ذکر ہے کہ جنت کے ہر محل کی دیوار میں سونے اور چاندی دونوں کی اینٹیں ہوں گی، اس لئے دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔

جنتین من فضة... کی ترکیب

”جنتین من فضة انیتھما و ما فیہا“ اس میں ”جنتین“ موصوف ہے، اور من فضة... اس کی صفت ہے، ”من فضة“ کی دو ترکیبیں ہیں، ایک یہ کہ یہ خبر مقدم ہے اور انیتھما و ما فیہما مبتداء مؤخر ہے، اور دوسری ترکیب یہ ہے کہ ”من فضة“ جنتین کی صفت ہے اور ”انیتھما و ما فیہما“ مبتداء ہے اور کنی الک ان کی خبر محذوف ہے، پھر یہ جملہ ہو کر جنتین کی صفت ہو جائے گا۔ (۱)

جنت کا خیمہ

مؤمن کے لئے جنت میں ایک خیمہ ہوگا، جو پورا ایک کھوکھلا موتی ہوگا، اس کی چوڑائی ساٹھ میل کی مسافت کے بقدر ہوگی اور ایک روایت میں اس کی لمبائی بھی اسی طرح بیان کی گئی ہے۔ گویا وہ اس قدر بڑا ہوگا کہ اس کی لمبائی اور چوڑائی دونوں ساٹھ ساٹھ میل کی مسافت کے بقدر ہوگی، اس کے ہر کونے میں مؤمن کی اہل یعنی اس کی بیویاں ہوں گی، جنہیں دوسرے کونے کے لوگ نہیں دیکھ سکیں گے، مؤمن کا ان پر آنا جانا لگا رہے گا، یہاں پر بطوف جماع سے کنایہ ہے، معنی یہ ہیں کہ مؤمن اپنی بیویوں کے ساتھ جماع کیا کرے گا۔ (۲)

باب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ دَرَجَاتِ الْجَنَّةِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں جنت کے درجات کا بیان ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فِي الْجَنَّةِ مِائَةُ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ مِائَةُ عَامٍ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان سو برس کی مسافت کا قاصد ہے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَصَلَّى الصَّلَاةَ وَحَجَّ الْبَيْتَ، لَا أَذْرِي أَذْكَرَ الزَّكَاةَ أَمْ لَا، إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ، إِنْ هَاجَرَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مَكَتَ بِأَرْضِهِ الْبَيْتِ وَلَدَبَهَا، قَالَ مُعَاذُ:

(۱) تحفة الاحوذی ۱۹۶/۷

(۲) تحفة الاحوذی ۱۹۸/۷

أَلَا أُخْبِرُ بِهَا النَّاسُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ذَرِ النَّاسَ يَفْعَلُونَ فَإِنَّ فِي الْجَنَّةِ مَائَةَ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَالْفَرْدَوْسُ أَعْلَى الْجَنَّةِ وَأَوْسَطُهَا، وَفَوْقَ ذَلِكَ عَرْشُ الرَّحْمَنِ، وَمِنْهَا تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَاَسْأَلُوهُ الْفَرْدَوْسَ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو رمضان کے روزے رکھے، نماز پڑھے اور بیت اللہ کا حج کرے، عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ معاذ بن جبل نے زکوٰۃ کا ذکر کیا ہے یا نہیں، تو اس کا اللہ تعالیٰ پر حق (یعنی فضل و کرم) ہے کہ وہ اس کی مغفرت کریں، خواہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرے یا اسی زمین پر ٹھہرا رہے، جہاں وہ پیدا ہوا، معاذ نے عرض کیا: کیا میں لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سنا دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو چھوڑ دو تا کہ وہ عمل کرتے رہیں، کیونکہ جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے، جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے اور جنت الفردوس جنتوں میں سب سے اعلیٰ اور درمیان میں ہے، اس کے اوپر عرشِ رحمن ہے، اسی سے جنت کے دریا نکلتے ہیں، لہذا جب تم اللہ سے (جنت) مانگو تو جنت الفردوس مانگا کرو۔

عَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: فِي الْجَنَّةِ مَائَةُ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَالْفَرْدَوْسُ أَعْلَاهَا دَرَجَةٌ، وَمِنْهَا تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ الْأَرْبَعَةُ، وَمِنْ فَوْقِهَا يَكُونُ الْعَرْشُ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَاَسْأَلُوهُ الْفَرْدَوْسَ۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے، اور فردوس درجے کی بلندی کے اعتبار سے تمام جنتوں سے اعلیٰ و برتر ہے، اسی سے جنت کے چاروں در (یعنی، پانی، دودھ، شراب اور شہد) کے دریا نکلتے ہیں اور فردوس کے اوپر ہی عرشِ رحمن ہے، لہذا جب تم اللہ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس ہی مانگا کرو۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مَائَةَ دَرَجَةٍ، لَوْ أَنَّ الْعَالَمِينَ اجْتَمَعُوا فِي اخْتِذَائِهَا لَوْ سَعَتْهُمْ۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک جنت میں سو درجے ہیں، اگر سارے جہان کے لوگ ان میں سے کسی بھی ایک درجے میں جمع ہو جائیں تو وہ سب کے لئے کافی ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنی:- مکث: ٹھہرا رہے، سکونت اختیار کرے۔ ذر الناس: آپ لوگوں کو (عمل میں ہی) رہنے دیں، چھوڑ دیں۔ فردوس: وہ باغ جو ہرٹی کو جامع ہو، یہ جنت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر فرمایا: الذین یرون الفردوس ہم فیہا خلدون (یہ مذکورہ لوگ فردوس کے وارث بنیں گے، اور وہ اس میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے)۔ اعلیٰ الجنة: جنت میں سب سے اونچی اور برتر۔ اوسطہا: تمام جنتوں کے درمیان، سب سے افضل اور عمدہ، کیونکہ جو چیز کسی چیز کے درمیان ہو، تو وہ اس

پاس کے ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہوتی ہے، اس لئے اسے سب سے افضل، عمدہ اور بہترین شمار کیا جاتا ہے۔ و فوق ذلک: اور جنت الفردوس کے اوپر۔ تفجور: (مجبول کا صیغہ ہے) نکالی جاتی ہیں، جاری ہوتی ہیں۔ العالمین: (لام پر زبر) تمام مخلوق، خواہ وہ انسان ہوں یا جنات۔ لو مستعظم: وہ درجہ ان تمام کو کافی ہو جائے، سہا جائے۔

جنت کے درجات

”فی الجنة مائة درجة“

باب کی مذکورہ احادیث سے تین امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) ”سورجے“ میں ”سو“ سے کیا مراد ہے، اس کے بارے میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

☆ سو کے عدد سے تحدید پیش نظر نہیں، بلکہ اس سے کثرت مراد ہے، اس کی تائید سنن بیہقی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس مرفوع روایت سے بھی ہوتی ہے کہ جس میں جنت کے درجات کی تعداد قرآن کی آیتوں کے برابر بیان کی گئی ہے، روایت کے الفاظ یہ ہیں: عدد درج الجنة عدد اى القرآن فمن دخل الجنة من اهل القرآن فليس فوقه درجة۔

☆ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے سو کا مخصوص عدد ہی مراد ہو اور اس کے ذریعہ جنت کے کثیر درجات میں سے ان سو درجوں کو بیان کرنا مقصود ہو، جن کے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان ہے، لہذا ایسا ہو سکتا ہے کہ جنت کے اور کثیر درجات ایسے ہوں کہ جن کے درمیان فاصلہ یا تو اس مسافت سے کم ہو یا اس سے بھی زیادہ ہو، چنانچہ مسند فردوس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جنت میں کچھ درجے ایسے ہیں کہ جن تک وہی لوگ پہنچ سکیں گے، جو دنیا میں اللہ کی خاطر غم و حزن اور پریشانی میں مبتلا رہے ہوں گے۔

(۲) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ زیادہ صحیح یہی ہے کہ حدیث میں ”درجات“ سے ”بلند مراتب“ مراد ہیں، جو اہل جنت کو ان کے اچھے اعمال اور نیکیوں کی وجہ سے حاصل ہوں گے، چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم درجات عند اللہ (اہل جنت اللہ کے نزدیک درجات و مراتب میں مختلف ہوں گے) معنی یہ ہیں کہ ان کو اپنے اپنے اعمال صالحہ کے بقدر الگ الگ مرتبے اور درجے ملیں گے، چنانچہ جس جنتی کے اعمال جس قدر زیادہ اچھے ہوں گے، اسے اتنے ہی زیادہ اونچے مراتب حاصل ہوں گے، جیسا کہ دو درجیوں کے بارے میں ہے کہ وہ اپنے اپنے کفر و شرک کے اعتبار سے دوزخ کے مختلف نچلے حصوں میں زیر عتاب ہوں گے، جس کا عقیدہ جتنا زیادہ خراب اور کفر و شرک سے لت پت ہوگا، اسی کے مطابق جہنم کے نچلے حصے میں اسے ڈالا جائے گا، اسی کی طرف اس آیت میں یوں اشارہ کیا گیا ہے: ان المنافقين فى الدرك الاسفل من النار (یقیناً منافقین دوزخ کے نچلے حصوں میں پڑے ہوں گے)۔

(۳) جنتوں میں سب سے اعلیٰ جنت الفردوس ہے، اسی سے چار درجے یعنی پانی، دودھ، شراب اور شہد نکلتے ہیں، جن کا ذکر

قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرَ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى۔ (سورۃ محمد آیت: 15)

ترجمہ: ”جنت میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں، جس میں ذرا تغیر نہ ہوگا، اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں، جس کا ذائقہ ذرا بدلہ نہ ہوگا اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں، جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی اور بہت سی نہریں شہد کی ہیں، جو بالکل صاف شفاف ہوگا“

جنت الفردوس سے اوپر عرشِ رحمن ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو اس بات کی تاکید فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سے جنت الفردوس کا ہی سوال کیا کرو، تاکہ تمہیں سب سے اعلیٰ اور افضل جنت حاصل ہو۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ

یہ باب ان احادیث میں ہے جن میں اہل جنت کی عورتوں کا ذکر ہے

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ الْمَرْأَةَ مِنْ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، لَيُزَيِّ بِبَاضٍ سَاقِيَهَا مِنْ وَرَاءِ سَبْعِينَ خَلَّةً حَتَّى يَرَى مَخْجَهَا وَذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ: {كَانَتْ هُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ} فَأَمَّا الْيَاقُوتُ فَإِنَّهُ خَبَزَ لَوْ أَدْخَلْتَ فِيهِ سِلْكَاً، ثُمَّ اسْتَضَفَيْتَهُ لَأَرَيْتَهُ مِنْ وَرَائِهِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل جنت کی عورتوں میں سے ہر عورت کی پنڈلی کی سفیدی ستر جوڑوں میں سے بھی نظر آتی ہے، یہاں تک کہ اس کی ہڈی کا گودا بھی دکھائی دیتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: {كَانَتْ هُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ} (گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہیں) اور ”یاقوت“ ایک ہتھر ہے، اگر تم اس میں دھاگا داخل کرو اور اسے خوب صاف کر لو تو وہ دھاگا تمہیں اس کے اندر سے دکھائی دے گا۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ أَوَّلَ زُمْرَةٍ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى مِثْلِ ضَوْءِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، وَالزُّمَرَةُ الْقَائِيَةُ عَلَى مِثْلِ أَحْسَنِ كَوْكَبٍ ذُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ، لِكُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ، عَلَى كُلِّ زَوْجَةٍ سَبْعُونَ خَلَّةً، يَرَى مَخْجَ سَاقِيَهَا مِنْ وَرَائِهَا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک سب سے پہلی جماعت، جو قیامت کے دن جنت میں داخل ہوگی (یعنی انبیاء علیہم السلام) ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن و چمکدار ہوں گے اور دوسرے گروہ کے چہروں کی چمک آسمان کے سب سے زیادہ چمکدار ستارے کی سی ہوگی، ان میں

سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی، ہر بیوی کے جسم پر لباس کے ستر جوڑے ہوں گے، اس کی پنڈلی کا گودا ان ستر جوڑوں میں سے بھی نظر آئے گا۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلَى ضَوْءِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، وَالثَّانِيَةِ عَلَى لَوْنِ أَحْسَنِ كَوْنٍ ذُو عِيَالٍ فِي السَّمَاءِ، لِكُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ، عَلَى كُلِّ رَجُلٍ مِائَتُ مَنَافِيخٍ، يَبْدُو مِنْهَا مِائَتُ مَنَافِيخٍ وَزَوْجَتَانِ.

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا، ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی اور دوسرے گروہ کی صورتیں آسمان کے سب سے زیادہ چمکدار ستارے کی مانند (روشن و چمکدار) ہوں گی، ان میں سے ہر ایک کے لئے دو بیویاں ہوں گی، ہر بیوی کے جسم پر لباس کے ستر جوڑے ہوں گے (اس کے باوجود) اس کی پنڈلی کا گودا ان جوڑوں کے باہر سے نظر آئے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی:- بیاض مساقھا: اس کی پنڈلی کی سفیدی۔ وراء: اندر سے، باہر سے۔ حلة: (حار پریش) جوڑا، پوشاک۔ معنھا: اس کی ہڈی کا گودا، مغز۔ یا قوت: مشہور قیمتی پتھر، جو سرخ نیلا زرد اور سفید رنگ کا نہایت صاف شفاف ہوتا ہے کہ اس کے اندر اگر دھوا کا داخل کیا جائے تو وہ بھی دکھائی دے۔ موجان: خاص قسم کے سفید موتی۔ زمرة: (زا پریش) جماعت، گروہ۔ علی مثل ضوء القمر: چاند کی چمک کی مانند۔ لیلۃ البدر: چودھویں رات۔ دری: (دال پریش) اور را کی تشدید اور زیر کے ساتھ) موتی کی طرح حسین، خوب چمکدار ستارہ اور "کو کب دری" کے معنی ہیں، بہت چمکدار ستارہ، "کو کب" کو "حد" (یعنی موتی) کی طرف منسوب کیا، اس کی صفائی اور سفیدی کی وجہ سے۔ یدو: ظاہر ہوگا۔

جنت میں داخل ہونے والے دو گروہ

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں دو گروہ پہلے داخل ہوں گے:

- (۱) سب سے پہلا گروہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا ہوگا، جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن و چمکدار ہوں گے۔
- (۲) دوسری جماعت اولیاء اور نیک لوگوں کی جنت میں داخل ہوگی، اپنے اپنے درجات اور اعمال کے حساب سے ان کے چہرے آسمان کے سب سے زیادہ چمکدار ستارے کی طرح جگمگائیں گے۔

اہل جنت میں سے ہر آدمی کے لئے دو ایسی بیویاں ہوں گی، جن میں سے ہر ایک کے جسم پر ستر جوڑے لباس کے ہوں گے، اس کے باوجود ان کی ہڈیوں کا گودا ان ستر جوڑوں سے بھی نظر آئے گا، کیونکہ وہ بہت زیادہ شفاف اور نفیس ہوں گی۔

اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر جنتی کو صرف دو بیویاں ملیں گی، جبکہ متعدد احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر جنتی کے لئے بہت سی بیویاں ہوں گی چنانچہ:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اہل جنت میں سے جو کم درجہ کا جنتی ہوگا، اس کی بھی دنیا کی بیوی کے علاوہ حور عین میں سے بہتر بیویاں ہوں گی۔

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک ادنیٰ جنتی کے لئے بھی بہتر بیویاں اور اسی ہزار خادم ہوں گے۔

(۳) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا، تو اللہ تعالیٰ بہتر حوروں سے اس کی شادی کرا دیں گے، اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

اس لئے حدیث باب اور ان روایات میں تعارض ہے؟

شراحین حدیث نے اس تعارض کے حل کے بارے میں مختلف توجیہات ذکر کی ہیں، جن میں سے دو کا ذکر درج ذیل ہے:

☆ حدیث باب میں ”زوجتان“ سے دنیا کی عورتیں مراد ہیں، یہ بات اس شخص کے حق میں تو واضح ہے، جس کی دنیا میں دو بیویاں ہوں، لیکن وہ شخص جس کی دنیا میں کوئی بیوی ہی نہیں تھی یا صرف ایک تھی تو ممکن ہے کہ اس کی دنیا کی کسی ایسی عورت سے شادی کرا دی جائے جس نے دنیا میں کسی کے ساتھ شادی نہیں کی ہوگی۔ (۱)

لیکن اس جواب پر اشکال ہوتا ہے کہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں لکل امرء زوجتان من الحور العین ہے کہ ہر جنتی کے لئے حور عین میں سے دو بیویاں ہوں گی، اس روایت میں من الحور العین کی تصریح موجود ہے، اس لئے زوجتان کی تشریح میں یہ کہنا کہ من نساء الدنیا کہ دنیا کی عورتوں میں سے دو بیویاں ہوں گی، یہ درست نہ رہا،

☆ سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اہل جنت میں سے ہر آدمی کے لئے کم از کم دو بیویاں ہوں گی، جن کی یہ یہ صفات ہوں گی، اس میں گویا کم از کم عدد کو بیان کرنا مقصود ہے، اس سے زیادہ کی نفی کرنا مقصود نہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس جواب کو والاظہر (زیادہ ظاہر یہی ہے) کہا ہے۔ (۲)

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ جَمَاعِ أَهْلِ الْجَنَّةِ

یہ باب اہل جنت کے جماع (کرنے کی طاقت) کے بارے میں ہے۔

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يُعْطَى الْمُؤْمِنُ فِي الْجَنَّةِ قُوَّةٌ كَقُوَّةِ الْكَذَّاءِ وَكَذَّاءِ مِنَ الْجَمَاعِ، قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ: أَوْ يَطِيقُ ذَلِكَ؟ قَالَ: يُعْطَى قُوَّةٌ مِائَةً۔

(۱) تکملة فتح الملهم ۱۸۳/۶ کتاب الجنة، باب اول زمرة، مرقاة المفاتیح ۶۰۰/۹ کتاب الفتن، باب صفۃ الجنة وأهلها

(۲) فتح الباری ۳۹۳/۶، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفۃ الجنة، تحفة الاحوذی ۶۰۳/۷

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن کو جنت میں جماع کرنے کی اتنی اتنی طاقت عطا کی جائے گی، عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ: کیا ایک مرد اتنی عورتوں سے جنسی اختلاط (یعنی جماع) کی طاقت رکھے گا؟ آپ نے فرمایا: (جنت میں) ایک مرد کو سو مردوں کی طاقت عطا کی جائے گی۔

اہل جنت کے جماع کا ذکر

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت میں ہر مرد کو سو مردوں کے برابر قوت عطا کی جائے گی، جس کی وجہ سے وہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ عورتوں سے جماع کر سکے گا، اور اسے کوئی کمزوری بھی محسوس نہ ہوگی۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَهْلِ الْجَنَّةِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں اہل جنت کا ذکر ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَوَّلُ زُمَرَةٍ تُلْبِغُ الْجَنَّةَ، صُورَتُهُمْ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدَنِ، لَا يَبْطِشُونَ، وَلَا يَتَمَتَّعُونَ، وَلَا يَتَفَرَّطُونَ، آتَيْنَهُمْ فِيهَا مِنَ الذَّهَبِ وَأَمْشَاطُهُمْ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِطْطَةُ وَمَجَامِزُهُمْ مِنَ الْاُكُوفَةِ وَرَشْحُهُمْ الْمَسْكُ، وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ يُورِي مَنَعُ مَنُوعِهِمَا مِنْ زَوَاةِ اللَّحْمِ مِنَ الْخَمْسِينَ، لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ، فَلَوْ بَلَغَ قَلْبُ رَجُلٍ وَاحِدٍ، يَسْتَبْخُونُ اللَّهَ بِكُوفَةٍ وَحَشِيئَةٍ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا، ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح (روشن و چمکدار) ہوں گے، وہ لوگ نہ تھوکیں گے، نہ ناک صاف کریں گے، اور نہ ہی انہیں پاخانہ کا تقاضا ہوگا، ان کے برتن جنت میں سونے کے ہوں گے، اور ان کی کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی، اور ان کی انگلیٹھیاں اگر کی کڑی سے سلگائی جائیں گی، اور ان کا پسینہ مشک (کی طرح خوشبودار) ہوگا، اور اہل جنت میں سے ہر ایک کے لئے دو بیویاں ہوں گی جن کی پنڈلیوں کا گودا کمال حسن کی وجہ سے گوشت کے باہر سے نظر آئے گا، ان کے درمیان نہ تو کوئی اختلاف ہوگا اور نہ ان کے دلوں میں بغض ہوگا، ان کے دل ایک شخص کے دل کی طرح ہوں گے، جو صبح و شام اللہ جل جلالہ کی تسبیح کرتے رہیں گے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَوْ أَنَّ مَا يَقْلُ ظَفَرُ مَنَافِي الْجَنَّةِ بِهَذَا التَّرْخُوفِ لَهَ مَا بَيْنَ خَوَافِي السَّمََوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَلَوْ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَطْلَعَ قَبْدًا أَسَاوَدَهُ لَطَمَسَ ضَوْءُ الشَّمْسِ كَمَا تَطْمَسُ الشَّمْسُ ضَوْءَ النَّجُومِ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر جنت کی چیزوں میں کوئی اتنی چیز (دنیا میں) ظاہر ہو جائے، جس کو ناخن اٹھالے (یعنی ناخن سے بھی کم مقدار میں کوئی شے دنیا میں ظاہر کر دی جائے)، تو اس کی وجہ سے آسمان وزمین کے اطراف اور کناروں تک ہر چیز مزین اور روشن ہو جائے اور اگر اہل جنت میں سے کوئی شخص دنیا میں جھانکے اور اس کے نگن ظاہر ہو جائیں، تو ان کی چمک دمک سورج کی روشنی کو ماند کر دے، جیسا کہ سورج ستاروں کی روشنی کو ماند کر دیتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ تلج: داخل ہوگی۔ لایصفون: اہل جنت نہ تھکیں گے۔ ولا یتمخطون: اور نہ وہ ناک صاف کریں گے۔ ولا یغفطون: اور نہ وہ پاخانہ کریں گے، اور نہ ہی انہیں قضا حاجت کا تقاضا ہوگا۔ امشاط: مشط کی جمع ہے: کنگھیاں۔ مجامو: مچھر کی جمع ہے: انگلیٹھیاں۔ الوہ: (ہمزے پر زبر اور پیش، لام پر پیش اور واؤ مشدود) اگر کی لکڑ، عود۔ رشحہم: ان کا پسینہ۔ مایقل ظفر: (یا پر پیش اور قاف کے نیچے زیر، باب افعال سے) وہ چیز جسے ناخن اٹھا لے یعنی ناخن سے بھی کم مقدار والی کوئی چیز ظاہر ہو جائے۔ لتز خوفت: مزین اور روشن ہو جائے گی۔ خو افق: خافقہ کی جمع ہے: طرف، کنارہ۔ اطلع: جھانکے۔ أساور: أسورة کی جمع ہے اور أسودة، سوار کی جمع ہے: نگن۔ طمس: مٹا دے، ماند کر دے۔ ضوء النجوم: ستاروں کی روشنی۔

اہل جنت کا حال

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے اہل جنت کا حال بیان کیا ہے کہ وہ جنت میں مختلف قسم کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے، ان کے جسم ظاہر اور باطن ہر لحاظ سے پاک صاف ہوں گے، اسی وجہ سے کوئی فاسد مادہ ان کے جسم سے نہیں نکلے گا، استعمال کے برتن سونے کے اور بالوں کی سینٹک کے لئے سونے اور چاندی کی کنگھیاں ہوں گی، ان کی انگلیٹھیاں ”اگر“ لکڑ سے سلگائی جائیں گی، ان کے جسم سے نکلنے والا پسینہ مٹک کی طرح خوشبودار ہوگا، یہ ساری چیزیں محض لطف اندوزی اور لذت کے لئے ہوں گی ورنہ انہیں جنت میں تو کنگھی کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی، کیونکہ ان کے بال صاف سترے ہوں گے، میل اور گرد و غبار کا تو وہاں کوئی تصور نہیں، ایسے ہی انہیں انگلیٹھی میں بخور کی بھی کوئی حاجت نہیں، ان کے جسم سے آنے والی خوشبو تو مٹک سے زیادہ خوشبودار ہوگی۔

اہل جنت کا آپس میں انتہائی انس اور پیار ہوگا، ان میں کوئی اختلاف اور دلوں میں کسی بھی قسم کی کدورت نہیں ہوگی، دل ہر قسم کی آلائش اور حسد و بغض کی غلاطت سے خالی ہوں گے، ان کا آپس میں استقدرا اتفاق اور محبت ہوگی کہ گویا ان سب کا ایک ہی دل ہے، ان نعمتوں کی شکر گزاری کے طور پر وہ صبح و شام یعنی ہر وقت اللہ جل جلالہ کی تسبیح بیان کریں گے، ان کے ہر سانس کے ساتھ یہ تسبیح جاری ہوگی، گو کہ یہ تسبیح ان پر لازم اور ضروری نہیں ہوگی اور نہ ہی وہ اس کے مکلف ہوں گے، لیکن ان کے دل اللہ تعالیٰ کی معرفت

سے منور اور اس کی محبت سے اس قدر سرشار ہوں گے کہ پھر وہ ہر وقت اپنے محبوب کا ہی ذکر اور اس کی تسبیح میں لگے رہیں گے، کیونکہ یہ اصول ہے کہ جو چیز انسان کو پسند ہوتی ہے، اس کا تذکرہ ہر وقت کیا کرتا ہے، اس لئے اہل جنت بھی اللہ جل جلالہ کا ذکر اور تسبیح اتنی زیادہ کریں گے کہ وہ ان کی گویا طبیعت ثانیہ بن جائے گی۔

دوسری روایت میں جنت کی نعمتوں کی عظمت اور اہمیت کو بیان فرمایا کہ اگر ناخن سے بھی کم مقدار میں جنت کی کوئی چیز دنیا میں ظاہر ہو جائے تو آسمان وزمین کے تمام اطراف کو خزین اور روشن کر دے، اور اگر جنتی کے ہاتھ کا کنگن دنیا میں نمودار ہو جائے تو وہ اپنی چمک دمک اور تابناکی کی وجہ سے سورج کو یوں ماند کر دے، جس طرح کہ سورج ستاروں کی روشنی کو ماند کر دیتا ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي ثِيَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ

یہ باب ان احادیث میں ہے جن میں جنتیوں کے کپڑوں کا ذکر ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَهْلُ الْجَنَّةِ جُزْءٌ مُزْدُ كَحَلْيٍ، لَا يَفْتَنُ شِبَابُهُمْ، وَلَا تَبْلَى ثِيَابُهُمْ۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل جنت کے جسم پر نہ بال ہوں گے، نہ داڑھی، مونچھیں ہوں گی، اور وہ سرگیں آنکھوں والے ہوں گے، ان کی جوانی کبھی ختم نہ ہوگی اور نہ ان کے کپڑے کبھی بوسیدہ ہوں گے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي قَوْلِهِ: وَفُزْشِ مَرْفُوعَةٍ قَالَ: اَزِفَاغَهَا لَكَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ مَسِيرَةً عَشْرَ مِائَةِ عَامٍ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَفُزْشِ مَرْفُوعَةٍ (اور اونچے اونچے بچھونے ہوں گے) کی تفسیر میں فرمایا کہ: ان بچھونوں کی بلندی اتنی ہوگی، جتنا آسمان وزمین کے درمیان فاصلہ ہے، یعنی پانچ سو برس کی مسافت۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ جرد: (جیم پر پیش اور را کے سکون کے ساتھ) اجرد کی جمع ہے: وہ شخص جس کے جسم پر بال نہ ہوں، نہ زیر ناف بال ہوں اور نہ بغلوں میں۔ مرد: (میم پر پیش اور را کے سکون کے ساتھ) اُمرود کی جمع ہے: وہ شخص جس کی داڑھی اور مونچھیں نہ ہوں یا اگنے کے قریب ہوں۔ کحلی: (کاف پر زبر اور حا کے سکون کے ساتھ) کحیل کی جمع ہے اور مکحول کے معنی میں ہے: سرگیں آنکھوں والے، یعنی وہ شخص جس کی پلکوں کی جڑیں پیدائشی طور پر سیاہ ہوں اور سرمہ لگائے بغیر ایسا معلوم ہوتا ہو کہ اس نے آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے۔ فُزْشِ: (فا اور را پر پیش) فواش کی جمع ہے: بچھونے، گذا، فرنچر۔ مَرْفُوعَةٍ: بلند و برتر، اونچے اونچے۔

جنت کے مردوں کا ذکر

باب کی پہلی حدیث میں جنت کے مردوں کی چند صفات کا ذکر ہے کہ وہ جنت میں انتہائی حسین و جمیل اور مذکورہ صفات کے ساتھ متصف ہوں گے، ان کے جسم پر، زیر ناف اور بطنوں میں کسی قسم کے کوئی بال نہ ہونگے، یہ بھی حسن کی ایک بڑی علامت ہے، داڑھی مونچھیں نہیں ہوں گی یا اگنے کے قریب ہوں گی، سرگیں آنکھیں ہوں گی تیس یا تینتیس سال کی عمر کے جوان ہوں گے، بس یہی ان کی عمریں رہیں گی، ان کا شباب کبھی ختم نہ ہوگا، ان کے جسم کے کپڑے ہر وقت نئے ہوں گے، وہ کبھی بوسیدہ اور پرانے نہیں ہوں گے۔

جنت کے بچھونے

نبی کریم ﷺ نے "و فرش مرفوعة" کی تفسیر میں فرمایا: ارتفاعھا... اس ارتفاع سے کیا مراد ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

(۱) اس سے جنت کے وہ بچھونے مراد ہیں، جو تختوں اور چار پائیوں کے اوپر ہوں گے اور اتنے بلند اور اونچے ہوں گے کہ بظاہر یہ نظر آئے گا کہ وہ آسمان جیسی بلندی تک ہیں۔

(۲) اس آیت میں جن اونچے اونچے بچھونوں کا ذکر ہے، یہ جنت کے ان درجات میں بچھے ہوں گے، جن کی بلندی آسمان و زمین کی مسافت کے بقدر ہوگی، جیسا کہ اس سے پہلے حدیث گزری ہے کہ جنت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ (۱)

بعض مفسرین نے "لوروش" سے عورتیں مراد لی ہیں، کیونکہ عربی زبان میں عورت کو بھی لفظ فراش سے تعبیر کیا جاتا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے "الولد للفراش" اس میں فراش سے بیوی مراد ہے، اس کے بعد کی آیتوں میں جو جننی عورتوں کی صفات ذکر کی گئی ہیں، ان سے بھی اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے، اس صورت میں لفظ مرفوعة رفعت درجہ کے اعتبار سے ہوگا، یعنی بلند پایہ۔ (۲)

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ ثَمَارِ الْجَنَّةِ

یہ باب جنت کے پھلوں کے بیان میں ہے

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ: وَذَكَرَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهَى قَالَ: يَمِيزُ الزَّائِكِبِ فِي ظِلِّ

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۵۹۹/۹ کتاب الفتن، باب صفۃ الجنة، تحفة الاحوذی ۲۰۹/۷

(۲) معارف القرآن ۲۷۵/۸ سورۃ الواقعة

الْفَنَنِ وَنَهْجًا مَائَةً سَنَةً، أَوْ يَسْتَعْظِلُ بِظِلِّهَا مَائَةً زَاكِبًا، شَكَّ يَغْشَى، فِيهَا فِرَاشُ الذَّهَبِ، كَأَنَّ قَمَرَهَا الْقَلَالُ۔
حضرت اسماء بنت ابوبکر کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سدرة المنتہی کا ذکر کرتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (سدرة المنتہی ایسا درخت ہے کہ) کوئی (حیز رفقا) سوار اس کی شاخوں کے سائے میں سو سال تک چل سکے گا یا یہ فرمایا کہ اس کے سائے سے سو سوار (بیک وقت) سایہ لے سکیں گے۔ یہ سچی راوی کا شک ہے۔ اس پر سونے کے پروانے ہیں، گویا اس کے پھل (بڑے ہونے میں) مشکوں کے برابر ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی :- سدرة المنتہی : ۱۔ جنت کا ایک درخت ہے جس کے لغوی معنی ہیں : پیری کا وہ درخت جس پر انتہاء ہے، ۲۔ امام راغب کے نزدیک یہ ساتویں آسمان پر ایک مقام ہے، عرشِ رحمن کے دائیں جانب، ملائکہ وغیرہ کی اس سے آگے رسائی نہیں ہو سکتی۔ فنن : (فاورون پر زبر) درخت کی سیدھی شاخ جمع، اُفغان۔ يستظل : وہ سایہ لے، سایہ میں بیٹھے۔ فواش : (فا پر زبر) کھراشہ کی جمع ہے : تہلی، پروانہ۔ قلال : (قاف کے نیچے زیر) قلعہ کی جمع ہے : منکے۔

سدرة المنتہی

”سدرة المنتہی“ جنت کا وہ درخت ہے، جو اس کے انتہائی کنارے پر واقع ہے، اس سے آگے کسی فرشتے کو جانے کی اجازت نہیں ہے، حضرت جبریل علیہ السلام بھی اس سے آگے نہیں جاسکتے، صرف نبی کریم ﷺ شبِ معراج میں اس درخت سے آگے تشریف لے گئے ہیں، ایک روایت کے مطابق یہ درخت چھٹے آسمان پر ہے، لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ ساتویں آسمان پر ہے، ان دونوں روایتوں میں یوں مطابقت بیان کی جاسکتی ہے کہ اس درخت کی جڑ تو چھٹے آسمان پر اور شاخیں ساتویں آسمان پر ہوں گی۔

”اس درخت پر سونے کے پروانے ہوں گے“ اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں:

(۱) اس درخت پر جو نورانی فرشتے کثیر تعداد میں ہیں، ان کے پر اس طرح چمکتے ہیں، جیسے اس کی شاخوں پر سونے کے پروانے اڑ رہے ہوں۔

(۲) یا یہ کہ اس درخت سے جو انوار و برکات اٹھتے ہیں، اور شاخوں سے جو ایک خاص قسم کی روشنی پھوٹی رہتی ہے، اسے ”سونے کے پروانوں“ سے تعبیر کیا۔

اور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ”سونے کے پروانے“ اس پر ہوں گے، دراصل اس آیت ”اذ یغشی السدرة ما یغشی“ کی تفسیر ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ طَيْرِ الْجَنَّةِ

یہ باب جنت کے پرندوں کے بیان میں ہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ: مَا الْكَوْثَرُ؟ قَالَ: ذَاكَ نَهْرٌ أَغْطَاهُ اللَّهُ بَغْيِي فِي الْجَنَّةِ، أَشَدُّ بَيَاضاً مِنَ اللَّبَنِ وَأَخْلَى مِنَ الْعَسَلِ، فِيهِ طَيْرٌ، أَغْنَاهَا كَأَعْنَاقِ الْجُزْرِ. قَالَ عُمَرُ: إِنَّ هَذِهِ لَنَا عِمَّةٌ لِقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَكَلْتَهَا أَلْغَمَ مِنْهَا.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کوثر کیا چیز ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایک دریا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے، راوی کہتے ہیں یعنی جنت میں (میرے لئے مخصوص ہے) اس دریا کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے، اس دریا میں ایسے پرندے ہیں، جن کی گردنیں اونٹ کی گردنوں کی طرح لمبی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ وہ پرندے تو بہت موٹے اور خوشحال ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان پرندوں کو کھانے والے (یعنی جنتی لوگ) ان پرندوں سے بھی زیادہ توانا، اور خوشحال ہوں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- (الکوثر: (۱) بڑی بھلائی، خیر کثیر وہ تمام نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو دنیا میں عطا فرمائیں اور جو آخرت میں عطا کی جائیں گی۔ ۲۔ جنت کے ایک دریا کا نام جس کی خاک خالص مشک کی ہوگی، اور جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں اور میٹھا ہوگا۔ اُحلی: زیادہ شیریں اور میٹھا۔ اعناق: عنق کی جمع ہے: گردنیں۔ جزر: (جیم اور ز پر پیش کے ساتھ) جزور کی جمع ہے: وہ اونٹ جو خر اور زح کے لئے تیار ہو۔ ان ہذہ: بے شک یہ یعنی طیر (پرندے)۔ ناعمة: موٹے اور خوشحال پرندے۔ اکلہا: ان پرندوں کو کھانے والے جنتی لوگ، اس لفظ کو دو طرح پڑھا جاسکتا ہے، اگرچہ ترجمہ دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ ۱۔ ہمزے، کاف اور لام تینوں پر زبر کے ساتھ پڑھا جائے، اس صورت میں یہ اکل (صیغہ اسم فاعل) کی جمع ہوگا، جیسے طلبہ، طالب کی جمع ہے۔ ۲۔ ہمزے پر مد اور کاف کے نیچے زیر ہو، اس صورت میں یہ واحد مؤنث اسم فاعل کا صیغہ ہوگا، معنی ہوں گے: کھانے والی جماعت، کیونکہ عربی زبان میں صیغہ واحد مؤنث جماعت کے معنی کے لئے استعمال ہوتا رہتا ہے۔ انعم: (اسم تفضیل کا صیغہ ہے) زیادہ توانا، ناز و نعمت میں پروردہ اور زیادہ خوشحال۔

حوض کوثر میں جنت کے پرندے

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز جبکہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں ہمارے درمیان تشریف فرما تھے، اچانک آپ پر ایک قسم کی نیند یا بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہوئی، پھر تمہم فرماتے ہوئے آپ نے سرمہ مبارک اٹھایا، ہم نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ

اس وقت آپ کے مسکرانے کا سبب کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر اس وقت ایک سورت نازل ہوئی، پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ کے ساتھ سورۃ کوثر پڑھی، پھر فرمایا تم جانتے ہو: کوثر کیا چیز ہے؟ ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک جنت کا دریا ہے، جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے، جس میں خیر کثیر ہے اور یہ وہ حوض ہے جس پر میری امت قیامت کے دن پانی پینے کے لئے آئے گی، اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد میں ہوں گے، اس وقت بعض لوگوں کو فرشتے حوض سے ہٹا دیں گے، میں کہوں گا کہ میرے پروردگار یہ تو میری امت کے لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئی باتیں ایجاد کر لی تھیں۔

اور بعض روایات میں ہے کہ اصل نہر کوثر جنت میں ہے اور یہ حوض کوثر میدان حشر میں ہوگا، اس میں دو پر تالوں کے ذریعہ نہر کوثر کا پانی ڈالا جائے گا، چونکہ اس نہر کا اکثر حصہ جنت میں ہے، اس لئے حدیث باب میں راوی نے ”فی الجنة“ یعنی جنت میں ہے، کہہ کر تفسیر کی ہے۔ (۱)

”کاعناق الجوز“ سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ وہ پرندے جو حوض کوثر میں ہوں گے، بخرو ذبح کے لئے بالکل تیار ملیں گے، تاکہ حوض کوثر سے سیراب ہونے والے ان کا گوشت کھا سکیں، کیونکہ لفظ ”جوز“ ایسے اونٹ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جو بخرو ذبح کے لئے تیار ہو۔ (۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ: پھر تو وہ پرندے بڑے سخت مند، موٹے اور خوشحال ہوں گے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انہیں کھانے والے ان سے کہیں زیادہ آسودہ، توانا اور خوشحال ہوں گے، کیونکہ انہیں تو اہل جنت کے استلا اذ اور لطف اندوزی کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے، (۳)

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ خَيْلِ الْجَنَّةِ

یہ باب جنت کے گھوڑوں کے بیان میں ہے

عَنْ بَرْزَنْدَةَ: أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: هَلْ فِي الْجَنَّةِ مِنْ خَيْلٍ؟ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ أَذْخَلَكَ الْجَنَّةَ فَلَا تَشَاءُ أَنْ تُحْمَلَ فِيهَا عَلَى فَرَسٍ مِنْ يَأْفُوتِ حَمْرَاءَ قَطِيزٍ يَكُ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْتَ إِلَّا فَعَلْتَ. قَالَ وَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ: هَلْ فِي الْجَنَّةِ مِنْ إِبِلٍ؟ قَالَ: فَلَمْ يَقُلْ لَهُ: مَا قَالَ لِصَاحِبِهِ فَقَالَ: إِنَّ بَدْخَلَكَ اللَّهُ الْجَنَّةَ يَكُنْ لَكَ فِيهَا مَا اشْتَهَتْ نَفْسُكَ وَلَذَّتْ عَيْنُكَ۔

(۱) تفسیر ابن کثیر ۵۵۲/۶ سورۃ الکوثر، معارف القرآن ۸۲۹/۸، تحفۃ الاحوذی ۲۱۱/۷

(۲) مرقۃ اللغاتیح ۳۰۶/۱۰ کتاب احوال القیامۃ، باب صفۃ الجنة

(۳) تحفۃ الاحوذی ۲۱۲/۷

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا جنت میں گھوڑے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر اللہ نے تمہیں جنت میں داخل کیا تو تم جب چاہو گے ایسے گھوڑے پر سوار کئے جاؤ گے، جو سرخ یا قوت کا ہوگا، وہ تمہیں لے کر جنت میں جہاں چاہو گے، اڑتا پھرے گا، راوی کہتے ہیں کہ پھر ایک اور شخص نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ: کیا جنت میں اونٹ ہیں؟ راوی کہتے ہیں کہ آپ نے اسے پہلے صاحب کی طرح جواب نہیں دیا، بلکہ فرمایا: کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنت میں داخل کیا تو تمہارے لئے جنت میں ہر وہ چیز ہوگی، جسے تمہارا نفس چاہے گا اور جس سے تمہاری آنکھیں لطف اندوز ہوں گی۔

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ ﷺ أَغْرَابِيٌّ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: إِنِّي أُحِبُّ الْخَيْلَ، أَمْ فِي الْجَنَّةِ خَيْلٌ؟ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنْ أَذْخَلْتُ الْجَنَّةَ أَتَيْتَ بِفَرَسٍ مِنْ يَأْفُوتُهُ لَهُ جَنَاحَانِ، فَحَمَلَتْ عَلَيْهِ، ثُمَّ طَارَ بِكَ حَيْثُ شِئْتَ۔

حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ: میں گھوڑے پسند کرتا ہوں، تو کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہیں جنت میں داخل کیا گیا، تو تمہیں یا قوت کا ایسا گھوڑا دیا جائے گا، جس کے دو پر ہوں گے، تمہیں اس پر سوار کیا جائے گا، پھر وہ تمہیں لے کر اڑے گا، جہاں تم چاہو گے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ خیل: گھوڑے (اس لفظ سے اس کا واحد نہیں)۔ تطیر بک: وہ تمہیں لے کر اڑے گا۔ ما اشتهت نفسک: جو کچھ تمہارا نفس چاہے گا، پسند کرے گا۔ ولذت عینک: اور جس سے تمہاری آنکھیں لذت حاصل کریں گی، لطف اندوز ہوں گی۔ أتیت بفرس: (میثہ مجہول) تمہارے لئے گھوڑا لایا جائے گا، دیا جائے گا۔ له جناحان: اس گھوڑے کے دو پر ہوں گے (جس سے وہ اڑے گا)۔ فحملت عليه: تمہیں اس پر سوار کیا جائے گا۔ الافعلت: یہ لفظ معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے، معروف کی صورت میں ترجمہ ہوگا: مگر یہ کہ تو کرے گا، یعنی تو اپنی خواہش میں کامیاب ہوگا اور مجہول کی صورت میں ترجمہ ہوگا: مگر یہ کہ تو کیا جائے گا یعنی تجھے تیرا مقصد عطا کر دیا جائے گا اور بعض روایات میں الافعلت تائید تائیت کے ساتھ منقول ہے، اسکی ضمیر فرس کی طرف لوٹے گی، اس صورت میں ترجمہ ہوگا: مگر یہ کہ وہ گھوڑا تمہیں اٹھالے گا، سوار کر لے گا، اور عربی میں لفظ فرس مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، یہ ذہن میں رہے کہ ترمذی کے بعض نسخوں میں الافعلت کے الفاظ نہیں ہیں۔

کیا جنت میں گھوڑے اور اونٹ ہوں گے

جنت میں اہل جنت کی ہر خواہش پوری ہوگی، اس پر سوال ہوا کہ کیا وہاں گھوڑے اور اونٹ بھی ہوں گے؟ آپ ﷺ نے سائل صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا: اگر تم لوگ جنت میں داخل ہو گئے تو جب تم چاہو گے، تمہاری اس خواہش کو یوں پورا کیا

- جائے گا، کہ سرخ یا قوت کا گھوڑا تمہیں دیا جائے گا، جس کے دو پر ہوں گے، تم جہاں چاہو گے، وہ اڑا کر لے جائے گا۔
- نبی کریم ﷺ نے جو جواب ارشاد فرمایا کہ تمہیں جنت میں گھوڑے اور اونٹ ملیں گے، اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:
- (۱) اگر تم جنت میں داخل ہو گئے تو جیسے تم چاہو گے تمہاری ہر خواہش کو پورا کیا جائے گا، اگر تم چاہو گے کہ دنیا کے گھوڑے اور اونٹوں کی طرح تمہارے لئے یہ ہوں، تو ویسے ہی وہ جانور تمہارے لئے مہیا کر دیئے جائیں گے۔
- (۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ جنت میں تمہارے لئے ایسی ایسی سواریاں ہوں گی کہ تم دنیا کے گھوڑے اور اونٹ سے بے نیاز ہو جاؤ گے، وہاں سرخ یا قوت کے ایسے گھوڑے ہوں گے، جن کے دو پر ہوں گے، جس سے وہ اڑ کر ادھر ادھر جائیں گے، اس لئے جب تمہیں جنت میں گھوڑے یا اونٹ کی خواہش ہوگی، تو وہاں دنیا کے ان جانوروں سے کہیں زیادہ خوبصورت جانور تمہیں دیدیئے جائیں گے، جو وہ تمہیں اڑا کر جہاں تم چاہو گے، لے جائیں گے، علامہ طبری نے اس دوسرے مطلب کو زیادہ بہتر قرار دیا ہے، کیونکہ اس کی تائید "لہ جذا حان" کے لفظ سے بھی ہوتی ہے کہ اس کے دو پر ہوں گے، جبکہ دنیا کے جانوروں کے تو کوئی پر نہیں ہوتے، ان احادیث سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اہل جنت کی ہر خواہش کو پورا کیا جائے گا۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي سِنِّ أَهْلِ الْجَنَّةِ

یہ باب جنتیوں کی عمر کے بارے میں ہے

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ جَزْدًا مُزْدًا مَكَحْلِينَ أَبْنَاءَ ثَلَاثِينَ أَوْ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِينَ مَسْنَدًا.

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل جنت اس طرح جنت میں داخل ہوں گے کہ ان کا بدن بالوں سے صاف ہوگا، داڑھی اور مونچھیں نہیں ہوں گی، ان کی آنکھیں سرگیں ہوں گی، وہ تیس یا پچیس برس (کی عمر) کے ہوں گے۔

اہل جنت کی عمر

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل جنت کی عمر تیس برس کی ہوگی، اس حدیث میں تیس یا پچیس سال شک کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں، اس میں راوی کو شک ہو گیا ہے، ورنہ ایک دوسری روایت میں جزم کے ساتھ تیس سال کا ہی ذکر ہے، اس حدیث سے متعلق باقی امور کی تفصیل باب ما جاء في ثياب أهل الجنة کے تحت گزر چکی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَيْفِ صَفِّ أَهْلِ الْجَنَّةِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ اہل جنت کی کتنی صفیں ہوں گی

عَنْ بَرْزِيذَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَهْلُ الْجَنَّةِ عَشْرُونَ وَمِائَةً صَفًّا، تَعْمَلُونَ مِنْهَا مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَأَرْبَعُونَ مِنْ سَائِرِ الْأُمَمِ۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی، جن میں سے اسی صفیں اس امت کی اور چالیس صفیں باقی تمام امتوں کی ہوں گی۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي قُبَّةٍ نَحْنُ أَوْ مِنْ أَرْبَعِينَ، فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا رِيعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ إِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَدْخُلُهَا إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ، مَا أَتَيْتُمْ فِي الشِّرْكِ إِلَّا كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ، أَوْ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَحْمَرِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم تقریباً چالیس آدمی (ایک موقع پر) نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک خیمہ میں تھے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: کیا تم اس پر راضی ہو کہ اہل جنت کے چوتھائی لوگ تم ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں، فرمایا: کیا تم لوگ اس پر راضی ہو کہ تم اہل جنت کی ایک تہائی ہو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: جی ہاں، فرمایا: کیا تم لوگ اس بات پر راضی ہو کہ آدھے جنتی تم لوگ ہو؟ اس لئے کہ جنت میں صرف مسلمان ہی داخل ہو سکیں گے اور تم لوگ تیرہ اد میں مشرکین کی نسبت اس طرح ہو جیسے کالے تیل کی کھال پر ایک سفید بال ہو یا سرخ تیل کی کھال پر ایک کالا بال ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی :- قبۃ: (قاف پر پیش) خیمہ۔ شطر: نصف، آدھے۔ فی الشریک: اس سے اہل شرک مراد ہیں، یعنی مشرکین کی نسبت۔ الثور الاسود: کالا تیل۔ الشعرة البیضاء: سفید بال۔ الشعرة السوداء: کالا بال۔

جنت میں امت محمدیہ کی اسی صفیں ہوں گی

باب کی پہلی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت میں امت محمدیہ کی تعداد اسی صفیں، یعنی دو تہائی ہوگی اور دوسری تمام امتوں کی چالیس صفیں یعنی ایک تہائی تعداد ہوگی، جبکہ اسی باب کی دوسری روایت میں ہے کہ اہل جنت کی آدمی تعداد اس امت کی اور آدمی تعداد دیگر امتوں کی ہوگی اور تمہاری نسبت کفار کے مقابلے میں اتنی ہے کہ جیسے سفید بال ہو، سیاہ تیل کے چڑے میں یعنی تمہاری تعداد کفار کے مقابلے میں قلیل ہوگی، تو بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض ہے؟ اس کے حل میں دو باتیں ذکر کی گئی ہیں:

(۱) شیخ عبدالحق صاحب اپنی کتاب "اشعة اللمعات" میں فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ پہلے تو نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہی امید قائم کی ہو کہ آپ کی امت کے لوگ اہل جنت کی مجموعی تعداد کا نصف حصہ ہوں، مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے اس امید کو اور بڑھا دیا ہو اور جنتیوں میں امت محمدیہ کی تعداد کو دو تہائی تک کرنے کی بشارت عطا فرمادی ہو یا یوں کہیے کہ پہلے وحی چوتھائی، تہائی اور نصف کے بارے میں آئی تھیں، بعد میں دو تہائی تعداد کی وحی آگئی، لہذا نبی کریم ﷺ نے پہلے کم تعداد ذکر فرمائی اور بعد میں دو تہائی ذکر فرمائی، اس لئے روایات میں حقیقۃً کوئی تعارض نہیں۔ (۱)

(۲) علامہ طبری نے یہ احتمال ذکر کیا ہے کہ ممکن ہے کہ امت محمدیہ کی اسی صفیں صرف صفوں کی تعداد کے اعتبار سے تو زیادہ ہوں گی، مگر افراد کی تعداد کے اعتبار سے چالیس صفوں ہی کے برابر ہوں گی، گویا جنت میں جتنے افراد دیگر امتوں کے چالیس صفوں میں ہوں گے، اتنے ہی لوگ اس امت کی اسی صفوں میں ہوں گے، لیکن یہ احتمال انتہائی ضعیف ہے، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ ایک سوئیں صفوں میں تمام صفیں آپس میں تساوی اور برابر ہوں گی، ان میں تعداد کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں ہوگا۔ (۲)

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ

یہ باب جنت کے دروازوں سے متعلق ہے

عن عبد اللہ بن عمرو قال: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: بَابُ أَقْبَى الَّذِي يَدْخُلُونَ مِنْهُ الْجَنَّةَ عَرْضُهُ مِائَتُ الْفَرَسِ الْمَجْرُودِ دَلِيلًا، ثُمَّ إِنَّهُمْ لَيَضْطَعُونَ عَلَيْهِ حَتَّى تَكَادَ مِنْأُكِبِهِمْ تَزُولُ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت کے جس دروازے سے میری امت کے لوگ داخل ہوں گے، اس کی چوڑائی تیز رفتار سوار کی تین سال کی مسافت کے بقدر ہوگی، پھر بھی انہیں دروازے پر (زیادہ جھوم اور رش کی وجہ سے، اتنا زیادہ) بھیچا اور دیا جائے گا کہ قریب ہے کہ ان کے کندھے اتر جائیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:- عَرْضُهُ: (یعنی پرزہ اور را کے سکون کے ساتھ) اس کی چوڑائی۔ مِائَةُ: مسافت۔ الْمَجْرُودُ: تیز رفتار شہسوار، گھوڑے کو تیز دوڑانے والا۔ لَيَضْطَعُونَ: (میضہ مجہول) وہ بھیچے اور دبائے جائیں گے۔ تَكَادُ: قریب ہے کہ۔ مِنْأُكِبِهِمْ: ان کے کندھے، مونڈھے۔ تَزُولُ: زائل ہو جائیں، منقطع ہو جائیں، اتر جائیں۔

امت محمدیہ کے لئے جنت کے دروازے کی وسعت و کشادگی

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس دروازے کی وسعت و کشادگی کو بیان فرمایا، جس سے یہ امت جنت میں داخل ہو

(۱) حاشیہ جامع ترمذی ۸۱/۲

(۲) شرح الطبری ۲۵۴/۱۰ کتاب احوال القیامۃ، باب صفة الجنة، مرقاة ۶۰۶/۹، تحفة الاحوذی ۲۱۶/۷

گی، چنانچہ اس دروازے کی چوڑائی تیز رفتار شہسوار کی تین سال کی مسافت کے بقدر ہوگی، لیکن اس قدر ہجوم، رش اور زیادہ تعداد ہو گی کہ اس قدر وسیع دروازے کے باوجود امت محمدیہ کے لوگ اس دروازے سے داخل ہوتے وقت تنگی محسوس کریں گے، انہیں بھیچا اور دبایا جائیگا، اس کشاکش میں قریب ہے کہ ان کے کندھے اتر جائیں، ٹوٹ جائیں،

”تین سال کی مسافت کے بقدر“ سے کیا مراد ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے چار قول ہیں:

- (۱) اس سے تین دن اور تین رات کی مسافت مراد ہے۔
- (۲) اس سے تین سال کی مسافت مراد ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے، کیونکہ اس میں زیادہ مبالغہ ہے اور اس تین سال سے بھی ”کثرت“ مراد ہے، تاکہ حدیث باب اس روایت کے معارض و مخالف نہ ہو، جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جنت کے دروازوں میں سے ہر دروازے کی دونوں کواڑوں کے درمیان چالیس سال کی مسافت کے بقدر فاصلہ ہے۔
- (۳) اور اگر تین سال سے اس کے حقیقی معنی یعنی تین سال ہی مراد ہوں، کثرت مراد نہ لی جائے تو پھر یوں کہا جاسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو پہلے بذریعہ وحی اس دروازے کی چوڑائی کم بتائی گئی، جس کو آپ نے تین سال کی مسافت کے فاصلہ سے ذکر فرمایا، پھر آپ کو زیادہ چوڑائی بتائی گئی، تو آپ نے اسے چالیس سال کی مسافت کے بقدر فاصلہ سے تعبیر فرمایا ہے۔
- (۴) یہ بھی ممکن ہے کہ ان دونوں روایتوں کو مختلف لوگوں کے اعتبار سے دروازوں کے اختلاف پر محمول کیا جائے کہ بعض دروازوں کی وسعت بعض لوگوں کے اعتبار سے زیادہ ہوگی اور بعض کے اعتبار سے بعض دروازوں کی چوڑائی کم ہوگی۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي سُوقِ الْجَنَّةِ

یہ باب جنت کے بازار سے متعلق ہے

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّهُ لَقِيَ أَبَا هُرَيْرَةَ، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَسْأَلُ اللَّهَ أَنْ يَجْمَعَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ فِي سُوقِ الْجَنَّةِ، فَقَالَ سَعِيدٌ: أَوَيْهَا سُوقٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، أَخْبَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ إِذَا دَخَلُوا هَازِلُوا فِيهَا بِفَضْلِ أَعْمَالِهِمْ، ثُمَّ يُؤْذَنُ فِي مَقْدَارِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ مِنْ أَيَّامِ الدُّنْيَا فَيُزَوِّونَ رُفُفَهُمْ وَيُزَوِّونَ رُفُفَهُمْ عَزَّ وَجَلَّ وَيُجَبِّدُونَ لَهُمْ فِي رَوْضَةٍ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، فَتُوضَعُ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُورٍ، وَمَنَابِرُ مِنْ لُؤْلُؤٍ، وَمَنَابِرُ مِنْ يَاقُوتٍ، وَمَنَابِرُ مِنْ زَبَرْجَدٍ، وَمَنَابِرُ مِنْ ذَهَبٍ، وَمَنَابِرُ مِنْ لُصَّةٍ وَيَجْلِسُ أَذْنَاهُمْ وَمَا فِيهِمْ مِنْ دَنِيٍّ، عَلَى كُثْبَانِ الْمَسْكِبِ وَالْكَافُورِ، مَا يَرَوْنَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَرَّاسِيِّ بِالْفَضْلِ مِنْهُمْ مَجْلِسًا۔ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ: وَهَلْ تَرَى رَبَّنَا؟ قَالَ: نَعَمْ، هَلْ تَعْمَارُونَ فِي رُؤْيَا الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ؟ قُلْنَا: لَا، قَالَ: كَذَلِكَ لَا تَعْمَارُونَ فِي رُؤْيَا رَبِّكُمْ، وَلَا يَبْقَى فِي ذَلِكَ الْمَجْلِسِ رَجُلٌ إِلَّا خَاصَرَهُ اللَّهُ مُحَاصِرَةً، حَتَّى يَقُولَ لِلرَّجُلِ مِنْهُمْ: يَا فَلَانُ ابْنُ فَلَانٍ، أَتَذْكُرُ يَوْمَ قُلْتَ كَذَا وَكَذَا؟ فَيَذْكُرُهُ بِتَغْضِي غَضَرِ اللَّهِ فِي الدُّنْيَا، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ: أَفَلَمْ تَغْفِرْ

لین؟ فَيَقُولُ: بَلَىٰ فَبِسَعَةِ مَغْفِرَتِي بَلَغْتَ مَنَزِلَكَ هَذِهِ، فَبَيْنَا هُمْ عَلَىٰ ذَلِكَ غَشِيَتْهُمْ سَحَابَةٌ مِنْ قُورِهِمْ فَأَنْطَرَتْ عَلَيْهِمْ طِيَّالًا لَمْ يَجِدُوا مِثْلَ رِيحِهِ شَيْئًا قَطُّ، وَيَقُولُ رَبَّنَا: قُومُوا إِلَيْنَا مَا أَغْدَذْتُ لَكُمْ مِنَ الْكِرَامَةِ، فَخُذُوا مَا اسْتَهْتَبْتُمْ، فَتَأْتِي سُرُوقًا قَدْ حَقَّتْ بِهِ الْمَلَائِكَةُ فِيهِ مَا لَمْ تَنْظُرِ الْغِيُونُ إِلَىٰ مِثْلِهِ وَلَمْ تَسْمَعْ الْأَذَانُ، وَلَمْ يَخْطُرْ عَلَى الْقُلُوبِ، فَيَحْمَلُ إِلَيْنَا مَا اسْتَهْتَبْتُمْ، لَيْسَ بَيْنَاغِ فِيهَا وَلَا يَشْتَرَى، وَفِي ذَلِكَ الشُّوقِ يَلْقَى أَهْلَ الْجَنَّةِ يَغْضَبُهُمْ بَعْضًا. قَالَ: فَيَقْبِلُ الرَّجُلُ ذُو الْمَنْزِلَةِ الْمَرْقُوعَةَ، فَيَلْقَى مَنْ هُوَ ذُوْنَهُ وَمَا فِيهِمْ ذَنْبٌ، فَيَزُوْغُهُ مَا يَرَى عَلَيْهِ مِنَ اللَّبَاسِ، فَمَا يَنْقَضِي أَحَدٌ خَدَيْهِ، حَتَّى يَتَعَوَّلَ عَلَيْهِ مَا هُوَ أَحْسَنُ مِنْهُ، وَذَلِكَ أَنَّهُ لَا يَنْبُحِي لِأَحَدٍ أَنْ يَخْزَنَ فِيهَا، ثُمَّ تَنْصَرِفُ إِلَى مَنَازِلِنَا، فَتَلْقَانَا أَزْوَاجَنَا فَيَقْلُنَ، مَرْحَبًا وَأَهْلًا لَقَدْ جِئْتَ وَإِنَّ لَكَ مِنَ الْجَمَالِ أَفْضَلَ مِمَّا لَارْتَقَا عَلَيْهِ، فَيَقُولُ: إِنَّا جَالِسْنَا الْيَوْمَ رَبَّنَا الْجَبَّارِ، وَيَحْقُّ لَنَا أَنْ تَنْقَلِبَ بِمِثْلِ مَا أَلْقَيْنَا.

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن بازار میں) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ہوئی، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ (جس طرح آج ہم دونوں مدینہ کے بازار میں جمع ہیں، اسی طرح) مجھے اور آپ کو جنت کے بازار میں (بھی) اکٹھا کر دے، حضرت سعید رحمہ اللہ نے کہا کہ کیا جنت میں بازار بھی ہوگا؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں (جنت میں بازار بھی ہوگا) مجھے نبی کریم ﷺ نے بتایا کہ جب جنتی لوگ جنت میں داخل ہوں گے، تو وہ اپنے اپنے اعمال کے بقدر (جنت کی منزلوں اور درجوں میں) اتریں گے، پھر دنیاوی دنوں کے اعتبار سے جمعہ کے دن انہیں بلایا جائے گا، تاکہ وہ اپنے رب کا دیدار کر سکیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے عرش کو ان کے سامنے ظاہر کریں گے، اور اللہ جل جلالہ اہل جنت کے لئے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں ظاہر ہوں گے، جتنی فرمائیں گے (تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کا دیدار کر لیں) پھر جنتیوں کے لئے اس باغ میں نور، موتی، زمرہ، یاقوت، سونے اور چاندی کے منبر رکھے جائیں گے اور ان میں سے ادنیٰ درجہ کا جنتی، اگر چہ ان میں کوئی ذلیل و خسیس نہیں ہوگا، بھی محک اور کافور کے ٹیلوں پر ہوگا، لیکن ٹیلوں پر بیٹھنے والے لوگوں کو یہ احساس نہیں ہوگا کہ منبر اور کرسیوں پر بیٹھنے والے لوگ جگہ اور نشست گاہ کے اعتبار سے ان سے افضل ہیں (تاکہ اپنے آپ کو ادنیٰ سمجھ کر پریشان اور غمگین نہ ہوں)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم (اس دن) اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں یقیناً، کیا تم (دن میں) سورج کو اور چودھویں رات کے چاند کے دیکھنے میں کوئی شبہ رکھتے ہو؟ ہم نے عرض کیا: نہیں، آپ نے فرمایا: اسی طرح تمہیں اس دن اپنے پروردگار کو دیکھنے میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہ ہوگا اور دیدار الہی کی اس مجلس میں ایسا کوئی شخص باقی نہیں رہے گا، جس سے اللہ تعالیٰ (تمام حجاب اٹھا کر)

بالشافہ براہ راست کلام نہ کرے، یہاں تک کہ حاضرین میں سے ایک شخص سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے فلاں بن فلاں کیا تجھے وہ دن یاد ہے، جس میں تو نے اس طرح کہا تھا (یعنی اپنی زبان سے ایسے الفاظ کہے تھے یا ایسے کام کئے تھے جو شرعاً ناجائز تھے)، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کی بعض عہد شکنیاں (یعنی گناہ) اسے یاد دلائے گا، جس کا اس نے دنیا میں ارتکاب کیا ہوگا، وہ عرض کرے گا کہ اے میرے پروردگار: کیا آپ نے میرے وہ گناہ معاف نہیں کر دیئے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں کیوں نہیں (یقیناً میں نے وہ معاف کر دیئے ہیں) میری مغفرت کی وسعت کی وجہ سے ہی آج تم اس (بلند) مقام پر پہنچے ہو، اسی دوران انہیں ایک بادل اوپر سے ڈھانپ لے گا اور ان پر ایسی خوشبو برسائے گا کہ انہوں نے اس جیسی خوشبو کبھی کسی چیز میں نہیں پائی ہوگی، پھر پروردگار فرمائے گا: اٹھو اور میری اس کرامت یعنی اعزاز و اکرام کی طرف جاؤ، جو میں نے تمہارے لئے تیار کر رکھا ہے اور تم اپنی پسند و خواہش کے مطابق جو چاہو لے لو۔

پھر ہم اس بازار کی طرف آئیں گے، جسے فرشتوں نے گھیر رکھا ہوگا، اس بازار میں ایسی ایسی چیزیں ہوں گی کہ ان جیسی کوئی چیز، نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوگی، نہ کسی کان نے سنی ہوگی اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال گزرا ہوگا، پھر ہمارے (محلات) کی طرف ہر وہ چیز اٹھا اٹھا کر لائی جائے گی، جس کی ہم خواہش کریں گے، حالانکہ اس بازار میں خرید و فروخت جیسا کوئی معاملہ نہیں ہوگا (بلکہ وہ بازار تو اہل جنت کو ان کی من پسند چیزیں دیئے جانے کا مرکز ہوگا) اس بازار میں اہل جنت آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: (اس بازار میں باہمی ملاقات میں) ایک بلند مرتبہ والا شخص آئے گا اور اس جنتی سے ملاقات کرے گا جو (مرتبہ میں) اس سے کمتر ہوگا، حالانکہ اہل جنت میں کوئی بھی معمولی اور ذلیل نہیں ہوگا (گویا ذاتی اعتبار سے تو تمام جنتی بلند حیثیت کے حامل ہوں گے، تاہم اپنے اپنے اعمال کے حساب سے درجات اور مراتب میں فرق ہوگا کہ کچھ لوگ اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوں گے اور کچھ لوگ ان سے کم مرتبہ پر)، بہر حال اس کم درجہ والے کو وہ لباس شاندار معلوم ہوگا، جو اس بلند مرتبہ والے کے جسم پر ہوگا (یا بلند مرتبہ والے جنتی کو وہ لباس ناپسند آئے گا جو کم درجہ والے جنتی کے جسم پر ہوگا) ابھی اس کی بات ختم نہیں ہوگی کہ اس کے بدن پر اس کے ساتھی کے لباس سے بہتر لباس ظاہر ہو جائے گا (جس کی اس نے آرزو کی تھی، دوسرا ترجمہ: بلند مرتبہ والا شخص یہ محسوس کرے گا کہ اس کم درجہ والے جنتی کا لباس تو میرے لباس سے بھی خوبصورت ہے) اور یہ (یعنی اعلیٰ لباس کا فوراً ظاہر ہو جانا) اس لئے ہوگا کہ جنت میں کسی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اس میں غمگین ہو، پھر ہم سب اپنے گھروں کی طرف واپس ہوں گے، تو ہماری بیویاں ہمارا استقبال کریں گی، اور کہیں گی مرحبا و اھلا (خوش آمدید، تم اپنی اہل میں آئے ہو) اور ہر ایک اپنے مرد سے کہے گی کہ تم اس حال میں واپس آئے ہو کہ اس وقت تمہارا حسن و جمال، اس حسن و جمال سے کہیں زیادہ ہے، جو ہمارے پاس سے جدا ہوتے وقت، یعنی

جاتے وقت تم میں تھا، تو ہم میں سے ہر ایک یہ کہے گا کہ آج ہم نے اپنے پروردگار کے ساتھ بیٹھنے کا شرف حاصل کیا ہے، جو زبردست ہے، اور ہمارے لئے یہی مناسب ہے کہ ہم اسی حسن و جمال کے ساتھ لوٹیں، جس کے ساتھ کہ ہم لوٹے ہیں۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَسَوْفًا، مَا فِيهَا شَيْءٌ وَلَا يَبِيعُ إِلَّا الصُّورُ مِنَ الْوُجَاهِ وَالنِّسَاءِ، فَإِذَا اشْتَهَى الرَّجُلُ صُورَةً دَخَلَ فِيهَا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک جنت میں ایک بازار ہے، جس میں خرید و فروخت نہیں ہوگی، بلکہ وہاں مردوں اور عورتوں کی (طرح طرح کی حسین و جمیل) تصویریں ہوں گی، جو شخص (خواہ وہ مرد ہو یا عورت) وہاں جس شکل کو پسند کرے گا، تو وہ اس میں داخل ہو جائے گا (یعنی وہ صورت اس کی ہو جائے گی)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ بفضل اعمالہم: اپنے اعمال کی زیادتی کے بقدر۔ یوذن: (میغہ مجہول) انہیں پکارا دیا جائے گا۔ یورز: اللہ تعالیٰ ظاہر کرے گا۔ یبدی لہم: اللہ جل جلالہ ان کے سامنے ظاہر ہوں گے، تجلی فرمائیں گے۔ مناہو مرتفعۃ: بلند منبر، اونچی اونچی کرسیاں۔ دنی: گھنٹیا، حقیر و ذلیل۔ کعبان: (کاف پر پیش اور ٹا کے سکون کے سکون) کھدیب کی جمع ہے: ٹیلے۔ ہل تسمارون: کیا تم شک کرتے ہو، حاضرہ اللہ: اللہ تعالیٰ اس سے براہ راست بغیر کسی حجاب اور ترجمان کے، کلام کرے گا۔ غدراتہ: غدرۃ کی جمع ہے: دوکھا، یہاں معاصی اور گناہ مراد ہیں۔ غشیہم: ان پر چھا جائے گا، ڈھانپ لے گا۔ امطرت: بادل ان پر برسائے گا۔ ما اعددت: جو کچھ میں نے تیار کیا۔ کرامۃ: کرامت و فضیلت، اعزاز و اکرام، انعامات۔ حفت: اس کو گھیر رکھا ہوگا۔ ولم یخطر: نہیں کھٹکے گا۔ یحمل الینا: ہمارے محلات کی طرف اٹھا اٹھا کر لایا جائے گا۔ یقبل: (یا پر پیش اور قاف کے سکون کے ساتھ) آئے گا، متوجہ ہوگا۔ یلقى: ملاقات کرے گا، دیکھے گا۔ ذو المنزلة الرفیعة: اونچے مرتبہ والا جنتی۔ فیرو عہ: چنانچہ کم مرتبہ والے جنتی کو وہ لباس شاندار اور خوبصورت لگے گا یا بلند مرتبہ والے کو وہ لباس ناپسند آئے گا۔ ما ینقص: نہیں ختم ہوگی۔ یتعیل علیہ: ظاہر ہوگا۔ علیہ من الباس: اس میں ”علیہ“ کی ضمیر کے مرجع کے بارے میں دو احتمال ہیں: ۱۔ اس کا مرجع ”من محدود“ ہو یعنی کم مرتبہ والے جنتی کو وہ لباس عمدہ اور شاندار معلوم ہوگا، جو اعلیٰ درجہ والے جنتی کے جسم پر ہوگا۔ ۲۔ اس کا مرجع ”اعلیٰ درجہ والا جنتی ہو“ تو اب اس کے معنی یہ ہوں گے کہ بلند مرتبہ والے جنتی کو کم درجہ والے جنتی کا لباس ناپسند اور برا لگے گا (لیکن ابھی ان کی گفتگو ختم نہیں ہوئی کہ وہ کم درجہ والے جنتی کو یہ محسوس ہوگا کہ اس کے جسم پر خوبصورت لباس ہے، کیونکہ جنت میں کوئی شخص کسی بھی طرح غمگین اور پریشان نہیں ہوگا)۔ ان یحزن فیہا: یہ کہ وہ جنت میں غمگین اور پریشان ہو۔ تعلقنا: ہمارا استقبال کریں گی، یحق لنا: ہمارے لئے یہی مناسب ہے کہ۔ ننقلب: ہم تبدیل ہو جائیں۔ دخل فیہا: وہ اس صورت میں داخل ہو جاتا ہے، یعنی اس کی شکل و صورت اسی طرح ہو جائے گی، جس طرح کی شکل و صورت وہ پسند کرے گا۔

جنت کا بازار

اہل جنت اپنے اپنے اعمال کے بقدر جنت کے مختلف درجات میں ہوں گے، ہر جمعہ کو نداء ہوگی کہ فلاں باغ میں جمع ہو جاؤ، رب کریم تمہیں اپنا دیدار کرانا چاہتا ہے، اور جنت میں چونکہ شب و روز کی گردش اور نہ دنیا کی طرح لیل و نہار ہوں گے، اس لئے ”دنیاوی جمعہ کا دن“ سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک جو وقت ہے، اس کا لحاظ کر کے اس دن کو جمعہ کا دن قرار دیا جائے گا، دنیا میں مسلمان اس دن نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے حاضر ہوتے، اب جنت میں ہر جمعہ کو اپنے محلات سے نکل کر اپنے پروردگار کی زیارت کیا کریں گے، مختلف قسم کی عالی شان کرسیوں پر یہ لوگ دیدار کے لئے جلوہ افروز ہوں گے، اور براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوں گے۔

اور فرمایا کہ ادنیٰ درجہ کے جنتی بھی مشک اور کافور کے ٹیلوں پر ہوں گے، اس ادنیٰ سے ذلیل و حقیر کے معنی مراد نہیں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو جنتی درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے کمتر ہوگا، کیونکہ جنت میں ذاتی شخصیت کی حد تک ہر جنتی یکساں درجہ کا ہوگا، کوئی کسی کے مقابلے پر ذلیل و حقیر نہیں ہوگا، صرف حیثیت اور مرتبہ کا فرق ہوگا کہ بعض حضرات اپنے زیادہ نیک اعمال کی وجہ سے اعلیٰ درجات اور زیادہ مراتب کے حامل ہوں گے اور کچھ لوگ ان کی بنسبت کم درجہ اور کم مرتبہ پر ہوں گے۔

اور جو لوگ ٹیلوں پر بیٹھے ہوں گے، وہ کرسیوں اور منبروں پر بیٹھنے والوں کو دیکھ کر احساس کمتری کا شکار نہیں ہوں گے، کیونکہ جنت میں ہر شخص اپنے مرتبہ اور اپنی حیثیت پر صابر و شاکر ہوگا، جو لوگ کم درجہ کے ہوں گے، وہ یہ جاننے کے باوجود کہ ہم کم درجہ کے ہیں اور ہمارے مقابلے میں فلاں لوگ برتر درجہ کے ہیں، اپنے طور پر پوری طرح مطمئن ہوں گے، نہ وہ بلند مرتبہ کی آرزو کریں گے، نہ انہیں بلند مرتبہ کی محرومی کا احساس اور غم ہوگا اور نہ انہیں اس پر کسی طرح کی شرمندگی ہوگی۔

جنت میں ایک بازار ہوگا، جسے فرشتوں نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہوگا، اس میں طرح طرح کے اعزاز و اکرام اور اہل جنت کے لئے انعامات ہوں گے، اس بازار میں کوئی خرید و فروخت نہیں ہوگی، بلکہ وہ بازار دراصل حسن و جمال سے مزین ہونے اور خوبصورت سے خوبصورت شکل و صورت میں تبدیل ہونے کا ایک مرکز ہوگا، وہاں ہر طرف ایک سے ایک حسین و جمیل صورت ہوگی اور اہل جنت میں سے جو شخص خواہ وہ مرد ہو یا عورت، ان صورتوں میں سے جسے پسند کرے گا، اسی طرح کا ہو جائے گا، چنانچہ شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ فاذا اشتہی الرجل صورة دخل فیہا میں دونوں معنی کا احتمال ہے:

(۱) ان کے سامنے خوبصورت تصویریں ہوں گی، ہر شخص جس شکل و صورت کو چاہے گا، اللہ تعالیٰ اسی شکل و صورت میں اسے تبدیل کر دیں گے۔

(۲) یہ بھی ممکن ہے کہ ”صورۃ“ سے زیب و زینت مراد ہو، مطلب یہ ہے کہ ہر جنتی اس بازار میں مختلف قسم کے زیورات،

پوشاک اور تاج وغیرہ سے مزین ہوگا، گویا وہ زیب و زینت کا ایک بازار ہوگا۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي رُؤْيَا الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا ذکر ہے، جو رب کہ بلند و برتر ہے۔

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَتَنَظَّرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ: إِنَّكُمْ مَشْغُورُونَ عَلَى رَبِّكُمْ، فَتَرَوْهُ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ، لَا تَضَافُونَ فِي رُؤْيَاهُ، لَئِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تَغْلَبُوا عَلَى صَلَاةِ قَبْلِ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَصَلَاةِ قَبْلِ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا، ثُمَّ قُورَأَ: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ۔

حضرت جریر بن عبد اللہ بجلویؓ کہتے ہیں کہ ہم (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا: بیشک تم لوگ اپنے پروردگار کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور تم اللہ تعالیٰ کو اسی طرح دیکھو گے، جس طرح کہ اس چاند کو دیکھ رہے ہو، دیدار الہی میں تم پر کسی قسم کا کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا (یعنی تمہیں کوئی رکاوٹ اور پریشانی نہیں ہوگی) اگر اس بات کی طاقت رکھتے ہو کہ تم اس نماز پر مغلوب نہ ہو، جو طلوع آفتاب سے پہلے ہے اور اس نماز پر جو غروب آفتاب سے پہلے ہے، تو ایسا کر لو (یعنی نماز فجر اور عصر کو اہتمام سے پڑھو) پھر آپ ﷺ نے یا حضرت جریرؓ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ (تو اپنے رب کی حمد کی تسبیح کر، طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے)

عَنْ صُهَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَيْ قَوْلُهُ: [لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ] قَالَ: إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، نَادَىٰ مُنَادٌ: إِنَّ لَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ مَوْعِدًا، قَالُوا: أَلَمْ يَبْعَثْ وَجُوهَنَا وَيَنْتَجِمَنَا مِنَ النَّارِ وَيَذْخُلْنَا الْجَنَّةَ؟ قَالُوا بَلَىٰ، فَيُكْشَفُ الْحِجَابُ، قَالَ: قَوْلُ اللَّهِ مَا أَغْطَاهُمْ فَنَبِئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَيْهِ۔

حضرت صہیب سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ" کی تفسیر میں فرمایا کہ جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے، تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ تمہارے لئے اللہ کے پاس ایک (چیز کا) وعدہ ہے (جو تمہیں مل کر رہے گی) وہ کہیں گے کہ کیا اس نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا اور ہمیں جہنم کی آگ سے نجات نہیں دی اور ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا (تو اب ہمیں مزید کس چیز کی ضرورت ہے؟) تو پکارنے والے کہیں گے: جی ہاں کیوں نہیں، پھر پردہ ہٹا دیا جائے گا، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم: انہیں اللہ جل شانہ نے ایسی کوئی چیز عطا نہیں کی، جو انہیں اللہ کی طرف دیکھنے سے زیادہ پسندیدہ ہو۔

عن ابن عمر یقول: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةٌ لَمَنْ يَنْظُرُ إِلَى جَنَابِهِ وَرُؤُوسِهِ وَنَعِيمِهِ وَخُدَمِهِ وَسُورِهِ مَسِيرَةً أَلْفَ سَنَةٍ، وَأَكْثَرُ مَهْمٍ عَلَى اللَّهِ مَنْ يَنْظُرُ إِلَى وَجْهِهِ غُدُوءَةً وَعَشِيَّةً، ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ذُخْرَةٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاطِرَةٌ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک ادنیٰ درجہ کا جنتی بھی اپنے باغات، اپنی بیویوں، نعمتوں، خدمت گاروں اور اپنی تخت و کرسی کو ایک ہزار برس کی مسافت کے بقدر رقبہ میں پھیلا ہوا دیکھے گا، اور اللہ کے نزدیک ان میں سب سے زیادہ محترم و مکرم وہ شخص ہوگا، جو صبح و شام اللہ کے چہرے کو دیکھے گا، پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی وجوہ یومئذ ناضرة، إلى ربها ناظرة (اس روز بہت سے چہرے تر و تازہ ہوں گے، اپنے پروردگار کو دیکھیں گے)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: تَضَامُونَ فِي رُؤْيَا الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبُذْرِ؟ تَضَامُونَ فِي رُؤْيَا الشَّمْسِ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَإِنَّكُمْ سَتَرُونَ رَبَّكُمْ، كَمَا تَرُونَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبُذْرِ، لَا تَضَامُونَ فِي رُؤْيَا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں تم پر کوئی ظلم و زیادتی کی جاتی ہے؟ کیا سورج دیکھنے میں تم پر زیادتی کی جاتی ہے؟ (یعنی کوئی مزاحمت اور رکاوٹ کی جاتی ہے) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: نہیں، فرمایا، عنقریب تم لوگ اپنے پروردگار کو اسی طرح (براہ راست) دیکھ سکو گے، جس طرح کہ چودھویں کا چاند دیکھتے ہو، اللہ کے دیدار میں تم پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں ہوگی (یعنی تمہیں کوئی پریشانی اور دشواری نہیں ہوگی)

مشکل الفاظ کے معنی:- جلوس:- (جیم پر پیش) جالس کی جمع ہے: ہم نشین، ساتھ بیٹھنے والے۔ مستعوضون:- (صینہ مجہول) عنقریب تم پیش کئے جاؤ گے۔ لا تضامون:- اس لفظ کو دو طرح پڑھا گیا ہے۔ ۱۔ (تا پر پیش اور میم کی تخفیف کے ساتھ) یہ "ضمیمہ" سے مشتق ہے، جس کے معنی ظلم و زیادتی کرنے کے ہیں: تم پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا، مطلب یہ ہے کہ رب کائنات کے دیدار میں تم پر ظلم نہیں ہوگا کہ کچھ لوگ تو دیکھ لیں اور کچھ محروم رہیں یا یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے دیدار میں آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہیں کرو گے کہ ایک دوسرے کے دیکھنے کا انکار کرنے لگو اور کسی کو جھٹلاؤ، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ زیادہ تر اس لفظ کو یوں ہی پڑھا گیا ہے۔ ۲۔ لا تضامون (تا پر زبر اور میم کی تشدید کے ساتھ) اس صورت میں یہ "نضام" سے ہوگا، جس کے معنی ہیں: ایک دوسرے کو دھکیلنا، دباننا، یا تنگی میں ڈالنا، ایک دوسرے سے ٹکرانا، آپس میں ایک دوسرے سے ملنا، اب مطلب یہ ہوگا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے لئے آپس میں مزاحمت اور ایک دوسرے کو دھکیلنے کی نوبت نہیں آئے گی، بلکہ ہر شخص نہایت امن و سکون اور اطمینان کے ساتھ اپنی نشست پر بیٹھ کر دیدار الہی سے لطف اندوز ہوگا، کسی بھی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ ان لا تغلبوا:- (یہ مجہول کا لفظ ہے) یہ کہ تم مغلوب نہ ہو یعنی ان دو نمازوں کا ضرور اہتمام کرو۔ موعدا:- وعدہ، جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہو۔ الم یبیض:-

کیا اس نے سفید نہیں کیا۔ جنان: (جیم کے نیچے زیر) جنہ کی جمع ہے: باغات۔ نعیم: نعمتیں۔ خدم: (خا اور دال پر زبر کے ساتھ) خادم کی جمع ہے: خدمت گار۔ مسود: (سین اور را پر پیش) سریر کی جمع ہے: تخت، چارپائی۔ مسیرۃ الف سنۃ: ایک ہزار سال کی مسافت کے بقدر فاصلہ۔ ناظرۃ: تروتازہ۔

آخرت میں ہر مؤمن کو اللہ کا دیدار ہوگا

جمہور اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں تو اللہ تعالیٰ کی زیارت اور اس کا دیدار نہیں ہو سکتا، یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ درخواست کی کہ ”رب ارنی“ (اے میرے پروردگار: مجھے اپنی زیارت کرا دیجئے) تو جواب میں ارشاد ہوا ”لن توالی“ آپ ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے البتہ آخرت میں اہل ایمان کو اللہ جل شانہ کی زیارت ہوا کرے گی، چنانچہ اس کا ثبوت صحیح اور متواتر احادیث سے ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں بھی چند روایات ذکر فرمائی ہیں، اور قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وجوه یومئذ ناظرون الی ربہا ناظرون (قیامت کے روز بہت سے چہرے تروتازہ، ہشاش بشاش ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے)

البتہ کا فردوں کو سزا کے طور پر آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کلا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون (کفار اس روز اپنے رب کی زیارت سے محروم ہوں گے) (مطففین: ۱۵)

سوال یہ ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت ”لا تدرو کہ الا بصار“ (انعام: ۱۰۳) (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ کا دیدار ہو ہی نہیں سکتا، تو آخرت میں کیسے ہوگا؟ اس کے جواب میں دو باتیں پیش نظر رہیں۔

۱۔ یقینی دنیا کے اعتبار سے ہے کہ اس دنیا میں کسی آنکھ میں دیدار الہی کی صلاحیت اور طاقت نہیں، آخرت کے دیدار کی نفی کرنا مقصود نہیں، وہاں اس آنکھ میں اللہ جل شانہ کو دیکھنے کی طاقت اور صلاحیت پیدا کر دی جائے گی، اور نبی کریم ﷺ کو جو شب معراج میں زیارت ہوئی، وہ بھی درحقیقت عالم آخرت کی زیارت ہے، شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ دنیا صرف اس جہاں کا نام ہے، جو آسمانوں کے اندر محصور ہے، آسمانوں سے اوپر آخرت کا مقام ہے، لہذا وہاں پہنچ کر جو زیارت ہوگی اس کو دنیا کی زیارت نہیں کہا جاسکتا۔

۲۔ آیت قرآنی کے معنی یہ نہیں کہ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کا دیدار گویا ناممکن ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ انسان کی نگاہ اللہ جل جلالہ کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتی، دنیا میں تو بالکل نہیں کر سکتی، اور آخرت میں اگرچہ زیارت اور دیدار الہی تو ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ دیکھنے میں وہاں بھی نہیں ہو سکے گا، کیونکہ انسان کی نظر محدود ہے اور اللہ کی ذات کی کوئی حد اور انتہاء نہیں، ظاہر ہے کہ محدود نظر اس ذات کا کیسے احاطہ کر سکتی ہے، جو ذات کہ غیر محدود ہے۔ (۱)

(۱) معارف القرآن ۱۶/۳ سورۃ الانعام، تحفۃ الاحوذی ۲۲۴/۷، مرقاۃ المفاتیح ۳۲۰/۱۰، کتاب احوال القیامۃ، باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ

اس باب کی احادیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ اور پریشانی نہیں ہوگی، آج دنیا میں تم جس طرح چودھویں رات کے چاند کو براہ راست دیکھتے ہو، اس میں تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوتی، اسی طرح آخرت میں اللہ تعالیٰ کو نہایت آسانی سے اپنی نشستوں پر بیٹھ کر دیکھو گے۔

(۲) خاص طور پر نماز فجر اور نماز عصر کے اہتمام کی تاکید فرمائی گئی ہے، کیونکہ یہ اوقات عموماً غفلت اور لاپرواہی کے ہوتے ہیں، فجر کے وقت میں غیند کا غلبہ ہوتا ہے اور عصر کا وقت کاروبار اور دیگر ضروریات کے لئے بڑا اہم ہوتا ہے، اس کے باوجود جو شخص ان نمازوں کا اہتمام کرے گا، تو وہ دیگر نمازوں کا بطریق اولیٰ اہتمام کرے گا، ایسے شخص کو آخرت میں دیدار الہی نصیب ہوگا۔

(۳) قرآن کریم کی آیت: للذین احسنوا الحسنی و زیادة (یونس: ۲۶) میں ”حسنی“ سے جنت اور ”زیادة“ سے دیدار الہی مراد ہے، چنانچہ اہل جنت، جب جنت میں داخل ہو جائیں گے، تو اس وقت حجاب نور کا پردہ ہٹا دیا جائے گا، جس کی وجہ سے تمام اہل جنت اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار کریں گے اور یہ اہل جنت کے لئے آخرت کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت ہوگی۔

(۴) ادنیٰ درجہ کا خنقی بھی اس قدر نوازا جائے گا کہ اس کی ملکیت کی چیزیں باغات، بیویاں..... ایک ہزار برس کی مسافت کے بقدر وسیع رقبہ میں پھیلی ہوئی ہوں گی اور وہ اپنی چیزوں کو دیکھ کر خوش ہوتا رہے گا۔

(۵) اللہ کے ہاں سب سے زیادہ محترم و مکرم وہ شخص ہوگا، جو اللہ تعالیٰ کی صبح و شام زیارت کر سکے گا، اسی لئے فجر اور عصر کی نمازوں پر پابندی اور مداومت کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ جنت میں انسان ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا اہل بن سکے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے دیدار سے سرفراز فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔ (۱)

بَابُ

عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله يقول لأهل الجنة: يا أهل الجنة، فيقولون: نبيك ربنا وسعديك، فيقول: هل رضيتم؟ فيقولون: ما لنا لا نرضى ولقد أعطيتنا ما لم نعط أحدا من خلقك، فيقول: أنا أعطيتكم أفضل من ذلك، قالوا: وأى شيء أفضل من ذلك؟ قال: أجل عليكم رضوا لي فلا أسخط عليكم أبدا.

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائیں گے: اے جنتیو! تمام جنتی جواب دیں گے کہ ہمارے پروردگار ہم حاضر ہیں، تیری خدمت میں موجود ہیں، اللہ تعالیٰ پوچھیں

گے کہ کیا تم لوگ خوش ہو؟ وہ کہیں گے: کیا وجہ ہے کہ ہم راضی نہ ہوں، جبکہ آپ نے ہمیں وہ چیزیں عطا کی ہیں، جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں اس سے بھی بہتر چیز تمہیں عطا کروں گا؟ وہ پوچھیں گے کہ وہ کوئی چیز ہے، جو اس سے بھی بہتر ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میں تم پر اپنی خوشنودی اتارتا ہوں (یعنی اپنی رضا عطا کرتا ہوں) کہ اس کے بعد کبھی بھی تم سے میں ناراض نہیں ہوں گا۔

اہل جنت کے لئے رضاء الہی کا اعلان

اللہ تعالیٰ اہل جنت کو ہر قسم کی نعمت عطا کرنے کے بعد سب سے بڑی نعمت یہ عطا فرمائیں گے کہ ہمیشہ کے لئے اہل جنت سے راضی رہیں گے، کبھی بھی ان سے ناراض اور خفا نہیں ہوں گے، اس سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں، یہ اہل جنت کے لئے بہت بڑی بشارت ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کا ذکر فرمایا: **وَرَضَوْنَ** (اور اللہ کی رضا مندی بہت بڑی چیز ہے) اور جب انسان کو یہ معلوم ہو کہ میرا خالق مجھ سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوگا، تو اس کی زندگی کا لطف دو بالا ہو جائے گا اور اسے وہ ذہنی سکون حاصل ہوگا کہ جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس کا اہل بنائے۔ (۱)

لبیک وسعدیک کی تحقیق

”لبیک“ مفعول مطلق ہے، اس کا فعل وجوباً حذف ہوتا ہے، تقدیری عبارت یوں ہے: **أَلْب لَكَ الْبَاهِينَ**...، فعل کو حذف کر کے مصدر کو اس کے قائم مقام کر دیا، پھر اس مزید فی مصدر کے زائد حروف کو حذف کر کے ثلاثی مجرد کی طرف لوٹا دیا گیا، پھر تنفیذاً ”لک“ کے لام جارہ کو حذف کر کے ثلاثی مجرد کے مصدر کو ”لک“ ضمیر کی طرف مضاف کر دیا تو ”لبیک“ ہو گیا، اس صورت میں یہ **أَلْب بِالْمَكَانِ الْبَاهِ** سے مأخوذ ہوگا، جس کے معنی ہیں: کسی جگہ مقیم ہونا تو لبیک کا مطلب ہوا: ”میں آپ کی اطاعت و فرمانبرداری پر مقیم اور ثابت ہوں۔“

”سعدیک“ یہ ”سعد“ سے ہے، جو یہاں اسعاد کے معنی میں ہے، یعنی کسی کی مدد کرنا، یہ بھی مفعول مطلق ہے، اس کا فعل بھی وجوباً حذف ہوتا ہے، تقدیری عبارت یوں ہے: **اسعدک اسعادا بعد اسعاد** یعنی میں آپ کی مدد کے لئے بالکل تیار ہوں۔ لبیک وسعدیک دونوں اگرچہ تشبیہ کے صیغے ہیں، اصل میں لبین وسعدین تھے، ”ک“ ضمیر کی طرف اضافت کی وجہ سے نون تشبیہ حذف ہو گیا، تو لبیک وسعدیک ہو گئے، مگر تشبیہ کے معنی یہاں مراد نہیں، بلکہ کثرت اور تکرار پر دلالت کرنے کے لئے انہیں تشبیہ ذکر کیا جاتا ہے۔ (۲)

(۱) تحفة الاحوذی ۲۲۹/۷

(۲) کشف الباری کتاب الرقاق۔ ص: ۵۴۹

بَاب مَا جَاءَ فِي تَرَاتِي أَهْلِ الْجَنَّةِ فِي الْغُرَفِ

یہ باب اس بارے میں ہے کہ اہل جنت بالا خانوں سے ایک دوسرے کو دیکھیں گے
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَتَرَاءَوْنَ فِي الْغُرَفَةِ كَمَا يَتَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبُ الشَّرْقِيُّ أَوْ
الْكَوْكَبُ الْغَرْبِيُّ الْغَارِبُ فِي الْأَفْقِ أَوْ الطَّالِعُ فِي تَفَاضِلِ الدَّرَجَاتِ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَوَلَيْكَ التَّبَيُّؤُنُ
؟ قَالَ: بَلَى، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، وَأَقْوَامٌ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَصَدَّقُوا الْمُرْسَلِينَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اہل جنت (جنت میں) آپس میں
ایک دوسرے کو کمرے یعنی بالا خانے سے اس طرح دیکھیں گے، جس طرح وہ مشرقی یا مغربی ستارے کو غروب یا
طلوع کے وقت افق (یعنی آسمان کے کنارے) پر دیکھتے ہیں، (اور یہ بالا خانوں کی بلندی و خوشنمائی وغیرہ) ان کے
درمیان فرق مراتب کی وجہ سے ہوگا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیا وہ انبیاء ہوں گے، یا رسول اللہ؟ آپ نے
فرمایا: ہاں کیوں نہیں (وہ انبیاء ہوں گے) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اور وہ لوگ ہوں
گے، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائیں گے اور دیگر پیغمبروں کی تصدیق کریں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی:- تراتی: آپس میں ایک دوسرے کو دیکھنا، نظارہ کرنا۔ غرف: (غیں پر پیش اور رپر زبر) غرفۃ کی جمع ہے:
کمرے، بالا خانے۔ لیتراءون: وہ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔ الغارب: غروب ہونے والا۔ الفق: (ہمزے اور فاء
پر پیش) آفاق کی جمع ہے: کنارہ، آسمان کا کنارہ۔ طالع: طلوع ہونے والا۔ تفاضل: آپس میں ایک دوسرے سے فضیلت رکھنا،
کسی چیز میں زیادہ ہونا۔ درجات: درجہ کی جمع ہے، مراتب۔

اہل جنت بالا خانوں سے دیکھیں گے

جنت میں کچھ مخصوص بالا خانے ہیں، جو اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے اہل جنت کو حاصل ہوں گے اور جنتی ان میں سے
آپس میں ایک دوسرے کو دیکھیں گے، جس طرح انسان مشرقی ستارہ کو طلوع کے وقت یا مغربی ستارے کو غروب کے وقت آسمان
کے کنارے پر دیکھے، تو وہ چھوٹا معلوم ہوتا ہے، اسی طرح بعض اہل جنت جب اپنے سے اوپر والے اہل جنت کو عالیشان
بالا خانوں میں دیکھیں گے، تو وہ بھی بلندی کی وجہ سے ستاروں کی طرح چھوٹے محسوس ہوں گے، اس سے دراصل اہل جنت کے
مراتب و درجات کے فرق کو بیان کرنا مقصود ہے، چنانچہ حدیث باب میں ”فی تفاضل الدرجات“ سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یہ عالیشان بالا خانے تو انبیاء علیہم السلام کے لئے ہوں گے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جی
ہاں یہ محلات انبیاء علیہم السلام کے لئے ہوں گے اور ہر اس کامل ایمان والے لوگوں کے بھی ہوں گے، جنہوں نے کامل طریقے سے اللہ

ثُمَّ يُقَالُ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ خَلُّوْا ذَا لَمْ مَوْتُ، وَيَا أَهْلَ النَّارِ: خَلُّوْا ذَا لَمْ مَوْتُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کو ایک ہی جگہ جمع کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف متوجہ ہوں گے اور فرمائیں گے کہ ہر انسان اس چیز کی پیروی کیوں نہیں کرتا، جس کی وہ (دنیا میں) عبادت کیا کرتا تھا (یعنی اپنی معبود کے ساتھ چل کر آئے) چنانچہ صلیب والے کے آگے صلیب کی، تصویروں والے کے لئے اس کی تصویریں، اور آگ والے کے لئے اس کی آگ کی صورت بن کر آ جائے گی، تو تمام لوگ ان چیزوں (یعنی معبودوں) کے پیچھے چل پڑیں گے، جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے، اور مسلمان باقی رہ جائیں گے، اللہ تعالیٰ ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمائیں گے کہ تم لوگ ان کی اتباع میں کیوں نہیں گئے؟ تو وہ کہیں گے: ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں تجھ سے، ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں تجھ سے، اللہ ہی ہمارا پروردگار ہے، اور یہی ہماری جگہ ہے، یہاں تک کہ ہم اپنے رب کو دیکھ لیں، اور اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیں گے اور ثابت قدم کریں گے، پھر (دوبارہ) چمپ جائیں گے، پھر اس کے بعد ظاہر ہوں گے اور فرمائیں گے کہ تم لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں گئے؟ تو وہ عرض کریں گے: ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں تجھ سے، ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں تجھ سے، اللہ ہی ہمارا پروردگار ہے، یہی ہماری جگہ ہے، یہاں تک کہ ہم اپنے رب کو دیکھ لیں اور اللہ تعالیٰ (دوبارہ) انہیں حکم دیں گے اور ثابت قدم کریں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: کیا تمہیں چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں کوئی ضرر اور مشقت ہوتی ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: نہیں یا رسول اللہ (کوئی حراحت اور پریشانی نہیں ہوتی) آپ نے فرمایا: بیشک تمہیں اللہ کے دیدار میں اس وقت کسی قسم کا ضرر اور مشقت نہیں ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ چمپ جائیں گے، پھر ظاہر ہوں گے اور اپنی ذات کا تعارف کرائیں گے، پھر فرمائیں گے: میں ہی تمہارا پروردگار ہوں، لہذا تم میری اتباع کرو (یعنی میرے ساتھ چلو)

چنانچہ سب مسلمان کھڑے ہو جائیں گے، اور پل صراط (دوزخ کے اوپر) رکھ دی جائے گی، پھر اس پر ایک گروہ عمدہ گھوڑوں اور ایک گروہ عمدہ اونٹوں کی طرح (جیزی سے) گزر جائے گا، اور انبیاء و رسل پل صراط پر سے گذرتے وقت سلمہ سلمہ (اے رب سلامت رکھے، سلامت رکھے) کہیں گے، اور اہل دوزخ باقی رہ جائیں گے، پھر ان میں سے ایک فوج جہنم میں ڈالی جائے گی، اور (جہنم سے) پوچھا جائے گا: کیا تو بھگتی ہے؟ تو وہ عرض کرے گی: کیا اور کچھ ہے؟ پھر ایک فوج جہنم میں پھینکی جائے گی، اور اس سے پوچھا جائے گا: کیا تو بھگتی ہے؟ تو وہ عرض کرے گی: کیا اور کچھ ہے؟ یہاں تک کہ جب سب اہل دوزخ کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو اللہ رحمن اپنا قدم اس پر رکھ دے گا اور اس کا ایک حصہ دوسرے پر سٹ جائے گا (یعنی ملا دیا جائے گا) پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ بس! وہ کہے گی: بس بس۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ اہل جنت کو جنت میں اور اہل جہنم کو جہنم میں داخل کر دے گا، تو موت کو کھینچ کر لایا جائے گا، اور

اسے اس دیوار پر کھڑا کر دیا جائے گا، جو اہل جنت اور اہل جہنم کے درمیان ہے، پھر پکارا جائے گا اے جنتیو: تو وہ ڈرتے ڈرتے جھانکیں گے (یعنی دیکھیں گے، ظاہر ہوں گے) اور پھر پکارا جائے گا: اے جہنمیو: تو وہ خوش ہو کر دیکھیں گے کہ شاید شفاعت ہو جائے، اہل جنت اور اہل ناردوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم لوگ اسے جانتے ہو؟ تو وہ سب کہیں گے کہ: تحقیق ہم اسے جانتے ہیں کہ یہ وہ موت ہے، جو ہم پر مسلط کی گئی تھی، پھر اسے لٹایا جائے گا اور اسی دیوار پر ذبح کر دیا جائے گا، پھر کہا جائے گا: اے جنت والو: اب تم ہمیشہ جنت میں رہو گے، کبھی موت نہیں آئے گی اور اے دوزخ والو: اب تم ہمیشہ دوزخ میں رہو گے، کبھی موت نہیں آئے گی۔

عن أبي سعيد بن جریج قال: إذا كان يوم القيامة أتى بالموت، كالنكيش الأملح، فوقف بين الجنة والنار، فيذبح وهم ينظرون، فلأن أحد أمانات فرح أمانات أهل الجنة، ولأن أحد أمانات حزناً أمانات أهل النار۔
هذا حديث حسن۔ وقد روى عن النبي ﷺ روايات كثيرة وفل هذا ما يذكّر فيه آخر الرؤية أن الناس يزورون ربهم وذكور القدم وما أشبه هذه الأشياء۔ والمذهب في هذا عند أهل العلم من الأئمة وفل سفيان الثوري ومالك بن أنس وسفيان بن عيينة وابن المبارك ووكيع وغيرهم أنهم زوروا هذه الأشياء وقالوا: نروى هذه الأحاديث ونؤمن بها ولا يقال كيف؟ وهذا الذي اختاره أهل الحديث أن يزوروا هذه الأشياء كما جاء في وثمن بها ولا يفسر ولا يقرؤهم ولا يقال: كيف؟ وهذا أمر أهل العلم الذي اختاروه وذهبوا إليه۔ ومغنى قوله في الحديث: فيقرؤهم أنفسهم، يعني: يتجملون لهم۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا، تو موت کو سفید سیاہ رنگ والے مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا، پھر اسے جنت و جہنم کے درمیان کھڑا کیا جائے گا، پھر اس حال میں ذبح کیا جائے گا کہ وہ سب اسے دیکھ رہے ہوں گے، چنانچہ اگر کوئی شخص خوشی سے مرتا (اس دن) تو اہل جنت مرتا ہے اور اگر کوئی غم سے مرتا ہوتا، تو سب دوزخ والے مرتا ہے۔

یہ حدیث حسن ہے، نبی کریم ﷺ سے اس حدیث کی طرح اور بھی بہت سی احادیث منقول ہیں، جن میں دیدار الہی کا ذکر ہے کہ لوگ اپنے پروردگار کو (قیامت کے دن) دیکھیں گے، اللہ تعالیٰ کے لئے جو لفظ قدم یا اس طرح کی اور جو چیزیں مذکور ہیں، انہیں آئمہ علماء سفيان ثوري، مالک بن انس، سفيان بن عيينه، عبد الله بن مبارک اور وکیع وغیرہ نے روایت کیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ ان احادیث پر ہم ایمان لاتے ہیں، اور ان کی کیفیت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا، محدثین نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے، کہ وہ ان چیزوں کو اسی طرح روایت کرتے ہیں جس طرح وہ منقول چلی آتی ہیں، ان پر ہی ایمان لایا جاتا ہے، نہ تو ان کی تفسیر کی جاتی ہے اور نہ ہی وہم کیا جاتا ہے، اور نہ ہی کیفیت کے بارے میں کچھ کہا جاتا ہے، مذکورہ حدیث میں فیقرؤهم أنفسهم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی تجلی ظاہر کرے

گا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- خلود: (خام پر پیش) دوام، بیشکلی۔ صعب: جگہ، مٹی۔ یطلع: ظاہر ہوگا، نمودار ہوگا۔ الا یتبع: کیوں نہیں جاتا، کیوں پیروی نہیں کرتا۔ تضارون: اس لفظ کو را کی تشدید اور تخفیف دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، تشدید کی صورت میں یہ ”ضرر“ سے مشتق ہوگا اور تخفیف کی صورت میں ”نخیر“ سے، معنی دونوں کے ایک ہی ہیں یعنی ضرر اور نقصان پہنچانا، معنی یہ ہیں: کیا تمہیں چودہویں رات کا چاند دیکھنے میں کسی قسم کے ضرر اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جیسا کہ مہینے کی ابتداء کا چاند دیکھنے میں بڑی مزاحمت اور دقت ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ تمہیں چودہویں کا چاند دیکھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی اسی طرح تمہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ مثل: (صیغہ مجہول) صورت بنائی جائے گی۔ صلیب: وہ لکڑی جس پر سولی دی جائے، سولی دیا ہوا، عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق وہ لکڑی جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی۔ یواری: چھپ جائے گا۔ یعرفہم نفسہ: اللہ تعالیٰ ان پر اپنی تجلی ظاہر فرمائیں گے۔ جیاد: جواد کی جمع ہے: عمدہ گھوڑے۔ رکاب: اونٹ، اس لفظ کا واحد نہیں ہے۔ یطرح: (صیغہ مجہول) پھینکے جائیں گے، ڈالا جائے گا۔ هل امتلات: کیا تو بھر گئی، لبریز ہو گئی۔ هل من مزید: کیا اور بھی کچھ ہے، کیا اس سے بھی زیادہ ہیں۔ اذا اوعوا فہیہا: جب تمام دوزخیوں کو احاطہ کر کے جہنم میں لایا جائے گا۔ اذوی: (صیغہ مجہول) سمیٹ دیا گیا، ملا دیا گیا۔ قط: اس لفظ کو تین طرح سے پڑھا جاسکتا ہے۔ ۱۔ طاء کے سکون کے ساتھ۔ ۲۔ طاء کے نیچے زیر اور تنوین۔ ۳۔ طاء کے نیچے زیر بغیر تنوین کے، اس کے معنی ہیں: کافی ہے، بس۔ ملئبتا: کھینچ کر، کھینچتے ہوئے۔ سور: (سین پر پیش) دیوار۔ الکبش الملیح بسفید و سیاہ رنگ والا سفید مینڈھا، چت کبرا مینڈھا۔

جنت و دوزخ میں ہمیشہ کے لئے رہنا ہوگا

اس باب کی احادیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) جن لوگوں نے دنیا میں اللہ کے علاوہ جس چیز کی عبادت کی ہوگی، قیامت کے دن ان معبودوں اور عبادت کرنے والوں کے الگ الگ گروہ ہوں گے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جس طرح تم لوگ دنیا میں ان کی عبادت کیا کرتے تھے، تو آج بھی ان کے ساتھ ہی جاؤ، یہ ان کو رسوا اور ذلیل کرنے کے لئے ہوگا، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ یہاں وہ باطل معبود مراد ہیں، جنہوں نے یا تو اپنی عبادت کا خود حکم دیا، یا اس پر راضی تھے، وہ بزرگ اور انبیاء علیہم السلام جن کی عبادت کی گئی، وہ چونکہ اس عبادت پر نہ تو راضی تھے اور نہ ہی انہیں معلوم تھا، اس لئے انہیں مشرکین کے ساتھ نہیں اٹھایا جائے گا۔

صرف مسلمان باقی رہ جائیں گے، کسی معبود کے ساتھ وہ نہیں جائیں گے، اللہ تعالیٰ جب پوچھیں گے کہ تم لوگ کیوں نہیں جاتے؟ تو مسلمان جواب دیں گے: نعوذ باللہ منک (ہم تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں) یہ جملہ وہ اس لئے کہیں گے کہ وہ یہ نہیں پہچان سکیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہیں، کیونکہ اس وقت اللہ جل جلالہ غیر معروف شکل و صورت میں رونما ہوں گے، جس کی وجہ سے وہ

پہچان نہیں سکیں گے، مسلمان کہیں گے، ہم تو اسی جگہ پر ہی موجود ہیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں۔

ثم یطلع فیعرہم نفسہ اللہ تعالیٰ ان کے دل میں علم قطعی ڈال دیں گے کہ واقعی یہی ہمارے رب ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: انارکم فاجعونی، میں تمہارا رب ہوں، لہذا تم لوگ میری پیروی کرو یعنی میرے ساتھ چلو، امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس اتباع سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کے حکم کی اتباع کریں گے کہ جس میں انہیں جنت کی طرف جانے کا حکم ہوگا یا یہ کہ وہ فرشتوں کے ساتھ جنت کی طرف جانے کے اعتبار سے اس حکم کی پیروی کریں گے۔

(۲) پہلے صراط کو جہنم کے اوپر نصب کیا جائے گا، مسلمان اس پر سے عمدہ اور تیز رفتار گھوڑوں اور اونٹوں کی مانند تیزی سے گذر جائیں گے، مسلمانوں کی زبان پر یا دوسری روایت کے مطابق انبیاء کی زبان مبارک پر رب سلم رب سلم کا جملہ ہوگا، چنانچہ خوش نصیب حضرات اس پہلے کو پار کر لیں گے اور کافرو مشرکین اور گنہگار اس سے گر کر جہنم میں چلے جائیں گے،

(۳) جب جہنم بھر جائے گی، تو اس کے جوش و غضب کو روکنے کے لئے اللہ تعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھیں گے، اس قدم رکھنے سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

☆ جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ یہ بھی صفات تشابہات میں سے ہے، ہم اس کے حقیقی معنی پر ایمان لاتے ہیں، اور یہ کہ اللہ کا قدم..... مخلوق کے قدموں کی طرح نہیں ہے، اب اس کی کیا کیفیت اور صورت ہے، اس کا ہمیں علم نہیں اور نہ ہی ہم اس کی تحقیق اور جستجو کے مکلف ہیں، اس لئے احتیاط یہی ہے کہ اس بارے میں توقف اور خاموشی اختیار کی جائے، تاویل کا راستہ اختیار نہ کیا جائے۔

☆ بعض حضرات اللہ تعالیٰ کی صفات تشابہات میں تاویل میں کرتے ہیں اور ان کے کوئی نہ کوئی معنی اور مطلب بیان کرتے ہیں، چنانچہ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے یہاں پر دو تاویلیں ذکر کی ہیں:

ایک یہ کہ اس ”قدم رکھنے“ سے آگ کے جوش و غضب کو ٹھنڈا اور اس کی شدت کو ختم کرنا مراد ہے، کیونکہ اس وقت کافر اور گنہگار لوگوں پر جہنم اس قدر غضبناک اور جوش میں ہوگی کہ قریب ہے کہ تمام اہل مشرک کو اپنی آغوش میں لے لے، اس کی اس شدت اور سختی کے ختم کرنے کو ”قدم رکھنے“ سے تعبیر فرمایا۔

دوسری یہ کہ اس ”قدم“ سے بطور کنایہ کے وہ لوگ مراد ہیں، جو جہنم میں دیر سے داخل ہوں گے، حالانکہ ان کا فیصلہ تو پہلے ہو چکا ہوگا، ان کے ناموں کی پوری لسٹ جہنم کے داروغوں کے پاس ہوگی، وہ ان لوگوں کی انتظار میں ہوں گے، چنانچہ ہر داروغہ اپنی لسٹ کے مطابق جب اہل جہنم کو جہنم میں ڈال دے گا تو اس وقت وہ داروغے کہیں گے: قطعاً (بس، بس) اس وقت یہ جہنم تمام اہل جہنم پر سمٹ جائے گی، تو تاخیر سے داخل ہونے والوں کو ”قدم رکھنے“ سے ذکر کیا ہے۔ (۱)

موت کو ذبح کر دیا جائے گا

جس وقت اہل جنت، جنت میں اور اہل نار جہنم میں داخل کر دیے جائیں گے، تو موت کو ذبح کر دیا جائے گا، جس کی صورت یہ ہوگی کہ موت کو ایک چت کبرے میں ڈھکی مثالی صورت دے دی جائے گی، پھر اسے سب کے سامنے دیوار پر ذبح کر دیا جائے گا، یہ بھی ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ موت کو کسی مثالی صورت کے بغیر ہی ذبح کر دیں، لیکن اس طرح مثالی صورت کے بعد ذبح کرنے میں حکمت یہ ہے کہ تاکہ سب لوگ اس کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں، اور انہیں اطمینان اور یقین ہو جائے کہ اب کے بعد کبھی موت نہیں آئے گی۔

باقی یہ اعتراض کہ موت تو ایک عرض ہے، اسے جسم دے کر کیسے ذبح کیا جائے گا؟ اس لئے درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ عرض کو جسم میں تبدیل کر دیں، جیسا کہ ایک سے زیادہ احادیث میں ہے کہ اعمال کو قیامت کے دن ان کے مناسب صورتیں دے دی جائیں گی، اب اس کی کیا کیفیت ہوگی، یہ ہمیں اس وقت معلوم نہیں، اس پر ہمارا ایمان ہے، اس کے بعد اعلان ہو جائے گا کہ اب کبھی کسی پر کوئی موت نہیں آئے گی۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جنت کو ناپسندیدہ امور اور تکلیفوں سے گھیرا گیا ہے، اور جہنم کو شہوتوں سے گھیرا گیا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت ناپسندیدہ امور اور مشقتوں سے گھیری گئی ہے اور جہنم لذتوں اور شہوتوں سے گھیری گئی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ أَرْسَلَ جِبْرَائِيلَ إِلَى الْجَنَّةِ، فَقَالَ: انْظُرْ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا أُعِدَّتْ لِأَهْلِهَا فِيهَا، قَالَ: فَجَاءَهَا فَتَنَظَّرَ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا أُعِدَّتْ اللَّهُ لِأَهْلِهَا فِيهَا، قَالَ: فَرَجَعَ إِلَيْهِ، قَالَ: فَوَعَزَّ بِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَهَا، فَأَمَرَ بِهَا فَحُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ، فَقَالَ: ازْجِعْ إِلَيْهَا فَانْظُرْ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا أُعِدَّتْ لِأَهْلِهَا فِيهَا، قَالَ: فَرَجَعَ إِلَيْهَا فَإِذَا هِيَ قَدْ حُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ، فَرَجَعَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: وَعَزَّ بِكَ لَقَدْ حُفَّتْ أَنْ لَا يَدْخُلَهَا أَحَدٌ. قَالَ: اذْهَبْ إِلَى النَّارِ فَانْظُرْ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا أُعِدَّتْ لِأَهْلِهَا فِيهَا، فَإِذَا هِيَ يَزُكُّ بِغَضْطِهَا بَغَضًا، فَرَجَعَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: وَعَزَّ بِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ فَيَدْخُلَهَا، فَأَمَرَ بِهَا فَحُفَّتْ بِالشَّهَوَاتِ، فَقَالَ: ازْجِعْ إِلَيْهَا، فَرَجَعَ إِلَيْهَا، فَقَالَ: وَعَزَّ بِكَ لَقَدْ حُشِيتْ أَنْ لَا يَنْجُو مِنْهَا أَحَدٌ إِلَّا

دَخلُہا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے جنت و دوزخ کو پیدا کیا تو جبرئیل کی طرف بھیجا، اور فرمایا: تم جنت کو اور ان چیزوں کو دیکھو، جو میں نے اہل جنت کے لئے جنت میں تیار کر رکھی ہیں، آپ نے فرمایا: جبرئیل آئے، انہوں نے جنت کو اور ان چیزوں کو دیکھا، جو اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لئے جنت میں تیار کر رکھی ہیں، پھر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر آئے اور عرض کیا: اے اللہ! تیری عزت کی قسم، جو بھی اس کے متعلق سنے گا، وہ اس میں داخل ہونے کی خواہش اور کوشش کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں حکم دیا تو جنت کو ناپسندیدہ اور مشقتوں سے گھیر دیا گیا ہے، پھر اللہ نے فرمایا: (جبرئیل سے) تم دوبارہ جاؤ اور جنت کو اور ان چیزوں کو دیکھو جو میں نے اہل جنت کے لئے اس میں تیار کر رکھی ہیں، پھر جبرئیل امین اللہ کے پاس لوٹ کر آئے، عرض کیا: اے اللہ! تیری عزت کی قسم: مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اس میں کوئی داخل نہیں ہو سکے گا (ان تکلیفوں اور مشقتوں کی وجہ سے، جو اس کے ارد گرد ہیں)۔

(پھر) اللہ نے فرمایا: تم جہنم کی طرف جاؤ اور جہنم کو اور ان چیزوں کو دیکھو، جو میں نے اہل جہنم کے لئے (عذاب کے طور پر) تیار کر رکھی ہیں، انہوں نے دیکھا کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ پر چڑھا ہوا ہے، چنانچہ حضرت جبرئیل واپس آئے اور عرض کیا: اے اللہ! تیری عزت کی قسم: نہیں سنے گا کوئی اس کا حال کہ پھر وہ اس میں داخل ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے جہنم کے بارے میں حکم دیا، تو اسے شہوتوں اور لذتوں سے گھیر دیا گیا ہے، پھر اللہ نے فرمایا (جبرئیل سے) دوبارہ جہنم کی طرف جاؤ، چنانچہ وہ اس کی طرف گئے، (پھر وہ لوٹے تو) عرض کیا: اے اللہ! تیری عزت کی قسم: مجھے اندیشہ ہے کہ اس سے کوئی شخص نجات نہ پاسکے گا، مگر یہ کہ وہ اس میں داخل ہو جائے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: حفت: (مینہ مجہول) احاطہ کر لی گئی، گھیر لی گئی۔ مکارہ: مکرہ (میم پر زبر) کی جمع ہے، اور بعض نے کہا کہ یہ ”مکرہ“ کی جمع ہے اور بعض کے نزدیک یہ خلاف قیاس۔ مکرہ: کی جمع ہے: ناپسندیدہ بات، مشقتیں، تکلیفیں۔ شہوات: مصوٰۃ کی جمع ہے: لذتیں۔ اعددت: میں نے تیار کر رکھی ہیں۔ ہو کب بعضہا بعضاً: جہنم کا ایک حصہ دوسرے پر چڑھا ہوا ہے۔

جنت و دوزخ کو ڈھانپ دیا گیا ہے

جنت کو مکارہ یعنی تکلیفوں، ناپسندیدہ امور اور مشقتوں سے گھیر دیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص نفس کے نہ چاہنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گزارتا ہے، عبادات کو بجالاتا ہے اور ممنوع چیزوں سے بچتا ہے، گویا وہ یوں مشقت اور تکلیف برداشت کرتا ہے، صبر کرتا ہے، تب وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو اسے جنت میں داخل کر دیں، اور جہنم کو شہوات سے ڈھانپ دیا گیا ہے، شہوات سے حرام کردہ چیزیں مراد ہیں، مثلاً: شراب، زنا، غیر محرم پر نظر، غیبت، جھوٹ اور الزام

تراشی وغیرہ، وہ خواہشات جو مباح کے درجے میں ہیں، وہ اس میں داخل نہیں، تاہم ان میں بھی کثرت ناپسندیدہ ہے، کیونکہ جابر خواہش کی کثرت سے بھی دل سخت ہو جاتا ہے، یا عبادات و طاعات میں یکسوئی نہیں رہتی، اس لئے مباح خواہشات میں بھی میانہ روی اور اعتدال کو اختیار کرنا چاہیے، (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي اخْتِجَاجِ الْجَنَّةِ وَ النَّارِ

یہ باب جنت اور دوزخ کے بحث و مباحثہ کے بیان میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: اخْتِجَبَتِ الْجَنَّةُ وَ النَّارُ فَقَالَتِ الْجَنَّةُ: يَدْخُلْنِي الضَّعَفَاءُ وَ الْمَسَاكِينُ، وَقَالَتِ النَّارُ: يَدْخُلْنِي الْعَبَّازُونَ وَ الْمُتَكَبِّرُونَ، فَقَالَ لِلنَّارِ: أَنْتِ عَذَابِي، أَنْتِ تَقْتَحِمِينَ بِكَ مَنَنْ شِئْتُ، وَقَالَ لِلْجَنَّةِ: أَنْتِ رَحْمَتِي، أَرْحَمُ بِكَ مَنَ شِئْتُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت اور دوزخ کے درمیان بحث و مباحثہ اور تکرار ہوا، جنت نے کہا: میرے اندر کمزور اور مسکین لوگ داخل ہوں گے، دوزخ نے کہا: میرے اندر ظالم اور متکبر لوگ داخل ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے فرمایا: تو میرا عذاب ہے، میں جس سے چاہوں، تیرے ذریعہ انتقام لیتا ہوں، اور جنت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے، میں تیرے ذریعہ جس پر چاہتا ہوں، رحم کرتا ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنی:- احتجاج: تکرار، بحث و مباحثہ۔ ضعیفاء: ضعیف کی جمع ہے، کمزور، عاجز و متواضع۔ جبارون: جبار کی جمع ہے، ظلم و زیادتی کرنے والا۔ المتکبرون: متکبر کی جمع ہے، تکبر و غرور کرنے والا۔ انتقم: میں انتقام اور بدلہ لیتا ہوں۔

جنت و دوزخ کا آپس میں مباحثہ

اس حدیث میں ہے کہ جنت و دوزخ آپس میں بحث و مباحثہ کے ذریعہ ایک دوسرے پر فخر کریں گی، جنت کہے گی کہ میرے اندر ضعیف اور مسکین لوگ داخل ہوں گے، جس سے انہیں بلند مقام اور عظمت و شرافت کا اونچا درجہ حاصل ہو جائے گا، اس لئے میرا مقام اونچا ہے اور جہنم کہے گی کہ میرا مقام اونچا ہے، کیونکہ میرے اندر دنیا کے بڑے متکبر لوگ داخل ہوں گے، میں انہیں اپنا تابع بناؤں گی اور ذلیل کروں گی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم میں سے ایک کو دوسرے پر کوئی شرف و فضیلت نہیں، بس یہ سب کچھ میری مصلحت و حکمت اور مشیت کا تقاضا ہے کہ میں نے جنت کو اپنی رحمت اور لطف و کرم کا اور جہنم کو اپنے عذاب کا مظہر بنایا، جنت کے ذریعہ میں نیکو کار لوگوں کو مختلف انعامات سے نوازوں گا اور جہنم کے ذریعہ میں کافر و مشرک اور گنہگار لوگوں سے انتقام لوں گا، اس لئے تم دونوں میں سے کسی کو بھی ایسی کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہے، جس سے دوسرے کے مقابلے پر اس کی فضیلت و

برتری ظاہر ہو، اگرچہ اتنی بات ضرور ہے کہ دوزخ کے معاملات کا تعلق ”عدل و انصاف“ سے ہے اور جنت کے معاملات ”محض اللہ کے فضل و کرم“ سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۱)

امام نووی فرماتے ہیں کہ جمہور اہل سنت کے نزدیک جنت و دوزخ کا یہ مباحثہ اپنی حقیقت پر محمول ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں قوت تمیز عطا فرمائیں گے، جس سے یہ دونوں بحث و مباحثہ پر قادر ہو جائیں گی، اس لئے یہاں پر مجازی معنی مراد لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ (۲)

بَاب مَا جَاءَ مَا لِأَذْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْكَرَامَةِ

یہ باب اس اعزاز و اکرام کے بیان میں ہے، جو جنتیوں میں سے سب سے کم مرتبہ والے کے لئے ہوگا
عن أبي سعيد الخدري قال: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَذْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلُهُ الَّذِي لَهُ فَعَانُونَ أَلْفَ خَادِمٍ وَالثَّانِ وَسِتُّونَ زَوْجَةً وَتُنْصَبُ لَهُ قُبَّةٌ مِنْ لُؤْلُؤٍ وَزَبَرْجَدٍ يَأْفُوتُ كَمَا تَهَيَّئُ الْجَاهِلِيَّةُ إِلَى صَنْعَاءَ وَبِهَذَا الْإِسْنَادُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ مَاتَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنْ صُفْهِرٍ أَوْ كَبِيرٍ يُرَدُّونَ نَبِيٍّ ثَلَاثِينَ فِي الْجَنَّةِ لَا يُرَدُّونَ عَلَيْهَا أَبَدًا، وَكَذَلِكَ أَهْلُ النَّارِ.
وَبِهَذَا الْإِسْنَادُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ عَلَيْهِمُ التَّيَجَانَ؛ إِنَّ أَذْنَى لُؤْلُؤَةٍ مِنْهَا لَتُضَيُّ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ.

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل جنت میں سے سب سے کم مرتبہ کا جو شخص ہوگا، اس کے لئے اسی ہزار خادم اور بہتر بیویاں ہوں گی، اور اس کے لئے موتی، زبرجد اور یاقوت سے اتنا بڑا خیمہ نصب کیا جائے گا، جتنا کہ صنعاء اور جابیہ شہروں کے درمیان فاصلہ ہے۔

اور اسی سند سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (دنیا میں) اہل جنت میں سے جس کی موت ہو، خواہ وہ چھوٹی عمر کا ہو یا بڑی عمر کا، جنت میں ان میں سے ہر ایک کو تیس تیس سال کی عمر کا کر دیا جائے گا، وہ کبھی بھی اس عمر سے زائد کے نہیں ہوں گے، یہی حال دوزخیوں کا بھی ہوگا (کہ ان کی عمریں بھی ہمیشہ کے لئے تیس تیس سال کی ہوں گی)
اور اسی سند سے نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: بیشک اہل جنت کے سروں پر جو تاج ہوں گے، ان کا سب سے معمولی موتی بھی ایسا ہوگا کہ مشرق سے مغرب تک کو روشن کر دے۔

عن أبي سعيد الخدري قال: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْمُؤْمِنُ إِذَا اشْتَهَى الْوَلَدَ فِي الْجَنَّةِ كَانَ حَمْلُهُ وَوَضْعُهُ

(۱) الكوكب الدرر ۳۱۹/۳

(۲) مرقاة المفاتیح ۳۵۷/۱۰ کتاب احوال القیامۃ، باب خلق الجنة والنار تحفة الاحوذی ۲۳۸/۷

وَسَيُنْفِئُ فِي سَاعَةٍ كَمَا يَشْتَهُي۔ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

وَقَدْ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي هَذَا، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: فِي الْجَنَّةِ جَمَاعٌ وَلَا يَكُونُونَ وَلَدًا، هَكَذَا يُزَوَّى عَنْ طَاوُسٍ وَمُجَاهِدٍ وَإِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ۔ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: قَالَ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ فِي حَدِيثِ النَّبِيِّ ﷺ: إِذَا اشْتَهَى الْمُؤْمِنُ الْوَلَدَ فِي الْجَنَّةِ كَانَ فِي سَاعَةٍ كَمَا يَشْتَهُي وَلَكِنْ لَا يَشْتَهُي،

قَالَ مُحَمَّدٌ: وَقَدْ زَوَّى عَنْ أَبِي زَرْزَنِ الْعُقَيْلِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لَا يَكُونُونَ لَهُمْ فِيهَا وَلَدٌ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر (بالفرض) کوئی مؤمن جنت میں اولاد کی خواہش کرے گا تو (اس کی خواہش اس طرح پوری کی جائے گی کہ) بچہ کا حمل، اس کی پیدائش اور اس کی انتہائی عمر (یعنی تیس سال کی عمر) ایک گھڑی میں (مکمل) ہو جائے گی جیسا کہ وہ چاہتا ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- کرامۃ: اعزاز و اکرام۔ ادنیٰ: مرتبہ کے لحاظ سے کمتر۔ تنصب: نصب کیا جائے گا، گاڑھا جائے گا۔ قبة: (قاف پر پیش کے ساتھ) خیمہ۔ جبابیۃ: ملک شام کا ایک شہر ہے۔ صنعاء: یہ ایک شہر ہے، جو یمن کا دار الخلافہ ہے۔ یزدون: (میںہ مجہول) اہل جنت لوٹائے جائیں گے۔ تیجان: تاج کی جمع ہے۔ لتضی: وہ روشن کر دے۔ اذا اشتہی: جب وہ خواہش اور تمنا کرے گا۔ وضعہ: بچہ کا پیدا ہونا۔ سنہ: اس کی انتہائی عمر یعنی تیس سال۔

ادنی جنتی کا اعزاز و اکرام

مذکورہ احادیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) سب سے کم درجے والے جنتی کی خدمت کے لئے اسی ہزار خادم اور حور عین میں سے بہتر بیویاں ہوں گی، اور اس کا خیمہ اس قدر وسیع و عریض ہوگا کہ جتنا جبابیہ اور صنعاء شہر کے درمیان فاصلہ ہے، اور ان دونوں شہروں کے درمیان ایک ماہ کے سفر کے بقدر مسافت ہے، یہ خیمہ موتی، زبرجد اور یاقوت سے بنا ہوگا، یا یہ کہ ان چیزوں سے اسے آراستہ اور مزین کیا جائے گا، دیکھئے جب ادنیٰ جنتی کے لئے اتنا اعزاز و اکرام ہوگا تو اس سے اعلیٰ درجہ کے جنتیوں کے لئے کیا کچھ انعامات اور نوازشات ہوں گی۔

(۲) اہل جنت اور اہل جہنم دونوں کی عمریں تیس تیس سال کی کر دی جائیں گی، خواہ موت کے وقت اس کی عمر کم ہو یا زیادہ، اس سے زندگان کی عمر نہیں ہوگی، یعنی وقت تو گزرے گا، لیکن اس سے ان کی جسمانی ساخت اور وضع قطع میں کوئی خاص فرق نہیں آئے گا، اور یہ اس لئے ہوگا تاکہ جو جنتی ہیں، وہ جنت کی نعمتوں سے صحیح طریقے سے لطف انداز ہو سکیں اور جو جہنمی ہیں، انہیں اچھی طرح عذاب کی شدت کا احساس ہو جائے۔

(۳) اہل جنت کے سروں پر جو تاج ہوں گے، ان کے ادنیٰ موتی کی چمک اس قدر شدید ہوگی کہ وہ مشرق و مغرب کو روشن کر دے، تو جو اعلیٰ قسم کے موتی ہوں گے، ان کی چمک دمک کا کیا عالم ہوگا۔

(۴) اہل جنت کی اولاد ہوگی یا نہیں؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے، اس بارے میں ان کے تین قول ہیں، جنہیں امام ترمذی نے ذکر کیا ہے:

طاووس، مجاہد اور ابراہیم نخعی کے نزدیک وہاں پر صرف جماع ہوگا، اولاد نہیں ہوگی، اور نہ ہی اس کی خواہش ہوگی۔

☆ امام بخاری اور اسحاق بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی جنتی اولاد کی خواہش کرے گا، تو ایک گھڑی میں ہی اس کی خواہش پوری ہو جائے گی، مگر کوئی جنتی ایسا چاہے گا ہی نہیں۔

☆ ابو رزین عقیلی ایک حدیث سے استدلال کر کے فرماتے ہیں کہ اہل جنت کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوگی۔ (۱)

بعض حضرات نے ان تمام روایات اور اقوال کو سامنے رکھ کر یہ فرمایا ہے کہ، جو لوگ اہل جنت کے لئے اولاد کی نفی کرتے ہیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی اولاد کی طرح ان کی اولاد نہیں ہوگی کہ جو جماع اور نکاح کے نتیجہ میں آتی ہے، اور جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ ان کی اولاد ہوگی، اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر بالفرض کوئی جنتی اس کی خواہش کرے گا، تو اس کی خواہش کو پورا کیا جائے گا، کیونکہ اہل جنت کی ہر خواہش اور تمنا کو فوراً پورا کیا جائے گا، ان میں تاخیر نہیں ہوگی۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَلَامِ الْخَوَرِ الْعَيْنِ

یہ باب حور عین کی گفتگو سے متعلق ہے

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَمَجْمَعًا لِلْخَوَرِ الْعَيْنِ، يَزْفَعْنَ بِأَصْوَاتٍ لَمْ يَسْمَعْ الْخَلَائِقُ مِثْلَهَا، يَقْلُنَّ: نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَبِيدُ، وَنَحْنُ النَّاجِعَاتُ فَلَا نَبَاسُ، وَنَحْنُ الزَّاحِيَاتُ فَلَا نَسْخَطُ، طُوبَى لِمَنْ كَانَ لَنَا، وَكَفْنَا لَدَ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں حوران عین کے لئے جمع ہونے کی ایک جگہ ہے (جہاں وہ سیر و تفریح اور آپس میں ملنے کے لئے جمع ہوتی ہیں) وہاں اپنی ایسی بلند آواز سے گیت گاتی ہیں کہ مخلوقات میں سے کسی نے بھی ایسی آواز کبھی نہ سنی ہوگی، وہ کہتی ہیں: ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں، کبھی فنا نہیں ہوں گی، ہم ناز و نعمت میں ملنے والی ہیں، کبھی کسی چیز کی محتاج نہیں ہوتیں، ہم (اپنے پروردگار یا اپنے شوہروں سے) خوش رہنے والیاں ہیں، کبھی ان سے ناراض نہیں ہوتیں، مبارکبادی اور خوشخبری ہے، اس شخص کے لئے جو (جنت میں) ہمارے لئے ہے اور ہم اس کے لئے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ حور: حوراء کی جمع ہے: جنت کی خوبصورت اور سیاہ چشم عورتیں، کشادہ اور خوبصورت آنکھوں والی عورتیں۔ مجتمع: (میم پر زبر) جمع ہونے کی جگہ۔ یزفعن: اونچی آواز نکالیں گی۔ خالداً: خالدة کی جمع ہے: ہمیشہ رہنے

والیاں۔ لا لبید: ہم ہلاک نہیں ہوں گی، ہم پہ موت نہیں آئے گی۔ ناعمات: ناعمة کی جمع ہے: ناز و نعمت میں پلنے والیاں۔
 لا نبأس: ہم محتاج نہیں ہوتیں۔ راضیات: راضیہ کی جمع ہے: راضی اور خوش رہنے والیاں۔ لا نسخط: ہم ناراض نہیں ہوں
 گی۔ طوبی: اچھی حالت، خوشخبری، مبارکبادی، خیر و بھلائی۔

حوروں کے نغمے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت میں ایک مخصوص جگہ ہے، جہاں حوریں جمع ہوتی ہیں اور بلند آواز سے نغمے اور گیت
 گاتی ہیں، ایسی پر لطف اور دلکش آواز سے گاتی ہیں کہ اس طرح کی آواز کبھی کسی نے نہ سنی ہوگی، ان کا ترانہ یہ ہوگا: ہم ہمیشہ رہنے
 والیاں ہیں..... مقصد یہ ہے کہ انسان کو دنیا میں ایسے اعمال کرنے چاہئیں کہ جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول خوش
 ہوں، تاکہ جنت اور اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ

یہ باب جنت کے دریاؤں کے بیان میں ہے

عَنْ مُعَاوِيَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَخْرَ الْمَاءِ، وَبَخْرَ الْعَسَلِ، وَبَخْرَ اللَّبَنِ، وَبَخْرَ الْخَمْرِ، ثُمَّ
 تُشَقَّقُ الْأَنْهَارُ بَعْدَ.

حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک جنت میں پانی کا دریا ہے، شہد
 کا دریا ہے، دودھ کا دریا ہے اور شراب کا دریا ہے، پھر جنتیوں کے جنت میں داخلے کے بعد اور نہریں نکالی جائیں گی۔
 مشکل الفاظ کے معنی:- بحر: اس کے اصل معنی تو سمندر کے ہیں، لیکن یہاں پر ”دریا“ کے معنی مراد ہیں، کیونکہ یہ نہریں
 جاری ہوں گی، جبکہ دنیا کے سمندر تو ایک ہی جگہ میں ٹھہرے رہتے ہیں، پھر جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے، تو مزید
 ان سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی جائیں گی جس سے ان کے کمرؤں میں بھی یہ چیزیں ہر وقت موجود ہوں گی۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ سَأَلَ اللَّهَ الْجَنَّةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، قَالَتْ الْجَنَّةُ: اللَّهُمَّ أَذْخِلْهُ
 الْجَنَّةَ، وَمَنْ اسْتَجَارَ مِنَ النَّارِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، قَالَتْ النَّارُ: اللَّهُمَّ أَجْزِهُ مِنَ النَّارِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ جل جلالہ سے تین بار جنت
 مانگے، تو جنت کہتی ہے کہ اے اللہ: اسے تو جنت میں داخل کر دے، اور جو شخص جہنم سے تین بار پناہ مانگے، تو جہنم کہتی
 ہے، اے اللہ! اسے تو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھ۔

جنت و دوزخ کی دعا

اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- (۱) اللہ تعالیٰ سے اہتمام کے ساتھ جنت کا سوال اور جہنم سے پناہ مانگی جائے۔
- (۲) تین کا عدد گنتی میں ایک خاص اثر رکھتا ہے کہ جو شخص تین تین بار جنت کا سوال اور جہنم سے پناہ مانگے، تو جنت اس کے لئے دعا کرتی ہے کہ یا اللہ اسے تو ضرور جنت میں داخل کر دے اور جہنم دعا کرتی ہے کہ یا اللہ اسے تو اپنے فضل سے عذاب جہنم سے محفوظ فرما۔

- (۳) جنت و جہنم کو عقل و شعور ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اللہ کے سامنے اس بندے کے حق میں سفارش کرتی ہیں، جمہور کے نزدیک اس کے حقیقی معنی مراد ہیں، اگرچہ اس کی کیفیت اس وقت ہمیں معلوم نہیں۔ (۱)

عَنِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ثَلَاثَةٌ عَلَى كُتُبِ الْمُسْكِبِ أَزَاهُ قَالَ: يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَنْفِطُهُمُ الْأَوَّلُونَ وَالْآخِرُونَ: رَجُلٌ يَنَادِي بِالصَّلَاةِ الْخَمْسِ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، وَرَجُلٌ يَوْمَ قَوْمًا وَهُمْ يَوْمَ يَوْمِ يَوْمِ، وَعَبْدٌ آدَى حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوْلَاهُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین قسم کے آدمی ملک کے ٹیلوں پر ہوں گے، راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن، کہ جن پر اگلے اور پچھلے سب ہی لوگ رکھ کریں گے، ایک وہ مرد جو ہر دن اور رات میں پانچوں نمازوں کی اذان دیتا ہے، اور دوسرا وہ مرد جو لوگوں کی امامت کرتا ہے اور لوگ اس سے خوش ہوں، اور تیسرا وہ غلام، جو اللہ کا حق اور اپنے آقاؤں کے حقوق ادا کرتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ يَزْفَعُهُ قَالَ: ثَلَاثَةٌ يُحِبُّهُمْ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: رَجُلٌ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتْلُو كِتَابَ اللَّهِ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ صَدَقَةً يَخْشَاهُ، قَالَ: أَزَاهُ مِنْ شِمَالِهِ، وَرَجُلٌ كَانَ فِي سِرِّيَّةٍ فَأَنْهَزَ أَصْحَابَهُ فَاسْتَقْبَلَ الْعَدُوَّ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین شخص ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں، ایک وہ شخص جو (نماز تہجد کے لئے) رات کو کھڑا ہوتا ہے اور (نماز میں) کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہے، دوسرا وہ شخص جو اپنے دائیں ہاتھ سے اس طرح صدقہ کرتا ہے کہ (نماز میں) اسے چھپاتا ہے، راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے بائیں ہاتھ سے (چھپاتا ہے) اور تیسرا وہ شخص جو ایک چھوٹے لشکر میں تھا، اس کے ساتھیوں نے شکست کھائی، لیکن اس نے (تھا) دشمن کا مقابلہ کیا۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ثَلَاثَةٌ يُحِبُّهُمْ اللَّهُ وَثَلَاثَةٌ يُبْغِضُهُمُ اللَّهُ، فَأَمَّا الَّذِينَ يُحِبُّهُمْ اللَّهُ، فَرَجُلٌ آتَى قَوْمًا

فَسَأَلَهُمْ بِاللَّهِ، وَلَمْ يَسْأَلَهُمْ لِقَرَابَةِ بَيْنِهِ وَبَيْنَهُمْ فَمَنْعُوهُ، فَتَخَلَّفَ رَجُلٌ بِأَعْيَانِهِمْ، فَأَعْطَاهُ سِرًّا لَا يَعْلَمُ بِعَطِيَّتِهِ إِلَّا اللَّهُ وَالَّذِي أَعْطَاهُ. وَقَوْمٌ سَازُوا لِيَلْتَهُمْ حَتَّى إِذَا كَانَ النَّوْمُ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ وَمَا يَعْدِلُ بِهِ، فَوَضَعُوا زُؤُسَهُمْ قَامَ رَجُلٌ يَتَمَلَّقُنِي وَيَتَلَوُّ آيَاتِي، وَرَجُلٌ كَانَ فِي سَرِيَّةٍ فَلَقِيَ الْعَدُوَّ فَهَزَمُوا، فَأَقْبَلَ بِصَدْرِهِ حَتَّى يَقْتُلَ أَوْ يَفْتَحَ لَهُ. وَالثَّلَاثَةُ الَّذِينَ يُبْغِضُهُمُ اللَّهُ: الشَّيْخُ الزَّالِي، وَالْفَقِيرُ الْمُخْتَالُ، وَالغَنِيُّ الظُّلُومُ.

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں اور تین ہی قسم کے افراد کو ناپسند کرتے ہیں، چنانچہ جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، ان میں سے پہلا وہ شخص ہے، جو کسی قوم کے پاس آیا اور ان سے اللہ کے واسطے سے سوال کیا اور ان سے اس رشتہ داری کی وجہ سے نہیں مانگا، جو اس کے اور ان لوگوں کے درمیان ہو، لیکن انہوں نے اسے کچھ بھی نہ دیا، پھر انہی میں سے ایک بندہ اس کے پیچھے ہوا اور اس کو خفیہ طریقے سے دیا، اس کے عطیہ کو اللہ تعالیٰ اور اس شخص کے علاوہ کہ جس کو اس نے دیا، کوئی نہیں جانتا تھا، اور (دوسرا وہ عبادت گزار جو) ایسی قوم سے ہے، جو ساری رات چلتی رہی، یہاں تک کہ جب انہیں نیند ہر اس چیز سے پیاری ہوئی، جو نیند کے برابر ہے، تو ان میں سے ایک شخص (میری عبادت کے لئے) کھڑا ہوا، جو میری چا پلوسی یعنی میرے سامنے آہ وزاری کرنے لگا اور میری آیتیں پڑھنے لگا اور تیسرا وہ شخص کہ جو ایک چھوٹے لشکر میں تھا، جس نے دشمن سے مقابلہ کیا، پس وہ شکست کھا گئے، لیکن یہ شخص اپنے سینہ سے آگے بڑھتا کہ اسے قتل کر دیا جائے یا اسے فتح حاصل ہو جائے، اور وہ تین شخص جنہیں اللہ تعالیٰ ناپسند کرتے ہیں، پہلا بوڑھا زنا کرنے والا، دوسرا متکبر فقیر اور تیسرا ظالم (یعنی ٹال مٹول) کرنے والا مالدار۔

مشکل الفاظ کے معنی :- کسان: (کاف پر پیش) کعب کی جمع ہے: ٹیلے۔ یبغطہم: ان پر غبطہ اور رشک کرتے ہیں۔ سریہ: چھوٹا لشکر، جس میں نبی کریم ﷺ شریک نہ ہوں۔ فاستقبل العدو: اس نے دشمن کا آنا سامنا کیا، مقابلہ کیا۔ یبغضہم: اللہ تعالیٰ انہیں ناپسند کرتے ہیں۔ تخلف: پیچھے ہوا۔ مما یعدل بہ: ہر اس چیز سے جو نیند کے برابر قرار دی گئی ہو، یعنی نیند غالب آگئی، یہاں تک کہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو گئی۔ یتملقنی: میری چا پلوسی کرنے لگا، یعنی میرے سامنے آہ وزاری اور گڑگانے لگا۔ المختال: تکبر کرنے والا، اترانے والا۔ ظلوم: ٹال مٹول کے ذریعہ بہت زیادہ زیادتی کرنے والا۔

اللہ کے ہاں کچھ پسندیدہ اور کچھ ناپسندیدہ لوگ

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے ان بعض لوگوں کا ذکر فرمایا، جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور جو ناپسند ہیں، ان لوگوں کی تفصیل، جو اللہ کو پسند ہیں، یہ ہے:

(۱) وہ مؤذن جو دن رات پانچوں نمازوں کی اذان دیتا ہے۔

- (۲) وہ امام مسجد، جس سے اس کے مقتدی خوش ہوں۔
 (۳) وہ غلام، جو حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ادا کرتا ہے۔
 (۴) رات کو اٹھ کر نماز تہجد پڑھنے والا، جبکہ لوگ مزے کی نیند سو رہے ہوتے ہیں۔
 (۵) خفیہ طریقے سے نقلی صدقہ دینے والا۔
 (۶) لشکر کے گھست کھانے کے باوجود، اسلام کی سربلندی کے لئے اکیلے دشمن سے مقابلہ کرنے والا، یہاں تک کہ اسے شہید کر دیا جائے یا اسے فتح حاصل ہو جائے۔
 وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں مغضوب اور ناپسندیدہ ہیں:

- (۱) وہ زانی جو بوڑھا ہو۔
 (۲) تکبر کرنے والا فقیر۔
 (۳) وہ والد ار جوادا نیگی میں بلا وجہ کی ٹال مٹول کرتا ہے، یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ (۱)

بَاب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يُوشِكُ الْفَرَاتُ يَخْبِسُ عَنْ كَنْزٍ مِنَ الذَّهَبِ، لَمَنْ خَضَرَهُ فَلَا يَأْخُذُ مِنْهُ شَيْئًا.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عنقریب دریائے فرات سونے کا خزانہ برآمد کرے گا، لہذا جو شخص اس وقت وہاں موجود ہو تو وہ ہرگز اس میں سے نہ لے۔

دریائے فرات سے خزانے نکلنے کی پیش گوئی

علامات قیامت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دریائے فرات کا پانی خشک ہو جائے گا، بعض کے نزدیک نزول عیسیٰ کے بعد، جبکہ بعض محدثین کے نزدیک امام مہدی کے ظہور کے وقت خروج عیسیٰ کے قریب یہ علامت ظاہر ہوگی، چنانچہ فرات کے نیچے سے پہاڑ کی صورت میں سونے کا خزانہ برآمد ہوگا، نبی کریم ﷺ نے اس خزانے کو لینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اسے حاصل کرنے سے قتل و قتل اور طرح طرح کے فتنے رونما ہوں گے، ایک اور حدیث میں ہے کہ اس قدر شدید لڑائی ہوگی کہ ہر سو میں سے ننانوے آدمی قتل ہو جائیں گے، اس کے باوجود ہر شخص اس امید سے وہ خزانہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا کہ شاید میں قتل و قتل کے بغیر ہی حاصل کر لوں گا، لیکن بالآخر وہ بھی اس میں پھنس جائے گا، اس خزانے کو حاصل کرنے سے رکنا گویا دخول جنت کا باعث ہوگا، اس

لئے امام ترمذی نے اس حدیث کو ابواب صفۃ الجنۃ میں ذکر کیا ہے، اور جو اسے حاصل کرے گا، اس نے حضور ﷺ کے امر کی مخالفت کی ہے لہذا اس پر اس کی باز پرس ہو سکتی ہے۔ (۱)

اس حدیث میں ”لَا یَاْعُدُ“ نہی کا صیغہ ہے۔



(۱) فتح الباری ۱۰/۱۳ کتاب الفتن، باب خروج النار، الکوکب الدری ۱۱۹/۳، مرقاة المفاتیح ۷/۱۰، کتاب الفتن، باب
أشراط الساعة

أَبْوَابُ صِفَةِ جَهَنَّمَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

نبی کریم ﷺ سے جہنم سے متعلق احادیث پر مشتمل ابواب

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ النَّارِ

یہ باب جہنم کی آگ کے بیان میں ہے

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يُؤْتَى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَهَا سَبْعُونَ أَلْفَ زِمَامٍ، مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ، يَخُزُّونَهَا.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن جہنم کو اس طرح لایا جائے گا کہ اس کی ستر ہزار لگا میں ہوں گی، ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے، جو اسے کھینچ کر لائیں گے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَخْرُجُ عَقْلٌ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَهُ عَيْنَانِ ثَبِيصَتَانِ، وَأُذُنَانِ تَسْمَعَانِ، وَلِسَانٌ يَنْطَلِقُ، يَقُولُ: إِنِّي وَكَلْتُ بِفُلَانَةٍ: بِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ، وَبِكُلِّ مَنْ دَعَا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ، وَبِالْمُضْطَرِّينَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن دوزخ کی آگ ایک لمبی گردن کی صورت میں نکلے گی، جس کی دو آنکھیں ہوں گی، جو دیکھتی ہوں گی، اور دو کان ہوں گے، جو سنتے ہوں گے، اور ایک زبان جو بولتی ہوگی، وہ کہے گی: بیشک مجھے تین شخصوں پر مقرر کیا گیا ہے (کہ میں انہیں اپنے اندر داخل کر دوں) ہر ظلم کرنے والا متکبر، اور ہر اس شخص کو جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے (یعنی شرک کرے) اور تصویر کھینچنے والوں کو۔

مشکل الفاظ کے معنی :- جہنم: آخرت کی آگ کا نام ہے، اکثر مخفی حضرات کے نزدیک یہ عجیبی لفظ ہے اور عجمہ اور تعریف کی وجہ سے غیر منصرف ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک یہ عربی لفظ ہے، جس کے معنی ”انتہائی گہرے یا سخت“ کے ہیں اور اسے جہنم بھی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی آگ بہت ہی گہری ہے، یا یہ کہ اس کا معاملہ بہت سخت ہے۔ یونہی: (مجہول کا صیغہ ہے) لایا جائے گا۔ یجوزونہا: وہ فرشتے اس جہنم کو کھینچ کر لائیں گے۔ عقی: (عین اور لون پر پیش کے ساتھ): دوزخ کی آگ کی لمبی گردن، طاعلی قاری فرماتے ہیں کہ اس سے ایک طاقتور شخص مراد ہے (۱)۔ وکلت: (متکلم مجہول) مجھے مقرر کیا گیا ہے۔ جبار: سرکش متکبر۔ عنید: ظالم جو جاننے کے باوجود حق کو رد کر دے۔

دوزخ کو میدان حشر میں لایا جائے گا

اس باب کی احادیث میں نبی کریم ﷺ نے جہنم کی ہولناکیوں کا ذکر فرمایا ہے کہ قیامت کے دن جہنم کو اپنی جائے پیدائش سے میدان حشر میں لایا جائے گا، تاکہ لوگ اسے دیکھ سکیں، اس کے ساتھ ستر ہزار لگائیں ہوں گی، ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے، جو اسے میدان حشر میں کھینچ کر لائیں گے، اس جہنم کو میدان حشر میں کس طرح لایا جائے گا، اس کی صحیح حقیقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے، کیونکہ جہنم جو اس وقت ساتوں زمینوں کے نیچے ہے، اس وقت وہ بھڑک اٹھے گی اور سب سمندر آگ ہو کر اس میں شامل ہو جائیں گے، (۱)

دوسری حدیث میں فرمایا کہ جہنم کی آگ کی گردن ہوگی، جو دو آنکھوں سے دیکھے گی، دوکانوں سے سنے گی اور زبان سے بولے گی، چنانچہ جہنم کہے گی کہ مجھے تین شخصوں پر مقرر کیا گیا ہے، تاکہ میں انہیں اپنی آغوش میں لے لوں، ایک وہ شخص جو متکبر اور ظالم ہو، دوسرا مشرک اور تیسرا وہ شخص جو تصویر کھینچتا ہو، آج ہمارے معاشرے میں تصویر کشی کا بہت رواج ہو گیا ہے، تقریباً ہر شخص اس میں مبتلا ہے، مزید افسوسناک بات یہ ہے کہ اسے گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا، حالانکہ شرعی عذر کے بغیر تصویر کھینچنا اور کھنچوانا یہ سب ناجائز اور حرام ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی اصلاح فرمائے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ قَعْرِ جَهَنَّمَ

یہ باب جہنم کی گہرائی سے متعلق ہے

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: قَالَ عُتْبَةُ بْنُ غَزْوَانَ عَلَى مَنْبَرِنَا هَذَا، مَنْبَرِ الْبُصْرَةِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ الصَّخْرَةَ الْعَظِيمَةَ لَتَلْقَى مِنْ شَفِيرِ جَهَنَّمَ فَتَهْوِي فِيهَا سَبْعِينَ عَامًا، مَا تَلْفِظُ إِلَى قَرَارِهَا، قَالَ: وَكَانَ عَمْرٌ يَقُولُ: أَكْثَرُوا إِذْ كَرَّ النَّارِ، فَإِنَّ حَرَّهَا شَدِيدٌ، وَإِنْ قَعْرُهَا بَعِيدٌ، وَإِنْ مَقَامِعُهَا حَدِيدٌ.

حضرت حسن کہتے ہیں عتبہ بن غزوآن نے ہمارے بصرہ کے اس منبر پر حضور اکرم ﷺ کی حدیث سنائی کہ آپ نے فرمایا: ایک بڑا پتھر جہنم کے کنارے سے (اس میں) پھینکا جائے اور وہ اس میں ستر برس تک نیچے گرتا رہے، تب بھی وہ اس کی تیک نہیں پہنچ سکے گا، عتبہ بن غزوآن کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جہنم کو بکثرت یاد کیا کرو، کیونکہ اس کی گرمی نہایت سخت ہے، اس کی گہرائی بہت دور ہے (یعنی بہت ہی گہری ہے) اور اس کے ہتھوڑے لوہے کے ہیں۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: قَالَ: الصَّغُودُ جَبَلٌ مِنْ نَارٍ، يَتَصَعَّدُ فِيهِ الْكَافِرُ سَبْعِينَ خَرِيفًا، وَيَهْوِي فِيهِ

يَكْذِبُ الْكَافِرُ أَبَدًا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”صعود“ نامی جہنم کا ایک پہاڑ ہے، جس پر کافر ستر برس میں چڑھے گا، اور اتنی ہی مدت میں گرتا رہے گا، اور ہمیشہ اسی چڑھنے اور اترنے کے عذاب میں رہے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- صخرة: (صاد پر زبر اور خاء کے سکون کے ساتھ) بڑا سخت پتھر۔ لتلقى: (صیغہ مجہول) پھینکا جائے گا، ڈالا جائے گا۔ شفیر: کنارا۔ تہوی فیہا: جہنم میں گرتا رہے گا۔ ماتفضی: وہ پتھر نہیں پہنچ سکے گا۔ قوارھا: جہنم کی گہرائی، اس کی تہ۔ قعر: (قاف پر زبر اور عین کے سکون کے ساتھ) گہرائی، تہ۔ مقامع: مقمعة کی جمع ہے، ہتھوڑے، کوڑے۔ صعود: (صاد پر زبر) جہنم کا ایک پہاڑ۔ يتصعد: (صیغہ معروف) چڑھتا ہے۔ خریفًا: سال۔ ابدًا: ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، اصل عبارت اس طرح ہے: یكون دالما فی عذاب الصعود و الہبوط یعنی وہ کافر اسی چڑھنے اور اترنے کے عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہے گا۔

جہنم کی گہرائی کا ذکر

باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایک مثال کے ذریعہ جہنم کی گہرائی کا ذکر فرمایا، وہ یہ کہ جہنم کے کنارے سے ایک بہت بڑا سخت پتھر اگر اس میں ڈال دیا جائے اور مسلسل ستر سال تک وہ نیچے گرتا رہے، تب بھی وہ جہنم کی تہ تک نہیں پہنچ سکے گا، ”ستر“ کے عدد سے مخصوص تعداد امرائیں نہیں، بلکہ اس سے کثرت و زیادتی مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ بیسیوں سال بھی اگر وہ پتھر جہنم میں نیچے کی طرف گرتا رہے تو بھی وہ اس کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا، اس سے اندازہ لگائیے کہ جہنم کس قدر وسیع و عریض اور گہری ہے، چنانچہ عقبہ بن غزو ان کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ دوزخ کو کثرت سے یاد کیا کرو، اس کی گرمی بہت سخت، اس کی گہرائی بہت بعید اور اس کے ہتھوڑے لوہے کے ہیں، بار بار یاد کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ دل نیکی کی طرف مائل ہوگا اور گناہوں سے بچ جائے گا۔ (۱)

”صعود“ جہنم کا ایک پہاڑ

”صعود“ جہنم کا ایک پہاڑ ہے، جس کے ذریعہ کافر کو سزا دی جائے گی، اسے حکم ہوگا کہ تم اس پہاڑ پر چڑھو، وہ ستر سال میں اس پر چڑھے گا اور پھر ستر سال تک اس سے گرتا رہے گا، یہ عذاب اسے ہمیشہ کے لئے ہوتا رہے گا کہ ایک عرصہ تک اوپر چڑھے گا، پھر ایک مدت کے بعد نیچے تک پہنچے گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم کی اس آیت ”سأدھقہ صعودًا“ کی تفسیر میں

فرمایا کہ ”صعود“ جہنم کا ایک پہاڑ ہے، کافر کو اس پر چڑھنے کا حکم ہوگا، جب وہ اس پہاڑ پر ہاتھ رکھے گا تو وہ پکسل جائے گا اور جب ہاتھ اٹھالے گا تو وہ پہاڑ صحیح سالم ہو جائے گا، ایسے ہی جب کافر اس پر اپنا پاؤں رکھے گا تو وہ پکسل جائے گا، اٹھائے گا تو وہ پہاڑ صحیح حالت میں ہو جائے گا، وہ ستر سال میں اس پر چڑھے گا اور اتنی ہی مدت میں اس سے اترے گا۔

اور اصل میں قرآن کریم کی آیت ”سارھقہ صعوداً“ ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جس نے دین اسلام کی حقانیت واضح ہو جانے کے باوجود ابوجہل کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کیا، اسے اللہ نے خوب مال و دولت اور اولاد سے نوازا تھا، اس کا بھی یہ تقاضا تھا کہ وہ اللہ کا شکر بجالاتا، لیکن وہ بھی دیگر کفار مکہ کی طرح بد بخت ہی ہوا، اس کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ ہم اسے صعود پہاڑ پر چڑھا دیں گے، پھر وہ ہمیشہ اسی چڑھنے اور اترنے کے عذاب میں ہی مبتلی رہے گا۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي عَظَمِ أَهْلِ النَّارِ

یہ باب اہل دوزخ (کی جسامت) کے بڑے ہونے کے بیان میں ہے،

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: حُبْسُ الْكَافِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِثْلُ أَحَدٍ، وَفَحْدُهُ مِثْلُ الثَّبِيضَاءِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ مِثْلُ ثَلَاثٍ مِثْلِ التَّوْبَقِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کافر کی داڑھ قیامت کے دن احد پہاڑ کی طرح اور اس کی ران بیضاء پہاڑ کی طرح ہوگی، اور دوزخ میں اس کے بیٹھنے کی جگہ تین دن کی مسافت کے بقدر ہوگی، جیسا کہ ربذہ ہے، (یعنی اتنی مسافت کے بقدر جتنا کہ ربذہ اور مدینہ کے درمیان ہے اور بیضاء ایک پہاڑ کا نام ہے)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ الْكَافِرَ لَيَسْجَبُ لِسَانُهُ الْقُرْآنَ مَسْجُوعًا وَالْقُرْآنُ مَسْجُوعٌ يَتَوَطَّأُ النَّاسُ. حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک کافر اپنی زبان کو (زمین پر) تین اور چھ (انگریزی) میل تک کھیٹے گا، لوگ اسے روندتے پھریں گے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: قَالَ: إِنَّ غُلَظَ جِلْدِ الْكَافِرِ اثْنَانِ وَأَرْبَعُونَ ذِرَاعًا، وَإِنَّ حُبْسَهُ مِثْلُ أَحَدٍ، وَإِنَّ مَقْعَدَهُ مِنَ جَهَنَّمَ مِثْلُ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک کافر کی کھال بیالیس ہاتھ موٹی ہوگی، اور اس کی داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی اور جہنم میں اس کے بیٹھنے کی جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان فاصلے کے برابر ہوگی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ عظم: (عین کے نیچے زبر اور ظام پر زبر) بڑائی، کسی شئی کا بڑا ہونا۔ حُبْسُ: (ضاد کے نیچے زیر) دانت، داڑھ۔ بیضاء: ایک پہاڑ کا نام ہے۔ لیسج: کھیٹنے کا، نکالے گا۔ فوسخ: زمین کی مسافت جو انگریزی تین میل کے

برابر ہو۔ یعوطاہ: اس زبان کو روندیں گے، روندتے پھریں گے۔ غلط: (تین کے نیچے زیر اور لام پر زبر) سوتا ہونا، سوتا کی۔ ذراعاً: ہاتھ، گز۔ رملۃ: (راء اور باء پر زبر) مدینہ منورہ سے تین دن کی مسافت پر واقع ایک قصبہ، جو ذات عرق کے قریب ہے۔

دوزخ میں کافر کی جسامت

مذکورہ احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کافر کی جسامت بڑی کر دی جائے گی تاکہ اسے زیادہ سے زیادہ عذاب ہو سکے، چنانچہ اس کی داڑھ احد پہاڑ کی طرح، ران بیضا پہاڑ کے برابر اور اس کی کھال بیالیس ہاتھ موٹی ہوگی اور اپنی لمبی چوڑی جسامت کی وجہ سے اپنے بیٹھنے کے لئے اتنی جگہ گھرے گا، جتنی کہ مدینہ اور ربذہ کے درمیان ہے یا جتنا کہ مکہ و مدینہ کے درمیان فاصلہ ہے، اس کی زبان اتنی بڑی ہوگی کہ وہ کافرا سے ایک فرخ اور دو فرخ یعنی تین تین اور چھ میل تک زمین پر گھسیٹے گا، لوگ اس کو اپنے ٹکڑوں کے نیچے روندتے ہوئے گزریں گے۔

اس باب کی احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں کافروں کے جسم بڑے اور پھیلے ہوئے ہوں گے، جبکہ ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ ”قیامت کے دن متکبر لوگوں کو میدان حشر میں اس طرح لایا جائے گا کہ ان کے جسم چوٹیوں کی طرح ہوں گے اور ان کی صورتیں مردوں کی ہوں گی اور پھر انہیں جہنم کے قید خانے کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا۔ بظاہر ان دونوں روایات میں تعارض سا ہے؟

اس تعارض کے حل کے لئے شارحین حدیث نے تین توجیہات ذکر کی ہیں:

(۱) حدیث میں ”متکبرین“ سے ”گنہگار مؤمن“ مراد ہیں، جبکہ باب کی احادیث میں کفار کا ذکر ہے کہ ان کے جسم بہت بڑے کر دیئے جائیں گے۔

(۲) بعض نے کہا کہ میدان حشر میں تو انہیں چوٹیوں کے جسم میں لایا جائے گا، جہاں وہ لوگوں کے قدموں کے نیچے روندے جائیں گے، اس کے بعد ان کے بدن اپنی شکل میں ہو جائیں گے، پھر انہیں دوزخ میں ڈال کر ان کے جسم غیر معمولی ساخت میں بڑے کر دیئے جائیں گے، جیسا کہ مذکورہ احادیث میں بیان کیا گیا ہے، تاکہ انہیں زیادہ عذاب دیا جاسکے۔

(۳) بعض نے کہا ہے کہ اہل دوزخ کے عذاب مختلف ہوں گے، بعضوں کو عذاب کے طور پر چوٹیوں کی طرح کر دیا جائے گا، اور بعضوں کے جسموں کو غیر معمولی انداز سے بڑا کر دیا جائے گا، چنانچہ جس کافر پر جس قدر سخت عذاب کا فیصلہ ہوگا، تو اس کا جسم بھی اسی قدر بڑی جسامت والا اور اس کے بیٹھنے کی جگہ بھی زیادہ لمبی چوڑی ہوگی اور جو کافر نسبتاً ہلکے عذاب میں ہوگا تو اس کی جسامت اور بیٹھنے کی جگہ بھی نسبتاً کم، لمبی چوڑی ہوگی۔ (۱)

(۱) تکملة فتح للہم ۲/۲۱۰ کتاب الجنة، باب النار يدخلها الجبارون، مرقاة ۱۰/۳۱۱، کتاب احوال القیامة، باب صفة النار

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شَرَابِ أَهْلِ النَّارِ

یہ باب دوزخیوں کے مشروبات کے بیان میں ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي قَوْلِهِ كَالْمُهْلِ قَالَ: كَتَعَكِرِ الزَّيْتِ، فَإِذَا قَرَّبَهُ إِلَى وَجْهِهِ سَقَطَتْ فَرَوْهُ وَجْهَهُ لِيَهُ.

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "کالمہل" کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ تیل کی تلمچ کی مانند ایک چیز ہوگی اور جب دوزخی (اسے پینے کے لئے) اپنے منہ کے قریب کرے گا تو (گرمی کی وجہ سے) اس کے منہ کی کھال اس میں گر پڑے گی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ الْحَمِيمَ لَيَصُبُّ عَلَى رُؤُوسِهِمْ فَيَنْفُذُ الْحَمِيمُ حَتَّى يَخْلُصَ إِلَى جَوْفِهِ فَيَسْلُطُ مَا فِي جَوْفِهِ حَتَّى يَمُزِقَ مِنْ قَدَمَيْهِ هُوَ الصَّهْرُ، ثُمَّ يَغَادُ كَمَا كَانَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک گرم پانی دوزخیوں کے سروں پر ڈالا جائے گا، تو وہ گرم پانی (جسم میں) سرایت کر جائے گا، یہاں تک کہ وہ اس کے پیٹ تک پہنچ جائے گا، اور ان چیزوں کو کاٹ ڈالے گا، جو اس کے پیٹ میں ہیں (یعنی گردے، آنتیں اور کلیجہ وغیرہ) یہاں تک کہ وہ گرم پانی پیٹ کے اندر کی چیزوں کو کاٹا اور گلانا ہو اس کے پیروں کے راستے سے باہر نکل جائے گا، قرآن کریم کی اس آیت (یصهر به ما في بطونهم و الجلود) میں لفظ "صهر" کے یہی معنی ہیں، پھر اس دوزخی کو دوبارہ اسی طرح کر دیا جائے گا، جیسا کہ وہ پہلے تھا (یعنی وہ صحیح سالم ہو جائے گا)۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي قَوْلِهِ: (وَيَسْقَى مِنْ مَاءٍ صَدِيدٍ يَتَجَرَّعُهُ) قَالَ: يَقْرَبُ إِلَى فِيهِ فَيَكْرَهُهُ، فَإِذَا أَذْنِي مِنْهُ شَوَى وَجْهَهُ وَقَعَتْ فَرَوْهُ وَأَسْبَهُ، فَإِذَا شَرِبَهُ، قَطَعَ أَمْعَاءَهُ، حَتَّى يَخْرُجَ مِنْ ذُبُرِهِ، يَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: {وَسَقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ}، وَيَقُولُ: (وَأَنْ يَسْتَفْثِلُوا يُفَاثِلُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ، يَشْوَى الْوُجُوهَ بِفَسِّ الشَّرَابِ، وَنَسَاءَتْ مِنْ تَفَقُّا).

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "و يسقي من ماء صديد يتجرعه" (اور اس کو دوزخ میں) ایسا پانی پینے کو دیا جائے گا جو کہ پیپ، لہو ہوگا، جس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پے گا۔) کی تفسیر میں فرمایا کہ (جب) وہ پانی اس (گنہگار دوزخی) کے قریب کیا جائے گا، تو وہ اسے ناپسند کرے گا، اور جب وہ پانی مزید اس کے قریب کیا جائے گا، تو وہ اس کے چہرے کو بھون ڈالے گا، اور اس کے سر کی کھال اس میں گر پڑے گی، اور جب وہ اس پانی کو پے گا، تو اس کی آنتیں نکلے نکلے کر دے گا، یہاں تک کہ وہ پانی (یا کئی ہوئی

آنتیں) اس کے پاخانے کے راستے سے باہر نکل جائے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وستوماہ جمیما فقیطع اسماءہم (انہیں گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتیں کاٹ دے گا)، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وان یستقیوا..... (اور اگر وہ لوگ فریاد کریں گے تو انہیں تیل کی تلچھٹ کی مانند پانی دیا جائے گا، جو ان کے چہروں کو بھون دے گا، بری ہے پینے کی یہ چیز، اور بری ہے رہنے کی جگہ)۔

عن ابی سعید الخدری عن النبی قال: کالمہل قال: کعکیر الزب فإذا قرب إلیہ سقطت فروة وجهہ فیہ۔ وبہذا الإسناد عن النبی ﷺ قال: لیسر ادق النار أربعة جذر، کشف کل جذر مسیوہ أربعین سنۃ۔ وبہذا الإسناد عن النبی ﷺ قال: لو أن ذلوا من غساق یہراق فی الدنیا لأتکن أهل الدنیا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "کالمہل" کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ تیل کی تلچھٹ کی طرح ہے، جب اسے دوزخی کے قریب کیا جائے گا تو اس کے چہرے کی کھال اس میں گر پڑے گی۔ اسی سند سے یہ بھی منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دوزخ کے احاطہ کے لئے چار دیواریں ہیں اور ہر دیوار کی موٹائی چالیس سال کی مسافت کے برابر ہے۔ اور اسی سند سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر دوزخیوں کی کھال سے بہنے والا خراب خون اور پیپ کا ایک ڈول بھر کر دنیا میں انڈیل دیا جائے، تو ساری دنیا والے سڑ جائیں۔

عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قرأ هذه الآية: {اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون} قال رسول الله ﷺ: لو أن قطرة من الزقوم قطرت في دار الدنيا لأفسدت على أهل الدنيا معایشهم، فكيف بمن یكون طعامہ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے یہ آیت: اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن الا وانتم مسلمون (اللہ سے اس طرح ڈرو، جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور ہرگز تم نہ مرو، مگر یہ کہ تم مسلمان ہو) تلاوت فرمائی، پھر فرمایا: اگر تھوہر کا ایک قطرہ (بھی) دنیا کے گھر پر پڑکا دیا جائے، تو یقیناً دنیا والوں کے سامان زندگی کو تہس نہس کر دے، تو اس شخص کا کیا حال ہوگا، جس کی خوراک ہی زقوم ہوگی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ مہل: (میم پر پیش اور ہاء پر سکون) تیل کی تلچھٹ۔ عکیر: (عین اور کاف پر زبر) تیل کی تلچھٹ۔ فروة: (فاء پر زبر) چمڑا، کھال۔ حمیم: بھولتا ہوا گرم پانی۔ یصب: (صیغہ مجہول) ڈالا جائے، گرایا جائے۔ ینفذ: نفوذ کر جائے گا، ہرایت کرے گا۔ حتی یخلص: یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے گا۔ یسلط: (لام پر پیش اور زیر کے ساتھ) وہ کاٹ دے گا۔ حتی یمرق: یہاں تک کہ وہ نکل جائے گا۔ صہو: (صاد پر زبر کے ساتھ) پگھلانا۔ صدید: پیپ۔ یتجرعہ: وہ اسے گھونٹ گھونٹ کر کے پئے گا۔ إلی فیہ: اس کے منہ کی طرف۔ أدنی: (صیغہ مجہول) قریب کیا جائے گا۔ شوی: بھون ڈالے گا۔ وان

یستغیثوا: اور اگر وہ فریاد طلب کریں۔ مورتقاً: رہنے کی جگہ، منزل۔ سرادق: (سین پر پیش، راء پر زبر اور وال کے نیچے زیر) چاروں طرف سے گھیرنے والی دیوار یا پردہ اور قاتیں وغیرہ۔ جلد: جدار کی جمع ہے: دیوار۔ کشف: (کاف کے نیچے زیر اور ثاء پر زبر) موٹائی۔ عساق: (غین پر زبر اور سین پر تشدید) دوزخیوں کی کھال سے بننے والا خراب خون اور پیپ۔ اُنتن: سڑ جائیں، بدبودار ہو جائیں، بھرقا: (صیغہ مجہول) بہایا جائے۔ حق نقاتہ: جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ زقوم: (زاء پر زبر) ایک تلخ اور بدبودار درخت، جس کا پھل اہل دوزخ کی غذا ہے، اور اس کی جڑ دوزخ کی تہ میں ہے، دوزخی کڑواہٹ کی وجہ سے اسے نہیں کھائیں گے، تو زبردستی انہیں کھلایا جائے گا، تموہر۔ قطرت: (صیغہ مجہول) قطرہ چٹکایا جائے۔ افسدت: تہس نہس کر دے، تباہ و برباد کر دے۔ معایش: معیشۃ کی جمع ہے، سامان زندگی۔

اہل دوزخ کے مشروب

اس باب کی احادیث میں نبی کریم ﷺ نے ان چیزوں کا ذکر فرمایا، جو اہل دوزخ کفار کو عذاب کے طور پر پلائی اور کھلائی جائیں گی، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) جب وہ پانی طلب کریں گے، تو انہیں ایسا پانی پینے کے لئے دیا جائے گا، جو تیل کی تلچٹ کی طرح ہوگا، جب وہ اپنے منہ کے قریب کریں گے، تو ان کے چہرے کو بھون ڈالے گا، سر کی کھال اس میں گر جائے گی، اور جب وہ اسے پیئیں گے تو ان کی آنتیں کاٹ ڈالے گا، اسی کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت و ان یستغیثوا... میں ذکر فرمایا ہے۔

(۲) گرم پانی انہیں پینے کے لئے دیا جائے گا، اور عذاب کے طور پر ان کے سروں پر بھی ڈالا جائے گا، پیٹ کے اندر یہ پانی جائے گا، تو اس سے آنتیں اور پیٹ کے اندر کے سب اجزاء و اعضاء گل جائیں گے، کچھ پانی اوپر بیٹھے گا، جس سے کھال گل جائے گی، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ یہی ”صہر“ ہے، جو قرآن مجید کی اس آیت میں مذکور ہے یصب من فوق رؤسہم الحمیم یصہر بہ مافی بطونہم والجلود (ان کے سروں پر تیز گرم پانی ڈالا جائے گا، جس سے پیٹ کی چیزیں (یعنی انتڑیاں وغیرہ) اور ان کی کھالیں سب پگھل جائیں گی) اور ”صہر“ کے معنی بھی پگھلانے کے ہیں۔

(۳) دوزخیوں کے جسموں سے بننے والا عساق، یعنی خراب خون اور پیپ، اتنا سڑا ہوا اور بدبودار ہوگا کہ اگر اس کا ایک ڈول دنیا میں ڈالا جائے تو ساری دنیا بدبودار ہو جائے اور سڑ جائے۔

(۴) دوزخ کے احاطہ کے لئے آگ کی چار دیواریں اور قاتیں ہوں گی، جن میں سے ہر ایک کی چوڑائی چالیس برس کی مسافت کے بقدر ہوگی، جنہی اسی احاطے میں رہیں گے، اس سے باہر نہیں جاسکیں گے۔

(۵) ”حق نقاتہ“ کے معنی ہیں فرائض و واجبات کو صحیح طریقے سے بجالانا اور گناہوں سے پرہیز کرنا، یعنی اس سے کمال تقویٰ مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص تقویٰ کے مطابق زندگی گزارتا رہے اور اس میں خوب اہتمام کرے، تو وہ مسلمان ہو کر ہی مرے گا

اور دنیا کی آفات اور فتنوں سے محفوظ اور آخرت کے عذاب سے بچ جائے گا، اور جو شخص اس میں کوتاہی کرے گا، تو وہ آخرت کے عذاب میں مبتلی ہو سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اس آیت یعنی اتقوا اللہ حق تقاتہ... کے بعد اہل دوزخ کی غذا ”زقوم“ کو ذکر فرمایا، اس سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ”تقویٰ“ ہی عذاب دوزخ سے بچنے کا اصل سبب ہے اور جو شخص تقویٰ اختیار نہ کرے، تو وہ دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہو سکتا ہے۔

اور ”زقوم“ اہل دوزخ کی غذا ہوگی یہ ایک تلخ اور بدبودار درخت کا پھل ہے، جو جہنمیوں کی غذا ہوگا، وہ اتنا زہریلا، گرم اور بدبودار ہوگا کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی دنیا پر پڑکا دیا جائے تو ساری دنیا کے سامان زندگی کو تہس نہس کر دے، تو جن لوگوں کی یہ خوراک ہوگا، ان کا کیا حال ہوگا، اللہ ہی محفوظ رکھے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ طَعَامِ أَهْلِ النَّارِ

یہ باب اہل دوزخ کی خدائے کے بیان میں ہے

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يُلْقَى عَلَى أَهْلِ النَّارِ الْجُوعُ فَيَعْدُلُ مَا هُمْ فِيهِ مِنَ الْعَذَابِ، فَيَسْتَوِفُونَ فَيَعَالُونَ بِطَعَامٍ مِنْ طَرِيعٍ، لَا يَسْمِنُ وَلَا يَغْنَى مِنْ جُوعٍ، فَيَسْتَوِفُونَ بِالطَّعَامِ فَيَعَالُونَ بِطَعَامٍ ذِي غَضَّةٍ، فَيَذْكُرُونَ أَنَّهُمْ كَانُوا يُحْيِزُونَ الْغَضَصَ فِي الدُّنْيَا بِالشَّرَابِ فَيَسْتَوِفُونَ بِالشَّرَابِ فَيَذْفَعُ إِلَيْهِمُ الْحَمِيمُ بِكَالِإِبِ الْحَدِيدِ فَإِذَا ذُكَّتْ مِنْ وَجْهِهِمْ شَوْثٌ وَجْهُهُمْ، فَإِذَا دَخَلَتْ بَطُونُهُمْ قَطَعَتْ مَا فِي بَطُونِهِمْ، فَيَقُولُونَ: ادْعُوا خَزَنَةَ جَهَنَّمَ، فَيَقُولُونَ: أَلَمْ تَكُنْ تَأْتِيكُمْ رَسُولُكُمْ بِالْهَيْبَاتِ؟ قَالُوا: بَلَى، قَالُوا: فَادْعُوا وَمَا دَعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ. قَالَ: فَيَقُولُونَ: ادْعُوا مَالِكًا، فَيَقُولُونَ: يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ، قَالَ: فَيَجِيبُهُمْ إِنَّكُمْ مَا كُنْتُمْ، قَالَ الْأَعْمَشُ: ثَبُثْتُ أَنَّ بَيْنَ دُعَائِهِمْ وَبَيْنَ إِبْجَابَةِ مَالِكٍ إِلَهُهُمْ أَلْفَ عَامٍ، قَالَ: فَيَقُولُونَ: ادْعُوا رَبَّكُمْ فَلَا أَحَدَ خَيْرَ مِنْ رَبِّكُمْ، فَيَقُولُونَ: رَبَّنَا عَلَبْتُ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ، رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عَذَابَنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ، قَالَ: فَيَجِيبُهُمْ: اخْسَأُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ. قَالَ: فَعِنْدَ ذَلِكَ يَتَسَوَّاهُ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ وَعِنْدَ ذَلِكَ يَأْخُذُونَ فِي الزَّيْفِ وَالْحَسْرَةِ وَالْوَيْلِ۔

حضرت ابو الدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دوزخیوں پر بھوک اس طرح مسلط کی جائے گی کہ اس بھوک کی اذیت اس عذاب کے برابر ہوگی، جس میں وہ دوزخی پہلے سے گرفتار ہوں گے، (بھوک کی شدت سے تنگ آکر) وہ کھانے کی فریاد کریں گے، تو مضر بیج کے کھانے سے ان کی فریاد پوری کی جائے گی، جو نہ موٹا کرے گا

اور نہ بھوک کو ختم کرے گا (اس کھانے کے بے فائدہ ہونے کی وجہ سے) وہ دوبارہ کھانا طلب کریں گے، تو انہیں ایسا کھانا دیا جائے گا، جو گلے میں اٹکنے والا ہوگا، اس وقت وہ یاد کریں گے کہ دنیا میں گلے میں اٹکی ہوئی چیزوں کو پانی سے نیچے اتارتے تھے، تب وہ پانی طلب کریں گے، تو انہیں کھولتا ہوا گرم پانی لوہے کے آکڑوں کے ذریعہ دیا جائے گا، اور جب گرم پانی کے برتن ان کے مونہوں کے قریب ہوں گے، تو ان کے چہروں کو بھون ڈالیں گے اور جب وہ (یعنی پیپ اور غساق وغیرہ) ان کے پیٹ میں داخل ہوں گی تو پیٹ کے اندر کی چیزوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گی، تو وہ کفار ایک دوسرے سے کہیں گے کہ جہنم کے داروغوں کو بلاؤ، وہ داروغے ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس رسول واضح دلائل لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے: جی ہاں کیوں نہیں (رسول نشانیاں لے کر آئے تھے) وہ فرشتے کہیں گے کہ تم پکارو اور کافروں کی پکار صرف گمراہی میں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پھر کافر کہیں گے کہ ”مالک“ کو پکارو (یعنی داروغہ جہنم سے مدد کی درخواست کرو)، چنانچہ وہ کہیں گے: اے مالک آپ کے رب کو چاہیے کہ وہ ہمارا فیصلہ کر دے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ مالک (اپنی طرف سے یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے) انہیں جواب دے گا کہ تم نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم ہی میں رہنا ہے،

اعش (حدیث کے راوی) کہتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ ان کی پکار اور مالک کے جواب میں ایک ہزار برس کی مدت ہوگی، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ کافر ایک دوسرے سے کہیں گے کہ تم اپنے رب کو پکارو، کیونکہ تمہارے رب سے بہتر کوئی نہیں۔ پھر وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب: ہم پر بدبختی غالب آگئی ہے، اور ہم گمراہ تھے، اے ہمارے پروردگار: ہمیں اس عذاب سے نکال دے، اگر ہم اس کے بعد بھی کفر و شرک کی طرف جائیں، تو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہوں گے، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ انہیں جواب دے گا: اسی دوزخ میں پھنکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو، آپ نے فرمایا: اس وقت وہ دوزخی ہر بھلائی سے مایوس ہو جائیں گے اور گدھے کی طرح ڈینگیں مارنے لگیں گے اور حسرت و تباہی کو پکاریں گے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: وَهُمْ فِيهَا كَالْحُونَ، قَالَ: تَشْوِيهِ النَّارِ فَتَقْلُصُ شَفْطُهُ الْعُلَايَا حَتَّى تَبْلُغَ وَسَطَ أَسْفَلِ شَفْطِهِ السُّفْلَى حَتَّى تَضْرِبَ سَوْتَهُ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے وہم فیہا کالحوں (اور وہ کافر جہنم میں بد شکل ہوں گے، ان کے منہ بگڑے ہوئے ہوں گے) کی تفسیر میں فرمایا: کہ دوزخ کی آگ کافر کے منہ کو بھون ڈالے گی، جس سے اس کے اوپر کا ہونٹ اوپر کو سمٹ جائے گا، یہاں تک کہ سر کے درمیانی حصہ تک پہنچ جائے گا، اور اس کا نیچے کا ہونٹ لٹک جائے گا، یہاں تک کہ اس کی ناف تک پہنچ جائے گا۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ النَّعَاصِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَوْ أَنَّ رِضَاعَةَ مِثْلَ هَذِهِ، وَأَشَارَ إِلَى مِثْلِ

الْجَمْعُ جَمْعٌ، أُرْسِلَتْ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ وَهِيَ مَسِيرَةٌ خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ لَبِقَتْ الْأَرْضَ قَبْلَ اللَّيْلِ، وَلَوْ أَنَّهَا أُرْسِلَتْ مِنْ رَأْسِ السِّلْسِلَةِ لَسَارَتْ أَرْبَعِينَ خَرِيفًا، اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ، قَبْلَ أَنْ تَبْلُغَ أَصْلَهَا أَوْ قَعَهَا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر سیسہ کا ایک گولہ اس جیسا ہو اور آپ ﷺ نے (سر کی طرف) اشارہ فرمایا کہ وہ کھوپڑی جیسا ہو، آسمان سے زمین کی طرف چھوڑا جائے، جس کا درمیانی فاصلہ پانچ سو برس کی مسافت کے برابر ہے، تو وہ رات سے پہلے زمین پر پہنچ جائے (یعنی بہت مختصر مدت میں) اور اگر وہ گولہ ”زنجیر“ کے سرے سے چھوڑا جائے، تو چالیس سال مسلسل دن رات چلنے کے بعد اس زنجیر کی جڑ یعنی اس کے آخری سرے تک یا یہ فرمایا کہ اس کی تہ تک پہنچے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ بَلْقَى: (صیغہ مجہول) مسلط کی جائے گی۔ یَعْدِلُ: وہ برابر ہوگا۔ یَسْتَغِيثُونَ: کھانے کی فریاد کریں گے، طلب کریں گے۔ فَيُغَاثَوْنَ: ان کی مدد کی جائے گی، ان کی فریادیں کی جائے گی۔ ضَرِيعٌ: دوزخ کا ایک خاردار اور بہت کڑوا درخت، جو بدبودار اور انتہائی زہریلا ہوگا، یہاں حدیث میں ضریح سے آگ کے کانٹے مراد ہیں، جو ایلوے سے زیادہ کڑوے، مردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے زیادہ گرم ہوں گے۔ لَا يَسْمَنُ: ہونا نہیں کرے گا۔ لَا يَغْنَى: بے نیاز نہیں کرے گا، ختم نہیں کرے گا۔ ذِي غَصَّةٍ: گلے میں انک جانے والا۔ یَجِيزُونَ: گزار لیتے ہیں، آسانی سے نگل لیتے ہیں۔ غَصَصٌ: غصہ کی جمع ہے، انکی ہوئی چیز، انکا ہوا القمہ۔ کَلَالِيبٌ: کلبوب کی جمع ہے، آنکڑے، خم دار تین نوکی لوہے کی سلاخ، جو کسی پھنسی ہوئی چیز کو نکانے کے لئے ہوتی ہے، زنبور۔ دَنْتٌ: گرم پانی کے برتن ان کے قریب ہوں گے۔ شَوْتٌ: بھون ڈالیں گے۔ دَخَلَتْ بَطُونُهُمْ: جب وہ گرم پانی، پیپ اور عشاق ان کے پیٹوں میں جاکیں گے۔ قَطَعَتْ: وہ کٹڑے کٹڑے کر دیں گے۔ یَقُولُونَ: وہ کافر ایک دوسرے سے کہیں گے۔ خُزْنَةٌ: (خاور زاپر زبر کے ساتھ) خازن کی جمع ہے: محافظ، داروغہ۔ بَيْنَاتٌ: بینۃ کی جمع ہے، نشانیاں، واضح دلائل۔ مَالِكٌ: جہنم کا داروغہ۔ انکم ما تکتون: تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں ہی رہو گے۔ نَبِثٌ: مجھے خبر دی گئی۔ شَقَوْنَا: ہماری بد بختی۔ فَا نَعْدُنَا: اگر ہم دوبارہ کفر و شرک کی طرف لوٹے۔ اِخْسَاءٌ وَ اِفْهَامٌ: تم جہنم میں ہی پھنکارے ہوئے رہو۔ یَتَسَبَّوْا: نا امید ہو جائیں گے۔ زَفِيرٌ: گدھے کی طرح چیخ دیکار اور آواز۔ حَسْرَةٌ: افسوس۔ وِیلٌ: ہلاکت و تباہی، کلمہ عذاب ہے، کالحنون: بد شکل، گڑبی ہوئی شکل والے، جس کے دونوں ہونٹ اس کے دانتوں کو نہ چھپائیں، ایک اوپر رہے اور دوسرا نیچے، اور دانت نکلے ہوئے نظر آئیں۔ تَشْوِيْهُ النَّارِ: آگ اس کو بھون ڈالے گی۔ تَقْلُصُ: سمٹ جائے گا۔ شَفْثَةُ الْعُلْيَا: اوپر کے ہونٹ۔ تَسْتَرْخِي: لٹک جائے گا۔ سِرْتُهُ: اس کی ناف تک۔ رِصَاصَةٌ: سیسہ، راگ۔ کَاوَلٌ: جمع جمعة: (جیم پر پیش، مِم ساکن، جیم پر پیش اور مِم پر زبر) سر کی کھوپڑی۔ أُرْسِلَتْ: (صیغہ مجہول) اس گولے کو چھوڑا جائے۔ رَأْسُ السِّلْسِلَةِ: زنجیر کے سرے سے۔ أَصْلُهَا: اس کی جڑ یعنی آخری انتہا تک۔ قَعُوهَا: اس کی تہ تک۔

اہل دوزخ کا کھانا

اہل دوزخ پر اس قدر شدید بھوک مسلط کی جائے گی کہ اس کی تکلیف جہنم کے دیگر عذابوں کے برابر ہوگی، ایسے میں وہ کھانا مانگیں گے، تو انہیں ضریح کا کھانا دیا جائے گا، جس کے کھانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا نہ وہ بھوک مٹائے گا اور نہ اس سے کوئی صحت بنے گی، چنانچہ قرآن کریم کی اس آیت: لیس لهم طعام الا من ضریح لا یسمن ولا یغنی من جوع (اور ان دوزخیوں کو ایک خاردار جھاڑ کے سوا اور کوئی کھانا نصیب نہ ہوگا، جو نہ تو کھانے والوں کو موٹا کرے گا اور نہ ان کی بھوک کو دفع کرے گا) میں اسی عذاب کا ذکر ہے، یہ کھانا چونکہ بے فائدہ ہوگا، تو وہ دوبارہ کھانا طلب کریں گے، تو اب انہیں ایسا کھانا دیا جائے گا، جو ہڈی یا آگ کے کانٹے وغیرہ کی طرح ہوگا، جو گلے میں پھنس جائے گا، قرآن کریم کی اس آیت ان لدینا انکالا وجحیما وطعاما ذا غصۃ و عذابا الیما (حقیقت یہ ہے کہ (کفر و شرک کرنے والوں کے لئے) ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں اور دوزخ کی بھڑکتی آگ ہے، اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے) میں اسی عذاب کی طرف اشارہ ہے۔

انہیں یاد آئے گا کہ دنیا میں اچھو لگنے سے پانی پیا جاتا تھا، تو وہ اٹکا ہوا کھانا نگل لیا جاتا تھا، اس لئے وہ پانی مانگیں گے، تو انہیں کھولتا ہوا گرم پانی لوہے کے آکڑوں کے ذریعہ دیا جائے گا، جو ان کے چہروں کو بھون ڈالے گا اور پیٹ کے اندر کی چیزوں کو کلڑے کلڑے کر دے گا، اس تکلیف سے خلاصی کے لئے وہ جہنم کے دور و دراز ملک سے شفاعت کی درخواست کریں گے، ادھر سے کوئی مثبت جواب نہیں ملے گا، تو براہ راست اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے: ربنا غلبت علینا شقوقنا ہم بد بختی غالب آگئی کہ ہم دنیا میں کفر و شرک میں لگے رہے، جس کی وجہ سے آج ہمیں ذلت و رسوائی کا سامنا ہے، اے ہمارے رب: ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج، اب کی بار اگر ہم کفر و شرک کی طرف لوٹے تو بہت بڑے ظالم ہوں گے، یہ ان کی طرف سے ایک جھوٹ ہوگا، کیونکہ قرآن کریم نے ایک اور آیت میں بتا دیا کہ وہ دوبارہ کفر و شرک ہی اختیار کریں گے، اللہ نے فرمایا: ولوردوا العادوا لما نہوا عنه و انہم لکاذبون (اور اگر یہ لوگ پھر دنیا میں واپس بھیج دیئے جائیں، تب بھی یہ وہی کام کریں گے، جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیں گے کہ تمہیں دھتکار ہو، مجھ سے دور ہو جاؤ، اور مجھ سے کوئی بات نہ کرو، جب انہیں ہر طرف سے مایوسی ہو جائے گی، تو اس وقت وہ حسرت و افسوس کے نالہ و فریاد اور گدھے کی طرح چیخ و پکار کرنے لگ جائیں گے، تاہم اس سے بھی انہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا، غرض یہ کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں ہی مبتلی رہیں گے۔ (۱)

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ اہل جہنم کا یہ آخری کلام ہوگا، جس کے جواب میں حکم ہو جائے گا کہ ہم سے کلام نہ کرو،

پھر وہ کسی سے کچھ بھی کلام نہ کر سکیں گے، جانوروں کی طرح ایک دوسرے کو طرف بھونکیں گے۔ (۱)

دوزخیوں کے منہ بد شکل ہوں گے

باب کی دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اہل دوزخ کی منہ کی بد شکل کا ذکر فرمایا کہ عذاب کی وجہ سے ان کا اوپر کا ہونٹ سمٹ کر سر کے درمیان پہنچ جائے گا، اور نچلا ہونٹ لٹک کر ناف تک آجائے گا، یہ دراصل قرآنی آیت وہم کالھون کی تفسیر ہے، بعض مفسرین نے کالھون کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ: ”ان کی تیوریاں چڑھی ہوئی ہوں گی، اور بعض نے یہ لکھا ہے کہ“ ان کے دانت ظاہر اور کھلے ہوئے ہوں گے“ یہ معنی اس تفسیر کے زیادہ مناسب ہے، جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ (۲)

دوزخیوں کو باندھنے کی زنجیر

اہل دوزخ کو جہنم کے اندر زنجیر سے باندھا جائے گا، تاکہ وہ ادھر ادھر حرکت نہ کر سکیں، کیونکہ اس سے بھی آگ میں جلنے والا قدرے عذاب میں تخفیف محسوس کرتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زنجیر سے وہ زنجیر مراد ہے، جس میں کافر دوزخی کو اس طرح جکڑا جائے گا کہ پاخانے کے راستے سے اس میں ڈال کر، ناک کے راستے سے اسے نکالا جائے گا، تاکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکے، (۳)

اس زنجیر کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحاقۃ کی اس آیت میں کیا ہے: ثم فی سلسلۃ ذرعا سبعون ذراعا فاسلکوها (پھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس دوزخی کو ایک زنجیر میں جکڑ دو جس کی لمبائی ستر گز ہے)۔

قرآن کریم کی اس آیت میں اس زنجیر کی لمبائی ستر گز بیان کی گئی ہے، جبکہ اس باب کی تیسری حدیث میں اس زنجیر کی اس سے کہیں زیادہ لمبائی کا ذکر ہے، تو بظاہر ان دونوں مقداروں میں تعارض سا ہے؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) تعارض نہیں کیونکہ ستر کے عدد سے کوئی مخصوص تعداد مراد نہیں، بلکہ اس سے محض کثرت و مبالغہ مراد ہے، اور عربی زبان میں ستر کے عدد سے کثرت کے معنی مراد لینا عام ہے۔

(۲) اس گز سے دنیا کا گز مراد نہیں، بلکہ اس سے آخرت کا گز مراد ہے، جس کی وسعت، لمبائی اور کیفیت و صورت اللہ ہی کو معلوم ہے، اسے دنیا کے گز پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

بہر حال باب کی تیسری حدیث سے اس زنجیر کی لمبائی کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر ایک سیسہ کا گولہ آسمان سے پھوڑا

(۱) معارف القرآن ۶/۳۳۷

(۲) شرح الطیبی ۶۸۴/۱۰ کتاب احوال القیامۃ، تفسیر قولہ تعالیٰ: وہم فیہا کالھون، مرقاۃ ۱۰/۳۴۸

(۳) تفسیر ابن کثیر عربی ۵۴۵/۳، سورۃ الحاقۃ

جائے تو وہ تھوڑی سی دیر میں زمین پر پہنچ جائے گا، کیونکہ گول اور بھاری چیز اوپر سے نیچے کی طرف بہت جلدی آتی ہے، حالانکہ زمین و آسمان کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت کے بقدر فاصلہ ہے، لیکن اگر وہی گول اس زنجیر کے ایک سرے سے چھوڑا جائے تو چالیس سال تک چلنے کے بعد وہ گول اس زنجیر کے دوسرے سرے تک پہنچ سکے گا، اس سے اندازہ لگائیے کہ وہ زنجیر کتنی بڑی ہوگی، ہر کافر دوزخی کو اس میں جکڑا جائے گا، تاکہ وہ آگ سے بچاؤ کے لئے ادھر ادھر حرکت نہ کر سکے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس سے امان میں رکھے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ نَارَ كُمْ هَذِهِ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِينَ جُزْءِ امِنْ نَارِ جَهَنَّمَ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ تمہاری دنیا کی یہ آگ جہنم کی آگ کا ستر واں (۷۰) حصہ ہے
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: نَارَ كُمْ هَذِهِ الَّتِي تَوْقَدُونَ، جُزْءٌ وَاحِدٌ مِنْ سَبْعِينَ جُزْءِ امِنْ نَارِ جَهَنَّمَ، قَالُوا: وَاللَّهِ إِنْ كَانَتْ لِكَافِيَةِ نَارِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: فَإِنَّهَا فَصَلَتْ بِسَبْعَةِ وَسَبْعِينَ جُزْءِ، كُلُّهُمْ مِثْلُ حَوْهَا۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری یہ آگ جس کو تم جلاتے ہو، دوزخ کی آگ کا ستر واں حصہ ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ: بخدا یہ آگ (جلانے کے لئے) یقیناً کافی ہے، آپ نے فرمایا: دوزخ کی آگ کو (دنیا کی آگ پر) نہتر حصہ بڑھا دیا گیا ہے اور ان نہتر حصوں میں سے ہر ایک حصہ، دنیا کی آگ کی حرارت کے برابر ہے۔

بَاب مِثْنُهُ

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: نَارَ كُمْ هَذِهِ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِينَ جُزْءِ امِنْ نَارِ جَهَنَّمَ، لِكُلِّ جُزْءٍ مِنْهَا حَوْهَا۔
حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہاری دنیا کی یہ آگ جہنم کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے، ان میں سے ہر ایک حصہ کے لئے دنیا کی آگ کی گرمی کے برابر گرمی ہے۔
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَوْقَدَ عَلَى النَّارِ أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى اخْمَرَتْ ثُمَّ أَوْقَدَ عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى ابْيَضَّتْ، ثُمَّ أَوْقَدَ عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى اسْوَدَّتْ فَهِيَ سَوْدَاءٌ مُظْلِمَةٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دوزخ کی آگ ایک ہزار برس تک سلگائی گئی، یہاں تک کہ وہ سرخ ہو گئی، پھر وہ ایک ہزار برس تک جلانی گئی، یہاں تک کہ وہ سرخ ہو گئی، پھر وہ ایک ہزار برس تک جلانی گئی، یہاں تک کہ وہ سفید ہو گئی، پھر وہ ایک ہزار برس تک روشن کی گئی، یہاں تک کہ وہ سیاہ ہو گئی، چنانچہ

اب وہ خوب سیاہ و تاریک ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- فضلت : بڑھادی گئی۔ توقدون : تم جلاتے ہو، سلگاتے ہو۔ ان کانت : یہ ان مخففہ من المسئلہ ہے۔ مثل حوہا : دنیا کی آگ کی گرمی کے برابر۔ حتی احمرت : یہاں تک کہ وہ آگ سرخ ہوگئی۔ حتی ابیضت : یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی۔ حتی اسودت : یہاں تک کہ وہ آگ سیاہ ہوگئی۔ سوداء : سیاہ۔ مظلمۃ : تاریک۔

دوزخ کی آگ کی گرمی

ان احادیث سے دوزخ کی آگ کی شدت حرارت ثابت ہوتی ہے کہ دنیا کی یہ آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے، ستر کے عدد سے کثرت و مبالغہ مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ جہنم کی آگ دنیا کی اس آگ کے مقابلے میں کہیں زیادہ گرم ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہی عذاب کے لئے ہے، تو پھر اس کی حرارت کیسے زیادہ نہ ہو، چنانچہ اس آگ کو یوں تیار کیا گیا کہ پہلے ایک ہزار برس تک اس آگ کو جلایا گیا، تو وہ سرخ ہوگئی، پھر ایک ہزار برس تک جلایا گیا تو وہ سفید ہوگئی، پھر ایک ہزار برس جلانے کے بعد سیاہ ہو گئی، چنانچہ اب وہ خوب سیاہ اور تاریک ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ دنیا کی آگ کی جہنم کی آگ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے، لیکن چونکہ دنیا میں شدید ترین سزا آگ کے ذریعہ ہوتی ہے، اس لئے سمجھانے کے لئے جہنم کی آگ کو دنیا کی آگ کے مقابلے میں ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: دنیا کی آگ ہی عذاب کے لئے کافی ہے، اس پر مزید اہتر گنا اضافہ کرنے کی بظاہر کوئی ضرورت نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جہنم کی آگ کو اس لئے بڑھایا گیا ہے، تاکہ اللہ کا عذاب دنیا والوں کے عذاب کے مقابلے میں ممتاز ہو جائے اور تاکہ اہل دوزخ کو پتہ چل جائے کہ اللہ کا عذاب اہل دنیا کے عذاب سے کہیں زیادہ سخت ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ لِلنَّارِ نَفْسَيْنِ وَمَا ذَكَرَ مَنْ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مِنْ أَهْلِ التَّوْحِيدِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ دوزخ کے لئے دوسرے ہیں اور اہل توحید کا اس سے نکالے جانے کے ذکر میں ہے
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: اشْتَكَتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا، وَقَالَتْ: أَكَلْتُ بَعْضِي بَعْضًا، فَجَعَلَ لَهَا نَفْسَيْنِ، نَفْسًا فِي الشَّيْءِ، وَنَفْسًا فِي الصَّنِيفِ، فَأَمَّا نَفْسُهَا فِي الشَّيْءِ فَرَمْهَرِيزٌ، وَأَمَّا نَفْسُهَا فِي الصَّنِيفِ فَتَسْنُومٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دوزخ نے شکایت کی اور حال عرض کیا کہ

میرے بعض اجزاء بعض کو کھا گئے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے دوسانس مقرر کر دیئے، ایک سانس سردی میں اور ایک سانس گرمی میں، چنانچہ سردی میں اس کا سانس زمہریر یعنی سخت سردی کا سبب ہوتا ہے اور گرمی میں اس کا سانس سوم یعنی سخت لو کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: قَالَ هِشَامٌ: يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ، وَقَالَ شُعْبَةُ: أَخْبَرَنَا جُوَائِمُ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شُعْبَةُ، أَخْبَرَنَا جُوَائِمُ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ بَرْقُ، أَخْبَرَنَا جُوَائِمُ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ ذُرَّةٌ مَخْفُفَةٌ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہشام کی روایت میں ہے کہ جہنم سے نکلے گا اور شعبہ کہتے ہیں کہ: حکم ہوگا کہ دوزخ سے ہر اس شخص کو نکال دو، جو لا الہ الا اللہ کہتا ہے، اور اس کے دل میں جو کے دانے کے برابر ایمان ہے، اور جہنم سے ہر اس شخص کو نکال دو، جو لا الہ الا اللہ کہتا ہے اور اس کے دل میں گیہوں کے دانے کے برابر ایمان ہے، اور دوزخ سے ہر اس شخص کو نکال دو، جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر ایمان ہو اور شعبہ نے اپنی روایت میں کہا کہ اس کے دل میں ایک مکئی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو، شعبہ نے لفظ ذرہ کو تخفیف کے ساتھ نفل کیا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يَقُولُ اللَّهُ: أَخْبَرَنَا جُوَائِمُ النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِي يَوْمَ مَا أَوْخَاذُهُ، فِي مَدَمٍ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (قیامت کے دن) فرمائیں گے کہ جہنم سے ہر اس شخص کو نکال دو، جس نے مجھے ایک دن بھی یاد کیا ہو یا، مجھ سے کسی جگہ ڈرا ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنِّي لَا أَعْرِفُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ النَّارِ خُزَّ جَاءَ: رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنْهَا رَاحِلًا، يَقُولُ: يَا رَبِّ: قَدْ أَخَذَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ، قَالَ: فَيَقَالُ لَهُ: انْطَلِقْ إِلَى الْجَنَّةِ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ، قَالَ: فَيَذْهَبُ لِيَدْخُلَ فَيَجِدُ النَّاسَ قَدْ أَخَذُوا الْمَنَازِلَ فَيَزِجُّ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ: قَدْ أَخَذَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ، قَالَ: فَيَقَالُ لَهُ: أَتَدْكُرُ الزَّمَانَ الَّذِي كُنْتَ فِيهِ؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ، فَيَقَالُ لَهُ: تَمَنَّ، قَالَ: فَيَتَمَنَّى، فَيَقَالُ لَهُ: فَإِنَّ لَكَ الَّذِي تَمَنَيْتَ وَعَشْرَةَ أَضْعَافِ الدُّنْيَا، قَالَ: فَيَقُولُ: أَتَسْخَرُ مِنِّي، وَأَنْتَ الْمَلِكُ؟ قَالَ: رَأَيْتَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ضَحِكَ، حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِدُهُ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اس شخص کو خوب پہچانتا ہوں، جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا، وہ ایک مرد ہوگا، جو جہنم سے گھسٹا ہوا نکلے گا اور عرض کرے گا، اے میرے پروردگار: لوگوں نے تو جنت کے سب گھر لے لئے ہوں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے کہا جائے گا کہ جنت کی طرف جا اور

اس میں داخل ہو جا، آپ نے فرمایا: چنانچہ وہ جائے گا، تاکہ جنت میں داخل ہو، لیکن وہ لوگوں کو اس حال میں پائے گا کہ انہوں نے جنت کے تمام کھرلے لئے ہیں، پھر وہ لوٹے گا اور عرض کرے گا، اے میرے پروردگار: لوگوں نے واقعی سب کھرلے لئے ہیں، فرمایا آپ نے: اس سے کہا جائے گا: کیا تجھے وہ وقت یاد ہے، جس میں تو تھا (یعنی عذاب دوزخ یا اس سے دنیا کی ملکیت مراد ہے) وہ کہے گا: جی ہاں (یاد ہے) پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو آرزو کر، آپ نے فرمایا: پھر وہ آرزو کرے گا، تو اس سے کہا جائے گا کہ بیشک تیرے لئے وہ کچھ ہے، جس کی تو نے تمنا کی ہے اور دنیا کا دس گنا (بھی)، فرمایا آپ نے: وہ (تعجب سے) کہے گا، کیا آپ میری مذاق اڑا رہے ہیں جبکہ آپ تو (بادشاہوں کے بھی) بادشاہ ہیں، راوی کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ہشتے ہوئے دیکھا، یہاں تک کہ آپ کی مبارک داڑھیں ظاہر ہونے لگیں۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنِّي لَا أَعْرِفُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنَ النَّارِ وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخْرًا إِلَى الْجَنَّةِ، يُؤْتَى بِزُجَلٍ، فَيَقُولُ: سَلُّوا عَنِّي صِفَارَ ذُلِّهِمْ وَأَخْبِثُوا أَكْبَارَ مَا فِيهِمْ، فَيَقَالُ لَهُ: عَمِلْتَ كَذَا وَكَذَا، يَوْمَ كَذَا وَكَذَا، عَمِلْتَ كَذَا وَكَذَا، فَيُنْفَخُ فِي يَوْمٍ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: فَيَقَالُ لَهُ: فَإِنَّ لَكَ مَكَانَ كَلِّ سَيِّئَةٍ حَسَنَةٍ، قَالَ: فَيَقُولُ: تَارِبٌ، لَقَدْ عَمِلْتُ أَشْيَاءَ مَا أَزَاهَا هَاهُنَا، قَالَ: فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَضْحَكُ، حَتَّى يَدُثَ نَوَاجِدُ.

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک میں دوزخ سے سب سے آخر میں نکلنے والے اور سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والے کو جانتا ہوں (اسکی صورت یہ ہوگی کہ) ایک مرد کو لایا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اس سے اس کے چھوٹے گناہوں کے بارے میں پوچھو اور بڑے گناہوں کو چھپا دو، تو اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں دن، اس اس طرح کیا ہے، اور فلاں فلاں دن تو نے ایسا ایسا کیا ہے، آپ نے فرمایا: اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے ہر برائی کے بدلہ ایک نیکی ہے، فرمایا آپ نے: وہ عرض کرے گا، اے میرے پروردگار: میں نے اور بھی بہت سے گناہ کئے تھے، جنہیں میں یہاں نہیں دیکھ رہا، راوی کہتے ہیں کہ تحقیق میں نے نبی کریم ﷺ کو ہشتے ہوئے دیکھا، یہاں تک کہ آپ کی مبارک داڑھیں بھی ظاہر ہو گئیں۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يُعَذَّبُ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ التَّوْحِيدِ فِي النَّارِ، حَتَّى يَكُونُوا فِيهَا حُمَمًا، ثُمَّ تُنْفَخُ فِيهِمُ الرِّحْمَةُ، فَيَخْرُجُونَ، وَيَطْرَحُونَ عَلَى أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، قَالَ: فَيُؤْتَى عَلَيْهِمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْمَاءَ، فَيَنْبَثُونَ كَمَا يَنْبَثُ الْغَنَاءُ فِي حِمَالَةِ السَّبِيلِ، ثُمَّ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل توحید میں سے کچھ لوگوں کو جہنم کا عذاب دیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ دوزخ میں کوئلے (کی طرح) ہو جائیں گے، پھر رحمت الہی ان کو پالے گی، چنانچہ انہیں جہنم

سے نکالا جائے گا، اور جنت کے دروازوں پر ڈال دیا جائے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر جنتی لوگ ان پر آب حیات چھڑکیں گے، جس سے وہ اس طرح اگنے لگیں گے، جیسے سیلاب کے ساتھ بہنے والا دانہ، بہنے والے پانی کے کنارے پر (بہت جلد) اگتا ہے، پھر وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنَ الْإِيمَانِ، قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: فَمَنْ شَكَّ فَلْيَقْرَأْ {إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ}

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہنم سے ہر وہ شخص نکلے گا، جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی ایمان ہوگا، ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، جس کو یہ شک ہو تو اسے چاہیے کہ وہ یہ آیت پڑھے: ان الله لا يظلم مثقال ذرة (یہ شک اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتے)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ زَوْجَيْنِ مِمَّنْ دَخَلَ النَّارَ اشْتَدَّ صَيْبَاهُمَا، فَقَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: أَخْرِجُوهُمَا، فَلَمَّا أَخْرِجَاهُ قَالَ لَهُمَا: لِأَيِّ شَيْءٍ اشْتَدَّ صَيْبَاكُمَا؟ قَالَا: فَعَلْنَا ذَلِكَ لِتَرْحَمَنَا، قَالَ: رَحِمْتَنِي لَكُمَا أَنْ تَنْطَلِقَا فَنَلْقِيَا أَنْفُسَكُمَا حَيْثُ كُنْتُمَا مِنَ النَّارِ، فَيَنْطَلِقَانِ، فَيَلْقَى أَحَدُهُمَا نَفْسَهُ فَيَجْعَلُهَا عَلَيْهِ بَرْدًا وَسَلَامًا، وَيَقُولُ الْآخَرُ فَلَا يَلْقَى نَفْسَهُ، فَيَقُولُ لَهُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: مَا مَنَعَكَ أَنْ تَلْقَى نَفْسَكَ كَمَا أَلْقَى صَاحِبَكَ؟ فَيَقُولُ يَارَبِّ: إِنِّي لَا زَوْجَ أَنْ لَا تُعِينَنِي فِيهَا بَعْدَ مَا أَخْرَجْتَنِي، فَيَقُولُ لَهُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: لَكَ زَوْجًا وَكَأَنَّكَ لَمْ تَلْقَ الْجَنَّةَ جَمِيعًا بِرَحْمَةِ اللَّهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہنم میں داخل ہونے والوں میں سے دو آدمیوں کی چیخ سخت ہونے لگے گی، اللہ تعالیٰ حکم دیں گے کہ انہیں نکالو، جب انہیں نکالا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ کس وجہ سے تمہارا چیخنا بلند ہوا؟ وہ عرض کریں گے کہ ہم نے ایسا اس لئے کیا تا کہ تو ہم پر رحم کرے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میری رحمت تم دونوں کے لئے یہی ہے کہ تم جاؤ اور اپنی جانوں کو جہنم کے اسی عذاب میں ڈال دو، جہاں تم (پہلے) تھے، چنانچہ وہ دونوں جائیں گے، ان میں سے ایک شخص اپنی جان کو جہنم میں ڈال دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی والی کر دیں گے اور دوسرا کھڑا رہے گا، اپنے نفس کو جہنم میں نہیں ڈالے گا، اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ تجھے کس چیز نے اس سے روکا ہے کہ تو اپنے آپ کو جہنم میں ڈالے جیسا کہ تیرے ساتھی نے ڈال دیا ہے؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار مجھے امید ہے کہ آپ مجھے دوبارہ جہنم میں نہیں ڈالیں گے بعد اس کے کہ آپ نے مجھے اس سے نکالا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ تیرے ساتھ تیری امید کے مطابق معاملہ ہوگا، بالآخر دونوں کو اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ حُصَيْنٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَيَخْرُجَنَّ قَوْمٌ مِنَ أُمَّتِي مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَتِي، يُسْمَوْنَ

الْجَهَنَّمِینَ۔

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ ضرور میری سفارش سے جہنم سے نکلیں گے، جنہیں ”جہنمی“ کہا جاتا ہوگا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا زِلْتُ مَغْلُ النَّارِ نَامَ هَارِبُهَا، وَلَا مَغْلُ الْجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے دوزخ کے برابر کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی کہ اس سے بھاگنے والا سو جائے اور جنت کے برابر کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی کہ اس کا طلب کرنے والا سو جائے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- اشتکت : دوزخ نے شکایت کی۔ نفس : (نون اور فا پر زبر کے ساتھ) سانس۔ زمہور : سخت ٹھنڈک۔ مسموم : (سین پر زبر) گرم لو، شدید گرمی۔ مایزن شعيرة : جو کے وزن کے برابر۔ برة : (با پر پیش) گیہوں، گندم۔ ذرة : اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے۔ ۱۔ (ذال پر زبر اور را کی تشدید کے ساتھ) معمولی ذرہ، انتہائی باریک ذرہ، مطلب یہ ہے کہ جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی ایمان ہوگا، تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ ۲۔ شعبہ راوی کے طریق میں ذرہ (ذال پر پیش اور را پر زبر کے ساتھ) ہے، جس کے معنی مکئی کے ہیں، یہ معنی اگرچہ جو اور گندم کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، لیکن جمہور نے پہلے معنی یعنی ذرہ کے معنی کو ترجیح دی ہے۔ زحفا : زمین پر گھسٹا ہوا۔ بدت نوا جلدہ : نوا جلد جمع ہے ناجدة کی : ڈاڑھیں، معنی یہ ہیں : آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔ اخبوا : تم چھپا دو۔ کبار : کبیرۃ کی جمع ہے : بڑے گناہ، کبیرہ گناہ۔ حمما : (حا پر پیش اور میم پر زبر) حمة کی جمع ہے : کونے۔ قدر کھم : رحمت الہی ان کو پالے گی۔ بطرحون : (صیغہ مجہول) انہیں ڈالا جائے گا۔ یروش : (صیغہ معروف) چھڑکیں گے۔ یبتعون : وہ اگے گئیں۔ غشاء : (غین پر پیش) سیلاب کے ساتھ بہ کر آنے والا دائرہ، خس و خاشاک۔ حمالة السیل : وہ خس و خاشاک اور دانہ جسے ندی کا پانی اور سیلاب بہا لے، اٹھا لے۔ صیاحهما : ان دونوں کی چیخ و پکار۔ بودا و سلاما : ٹھنڈی اور سلامتی والی۔ ان لا تعیدنی : یہ کہ تو مجھے دوبارہ نہیں لوٹائے گا۔ لک ر جاءک : تیرے لئے تیری امید ہے، یعنی تیرے ساتھ تیری امید کے مطابق معاملہ ہوگا۔ لیخو جن : ضرور نکلے گی۔ جہنمین : جہنمی کی جمع ہے، اس نام سے انہیں اس لئے پکارا جائے گا، تاکہ وہ اپنا پہلا ٹھکانہ جہنم کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، اس سے ان کی توبین اور تہلیل مقصود نہیں، اس نام سے وہ پکارے جائیں گے اور، ان کا لقب ”عطاء اللہ“ (اللہ کی طرف سے آزاد کردہ) ہوگا۔ (۱)

جہنم دو سانس لیتی ہے

جہنم نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی کہ میرے بعض حصے نے دوسرے بعض کو کھا لیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانسوں کی

اجازت دی، ”دو سانسوں“ سے کیا مراد ہے؟

علماء فرماتے ہیں کہ اس سے جہنم کے دو سانس مراد ہیں کہ ایک سانس سے دنیا میں شدید حرارت اور دوسرے سانس سے سخت سردی ہو جاتی ہے، چنانچہ کافروں کو جس طرح آگ کا عذاب دیا جائے گا، اسی طرح زمہریر یعنی سخت ٹھنڈک کا عذاب بھی انہیں دیا جائے گا، دنیا میں اس حرارت و برودت کا ظہور سورج کے ذریعہ ہوتا ہے، زمین کا جو خطہ جس قدر سورج کے قریب ہوتا ہے، اس میں شدید گرمی اور جو ممالک جس قدر اس سے دور ہیں، اسی قدر ان میں گرمی کم اور سردی زیادہ ہوتی ہے، اور جو علاقے سورج سے نہ تو بہت دور ہیں اور نہ بہت قریب، ان میں سردی اور گرمی کا توازن برابر ہی رہتا ہے۔ (۱)

اشتکت النار سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے حقیقی معنی مراد ہیں کہ جہنم واقعتاً اپنی زبان سے شکایت کرے گی یا اس سے مجازی معنی مراد ہیں؟ اس میں شارحین حدیث کے دو نقطہ نظر ہیں:

(۱) جمہور علماء کے نزدیک اس سے حقیقی معنی مراد ہیں کہ آخرت میں جہنم اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گی، اس کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے کما قال اللہ تعالیٰ: وان من شیء الا یسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبیحهم۔ (اور کوئی چیز نہیں، جو اس کی خوبیاں نہیں پڑھتی، لیکن تم ان کا پڑھنا نہیں سمجھتے) (اسراء: ۴۴)

(۲) علامہ بیضاوی کے نزدیک اس سے مجازی معنی مراد ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک ”شکایت“ سے جہنم کا جوش مارنا، بعض کا بعض کو کھانے سے اس کے اجزاء کا ازدحام اور سانس لینے سے وہ عذاب مراد ہے، جو جہنم سے نکلے گا۔ (۲)

گنہگار مسلمان بھی بالآخر جنت میں داخل کر دیا جائے گا

اس باب کی باقی احادیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جس گنہگار مسلمان نے دنیا میں توبہ نہ کی ہو، تو آخرت میں کچھ عرصہ اسے عذاب جہنم سے دوچار ہونا پڑے گا، پھر نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اسے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیں گے۔

من ذکرنی یوماً او خافنی فی مقام اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے مجھے ایمان کے ساتھ مخلص ہو کر یاد کیا، یا کسی مقام پر جبکہ اس کے نفس میں گناہ کا تقاضا پیدا ہوا، مجھ سے ڈر اور خوف کی وجہ سے وہ گناہ نہیں کیا، اس سے رک گیا تو ایسے شخص کو بھی بالآخر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

اتذکر الزمان الذی کنت فیہ اس سے یا تو عذاب دوزخ مراد ہے یا اس سے دنیا کی ملکیت مراد ہے، حافظ ابن حجر نے دوسرے معنی مراد لئے ہیں۔

انسوخی و انت الملک“ کیا آپ میرے ساتھ ٹھٹھا اور مذاق کر رہے ہیں، اس تخریہ سے یہاں کیا مراد ہے؟

(۱) الکوکب الدرۃ ۳/۳۲۳

(۲) تحفة الاحوذی ۷/۲۸۸

اس میں دو قول ہیں:

(۱) ابو بکر کہتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حر یہ کی نفی کرنا مقصود ہے، معنی یہ ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ مزاح نہیں کر رہے، کیونکہ آپ رب العالمین ہیں اور جو نعمتیں آپ نے مجھے عطا فرمائی ہیں وہ بھی حق ہیں، بس تعجب اس بات پر ہے کہ آپ نے مجھے اتنا کچھ عطا کیا ہے، جبکہ میں تو اس کا اہل نہیں تھا، اس میں ہمزہ استفہام برائے نفی ہے۔

(۲) قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس جملے سے حر یہ کے حقیقی معنی مراد نہیں، بلکہ یہ جملہ اس سے فرط مسرت کی وجہ سے صادر ہو گا، جیسا کہ حدیث میں ایک بزرگ کا جملہ منقول ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے فرط محبت میں یوں کہہ دیا: انت عبدی وانا ربک (تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں)۔

کما یبیت الغناء... مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ دانہ جو سیلاب کے ساتھ بہ کر آتا ہے، اور ندی کے کنارے پر بہت جلد اگ جاتا ہے، اسی طرح اہل جنت بھی جو جہنم سے نکالے جائیں گے، نہایت جلد آب حیات کی وجہ سے اگ جائیں گے، یعنی ان کے جسم صحیح اور درست ہو جائیں گے۔

رحمتی لکما ان تنطلقا... اس میں سوال یہ ہے کہ جہنم میں داخل ہونا کیسے رحمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب ان دونوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق زندگی نہیں گذاری، بلکہ اللہ کی نافرمانی اور غفلت میں وقت گزارا اور توبہ کے بغیر ہی دنیا سے چلے گئے، تو اب انہیں قیامت میں حکم ہو گا کہ تم اپنے آپ کو جہنم میں ڈال دو، تاکہ انہیں یہ پتہ چل جائے کہ اللہ کی رحمت کا نزول اسی وقت ہو سکتا ہے، جب اس کے حکم کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی سے مکمل طور پر پرہیز کی جائے۔ (۱)

جنت کے حصول اور جہنم سے بچنے کی کوشش میں اس قدر غفلت

اس باب کی آخری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی خوفناک چیز سے یا اپنے کسی ظالم دشمن سے جان بچانے کے لئے بھاگتا ہے، تو بس بھاگتا ہی چلا جاتا ہے، اور جب تک اسے اطمینان نہ ہو جائے اس وقت تک نہ آرام کرتا ہے، نہ سوتا ہے اور نہ بیٹھتا ہے، اسی طرح انسان اپنی پسندیدہ چیز کو حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی کوشش کرتا ہے، خوب تگ و دو کرتا ہے، ذرا غفلت اور سستی نہیں کرتا اور نہ سوتا ہے اور جب تک وہ چیز حاصل نہ ہو جائے، اس وقت تک وہ سکون سے نہیں بیٹھتا، لیکن دوزخ اور جنت کے بارے میں انسانوں کا عجیب حال ہے، حالانکہ دوزخ سے بڑھ کر کوئی خوفناک چیز نہیں، اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ دوزخ سے بچنے کے لئے رات دن ایک کیا جائے، اللہ کی نافرمانی سے مکمل پرہیز کی جائے، لیکن اس سے بچنے کے خواہشمند بھی غفلت کی نیند سور ہے ہیں، اور جنت جس کو حاصل کرنے کے لئے جس قدر کوشش اور تگ و دو کرنی چاہیے، اس کے طلب گار بھی اس طرح کی جدوجہد نہیں کر رہے، بلکہ غفلت کی نیند سور ہے ہیں، غرض یہ کہ جنت کے حصول اور جہنم سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ

احکام کی مکمل اطاعت اور اس کی نافرمانی سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ النِّسَاءُ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ دوزخیوں میں اکثریت عورتوں کی ہوگی

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَطْلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءُ، وَأَطْلَعْتُ فِي النَّارِ، فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے جنت میں جھانکا تو دیکھا کہ اہل جنت کی اکثریت فقراء کی تھی اور جہنم میں جھانکا تو دیکھا کہ اہل دوزخ کی اکثریت عورتوں کی تھی۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَطْلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ، وَأَطْلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ۔

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے جہنم میں جھانکا تو پتہ چلا کہ اہل جہنم کی اکثریت عورتیں ہیں اور جنت میں جھانکا تو معلوم ہوا کہ جنتیوں کی اکثریت فقراء ہیں۔

جہنم میں اکثریت عورتوں کی ہوگی

نبی کریم ﷺ نے جنت اور جہنم کو دیکھا، دیکھنے کا یہ واقعہ کب پیش آیا؟ اس میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ معراج کے موقع پر اور دوسرا یہ ہے کہ نماز کسوف میں آپ نے دیکھا ہے۔

باب کی مذکورہ احادیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) جنت میں اکثریت فقراء کی ہوگی، جنہوں نے دنیا میں تقویٰ کے مطابق زندگی گزاری ہوگی، جنت میں داخلے کا سبب ان کا یہ فقر نہیں بلکہ ان کا صلاح اور نیک ہونا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے مقصود یہ ہے کہ دنیا میں مال و دولت کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرنی چاہیے، جیسا کہ اس میں عورتوں کو اس بات پر براہینتہ کیا جا رہا ہے کہ وہ دین کے امور پر محافظت اور پابندی کیا کریں۔

(۲) دوزخ میں اکثریت عورتوں کی ہوگی، اس پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں اکثریت عورتوں کی ہوگی، جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ جنت میں ہر جنی کو دو دوزخ عورتیں ملیں گی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں زیادہ عورتیں ہوں گی؟

شارحین حدیث نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں:

- (۱) ابتداء جہنم میں عورتیں زیادہ ہوں گی شوہر کی ناشکری وغیرہ کی وجہ سے، مگر چونکہ وہ اہل ایمان ہوں گی، اس لئے سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہو جائیں گی، تو پھر جنت میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جائے گی۔ (۱)
- (۲) حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ جنت کی یہ دو بیویاں جنت کی حوروں میں سے ہوں گی، جیسا کہ بخاری کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔ (۲)
- (۳) بعض نے یہ جواب دیا کہ عورتوں کی تعداد چونکہ دنیا میں زیادہ ہے، اس لئے عورتوں کی تعداد جنت میں جنت کے مردوں سے زیادہ ہوگی، اور جہنم میں ان کی تعداد جنت کی عورتوں اور جہنم کے مردوں سے بھی زیادہ ہوگی۔ (۳)

بَاب

عَنْ الثَّغْمَانِيِّ بْنِ بَشِيرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ أَهْلَ النَّارِ عَذَابًا، رَجُلٌ فِي أَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَتَانِ، يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ.

حضرت نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک دوزخ والوں میں سب سے خفیف عذاب ایک مرد کو ہوگا جس کے دونوں پاؤں کے تلووں میں دو ایسی چنگاریاں ہوں گی جن کی وجہ سے اس کا دماغ کھولتا ہوگا۔
مشکل الفاظ کے معنی :- اُھون: سب سے خفیف اور ہلکا۔ اُخْمَص: پاؤں کا نچلا حصہ، تلو۔ جمرتان: جمرۃ کا شنیہ ہے: چنگاری۔ یغلی: بکھولتا ہوگا، جوش مارے گا۔

جہنم کا ادنیٰ درجہ کا عذاب

اس روایت میں جہنم کا سب سے ادنیٰ درجہ کا عذاب ذکر کیا گیا ہے، کہ اس جہنمی کو آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے جس کی وجہ سے اس کا دماغ کھولتا ہوگا، اور پیٹ سے آگ کے شعلے نکلیں گے، لیکن یہ عذاب بھی اتنا شدید ہوگا کہ وہ آدی یہ سمجھ نہا ہو گا کہ جہنم کا سب سے سخت عذاب گویا مجھے دیا جا رہا ہے۔

دوسری روایت میں تصریح ہے کہ اس ”رجل“ سے آپ ﷺ کے چچا حضرت ابوطالب مراد ہیں، جو اگرچہ حالت کفر میں مرے تھے، لیکن چونکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی مشکل وقت میں بڑی مدد و نصرت کی تھی، اس لئے انہیں جہنم کا سب سے خفیف

(۱) فتح الباری ۱/۶۲ کتاب بدء الخلق، باب ما جاء في صفة الجنة

(۲) فیض الباری ۱/۱۷۷ کتاب الايمان، باب: كفران العشير

(۳) التکرکب الدرۃ ۳/۲۲۵

عذاب ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تمام مسلمانوں کو اس عذاب سے محفوظ فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔ (۱)

باب

عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهَبٍ الْخَزَاعِيِّ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ: كُلُّ ضَعِيفٍ، مُتَضَعِّفٍ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ، لَأَبْرَأَهُ، أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ: كُلُّ غَثَلٍ، جَوَاطِمٍ، مُتَكَبِّرٍ۔

حضرت حارث بن وہب خزاعی کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کیا میں تمہیں اہل جنت کے متعلق نہ بتاؤں؟ جنت میں ہر وہ ضعیف داخل ہوگا، جسے لوگ حقیر جانتے ہیں، اگر وہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر (کسی چیز کے بارے میں) قسم کھائے، تو اللہ تعالیٰ اسے پورا کر دیں، اور کیا میں تمہیں اہل دوزخ کے متعلق نہ بتاؤں؟ اہل دوزخ میں ہر اکھڑ مزاج، اجڈ (یعنی بد مزاج) اور متکبر شخص ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ ضعیف: کمزور آدمی۔ متضعف: وہ ضعیف شخص جسے لوگ حقیر جانتے ہیں۔ أقسم على الله: اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر قسم کھالے۔ لا برأه: تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پورا کر دیں۔ عتل: (عین اور تا پر پیش) روکھا، اکھڑ مزاج آدمی۔ جواظ: اکڑ کر چلنے والا، اجڈ، اکھڑ۔ متکبر: اپنے کو اعلیٰ اور دوسروں کو حقیر و ذلیل اور گھٹیا سمجھنے والا، فخر و غرور کرنے والا۔

جنت اور جہنم میں کون لوگ داخل ہوں گے

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں ان لوگوں کی صفات کا ذکر فرمایا، جو جنت اور جہنم میں جائیں گے، چنانچہ جنت میں وہ لوگ جائیں گے جو بظاہر دنیاوی اعتبار سے شان و شوکت کے حامل نہیں ہوں گے، لوگ انہیں حقیر سمجھتے ہوں گے، وہ نرم دل، نرم خو اور نرم زبان ہوں گے، لیکن ان کا اللہ کے ساتھ ایسا خصوصی تعلق ہوگا کہ اگر وہ کسی کام کے بارے میں اللہ پر اعتماد کر کے قسم کھالیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو ضرور پورا فرمادیں، اور جہنم میں ہر وہ شخص جائے گا، جو تند خو، بد مزاج، اکھڑ مزاج اور متکبر ہوگا، یعنی حق بات سے اعراض اور لوگوں کو حقیر سمجھتا ہوگا۔ (۲)

(۱) الکوکب الدرۃ ۳۲۷/۳، تحفۃ الاحوذی ۲۷۸/۷

(۲) تحفۃ الاحوذی ۲۷۹/۷، تکملۃ فتح اللہم ۲۱۱/۶، کتاب الجنة، باب النار یدخلها الجبارون

ابواب الایمان عن رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ سے ایمان سے متعلق احادیث پر مشتمل ابواب

ایمان کے لغوی معنی

”ایمان“ کا لفظ ”امن“ سے ہے، جس کے معنی کسی چیز سے بے خوف ہونے کے ہیں، جب یہ لفظ باب افعال سے آئے تو متعدی ہو جاتا ہے یعنی امن، اس کے معنی ہیں: امن دیا، بے خوف کر دیا اور ایمان کے لغوی معنی تصدیق کے بھی آتے ہیں، جب اس کے صلد میں باء آ جائے، چنانچہ کہا جاتا ہے: امن بکذا، اس کے معنی ہیں: اس کی تصدیق کی، کیونکہ جب کسی چیز کی تصدیق کر دی جائے تو اس کی تکذیب سے گویا امن حاصل ہو جاتا ہے۔

ایمان کی تعریف

ایمان کی شرعی تعریف شارحین حدیث نے مختلف الفاظ سے ذکر کی ہے، جن کا حاصل تقریباً ایک ہی ہے، چنانچہ جمہور محقق علماء نے اسکی تعریف یوں کی ہے:

”التَّصَدُّيقُ بِمَا عَلِمَ مَعْنَى النَّبِيِّ ﷺ بِهِ مَضْرُوءَةٌ، تَفْصِيلاً فِيمَا عَلِمَ تَفْصِيلاً، وَاجْمَالاً فِيمَا عَلِمَ اجْمَالاً“ (۱)

مطلب یہ ہے کہ ہر اس چیز کی تصدیق کرنا جسکا ثبوت نبی کریم ﷺ سے قطعی طور پر ہے اور یہ بات ضرورۃً یعنی بدھانہ معلوم ہو، اگر آپ سے اس شی کا علم تفصیلی طور پر حاصل ہوا ہے تو اسپر تفصیلی ایمان لانا ضروری ہے اور جس شی کا علم آپ سے اجمالی طور پر ہوا ہے، تو اسپر اجمالی ایمان کافی ہے، مثلاً عذاب قبر کا ثبوت نبی کریم ﷺ سے تو اتر کے ساتھ ثابت ہے، لیکن اجمال کے ساتھ، اس لیے اجمالاً عذاب قبر کی تصدیق کرنا ایمان کیلئے لازم اور ضروری ہوگا، اور عذاب قبر سے متعلق باقی تفصیلات چونکہ خبر واحد سے ثابت ہیں اسلئے ان پر ایمان لانا مؤمن ہونے کیلئے ضروری نہیں، البتہ ایک مسلمان کو خبر واحد پر بھی اطمینان اور عمل کرنا چاہئے اور اسے ماننا چاہئے لیکن اگر کوئی نہ مانے تو وہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔

”تصدیق“ سے مراد یہ ہے کہ دل سے ان تمام باتوں کی اپنے اختیار سے تصدیق کی جائے جن کو نبی کریم ﷺ لیکر آئے تھے، اور ساتھ ہی اسے ”التزام طاعت و شریعت اور انقیاد قلبی“ بھی حاصل ہو اور ہر قل اور ابوطالب نے گو کہ آپکی تصدیق کی اور آپکی صداقت کا زبان سے اظہار بھی کیا لیکن ان میں چونکہ التزام طاعت و شریعت نہیں تھا، اور نہ ہی انہوں نے دوسرے مذہب سے براءت کا اظہار کیا تھا، اس لیے وہ مؤمن نہیں۔

”ضرورۃ“ سے وہ امور مراد ہیں، جو نبی کریم ﷺ سے بطریق تواتر اور دلیل قطعی سے ثابت ہوں اور وہ اس درجہ مشہور ہوں کہ عام لوگوں کی ایک کثیر جماعت اسے جانتی ہو۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ أَمْرُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ لیں۔
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَمْرُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَإِذَا قَالُوهُ هَا، عَصَمُوا مِنِّي دِمَائَهُمْ، وَأَفْوَاهَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، وَحَسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ لیں، پس جب وہ یہ کلمہ کہہ لیں تو انہوں نے اپنے خون (یعنی جانیں) اور مال مجھ سے محفوظ کر لیے، مگر کلمہ اسلام کے حق کے ساتھ (یعنی اگر وہ ایسے جرم کا ارتکاب کر لیں جس سے ان کی یہ چیزیں حلال ہو جاتی ہیں مثلاً کوئی ناحق قتل کر دیتا ہے یا کسی کا مال غصب کر لیتا ہے وغیرہ اور جو شخص زبان سے یہ کلمہ پڑھ لے، اسے مسلمان قرار دیا جائیگا، اس کے دل میں واقعہ اسلام ہے یا نہیں، یہ اللہ ہی کو معلوم ہے) اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: لَمَّا تَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، وَاسْتَخْلَفَ أَبُو بَكْرٍ بَعْدَهُ، كَفَرُوا مِنْ الْغُرَبِ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِأَبِي بَكْرٍ: كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ، وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَمْرُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ، حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَمَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، عَصَمَ مِنْ مَالِهِ وَنَفْسِهِ إِلَّا بِحَقِّهِ، وَحَسَابُهُ عَلَى اللَّهِ؟ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَاللَّهِ، لَا أَقَاتِلُ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللَّهُ لَوْ مَنَعُونِي عَقْلًا، كَانُوا يَزِيدُونَهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهِ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: فَوَاللَّهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ زَأَيْتَ أَنَّ اللَّهَ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ، فَعَرَفْتَ أَنَّهُ الْحَقُّ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوگئی اور آپ کے بعد ابو بکر خلیفہ ہوئے تو عرب میں سے کچھ لوگ کافر ہو گئے، اس موقع پر حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے عرض کیا: آپ لوگوں سے کیسے لڑائی کریں گے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس وقت تک لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ یہ لا الہ الا اللہ کا کلمہ نہ پڑھ لیں، اور جس نے یہ کلمہ پڑھ لیا تو اس نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا، مگر کلمہ اسلام کے حق کے ساتھ (یعنی وہ کوئی ایسا کام کر لیں، جو ان کی ان چیزوں کو حلال کر دے) اور اس کا حساب اللہ پر ہے، حضرت ابو بکر نے فرمایا: اللہ کی قسم: میں ہر اس بندے سے ضرور لڑائی کروں گا، جو نماز اور زکوٰۃ کے

درمیان تفریق کرے گا، کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، اللہ کی قسم، اگر یہ لوگ مجھے ایک ایسی رسی بھی بطور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیں گے، جو یہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے، تو میں ان سے اسکی عدم ادائیگی کی وجہ سے جنگ کروں گا، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم، میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبرؓ کا سینہ جنگ کے لیے کھول دیا ہے (یعنی مطمئن کر دیا ہے) اور میں نے جان لیا کہ یہی حق ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: - عصموا: وہ بچالیں گے، محفوظ کر لیں گے۔ دماء: دم کی جمع ہے: خون، بہاں جانیں مراد ہیں۔ الایحقیہا: مگر اس کلمے کے حق کے ساتھ، اس میں ”ہا“ ضمیر کلمہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ حسابہم علی اللہ: ان کا حساب اللہ پر ہے یعنی اگر زبان سے کلمہ پڑھ لیں اور ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار نہ کریں تو انہیں مسلمان قرار دیا جائیگا، اور اگر اس نے منافقانہ انداز سے اسلام قبول کیا ہے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ اس سے حساب لے لیں گے، تاہم دنیا میں اس پر ایک مسلمان کے احکام جاری ہونگے۔ استخلف: صدیق اکبرؓ خلیفہ ہو گئے۔ الایحقیہ: اس میں ”ہ“ ضمیر یا تو اسلام کی طرف لوٹ رہی ہے یا مذکور کی تاویل سے نفس یا مال کی طرف عائد ہے۔ لا قاتلن: میں ضرور بضرور لڑائی اور جہاد کروں گا۔ عقلا: (عین کے نیچے زیر) وہ رسی جس سے صدقے کے اونٹ کو باندھا جاتا ہے، کیونکہ صاحب زکوٰۃ پر جس طرح زکوٰۃ کا جانور دینا ضروری ہوتا ہے، اسی طرح جانور سپرد کرتے وقت رسی کا دینا بھی ضروری ہے، تاکہ اس جانور کو عامل صدقہ وصول کر سکے۔ منعونی: مجھ سے روک لیں یعنی مجھے ندیں۔ شرح صدر ابی بکر: اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبرؓ کا سینہ کھول دیا یعنی مطمئن کر دیا۔

کفار سے جنگ کا حکم

باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے کفار سے جنگ و جدال اور قتال کا حکم دیا گیا ہے الا یہ کہ وہ اسلام قبول کر لیں تو پھر وہ لڑائی سے بچ جائیں گے، اور ”حتی یقولوا لا الہ الا اللہ“ میں اگرچہ رسالت اور دیگر احکام کا ذکر صراحتہً نہیں لیکن مراد اس کلمہ سے اسلام ہے لہذا رسالت اور اسلام کے دیگر احکام ضمناس میں داخل ہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار سے بہر حال قتال کیا جائے گا الا یہ کہ وہ اسلام قبول کر لیں، حالانکہ قرآن وحدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ مناسب موقع پر کفار سے صلح بھی کی جاسکتی ہے تاکہ لڑائی کی نوبت نہ آئے ایسے ہی اگر وہ جزیرہ دے دیں، تب بھی قتال نہیں کیا جاتا تو پھر اس حدیث میں صرف قتال کے ذکر پر کیوں اکتفا فرمایا گیا ہے؟ اس شبہ کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ حدیث ابتداء اسلام کی ہو اور جزیرہ صلح کا حکم بعد میں نازل

ہوا ہو۔ (۱)

۲۔ اس حدیث میں لفظ ”ناس“ گو کہ عام ہے لیکن اس سے اہل کتاب کے علاوہ مشرکین مکہ اور بت پرست مراد ہیں، گویا صلح کا حکم پہلے تھا لیکن بعد میں مشرکین عرب کیلئے صلح کا حکم نہیں رہا بلکہ ان کے بارے میں یہ حکم ہے، اما السیف واما الاسلام (یعنی اسلام قبول کرو ورنہ لڑائی ہوگی)

۳۔ حدیث میں ”قتال“ سے حقیقی قتال مراد نہیں بلکہ اس سے ”اعلاء کلمۃ اللہ“ یعنی دین کی سر بلندی اور غلبہ مراد ہے، یہ مقصد بعض کفار کو قتل کرنے سے، بعض سے جزیہ لینے اور بعض سے صلح کا معاہدہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

۴۔ حدیث میں ”قتال“ سے مراد ہے لڑائی او وہ چیز جو قتال کے قائم مقام ہو خواہ جزیہ ہو یا معاہدہ صلح ہو، اس سے معلوم ہوا کہ لفظ قتال میں جزیہ اور صلح دونوں داخل ہیں۔

أمرت ان أقاتل الناس اس میں ”أمرت“ کا لفظ اگرچہ مجہول کا صیغہ ہے، لیکن اس سے مراد ”اللہ تعالیٰ“ ہیں کیونکہ حضور ﷺ کو حکم دینے والے اللہ جل شانہ ہی ہیں اور جب کوئی صحابی یوں کہے کہ ”أمرنا“ (ہمیں حکم دیا گیا) تو اس سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے۔

”الابحہا“ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جب اسلام قبول کر لے تو اس کے جان و مال محفوظ ہو جاتے ہیں، ہاں اگر وہ ایسا کوئی کام کر لے، جس کی سزا ہی اسلام میں قتل ہو، تو پھر اسے قتل کیا جائے گا، مثلاً جو شخص کسی کو ناحق قتل کر دے، یا شادی شدہ آدمی زنا کر لے تو ایسی صورت میں پھر اسے قتل کیا جائیگا، کیونکہ یہی اسلام کا حکم ہے۔

و حسبہم علی اللہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص بظاہر اسلام قبول کر لے، زبان سے اقرار کر رہا ہے تو دنیا میں اس پر مسلمان ہونے کا حکم لگایا جائیگا، دل سے اس نے اسلام قبول کیا ہے یا نہیں، اس تحقیق کے ہم مکلف نہیں، دل کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے، اس کے مطابق اللہ تعالیٰ آخرت میں اس سے معاملہ فرمائیں گے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص طہ اور زندقہ ہو جائے یعنی اپنی زبان سے ایسے الفاظ نکالے، جس سے اس کا منکر خدا اور منکر دین ہونا معلوم ہوتا ہو لیکن پھر جلد ہی اسے احساس ہو جائے اور یہ دل سے توبہ کر لے، تو اسکی توبہ کو قبول کیا جائیگا، لیکن اگر اسکی توبہ محض جان بچانے کیلئے اور اسلامی سزا سے بچنے کیلئے ہو، تو پھر اسکی توبہ قبول نہیں کی جائیگی۔ (۱)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جرأت مندانہ فیصلہ

نبی کریم ﷺ جب اس دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ اول قرار پائے تو اس وقت مختلف قسم کے نئے فتنے رونما ہو گئے، ان میں سے ایک ”فتنۃ ارتداد“ ہے، جس کا مقابلہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بڑی جرأت کے ساتھ کیا۔

(۱) فتح للملہم، ۱/۵۵۳ کتاب الایمان، باب الأمر بقتال الناس، فتح الباری ۱/۱۰۴ کتاب الایمان، باب: فان تابوا.....

”کفر من کفر من العرب“ علامہ طبری فرماتے ہیں کہ اس سے قبیلہ غطفان، فزارہ اور بنی سلیم وغیرہ مراد ہیں کہ انہوں نے زکوٰۃ کا انکار کر دیا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس فتنہ کے وقت اسلام سے روگردانی کرنے والے لوگ تین طرح کے تھے:

۱۔ بعض لوگوں نے اسلام چھوڑ کر بت پرستی کی راہ اختیار کر لی۔

۲۔ اور بعضوں نے نبوت کے جھوٹے دعویدار مسیلہ اور اسود عسی کی تصدیق اور پیروی شروع کر دی، چنانچہ اہل یمامہ نے مسیلہ کذاب کی اور صنعاء کے باشندوں نے اسود عسی کو اپنا نبی مان لیا تھا، بعد میں ان دونوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔

۳۔ تیسرا طبقہ وہ تھا جو دین اسلام پر برقرار تھا لیکن انہوں نے زکوٰۃ کی فرضیت کا یا بقول بعض اسکی ادائیگی کا انکار کر دیا تھا، اور تاویل میں یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید کی آیت خذ من اموالہم صدقۃ کے مطابق زکوٰۃ کا حکم صرف نبی کریم ﷺ کے زمانے کے ساتھ خاص تھا۔

ان تین قسموں میں سے پہلی دو قسم کے لوگ تو تمام صحابہ کرام کے نزدیک کافر تھے، ان سے لڑائی کرنے میں کسی صحابی کو کوئی اشکال اور تامل نہیں تھا، البتہ تیسرے طبقہ سے لڑائی کے بارے میں حضرت عمر فاروق کو ذرا تامل تھا، کہ بظاہر یہ کلمہ اسلام پڑھتے ہیں، ایسے میں اگر ان سے اس وقت لڑائی کی گئی، تو حالات اور زیادہ خراب ہو جائیں گے لیکن جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں حقیقت حال بتائی، تو پھر وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفق ہو گئے اور ان کا اس بات پر شرح صدر اور یقین کامل ہو گیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ایمانی فراست اور ان کے تدبیر نے جو فیصلہ کیا ہے وہ شرعی اصولوں کے عین مطابق ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ میں ان سے ضرور جنگ کروں گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ زکوٰۃ کی فرضیت کے منکر ہو گئے ہیں تو میں ان سے ان کے کفر اور مرتد ہوجانے کی وجہ سے لڑائی کروں گا، اس صورت میں ”کفر من کفر“ سے کفر کے حقیقی معنی مراد ہونگے، اور اگر وہ زکوٰۃ کے منکر نہ ہوں بلکہ زکوٰۃ ادا نہ کر رہے ہوں تو پھر ان سے میری جنگ شعار اسلام کی حفاظت اور اس فتنہ کے سد باب کے لیے ہوگی، اس صورت میں ان پر ”کفر“ کا اطلاق مجاز ہوگا، کیونکہ ان کا زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا جرم انتہائی شدید ہے۔

صحابہ کرام کے ہاں یہ بات طے شدہ تھی کہ جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار کر دے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، اس لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرے کہ نماز کی فرضیت کا تو قائل ہو اور زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کر دے تو میں اس سے ضرور قتال کروں گا، کیونکہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ (۱)

شیخین کے اس مناظرے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی بات کے استدلال میں جو روایت یعنی حدیث باب ذکر کی ہے، اس میں نماز اور زکوٰۃ کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ چیزیں تھیں ورنہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قیاس کو ذکر نہ فرماتے چنانچہ انہوں نے فرمایا: واللہ لا قاتلن من فرق بین الصلاة والزکاة، حالانکہ اس روایت کے عبداللہ بن عمر کے طریق میں نماز اور زکوٰۃ کا ذکر صراحتہ منقول ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ ترک قتال کیلئے جس طرح ایمان ضروری ہے، اسی طرح نماز کو قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا بھی ضروری ہے لہذا اگر کوئی شخص ایمان کا اقرار کرتا ہے اور نماز کا بھی قائل ہے لیکن زکوٰۃ کو نہیں مانتا یا اسکی ادائیگی نہیں کرتا تو اس کے ساتھ لڑائی کی جائیگی اسلئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قتال کا ذکر فرمایا، تو حضرات شیخین کے اس بحث و مباحثہ سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے نماز اور زکوٰۃ کا ذکر نہیں سنا تھا، یا ان کے ذہن میں مستحضر نہیں تھا، ورنہ حضرت عمر سمیت کسی صحابی کو اس فیصلے میں ذرا تامل نہ ہوتا۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ أَمْرُ أَنْ أَقَاتِلَ لِنَاسٍ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں اور نماز قائم کریں

عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ: أَمْرُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَنْ يَسْتَقْبِلُوا قِبَلَتَنَا، وَيَأْكُلُوا ذَيْبِ حَتْنَا، وَأَنْ يَصَلُّوا صَلَاتَنَا، فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ حُؤْمٌ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، لَهُمْ مَالُ الْمُسْلِمِينَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُسْلِمِينَ۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں، یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور ہمارے قبیلے کی طرف رخ کریں اور ہماری ذبح کی ہوئی چیزیں کھائیں اور ہماری نماز کی طرح نماز پڑھیں، جب وہ ایسا کر لیں تو ہم پر ان کی جانیں اور مال حرام ہو جائیں گے مگر کلمہ اسلام کے حق کے ساتھ (یعنی اگر وہ کسی ایسے جرم کا ارتکاب کر لیں جسکی وجہ سے ان کی یہ چیزیں حلال ہو جائیں) ان کیلئے (وہ تمام منافع) ہیں جو مسلمانوں کیلئے ہیں اور ان پر وہ تمام حقوق لازم ہیں جو دیگر مسلمانوں پر ہیں۔

کفر کی تعریف اور اسکی اہم تشریح

کفر کی تعریف: انکار ما ثبت من الدین ضرورۃ، دین کی اس بات کا انکار کرنا جو قرآن و سنت سے قطعی طور پر ثابت ہو اور اس کے معنی اور مفہوم بھی قطعی ہو، اور جس کے بارے میں ہر خاص و عام مسلمان کو معلوم ہو کہ یہ دین کا حصہ ہے، پھر اگر وہ انکار کرتا ہے تو یہ کفر ہوگا لہذا اگر دین کا کوئی امر قطعی ہے مگر لوگوں کو عام طور سے معلوم نہیں ہے تو اس صورت میں اس کا انکار کرنا کفر نہیں ہوگا ہاں فسق ضرور ہوگا۔

اس بارے میں مزید تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی چیز کا انکار کرتا ہے، جس کا ثبوت بھی قطعی ہے اور قطعی الدلالہ ہے یعنی اپنے معنی پر دلالت کرنے میں بھی قطعی ہے، لیکن عام طور سے لوگوں میں دین کا حصہ ہونے کی حیثیت سے مشہور نہیں، تو اس کے اوپر فوراً کفر کا حکم نہیں لگایا جائیگا بلکہ اسے متوجہ کیا جائیگا کہ آپ جس چیز کا انکار کر رہے ہیں وہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ ہے اور اس کے قطعی ہونے کے دلائل بھی اس کے سامنے پیش کئے جائیں گے، اگر وہ مان لیتا ہے تو وہ مسلمان رہے گا، لیکن اگر ساری تفصیل اس کے سامنے پیش کرنے کے باوجود، وہ اپنے کفر پر اصرار کرتا رہے، تو پھر اس پر کفر کا حکم لگادیا جائیگا۔ (۱)

کفر کی اقسام

شارحین حدیث نے کفر کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں:

- ۱۔ کفر انکار: یہ وہ کفر ہے کہ انسان کے دل میں بھی انکار ہو اور زبان پر بھی انکار ہو، نہ دل میں تصدیق ہو اور نہ زبان سے تسلیم و اقرار ہو، یہ عام کافروں کا کفر ہے۔
- ۲۔ کفر تجوّد: یہ وہ ہے کہ دل سے وہ پہچانتا ہے، اسلام کی حقانیت سمجھتا ہے لیکن زبان سے انکار کرتا ہے جیسے شیطان کا کفر کہ دل سے وہ سب کچھ جانتا ہے، سمجھتا ہے لیکن اس کے باوجود زبان سے انکار کرتا ہے۔
- ۳۔ کفر عناد: اس سے مراد یہ ہے کہ دل سے ایک انسان ایمان کی تصدیق کرتا ہے اور زبان سے اقرار بھی کرتا ہے لیکن دوسرے دین سے برأت کا اظہار کر کے رسول کی اطاعت اور اتباع کیلئے تیار نہیں، جیسے ہرقل اور ابوطالب کا کفر۔
- ۴۔ کفر نفاق: کہ زبان سے تو اقرار کرتا ہے، التزام طاعت کا بھی اظہار کرتا ہے، لیکن دل میں انکار موجود ہے، دل سے قبول کرنے اور ماننے کیلئے تیار نہیں (۲)

مومن ہونے کیلئے تمام ضروریات دین پر ایمان لانا ضروری ہے

مسلمان ہونے کیلئے ضروری ہے کہ وہ شخص ان تمام امور پر ایمان لائے، جن کا ثبوت قطعی طور پر ثابت ہے، جنہیں ”ضروریات دین“ کہا جاتا ہے، لہذا اگر کوئی شخص اسلام کے بعض احکام پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کرے یا ان میں ایسی کوئی تاویل کرے جو قرآن و سنت کے اصولوں کے سراسر خلاف ہو تو ایسا شخص کافر ہوتا ہے۔

اس باب کی مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تمام ضروریات دین کا احاطہ نہیں فرمایا، بلکہ یہ حدیث آپ نے اس موقع پر ارشاد فرمائی، جب اہل کتاب اپنا مذہب چھوڑ کر دین اسلام میں داخل ہونا چاہ رہے تھے تو اس مناسبت سے آپ نے ان

(۱) انعام الباری ۳/۱۲۱ کتاب الایمان، کفر کی تعریف،

(۲) کشف الباری ۵/۵۸۱ فیض الباری ۷/۱ کتاب الایمان

چند اعمال کا ذکر فرمایا جو اس وقت اہل کتاب اور مسلمانوں کے درمیان حد فاصل اور ماہہ الامتیاز تھے، کیونکہ دو مذہبوں میں فرق اور ان میں امتیاز، ان کے الگ الگ شعائر سے ہی ہو سکتا ہے، اسلامی شعار میں نماز پڑھنا اور بیت اللہ کی طرف رخ کر کے عبادت کرنا اہل کتاب کے مقابلے میں سب سے زیادہ امتیازی عمل ہے، اسی طرح معاشرتی لحاظ سے اہل کتاب مسلمانوں کے ذبیحہ سے بہت نفرت کرتے تھے، بلکہ کھاتے ہی نہ تھے، چنانچہ اس حدیث میں انہیں بتایا گیا کہ اگر وہ ایمان لے آئیں اور عبادات میں وہ ہماری طرح قبلہ کی طرف رخ کرنے لگیں اور معاشرتی لحاظ سے مسلمانوں کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانے لگیں تو یہ اس بات کی علامت اور دلیل ہوگی کہ انہوں نے اسلام کو دل سے قبول کر لیا ہے، جس کا اظہار نہ صرف یہ کہ زبان سے بلکہ ان کے عمل سے بھی ہو رہا ہے، اب مسلمانوں کو ان کا ہر طرح سے خیال رکھنا چاہئے۔ (۱)

قادیانی اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرنے کے لئے بہت سے امور سے استدلال کرتے ہیں، ایک ان کا استدلال اس حدیث سے بھی ہے کہ جس میں تین اعمال کا ذکر ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نماز بھی پڑھتے ہیں اور ہمارا قبلہ بھی وہی ہے جو مسلمانوں کا ہے، اور ہم مسلمانوں کا ذبیحہ بھی کھاتے ہیں لہذا ہم بھی مسلمان ہیں۔

اس کا جواب سابقہ تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث میں ایک مسلمان کی اس وقت کے لحاظ سے صرف ظاہری علامتیں بیان کی گئی ہیں، لہذا جب تک اس سے قطعی طور پر اسلام کے معارض کوئی بات ثابت نہ ہو جائے، اس وقت تک اسے غیر مسلم اور کافر کہنا جائز نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص آخرت کا انکار کرتا ہے، قرآن اور ختم نبوت کا انکار کرتا ہے لیکن اس میں یہ تینوں ظاہری علامتیں پائی جا رہی ہیں تو اس کے باوجود اس کو مومن کہا جائے، ایسا نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس حدیث میں مومن کی مکمل تعریف ذکر نہیں کی گئی بلکہ ایمان کی صرف چند ظاہری علامتیں بیان کی گئی ہیں۔ (۲)

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے زکوٰۃ اور دیگر ارکان اسلام کا ذکر نہیں فرمایا۔
اسکی دو وجہیں ہو سکتی ہیں:

- ۱۔ آپ ﷺ نے صرف نماز کے بیان پر اکتفاء فرمایا کیونکہ نماز دین کا ستون اور سب سے اہم اسلامی شعار ہے۔
- ۲۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث کے بیان کے وقت نماز کے علاوہ دیگر ارکان کی فرضیت کے احکام ابھی تک نازل ہی نہ ہوئے ہوں، اس لیے آپ نے انہیں ذکر بھی نہیں فرمایا (۳)

(۱) مرقاة المفاتیح ۱۵۲/۱ کتاب الایمان، الفصل الاول، نفحات التنقیح فی شرح مشکاة المصابیح ۳۰۶/۱

(۲) انعام الباری، کتاب الایمان، ۳۱۸/۱

(۳) تحفة الاحوذی ۲۸۵/۷

بَاب مَا جَاءَ بِنَبِيِّ الْإِسْلَامِ عَلَى خَمْسِينَ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: بِنَبِيِّ الْإِسْلَامِ عَلَى خَمْسِينَ: شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَصَوْمُ رَمَضَانَ، وَحَجُّ الْبَيْتِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔

ارکان اسلام

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اسلام کے پانچ ارکان کا ذکر فرمایا ہے، اس سے دراصل اسلام کو ایک خیمہ سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح خیمہ پانچ ستونوں پر قائم ہوتا ہے اسی طرح اسلام کا خیمہ بھی پانچ ستونوں پر قائم ہے، پانچ کا ذکر اس لیے کیا کہ یہ تمام فرائض میں سب سے اہم ہیں، اور اسلام کے دیگر فرائض اور احکام کی بناء انہی پر ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي وَصْفِ جِبْرِئِيلَ لِلنَّبِيِّ ﷺ الْإِيمَانُ وَالْإِسْلَامُ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں جبریل امین نے نبی کریم ﷺ کیلئے ایمان اور اسلام کو بیان کیا ہے۔

عَنِ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ قَالَ: أَوَّلُ مَنْ تَكَلَّمَ فِي الْقَدْرِ مَعْبُودُ الْجَهَنَّمِيِّ قَالَ: خَرَجْتُ أَنَا وَحَمِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْجَمْعِيُّ حَتَّى أَتَيْنَا الْمَدِينَةَ، فَقُلْنَا: لَوْ لَقِينَا رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَسَأَلْنَاهُ عَمَّا أَخَذَتْ هَذِهِ الْأَقْرُومُ فَلَقِينَاهُ، يَعْنِي عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ وَهُوَ خَارِجٌ مِنَ الْمَسْجِدِ، فَاسْتَفْتَيْنَاهُ أَنَا وَصَاحِبِي، فَظَنَنْتُ أَنَّ صَاحِبِي سَيَكِلُ الْكَلَامَ إِلَيَّ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، إِنْ قَرَأَ مَا يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ وَتَقَفَرُوا الْعِلْمَ، وَيَزْعُمُونَ أَنَّ لَا قَدَرَ، وَأَنَّ الْأُمَرَ أُنْفُ قَالَ: فَإِذَا لَقَيْتَ أُولَئِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنِّي مِنْهُمْ بَرِيءٌ، وَأَنَّهُمْ مِنِّي بَرَاءٌ، وَالَّذِي يَخْلُفُ بِهِ عَبْدُ اللَّهِ: لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ أَتَفَقَّحَ وَمَلَأَ أَهْلًا مَا قَبِلَ ذَلِكَ مِنْهُ حَتَّى يُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ۔ قَالَ: ثُمَّ أُنْشَأَ يَحْدُثُ، فَقَالَ: قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَبَجَّعَ رَجُلٌ، شَدِيدُ بَيَاضِ الْفَيْيَابِ، شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ، لَا يُرَى عَلَيْهِ أَكْزَرُ السَّفْرِ، وَلَا يَغْرِفُهُ مَتَا أَحْذَ، حَتَّى أَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَأَلْزَقَ رُكْبَتَهُ بِرُكْبَتِهِ، ثُمَّ

قَالَ: يَا مُحَمَّدُ: مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ، قَالَ: فَمَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ: شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ وَحَجُّ الْبَيْتِ، وَصَوْمُ رَمَضَانَ. قَالَ: فَمَا الْإِحْسَانُ؟ قَالَ: أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ، قَالَ: فِي كُلِّ ذَلِكَ يَقُولُ لَهُ: صَدَقْتَ. قَالَ: فَتَعَبَّجْنَا مِنْهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ. قَالَ: فَمَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، قَالَ: فَمَا أَمَارَاتُهَا؟ قَالَ: أَنْ قَلِيلَ الْأَمْرِ بَنَتْهَا، وَأَنْ تَرَى الْخُفَاةَ الْغُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ. قَالَ غَمَزُ: فَلَقِينِي النَّبِيَّ ﷺ بَعْدَ ذَلِكَ بِخَلَابِثٍ، فَقَالَ: يَا غَمَزُ: هَلْ تَدْرِي مِنَ السَّائِلِ؟ ذَاكَ جَبْرِئِيلُ، أَنَا كُمْ يُعَلِّمُكُمْ أَمْرَ دِينِكُمْ.

حضرت یحییٰ بن یحمر کہتے ہیں کہ معبد جنی پہلا شخص ہے جس نے تقدیر کے متعلق گفتگو کی، کہتے ہیں کہ میں اور حمید بن عبد الرحمن حمیری نکلے یہاں تک کہ ہم مدینہ منورہ آ گئے، ہم نے کہا کہ اگر ہم نے کسی صحابی رسول سے ملاقات کی تو ہم ان سے اس مسئلے کے بارے میں پوچھیں گے جو ان لوگوں نے پیدا کر رکھا ہے، چنانچہ ہم نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے ملاقات کی، جبکہ وہ مسجد سے باہر تھے، چنانچہ میں نے اور میرے ساتھی نے انہیں گھیر لیا، میرا خیال تھا کہ میرا ساتھی کلام کو میرے سپرد کرے گا (یعنی مجھے متکلم بنائیگا) میں نے عرض کیا: اے ابو عبد الرحمن: کچھ لوگ ایسے ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور علم بھی طلب کرتے ہیں (یعنی سمجھتے ہیں) اور (اس کے باوجود) وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تقدیر نہیں ہے، اور یہ کہ امر جدید ہے (یعنی پہلے سے کسی امر کا اندازہ نہیں ہوتا، اور نہ ہی وقوع سے پہلے اللہ کے علم میں ہوتا ہے) حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا: جب آپ ان سے ملیں تو انہیں بتا دینا کہ میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں، اس ذات کی قسم جس کی عبد اللہ قسم کھایا کرتا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی خرچ کر دے، تو ان سے وہ اس وقت تک قبول نہیں ہوگا، یہاں تک کہ وہ تقدیر پر ایمان لے آئیں، خواہ وہ تقدیر اچھی ہو یا بری ہو۔

راوی کہتے ہیں کہ: پھر حضرت عبد اللہ بن عمر حدیث بیان کرنے لگے، فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: ہم (ایک دن) رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک سفید کپڑوں اور نہایت سیاہ بالوں والا آدمی آیا، نہ اس پر سفر کا کوئی اثر دکھائی دیتا تھا اور نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا، یہاں تک کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آ گیا اور اس نے اپنے گھٹنے نبی کریم ﷺ کے گھٹنوں کے ساتھ ملا دیئے (یعنی انتہائی قریب ہو کر بیٹھ گیا) پھر اس نے کہا: اے محمد ﷺ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں، قیامت کے دن اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائے، اس نے کہا: اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا، اس نو وارد نے کہا: احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ تم

اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو (یعنی مکمل خشوع و خضوع کے ساتھ) کیونکہ اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تو یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ وہ ہر بات کے جواب میں حضور ﷺ سے کہتا کہ آپ نے سچ فرمایا ہے، کہتے ہیں: ہمیں اس پہ تعجب ہونے لگا کہ وہ آپ سے پوچھتا ہے اور پھر آپ کی تصدیق کرتا ہے، اس رجل نے کہا: قیامت کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا: جس سے قیامت کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے وہ اس کے متعلق سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا، اس نے کہا: قیامت کی علامتیں کیا ہیں؟ (چند علامتیں یہ ہیں کہ) باندی اپنی سیدہ کو جنے گی اور تم دیکھو گے کہ برہنہ پا، برہنہ جسم، تنگ دست اور بکریوں کے چرواہے، عمارت میں آپس میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے، حضرت عمر فرماتے ہیں کہ پھر میری نبی کریم ﷺ سے تین دن کے بعد ملاقات ہوگی، تو آپ نے فرمایا: اے عمر! کیا تمہیں پتہ ہے کہ یہ سوال کرنے والا کون تھا؟ وہ جبریل امین تھے، جو تمہیں تمہارے دینی امور سکھانے کیلئے آئے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: - اکتفتہ: (صیغہ واحد متکلم) میں نے اسے گھیر لیا، دونوں طرف سے احاطہ کر لیا۔ سیکل الی: میری طرف سپرد کرے گا۔ یتفقرون: وہ طلب کرتے ہیں، سیکھتے ہیں۔ انف: (ہمزے اور نون پر پیش کے ساتھ) جدید، نیا اور وان الامر، انف: کے معنی یہ ہیں کہ معاملہ جدید ہے یعنی اس سے پہلے اس کا کچھ اندازہ نہیں کیا گیا اور العیاذ باللہ، اللہ کے علم میں بھی یہ امر اس وقت آتا ہے جب یہ واقعہ ہو جاتا ہے، اس سے پہلے اللہ کے علم میں نہیں ہوتا۔ أنشأ یحدث: حضرت عبداللہ بن عمر حدیث بیان کرنے لگے۔ ائو السفر: سفر کے نشان یعنی گردوغبار اور تھکاوٹ کے اثرات۔ النوق: اس نے ملا لیا۔ المستول عنہا: وہ شخص جس سے قیامت کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے۔ أماراة: أماراة کی جمع ہے: علامتیں۔ حفاة: حفاة کی جمع ہے: برہنہ یا ننگے پاؤں والا۔ عوارة: عوارة کی جمع ہے: برہنہ جسم۔ عالة: عائل کی جمع ہے: محتاج، وفقر۔ رعاء: رعاء کی جمع ہے: چرواہے۔ الشاء: شاة کی جمع ہے: بکریاں۔ یتطاولون: وہ آپس میں فخر و غرور کریں گے۔ بنیان: (یاء پر پیش اور نون کے سکون کے ساتھ) تعمیر، عمارت، مکان۔

حدیث جبریل کی اہمیت اور اس کا پس منظر

اس حدیث کو ”حدیث جبریل“ کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں حضرت جبریل علیہ السلام نے مسائل بن کر حضور ﷺ سے چند سوالات کیے تھے، اس حدیث میں چونکہ اسلام کے بنیادی مسائل اور احکام بیان کئے گئے ہیں، اس لیے علامہ قطبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ”ام السنۃ“ کہنا چاہئے، جس طرح کہ سورۃ فاتحہ کو ام القرآن کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں بھی پورے قرآن کا خلاصہ اور بنیادی امور ہیں۔

حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد کس وقت ہوئی؟ اس میں بھی شارحین نے کلام کیا ہے، بعض روایتوں میں صراحت ہے

کہ وہ نبی کریم ﷺ کی آخری عمر میں آئے تھے اور بعض نے حجۃ الوداع سے کچھ پہلے اور بعض نے حجۃ الوداع سے کچھ بعد میں قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا یہ آنا حجۃ الوداع کے بعد ہوا ہے، تاکہ ایک مرتبہ تمام مسلمانوں کو دین کا خلاصہ اور اہم امور سکھلا دیئے جائیں، چنانچہ اس کے تین ماہ بعد آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

اس حدیث کا پس منظر اور سبب یہ پیش آیا کہ قرآن مجید کی یہ آیت: یا ایہا الذین امنوا لا تسالوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم (مائتہ: ۱۰۱) جب نازل ہوئی تو اس کے بعد صحابہ کرام نبی کریم ﷺ سے پوچھنے میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم آپ سے کوئی فضول سوال نہ کر لیں، صبح مسلم میں حضرت عمارہ بن قحطاع کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: مجھ سے مسائل پوچھو تو صحابہ کرام غلبہٴ ہیبت کی وجہ سے آپ سے سوال نہ کر سکے، اتنے میں ایک نووارد آدمی مجلس میں آئے اور حضور کے سامنے مخصوص کیفیت کے ساتھ بیٹھ گئے اور آپ سے چند سوالات کئے اور نبی کریم ﷺ نے ان کے جواب دیئے، اس سے اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ نبی کریم ﷺ سے دین سے متعلق مسائل و احکام پوچھے جائیں، یہ ممنوع نہیں، البتہ ممنوع وہ سوالات ہیں جو لایعنی اور فضول قسم کے ہوں۔ (۱)

سب سے پہلے تقدیر کا انکار کس نے کیا

صحابہ کرام کے آخری دور میں تقدیر سے انکار کا فتنہ رونما ہوا، اس وقت جو صحابہ کرام زندہ تھے، انہوں نے اس فتنے کی بڑی سختی سے تردید کی، جو لوگ تقدیر کا انکار کرتے تھے، انہیں قدریہ کہا جاتا ہے، ان کا ابتدائی عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو العیاذ باللہ کسی عمل اور فعل کا اس وقت تک علم نہیں ہوتا جب تک کہ اس عمل اور فعل کو کر نہ لیا جائے، اس عقیدہ کا حامل چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم کا منکر ہے، اس لیے یہ دائرہ اسلام سے خارج ہے، بعد میں ان کے نظریے میں تبدیلی آئی، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے تو یہ قائل ہو گئے لیکن بندے کو مختار مطلق اور اپنے افعال کا خالق سمجھتے ہیں، گویا اللہ کا ارادہ و مشیت بندوں کے اعمال کے ساتھ وابستہ نہیں، اس سے یہ انکاری ہیں، قدریہ کا یہ عقیدہ قرآن و سنت کی نصوص اور جمہور کے خلاف ہے اگرچہ اس عقیدے کی وجہ سے علماء نے انہیں کافر قرار نہیں دیا تاہم اہل بدعت میں انہیں ضرور شمار کیا ہے۔

اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جن کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ انہی منہم برئ و انہم منی یراء...، اس سے قدریہ کی پہلی قسم مراد ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے علم کی نفی کرتے تھے۔

اس فتنے کا آغاز بصرہ کے ایک مجوسی سے ہوا، جسے سیسیو یا سوسن کہا جاتا تھا، پھر اس شخص سے ”معبد جہنی“ نے اور اس سے ”غیلان“ نامی شخص نے یہ عقیدہ سیکھا، رفتہ رفتہ یہ فتنہ عراق سے شام و حجاز تک پھیل گیا، اس کا قصہ یہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ بیت اللہ کو آگ لگ گئی، تو ایک شخص نے کہا: احتروقت بقدر اللہ کہ اللہ کی تقدیر کا بھی فیصلہ تھا، اس پر دوسرا کہنے لگا: لم یقدر اللہ هذا اللہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم، نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا جس کے کپڑے بہت سفید اور بال شدید سیاہ تھے، اس پر سفر کا کوئی اثر نہ تھا، نہ گرد و غبار اور نہ کھانسی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ یہیں کا باشندہ ہے لیکن ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا بھی نہیں تھا، کیونکہ مدینہ کی آبادی اس وقت محدود تھی، ہر شخص دوسرے کو جانتا تھا کہ یہ مدینہ کا ہے یا نہیں، وہ حضور ﷺ کے پاس آ گئے، آپ کے سامنے نہایت ادب کے ساتھ بیٹھ گئے، یہاں تک کہ اپنے گھٹنے نبی کریم ﷺ کے گھٹنے کے ساتھ ملا دیئے، اور دوسری روایت میں ہے کہ اپنے ہاتھ نبی کریم ﷺ کی ران پر رکھ دیئے، اس طرح بیٹھنے کا مقصد ایک تو ادب و احترام کا اظہار تھا اور دوسرا یہ کہ ان کی حالت لوگوں سے پوشیدہ رہے، تاکہ صحابہ کرام انہیں پہچان نہ سکیں۔

(۲) فتح الباری ۱/۱۵۶

مسلمانوں کے ایک گھر کے اور کوئی گھر (مسلمانوں کا) ہم نے نہیں پایا“

اس بستی میں بالاتفاق ایک ہی گھر مسلمانوں کا تھا، یعنی حضرت لوط علیہ السلام کا گھر اے، انہیں کو مومن بھی کہا اور مسلم بھی، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام میں تواف اور تساوی کی نسبت ہے۔

۲۔ تباین: دوسرا قول یہ ہے کہ ایمان اور اسلام کے درمیان تباین ہے، لیکن تباین کے باوجود دونوں آپس میں ایک دوسرے کو متلازم ہیں، معنی یہ ہیں کہ کوئی ایمان اسلام کے بغیر معتبر نہیں، اور کوئی اسلام ایمان کے بغیر معتبر نہیں مگر دونوں میں نسبت تباین کی ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا اور اسلام اقرار باللسان اور ظاہری طور پر اطاعت کا نام ہے، چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قالت الاعراب امنا، قل: لم تؤمنوا ولكن قولوا: اسلمنا کہ اعراب نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے، اللہ نے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ ابھی تک تو تم ایمان نہیں لائے اس لیے تم لوگ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام میں فرق اور تباین ہے۔

حدیث جبرئیل میں بھی ایمان اور اسلام کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے، اس سے بھی ان کے درمیان تباین کی نسبت ثابت ہوتی ہے۔

۳۔ تداخل یعنی عام خاص مطلق کی نسبت: ایمان خاص ہے اور اسلام عام ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا: ای العمل افضل؟ (کونسا عمل سب سے زیادہ فضیلت والا ہے) آپ نے فرمایا: ایمان باللہ، جبکہ عمرو بن عبسہ کی روایت میں ارشاد ہے: فای الاسلام افضل؟ آپ نے فرمایا: الایمان، اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام میں تداخل کی نسبت ہے، اس صورت میں اسلام عام ہوگا کیونکہ اس کا تعلق دل سے بھی ہے اور زبان و اعضاء سے بھی، جبکہ ایمان کا تعلق صرف قلب سے ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کیسے پتہ چلے گا کہ کس مقام پر اسلام اور ایمان کے درمیان یہ نسبت ہے؟ تو اس کے بارے میں شرح فرماتے ہیں کہ اگر اسلام اور ایمان ساتھ ساتھ مذکور ہوں اور سوال کے طور پر ذکر کیے جائیں تو اس وقت ان کے درمیان تباین کی نسبت ہوگی، جیسا کہ حدیث جبرئیل میں یہ دونوں کلمے ساتھ ساتھ ہیں، اور سوال کے موقع پر ہیں اور اگر ایک ساتھ نہ ہوں یا مقام سوال میں نہ ہوں تو پھر ان کے درمیان تداخل کی نسبت مراد ہوگی۔

اور حافظ ابن رجب فرماتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ ”فقیر اور مسکین“ کی طرح ہیں جب ایک ساتھ بولے جائیں تو ان میں تباین کی نسبت ہوگی، یعنی ان کے الگ الگ معنی مراد ہوتے ہیں اور جب الگ الگ مذکور ہوں تو ایک دوسرے میں داخل ہوتے ہیں یعنی ان میں عام خاص مطلق کی نسبت ہوگی۔ (۱)

احسان کے معنی اور اس کے درجات

”احسان“ کے لغوی معنی ہوتے ہیں: ”کسی کام کو اچھی طرح سنوار کر کرنا“

احسان کی تعریف: نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں احسان کی تعریف یہ کی ہے: ان تعبد الله كأنك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك کہ تم عبادت وغیرہ کو اس طرح بجالاؤ گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو، اس کو ”مقام مشاہدہ، مکاشفہ“ کہا جاتا ہے، اور اگر تم اس کو دیکھ نہیں رہے تو بھی آپ عبادات وغیرہ کو اچھی طرح ادا کرو، کیونکہ اللہ جل جلالہ تو تمہیں ہر حال میں دیکھ رہے ہیں، اسے ”مقام مراقبہ“ کہا جاتا ہے، اس انداز سے جب عبادت کی جائیگی تو اس میں خشوع و خضوع نہایت کامل درجے کا ہوگا۔

”احسان“ کے تین درجے ہیں:

- ۱۔ تمام عبادات کو ان کے فرائض، ارکان اور واجبات کے ساتھ ادا کرنا، احکام شرع کو بجالانا ممنوع اور حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرنا، احسان کا یہ درجہ واجب ہے جس کی تحصیل ہر مسلمان پر لازم ہے۔
- ۲۔ ”مقام مشاہدہ، مکاشفہ“ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس تصور کے ساتھ عبادت کرے، گویا کہ وہ اللہ کا مشاہدہ کر رہا ہے، یہ انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے، کہ وہ اس انداز سے عبادت کرتے ہیں کہ گویا وہ اللہ کو دیکھ رہے ہیں، اور امت کے نیک لوگوں کو بھی یہ درجہ بڑی محنت و مشقت سے حاصل ہو سکتا ہے، چنانچہ حدیث کے اس جملے، ان تعبد الله كأنك تراه سے اس درجے کو بیان کیا گیا ہے، اس مقام کا حاصل کرنا لازم و فرض نہیں بلکہ صرف مستحب ہے۔
- ۳۔ انسان پر ہر وقت یہ کیفیت رہے کہ میں جو کچھ کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، میرا ہر عمل، خواہ وہ اچھا ہو یا برا، اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے، اس درجے کو ”مقام مراقبہ“ کہا جاتا ہے، جب انسان کو یہ درجہ حاصل ہو جائے تو وہ نیکی کے ہر کام کو بڑے اچھے انداز سے کرتا ہے اور گناہوں سے بھی پرہیز کرتا ہے، اس درجے کو حاصل کرنے کیلئے ضرور کوشش کرنی چاہئے، تاکہ عبادات صحیح طریقے سے ادا ہو سکیں، احسان کے اس درجے کو حدیث کے اس جملے ”فان لم تكن تراه فانه يراك“ میں بیان کیا گیا ہے۔ (۱)

”احسان“ کی شرح میں دو قول ہیں

- نبی کریم ﷺ نے احسان کی جو یہ تعریف فرمائی ہے: ان تعبد الله... اسکی شرح میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:
- ۱۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس جملے سے احسان کے دو درجوں کا ذکر فرمایا ہے

ایک اعلیٰ ہے جسے ”مقام مشاہدہ“ کہا جاتا ہے کہ انسان اس طرح عبادت کرے گویا کہ وہ اللہ جل جلالہ کا مشاہدہ اور دیدار کر رہا ہے، یہ احسان کا اعلیٰ ترین درجہ ہے، اور اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو اپنے اندر یہ کیفیت ضرور پیدا کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، یہ احسان کا ادنیٰ اور کمزور درجہ ہے، یوں اس کا وہ عمل اور عبادت نہایت خشوع و خضوع اور اخلاص کے ساتھ ادا ہوگی، اسے ”مقام مراقبہ“ کہا جاتا ہے، جب انسان اس درجے کو اہتمام کے ساتھ بجالاتا رہے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ پھر اسے مقام مشاہدہ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

اس تشریح کے مطابق فان لم تکن ترہ فانہ یراک میں پہلی فاء برائے تفصیل اور ”ان، شرطیہ ہے اسکی جزاء محذوف ہے، اصل عبارت اس طرح ہے: فان لم تکن ترہ فاستمر علی احسان العبادۃ فانہ یراک (اگر تم اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ رہے، تب بھی استقامت کے ساتھ عبادت کو بجالاتے رہو، کیونکہ اللہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے)۔ (۱) اور دوسری فاء برائے تعلیل ہے۔

۲۔ امام نووی اور علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں احسان کے دو درجوں کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ صرف ایک ہی درجے کو بیان کیا گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہو تو وہ عبادت کو مکمل آداب و حقوق اور کامل خشوع و خضوع سے ادا کرے گا، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم تو اللہ کو نہیں دیکھ رہے اور نہ ہی اس دنیا میں ہمارا دیکھنا ممکن ہے، تو پھر یہ..... کانک ترہ کیسے کہا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ تم اللہ تعالیٰ کو حقیقت میں نہیں دیکھ رہے پھر بھی تمام عبادات وغیرہ کو مکمل آداب اور شرائط کے ساتھ ادا کرو کیونکہ انسان اگر اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ کر عبادت میں خشوع و خضوع بجالاتا ہے تو اس کی وجہ اس کا دیکھنا نہیں ہے بلکہ حقیقت میں اس کی وجہ اللہ جل شانہ کا اسے دیکھنا ہے، اور اللہ تعالیٰ تو ہر انسان کو ہر وقت دیکھ رہا ہے خواہ انسان اسے دیکھے یا نہ دیکھے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کسی بھی وقت کوئی بھی ایسا کام نہ کرے، جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہوں۔

اس تشریح کے اعتبار سے فان لم تکن ترہ فانہ یراک میں ”ان“ وصلیہ ہوگی، شرطیہ نہیں ہوگی اور فانہ یراک میں فاء تعلیلیہ ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کی تفسیر کے مطابق انسان کو اولاً پہلا درجہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، اور اگر یہ مقام حاصل نہ ہو سکے تو پھر دوسرا درجہ حاصل کرے اور یہ مراقبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔ امام نووی اور علامہ سندھی کے قول کا حاصل یہ ہے کہ شروع سے ہی دوسرے درجہ کا مراقبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، اور یہ مراقبہ آسان بھی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اصل بھی یہی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھو یا نہ دیکھو، بس یہ حقیقت تمہارے دل و دماغ میں رچ بس جائے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے، اس کا اثر یہ ہوگا کہ انسان عبادات وغیرہ کو اچھے طریقے سے ادا کرے گا۔ (۲)

(۱) فتح الباری ۱/۱۶۰ کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل ...

(۲) فتح للملہم ۱/۴۸۲، ۴۸۳، کشف الباری، ۲/۶۱۴ کتاب الایمان، انعام الباری ۱/۵۳۸۔

علامات قیامت

أشراطُ مشروط (شیں اور را پر زبر کے ساتھ) کی جمع ہے اس کے معنی علامت کے ہیں، امام قرطبی فرماتے ہیں کہ قیامت کی علامتیں دو قسم کی ہیں، ایک وہ علامتیں ہیں جو قیامت سے پہلے پائی جائیں گی، اور دوسری وہ بڑی علامتیں ہیں، جو بالکل قیامت کے قریب ظاہر ہوں گی جیسے نزول عیسیٰ، جانور کا نکلنا، اور مغرب سے سورج کا طلوع ہونا..... اس حدیث میں پہلی قسم کی علامتیں مراد ہیں۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ”أشراط“ جمع کا لفظ ہے، اور جمع میں کم از کم تین فرد ہوتے ہیں، جبکہ اس حدیث میں صرف دو علامتوں کو ذکر کیا گیا ہے؟ اس کے دو جواب دیے گئے ہیں:

- ۱۔ جمع میں کم از کم دو فرد ہوتے ہیں
- ۲۔ صحیح جواب یہ ہے کہ اس روایت میں اختصار ہے، اس میں راوی نے صرف دو علامتوں کو ذکر کیا ہے ایک ان قلل الامم... اور دوسری يتطاولون في البنیان... تیسری علامت کو ذکر نہیں کیا جو کتاب التفسیر میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے: اذا كان الحفاة العراة رؤوس الناس که جب برہنہ جسم اور برہنہ پا، لوگوں کے سردار اور حکمران بن جائیں گے۔ (۱)

أن قلل الامم ربتھا

”رَبَّة“ سیدہ کے معنی میں ہے، بعض روایات میں ”رَبَّھا“ ہے، جو سید اور مالک کے معنی میں ہے۔

اس جملے سے کیا مراد ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں:

- ۱۔ اس جملے سے درحقیقت زمانے کے انقلاب کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ قرب قیامت میں حالات میں اس قدر تغیر اور تبدیلی ہو جائیگی کہ جو سردار تھے وہ غلام اور جو غلام تھے وہ آقا بن جائیں گے، اعلیٰ درجہ کے لوگ گھنیا اور ادنیٰ درجہ کے لوگ اعلیٰ شمار ہوں گے، باصلاحیت افراد کو کنارے پر لگا کر نااہل لوگوں کو زمام اقتدار دے دی جائیگی، تربیت یافتہ لوگ زیر تربیت، اور قابل تربیت افراد، لوگوں کی تربیت کرنا شروع کر دیں گے۔
- ۲۔ امام خطابی اور امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آخر زمانہ میں جب اسلام خوب پھیل جائیگا، مختلف ملک اور علاقے فتح ہوں گے، ان کے بچے اور عورتیں قید ہوگی پھر ان باندیوں سے اولاد ہوگی، جسکی وجہ سے وہ ام ولد بن جائیگی، یہ اولاد نسب میں چونکہ باپ کے تابع ہے، ان کو نبی شرافت حاصل ہوگی، یہ اولاد گویا اپنی ماں کی آزادی کا سبب ہیں، اس لیے وہ اپنی ماں کیلئے بمنزلہ سید کے ہیں، اس لیے حدیث میں اسے ان قلل الامم ربتھا سے تعبیر کیا ہے، امام نووی نے اسے اکثر معمرات کا قول قرار دیا ہے۔

- ۳۔ اس سے اولاد کی نافرمانی کی طرف اشارہ ہے کہ قرب قیامت میں اولاد اپنے والدین کے ساتھ نافرمانی کا

سلوک کر گئی، اطاعت کے بجائے ان کے ساتھ حاکمانہ رویہ اختیار کریں گے، ان کے ساتھ اس انداز سے پیش آئیں گے جیسے آقا اپنے غلام کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔ (۱)

قال عمر: فلقینی النبی ﷺ بعد ذلک بثلاث

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر کو تین دن کے بعد بتایا کہ وہ ”رجل“ حضرت جبریل تھے، جو تمہیں دین سکھانے کیلئے آئے تھے، جبکہ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے اسی مجلس میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ہذا جبرئیل، يعلم الناس دینہم، تو بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے؟ ان دونوں روایتوں میں علماء کرام نے تطبیق یوں دی ہے کہ جب صحابہ کرام اس شخص کی تلاش میں نکلے، جن میں حضرت عمر بھی تھے، جب وہ شخص نہ ملا تو صحابہ کرام واپس آگئے ہونگے، آپ کو جب بتایا کہ وہ شخص نہیں ملا تو اس مجلس میں موجود لوگوں کے سامنے آپ نے وضاحت فرمادی کہ وہ شخص جبریل امین تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوبارہ اس وقت نہیں آئے اس لئے ان کو حضور ﷺ نے تین دن کے بعد بتایا کہ وہ نووارد شخص جبریل امین تھے، اس لیے دونوں روایتوں میں تعارض نہیں۔ (۲)

اس روایت سے چند اہم امور کا ثبوت

اس روایت سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ۱۔ جو شخص کسی بدعت میں مبتلا ہو تو اس سے بایکات کیا جاسکتا ہے، تاکہ وہ اپنے اس عمل سے باز آجائے اور توبہ کر لے۔
- ۲۔ شاگرد کو اپنے استاد کے سامنے، مرید کو اپنے شیخ کے سامنے اور اولاد کو اپنے والدین کے سامنے باادب طریقے سے بیٹھنا چاہئے۔
- ۳۔ جو سوال اہم اور ضروری ہوں، ان کے پوچھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، تاہم پوچھنے کا انداز بہر حال درست ہونا چاہئے۔
- ۴۔ تمام امور میں ”احسان“ کی صفت سے آراستہ ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔
- ۵۔ جب کسی عالم، مفتی اور بزرگ سے کوئی شرعی مسئلہ پوچھا جائے تو اگر اس مسئلے کا صحیح جواب اس وقت ذہن میں ہو تو بتا دے، ورنہ اگر اس کا جواب ذہن میں نہ ہو یا اس میں کچھ شک ہو تو صاف الفاظ سے کہہ دے کہ اس وقت یہ مسئلہ معلوم نہیں، بعد میں پوچھ لیں، اس سے اسکی عزت و اعتماد میں کمی نہیں، اضافہ ہوگا۔
- ۶۔ معلم اور استاد کی نشست حاضرین کے مقابلے میں ذرا نمایاں اور ممتاز ہو، تاکہ سب لوگ صحیح طریقے سے استفادہ کر سکیں، یہ جائز ہے، خلاف سنت نہیں، کیونکہ اس روایت کے بعض طرق میں الفاظ اس طرح ہیں: کان النبی ﷺ ہار یوما

(۱) فتح الباری ۱/۱۲۳، کشف الباری ۱/۶۲۸، فتح للمم ۱/۴۸۷

(۲) فتح الباری، ۱/۱۶۶

للناس، اور شارحین حدیث نے بارز کے ایک معنی یہی بیان کئے ہیں کہ آپ ﷺ سامعین کے مقابلے ذرا ممتاز نشست پر تشریف فرما تھے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي إِضَافَةِ الْفَرَائِضِ إِلَى الْإِيمَانِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ فرائض کی نسبت ایمان کی طرف ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَدِمَ وَلَدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَقَالُوا: إِنَّ هَذَا الْحَيَّ مِنْ رِبْعَةٍ وَلَسْنَا نَصِلُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ، فَمَزْنَا بِشَيْءٍ نَأْخُذُهُ عَنْكَ، وَنَدْعُو إِلَيْهِمْ وَرَاءَنَا، فَقَالَ: أَمَرَكُمْ بِأَرْبَعٍ: الْإِيمَانُ بِاللَّهِ، ثُمَّ لَسَوْهَا لَهُمْ: شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَأَنْ تُوَدُّوا خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ.

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ قبیلہ عبد قیس کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: بیشک ہم قبیلہ ربیعہ کے لوگ ہیں (اور ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر کے لوگ رہتے ہیں) اور ہم آپ کی خدمت میں صرف اشہر حرم (وہ چار مہینے جن میں لڑائی حرام ہے) میں حاضر ہو سکتے ہیں، لہذا ہمیں ایسی چیز کا حکم دیجئے جسے ہم آپ سے لیں اور ہم اس کی طرف ان لوگوں کو بھی دعوت دیں جو ہمارے پیچھے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں: اللہ پر ایمان لانے کا، پھر آپ نے ان کیلئے اسکی تفسیر فرمائی کہ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، نماز قائم کرنا، اور زکوٰۃ ادا کرنا اور اس بات کا حکم کہ تم اس مال کا پانچواں حصہ ادا کرو، جو تم غنیمت میں حاصل کرو۔

وفد عبد القیس

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مختلف علاقوں اور قبیلوں کے وفد آیا کرتے تھے، اسی طرح کا ایک وفد ”وفد عبد القیس“ ہے یہ قبیلہ بحرین اور عراق میں آباد تھا، وفد عبد القیس آپ کی خدمت میں دوسرے بار حاضر ہوا تھا، پہلی مرتبہ فتح مکہ سے پہلے ۵ھ یا اس سے بھی پہلے آیا، اس وقت ان کی تعداد ۱۳ یا ۱۴ تھی، دوسری مرتبہ ۸ھ یا ۹ھ میں حاضر ہوا اب ان کی تعداد چالیس تھی۔ اس وفد کی آمد کے بارے میں یہ معقول ہے کہ قبیلہ عبد القیس کے سردار منذر بن عاذ نے اپنی لڑکی مسند بن حبان کو دی تھی، مسند کی تجارت کا مرکز اگرچہ بحرین تھا لیکن پھر بھی ان کے تجارتی سفر مدینہ منورہ کی طرف ہوا کرتے تھے، ہجرت کے بعد ایک دفعہ یہ مدینہ گئے، ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ اتفاقاً وہاں سے نبی کریم ﷺ کا گزر ہوا، مسند بن حبان اس عظیم شخصیت کے ادب

میں اپنی جگہ کھڑا ہو گیا، حضور ﷺ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ پتہ چلا تو آپ نے ان سے، ان کے قبیلے کے سردار اور بحرین کے دیگر سرداروں کے بارے میں نام لے کر حال دریافت فرمایا۔

مہدی بن حبان نبی کریم ﷺ کے حسن سلوک اور اخلاق سے اتنے متاثر ہوئے کہ آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کر لیا، دینی تعلیم سیکھنا شروع کر دی، سورۃ فاتحہ اور سورۃ علق کی تعلیم حاصل کی، جب یہ اپنے وطن جانے لگے تو حضور اکرم ﷺ نے ان کے قبیلہ کے سرداروں کے نام خطوط دیئے، جن میں انہیں اسلام کی دعوت دی گئی تھی، وطن پہنچ کر انہوں نے فوراً اسلام کو غاہر نہیں کیا بلکہ مناسب موقع کی انتظار میں رہے البتہ نماز اور قرآن مجید پڑھتے رہے، ان کی بیوی نے اپنے والد منذر بن عائد سے تذکرہ کیا کہ مدینہ سے واپسی کے بعد مہدی کی عجیب حالت ہے کہ مخصوص اوقات میں جسم کے فلاں فلاں اعضاء اس طرح دھوتے ہیں اور پھر اٹھتے بیٹھتے ہیں، قبلہ رو ہو کر کبھی کھڑے ہوتے ہیں، کبھی جھکتے ہیں اور کبھی سجدہ کرتے ہیں۔

پھر منذر نے اپنے داماد سے ساری داستان سنی اور مہدی نے یہ بھی بتایا کہ حضور ﷺ نے آپ کا حال بھی بڑی خصوصیت سے دریافت فرمایا، یہ سن کر منذر بھی مسلمان ہو گئے پھر مہدی بن حبان نے نبی کریم ﷺ کا خط مبارک منذر بن عائد کو دیا، انہوں نے قبیلہ کے تمام لوگوں کو وہ خط سنایا، جس میں انہیں اسلام کی دعوت دی گئی تھی، چنانچہ پورے قبیلہ نے ایک ہی وقت میں اسلام قبول کر لیا اور سب نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کر لیا۔

چنانچہ جب یہ لوگ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ تمہارے پاس ابھی ایک ایسا قافلہ آنے والا ہے، جو اہل مشرق میں سب سے بہتر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو دیکھنے کیلئے کھڑے ہوئے، تو انہیں ۱۳ آدمیوں پر مشتمل یہ قافلہ نظر آیا، جب یہ قافلہ قریب آگیا تو حضرت عمر نے ان کو نبی کریم ﷺ کی بشارت سنائی، اور اسی قافلہ کے ساتھ ہی دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔

اہل قافلہ کی نظر جوں ہی چہرہ انور پر پڑی تو سب کے سب بے تاب ہو کر آپ کی طرف دوڑ پڑے اور فرط شوق میں اپنا سامان اسی طرح چھوڑ کر دیوانہ وار آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور آپ کے دست مبارک چومنے لگے، اس قبیلہ کے سردار منذر بن عائد جن کا لقب ”راج“ تھا اگرچہ نو عمر تھے لیکن سب سے پیچھے رہ گئے تھے، انہوں نے پہلے سب کے اونٹ باندھے، سفر کا لباس تبدیل کیا، پھر سکون و وقار کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا، آدمی بد شکل تھے، اس لیے جب نبی کریم ﷺ نے ان کی طرف نظر اٹھائی، تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آدمی کی قیمت صرف اس کے ڈھانچے سے نہیں ہوتی بلکہ اس کی قدر و قیمت اس کے دو چھوٹے اعضاء بتاتے ہیں اور وہ ”زبان اور دل“ ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں، جن کو اللہ اور رسول پسند کرتے ہیں یعنی دانائی اور بردباری، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ: میرے اندر یہ دو خصلتیں پیدا آئی ہیں یا میں نے کسب سے حاصل کی ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پیدا آئی ہیں، تو اس نے عرض کیا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے مجھے ایسی دو خصلتوں پر پیدا فرمایا، جن کو اللہ و رسول پسند کرتے ہیں۔

ان کا لقب ”ہج“ ہے جو نبی کریم ﷺ نے انہیں دیا تھا، کیونکہ ان کے چہرے پر کوئی اثر تھا، اور عربی زبان میں ”رجل ہج“ اس شخص کو کہتے ہیں جس کے چہرے پر کوئی نشان ہو (۱)

مضر اور ربیعہ دو بڑے قبیلے ہیں، اور قبیلہ ربیعہ کی شاخوں میں سے ایک شاخ ”عبدالقیس“ ہے، اور یہی وہ قبیلہ ہے جن کی مسجد میں مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلے جمعہ قائم ہوا تھا، قبیلہ عبدالقیس کے لوگ اگر مدینہ منورہ آنا چاہتے تو مضر قبیلہ کے علاقے سے ہو کر آنا پڑتا تھا، اور یہ لوگ انتہائی جنگجو اور لڑائی کے عادی تھے، جو بھی ان کے پاس سے گذرتا، یہ اس سے ضرور لڑائی کرتے، اس لیے وفد عبدالقیس نے عرض کیا کہ ہم شہر حرام کے علاوہ عام دنوں میں نہیں آ سکتے، یہ لوگ لڑائی کرتے ہیں، لہذا ہمیں ایسی تعلیم دے دیں کہ جس پر ہم خود بھی عمل کریں اور واپس جا کر قبیلہ کے باقی افراد کو بھی سکھا سکیں۔

الافی الشهر الحرام، شہر حرام سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ اس سے جس شہر مراد ہے کیونکہ اس پر الف لام جس کے لیے ہے، جو قلیل و کثیر دونوں پر بولا جاتا ہے، اور اس سے چار ماہ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب مراد ہیں، ان چار مہینوں کا زمانہ جاہلیت میں بہت احترام کیا جاتا تھا، اس وجہ سے ان میں قتل و قتال اور لڑائی سے مکمل طور پر گریز کیا جاتا تھا، ابتداء اسلام میں بھی ان مہینوں کی تعظیم کا حکم تھا، لیکن بعد میں اس آیت کی وجہ سے منسوخ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (براءۃ: ۵)

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ الشہر پر جو الف لام ہے یہ جس کیلئے نہیں بلکہ عہد کیلئے ہے اور اس سے رجب کا مہینہ مراد ہے، جیسا کہ بیہقی کی روایت میں تصریح آئی ہے، اور ابو بکر کی روایت میں ”رجب مضر“ کا لفظ منقول ہے، کیونکہ قبیلہ مضر رجب کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا، اس میں وہ تقدیم و تاخیر بھی نہیں کرتے تھے جبکہ باقی تین مہینوں میں وہ اپنی اغراض اور مفادات کی وجہ سے تقدیم و تاخیر کر لیا کرتے تھے، اس لیے جن لوگوں کی قبیلہ مضر سے کوئی عداوت ہوتی تھی تو وہ صرف رجب کے مہینے میں وہاں سے سڑ کرتے تھے، اسی وجہ سے وفد عبدالقیس نے یہاں پر ”الشہر الحرام“ مفرد لفظ ذکر کیا۔ (۲)

لَقَالَ: اَمْرُكُمْ بِارْبَعٍ: الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ۔

نبی کریم ﷺ نے انہیں چار چیزوں کا حکم دیا:

۱۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ ۲۔ نماز قائم کرنا۔

۳۔ زکوٰۃ دینا۔ ۴۔ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ نکالنا۔

اس صورت میں ترکیبی لحاظ سے ”واقام الصلاة و ايتاء الزكاة وان تؤدوا... مجرد ہو گئے اور ان کا عطف ”الایمان“

پر ہوگا، دوسرا احتمال یہ ہے کہ ان کا عطف ”عمادة“ پر ہو تو پھر یہ مرفوع ہو گئے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ راوی نے نبی

(۱) نفحات التنقيح فی شرح مشکاة للصايع ۳۲۱/۱، کتاب الایمان

(۲) تحفة الاحوذی ۲۹۴/۷، نفحات التنقيح ۳۲۳/۱

کریم ﷺ کے قول امر کم باریع میں چار چیزوں میں سے پہلی چیز ایمان اور اسکی تفسیر کو ذکر فرمایا باقی تین چیزوں کو اختصار یا نسیان کی وجہ سے ذکر نہیں کیا (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي اسْتِكْمَالِ الْإِيمَانِ وَزِيَادَتِهِ وَنَقْصَانِهِ

یہ باب ایمان کو مکمل کرنے اور اس میں کمی زیادتی کے بیان میں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنْ مِنْ أَكْمَلَ الْمُؤْمِنِينَ إِيْمَانًا أَحْسَنَهُمْ خُلُقًا وَأَلَطَفَهُمْ بِأَهْلِهِ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک ایمان کے اعتبار سے مومنین میں سب سے کامل مومن وہ ہے، جو ان میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھا ہو، اور جو ان میں اپنی اہل کے ساتھ زیادہ نرمی کا برتاؤ کرتا ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَطَبَ النَّاسَ، فَوَعَّظَهُمْ، ثُمَّ قَالَ: يَا مَعْشَرَ النَّسَاءِ: تَصَدَّقْنَ فَإِنَّكُمْ أَكْثَرُ أَهْلِ النَّارِ، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ: وَلِمَ ذَاكَ؟ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: لِكُفْرَةِ لَعْنِكُنَّ، بِغَيْرِ كَفْرِ كُنَّ الْعَشِيرُ، قَالَ: وَمَا زَأَيْتِ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلِ وَدِينٍ أَغْلَبَ لِلدَّوَى الْأَنْبَابِ، وَذَوَى الرَّأْيِ مِنْكُنَّ، قَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ: وَمَا نَقْصَانُ عَقْلِهِنَّ وَدِينِهِنَّ؟ قَالَ: شَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ مِنْكُنَّ بِشَهَادَةِ رَجُلٍ، وَنَقْصَانُ دِينِكُنَّ: الْحَيْضَةُ، فَكُنَّ كُنَّ إِحْدَاكُنَّ الْفَلَاحُ وَالْآخَرُ نَجْدٌ لَا تَنْصَلِي۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور انہیں وعظ و نصیحت کی پھر (عورتوں کے پاس سے گزرے تو) فرمایا: اے عورتوں کی جماعت تم صدقہ دیا کرو کیونکہ اہل دوزخ میں تمہاری اکثریت ہوگی، ان میں سے ایک عورت نے عرض کیا: یا رسول اللہ: ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا: تمہاری کثرت سے لعن طعن کرنے کی وجہ سے یعنی اپنے شوہر کی ناشکری کی وجہ سے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے کسی ناقص عقل و دین کو نہیں دیکھا، جو تمہارے مقابلے میں عقلمند اور ذی رائے لوگوں پر زیادہ غالب آئے، ان میں سے ایک عورت نے عرض کیا: اسکے عقل اور دین کا نقصان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے، اور تمہارے دین کا نقصان: حیض ہے کہ تم میں ہر حیض والی عورت (کم از کم) تین چار دن تک ٹھہر جاتی ہے، نماز نہیں پڑھتی (اور روزہ بھی نہیں رکھتی)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْإِيمَانُ بَضْعٌ وَسَبْعُونَ نَبَأًا، فَأَذَانُهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ، وَأَرْفَعُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایمان کے ستر سے زیادہ دروازے یعنی شعبے ہیں اور ان میں سب سے اونچی درجہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے اور سب سے اعلیٰ شعبہ لا الہ الا اللہ کا کہنا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- استکمال: پورا کرنا، مکمل کرنا۔ الطفہم: مومنین میں جو زیادہ نرمی کا برتاؤ کرنے والا ہو۔ معشر: جماعت۔ تصدقن: (صیغہ امر) تم صدقہ کرو۔ عشیو: شوہر۔ یعنی کفر کن العشیر یعنی تمہاری اپنے شوہروں کی ناشکری کی وجہ سے، یہ کسی راوی کا قول ہے۔ اغلب: زیادہ غلبہ پانے والی۔ ذوی الالباب: عقل والے، الباب جمع ہے لب کی، اس کے معنی عقل کے ہیں۔ بضع: (تین سے لے کر نو تک) چند۔ باب: دروازہ، یہاں حدیث میں اس سے شعبہ مراد ہے اور شعبہ کے لغوی معنی ہیں کسی شے کا ٹکڑا، یہاں اس سے خصلت و عادت یا جزء مراد ہے۔ اماطۃ: ہٹانا۔ الاذی: تکلیف دہ چیز۔

ایمان کے بارے میں اہم مباحث

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں ایمان میں کمی اور زیادتی کو بیان کیا ہے، لیکن یہ بحث چونکہ اس پر موقوف ہے کہ ایمان مرکب ہے یا بسیط، اس لیے پہلے اس بحث کو بیان کیا جاتا ہے، اس کے بعد اس بات کو بیان کیا جائیگا کہ ایمان زیادت و نقصان کو قبول کرتا ہے یا نہیں۔

ایمان بسیط ہے یا مرکب

ایمان ترکیب کو قبول کرتا ہے یا نہیں، مرکب ہے یا بسیط، اس کے بارے میں مذاہب کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ جہمیت: یہ وہ گمراہ فرقہ ہے جو جہنم بن صفوان کی طرف منسوب ہے، اس کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان بسیط ہے، ایمان صرف معرفت قلبی کا نام ہے خواہ وہ معرفت اختیاری ہو یا غیر اختیاری، ان کے نزدیک ایمان کیلئے تصدیق اور التزام شریعت ضروری نہیں، یہ مذہب بالکل باطل ہے، کیونکہ یہ معرفت تو کفار اہل کتاب کو بھی حاصل تھی، حتیٰ کہ فرعون کو بھی حاصل تھی جبکہ ابوطالب اور ہرقل کو صرف معرفت ہی نہیں بلکہ معرفت اختیاری بھی حاصل تھی مگر اس کے باوجود وہ بالافتاق کافر ہیں۔

۲۔ مرجئہ: ان کا مذہب یہ ہے کہ ایمان کیلئے صرف تصدیق قلبی کافی ہے یعنی ایمان بسیط ہے، یہی تصدیق نجات کیلئے کافی ہے، عمل کی کوئی ضرورت نہیں، گویا انہوں نے عمل کو مؤخر کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ جس طرح کفر کے ساتھ کوئی طاعت قائم رہے منہ نہیں، اسی طرح ایمان کے ساتھ کوئی معصیت نقصان دہ نہیں، عمل کو مؤخر کرنے اور پس پشت ڈال دینے کی وجہ سے انہیں مرجعہ کہا جاتا ہے، یہ مذہب بھی باطل ہے۔

۳۔ کرامیت: یہ گمراہ فرقہ محمد بن کرام کی طرف منسوب ہے، ان کے نزدیک ایمان اقرار باللسان کا نام ہے، بس

زبان سے کوئی اقرار کر لے، دل میں تصدیق ہو یا نہ ہو، وہ مسلمان ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان کے مذہب کی جب تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ ان کے نزدیک دنیا میں اسلام کا حکم اس وقت لاگو ہوگا، جب وہ زبان سے اسلام کا اقرار کر لے، البتہ یہ لوگ آخرت میں نجات کیلئے تصدیق قلبی کو ضروری سمجھتے ہیں، اس تحقیق کے لحاظ سے اہل سنت اور کرامیہ میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔

۴۔ معتزلہ و خوارج: ان دونوں فرقوں کے نزدیک ایمان مرکب ہے اور مذکورہ تین فرقوں کے نزدیک ایمان بسیط ہے، مرکب نہیں۔

یہ دونوں فرقے یہ کہتے ہیں کہ ایمان تین چیزوں سے مرکب ہے، وہ ایمان کی تعریف یوں کرتے ہیں: الایمان هو التصديق بالقلب والاقرار باللسان والعمل بالاركان کہ ایمان تصدیق بالقلب، اقرار باللسان اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔

یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص عمل نہیں کرے گا تو وہ دائمی جہنمی ہے، اور خوارج کے نزدیک اگر کوئی شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر لے تو وہ ایمان سے نکل کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے، جبکہ معتزلہ کے یہاں ارتکاب کبیرہ کی وجہ سے ایمان سے تو خارج ہو جاتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا بلکہ وہ فاسق ہوتا ہے۔

۵۔ جمہور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ عمل ایمان کا جزو تو ہے لیکن جزو اصلی نہیں بلکہ جزو تزیینی ہے، اس سے ایمان مکمل ہوتا ہے، لہذا اگر کسی کا عمل ناقص ہو، تو اس کا ایمان ناقص ہوتا ہے، اور اگر کوئی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر لے، تو اس سے وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا لہذا اگر وہ بغیر توبہ کے مر گیا تو کچھ عرصہ سزا کے بعد بالآخر اسے جنت میں داخل کر دیا جائیگا۔

۶۔ حنفیہ اور متکلمین کے نزدیک ایمان مرکب نہیں بلکہ بسیط ہے یعنی اس کے اجزاء نہیں، بلکہ تصدیق قلبی کا نام ہے اور عمل اس کا جزو نہیں کیونکہ اگر عمل کو ایمان کا جزو مان لیا جائے تو ایک جزو کے نہ پائے جانے سے کل کا ختم ہونا لازم آئے گا لہذا اگر عمل کو جزء اصلی کہا جائے تو جو شخص عمل نہیں کرتا یا اس میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ ایمان سے خارج ہو جائے گا جیسا کہ معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں، اس وجہ سے حنفیہ اور متکلمین نے یہ تعبیر اختیار کی ہے تاکہ معتزلہ اور خوارج کی تائید بھی نہ ہو، اور نہ ہی عمل چھوڑنے سے آدمی اسلام سے خارج ہو۔

ایمان کے بارے میں اہل سنت کا آپس میں اختلاف

اہل سنت کے درمیان ایمان کی تعبیر میں اختلاف واقع ہوا ہے لیکن یہ نزاع صرف الفاظ کی حد تک ہے معنی اور مطلب کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں ہے، چنانچہ امام بخاری نے فرمایا: وهو قول وفعل

محدثین نے ایمان کی تعریف یوں کی: الایمان معرفة بالقلب و اقرار باللسان وعمل بالاركان، کہ ایمان تصدیق

قلبی، زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل کا نام ہے۔

امام ابوحنیفہ اور متکلمین نے یوں تعریف کی ہے: الایمان هو التصديق بالقلب والاقرار باللسان شرط لاجراء الاحکام، والعمل بالادکان نتیجه التصديق وثمرة الایمان کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے، اور دنیا میں اسلام کے احکام کے اجراء کیلئے زبان سے اقرار شرط ہے اور اعضاء و جوارح سے عمل کرنا یہ تصدیق کا نتیجہ اور ایمان کا ثمرہ ہے۔

الفاظ کا یہ اختلاف صرف تعبیرات کی حد تک ہے ورنہ سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جہنم سے بچاؤ کیلئے نفس تصدیق ضروری ہے، تصدیق کے بغیر کسی صورت میں نجات نہ ہوگی، نیز اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے آدمی نہ تو کافر ہوتا ہے اور نہ ہی دائمی جہنمی قرار پاتا ہے، بس اس گناہ کی وجہ سے وہ فاسق ضرور ہوتا ہے۔

محدثین اور شوافع اگرچہ ایمان کی ترکیب کے قائل ہیں لیکن ان کے نزدیک بھی عمل ایمان کا جزء اصلی نہیں بلکہ جزء تزئینی اور جزو کمال ہے، کیونکہ اگر اسے جزء اصلی قرار دیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ عمل کو چھوڑنے والا کافر ہو کیونکہ جزء کے فوت ہونے سے کل بھی فوت ہو جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات عمل کو ایمان کا حقیقی جزء نہیں مانتے، اور یہی حنفیہ بھی کہتے ہیں۔

تعبیر کا یہ فرق اس لیے ظاہر ہوا کہ امام ابوحنیفہ کے زمانے میں معتزلہ اور خوارج کا بہت زور تھا، وہ یہ کہتے تھے کہ عمل ایمان کا جزء ہے، اعمال کے ترک سے انسان اسلام سے نکل جاتا ہے، اس لیے امام اعظم اور متکلمین نے ان کی تردید کیلئے مؤثر عنوان اختیار کیا کہ اعمال اصل ایمان میں داخل نہیں اور نہ ترک عمل سے انسان ایمان سے خارج ہوتا ہے اور اس وقت یہی کہنا مناسب تھا، اور محدثین کے زمانے میں مرجعہ رونما ہو گئے جو اس بات کا پرچار کرتے تھے کہ عمل کی کوئی حیثیت نہیں اور عمل نہ کرنا ایمان کیلئے نقصان دہ نہیں، تو اس وقت اس بات کی ضرورت تھی کہ عمل کی اہمیت بیان کی جائے اور یہ بتایا جائے کہ عمل نہ کرنا بہر حال نقصان دہ ہے حتیٰ کہ اس سے ایمان کے سلب ہو جانے کا خطرہ ہے اس لیے حضرات محدثین نے اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے یہ انداز اختیار کیا کہ عمل اس قدر اہم ہے کہ اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا گویا کہ عمل ایمان کا جزء ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ معتزلہ اور خوارج کے دور میں نفس ایمان کی حقیقت بتائی گئی اور مرجعہ کے دور میں کمال ایمان پر زور دیا گیا، اس لیے ان دونوں میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں بلکہ ہر ایک اپنی جگہ پر درست ہے کیونکہ ہر حال کا مقتضاء اور مقصود الگ الگ ہے۔

اعمال کی جزئیت پر دلائل

حضرات محدثین، خوارج اور معتزلہ ایمان میں اعمال کی جزئیت کے قائل ہیں، ان کا استدلال مندرجہ ذیل احادیث سے ہے:

۱۔ حدیث وند عبد قیس سے کہ اس میں ایمان کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ نے نماز، زکوٰۃ اور روزہ وغیرہ اعمال کو ذکر کر کے ان پر ایمان کا اطلاق کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اعمال سے مرکب ہے۔

۲۔ حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: خوب غور سے سن لو کہ زیب و زینت نہ کرنا اور کبھی کبھی

شکستہ حالت میں رہنا بھی، ایمان کا اثر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ”بذاذہ“ یعنی زیب و زینت نہ کرنا، ایک عمل ہے جو ایمان کا جزء ہے۔

۳۔ اس باب کی پہلی حدیث کہ جس میں حسن اخلاق کو ایمان کا اعلیٰ درجہ قرار دیا گیا ہے۔

۴۔ اس باب کی اس حدیث سے جس میں حیا کے بہت سے شعبوں کا ذکر ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ حیا ایمان کا ایک حصہ ہے۔

اس طرح کی اور بہت سی روایات سے استدلال کیا، جن میں اعمال پر ایمان کا لفظ بولا گیا ہے۔

مذکورہ دلائل کا جواب

متکلمین ان تمام دلائل کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ احادیث میں اعمال پر ایمان کا لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے، کیونکہ ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ عمل کیا جائے، گویا عمل ایمان کا مقتضی ہے، یا یوں کہیں کہ عمل ایمان کا اثر ہے اور بسا اوقات شی کے اثر پرشی کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جیسے لفظ ”شمس“ جس طرح کہ سورج کی ٹکلیہ پر بولا جاتا ہے اسی طرح سورج کی روشنی پر بھی بولا جاتا ہے جو شمس کا اثر ہے، ایسے ہی ان دلائل میں ایمان کا لفظ اپنے اثر یعنی عمل پر بولا گیا ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ عمل ایمان کا جزء اصلی ہے۔

اعمال کے جزء نہ ہونے پر متکلمین کے دلائل

متکلمین نے اعمال کے جزء ایمان نہ ہونے پر بہت سی آیات اور احادیث سے استدلال کیا ہے، چند کا ذکر درج ذیل ہے:

۱۔ ان الذین امنوا و عملوا الصلحت کانت لهم جنت الفردوس نزلنا (الکھف: ۱۰) اسی طرح وہ تمام آیات جن میں اعمال کا عطف ایمان پر کیا گیا ہے، اور عطف میں اصل مغایرت ہے، لہذا جب عمل کا عطف ایمان پر کیا گیا ہے تو عمل ایمان کا مغایر ہوگا اور ایمان کا جزء نہیں ہوگا۔

۲۔ قرآن کریم کی وہ تمام آیات جن میں عمل کیلئے ایمان کو شرط بنایا گیا ہے مثلاً ومن يعمل من الصالحات من ذکر او انشی و هو مؤمن، (نساء: ۱۲۴) اس کے علاوہ بھی متعدد آیات ہیں جن میں عمل صالح کے لیے ایمان کو شرط قرار دیا گیا ہے اور شرط اور مشروط میں مغایرت ہوتی ہے، لہذا عمل ”مشروط“ اور ایمان ”شرط“ میں بھی مغایرت ہوگی اور عمل کو ایمان کا جزء قرار نہیں دیا جائیگا۔

۳۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اہل عرب کے عرف میں ایمان سے صرف تصدیق قلبی مراد ہوتی ہے، عمل اس میں داخل نہیں ہوتا، لہذا قرآن مجید میں جہاں بھی امنوا صیغہ امر سے حکم ہے، اس سے تصدیق قلبی ہی مراد ہے، اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایمان تصدیق کا نام ہے اور عمل اس میں داخل نہیں۔

ایمان میں زیادتی اور کمی کا مسئلہ

ایمان زیادتی اور نقصان کو قبول کرتا ہے یا نہیں، اس میں بھی اہل علم کا اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ اور جمہور اشاعرہ کہتے ہیں کہ ایمان زیادت اور نقصان دونوں کو قبول کرتا ہے جبکہ امام ابوحنیفہ اور متکلمین کے نزدیک ایمان میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی۔ یہ اختلاف دراصل اس بات پر مبنی ہے کہ ایمان مرکب ہے یا بسیط، جو لوگ ایمان کو بسیط مانتے ہیں کہ وہ مجرد تصدیق قلبی کا نام ہے، اس کا کوئی جزو نہیں، تو وہ یہ کہتے ہیں لا یزید ولا ینقص کہ ایمان میں نہ کمی ہوتی ہے اور نہ اضافہ، کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ نفس تصدیق میں کمی بیشی نہیں ہوتی، اور جو حضرات عمل کو ایمان کا جزء اصلی اور ایمان کو مرکب مانتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان میں طاعت سے اضافہ اور معصیت سے کمی واقع ہوتی ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو مشائخ کا یہ اختلاف بھی لفظی ہے، حقیقی اختلاف نہیں، کیونکہ ایمان کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ یعنی نفس تصدیق کہ جس کے بغیر انسان مسلمان نہیں رہتا، اسے ”ایمان منہی“ کہتے ہیں، جس شخص کو ایمان کا یہ درجہ حاصل ہوگا، وہ جہنم میں ہمیشہ کیلئے نہیں رہے گا، سزا کے بعد بالآخر اس کی نجات ہو جائیگی، گویا انسان کی نجات اس درجہ پر موقوف ہے۔

۲۔ ایمان کا سب سے اعلیٰ درجہ یعنی درجہ کمال کہ جو انسان کو جہنم میں داخل ہونے سے بچاتا ہے، اسے ”ایمان مغلی“ کہا جاتا ہے، اس لیے کہ تصدیق کے مختلف مراتب اور درجات ہیں ایک ادنیٰ درجہ ہے جسے ایمان منہی کہا جاتا ہے، ایک اس سے اوپر، یعنی..... ایمان کے انوار و برکات، سکینہ اور انشراح۔

ان دو قسموں میں سے پہلی قسم یعنی ایمان منہی یہ ایمان میں کمی بیشی کو قبول نہیں کرتی، اس میں کمی تو اس لیے نہیں ہو سکتی کہ یہ پہلے ہی سے ادنیٰ درجہ ہے اب اگر اس میں مزید کمی آجائے تو نفس تصدیق ہی باقی نہیں رہے گی، یقین کے بجائے اس میں شک اور تردد پیدا ہو جائے گا حالانکہ ایمان تو نفس تصدیق اور یقین کا نام ہے، اس لیے ایمان کا یہ درجہ کمی اور نقصان کو قبول نہیں کرتا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایمان کا ادنیٰ درجہ کمی کو تو قبول نہیں کرتا لیکن زیادتی کو قبول کر سکتا ہے تو یہ کیسے کہا ہے کہ یہ زیادتی کو قبول نہیں کرتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زیادتی کو قبول نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایمان منہی سے اوپر جو تصدیق کے مختلف مراتب ہیں، جہنم کا ہمیشہ کیلئے حرام ہونا ان پر موقوف نہیں، یہ مقصد تو ایمان منہی سے حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے اس پر مزید زیادتی کی ضرورت نہیں۔

البتہ ایمان کی دوسری قسم ”ایمان مغلی“ میں زیادت و نقصان ہوتا ہے کہ طاعات سے اضافہ اور نافرمانی سے کمی ہوتی ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور امام بخاری وغیرہ نے اس بات پر کہ ایمان زیادت و نقصان کو قبول کرتا ہے، قرآن مجید کی ان تمام آیات سے استدلال کیا ہے جن میں ایمان کے زیادہ ہو جانے کا ذکر ہے مثلاً واذ انزلت علیہم آیاتہ زادتهم ایمانا... اسی طرح اس مفہوم

کی احادیث سے بھی استدلال کیا ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس باب میں چند روایات ذکر کی ہیں اور ان سے اسی بات کو ثابت کیا ہے کہ ایمان کی پیشی کو قبول کرتا ہے۔

پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ مؤمنین، ایمان میں برابر نہیں ہیں بلکہ بعض کا ایمان زیادہ کامل ہے اور بعض کا ناقص ہے، جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں اور اپنے اہل کے ساتھ بہترین سلوک کرتا ہو، اس کا ایمان کامل ہے اور جو ایسا نہیں کرتا تو اس کا ایمان ناقص ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کی پیشی کو قبول کرتا ہے۔

دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے عورتوں کے دین اور ایمان میں نقص اور کمی کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ ہر ماہ کچھ دن ناپاک رہتی ہیں، انہیں ماہواری آجاتی ہے جس کی وجہ سے وہ نہ نماز پڑھ سکتی ہیں اور نہ روزہ رکھ سکتی ہیں، اس سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کی عبادت اور طاعت زیادہ ہو تو اس کے دین و ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور جس کی عبادت جس قدر کم ہو تو اتنا ہی اس کا دین و ایمان ناقص ہوتا ہے، لہذا ایمان کی پیشی کو قبول کرتا ہے۔

تیسری حدیث میں ہے کہ ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں، اس کا کم از کم شعبہ یہ ہے کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا جائے اور سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ کلمہ طیبہ پڑھا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بہت سے شعبے اور اجزاء ہیں بعض میں یہ شعبے زیادہ ہونگے اور بعض میں کم، اس سے بھی یہی حکم ثابت ہوتا ہے کہ ایمان زیادت و نقصان کو قبول کرتا ہے۔ اس روایت میں ستر سے زیادہ ابواب کا ذکر ہے جبکہ بعض روایات میں ساٹھ سے اوپر ایمان کے شعبوں کا ذکر ہے، بعض میں ۷۶ اور بعض میں ۷۷، تو بظاہر اس تعداد میں تعارض سا ہے؟ شارحین حدیث نے اس کے تین جواب دیئے ہیں:

- ۱۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ”بضع و سبعون“ کے الفاظ راجح ہیں، کیونکہ اسکے تمام راوی ثقہ ہیں۔
- ۲۔ اس سے کسی مخصوص عدد کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اس سے کثرت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ ایمان کے بہت سے شعبے ہیں، نیز عربی زبان میں ستر کا عدد بطور کثرت کے استعمال ہوتا ہے۔

۳۔ بعض نے یہ کہا کہ آپ ﷺ نے مختلف موقعوں پر حالات کے اعتبار سے مختلف عدد ذکر کئے ہیں اور اس وقت آپ کو اسی کا علم دیا گیا تھا، وہ سب ہی اپنی جگہ بجا ہیں، اس لیے ایک عدد سے دوسرے عدد کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔ (۱)

حنفیہ اور متکلمین کی طرف سے مذکورہ دلائل کے درج ذیل جواب دیئے گئے ہیں:

- ۱۔ ایمان میں اضافے سے نور کی زیادتی مراد ہے کہ جو شخص احکام اسلام پر اہتمام سے عمل کرتا ہے، سنت کے مطابق اعمال بجالاتا ہے تو اس کے نور ایمان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، اور جو شخص جس قدر اعمال میں غفلت اور سستی کرتا ہے، اسی اعتبار سے اسکے نور ایمان میں بھی کمی واقع ہوتی رہتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ پیشی اصل ایمان میں نہیں ہوتی بلکہ نور ایمان میں

کی اور زیادتی ہوتی ہے۔

۲۔ اس سے سکینہ اور طمانیت مراد ہے کہ اعمال صالحہ کی وجہ سے اسے ایک خاص قسم کا سکون اور شرح صدر حاصل ہوتا ہے، اور یہ سکینہ تہدیتی کے علاوہ ایک اور چیز ہے جو کامل ایمان والوں کو حاصل ہوتی ہے، گویا کہ ایمان میں کمی اور زیادتی سکینہ و طمانیت کے اعتبار سے ہے، نفس تہدیتی کے اعتبار سے نہیں۔

۳۔ ایمان کی زیادتی سے ”مومن بہ“ کی زیادتی مراد ہے، نفس ایمان کی زیادتی مراد نہیں، مطلب یہ ہے کہ جیسے جیسے قرآنی آیات اور شرعی احکام نازل ہوتے گئے اور اس کے علم میں آتے گئے تو اسی اعتبار سے اس مؤمن بہ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، اور یہ وہی چیز ہے جس کو امام ابوحنیفہ نے تعبیر فرمایا کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ قرآن کریم کے مختلف مقامات پر ایمان کی زیادتی کا ذکر آیا ہے تو امام صاحب نے فرمایا: حدیث اجماع و ذالک تفصیل کہ جہاں ایمان کی زیادتی کا ذکر ہے، اس سے مؤمن بہ کی تفصیل مراد ہے، اصل ایمان میں اضافہ مراد نہیں۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ الْخِيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ حیاء ایمان کا حصہ ہے۔

عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ بِرَجُلٍ وَهُوَ يَعْطِ الْأَخْيَارَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْخِيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے، جبکہ وہ اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا، تو نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا: حیا ایمان کا حصہ ہے۔

حیاء کے معنی اور اسکی اقسام

حیا کے لغوی معنی: وہ تہذیبی اور انکساری جو سزا یا ملامت کے خوف سے انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔
حیا کی اصطلاحی تعریف: ”حیا وہ فطری صفت ہے جو انسان کو ممنوع چیزوں سے رکنے پر آمادہ کرتی ہے اور فرائض و حقوق ادا کرنے کی ترغیب دیتی ہے“ (۲)

پھر اس حیا کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ حیا شرعی: وہ حیا کہ جس کا سبب امر شرعی ہو اور حیا نہ کرنے کی صورت میں یہ شخص شرعاً ملامت کا مستحق قرار پاتا ہو۔

(۱) اس پوری بحث کی تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح اللہ ۴۲۷/۱، کتاب الایمان، انعام الباری ۲۸۳/۱

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۱۳۵/۱، کتاب الایمان، الفصل الاول

۲۔ حیاء عقلی: وہ حیاء کہ جس کا سبب کوئی امر عقلی ہو کہ اسے چھوڑنے سے انسان عقلاء کے ہاں زجر اور ملامت کا مستحق ہوتا ہو۔

۳۔ حیاء عرفی: وہ چیزیں جو عرف میں ناپسندیدہ اور قبیح ہوں، ان سے انقباض پیدا ہو جائے۔

۴۔ حیاء طبعی: وہ چیزیں کہ جن سے طبعی طور پر انسان کو انقباض سا ہو جائے اور انہیں وہ نہ کرے۔

شریعت میں اصل مقصود حیاء شرعی ہے، اس میں حیاء عقلی بھی داخل ہے کیونکہ شریعت کے تمام احکام عقل سلیم اور فطرت کے موافق ہیں لہذا ان دونوں میں تعارض نہیں ہو سکتا، ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک چیز شرعاً قبیح ہو اور عقلاً اچھی ہو یا عقلاً قبیح ہو اور شرعاً پسندیدہ ہو، بشرطیکہ عقل، عقل سلیم ہو، اور جہاں کہیں ان دونوں میں تعارض محسوس ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل سلیم وہاں نہیں۔

حیاء عرف اور حیاء طبعی بھی محمود ہے بشرطیکہ یہ حیاء شرعی کے مزاج نہ ہوں، اگر مزاج ہوں تو پھر حیاء عرفی و طبعی کو ترک کر دیا جائیگا۔ (۱)

حیاء ایمان کا اہم شعبہ ہے

حیاء ایمان کا ایک اہم شعبہ ہے، جب یہ صفت انسان کے اندر موجود ہو تو اسے ہر برے کام سے روکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب وہ شخص اپنے بھائی کو حیاء کے بارے میں وعظ و نصیحت کر رہا تھا کہ زیادہ حیاء نہ کیا کرو ورنہ تمہارا بہت نقصان ہوگا اور بعض روایات میں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو حیاء پر ڈانٹ رہا تھا کہ اگر تم اسے نہیں چھوڑو گے تو میں تمہیں اس پر ماروں گا، محدثین فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ اسے سمجھا بھی رہا ہو اور ساتھ ہی اس نے عتاب بھی کیا ہو، بعض راویوں نے صرف وعظ و نصیحت کو ذکر کر دیا اور بعض نے عتاب اور ڈانٹ کا ذکر کر دیا، لیکن اس کا مقصد ایک ہی تھا کہ تم حیاء کو ترک کر دو۔

تو نبی کریم ﷺ نے جب اس کا یہ کلام سنا تو آپ ﷺ نے اسے منع فرما دیا کہ تم اسے حیاء ترک کرنے کے بارے میں نہ کہو کیونکہ حیاء ایک اچھی صفت ہے اور ایمان کا ایک اہم شعبہ ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر فطری طور پر جو حیاء رکھی ہے تم اس کو استعمال کرو، شریعت نے جن چیزوں سے منع کیا ہے، ان سے اجتناب کر کے حیاء کرو، اور جن چیزوں کا حکم دیا ہے، ان کو بجا لانے کیلئے حیاء سے مدد لو، بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے اندر یہ فطری جذبہ موجود ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود، وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے، حالانکہ انہیں اس جذبہ کے مقتضاء پر عمل کرنا چاہئے۔ (۲)

بَاب مَا جَاءَ فِي حُزْمَةِ الصَّلَاةِ

یہ باب نماز کی عظمت اور فضیلت کے بیان میں ہے

عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَأَصْبَحْتُ يَوْمَ قَرِيبَا مَنَةً وَنَحْنُ نَسِيرُ، لَقُلْتُ يَا رَسُولَ

(۱) کشف الباری ۶/۲۶۱، نفحات التنقیح ۱/۲۷۱، انعام الباری ۱/۳۵۰۔

(۲) تحفة الاحوذی ۳/۳۰۳۔

اللہ: أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يَدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: لَقَدْ سَأَلْتَنِي عَنْ عَظِيمٍ وَإِنَّهُ لَيْسَ بِشَيْءٍ عَلَى مَنْ يَسْرُهُ اللَّهُ عَلَيْهِ: تَعْبُدُ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصُومُ رَمَضَانَ، وَتُحُجُّ الْبَيْتَ، ثُمَّ قَالَ: أَلَا أَذْلكَ عَلَى أَبْوَابِ الْخَيْرِ: الصَّوْمُ جَنَّةٌ، وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْحَطِيقَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ، وَصَلَاةُ الرَّجُلِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ، قَالَ: ثُمَّ تَلَا {تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ حَتَّىٰ بَلَغَ يَعْْمَلُونَ} ثُمَّ قَالَ: أَلَا أَخْبِرُكُمْ بِرَأْسِ الْأَمْرِ كُلِّهِ وَعَمُودِهِ وَذِرْوَةِ سَنَامِهِ؟ قُلْتُ: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ، وَعَمُودُهُ الصَّلَاةُ، وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ. ثُمَّ قَالَ: أَلَا أَخْبِرُكُمْ بِمَلَكَ ذَلِكَ كُلِّهِ؟ قُلْتُ: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: فَأَخَذَ بِلِسَانِهِ، قَالَ: كَفَّ عَلَيْكَ هَذَا. فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ: وَإِنَّا لَمَوْاعِدُونَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهِ؟ فَقَالَ: لِكُلِّكَ أَمْكٌ يَأْمَعُادُ، وَهَلْ يَكُفُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَى وَجْهِهِمْ، أَوْ عَلَى مَنَاحِرِهِمْ، إِلَّا خَصَائِدَ أَلْسِنَتِهِمْ.

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا، ایک دن میں صبح کو آپ ﷺ کے قریب ہو گیا، ہم سب لوگ چل رہے تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: مجھے ایسا کوئی عمل بتا دیجیے، جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور دوزخ سے مجھے دور کر دے، آپ ﷺ نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ تم نے ایک بہت بڑی چیز کا پوچھا ہے اور یہ اس شخص کیلئے نہایت آسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ آسان کر دے اور وہ یہ ہے کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو، پھر آپ ﷺ نے فرمایا، کیا میں تمہیں خیر کے دروازے نہ بتا دوں؟ (توسنو) روزہ ایک ڈھال ہے، اور صدقہ گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے، اور رات میں آدمی کا نماز (تہجد) پڑھنا (اسی طرح گناہوں کو مٹا دیتا ہے) راوی کہتے ہیں پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ... يَعْمَلُونَ تک (پوری آیت کا ترجمہ: ان مؤمنین کے پہلورات میں بستروں سے الگ رہتے ہیں وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں، اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، کسی نفس کو کوئی خبر نہیں کہ ایسے لوگوں کے لیے خزانہ غیب میں کیا کیا آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان موجود ہے، یہ ان کے اعمال کا صلہ ہے، جو وہ کرتے تھے)۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ہر امر کا سر (یعنی جڑ)، اس کا ستون اور اس کے کوہان کی بلندی نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں کیوں نہیں (ضرور بتا دیجئے) اے اللہ کے رسول، آپ ﷺ نے فرمایا: یا اس الامر اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے، اور اس کے کوہان کی چوٹی جہاد ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ان تمام چیزوں کی اصل اور خلاصہ نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں کیوں نہیں، یا رسول اللہ (ضرور بتا دیجئے)، راوی کہتے ہیں: پھر

آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور (اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا: اسکو اپنے اوپر روک کر رکھو، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی: کیا ہمارا ان باتوں پر بھی مواخذہ ہوگا جو ہم بولتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ: تمہاری ماں تمہیں گم پائے، لوگوں کو جہنم میں ان کے چہروں یا نتھنوں کے بل ان کی زبانوں کی کئی ہوئی کھیتیاں یعنی بری باتیں ہی گرائیں گی۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ فَإِنَّ اللَّهَ يَقُولُ: {إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ}۔

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی مرد کو مسجد میں باقاعدہ حاضر ہوتے اور اس کی دیکھ بھال کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے لیے اس کے ایمان کی گواہی دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یقیناً اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:- حرمۃ: (حار پر پیش اور راکے سکون کے ساتھ) اس کے مختلف معنی ہیں، یہاں پر اس کے معنی ”عظمت و فضیلت“ کے ہیں۔ نسیم: ہم چل رہے تھے۔ عن عظیم: ایک بڑے امر کے بارے میں، بڑا سوال۔ للیسیر: البتہ آسان ہے۔ تعبد اللہ و تشرک... یہ تمام افعال یا تو امر کے معنی میں ہیں یا یہ خبر ہیں اور ان کا مبتداء مخدوف ہے، اصل عبارت اس طرح ہے: ہو أن تعبد الله... ألا أدلک: کیا میں آپ کو نہ بتا دوں۔ جنۃ: (جیم پر پیش کے ساتھ) ڈھال۔ تطفی: مٹا دیتا ہے، بجھا دیتا ہے۔ تعجافی: الگ رہتے ہیں۔ جنوبہم: ان کے پہلو۔ مضاجع: مطہج کی جمع ہے، بستر۔ اس الامور: ہر امر کی اصل، بنیاد اور جڑ۔ عمود: (عین پر زبر کے ساتھ) ستون۔ ذرۃ: (ذال پر تینوں حرکتیں آسکتی ہیں) چوٹی۔ سنام: (سین پر زبر کے ساتھ) کوہان۔ ملاک الامور: (میم پر زبر اور زیر کے ساتھ) کسی معاملہ کی اصل، روح، خلاصہ۔ کف علیک: تم اپنے اوپر اسے روک کر رکھو۔ ٹکلتک أمک: تمہاری ماں تمہیں گم پائے۔ یکب: گرائے گی۔ علی مناخوہم: ان کے نتھنوں کے بل، مناخر جمع ہے منخرک۔ حصائد: حصید کی جمع: کٹی ہوئی کھیتیاں، اس سے زبان کی برائیاں مراد ہیں۔ السنۃ: لسان کی جمع ہے: زبانیں۔ یتعاهد: مسجد میں پابندی سے حاضر ہوتا اور اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

باعث نجات اعمال

حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ ہم غزوہ تبوک کے سفر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، شدید گرمی کے وقت لوگ منتشر ہو گئے، تو میں نبی کریم ﷺ کے قریب ہو گیا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: مجھے ایسا کوئی عمل بتا دیجئے، جو مجھے جنت میں داخل کرے۔ اور دوزخ سے دور کر دے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم نے بہت بڑا سوال کیا ہے، لیکن یہ ہر اس بندے کیلئے آسان ہے، جس کیلئے اللہ تعالیٰ آسان کر دے، پھر نبی کریم ﷺ نے ارکان اسلام کا ذکر فرمایا۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں خیر کے دروازے بتاتا ہوں، وہ تین چیزیں ہیں، ایک روزہ جو ڈھال ہے کہ دنیا میں انسان کو گناہوں سے اور ناجائز خواہشات سے بچاتا ہے اور آخرت میں دوزخ سے نجات کا باعث ہوگا، دوسری چیز صدقہ ہے کہ راہ خدا میں مال خرچ کیا جائے کہ یہ ہر اس گناہ کو مٹا دیتا ہے، جو حقوق اللہ سے متعلق ہو، اور اگر کسی بندے کے حق میں زیادتی کی ہو تو اس کے مقابل کو اس کی یہ نیکی دے دی جاتی ہے اس کے ظلم کے بدلے میں، اور صدقہ گناہوں کو یوں مٹاتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھاتا ہے، اور تیسری چیز نماز تہجد ہے جو رات کی تنہائی میں پڑھی جائے جبکہ سب لوگ گہری نیند میں ہوتے ہیں، پھر آپ ﷺ نے اس کی تائید میں قرآن مجید کی آیت تلاوت فرمائی جس میں ان لوگوں کی فضیلت اور اجر عظیم کا ذکر ہے، جو رات کے آخری حصے میں اپنے رب کو امید اور خوف کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔

پھر فرمایا: دین میں اصل امر، اسلام ہے، اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی چوٹی یعنی اسلام کی سر بلندی کا باعث جہاد ہے کہ اس سے کافروں کی طاقت ختم ہوتی ہے اور اسلام غالب آتا ہے، آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ان تمام چیزوں کا خلاصہ بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم اپنی زبان کی حفاظت کرو، اس کی وجہ سے بیسیوں لوگوں کو اوندھے منہ جہنم میں ڈالا جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ زبان کو قابو میں رکھنا انتہائی اہم امر ہے، کہ اسے اپنے کنٹرول میں رکھ کر انسان اوج ثریا تک بھی پہنچ سکتا ہے، اور اسے آزاد چھوڑ کر دنیا و آخرت کی ہلاکت و تباہی، ذلت اور رسوائی کا شکار بھی ہو سکتا ہے، یہ دودھاری تلوار ہے جیسے اسے استعمال کیا جائے گا، اسی کے مطابق اسکے اثرات ثابت ہونگے، اس لیے اگر آدمی یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں زبان کے زہریلے زخم اور گناہوں سے بچ جاؤں اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے محفوظ رہوں تو اسے چاہئے کہ اپنی زبان کو مکمل کنٹرول میں رکھے، اس سے ایسا کوئی لفظ اور کلام نہ کرے، جو گناہ پر مشتمل ہو، یا اس میں کسی کی دل آزاری ہو، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، (۱)

باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص پابندی سے جماعت میں حاضر ہوتا ہے اور مسجد کی دیکھ بھال، صفائی ستھرائی اور خدمت کرتا ہے تو سمجھ لو کہ اس کے دل میں ایمان موجود ہے، تم اس کے ایمان کی گواہی دے سکتے ہو، کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ مساجد کو دینی لوگ آباد کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔

باب ماجاء فی ترک الصلاة

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جو نماز چھوڑنے کی وعید پر مشتمل ہیں

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ تَرْكُ الصَّلَاةِ۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز کا چھوڑنا کفر اور ایمان کے درمیان (رابطہ) ہے (یعنی نماز چھوڑنے سے مؤمن کفر کے ساتھ مل جاتا ہے، اس کے قریب ہو جاتا ہے)

بِهَذَا إِسْنَادٍ ضَعُوفٍ قَالَ: بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الشُّرْكِ أَوِ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ۔

اور اسی سند کے ساتھ حضرت اعش سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: نماز کا چھوڑنا مسلمان بندے اور شرک یا کفر کے درمیان (وصلہ یعنی رابطہ) ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: نماز کا چھوڑنا مسلمان بندے اور کفر کے درمیان (وصلہ یعنی رابطہ) ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمارے اور منافقین کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز کا ہے، جس نے اسے چھوڑ دیا، تو وہ کفر کے قریب ہو گیا۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شُبَيْقٍ الْعُقَيْلِيِّ قَالَ: كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ لَا يَزُورُونَ شَيْئًا مِنْ الْأَعْمَالِ، تَرَكَهُ كُفْرٌ، غَيْرَ الصَّلَاةِ۔

حضرت عبداللہ بن شعیق فرماتے ہیں کہ محمد ﷺ کے صحابہ، نماز کے علاوہ اعمال میں سے کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔

نماز چھوڑنا انتہائی سنگین گناہ ہے

اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایسی احادیث ذکر کی ہیں، جو نماز چھوڑنے کی وعید پر مشتمل ہیں، کہ نماز چھوڑنا اتنا سنگین جرم ہے کہ مسلمان اسکی وجہ سے کفر میں یا کفر کے قریب ہو جاتا ہے۔

العهد الذي بيننا وبينهم الصلاة

اس میں ”ہم“ ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ اس ضمیر کا مرجع منافقین ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہمارے اور منافقین کے درمیان امن وامان کا جو معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم انہیں قتل نہیں کرتے اور اسلام کے احکام ان پر نافذ نہیں کرتے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے، جماعت میں حاضر ہونے اور اسلام کے دوسرے ظاہری احکام کی تابعداری کرنے کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، لہذا جس نے اس افضل ترین عبادت یعنی نماز کو ترک کر دیا تو گویا وہ کافر ہو گیا، اس لیے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ نماز کو ترک کر کے کفر کو ظاہر نہ کریں، اس طرح اس جملے یعنی ”فقد كفر“ کے معنی ہو گئے کہ اس نے کفر کو ظاہر کر دیا۔

علامہ توریشچی فرماتے ہیں اس مفہوم کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جب آپ سے منافقین کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی گئی تو آپ نے فرمایا: ”غور سے سن لو: مجھے نمازیوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے“

۲۔ بعض حضرات کے نزدیک ”ہم“ ضمیر کا مرجع ان لوگوں کی طرف عمومی طور پر ہے، جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، خواہ وہ منافق ہوں یا نہ ہوں، معنی یہ ہیں کہ جس نے قصد نماز کو ترک کر دیا تو اللہ کے ہاں اس کا ذمہ بری ہو جاتا ہے۔

کان اصحاب محمد لا یرون شینا...

اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام کی نظر میں نماز نہ پڑھنا سب سے بڑا جرم تھا، جو سخت ترین سزا کے لائق ہے اور انسان کو کفر کے قریب کر دیتا ہے۔ (۱)

تارک صلاۃ کا حکم

اگر کوئی شخص نماز کو اس وجہ سے چھوڑتا ہے کہ وہ اسکی فرضیت کا ہی قائل نہیں، تو وہ بالاتفاق کافر ہے اور اس کا خون مباح ہے، اور اگر ایک شخص نماز کی فرضیت کا تو قائل ہے لیکن محض سستی اور کاہلی کی وجہ سے قصداً چھوڑتا ہے، تو اس کے حکم کے بارے میں ائمہ کرام کے مذاہب و دلائل کے ساتھ درج ذیل ہیں:

۱۔ امام احمد بن حنبل، عبد اللہ بن مبارک، اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ قصد سستی کی وجہ سے نماز چھوڑنے والا کافر اور مرتد ہو جاتا ہے، لہذا ارتداد کی وجہ سے اسے قتل کیا جائیگا (۲)، ان حضرات کا استدلال درج ذیل احادیث سے ہے:

☆ اس باب کی تمام احادیث کے ظاہر سے استدلال کیا کہ جن میں نبی کریم ﷺ نے ”کفر“ کا لفظ استعمال فرمایا۔

☆ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: من ترک الصلاة متعمدا فقد برأت منه الذمة کہ جو شخص قصداً نماز کو ترک کر دے، تو اس سے اللہ کا ذمہ بری ہو جاتا ہے

مذکورہ احادیث سے استدلال کر کے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تارک صلاۃ کافر و مرتد ہے، اسے تین دن تک قید میں رکھ کر سمجھایا جائیگا تاکہ وہ نماز شروع کر دے، سمجھانے کے باوجود اگر وہ راہ راست پر نہ آئے تو تین دن کے بعد اسے قتل کر دیا جائیگا۔ (۳)

جو حضرات تارک صلاۃ کے کافر نہ ہونے کے قائل ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ نماز کا چھوڑنا ایک گناہ ضرور ہے لیکن کفر نہیں، لہذا جن احادیث میں کفر کے الفاظ آئے ہیں وہ یا تو مستقل پر محمول ہیں کہ جو شخص نماز کے چھوڑنے کو جائز سمجھتا ہے تو وہ کافر ہے یا ان

(۱) تحفة الاحوذی، ۳۰/۷۷

(۲) فتاویٰ اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء، ۱۰/۶ ط: الرياض

(۳) المغنی لابن قدامة، ۲/۲۹۷، کتاب الصلاة، باب الحكم فیمن ترک الصلاة، ط: بیروت

سے مراد یہ ہے کہ اس کا فعل کافروں کے مشابہ ہے، کہ یوں کرتا رہا تو خطرہ ہے کہ کہیں کفر میں داخل نہ ہو جائے۔ (۱)
 ۲۔ امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ نماز کو چھوڑنے والا اگرچہ مرتد تو نہیں لیکن اس کا یہ جرم چونکہ انتہائی سنگین اور سخت ہے، لہذا اسے سزا کے طور پر قتل کیا جائیگا، قتل پر ان حضرات کا استدلال:

☆ ایک قرآنی آیت سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ اَنْ تَابُوا وَاقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ۔ (براءہ: ۵)

اس آیت میں قتل سے بچنے کیلئے کفر و شرک سے توبہ، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کو لازم قرار دیا گیا ہے، لہذا قتل سے بچنے کیلئے نماز قائم کرنا ضروری ہے، اگر نماز نہیں پڑھے گا تو پھر قتل سے نہیں بچ سکے گا۔

☆ دوسرا استدلال اس حدیث سے ہے کہ جس کے بعض طرق میں الفاظ یوں ہیں: اَمَرْتُ اَنْ اَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَانْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَادْفَعُوا اَذْلَکَ عَصَمُوا اَمْنِي دِمَانَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ۔ اس حدیث میں جان و مال کی حفاظت کیلئے ایمان، نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو ضروری قرار دیا گیا ہے، لہذا اگر کوئی شخص نماز نہیں پڑھے گا تو اس کے جان و مال محفوظ نہیں ہونگے بلکہ اسے قتل کر دیا جائیگا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی اس روایت سے تارک صلاۃ کے قتل پر اسی طرح استدلال کیا ہے۔
 مذکورہ دلائل کا احتلاف یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں قتال کا ذکر ہے، قتل کا نہیں، اور قتال اور قتل میں فرق ہے، اس لیے کہ قتال کے معنی لڑائی کرنے کے ہیں اور لڑائی کرنے کیلئے یہ ضروری نہیں کہ مد مقابل غیر مسلم ہو، کیونکہ اگر کوئی مسلمان بغاوت پر اتر آئے تو اس سے بھی قتال ہو سکتا ہے یا یہ کہ اگر تمام مسلمان کسی اسلامی شعار کو ترک کر دیں تو ان سے بھی قتال ہو سکتا ہے، اور نماز اور زکوٰۃ بھی بلاشبہ شعار اسلام میں سے ہیں، اور اگر انفرادی طور پر کوئی زکوٰۃ نہ دے تو اس شخص کو امام احمد بھی نہ مرتد کہتے ہیں اور نہ ہی اسے واجب القتل قرار دیتے ہیں اور مالکیہ و شافعیہ بھی اس طرح نہیں کہتے حالانکہ جو حکم اقیمو الصلاۃ کا ہے، وہی زکوٰۃ کا بھی ہونا چاہئے۔

اور قرآن مجید کی آیت میں ”اقْتُلُوا“ سے قتل مراد نہیں بلکہ اس سے قتال ہی مراد ہے، اس پر پہلا قرینہ خود یہ حدیث ہے، کیونکہ حدیث قرآنی آیت کی تفسیر ہے اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس آیت میں تخلیہ سبیل یعنی خلاصی کے لئے دو چیزیں ذکر کی گئی ہیں: نماز اور زکوٰۃ، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھے اور زکوٰۃ ادا نہ کرے تو پھر وہ قتل سے نہیں بچ سکتا، حالانکہ اس بات پر تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر کوئی مسلمان زکوٰۃ نہ دے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ (۲)، لہذا جس طرح حدیث میں قتال سے قتل مراد نہیں، ایسے ہی آیت قتل سے، قتل نہیں بلکہ قتال مراد ہے۔ (۳)

(۱) شرح مسلم للنووی ۱/۶۱ کتاب الایمان، باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاۃ

(۲) نفعات التنقیح ۳۰۳/۱ کتاب الایمان

(۳) فتح الباری، کتاب الایمان، باب فان تابوا، ۱۰۴/۱

امام مالک، امام شافعی اور جمہور نے تارک صلاۃ کے کافر نہ ہونے پر حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”خَمْسُ صَلَاةٍ كَتَبَهُنَّ اللَّهُ عَلَى الْعِبَادِ، مَنْ آتَى بِهِنَّ لَمْ يُضَيِّعْ مِنْهُنَّ شَيْئًا اسْتَخَفَّاهُ بِحَقِّهِنَّ، كَانَ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يَدْخُلَهُ الْجَنَّةَ، وَمَنْ لَمْ يَأْتِ بِهِنَّ فَلَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدٌ، أَنْ يَدْخُلَهُ الْجَنَّةَ، إِنْ شَاءَ عَذِبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ“ پانچ نمازیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کیا ہے، جو انہیں صحیح آداب و شروط کے ساتھ بغیر کسی نقص کے ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کا یہ عہد ہے کہ اسے ضرور جنت میں داخل کرے گا، اور جو انہیں ادا نہیں کرے گا تو پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کیلئے کوئی عہد نہیں وہ چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو عفو و درگزر فرمادے۔ (۱)

۳۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قصداً نماز کو چھوڑ دینا کفر و ارتداد کا سبب نہیں بلکہ یہ دیگر گناہوں کی طرح ایک سنگین گناہ ہے، لہذا قاضی اس کو تعزیراً کوئی سخت سزا دے سکتا ہے لیکن حد شرعی کے طور پر اسے قتل نہیں کیا جائیگا۔ امام ابو حنیفہ کا استدلال حضرت عبد اللہ بن مسعود کی اس مشہور روایت سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہوتا، جب تک کہ تین باتوں میں سے کوئی ایک بات نہ پائی جائے: قصاصاً قاتل کو قتل کرنا، شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا اور دین سے پھر جانے والے کو ارتداد ادا قتل کرنا (۲)

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تارک صلاۃ کا قتل ذکر نہیں فرمایا، اگر اس کا حکم واقعی قتل ہی ہوتا، تو آپ ﷺ ضرور بیان فرمادیتے، اس لئے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ترک صلاۃ سے نہ ارتداد ہوتا ہے اور نہ وہ واجب القتل ہوتا ہے، البتہ یہ ایک انتہائی سنگین گناہ ہے، جس پر قاضی اسے تعزیراً کوئی سخت سزا دے گا تا کہ وہ اپنے اس گناہ سے توبہ کرے۔ (۳)

باب حلاوة الایمان

یہ باب ایمان کی مٹھاس اور لذت کے بیان میں ہے

عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، يَقُولُ: ذَاقَ طَعْمَ الْإِيمَانِ: مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ نَبِيًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا۔

حضرت عباس بن عبد المطلب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار،

(۱) فتح الملہم ۵/۲۳۱ کتاب الایمان، حکم تارک الصلاۃ عمداً، کشف الباری ۱/۱۳۳ کتاب الایمان، تارک صلاۃ کا حکم تحفۃ الاحوذی ۳۰۸/۷

(۲) صحیح بخاری ۱۰/۱۶۲ کتاب الدیات، باب قول اللہ تعالیٰ: ان النفس بالنفس

(۳) انعام الباری ۲/۱۲۱ کتاب الایمان، تارک صلاۃ کا حکم

اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا نبی خوشی سے مان لیا تو (سمجھ لو کہ) اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔
عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ طَعْمَ الْإِيمَانِ: مَنْ كَانَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءُ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ، وَأَنْ يَكُفِّرَ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ مِنْهُ، كَمَا يَكُفِّرُهُ أَنْ يُقَذَّفَ فِي النَّارِ۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص میں یہ تین چیزیں ہوں گی وہ ایمان کا ذائقہ پالے گا، (۱) اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ ہو۔ (۲) کسی بھی بندے سے اس کی محبت محض اللہ (کی خوشنودی) کے لیے ہو۔ (۳) اور وہ کفر میں جانے کو ناپسند کرے، بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کفر سے نجات دی ہے، جیسا کہ وہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:- حلاوة: لذت، مٹھاس، یہاں حدیث میں اس سے مراد ہے ”استلذاذ بالطاعات، یعنی طاعات و عبادات میں اسے لطف اور سرور آنے لگے۔ طعم: (طاء پر زبر کے ساتھ) ذائقہ، مزہ۔ أَنْقَذَهُ اللَّهُ: اللہ نے اس کو کفر سے خلاصی دی، چمٹکارا دیا۔ يُقَذَّفُ: (صیغہ مجہول) ڈالا جائے، گرایا جائے۔

ایمان کا لطف

باب کی پہلی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص صرف اللہ ہی سے مانگتا ہے، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا، اللہ کے فیصلوں پر راضی رہتا ہے، نعمتوں کا شکر اور آزمائش پر صبر کرتا ہے، سنت کے مطابق زندگی گزارتا ہے اور شریعت کے تمام احکام پر اخلاص کے ساتھ عمل کرتا ہے، جب کوئی شخص ان صفات کا حامل ہو جائے تو اس کے رگ و پے میں ایمان کی حلاوت سرایت کر جاتی ہے، پھر وہ ایمان کی حقیقی لذت سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

باب کی دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے تین چیزیں ارشاد فرمائیں کہ جس میں یہ ہوگئی، تو اسے نیکی میں لذت اور

سرور آئے گا،

- ۱۔ اللہ و رسول کے ساتھ ہر چیز سے زیادہ محبت ہو۔
- ۲۔ کسی بھی انسان سے محبت اور دوستی کا تعلق صرف اللہ کی رضا کے لیے اور دین کی خاطر ہو۔
- ۳۔ اگر پہلے کافر ہو تو اسلام قبول کرنے کے بعد، کفر کو انتہائی ناپسند کرے، جس طرح کہ اپنے نفس کو آگ میں ڈالنا ناپسند کرتا ہے۔ (۱)

محبت کے معنی اور اس کی اقسام

محبت کے معنی: کسی امتیازی وصف کی وجہ سے دل کا کسی جانب مائل ہو جانا۔

محبت کی کئی قسمیں ہیں:

- ۱۔ حب طبعی: انسان طبعی طور پر کسی چیز سے محبت کرے جیسے انسان اپنے والدین، اولاد، اور رشتہ داروں سے محبت کرتا ہے۔
- ۲۔ حب عقلی: عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے، کہ اس شے کے ساتھ محبت کی جائے، جیسے انسان کی اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت والفت۔
- ۳۔ حب کمائی: کسی میں کوئی ہنر، فن اور کمال ہو کہ جس کی وجہ سے اس سے محبت کی جا رہی ہے۔
- ۴۔ حب جمالی: کسی کے ساتھ محبت، اسکے حسن و جمال کی وجہ سے کی جائے
- ۵۔ حب احسانی: کسی کے احسان کی وجہ سے اس سے محبت کی جائے۔ (۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ میں محبت کے تمام اسباب پائے جا رہے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ مدار ایمان کون سی محبت ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

- ۱۔ اس سے محبت عقلی مراد ہے کہ عقلی طور پر انسان یہ سمجھتا ہو کہ نبی کریم ﷺ پوری دنیا میں سب سے زیادہ قابل محبت اور قابل تعظیم ہیں۔ اور یہ جو حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے ذکر کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے آپ سے ہر چیز سے زیادہ محبت ہے لیکن اپنی جان سے زیادہ نہیں، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اس وقت تک مؤمن نہیں ہو گے جب تک تمہیں اپنی جان سے بھی زیادہ مجھ سے محبت نہ ہو، اس پر حضرت عمر نے عرض کیا: کہ الا ان کہ اب آپ سے اپنی جان سے بھی زیادہ محبت ہے تو پھر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ الا ان اب تم نے ایمان کے اس تقاضے کو پورا کیا۔

اس حدیث میں حضرت عمر نے جس محبت کی نفی کی تھی وہ محبت عقلی نہیں بلکہ محبت طبعی تھی، اس لیے کہ محبت عقلی کے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی قائل تھے لیکن انہوں نے یہ سمجھا کہ حدیث میں جو محبت طبعی مطلوب ہے اس درجہ کی مجھے حاصل نہیں، اس واسطے یہ اشکال ہوا کہ میں مؤمن ہوں یا نہیں؟ جب نبی کریم ﷺ نے تنبیہ فرمائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غور کیا کہ میں تو حضور ﷺ کے ایک اشارے پر جان بھی قربان کر سکتا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں میری جان کو ہلاکت سے بچانے والی آپ ہی کی ذات گرامی ہے، تو اس وقت ان کے سامنے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس حدیث میں محبت طبعی نہیں، بلکہ محبت عقلی مراد ہے، اور عرض کیا: الا ان یا رسول اللہ! کہ اب مجھے آپ سے اپنی جان سے بھی زیادہ محبت ہے۔ (۲)

(۱) نفعات التبیح ۲۷۷/۱ کتاب الایمان، کشف الباری ۱۴/۱، تحفة الاحوذی ۳۱۲/۷

(۲) فتح الباری، ۶۴۷/۱۱ کتاب الایمان والنذور، باب کیف کان یعمین النبی ﷺ، انعام الباری ۳۲۹/۱

۲۔ بعض حضرات کے نزدیک اس سے محبت طبعی مراد ہے، لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو غیر اختیاری ہوتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں محبت طبعی کا وہ درجہ مراد ہے جو اپنے اختیار سے حاصل ہوتا ہے، یعنی اس محبت کے اسباب پر غور کریں تو اسباب محبت یعنی حسن و جمال، کمال، اور عطاء و احسان پر غور و فکر کرنے سے جو محبت پیدا ہوگی وہ محبت طبعی ہی ہوگی، پھر اس کے ساتھ دوسری محبتیں بھی شامل ہو جائیں گی تو عشق کا درجہ حاصل ہو جائیگا۔ (۱)

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس حدیث کے لفظ ”عما سو اھما“ میں اللہ اور رسول دونوں کیلئے ایک ضمیر استعمال کی گئی ہے حالانکہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے خطبہ دیا اور کہا: من یطیع اللہ ورسولہ فقد رشد و من یعصہما فقد غوی اس نے اللہ و رسول کیلئے ”ہما“ ضمیر استعمال کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم برے خطیب ہو، یوں کہو: و من یعص اللہ ورسولہ، اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ و رسول دونوں کو ایک ضمیر میں جمع نہیں کر سکتے، اب اشکال یہ ہے کہ پھر نبی کریم ﷺ نے یہاں اس حدیث میں دونوں کو ایک ضمیر میں کیسے جمع فرمادیا؟ اس اشکال کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں:

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب سے رائج جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں محبت کا ذکر ہے، اور اللہ اور رسول کی محبت دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ کامیابی کے لیے دونوں کی محبتوں کا مجموعہ ضروری ہے، صرف ایک کی محبت کافی نہیں، اس لیے یہاں حدیث میں دونوں کو ایک ضمیر میں جمع کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ شریعت میں دونوں محبتوں کا مجموعہ شرط ہے۔ جبکہ خطیب والی روایت میں نافرمانی کا ذکر ہے اور یہ طے شدہ امر ہے کہ اللہ و رسول میں سے ہر ایک کی نافرمانی اپنی ذات میں باعث ہلاکت اور خسارہ ہے، ایسے موقع میں نبی کریم ﷺ نے دونوں کو ایک ضمیر میں جمع کر کے ذکر کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ ایک ضمیر میں جمع کرنے سے کسی کو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ شاید دونوں کی نافرمانی کا مجموعہ تو نقصان دہ ہو، ایک کی نافرمانی باعث ہلاکت نہ ہو اس وہم کے ازالہ کیلئے نبی کریم ﷺ نے نافرمانی کے ذکر کے موقع میں ایک ضمیر میں جمع کرنے سے منع فرمادیا۔ (۲)

حافظ ابن حجر نے بھی اس جواب کو سب سے بہتر جواب قرار دیا ہے (۳)

(۱) انعام الباری ۳۶۹/۱

(۲) شرح الطیبی ۱۲۱/۱، نفحات التنقیح ۲۸۷/۱

(۳) فتح الباری ۸۴/۱، کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان

بَاب لَا يُزْنِي الزَّانِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ

باب: زنا کرنے والا زنا کی حالت میں صاحب ایمان نہیں رہتا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا يُزْنِي الزَّانِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَكِنَّ التَّوْبَةَ مَغْفُورَةٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: زنا کرنے والا زنا کے وقت صاحب ایمان نہیں رہتا، اور چوری کرنے والا چوری کے وقت ایمان والا نہیں رہتا، لیکن اس پر توبہ کو پیش کیا جائیگا (اگر اس نے توبہ کر لی، تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمائیں گے)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: قَالَ: إِذَا زَنَى الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْإِيمَانُ، فَكَانَ فَوْقَ رَأْسِهِ كَالظِّلِّ، فَإِذَا خَرَجَ مِنْ ذَلِكَ الْعَمَلِ، عَادَ إِلَيْهِ الْإِيمَانُ.

اور ایک دوسرے طریق میں حضرت ابو ہریرہ ہی سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان اس سے نکل جاتا ہے، وہ اس کے سر پر سایہاں کی طرح رہتا ہے، پھر جب وہ اس گناہ کے عمل سے فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان اس کی طرف واپس لوٹ آتا ہے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: مَنْ أَصَابَ خَذًا فَعَجَلَتْ عَقُوبَتُهُ فِي الدُّنْيَا، فَاللَّهُ أَعْدَلُ مِنْ أَنْ يَنْتَقِي عَلَى عَبْدِهِ الْعُقُوبَةُ فِي الْآخِرَةِ، وَمَنْ أَصَابَ خَذًا فَاسْتَوَّاهُ اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَفَا عَنْهُ، فَاللَّهُ أَكْرَمُ مِنْ أَنْ يَعُودَ فِي شَيْءٍ قَدْ عَفَا عَنْهُ.

حضرت علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی ایسے جرم کا ارتکاب کیا، جو قابل حد ہے اور اس کی سزا اسے دنیا میں ہی دے دی گئی، (یعنی اسے کوڑے لگائے گئے یا ہاتھ کاٹا گیا، اسے سسکار کر دیا گیا) تو اللہ تعالیٰ زیادہ عادل ہیں اس سے کہ آخرت میں اپنے بندے کو دوبارہ سزا دیں، اور جس نے کسی قابل حد جرم کا ارتکاب کیا پھر اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو چھپالیں اور اسے معاف کر دیں تو اللہ تعالیٰ زیادہ مہربان ہیں، اس سے کہ وہ اس قصور کی دوبارہ سزا دیں، جس کو انہوں نے ایک بار معاف کر دیا ہے

مشکل الفاظ کے معنی:- معروضہ: پیش کی جائیگی۔ كالظلة: سایہ دار چیز کی طرح، سایہاں، چھتری، شامیانہ۔ من أصاب حدا: جس نے کسی قابل حد جرم کا ارتکاب کیا۔ عجلت عقوبته: اس کو سزا دے دی گئی۔ أعدل: زیادہ عدل و انصاف والے ہیں۔ یشی: وہ دہرائیں، دوبارہ سزا دیں۔ ان يعود فی شئیء: کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ کی دوبارہ سزا دیں۔

گناہ کبیرہ سے آدمی خارج ایمان نہیں ہوتا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر لے تو وہ اگر چہ فاسق اور گنہگار ہوتا ہے لیکن دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، اس سے معتزلہ اور خوارج پر رد کرنا مقصود ہے کہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ کبیرہ گناہ سے انسان، اسلام سے نکل جاتا ہے۔

لا یزنی الزانی و هو مؤمن کے کیا معنی ہیں؟ اس میں چار قول ہیں:

۱۔ اس گناہ سے اس کے دل سے ایمان کا نور نکل جاتا ہے، پھر جب وہ تہ دل سے اس گناہ سے توبہ کر لے تو وہ نور ایمان واپس لوٹ آتا ہے۔

۲۔ معصیت کے ارتکاب کے وقت ایمان کے باقی نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کا ایمان کامل نہیں رہتا، بلکہ ناقص ہو جاتا ہے۔

۳۔ بعض حضرات نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جو شخص زنا اور چوری کو حلال اور جائز سمجھتا ہے تو اس کا ایمان باقی نہیں رہتا، ختم ہو جاتا ہے۔

۴۔ علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ اس سے زجر اور تہدید مقصود ہے، تاکہ مسلمان اس گناہ کا ارتکاب نہ کریں، کیونکہ یہ عمل انسان کو کفر کے قریب کر دیتا ہے، یہ کافروں کے اعمال میں سے ہے۔ (۱)

حدود معصیت کا کفارہ ہیں یا نہیں

باب کی دوسری حدیث میں یہ بحث ہے کہ اگر انسان کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کر لے، جو باعث حد ہو اور پھر اس پر دنیا میں وہ حد جاری کر دی گئی، تو کیا اس سے اس کا وہ گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے، یا یہ کہ الگ سے اس گناہ کی معافی کیلئے توبہ کرنا ضروری ہے، اس مسئلے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

آئمہ ثلاثہ کے نزدیک حدود کفارات ہیں، جس کو وہ ”سواتر“ سے تعبیر کرتے ہیں، معنی یہ ہیں کہ اگر اس پر چوری کی حد جاری کی گئی، یا زنا کی وجہ سے اس پر حد زنا نافذ کی گئی، تو اس سزا سے ہی اس کا یہ جرم معاف ہو جائیگا، الگ سے توبہ کرنے کی اسے کوئی ضرورت نہیں، ان حضرات کا استدلال حدیث باب سے ہے کہ جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس پر دنیا میں حد جاری کی گئی تو آخرت میں اسے دوبارہ سزا نہیں ہوگی۔ (۲)

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۱۳/۷

(۲) فتح الباری ۹۰/۱ کتاب الایمان، باب،

احناف کا مشہور مذہب یہ ہے کہ حدود کفارات نہیں بلکہ زواجر ہیں یعنی ان کو نافذ کرنا مقصد یہ ہے کہ تاکہ دوسرے لوگوں کو عبرت ہو جائے، یہ حدود بذات خود گناہ کی معافی کی ضمانت نہیں ہیں، بلکہ اس کیلئے توبہ ضروری ہے، لہذا جب تک توبہ نہیں کرے گا، اس وقت تک اس کا گناہ معاف نہیں ہوگا۔

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اگر خدا نخواستہ کوئی مسلمان شرک کرنا شروع کر دے تو وہ مرتد ہو جائیگا، اور ارتداد کی وجہ سے اس پر قتل کی سزا جاری ہوگی تو یہ سزا اس کیلئے بالاتفاق زاجر ہے، سائر نہیں ہے، کیونکہ کفر پر معافی نہیں ہے جب تک کہ وہ توبہ نہ کر لے۔

احناف کے دلائل

احناف کے موقف پر قرآن مجید کی واضح آیات ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما جزاءا بما كسبنا لا من الله والله عزيز حكيم، فمن تاب من بعد ظلمه وأصلح فإن الله يتوب عليه، ان الله غفور رحيم۔ (مائده: ۳۸)

اس آیت یعنی فمن تاب من "ف" تعقیب کیلئے ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ پہلے چور کے ہاتھ کاٹے جا چکے ہیں، اس پر حد جاری ہو چکی ہے، اب اگر وہ اپنے ظلم کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں، اور اگر شوائع وغیرہ کی بات مانی جائے کہ صرف حد کے نفاذ سے ہی گناہ معاف ہو جاتا ہے تو پھر فمن تاب من بعد ظلمه... کو ذکر کرنے کے کوئی معنی نہیں، اس لیے اس آیت سے واضح طور پر یہ حکم ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آیت محاربہ (مائده: ۳۳) میں ڈاکوؤں کی سزا بیان فرمانے کے بعد فرمایا: ذلک لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الآخرة عذاب عظیم الا الذین تابوا کہ یہ سزا دنیا میں ان کے لیے باعث ذلت ہے اور آخرت میں ان کیلئے عذاب عظیم ہوگا، مگر یہ کہ وہ توبہ کر لیں تو آخرت کا گناہ معاف ہو جائے گا پھر وہاں انہیں سزا نہیں ہوگی، لہذا اگر ان سزاؤں سے ان کے گناہ معاف ہو چکے ہوتے تو پھر الا الذین تابوا کیوں فرمایا ہے۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لا ادری الحدود کفارات لأهلها ام لا، مجھے پتہ نہیں کہ حدود کفارات ہیں یا نہیں۔

حدیث باب کا جواب

احناف یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیات سے صاف یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ محض حد جاری ہونے سے وہ جرم معاف نہیں ہوتا جب تک کہ اس کیلئے مستقل توبہ نہ کی جائے، اس لیے حنفیہ نے فہو کفارة له کے دو معنی بیان کئے ہیں:

(۱) اس سے کفارہ سینات مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ جس طرح دنیا کی ہر تکلیف، ہر غم اور ہر پریشانی کی وجہ سے انسان کے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، اسی طرح حد کی سزا سے بھی اس کی سینات معاف ہوتی ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ

گناہ بھی معاف ہو جائیگا جس کی وجہ سے اس پر حد جاری ہوئی ہے۔

(۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص پر اتنی سخت سزا جاری ہوتی ہے تو غالب گمان یہ ہے کہ اس نے اس گناہ کی تہ دل سے توبہ بھی کر لی ہوگی، اس لحاظ سے آپ ﷺ نے فہو کفارة لہ فرمایا ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ الْمُسْلِمُ مَنِ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ کامل مسلمان وہ شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَوْثَقَ النَّاسَ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کامل مسلمان وہ شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں، اور کامل مؤمن وہ ہے، جسے لوگ اپنی جانوں اور اموال کا امین سمجھیں۔
عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سئل: أَيُّ الْمُسْلِمِينَ أَفْضَلُ؟ قَالَ: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سے مسلمان افضل ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ مسلمان افضل ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔

کامل مسلمان

مذکورہ احادیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ کامل مسلمان وہ شخص ہے جس سے دوسرے مسلمانوں کو کوئی اذیت اور تکلیف نہ پہونچے، اس انداز سے حکمت کے ساتھ وہ زندگی گزارے کہ ہر انسان اس سے خوش رہے، اس کی زبان، ہاتھ اور جسم کے کسی عضو یا کسی عمل سے کسی انسان کو تکلیف نہ پہونچے، حدیث میں خاص طور پر زبان اور ہاتھ کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ عموماً دوسرے لوگوں کی اذیت کا باعث یہ دو چیزیں ہوتی ہیں، آپس میں لڑائی جھگڑے بھی انہی کی وجہ سے ہوتے ہیں، اس لئے ان دو کو خاص طور پر ذکر فرمایا ہے، (۲)

(۱) اس پوری بحث کے لئے دیکھیے: انعام الباری ۳۸۵/۱، کشف الباری ۶۶/۱، تحفة الاحوذی ۳۱۷/۷، قدیمی

(۲) تحفة الاحوذی ۳۱۷/۷

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ غَرِيبًا

یہ باب اس بیان میں ہے کہ اسلام غربت میں شروع ہوا اور عنقریب وہ غربت میں لوٹ جائے گا۔
عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ غَرِيبًا، كَمَا بَدَأَ أَفْطُوْنِي لِلْغُرَبَاءِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اسلام غربت سے شروع ہوا اور عنقریب دوبارہ غربت میں لوٹ جائیگا، جیسا کہ شروع ہوا تھا، لہذا غریبا کیلئے خوشخبری ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ الدِّينَ لَيَأْبُرُ إِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَأْبُرُ النُّحْتَةُ إِلَى جُحْوَهَا، وَلَيَعْقِلَنَّ الدِّينَ فِي الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْأُرْوِيَةِ مِنْ رَأْسِ الْجَبَلِ، إِنَّ الدِّينَ بَدَأَ غَرِيبًا، وَيَرْجِعُ غَرِيبًا، فَطُوْنِي لِلْغُرَبَاءِ الَّذِينَ يُصْلِحُونَ مَا أَلَسَدَ النَّاسُ مِنْ بَغْدَى مِنْ مَنَتَيْنِ۔

حضرت عمرو بن عوف سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک دین حجاز کی طرف اس طرح سٹ کر آئے گا، پناہ لے گا جس طرح سانپ اپنے تل یعنی سوراخ کی طرف سمتا اور پناہ لیتا ہے، اور دین حجاز مقدس کی طرف ضرور اس طرح پناہ لے گا جس طرح جنگلی بکری پہاڑ کی چوٹی پر پناہ لیتی ہے، بے شک دین غربت سے شروع ہوا ہے اور عنقریب غربت کی طرف لوٹ آئیگا، لہذا ان غریبا کیلئے خوشخبری ہے، جو میری اس سنت کی اصلاح کرتے ہیں جسے لوگوں نے بگاڑ دیا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:- غریب: پردیسی، مسافر، اجنبی، غربت والا۔ یأرب: سٹ کر آئے گا، پناہ لے لیگا۔ حجاز: اس سے مکہ، مدینہ اور ان کے اطراف کا علاقہ مراد ہے۔ جحور: (جیم پر پیش اور حا کے سکون کے ساتھ) تل، سوراخ۔ لیعقلن: ضرور پناہ لے گا، جگہ لے گا، اُرْوِیۃ: (ہمزہ پر پیش اور را کے سکون کے ساتھ) جنگلی بکری، بکری کو اس لیے ذکر کیا کیونکہ یہ نر کے مقابلے زیادہ دشوار جگہوں پر جاسکتی ہے۔ معقل: قلعہ، پناہ لینے کی جگہ۔ رأس الجبل: پہاڑ کی چوٹی۔ یصلحون: جو اصلاح اور درست کرتے ہیں، یعنی اس پردہ خود بھی عمل کرتے ہیں اور اپنی وسعت کے بقدر دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں۔

اسلام کی ابتداء اور انتہاء

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کا جب آغاز ہوا تو اس وقت اس کے حامی کم تھے، صرف چند ہی افراد تھے، وہ معاشرے میں معاشی لحاظ سے ذرا کمزور بھی تھے، لوگ انہیں اجنبی نظروں سے دیکھتے تھے اور اسلام کے دشمنوں نے انہیں اس قدر ستایا کہ انہیں اپنا گھر، شہر اور وطن چھوڑ کر ہجرت کرنا پڑی، اسی طرح قرب قیامت میں بھی اسلامی تعلیمات پر مکمل عمل کرنے والے

کم رہ جائیں گے، جو فتنے کے اس دور میں بھی نبی کریم ﷺ کی مٹی ہوئی سنتوں اور احکام کو زندہ کریں گے، جن کو حدیث میں ”غرباء“ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، ان کے لیے ”طوبی“ ہے۔

”طوبی“ سے کیا مراد ہے؟ اس سے غرباء کیلئے فرحت و مسرت، ہر قسم کی خیر و برکت، اور جنت مراد ہے، اور بعض کے بقول ”طوبی“ جنت میں ایک درخت کا نام ہے۔

”غرباء“ سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس میں تین قول ہیں:

(۱) ان سے وہ مسلمان مراد ہیں جو اسلام کے آغاز کے وقت تھے اور جو قیامت کے قریب آئیں گے یہ اسلام کی خاطر ہر قسم کی تکلیف پر صبر کریں گے۔

(۲) ان سے وہ مہاجرین مراد ہیں، جنہوں نے اللہ کی رضا کے لیے ہجرت کی ہے۔

(۳) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ان سے وہ مخلص مسلمان مراد ہیں، جو فتنے کے دور میں مٹی ہوئی سنتوں کی اصلاح اور ان کو زندہ کریں گے، جیسا کہ اس باب کی دوسری روایت میں نبی کریم ﷺ نے خود اس کی وضاحت فرمادی ہے۔

دین سمٹ کر حجاز کی طرف آجائیگا

آخر زمانہ میں جب طرح طرح کے فتنوں کا ظہور ہو جائیگا، دشمنان اسلام اور عالم لوگ عالم اسلام پر تسلط کر لیں گے، اس وقت ایمان کو بچانے کیلئے اہل ایمان حجاز یعنی مکہ و مدینہ کا رخ کریں گے اور اس کی طرف بھاگ کر جائیں گے جیسے سانپ اپنے بل کی طرف جلدی سے بھاگ کر اپنی جان بچاتا ہے، اور جیسے جنگلی بکری دشوار گزار پہاڑوں کی چوٹی پر پناہ لیتی ہے، کیونکہ اسلام کا آغاز بھی چند افراد پر ہوا تھا، اس وقت ان پر مختلف قسم کی آزمائشیں آئی تھیں، ایسے ہی قیامت کے قریب اہل ایمان کی تعداد کم ہو جائیگی، فتنے کے وقت وہ بھی اپنے ایمان کو بچانے کیلئے دیوانہ وار مدینہ کی طرف بھاگیں گے، ان کو حدیث میں ”غرباء“ کے لفظ سے ذکر کیا ہے، جو نبی کریم ﷺ کی سنتوں کو درست کریں گے یعنی ان پر خود بھی عمل پیرا ہونگے اور حکمت کے ساتھ دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں گے۔ (۱)

بَابُ فِي عِلَامَةِ الْمُنَافِقِ

یہ باب منافق کی علامت کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اتَّخَذَ خَانًا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: منافق کی علامتیں تین ہیں، جب بات کرے تو

جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے، تو اس میں وہ خیانت کرے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا وَإِنْ كَانَتْ فِيهِ خُصْلَةٌ مِنْهُنَّ، كَانَتْ فِيهِ خُصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدْغَمَهَا: مَنْ إِذَا اخَذَتْ كَذَبٌ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا أَخَاصَمَ فَجَرَ، وَإِذَا عَاهَدَ خَدَرَ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: چار چیزیں جس میں ہوگی وہ منافق ہوگا، اور اگر ان میں سے ایک خصلت اس میں ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے یہاں تک کہ وہ چھوڑ دے، جب بات کرے تو وہ جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو دھوکہ دے یعنی اسے پورا نہ کرے، جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے، اور جب کوئی معاہدہ کرے تو دھوکہ دے یعنی اسے توڑ دے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذَا وَعَدَ الزَّوْجُ لِي وَتَنَوَيْ أَنِّي يَفِي بِهِ فَلَمْ يَفِ بِهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ۔ حضرت زید بن ارقم کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص وعدہ کرے تو یہ نیت ہو کہ وہ اسے پورا کرے گا لیکن کسی وجہ سے اسے پورا نہ کر سکا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: - أخلف: وعدہ خلافی کرے۔ النعمن: امین بنایا جائے۔ خان: وہ خیانت کرے۔ خصلۃ: عادت، صفت۔ حتی يدغمها: یہاں تک کہ وہ اسے ترک کر دے، چھوڑ دے۔ خاصم: لڑائی جھگڑا کرے۔ فجور: سب و شتم اور گالی گلوچ دے۔ فلم يف به: پھر اسے وہ پورا نہ کر سکا، وعدہ نبھانہ سکا۔

نفاق کے معنی اور اس کی قسمیں

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نفاق کے معنی ہیں کہ باطن ظاہر کے مطابق نہ ہو، پھر اس نفاق کی دو قسمیں ہیں: (۱) نفاق اعتقادی: ایک شخص کسی مصلحت اور غرض کی وجہ سے بظاہر اسلام کا اظہار کرتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اندرونی

طور پر کافر ہوتا ہے، ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ یہ نفاق اب کسی کو حتمی طور پر معلوم نہیں ہو سکتا اور نبی کریم ﷺ کو وحی کے ذریعے بتا دیا جاتا تھا، تاہم اس کے چال چلن اور طرز زندگی سے اگر یقینی طور پر یہ پتہ چل جائے کہ یہ آدمی مخلص مسلمان نہیں بلکہ منافق اعتقادی ہے تو پھر اس کے ساتھ عہد رسالت کی طرح نرمی نہیں کی جائے گی کیونکہ ابتداء اسلام میں مصلحت کی وجہ سے منافقین کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کیا جاتا تھا، اب اس پر کفر اور ارتداد کا حکم لاگو ہوگا، اگر اسلامی حکومت ہو تو اس پر ارتداد کی سزا قتل جاری کی جائیگی۔

(۲) نفاق عملی: اس شخص کا عقیدہ تو درست ہے، ہے مخلص مسلمان، لیکن اس کا عمل باطن کے خلاف ہے، اس کے اعمال

منافقوں والے ہیں مثلاً وعدہ خلافی کرنا، گالیاں دینا، جھوٹ بولنا وغیرہ، یہ اعمال منافقین والے ہیں، یہ کام مسلمان کی شایان شان نہیں۔

باب کی مذکورہ احادیث میں بھی قسم یعنی ”نفاق عملی“ مراد ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر حضرت حذیفہ سے پوچھا کہ کیا میرے اندر آپ کچھ نفاق محسوس کرتے ہیں، تو حضرت حذیفہ نے فرمایا: نہیں، اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد نفاق عملی ہی تھا، نہ کہ نفاق اعتقادی، کیونکہ حضرت عمر کے بارے میں نفاق اعتقادی کا تو وہ ہم بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ لہذا اگر کسی شخص میں نفاق کی یہ علامتیں پائی جائیں تو اس پر منافق کا حکم نہیں لگایا جائیگا، بلکہ یوں کہا جائے گا کہ اس کے اندر منافق کی خصلت یا علامتیں پائی جا رہی ہیں۔

یہ ساری تفصیل اس پر مبنی ہے کہ ”النفاق“ میں جو لام ہے اسے ”جنس“ کیلئے قرار دیا جائے جبکہ بعض حضرات کے نزدیک اس سے ”لام عہد“ مراد ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مخصوص شخص یا عہد رسالت کے منافقین کے بارے میں یہ احادیث ارشاد فرمائی ہیں، ان کا استدلال چند ضعیف احادیث سے ہے۔

لیکن سب سے بہتر تشریح یہی ہے کہ اس سے مطلق منافق مراد لیا جائے اور نفاق سے نفاق عملی مراد ہو۔ یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ پہلی حدیث میں منافق کی تین علامتیں اور دوسری حدیث میں چار علامتیں ذکر کی گئی ہیں، بظاہر ان دونوں میں تعارض ہے؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

- (۱) نبی کریم ﷺ کو پہلے تین علامتیں بتائی گئیں تو آپ ﷺ نے تین ذکر فرمادیں، پھر ایک مزید علامت کا بتایا گیا تو پھر آپ ﷺ نے چار علامتیں ذکر فرمادی ہیں، اس لیے احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔
- (۲) ایک عدد دوسرے عدد کی نفی نہیں کرتا، بعض اوقات ایک چیز کی بہت سی علامتیں ہوتی ہیں، حالات اور موقع کے اعتبار سے کم و بیش انہیں ذکر کیا جاتا ہے، اسی طرح نفاق کی بھی متعدد علامتیں ہیں، کہیں تین کو بتانا مناسب معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے تین علامتیں ذکر فرمادیں، اور کہیں اس سے زیادہ کا ذکر مناسب معلوم ہوا تو زیادہ ذکر فرمادیں، اس لیے دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔ (۱)

وعدہ خلافی نفاق کی علامت کب ہے

حضرت زید بن ارقم کی حدیث سے معلوم ہوا کہ وعدہ خلافی اس صورت میں مذموم اور نفاق کی علامت ہے جبکہ وعدہ کرتے وقت ہی اسے پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو، لیکن اگر وعدہ کرتے وقت اسے پورا کرنے کا قصد اور ارادہ تھا لیکن پھر کسی وجہ سے اسے پورا نہ کر سکا تو یہ وعدہ خلافی کے حکم میں نہیں۔

بَاب مَا جَاءَ سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: قَتَلَ الْمُسْلِمُ أَخَاهُ كُفْرًا وَسَبَّاهُ فُسُوقًا.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان کا اپنے بھائی کے ساتھ لڑائی کرنا کفر اور اسے گالی دینا فسق ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، کسی مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس کے ساتھ قتال کرنا کفر ہے۔

گالی دینا فسق ہے

مذکورہ احادیث سے دو حکم ثابت ہوتے ہیں:

(۱) ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو سب و شتم کرنا، برا بھلا کہنا اور گالی دینا گناہ اور فسق ہے، اس لیے گالی گلوچ سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے، بعض لوگوں کی زبان پر ہر وقت نامناسب کلمے اور گالیاں جاری رہتی ہیں، ہر بات میں گالی بلکہ بعض اوقات ان کا تکیہ کلام ہی گالی ہوتا ہے، یہ طریقہ کسی بھی طرح جائز نہیں ہے۔

(۲) ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ بغیر کسی وجہ کے قتال کرے تو یہ کفر ہے۔

اس ”کفر“ سے کیا مراد ہے؟ اس میں پانچ قول ہیں:

☆ جو شخص مسلمان کے ساتھ قتال اور اسے قتل کرنا جائز اور حلال سمجھے تو وہ کافر ہو جائیگا۔

☆ اس سے کفر ان نعمت اور ناشکری مراد ہے۔

☆ یہ عمل بالآخر آدمی کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

☆ یہ کافروں والا کام ہے

☆ اس سے زجر و توبیخ مقصود ہے تاکہ دوسرے مسلمان یہ عمل نہ کریں۔ (۱)

بَابُ فِيمَنْ رَمَى أَخَاهُ بِكُفْرٍ

یہ باب اس شخص (کی وعید) کے بارے میں ہے جو اپنے مسلمان بھائی پر کفر کا الزام لگائے۔
 عَنْ ثَابِتِ بْنِ الصَّخَّاکِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَيْسَ عَلَى الْعَبْدِ نَذْرٌ فِيمَا لَا يَمْلِكُ، وَلَا عَنِ الْمُؤْمِنِ كَفَّابِلُهُ، وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَاتِلِهِ، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ، عَذَبَهُ اللَّهُ بِمَا قَتَلَ بِهِ نَفْسَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔
 حضرت ثابت بن ضحاک سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بندے پر اس چیز کی منت لازم نہیں ہوتی جس کا وہ مالک نہ ہو، اور مؤمن کو لعنت کرنے والا (گناہ میں) اس کے قاتل کی طرح ہے، اور جو شخص کسی مؤمن پر کفر کا الزام لگائے تو وہ (حرم یا سزا میں) اس کے قاتل کی طرح ہے، اور جس شخص نے کسی چیز سے خودکشی کی تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اسی چیز سے عذاب دیں گے، جس چیز سے اس نے اپنے نفس کو قتل کیا ہوگا۔
 عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَيْمَانُ زُجْلٍ قَالَ لِأَخِيهِ: كَا فِرْ فَقَذَبْنَا بِهَا أَخَاهُمَا۔
 حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو ان دونوں میں سے ایک نہ ایک ضرور اس بات کے (دوبال کے) ساتھ لوٹا۔

کسی کو کافر کہنے کا حکم

اگر کوئی شخص کسی دوسرے انسان کو کافر کہہ دے اور جس کو کہا ہے وہ اگر حقیقت میں بھی کافر ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی نیت کو دیکھا جائے گا، اگر اس نے خیر خواہی کے جذبے سے یا لوگوں کو اس کی حالت سے باخبر کرنے کیلئے یہ جملہ کہا ہے تو جائز ہے، لیکن اگر اس کا مقصد اس شخص پر محض طعنہ زنی اور بلا ضرورت اس کے کفر کی تشہیر ہے تو یہ جائز نہیں کیونکہ شریعت نے برائیوں کے اچھالنے کا نہیں، ستر اور چھپانے کا حکم دیا ہے، اور اگر وہ شخص، جس کو اس نے کافر کہا ہے، حقیقت میں کافر نہیں، بلکہ وہ مسلمان ہے، یہ اس کی طرف کفر کی نسبت محض جھوٹ کی بنیاد پر کر رہا ہے، تو یہاں روایت میں فرمایا ہے کہ وہ کلمہ تکفیر کہنے والے کی طرف لوٹ آتا ہے، یعنی وہ کافر ہو جاتا ہے۔

”فَقَذَبْنَا بِهَا أَحَدَهُمَا“ جمہور کے نزدیک اس حدیث کے حقیقی معنی مراد نہیں کیونکہ ایک مسلمان، خواہ وہ کتنے ہی بڑے گناہ کا ارتکاب کر لے جیسے قتل اور زنا وغیرہ اور خواہ وہ اپنے کسی بھائی کو کافر کہہ دے تو اس سے وہ آدمی گنہگار تو ضرور ہوتا ہے لیکن کافر نہیں ہوتا، بشرطیکہ وہ دین اسلام کے باطل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے، جبکہ مذکورہ حدیث کے ظاہر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر کہہ دے جبکہ حقیقت میں وہ کافر نہ ہو تو کہنے والا خود کافر ہو جائیگا، اس وجہ سے اس ارشاد گرامی کے مختلف مطلب بیان کئے گئے ہیں:

(۱) یہ حکم مستحل کیلئے ہے یعنی جو شخص کسی مسلمان کی طرف کفر کی نسبت کرنے کو جائز اور حلال سمجھتا ہے تو کلمہ تکفیر اسی کی طرف لوٹتا ہے، لیکن سیاق کلام سے اس مطلب کی تائید نہیں ہوتی۔

(۲) بعض کے نزدیک اس سے خوارج مراد ہیں کہ جو اہل ایمان اور بہت سے صحابہ کو کافر کہتے تھے، ایسے صحابہ کہ جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے جنت کی شہادت دی تھی، تو یہ درحقیقت اس شہادت کی تکذب کر رہے ہیں جو حضور ﷺ نے دی ہے، اسوجہ سے یہ کافر ہونگے جبکہ اکثر حضرات نے خوارج کو گمراہ ضرور کہا ہے لیکن کافر قرار نہیں دیا۔

(۳) اس سے دوسرے مسلمانوں کو تنبیہ اور ڈرانا مقصود ہے تاکہ کوئی مسلمان اس قسم کا جملہ نہ کہے۔

(۴) بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جس شخص کو کافر کہا گیا ہے وہ اگر واقعتاً کافر ہے پھر تو کہنے والا سچا ہے اور جس کے متعلق کہا گیا ہے وہ اس کا مستحق ہے، لیکن اگر وہ کافر نہیں تو کہنے والے پر اس جملے کا وبال اور گناہ آئیگا، اس حدیث کی یہ توجیہ سب سے اچھی ہے۔ (۱)

باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے چار چیزیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) نذر اور منت آدمی صرف اس چیز کی مان سکتا ہے جس کا وہ منت کے وقت مالک ہے، ایسے میں اسے پورا کرنا اس پر ضروری ہوتا ہے، اور جس چیز کا انسان مالک ہی نہ ہو، اس کی منت ماننا درست نہیں، مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں زید کی گاڑی صدقہ کروں گا، اگر کوئی شخص اس قسم کی منت مان بھی لے، تو شرعاً وہ منعقد ہی نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کا پورا کرنا اس پر لازم ہوتا ہے۔

(۲) جو شخص کسی مؤمن پر لعن طعن کرے تو یہ اس کو قتل کرنے کی طرح ہے، یعنی جس طرح مؤمن کو قتل کرنا حرام ہے اسی طرح اس پر لعنت کرنا بھی حرام ہے، یا جس طرح مؤمن کو قتل کرنا باعث سزا ہوتا ہے اسی طرح اس پر لعنت بھیجنا بھی باعث سزا و عقاب ہے۔

(۳) کسی مسلمان پر کفر کا الزام لگانا ایسا ہی حرام ہے، جس طرح اسے بلا وجہ قتل کرنا حرام ہے، اس کی مزید تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

(۴) آدمی نے دنیا میں جس چیز کے ساتھ خودکشی کی ہوگی مثلاً زہر سے یا آلات قتل میں سے کسی چیز کے ساتھ، تو آخرت میں اسی چیز کے ساتھ بطور سزا اپنے آپ کو قتل کرے گا، تاکہ سزا، گناہ ہی کی جنس سے ہو، اگرچہ آخرت کا عذاب اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگا۔ (۲)

(۱) فتح الباری ۵۷۱/۱۰ کتاب الادب، باب ما ینہی من السباب واللعن تحفة الاحوذی ۳۲۵/۷، مرقاۃ ۵۵۹/۹ کتاب الادب

باب حفظ اللسان، کشف الباری (ص: ۴۲۲) کتاب الادب

(۲) تحفة الاحوذی ۳۲۶/۷

بَابُ فِيمَنْ يَمُوتُ وَهُوَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

یہ باب اس شخص کے (حکم کے) بیان میں ہے جس کا خاتمہ توحید پر ہو۔

عَنْ الصَّنَابِجِيِّ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّهُ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الْقَوْتِ فَبَكَيْتُ فَقَالَ: مَهْلِكُكُمْ تَبَيُّكِي، فَوَاللَّهِ لَوْ أَنَّ اسْتَشْهَدْتَ لِأَشْهَدَنَّ لَكَ، وَلَوْ أَنَّ شَفَعْتَ لِأَشْفَعَنَّ لَكَ، وَلَوْ أَنَّ اسْتَطَعْتَ لِأَتَفَعَنَّكَ، ثُمَّ قَالَ: وَاللَّهِ مَا مِنْ حَدِيثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَكُمْ فِيهِ خَيْرٌ إِلَّا أَحَدْتُكُمْ وَهُوَ إِلَّا أَحَدْتُكُمْ وَأَسْأَلُكُمْ لَكُمْ هُوَ الْيَوْمَ، وَقَدْ أَحْبَبْتُ بِنَفْسِي، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ النَّارَ۔

صنابجی کہتے ہیں کہ میں عبادہ بن صامت کے پاس گیا جبکہ وہ موت کے قریب تھے، میں رونے لگا تو عبادہ بن صامت نے فرمایا: صبر سے کام لو، کیوں رورہے ہو، اللہ کی قسم: اگر مجھ سے تمہارے (ایمان کے متعلق) گواہی طلب کی گئی تو میں تمہارے (ایمان کی) ضرورت گواہی دوں گا، اور اگر مجھے (قیامت کے دن) شفاعت کی اجازت دی گئی تو میں ضرور تمہارے لیے شفاعت کروں گا، اور اگر میرے بس میں ہوا تو تمہیں ضرور نفع پہنچاؤں گا، پھر فرمایا: اللہ کی قسم کوئی حدیث ایسی نہیں جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو اور اس میں تمہارے لیے خیر ہو مگر یہ کہ وہ حدیث میں نے تمہارے سامنے بیان کر دی ہے، ہاں ایک حدیث ہے، جو آج میں تمہارے سامنے بیان کر رہا ہوں، جبکہ موت نے میری جان کو گھیر لیا ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جس نے اس بات کی گواہی دی کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ اس پر آگ کو حرام کر دیتے ہیں (یعنی کافروں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کو جہنم میں نہیں ڈالا جائیگا)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ اللَّهَ سَيَخْلُصُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي عَلَى رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةَ وَتِسْعِينَ سِجْلًا، كُلُّ سِجْلٍ مِثْلُ مِذْيَبِ الْبَصْرِ ثُمَّ يَقُولُ: أَتُنْكِرُ مِنْ هَذَا شَيْئًا؟ أَظَلَمْتُكَ كَتَبْتَنِي الْخَافِظُونَ؟ يَقُولُ: لَا، يَا رَبِّ، فَيَقُولُ: أَفَلَاكَ غُذْرٌ؟ فَيَقُولُ: لَا، يَا رَبِّ، فَيَقُولُ: بَلَى، إِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ، فَتُخْرَجُ بِطَاقَةٍ فِيهَا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، فَيَقُولُ: احْضُرْ وَزَنْكَ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ، مَا هَذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هَذِهِ السِّجْلَاتِ؟ فَقَالَ: فَإِنَّكَ لَا تُظْلَمُ، قَالَ: فَتُوضَعُ السِّجْلَاتُ فِي كِفَّةٍ، وَالْبِطَاقَةُ فِي كِفَّةٍ، فَطَاشَتِ السِّجْلَاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ، وَلَا يَنْثَلُ مَعَ اسْمِ اللَّهِ شَيْءٌ۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو عاص کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: بیشک اللہ تعالیٰ قیامت کے

دن میری امت میں سے ایک شخص کو الگ کر کے تمام لوگوں کے سامنے لائیں گے، اور اس کے گناہوں کے ننانوے رجسٹر اس کے سامنے کھولے گا، ہر رجسٹر تاحد نگاہ بڑا ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا تم اس میں سے کسی چیز کا انکار کرتے ہو؟ کیا میرے (انسانوں کے اعمال) لکھنے والے اور حفاظت کرنے والے فرشتوں نے تم پر ظلم کیا ہے؟ وہ کہے گا، نہیں اے میرے پروردگار پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا تمہارا کوئی عذر ہے؟ وہ عرض کرے گا، نہیں اے میرے پروردگار پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ہاں کیوں نہیں، ہمارے پاس تمہاری ایک نیکی موجود ہے، اور یقیناً آج تم پر کسی طرح کا کوئی ظلم نہیں ہوگا، پھر ایک پرچہ نکالا جائیگا، جس میں لکھا ہوگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تم اپنے اس عمل کا وزن کر کے لاؤ (یا یوں ترجمہ کریں: تم اس پرچہ کے وزن کے وقت حاضر ہو جاؤ) وہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار: اس پرچہ کا ان رجسٹروں کے ساتھ کیا مقابلہ (یعنی ان رجسٹروں کے سامنے اس پرچہ کا کیا وزن ہوگا) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آج تم پر ظلم نہیں کیا جائیگا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پھر وہ تمام رجسٹر ترازو کے ایک پلڑے میں اور وہ ایک پرچہ ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائیگا تو رجسٹروں کا پلڑا ہلکا ہو جائیگا (یعنی اوپر اٹھ جائیگا) اور اس پرچہ کا پلڑا بھاری ہو جائیگا اور (یہ حقیقت ہے کہ) اللہ کے نام کے برابر کوئی چیز وزنی نہیں ہو سکتی۔

مشکل الفاظ کے معنی:- مہلا: ٹھہرو، مبر سے کام لو۔ استشہدت: (میخہ مجہول) مجھ سے گواہی طلب کی گئی۔ مہخلص: الگ اور ممتاز کرے گا۔ فہنشو: پھیلائیں گے۔ مسجل: (سین اور جیم کے نیچے زیر کے ساتھ) رجسٹر، کاغذات کا مجموعہ، اس کی جمع سجلات ہے۔ مثل مد البصر: تاحد نگاہ بڑا۔ کتبی: کاتب کی جمع ہے: میرے لکھنے والے فرشتے۔ بطاقت: پرچہ، کارڈ۔ احضر وزنک: تم اپنے اس عمل کا وزن کر کے لاؤ یا اس کے وزن کے وقت موجود ہو۔ کفۃ: (کاف کے نیچے زیر اور فا پر زبر و تشدید) ترازو کا ایک پلڑا۔ طاشت: وہ رجسٹر ہلکے پڑ گئے، یعنی ان کا پلڑا، وزن کی کمی وجہ سے اوپر کو اٹھ گیا۔ ثقلت: اس پرچہ کا پلڑا بھاری اور وزنی ہو گیا۔

کلمہ توحید کی فضیلت

باب کی مذکورہ احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ جس شخص نے اخلاص کے ساتھ کلمہ توحید پڑھا ہوگا تو اسے بالآخر جنت میں داخل کر دیا جائیگا اور اگر اس نے گناہوں سے پاک زندگی گزاری ہو، فرائض و واجبات اور اپنے ذمہ کے حقوق اس نے ادا کیے ہوں، تو اسے ابتداء میں ہی جنت میں داخل کر دیا جائیگا، اور اگر گناہوں سے توبہ کے بغیر دنیا سے چلا گیا تو اگر اللہ چاہیں تو کچھ عرصہ اسے جہنم میں ڈالا جائیگا اور پھر بالآخر اسے جنت میں داخل کر دیا جائیگا۔

حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ میں نے ہر قسم کی حدیث تم لوگوں کو سنا دی ہے لیکن یہ حدیث کہ من قال لا الہ الا اللہ... میں ابھی موت کے وقت تمہیں سنا رہا ہوں، اور پہلے اس لیے نہیں سنا کی تا کہ کوئی مسلمان، صرف اس کا سہارا لے کر اعمال میں غفلت اور سستی نہ کرے، یہ مفہوم دوسری احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے دو مطلب بیان کئے ہیں:

(۱) امام زہری سے اس ارشاد کا مطلب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ابتداء اسلام میں یہ امر تھا کیونکہ اس وقت اسلام کے دیگر احکام و مسائل، فرائض، امر، اور نبی کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔

لیکن امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ جواب ضعیف ہے، کیونکہ اس مفہوم کی احادیث کے ایک راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں، جو سات ہجری میں اسلام لائے تھے، اس وقت یقیناً اسلام کے اکثر احکام نہ صرف یہ کہ نازل ہو چکے تھے بلکہ مسلمان ان پر عمل بھی کر رہے تھے، اسلئے یہ مطلب ضعیف ہے۔

(۲) دوسرا مطلب وہی ہے جو اوپر لکھا جا چکا ہے کہ اہل ایمان کو بالآخر جنت میں داخل کر دیا جائیگا، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک اور حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل توحید کی ایک جماعت کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائیگا، اسی طرح بہت سے تابعین سے قرآن مجید کی اس آیت ”ربما یؤد الذین کفرو والو کانو مسلمین“ کی تفسیر میں یہ اثر منقول ہے کہ جب گنہگار مسلمانوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائیگا تو جہنم میں موجود کافر یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے تو آج ہم اس سخت عذاب سے چھٹکارا حاصل کر لیتے۔

باب کی دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک شخص خواہ وہ کتنا ہی گنہگار ہو، اللہ کی نافرمانی میں اس نے ساری زندگی گزاری ہو، لیکن اس کا عقیدہ توحید درست ہے، اخلاص کے ساتھ اس نے کلمہ توحید پڑھا ہے تو اللہ تعالیٰ کلمہ توحید کے اس چھوٹے سے پرچہ کو اتنا وزنی کر دیں گے کہ اس کے گناہوں کا پلڑا ترازو میں ہلکا ہو جائیگا اور لا الہ الا اللہ کا پلڑا بھاری ہو جائیگا، کیونکہ اس میں لفظ ”اللہ“ ہے، جو بلاشبہ کائنات اور اس کی ہر چیز سے زیادہ وزنی اور بابرکت ہے، وہ آدمی حیران ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہم ہر ایک کے ساتھ انصاف کرتے ہیں، کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں کرتے، لہذا تمہارے ساتھ بھی آج کوئی زیادتی نہیں کی جائیگی۔

یہاں پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ ترازو میں وزن تو اجسام اور ٹھوس چیز کا کیا جاتا ہے اور اعمال تو اعراض ہیں، اجسام کے قبیل سے نہیں ہیں، تو پھر آخرت میں میزان عدل میں انہیں کیسے تولایا جائیگا؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) ان رجسٹروں کا وزن کیا جائیگا، جن میں اعمال درج ہو گئے، براہ راست اعمال کا وزن نہیں ہوگا۔

(۲) آخرت کا معاملہ دنیا سے مختلف ہے، وہاں ایسا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعمال کو بھی جسم عطاء فرمادیں، پھر ان

کا وزن کر لیا جائے گا، و ما ذلک علی اللہ بعزیز۔ (۱)

اور اب تو اس دنیا میں بھی ایسی چیزیں کا وزن کر لیا جاتا ہے، جو اعراض کے قبیل سے ہوتی ہیں، اجسام کے قبیل سے نہیں ہوتیں مثلاً تھرمائیٹر سے بخار معلوم کر لیا جاتا ہے، درجہ حرارت و برودت کو آلات سے ریکارڈ کر لیا جاتا ہے، اس لیے اب تو یہ سوال پیدا ہی نہیں ہونا چاہئے۔

اس حدیث میں کلمہ طیبہ کی کس قدر فضیلت کا ذکر ہے، اس لیے مسلمانوں کو اس شرف و اعزاز کی قدر کرنی چاہئے اور اپنی زندگی کے اکثر اوقات کو، اللہ جل جلالہ کی یاد اور اس کے ذکر میں گزارنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔

بَابُ افْتِرَاقِ هَذِهِ الْأُمَّةِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں اس امت کے بٹ جانے اور کئی فرقوں میں ہو جانے کا ذکر ہے۔
 عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: تَفْتَرِقُ الْيَهُودُ عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، أَوِ اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، وَالتَّضَارِيُّ وَمِثْلُ ذَلِكَ، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً.
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہودی اکثر یا بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے، اسی طرح عیسائی بھی اور میری امت بہتر فرقوں میں بٹ جائیگی۔
 عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ حَذَوُ النَّفْلِ بِالنَّفْلِ، حَتَّىٰ إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أَنَّهُ عَلَانِيَةً لِّكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَضَعُ ذَلِكَ، وَإِنَّ بَنِي إِسْرَءِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالَ: مَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِمْ وَأَصْحَابِي۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت پر ضرور وہی کچھ آئیگا، جو بنی اسرائیل پر آیا، اور دونوں میں اتنی مطابقت ہوگی جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے مطابق یعنی برابر ہوتا ہے، یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بد فعلی کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہو گئے جو ایسا ہی کریں گے، اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت بہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائیگی، وہ تمام فرقے دوزخی ہو گئے سوائے ایک فرقہ کے کہ وہ جنتی ہوگا، عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ: وہ کونسا فرقہ ہوگا؟ (جو جنت میں جائیگا) آپ ﷺ نے فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ کے راستے پر چلیں گے (یعنی کتاب و سنت پر) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى خَلَقَ خَلْقَهُ فِي ظُلْمَةٍ

فَأَلْقَى عَلَيْهِمْ مِنْ نُورِهِ، فَمَنْ أَصَابَهُ مِنْ ذَلِكَ النُّورِ اهْتَدَى، وَمَنْ أَخْطَاهُ ضَلَّ، فَلِذَلِكَ أَقُولُ: جَفَّ الْقَلَمُ عَلَى عِلْمِ اللَّهِ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی مخلوق (یعنی جن وانس) کو اندھیرے میں پیدا کیا، پھر ان پر اپنا نور ڈالا، چنانچہ جس تک وہ نور پہنچا تو وہ راہ راست پر لگ گیا، اور جس تک وہ نور نہ پہنچا تو وہ گمراہ ہو گیا، اسی لیے میں کہتا ہوں کہ علم الہی (یعنی تقدیر) پر قلم خشک ہو چکا ہے۔

عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَتَدْرِي مَا حَقَّ اللَّهُ عَلَى الْعِبَادِ؟ فَقُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ۔ قَالَ: لَئِنْ حَقَّقَهُ عَلَيْهِمْ أَنْ يَغْبِذُوهُ وَلَا يُشِيرَ كُؤَابُهُ شَيْئًا: قَالَ: أَتَدْرِي مَا حَقَّقَهُمْ عَلَى اللَّهِ إِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ؟ قَالَ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: أَنْ لَا يَعْبُدَهُمْ۔

حضرت معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں، اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں، پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اللہ پر کیا حق ہے جب وہ ایسا کر لیں؟ حضرت معاذ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بندوں کو عذاب نہ دے۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: أَتَانَنِي جِبْرِائِيلُ فَبَشَّرَنِي أَنَّهُ مِنْ مَاتَ لَا يُشِيرُ كُؤَابُهُ شَيْئًا، دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: نَعَمْ۔

حضرت ابو ذر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پاس جبرائیل آئے اور اس بات کی مجھے بشارت دی کہ جو شخص اس حال میں مرے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتا ہوگا، وہ جنت میں داخل ہوگا، میں نے عرض کیا: اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں (یعنی اگرچہ وہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر لے اور توبہ کے بغیر مر جائے تو کچھ عرصہ عذاب کے بعد، بالآخر اسے جنت میں داخل کر دیا جائیگا)۔

مشکل الفاظ کے معنی:- تفرقت: تقسیم ہو گئے، بٹ گئے۔ حذو النعل بالنعل: جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے مطابق اور برابر ہوتا ہے۔ من أخطأہ: جس شخص سے اس نور نے تجاوز کر لیا، یعنی اس تک وہ نور نہ پہنچا۔ فبشرونی: مجھے خوشخبری اور بشارت دی۔

امت محمدیہ ۳ فرقوں میں بٹ جائیگی

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو طور طریقے بنی اسرائیل کے تھے، وہ سارے میری امت کے اندر بھی پائے جائیں گے، جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے موافق ہوتا ہے، ان میں کوئی فرق نہیں ہوتا، اگر بنی اسرائیل کے کسی فرد نے اپنی ماں کے

ساتھ علانیہ بد فعلی کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہونگے، جو اس طرح کا کام کریں گے، اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئی تھی، میری امت بہتر گروہوں میں تقسیم ہو جائیگی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ: ان تمام جماعتوں میں کوئی جماعت مذہب حق پر ہوگی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ما انا علیہ و اوصحابی، جو جماعت اور افراد میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم اور طریقے پر ہونگے، وہ کامیاب ہو جائیں گے، اس کے علاوہ باقی تمام گروہوں کو جہنم میں ڈالا جائیگا۔

”کفتوق امتی“ میں امت سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

- (۱) بعض نے کہا کہ اس سے ”امت دعوت“ مراد ہے یعنی امت محمدیہ کے تمام افراد، خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر، اس صورت میں ۷۳ فرقوں میں وہ مذہب والے گروہ بھی داخل ہونگے، جو ہمارے ساتھ قبلہ میں شریک نہیں۔
- (۲) راجح یہی ہے کہ اس سے ”امت اجابت“ مراد ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے اسلام کو قبول کر لیا ہے، جو ایک ہی قبلہ کے پیروکار ہیں، ان کے ۷۳ فرقے ہونگے۔

یہ ذہن میں رہے کہ اس مذہبمذہب اختلاف سے ائمہ کرام اور فقہاء کا فروعی اختلاف مراد نہیں ہے، کیونکہ یہ اختلاف شرعاً مذہبمذہب نہیں بلکہ پسندیدہ اور باعث رحمت ہے، اس اختلاف سے اصول توحید، خیر و شر کی تقدیر اور نبوت و رسالت کی شروط وغیرہ کا اختلاف مراد ہے، کیونکہ یہ لوگ بسا اوقات ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں جبکہ فقہاء کرام کا یہ طریقہ نہیں ہے، فقہاء کرام آپس میں اختلاف ضرور کرتے ہیں لیکن وہ محض اخلاص اور دلائل پر مبنی ہوتا ہے جس میں نہ تو کسی کی تکفیر کی جاتی ہے اور نہ کسی کو فاسق قرار دیا جاتا ہے۔

یہ بہتر فرقے کون سے ہیں اور ان میں فرقہ ناجیہ کونسا ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں:

- (۱) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اہل اسلام کے بڑے گروہ آٹھ ہیں:

(۱) معتزلہ (۲) شیعہ (۳) خوارج (۴) مرجیہ (۵) نجاریہ (۶) جبریہ (۷) مشبہ (۸) ناجیہ (نجات پانے والا) پھر معتزلہ کے بیس، شیعہ کے بائیس، خوارج کے بیس اور مرجیہ کے پانچ فرقے ہیں، نجاریہ کے تین، مرجیہ اور مشبہ کا ایک فرقہ ہے، یہ بہتر فرقے ہونگے، اور آخری فرقہ اہل سنت والجماعت کا ہے جو نجات پانے والا فرقہ ہے اور یہ وہ فرقہ ہے جو حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے پر ہے۔

(۲) حضرت مولانا غلیل احمد صاحب ”ہدای المجهود“ میں فرماتے ہیں کہ اس اختلاف سے فروعی اور فقہی اختلاف مراد نہیں بلکہ اس سے اصولی اختلاف مراد ہے، اور ۷۳ کے عدد سے کثرت مقصود ہے کہ اس امت میں اصولی اختلاف رکھنے والے بے شمار فرقے پیدا ہو جائیں گے، نجات پانے والا اور راہ راست پر صرف ایک ہی فرقہ ہوگا جسے اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے، جو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کے مطابق ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ فرقہ ناجیہ اہل سنت ہی ہیں، یہ کس طرح معلوم ہوا، کیونکہ ہر گروہ اپنے آپ کو مذہب حق پر سمجھتا ہے

اور اپنے آپ کو فرقہ ناجیہ بھی کہتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کی حقانیت کی دلیل یہ ہے کہ دین اسلام ہم تک نقل اور روایت کے ذریعہ پہنچا ہے، اس میں محض عقل کافی نہیں ہے، لہذا امتواتر احادیث، اخبار اور آثار صحابہ سے تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ اہل سنت والجماعہ جن عقائد پر ہیں انہی عقائد پر صحابہ و تابعین اور امت کے اولیاء کرام تھے، دوسرے باطل فرقے سب بعد میں پیدا ہوئے چنانچہ ان میں سے کچھ جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں پیدا ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے سخت بیزاری اور نفرت کا اظہار فرمایا بلکہ ان سے ہر قسم کے تعلقات اور رابطے منقطع کر دیے، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اہل سنت والجماعہ ہی نجات پانے والا فرقہ ہے۔ (۱)

جن وانس کو ظلمت میں پیدا کرنے کے معنی

جن وانس کو اللہ تعالیٰ نے ظلمت میں پیدا کیا، ”ظلمت“ سے نفسانی خواہشات کی تاریکی مراد ہے، کہ انسان کی فطرت میں نفسانی خواہشات حسد، بغض، کینہ وغیرہ اور غفلت کا مادہ رکھا ہوا ہے، جیسا کہ اس کی طبیعت میں حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے، اور جس پر اللہ تعالیٰ نور ڈال دیں تو وہ راہ راست پر آجائیگا، اور جس تک نور نہ پہنچا تو وہ گمراہی کے اندھیرے میں رہے گا، اس ”نور“ سے ”آیات اور دلائل“ مراد ہیں۔

جف القلم علی علم اللہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں جو کچھ لکھ دیا ہے، طے کر دیا ہے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے العیاذ باللہ جبراً کوئی فیصلہ فرما دیا ہے کہ اب انسان مجبور محض ہے اور اپنی مرضی اور اختیار سے کچھ نہیں کر سکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہونے کی وجہ سے یہ سب کچھ جانتے ہیں کہ کونسا انسان کیا اعمال کرے گا، اپنی زندگی کس طریقے سے گزارے گا، ہدایت پر ہوگا یا ضلالت و گمراہی میں ڈوب رہے گا، انسان جو کچھ اپنے اختیار سے عمل کرے گا، اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو علم غیب کی وجہ سے پہلے سے ہی ازل میں لکھ دیا ہے، اب اس میں رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ (۲)

توحید کی اہمیت

حضرت معاذ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا عقیدہ توحید درست ہوگا، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا، تو وہ آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچ جائیگا، اگر اس کے اعمال صالحہ غالب رہے تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے پہلی مرتبہ ہی جنت میں داخل فرمادیں، اور گناہوں کی صورت میں کچھ عرصہ جہنم میں سزا بھگتنے کے بعد بالآخر اسے جنت میں داخل کر دیا جائیگا۔

(۱) تحفة الاحوذی ۳۳۶/۷، قدیمی کراچی، مرقاة المفاتیح ۳۸۰/۱، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب الکوکب الدری

(۲) مرقاة المفاتیح ۲۸۰/۱، کتاب الایمان، باب الایمان بالقدر

اس حدیث میں ”یجدوہ“ سے توحید اور طاعات کو بجالانا اور گناہوں سے بچنا مراد ہے، اس کے ضمن میں شرک کی نفی کا حکم بھی ثابت ہو جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے ”ولایشرکو ابہ شیاً“ الگ سے بھی ذکر فرمایا، اس سے ان کافروں پر رد کرنا مقصود ہے جو اللہ کی عبادت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی شرک بھی کرتے ہیں، لہذا جو شخص اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے تو کلمہ توحید کی برکت سے بالآخر اس کی ضرورت نجات ہو جائیگی۔

”ما حقہم علی اللہ“

- اللہ تعالیٰ پر تو بندوں کی کوئی چیز لازم نہیں تو پھر اس ”حق“ سے کیا مراد ہے؟ اس کے مختلف جواب دئے گئے ہیں:
- (۱) اس حق سے ”لائق اور مناسب“ کے معنی مراد ہیں کیونکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک کوئی چیز اللہ تعالیٰ پر لازم نہیں، ورنہ تو اللہ کا عاجز ہونا لازم آتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیب، نقص اور عجز سے پاک ہے۔
- (۲) اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے اوپر ایک شے کو لازم کر لیا ہے ورنہ بندوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز لازم نہیں، اسے وجوب احسانی اور تفضلی کہا جاتا ہے۔
- (۳) کلام کے حسن اور مشاکلتہ کے طور پر لفظ حق استعمال کیا ہے، پہلے لفظ ”حق اللہ علی العباد“ استعمال فرمایا تو اسی کے لحاظ سے دوسرے مقام پر بھی حق کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اس سے لزوم اور وجوب کے معنی مراد نہیں۔ (۱)

أَبْوَابُ الْعِلْمِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

نبی کریم ﷺ سے علم کے متعلق منقول احادیث کے ابواب

بَابُ إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا فَقَهَّهُ فِي الدِّينِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے دین کی سمجھ عطا فرمادیتے ہیں۔
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ.
حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے دین کی سمجھ عطا فرمادیتے ہیں۔

تفقه فی الدین کی فضیلت

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے علم اور اہل علم کی فضیلت کو بیان فرمایا ہے کہ جس شخص سے اللہ تعالیٰ خیر اور بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے دین کی فہم و بصیرت اور سمجھ عطا فرمادیتے ہیں، اسے قرآن و سنت میں اعلیٰ درجہ کی سمجھ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں، چنانچہ بعض بزرگوں سے فقیہہ کی تعریف یوں منقول ہے:

انما الفقیہ: الزاھد فی الدنیا، الراغب فی الآخرۃ، البصیر بأمر دینہ، المداوم علی عبادۃ ربہ
فقیہہ: وہ شخص ہے جسے دنیا سے بے رغبتی کا ملکہ حاصل ہو، آخرت کی زندگی میں شوق و رغبت رکھنے والا ہو یعنی اس کی تیاری کی فکر کرتا ہو، دینی امور میں اسے خوب سمجھ اور بصیرت حاصل ہو، مواظبت اور پابندی کے ساتھ (سنت کے مطابق) اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہو۔

مذکورہ تمام اوصاف جس شخص میں پائے جائیں تو وہ فقیہہ کہلانے کا مستحق ہے، کیونکہ دین کی سمجھ صرف چند حروف و نقوش کے جان لینے، یا محض کتاب پڑھ لینے، اور اصطلاحات یاد کرنے کا نام نہیں، بلکہ دین کی صحیح سمجھ اس بات پر موقوف ہے کہ انسان نے جو کچھ پڑھا ہے، اس پر سنت کے مطابق اہتمام سے عمل کرے، اور فرمایا کہ جس شخص کو دین کی سمجھ حاصل نہ ہو تو وہ گویا خیر سے محروم رہا، (۱)

باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ طَلَبِ الْعِلْمِ

یہ باب طلب علم کی فضیلت کے ذکر میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا، سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ
حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص ایسے راستے پر چلا، جس میں وہ علم کو طلب کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت تک پہنچنے کا راستہ آسان کر دیتے ہیں۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، حَتَّى يَرْجِعَ.
حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص علم (شرعی) کو طلب کرنے کیلئے نکلا تو وہ مسلسل اللہ کی راہ میں ہے، یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے۔

عَنْ سَخْبَوَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضَى.
حضرت سخبوہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص علم کو طلب کرتا ہے تو وہ اس کے گزشتہ (صغیرہ) گناہوں کیلئے کفارہ ہو جاتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:- من سَلَكَ: جو شخص چلے۔ يَلْتَمِسُ: طلب کرتا ہے۔ كَفَّارَةً لِمَا مَضَى: گزشتہ گناہوں کا کفارہ اور ازالہ۔

طلب علم کی فضیلت

اس باب کی احادیث میں نبی کریم ﷺ نے اس شخص کی فضیلت کا ذکر فرمایا ہے، جو علم دین کو حاصل کرنے کیلئے گھر سے نکلے، یہ علم خواہ علم ضروری ہو یا فرض کفایہ کے درجہ میں ہو۔

چنانچہ پہلی حدیث میں ہے کہ جو شخص طلب علم کیلئے گھر سے نکلتا ہے، سفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت تک پہنچنے کے راستے کو آسان کر دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ طلب علم کیلئے سفر کرنا مستحب ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کی طرف علم سیکھنے کیلئے سفر کیا، حضرت جابر بن عبد اللہ نے ایک ماہ کی مسافت کے بقدر صرف ایک حدیث کو حاصل کرنے کیلئے حضرت عبد اللہ بن قیس کی طرف سفر کیا۔

دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص علم دین کو حاصل کرنے کیلئے اپنے وطن اور شہر سے نکلتا ہے خواہ وہ علم، فرض عین کے درجہ کا ہو یعنی علم ضروری ہو یا فرض کفایہ ہو یعنی اسے حاصل کرنا شرعاً اس کیلئے ضروری نہ ہو تو ایسا طالب علم راہ خدا کے سربلغ مجاہد کی طرح ہے، جو اجر و ثواب اس مجاہد کو ملتا ہے، وہی ثواب اس طالب علم کو بھی ملتا ہے، اس لیے کہ جس طرح ایک مجاہد دین کی سربلندی اور غلبہ کیلئے ہر قسم کی تکلیف برداشت کرتا ہے، اسی طرح طالب علم بھی گھر کے آرام و راحت اور عزیز و اقارب کو اس لیے

چھوڑتا ہے تاکہ اسے علم صحیح حاصل ہو جائے، جس سے وہ خود بھی فائدہ اٹھائے اور دوسرے لوگوں کی بھی دینی رہنمائی اور اصلاح کرے، یوں وہ اپنی خواہشات اور جذبات کو دین کیلئے قربان کرتا ہے۔

یہ اجر و ثواب اس طالب علم کیلئے حصول علم سے فارغ ہو کر گھر واپس آنے تک ہے، اور جب یہ اخلاص کے ساتھ علم حاصل کر کے لوٹتا ہے تو اس کی حیثیت اب دین کے ایک رہنما اور مصلح کی سی ہوتی ہے، اور اب وہ ”انبیاء کے وارثین“ کے زمرے میں داخل ہو چکا ہوتا ہے۔

تیسری حدیث سے یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ علم دین حاصل کرنے کیلئے نکلتا ہے تو اس کی برکت سے اس کے گزشتہ صغیرہ گناہ اللہ تعالیٰ بخش اپنے فضل سے معاف فرمادیتے ہیں۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي كَيْفَانِ الْعِلْمِ

یہ باب علم کی بات چھپانے (کی وعید) کے بارے میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ سَوَّلَ عَنْ عِلْمِهِ، غُلِمَتْهُ، ثُمَّ كَتَمَهُ، أَلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلُجَامٍ مِنْ نَارٍ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص سے علم کی کوئی ایسی بات پوچھی گئی، جو اسے معلوم تھی مگر اس نے اسے چھپایا (یعنی بتایا نہیں) تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ الجم: (میضہ مجہول) منہ میں لگام ڈالی جائے گی۔ کتمہ: اس نے علم کی بات کو چھپایا۔

ذِیْنِ بَاتِ چھپانے پر وعید

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص سے کوئی دینی بات پوچھی گئی اور اسے وہ بات معلوم ہے لیکن پھر بھی وہ پوچھنے والے کو نہیں بتاتا تو اسے قیامت کے دن یہ سزا ہوگی کہ اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈال دی جائے گی، کیونکہ اس منہ سے اس نے جواب نہیں دیا، تو اب اسی میں اسے سزا دی جائے گی۔ ”علم“ سے دین کی ایسی بات مراد ہے جس کی تعلیم ضروری اور لازم ہو مثلاً کوئی کافر اسلام قبول کرنے کیلئے اسلام کے بارے میں سوال کرتا ہے، یا نماز کے وقت نماز کے مسائل دریافت کرتا ہے، یا کسی مسئلہ کا شرعی حکم کوئی معلوم کرنا چاہتا ہے کہ یہ چیز حلال ہے یا حرام تو ان سب امور کا جواب دینا اس پر ضروری ہے کیونکہ عالم کا کام یہ ہے کہ وہ امت کی رہنمائی کرے، غیر ضروری اور نقلی امور سے متعلق جواب دینا ضروری نہیں۔

بعض حضرات کے نزدیک اس ”علم“ سے علم شہادت مراد ہے کہ اگر کسی معاملے میں اس کی گواہی مطلوب ہو اور اسے اس

قصہ کا صحیح علم حاصل ہے، تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی گواہی دے، ایسے میں اس نے گواہی نہ دی، تو وہ اس وعید کا مستحق ہوگا۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي الْإِسْتِصَاءِ بِمَنْ يَطْلُبُ الْعِلْمَ

یہ باب اس شخص کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے بیان میں ہے، جو علم کو طلب کرتا ہے۔

عَنْ أَبِي هَازُونَ الْعَبْدِيِّ، قَالَ: كُنَّا نَأْتِي أَبَا سَعِيدٍ، فَيَقُولُ: مَرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبِعٌ، وَإِنَّ رِجَالًا يَأْتُونَكُمْ مِنْ أَقْطَارِ الْأَرْضِ، يَتَفَقَّهُونَ فِي الدِّينِ، فَإِذَا أَتَوْكُمْ، فَاسْتَوْصُوا بِهِمْ خَيْرًا

حضرت ابو ہازون عبدی کہتے ہیں کہ ہم ابوسعید کے پاس (علم سیکھنے کیلئے) آیا کرتے تو وہ فرماتے: مرحبا یعنی میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے مطابق خوش آمدید کہتا ہوں، کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک لوگ تمہاری (اقوال و افعال اور اخلاق میں) پیروی کریں گے اور بہت سے لوگ علم دین سمجھنے کیلئے اطراف عالم سے آپ کے پاس آئیں گے، لہذا جب وہ تمہارے پاس آئیں، تو تم ان کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کرنا۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: يَأْتِيكُمْ رِجَالٌ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ، يَتَعَلَّمُونَ فَإِذَا جَاؤْكُمْ فَاسْتَوْصُوا بِهِمْ خَيْرًا، قَالَ: فَكَانَ أَبُو سَعِيدٍ إِذَا رَأَاهُ، قَالَ: مَرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ۔

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، مشرق کی طرف سے بہت سے لوگ تمہارے پاس علم حاصل کرنے کیلئے آئیں گے، جب وہ تمہارے پاس آئیں تو انہیں بھلائی کی وصیت کرنا، راوی کہتے ہیں کہ ابوسعید جب ہمیں دیکھتے تو رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے مطابق ہمیں خوش آمدید کہا کرتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی:- الاستیصاء: خیر خواہی اور بھلائی کرنا، حسن سلوک کی وصیت کرنا۔ أقطار: قطر کی جمع ہے: اطراف۔ يتفقون: دین کی سمجھ حاصل کرنے کیلئے۔ فاستوصوا بہم: تم ان کو وصیت کرنا۔

طالب علم کے ساتھ حسن سلوک کا حکم

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کی تاکید فرمائی کہ میرے بعد لوگوں کے رہنما آپ ہو گئے، لوگ آپ کے اقوال و افعال اور اخلاق کی پیروی کریں گے، اور علم دین سیکھنے اور اس میں فہم و بصیرت حاصل کرنے کیلئے دور دراز علاقوں سے سفر کر کے آپ کے پاس آئیں گے، لہذا جب وہ آجائیں تو ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا، ان کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی نہ کرنا، ان کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کرنا، اور انہیں نبوت کی وراثت یعنی دین کی صحیح تعلیم دینا، اس سے معلوم ہوا کہ جو طالب علم یا طالبہ

شوق و جذبہ سے سرشار ہو کر دروازہ علاقے کا سفر کر کے کسی مدرسہ، ادارے یا کسی فرد کے پاس آئیں تو ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، اپنی طاقت کے بقدر ہر ممکن طریقے سے ان کی دیکھ بھال کی جائے، تاکہ نبی کریم ﷺ کی اس وصیت پر صحیح طریقے سے عمل کیا جاسکے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي ذَهَابِ الْعِلْمِ

یہ باب دنیا سے علم کے اٹھ جانے کے بیان میں ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا، يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَمْ يَنْزُكَ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَالًا، فَسَبَلُوا، فَأَفْتُوا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا أَوْ ضَلُّوا.

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس علم کو (آخری زمانہ میں) اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ لوگوں (کے دل و دماغ) سے اسے نکال لے بلکہ علم کو اس طرح اٹھائے گا کہ علماء کو (اس دنیا سے) اٹھالے گا، یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کسی عالم کو نہیں چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار یعنی رہنما بنالیں گے، چنانچہ ان سے مسئلے پوچھے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، لہذا وہ خود بھی گمراہ ہونگے اور دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَشَخَّصَ بَصَرَهُ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ: هَذَا أَوَانٌ يُخْتَلَسُ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتَّى لَا يَقْدِرُوا مِنْهُ عَلَى شَيْءٍ، فَقَالَ زِيَادُ بْنُ لَبِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ: كَيْفَ يُخْتَلَسُ مِنَّا وَقَدْ قَرَأْنَا الْقُرْآنَ، فَرَأَى اللَّهُ لِنَفَرٍ أَنَّهُ وَلَنَفَرٍ نُسَاءُنَا وَأَبْنَاءُنَا. فَقَالَ: لِكُلِّكُمْ أَمْكٌ يَا زِيَادُ: إِنْ كُنْتُ لَأَعْذُكَ مِنْ فَقْهَاءِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، هَذِهِ الْقُرْآنَةُ وَالْإِنْجِيلُ عِنْدَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى فَمَاذَا تُغْنِي عَنْهُمْ؟ قَالَ جَنْبِيزٌ: فَلَقِيتُ عَبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ، قُلْتُ: أَلَا تَسْمَعُ إِلَى مَا يَقُولُ أَخُوكَ أَبُو الدَّرْدَاءِ فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ، قَالَ: صَدَقَ أَبُو الدَّرْدَاءِ، إِنْ شِئْتُ لَأَخْذُثْكَ بِأَوَّلِ عِلْمٍ يَرْفَعُ مِنَ النَّاسِ: الْخُشُوعُ، يُوْشِكُ أَنْ تَدْخُلَ مَسْجِدَ جَمَاعَةٍ فَلَا تُرَى فِيهِمْ جَلَالُ خَاشِعًا.

حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، آپ ﷺ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی، پھر فرمایا: یہ ایسا وقت ہے کہ لوگوں سے علم وحی کو چھینا جا رہا ہے یہاں تک کہ وہ اس علم میں سے کسی بھی چیز (کو حضور ﷺ سے حاصل کرنے) پر قادر نہیں ہونگے، زیادہ بن لبید انصاری نے

عرض کیا: اس علم کو ہم سے کیسے اچک لیا جائے گا جبکہ ہم نے قرآن مجید پڑھا ہے اور اللہ کی قسم ہم اسے ضرور پڑھتے رہیں گے، اور ہم ضرور اسے اپنی عورتوں اور اولاد کو (بھی) پڑھائیں گے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: زیادہ تمہاری ماں تمہیں گم پائے، میں تو تمہیں مدینہ کے فقہاء میں شمار کرتا تھا، یہ تو رات اور انجیل یہود و نصاریٰ کے پاس ہیں، کیا یہ کتا ہیں (عمل کے بغیر) انہیں کوئی فائدہ دیتی ہیں؟ جبیر کہتے ہیں کہ پھر میری عبادۃ بن صامت سے ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کیا: کیا آپ نے وہ بات سنی ہے جو آپ کے بھائی ابوالدرداء کہتے ہیں؟ پھر میں نے ان کو وہ بات بتائی جو ابوالدرداء کہتے ہیں، تو عبادہ بن صامت نے فرمایا: ابوالدرداء نے سچ کہا ہے؟ اگر آپ چاہیں تو میں یہ بتا سکتا ہوں کہ علم میں سے سب سے پہلے کیا چیز لوگوں سے اٹھائی جائے گی؟ وہ خشوع ہے، عنقریب ایسا ہوگا کہ تم کسی جامع مسجد میں داخل ہو گے تو اس میں ایک بھی خشوع والا آدمی تم نہیں دیکھو گے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لا یقبض: نہیں اٹھائے گا۔ انتزاعاً: کھینچ کر، نکال کر۔ لم یتروک: اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑے گا۔ دوؤس: راس کی جمع ہے: سردار، یعنی دینی رہنما و پیشوا۔ فافقوا: پھر وہ فتویٰ دیں گے۔ شخص بصرہ: اپنی نظر کو اٹھایا، بلند کیا۔ یختلس: (میزہ جھول) اچک لیا جائے گا، چھینا جائے گا، سلب کر لیا جائے گا۔ فکلک امک: تمہاری ماں تمہیں گم پائے، یہ جملہ عربی زبان میں تعجب کے اظہار کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ ان کنت: یہ ان محقق من المسئلہ ہے۔ لا عندک: البتہ میں تمہیں شمار کرتا تھا۔ ما ذا انغنی عنہم: عمل کے بغیر یہ کتا ہیں یہود و نصاریٰ کو کیا فائدہ دیتی ہیں؟۔

علم کو اٹھا لیا جائے گا

مذکورہ احادیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) قرآن و سنت کا علم اٹھا لیا جائے گا، جس کی صورت یہ ہوگی کہ رفتہ رفتہ اہل علم کو اٹھا لیا جائے گا، جب کوئی ذی علم دنیا میں نہیں رہے گا، تو لوگ جاہل لوگوں کو اپنا رہنما بنالیں گے، جو انہیں علم کے بغیر ہی فتویٰ دیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ خود بھی گمراہ ہونگے اور دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے، اس سے درحقیقت اس بات پر ترغیب دینا مقصود ہے کہ علم دین کی حفاظت کی جائے اور جاہلوں کو اپنا لیڈر اور رہنما نہ بنایا جائے۔

(۲) دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے حضرت زیاد کو یہ نصیحت فرمائی کہ صرف قرآن پڑھ لینے یا آگے اپنی اولاد کو پڑھا دینا کافی نہیں، اصل مقصود اس پر عمل کرنا ہے، اس میں جو احکام ہیں ان کے مطابق زندگی گزارنی ہے، ایک وقت آئے گا کہ مسلمان صرف قرآن مجید کی تلاوت کریں گے اور اس کا علم بھی سیکھیں گے مگر ان کا عمل قرآن و سنت کے مطابق نہیں ہوگا جس طرح کہ یہود و نصاریٰ اپنی اپنی کتابوں کا علم حاصل کرتے اور انہیں پڑھتے تھے لیکن ان کا عمل ان کتابوں کے مطابق نہیں تھا، تو ان کتابوں کے محض پڑھنے اور علم حاصل کرنے نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا، ایسے ہی مسلمانوں کو صرف علم اور تلاوت قرآن مکمل فائدہ نہیں

دے گی جب تک ان کا پورا عمل قرآن و سنت کے مطابق نہ ہو۔

حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ ابوالدرداء نے سچ فرمایا ہے اور میں بھی تمہیں بتاتا ہوں کہ سب سے پہلے لوگوں سے ”خشوع“ کو اٹھالیا جائے گا، انسان مسجد میں جائے گا تو اسے ایک مسلمان بھی خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھنے والا نظر نہیں آئے گا۔

حتى لا يقدر و امنه على شيشي

اس جملے کے دو معنی ہیں:

(۱) وہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے علم حاصل کرنے پر قادر نہیں ہونگے، اس علم سے علم وحی مراد ہے، اور ہذا او ان یختلس العلم من الناس سے گویا آپ ﷺ نے اپنی وفات کی طرف ارشاد فرمایا ہے، کہ میری وفات کے بعد اس دنیا سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔

(۲) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ ”منہ“ میں ضمیر کا مرجع ”علم“ ہے، معنی یہ ہیں کہ وہ علم میں سے کسی بھی چیز کے حاصل کرنے پر قادر نہیں ہو سکیں گے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي مَنْ يَطْلُبُ بِعِلْمِهِ الدُّنْيَا.

یہ باب اس شخص (کی مذمت) کے بارے میں ہے، جو اپنے علم کے ذریعہ دنیا طلب کرتا ہے۔

عن كعب بن مالك قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ الشُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وَجْهَ النَّاسِ إِلَيْهِ، أَذْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ.

حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے علم دین کو اس لیے حاصل کیا تاکہ اس کے ذریعہ علماء کے ساتھ مقابلہ کرے، یا بہتوفوں یعنی جاہلوں سے بحث و مباحثہ، مناظرہ اور جھگڑا کرے اور اس کے ذریعہ لوگوں کے چہرے اپنی طرف پھیرے (یعنی لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے) تو اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کی آگ میں داخل کریں گے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا لِيُغَيِّرَ اللَّهُ، أَوْ أَرَادَ بِهِ غَيْرَ اللَّهِ، فَلْيَتَّبِعْهُ أَمَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ.

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے یہ علم اللہ کی رضا کے علاوہ (جاہ و منصب اور مال و متاع) کیلئے سیکھا، یا یوں فرمایا کہ جس نے اس سے غیر اللہ کا ارادہ کیا تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- لیجاری بہ : تاکہ وہ اس علم کے ذریعہ مقابلہ کرے، تاکہ میرا علمی مقام اور صلاحیت لوگوں کے سامنے آجائے، اس سے اس کا مقصد نام و نمود اور ریاکاری ہوتا ہے۔ لیجاری بہ : تاکہ وہ اس کی وجہ سے بحث و مباحثہ، مناظرہ اور جھگڑا کرے۔ السفہاء : بسفہ کی جمع ہے : بیوقوف لوگ، یہاں حدیث میں اس سے جاہل لوگ مراد ہیں۔ لغير الله : اللہ کی رضا کے علاوہ دوسرے مقاصد یعنی نام و نمود، جاہ و منصب اور دنیا کے مال و متاع کیلئے حاصل کرتا ہے۔ فلیتوبوا : اسے چاہئے کہ وہ بتالے۔

دنیا کیلئے علم حاصل کرنے کا حکم

جو شخص علم دین کو اللہ کی رضا کے علاوہ دوسرے مقاصد کیلئے سیکتا ہے، تاکہ اس کے علمی مقام کا لوگوں میں چرچا ہو، اور اسے بڑا عالم سمجھا جائے، یا اس لیے تاکہ اس کے ذریعہ جاہلوں سے بحث و مباحثہ، مناظرہ اور جھگڑا کرے، اور سب کی توجہ اپنی طرف کر لے اور اس کے ذریعہ دنیا کے مال و متاع اور جاہ و منصب حاصل ہوں، ایسے آدمی کا انجام اس حدیث میں بیان فرمایا کہ اسے دوزخ میں ڈالا جائے گا، لہذا اس علم کو حاصل کرنے میں اس قسم کی کوئی فاسد نیت نہیں ہونی چاہئے، بلکہ اس سے صرف اور صرف اللہ جل جلالہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ ہو، مزاج میں تواضع و انکساری ہو، ریاکاری سے دور اور اخلاق حسنہ سے آراستہ ہو۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ عَلَى تَبْلِيغِ السَّمَاعِ

یہ باب سنی ہوئی احادیث آگے پہنچانے کی ترغیب کے بارے میں ہے۔

عَنْ أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ قَالَ: خَرَجَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مِنْ عِنْدَ مَرْوَانَ نِصْفَ النَّهَارِ، فَلَمَّا مَابَعَثَ إِلَيْهِ فِي هَذِهِ السَّاعَةِ إِلَّا لَيْسَ، سَأَلَهُ عَنْهُ، فَقُمْنَا، فَسَأَلْنَاهُ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، سَأَلْنَا عَنْ أَشْيَاءَ سَمِعْنَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: نَصَرَ اللَّهُ مَنْ أَسْمَعَ مِنَّا حَدِيثًا، فَحَفِظَهُ حَتَّى يَبْلُغَهُ غَيْرُهُ فَرَبَّ حَامِلٍ فَقُوَ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ وَرَبَّ حَامِلٍ فَقُوَ لَيْسَ بِفَقِيهٍ.

حضرت ابان بن عثمان کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) صحابی رسول حضرت زید بن ثابت دوپہر کے وقت مروان کے پاس سے نکلے، ہم نے کہا کہ مروان نے ان کو اس وقت اسی لیے بلایا ہوگا تاکہ وہ ان سے کسی چیز کے بارے میں پوچھے، چنانچہ ہم نے حضرت زید سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا، جی ہاں اس نے ہم سے کئی چیزوں کے بارے میں پوچھا، جنہیں ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا (پھر ان میں سے ایک روایت بیان کی) کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی پھر اسے (دل سے یا تحریر و کتابت کے ذریعہ) محفوظ رکھا یہاں تک کہ وہ اسے دوسرے تک پہنچا دے، کیونکہ بہت سے فقہ یعنی علم حدیث کو

اٹھانے والے، ان لوگوں تک وہ حدیث پہنچا دیتے ہیں، جو ان سے زیادہ فقیہ یعنی سمجھ دار ہوتے ہیں، اور بعض حامل فقہ (یعنی علم حدیث و دین کو براہ راست حاصل کرنے والے) فقیہ نہیں ہوتے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ، يَقُولُ: نَصَرَ اللَّهُ امْرَأً، سَمِعَ وَمَا شَيْئًا قَبْلَهُ كَمَا سَمِعَ فَرَبَّ مَبْلَغٍ أَوْ عِيٍّ مِنْ مَبْلَغٍ

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس آدمی کو تروتازہ رکھے، جس نے ہم سے کوئی چیز سنی، پھر اس کو اسی طرح آگے پہنچا دیا، جس طرح کہ اس نے سنا ہے، کیونکہ بہت سے ایسے لوگ جنہیں حدیث پہنچائی جاتی ہے وہ سننے والے سے زیادہ اسے محفوظ رکھنے والے ہوتے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ نَصَرَ اللہ: اللہ تعالیٰ تروتازہ اور بارونق رکھے۔ حامل فقہ: فقہ سے یہاں ”حدیث“ مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ فقہ کو حاصل کرنے والے۔ رب مبلغ: بہت سے وہ لوگ جنہیں حدیث پہنچائی جائے۔ اوعی: زیادہ محفوظ کرنے والے۔

حدیث بیان کرنے کی فضیلت

ان احادیث میں نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کیلئے دعا فرمائی ہے جو حدیث کو اسی طرح روایت کرتے ہیں، جس طرح انہوں نے سنی ہوئی ہے، کہ اللہ تعالیٰ انہیں تروتازہ اور بارونق رکھے، اور فرمایا کہ بسا اوقات جس آدمی کو وہ حدیث بیان کی جاتی ہے وہ اسے زیادہ سمجھتا اور محفوظ کرتا ہے، نسبت سامع کے، چنانچہ وہ ان سے مسائل کا استخراج اور استنباط کرتا ہے، خود بھی ان پر عمل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتا ہے، ایسے لوگوں کیلئے خوش و غرم رہنے کی دعا کی گئی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی مقدس احادیث کو سننا، ان پر عمل کرنا اور آگے لوگوں تک پہنچانا دونوں جہانوں میں خیر و برکت کا ذریعہ ہے، اور علماء لکھتے ہیں کہ حدیث کو حاصل کرنے، اسے یاد رکھنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے میں اگر بغرض محال اور کوئی فائدہ نہ بھی ہوتا تو بھی دنیا و آخرت دونوں جگہ برکت کیلئے نبی کریم ﷺ کی یہ مبارک دعائی کافی ہوتی۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سامع نے حدیث کو جن الفاظ کے ساتھ سنا ہو، انہی کے ساتھ آگے بیان کرے، ان میں اپنی طرف سے اضافہ اور تبدیلی نہ کرے، اس سے روایت بالمعنی کی نفی نہیں ہو رہی بلکہ مطلب یہ ہے کہ حدیث نقل کرنے والا شخص، حدیث کو کامل طریقے سے نقل کرے اور اس میں کوئی کمی زیادتی نہ کرے، چونکہ روایات میں اصل معانی ہیں، الفاظ مقصود نہیں، اس لیے جمہور علماء کے نزدیک روایت بالمعنی جائز اور درست ہے جبکہ روایت بالمعنی کرنے والا عربی زبان میں خوب ماہر ہو، معنی و مفہوم کو صحیح سمجھتا ہو، اس حدیث کے الفاظ اسے بھول گئے ہوں لیکن اس کے معنی اور مفہوم اس کے ذہن میں مستحضر ہوں، ایسا شخص حدیث کو اس کے معنی کو سامنے رکھ کر روایت بالمعنی کر سکتا ہے۔ (۱)

تابعی، صحابی سے زیادہ فقیہ ہو سکتا ہے

”الی من ہوا فقیہ منہ“ اس سے معلوم ہوا کہ ایک تابعی بسا اوقات صحابی سے زیادہ فقیہ اور زیادہ احفظ ہو سکتا ہے، چنانچہ بعض تابعین ایسے تھے جن کا فقہ میں بہت اونچا مقام تھا اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے رجوع کیا کرتے تھے، جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگرد حضرت علقمہ تابعی ہیں، لیکن فقہ میں ان کا بہت بلند مقام تھا، فقہ میں بڑے بڑے صحابہ کرام ان کی طرف رجوع کرتے تھے، اس لیے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ علقمہ فقہ میں حضرت عبداللہ بن عمر سے کم نہیں، مگر وہ صحابی ہیں اور علقمہ تابعی ہیں، یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں، کیونکہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي تَعْظِيمِ الْكَذِبِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا سنگین جرم ہے۔
عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَدِّدًا فَلْيَتَّخِذْ أَمَقْعَهُ مِنَ النَّارِ.
حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص تصدا میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔
عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ يَلْجِأُ إِلَى النَّارِ.
حضرت علی بن ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری طرف جھوٹی بات منسوب نہ کیا کرو، کیونکہ جو شخص میری طرف جھوٹ منسوب کرتا ہے تو وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔
عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ حَسْبَتْ أَنَّهُ قَالَ: مُتَعَدِّدًا، فَلْيَتَّخِذْ أَمَقْعَهُ مِنَ النَّارِ
حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے، راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تصدا (کا لفظ بھی ارشاد) فرمایا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔

حضور ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے کا حکم

ان روایات سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جب بھی انسان کوئی حدیث بیان کرنا چاہے تو پہلے یہ تحقیق کرے کہ اس بارے

میں آپ ﷺ سے حدیث منقول ہے یا نہیں، تحقیق کے بغیر کوئی بات حدیث کے طور پر پیش نہ کی جائے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا انتہائی سنگین جرم اور گناہ کبیرہ ہے۔

نبی کریم ﷺ کی طرف کوئی بھی جھوٹی بات منسوب کرنا جائز نہیں، اگرچہ فضائل اعمال سے متعلق کوئی بات ہو، اس سے درحقیقت ان لوگوں پر رد کرنا مقصود ہے جو یہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو اعمال پر ترغیب دینے کیلئے کوئی بات حضور ﷺ کی طرف منسوب کی جائے، تو یہ جائز ہے اگرچہ وہ بات حضور ﷺ سے ثابت نہ ہو، یہ لوگ استدلال میں یہ کہتے ہیں کہ یہاں حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ”علی“ فرمایا ہے کہ مجھ پر جھوٹ نہ بولو، ”لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ“ نہیں فرمایا کہ میرے لیے جھوٹ نہ بولو، لہذا دینی احکام پر عمل کرانے کی غرض سے لوگوں کو ترغیب دینے کیلئے اگر کوئی بات حضور ﷺ کی طرف منسوب کی جائے تو بقول ان کے وہ اس وعید میں داخل نہیں۔

لیکن ان کا یہ استدلال دو وجہ سے قابل اعتبار نہیں:

(۱) ایک تو اس وجہ سے کہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد لا تکذبوا علیّ یا ومن کذب علیّ کے معنی یہ ہیں کہ مطلقاً میری طرف کوئی بھی ایسی بات منسوب نہ کرو، جس کا ثبوت مجھ سے نہ ہو، خواہ وہ بات ترغیب سے متعلق ہو یا کسی بھی معنی پر مشتمل ہو، بہر صورت وہ جھوٹ ہے اور اس کی یہی سزا ہے کہ قصد ایسا کرنے والے شخص کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔

(۲) دوسرا اس وجہ سے کہ قرآن مجید اور بہت سی احادیث میں جھوٹ بولنے سے منع کیا گیا ہے، اس میں یہ کوئی تفصیل نہیں کہ اگر لوگوں کو ترغیب دینے کیلئے کوئی بات حضور ﷺ کی طرف منسوب کی جائے جو آپ ﷺ سے ثابت نہ ہو تو یہ جائز ہے اور یہ جھوٹ میں داخل نہیں، لہذا جب اس طرح کی کوئی قید نہیں تو لازماً یہی حکم ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں جھوٹ بولنے کی مطلقاً اجازت نہیں سوائے ان چند مواقع کے کہ جن کے بارے میں بعض مصالح کی وجہ سے حدیث میں جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے، اور ان میں یہ صورت داخل نہیں کہ لوگوں کو ترغیب اور شوق دلانے کیلئے جھوٹی حدیث بیان کی جائے، اس لیے مذکورہ استدلال درست نہیں اور ان کی یہ بات چونکہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے، اس لیے شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِيْمَنْ رَوَى حَدِيثًا وَهُوَ يَرَى أَنَّهُ كَذِبٌ

یہ باب اس شخص کی مذمت کے بارے میں ہے جو کسی ایسی حدیث کو روایت کرے جس کے بارے میں وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ جھوٹی حدیث ہے۔
عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ مَنْ حَدَّثَ عَنِّي حَدِيثًا، وَهُوَ يَرَى أَنَّهُ كَذِبٌ، فَهُوَ أَخَذَ الْكَافِرِينَ
حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص میری طرف کوئی حدیث منسوب کر کے بیان کرے جبکہ اس کا گمان یہ ہو کہ وہ جھوٹی ہے، تو وہ دو جھوٹوں میں سے ایک یا جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔

موضوع حدیث روایت کرنے کا حکم

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب انسان کو کسی حدیث کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ سن گھڑت اور موضوع ہے، نبی کریم ﷺ سے اس کا ثبوت نہیں ہے تو اسے وہ لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے ورنہ وہ ناقل بھی اس گناہ اور جھوٹ میں برابر کا شریک ہوگا کیونکہ موضوع روایت کو آگے بیان کر کے اس نے گناہ میں تعاون کیا ہے، یہ تفصیل اس وقت ہے کہ جب وہ یہ بیان نہ کرے کہ یہ موضوع روایت ہے، لیکن اگر ایسی حدیث کو بیان کر کے یہ بھی بتا دیا جائے کہ یہ حدیث موضوع ہے، نبی کریم ﷺ سے اس کا ثبوت نہیں ہے تو پھر اس روایت کو بیان کرنے میں کوئی حرج اور گناہ نہیں۔ (۱)

”الکاذبین“ اگر یہ لفظ تشنید کا ہو تو بعض کے نزدیک اس سے دو جھوٹے نبوت کے دعویدار مسلمان اور اسود غسی مراد ہیں کہ یہ بھی ان دو کی طرح ایک جھوٹا ہے، اور بعض کے نزدیک کاذبین سے حدیث کو گھڑنے والا اور نقل کرنے والا مراد ہے کہ یہ دونوں جھوٹ میں شریک ہیں۔

”وہو یروی انہ کذب“ اس میں ”یری“ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے:

- (۱) یا پر پیش ہو، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس صورت میں یہ باب افعال سے مجہول کا صیغہ ہوگا، اس کے معنی ہیں: بظن یعنی اس کا گمان اور خیال ہے۔
- (۲) یا پر زبر ہو، (باب فتح سے) معنی ہیں: اسے علم اور یقین ہے (۲)

باب مَا نَهَى عَنْهُ أَنْ يُقَالَ عِنْدَ حَدِيثِ النَّبِيِّ ﷺ

یہ باب اس بات کے بیان میں ہے جسے حدیث رسول ﷺ کے سننے کے وقت کہنے سے منع کیا گیا ہے۔

عَنْ أَبِي رَافِعٍ، وَغَيْرِهِ رَفَعَهُ قَالَ: لَا أَلْفَيْنَ أَحَدَكُمْ مُشْكِلًا عَلَى أَرِيكَبِهِ، يَأْتِيهِ أَمْرٌ وَمِمَّا أَمْرٌ بِهِ أَوْ نَهْيٌ عَنْهُ، فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللَّهِ اتَّبَعْنَاهُ.

حضرت ابو رافع سے اس سند سے موقوف روایت ہے اور قتیبہ کے علاوہ دوسرے طریق میں یہ روایت مرفوعاً منقول ہے رافعہ کے قول پر اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا: میں ہر گز تم میں سے کسی کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے آراستہ تخت اور صوفہ پر لیٹ کر بیٹھ ہو، اس کے پاس ایسا کوئی امر آجائے جس کا میں نے حکم دیا ہے، یا جس سے میں نے منع کیا ہے تو وہ نہ اسے کہہ سکے نہ چھپاتی مغلوم نہیں، ہم تو جو بات قرآن میں پائیں گے، صرف اس کی ہی پیروی کریں گے۔

(۱) تحفة الأحوذی ۳۵۲/۷
(۲) المعقولات

عَنِ الْمُقَدِّمِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَلَا هَلْ عَسَى رَجُلٌ، يَبْلُغُهُ الْحَدِيثُ عَنِّي، وَهُوَ مُتَكَيِّمٌ عَلَى أَرْيَافِهِ، فَيَقُولُ: بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللَّهِ فَعَاوَجَدْنَا فِيهِ خِلَافًا، وَنَاوَجَدْنَا فِيهِ حَرَامًا حَرَّمَ اللَّهُ، وَإِنَّا مَا حَرَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَمَا حَرَّمَ اللَّهُ».

حضرت مقدم بن معدی کرب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آگاہ ہو جاؤ: عنقریب ایک ایسا وقت آ رہا ہے کہ ایک شخص کے پاس میری کوئی حدیث پہنچے گی جبکہ وہ اپنے آراستہ تخت اور صوف پر تکیہ لگا کر بیٹھا ہوگا تو وہ یہ کہے گا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ موجود ہے، چنانچہ ہم جو کچھ اس میں حلال پائیں گے تو اسے حلال سمجھیں گے اور جو کچھ ہم اس میں حرام پائیں گے تو اسے حرام قرار دیں گے، (حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ) جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا ہے وہ بھی (حکم میں) اسی طرح ہے، جسے اللہ جل جلالہ نے حرام کیا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: لا الفین: میں ہرگز نہ پاؤں۔ متکئا: تکیہ اور سہارا لگائے ہوئے۔ اریکۃ: آراستہ تخت، صوف۔ هل عسی: عنقریب ایک وقت آنے والا ہے، آ رہا ہے۔ استحللناہ: ہم اسے حلال اور جائز سمجھیں گے۔

انکار حدیث جائز نہیں

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے ان جاہل اور متکبر لوگوں کا ذکر فرمایا کہ جو متکبرانہ نشست پر بیٹھ کر یوں کہیں گے کہ ہمارے لیے صرف قرآن ہی کافی ہے، اس کی ہم پیروی کریں گے، حدیث کی ہمیں ضرورت نہیں، لیکن ان کی یہ بات چونکہ قرآن و سنت کے صریح خلاف ہے، اس لیے اس کا کوئی اعتبار نہیں، حدیث رسول ایک شرعی دلیل اور حجت ہے، جو شخص اس کا انکار کرتا ہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ اہل سنت والجماعہ کا عقیدہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید احکام شرع کے لئے حجت اور دلیل ہے اسی طرح حدیث بھی حجت اور دلیل ہے، ان احادیث سے اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ کوئی مسلمان اس طرح کا نظریہ ہرگز اختیار نہ کرے، کیونکہ یہ ایک انتہائی خطرناک فکر اور سوچ ہے جو انسان کو ہلاکت و تباہی کے گڑھے میں گر سکتی ہے۔

حدیث: ایک دلیل شرعی

اس میں کوئی شک نہیں کہ حدیث رسول ایک دلیل شرعی اور حجت ہے، اس پر امت کا اجماع ہے، لیکن کچھ لوگ مغربی تہذیب و تمدن سے دلدادہ ہو کر ”تجدد پسندی“ کے روپ میں رونما ہوئے، ہندوستان میں سرسید احمد خان، مصر میں طہ حسین، ترکی میں ضیا گوک الپ اس طبقہ کے رہنما اور لیڈر تھے، انہوں نے بعض احادیث کا یا تو صحت سے انکار کر دیا، یا بعض مقامات پر یہ رائے ظاہر کی گئی کہ ہمارے دور میں یہ احادیث قابل استدلال اور حجت نہیں، پھر اس نظریہ میں مزید ترقی ہوئی یہاں تک کہ پاکستان میں عبداللہ چکڑالوی کی قیادت میں ایک فرقہ بنا جو اپنے آپ کو ”اہل قرآن“ کہتا تھا، اس کا مقصد اور منشور حدیث رسول ﷺ سے کلی

طور پر انکار کرنا تھا، پھر مختلف ادوار اور حالات سے گذرتے ہوئے بالآخر اس فتنہ کی باگ دوڑ غلام احمد پرویز نے سنبھال لی، اس کے بعد اس فتنہ کو ایک منظم نظریہ اور کتب فکر کی شکل دے دی گئی۔

ذیل میں ان کے تین اہم بنیادی نظریات، دلائل، پھر جمہور کی طرف سے ان پر رد، اور دلائل ذکر کئے جاتے ہیں:

منکرین حدیث کے نظریات

منکرین حدیث کے تین بنیادی نظریات یہ ہیں:

(۱) رسول کریم ﷺ کا فریضہ صرف قرآن مجید کو پہنچانا تھا، لہذا اطاعت صرف قرآن مجید کی لازم ہے، آپ کی اطاعت رسول ہونے کی حیثیت سے نہ تو صحابہ پر واجب تھی اور نہ ہی ہم پر واجب ہے (معاذ اللہ)، نیز قرآن مجید کو سمجھنے کیلئے حدیث کی کوئی ضرورت نہیں۔

(۲) نبی کریم ﷺ کے ارشادات صحابہ پر توجت تھے، ہم پر حجت نہیں۔

(۳) احادیث حجت تو ہیں لیکن موجودہ احادیث ہمارے پاس قابل اعتماد ذرائع سے نہیں پہنچیں، اس لیے ہم انہیں ماننے کے مکلف نہیں۔

منکرین حدیث کی ہر تحریر ان تین نظریات میں سے کسی ایک کی ضرورت رجحانی کرتی ہے، خواہ وہ منکرین حدیث کا کوئی بھی گروہ اور جماعت ہو، اس لیے ان تین نظریات کو دلائل سے رد کیا جائے گا۔

پہلے نظریہ کی تردید

قرآن مجید کی بہت سی آیات سے پہلے نظریہ کی تردید ہوتی ہے، ذیل میں چند آیات کو ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا۔ (شوری: ۵۱)

اس آیت میں ”وحی“ کو ایک مستقل قسم کے طور پر ذکر فرمایا ہے، اور وحی سے وحی غیر متلو یعنی حدیث مراد ہے۔

(۲) وما جعلنا القبلۃ... (بقرہ: ۱۴۳) اس میں ”القبلۃ“ سے بیت المقدس مراد ہے، اور اس کی طرف رخ کرنے کو اللہ تعالیٰ نے ”جعلنا“ کے لفظ سے اپنی طرف منسوب فرمایا حالانکہ پورے قرآن میں کہیں بھی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم مذکور نہیں، تو لا محالہ یہ حکم حدیث سے دیا گیا تھا، اور اسے اپنی طرف منسوب کر کے اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرما دیا کہ حدیث پر عمل بھی اسی طرح واجب ہے، جس طرح کہ قرآن پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔

(۳) وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم۔ (سورۃ نحل: ۴۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے ایک فرض منصبی کو بیان فرمایا کہ ہم نے آپ کی طرف ذکر یعنی قرآن مجید نازل فرمایا

تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے واضح کر کے بیان کریں، اس کی شرح کریں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث رسول حجت ہے اگر امت کیلئے حجت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن بیان کرنے کا ارشاد نہ فرماتے۔

(۲) قرآن مجید میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول اس میں آپ کی اطاعت کو رسول ہونے کی حیثیت سے لازم کیا گیا ہے۔

دوسرے نظریہ کی تردید

یہ نظریہ بھی باطل ہے، کیونکہ اسے اگر درست قرار دیا جائے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ العیاذ باللہ نبی کریم ﷺ کی رسالت صرف عہد صحابہ تک مخصوص تھی، حالانکہ مندرجہ ذیل آیات اس کی تردید کرتی ہیں:

(۱) یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً۔ (الاعراف: ۱۵۸)

(۲) وما اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِیْرًا وَنَذِیْرًا۔ (سبا: ۲۸)

(۳) وما اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ۔ (الحج: ۱۰۷)

(۴) تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَلَ الْفُرْقَانُ عَلٰی عَبْدِهِ لَیْکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا۔ (فرقان: ۱)

ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی رسالت قیامت تک کے انسانوں کیلئے ہے، صرف عہد صحابہ کے ساتھ خاص نہ تھی۔

تیسرے نظریہ کی تردید

یہ کہنا کہ موجودہ احادیث حجت نہیں کیونکہ یہ ہم تک با اعتماد ذرائع سے نہیں پہنچیں، درست نہیں، اس پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں:

(۱) جن واسطوں سے ہم تک قرآن پہنچا ہے انہی واسطوں سے ہم تک حدیث بھی پہنچی ہے، اب اگر یہ واسطے با اعتماد نہیں تو پھر قرآن مجید کا ثبوت بھی مشکوک ہو جائے گا، مگرین حدیث اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود اپنے ذمے لیا ہے جبکہ حدیث کے بارے میں ایسی کوئی ذمہ داری نہیں لی گئی، لیکن پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ آیت واللہ لعافظون مکی ہم تک انہیں واسطوں سے پہنچی ہیں جو بقول آپ کے با اعتماد ذرائع نہیں تو اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ آیت کسی نے اپنی طرف سے نہیں بنائی، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا گیا ہے اور قرآن الفاظ اور معنی دونوں کے مجموعے کا نام ہے، اس لیے اس آیت میں جہاں قرآن کے الفاظ کی ضمانت داخل ہے اسی طرح اس کے معانی بھی اس میں شامل ہیں اور قرآن کے معنی کی تعلیم حدیث سے ہوئی۔

منکرین حدیث کے دلائل

منکرین حدیث کے چند دلائل، اور ان کے جواب درج ذیل ہیں:

(۱) یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں ہے: ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر، ان کا کہنا ہے کہ اس آیت کی رو سے قرآن بالکل آسان ہے، لہذا اسے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کیلئے کسی کی تعلیم اور تشریح کی ضرورت نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کے مضامین دو قسم کے ہیں کچھ مضامین تو ایسے ہیں جن کا مقصد خوف خدا، فکر آخرت، رجوع الی اللہ اور عام نصیحت کی باتیں کرنا ہیں اور کچھ مضامین ایسے ہیں جن میں احکام و شرائع اور ان کے اصول بیان فرمائے گئے ہیں ولقد یسرنا... کی آیت پہلی قسم کے مضامین سے متعلق ہے، نہ کہ دوسری قسم کے مضامین سے، جس کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں ”للدکر“ کی قید بڑھائی گئی ہے اگر مسائل کا استنباط آسان ہوتا تو یہ قید نہ ہوتی۔

(۲) منکرین حدیث کہتے ہیں کہ قرآن نے کئی مقامات پر اپنی آیات کو ”بینات“ قرار دیا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود واضح ہے، اس کی مزید شرح کی ضرورت نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ”بینات“ کا تعلق بنیادی عقائد سے ہے، معنی یہ ہیں کہ توحید، رسالت اور آخرت کے دلائل اس قدر واضح ہیں کہ ذرا توجہ کی جائے تو دل میں ان کی حقیقت اتر جاتی ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآنی احکام کی تشریح و تفسیر کی ضرورت نہیں۔

(۳) یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں ہے انما انا بشر مثلکم یوحی الی، اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان قرار دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اتباع صرف قرآن کی واجب ہے۔ آپ کے ارشادات کی پیروی ضروری نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت ان مشرکین کے جواب میں نازل ہوئی ہے جو نبی کریم ﷺ سے معجزات کا مطالبہ کیا کرتے تھے، جواب میں انہیں بتایا گیا کہ میں تمہارے جیسا ایک انسان ہوں، اپنی مرضی سے میں کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا جب تک کہ اللہ جل جلالہ نہ چاہیں اس سے معلوم ہوا کہ مثلکم میں تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ میں اللہ کی مشیت کے بغیر تمہیں کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا، ہر لحاظ سے تشبیہ دینا مقصود نہیں، نیز اس آیت میں وحی کا لفظ ہے جو قرآن مجید اور حدیث دونوں کو شامل ہے، لہذا اس آیت سے اس بات پر استدلال کرنا کہ حضور ﷺ کی پیروی لازم نہیں، کسی بھی طرح درست نہیں۔

(۴) منکرین حدیث ان واقعات سے بھی استدلال کرتے ہیں جن میں نبی کریم ﷺ کے کسی عمل پر قرآن کریم میں عتاب نازل ہوا مثلاً غزوہ بدر کے موقع پر قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا، وہ کہتے ہیں کہ قرآن نے تصریح کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فیصلہ منشاء خداوندی کے موافق نہ تھا، ایسے میں آپ کے اقوال و افعال کو کیسے حجت قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان واقعات میں بیشک آپ سے اجتہادی لغزش ہوئی جس پر بذریعہ وحی متنبہ کیا گیا اور اگر غور سے دیکھا جائے تو اس واقعہ سے بھی آپ کی اتباع ثابت ہوتی ہے وہ اس طرح کہ اس واقعہ میں نبی کریم ﷺ پر تو مجبواً عتاب

نازل ہوا لیکن صحابہ کرام جنہوں نے اس بارے میں آپ کی پیروی کی تھی، ان پر کوئی عتاب نازل نہیں ہوا، لہذا اس قسم کے واقعات سے آپ کی اتباع کی نفی ثابت نہیں ہوتی بلکہ اتباع کا حکم ثابت ہوتا ہے۔

(۵) ان کا استدلال اس واقعہ سے بھی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے انصار مدینہ کو کھجور کی بیوند کاری کرنے سے منع فرمایا، صحابہ کرام نے اس بیوند کاری کو چھوڑا تو پیداوار گھٹ گئی، اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: انتم أعلم بما مورد دنیا کم (تم لوگ دنیاوی امور کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو) اس لیے اس معاملہ میں میری اتباع تم پر لازم نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات کی دو حیثیتیں ہیں ایک وہ ارشادات ہیں جو آپ ﷺ نے رسول ہونے کی حیثیت سے بیان فرمائے، اس طرح کے امور میں آپ ﷺ کی اتباع اور پیروی لازم ہے، اور دوسرے وہ ارشادات ہیں جو شخص مشوروں پر مشتمل ہیں، چنانچہ کھجور کی بیوند کاری والا معاملہ اس دوسری قسم سے متعلق ہے، اس کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان میں میری پیروی تم پر لازم نہیں، لہذا اس واقعہ سے علی العموم یہ استدلال کرنا کہ حضور ﷺ کی اتباع لازم نہیں، کسی بھی لحاظ سے درست نہیں۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ كِتَابَةِ الْعِلْمِ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں علم کو لکھنے کی کراہت کا ذکر ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: اسْتَأْذَنَّا النَّبِيَّ ﷺ فِي الْكِتَابَةِ، فَلَمْ يَأْذَنْ لَنَا.

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ سے حدیث لکھنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے ہمیں اجازت نہیں دی۔

باب مَا جَاءَ فِي الرِّخْصَةِ فِيهِ

یہ باب علم کو لکھنے کی رخصت اور اجازت کے بارے میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، يَجْلِسُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَيَسْمَعُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ الْحَدِيثَ فَيُعْجِبُهُ، وَلَا يَخْفِظُهُ، فَشَكَاهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ: إِنِّي أَسْمَعُ مِنْكَ الْحَدِيثَ فَيُعْجِبُنِي وَلَا أَخْفِظُهُ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: اسْتَعِنْ بِمِصْرِكَ وَأَوْ مَائِدَةٍ لِلْخَطِّ.

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں بیٹھا کرتے اور نبی کریم ﷺ کی احادیث سنتے تھے، وہ انہیں بہت پسند آتی تھیں لیکن وہ انہیں یاد نہیں رکھ سکتے تھے، چنانچہ انہوں نے نبی کریم

سے شکایت کی، عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ: بیشک میں آپ سے احادیث سنا ہوں، وہ مجھے اچھی لگتی ہیں لیکن میں انہیں یاد نہیں رکھ سکتا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے دائیں ہاتھ سے مدلولو اور اپنے ہاتھ سے خط یعنی لکھنے کا اشارہ فرمایا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَطَبَ فَلَذَكَرَ الْقِصَّةَ فِي الْحَدِيثِ قَالَ أَبُو شَاوٍ: اُكْتُبُوا لِي يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: اُكْتُبُوا لِأَبِي شَاوٍ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ دیا، پھر راوی نے حدیث میں ایک قصہ ذکر کیا (یعنی اس خطبہ نبوی کی تفصیل بیان کی) تو ابو شاہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ: یہ خطبہ میرے لیے لکھوادیتے؟ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابو شاہ کیلئے لکھ دو، اور حدیث میں ایک قصہ ہے۔

عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: لَيْسَ أَخَذَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْهُ إِلَّا غَبَذَ اللَّهُ بَيْنَ عَمْرٍو، لِأَنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَكُنْتُ لَا أَكْتُبُ.

حضرت ہمام بن منبہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کوئی بھی صحابی ایسا نہیں تھا جس کے پاس مجھ سے زیادہ حدیثیں ہوں سوائے عبداللہ بن عمرو بن عاص کے، اس لیے کہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

حدیث لکھنے کا حکم

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہاں دو باب قائم کئے ہیں، پہلے باب میں وہ احادیث ذکر کی ہیں، جن میں حدیث لکھنے سے منع کیا گیا ہے، جبکہ دوسرے باب میں کتابت حدیث کی رخصت اور اجازت کا ذکر ہے۔

نبی کریم ﷺ نے کس وجہ سے حدیث کو لکھنے سے منع فرمایا تھا؟ اس کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) ابتداء اسلام میں حدیث لکھنے سے اس وجہ سے منع کیا گیا تھا کہ اس وقت قرآن مجید نازل ہو رہا تھا، کتابی صورت میں اسے لکھا نہیں گیا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف چیزوں پر اسے لکھا کرتے، ہڈیوں پر، کھجور کی شاخوں اور چمڑے وغیرہ پر قرآن کی آیتیں لکھتے تھے، دوسری طرف صحابہ کرام ابھی تک پوری طرح قرآن مجید کے اسلوب سے واقف اور مانوس نہیں تھے کہ پہلی نظر میں ہی وہ اسلوب کے ذریعہ قرآن اور غیر قرآن میں امتیاز اور فرق کر سکیں، ایسے میں قوی اندیشہ تھا کہ اگر صحابہ کرام نے احادیث رسول کو بھی اسی طرح لکھنا شروع کر دیا، جس طرح کہ قرآن مجید کو لکھا جا رہا ہے تو کہیں قرآن اور غیر قرآن میں التباس نہ ہو جائے، قرآن و حدیث آپس میں خلط ملط اور گڈمڈ نہ ہو جائیں، ایسا نہ ہو کہ لکھی ہوئی حدیث کو قرآنی آیت سمجھا جانے لگے، اس خطرے کے پیش نظر نبی کریم ﷺ نے حدیث لکھنے سے ابتداء میں منع فرمایا تھا، پھر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن مجید کے اسلوب سے پوری

طرح مانوس ہو گئے تو آپ ﷺ نے کتابت حدیث کی اجازت دے دی۔

(۲) بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ کتابت حدیث مطلقاً کسی بھی زمانے میں ممنوع نہیں تھی بلکہ صرف یہ صورت ممنوع تھی کہ قرآن مجید اور حدیث کو ایک ساتھ لکھا جائے، کیونکہ اس میں التباس کا اندیشہ تھا، قرآن مجید سے الگ کر کے حدیث کو لکھنا ممنوع نہیں تھا۔ (۱)

اس سے منکرین حدیث پر رد ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانے میں چونکہ حدیث کو لکھنا ممنوع تھا، بعد میں یہ حدیثیں لکھی گئی ہیں، اس لیے احادیث قابل اعتماد اور حجت نہیں ہیں، ان کی یہ بات درست نہیں کیونکہ کتابت حدیث کی ممانعت صرف ایک صورت کے ساتھ خاص تھی یا اس وقت تک ممانعت تھی جب تک صحابہ کرام قرآن مجید کے اسلوب سے واقف اور مانوس نہیں تھے، پھر جب اسلوب قرآن سے انس ہو گیا تو آپ ﷺ نے کتابت حدیث کی اجازت دے دی، چنانچہ کئی سارے صحابہ کرام نے اپنی طور پر صحیفے لکھ رکھے تھے۔

دوسرے باب کی احادیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حدیث لکھنے کی اجازت دے دی تھی اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ نے خود لکھنے کا ارشاد فرمایا، ابوشاہ کیلئے اس خطبہ کی پوری حدیث لکھوانے کا حکم دیا، اور حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو نبی کریم ﷺ کی احادیث لکھا کرتے تھے اور یہ بات دوسرے دلائل سے بھی ثابت ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے صحیفہ کا نام ”الصحیفۃ الصادقۃ“ رکھا تھا، اور یہ صحابی حضور ﷺ کے زمانے میں ہی لکھا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ بعد میں آپ ﷺ نے کتابت حدیث کی اجازت دے دی تھی۔ (۲)

حضرت ابو ہریرہ کی روایات زیادہ ہونے کے اسباب

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ صحابہ میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کی روایات مجھ سے زیادہ ہوں، سوائے عبداللہ بن عمرو بن عاص کے، کیونکہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ احادیث زیادہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایات ان کی بنسبت کم ہیں، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ کی روایات پانچ ہزار تین سو چوبیس ہیں، ایسے میں حضرت ابو ہریرہ کا یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ عبداللہ بن عمرو کے پاس مجھ سے زیادہ حدیثیں ہیں؟

شراحین حدیث نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ روایات زیادہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ساری دوسروں کے سامنے روایت بھی کی گئی ہوں، واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کو حدیثیں روایت کرنے کا زیادہ موقع ملا ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کو اتنا موقع نہیں ملا، اس لیے ان کی روایات زیادہ مقدار میں لوگوں کے سامنے نہیں آئیں۔ (۳)

(۱) نتج ابی رى ۱/۲۷۷ کتاب العلم، باب کتابۃ العلم

(۲) انعام الباری ۲/۱۷۸، کتاب العلم، باب کتابۃ العلم

(۳) نکوب الدری ۳/۳۶۵

اس کے کیا اسباب تھے؟ اس کی تفصیل یہ ہے:

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تھے، جن کا خصوصی ذوق عبادت کا تھا، وہ عبادت میں زیادہ مشغول رہتے تھے، اس لیے انہیں زیادہ حدیثیں روایت کرنے کا موقع نہ مل سکا، اگرچہ ان کے پاس حضرت ابو ہریرہ سے زیادہ احادیث تھیں، جبکہ حضرت ابو ہریرہ کا ذوق اور مستقل مشغلہ زیادہ حدیثیں روایت کرنے کا تھا، اس لیے لوگوں کے سامنے ان کی روایات زیادہ تعداد میں پہنچی ہیں۔

(۲) مدینہ منورہ اس وقت علم کا مرکز تھا، اس لیے جو شخص حدیث حاصل کرنا چاہتا تو وہ مدینہ منورہ کا ہی رخ کرتا، اور حضرت ابو ہریرہ کا قیام چونکہ مدینہ میں ہی تھا، اس لیے ان کی روایات کی تعداد بڑھ گئی، اور ان سے کثیر لوگوں نے احادیث کو حاصل کیا، چنانچہ امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ تقریباً آٹھ سو تابعین نے ان سے احادیث روایت کی ہیں، یہ شرف کسی اور صحابی کو حاصل نہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا قیام فتوحات کے بعد زیادہ تر مصر اور طائف میں رہا، اور حدیث حاصل کرنے والے طلبہ کا رجحان چونکہ ان دو شہروں کی طرف نہیں تھا، اس لیے حضرت عبداللہ بن عمرو سے زیادہ لوگوں نے احادیث روایت نہیں کیں، جس کی وجہ سے ان کی روایات کی تعداد کم سامنے آئی ہے۔

(۳) نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ کو خاص طور پر یہ وعادی تھی کہ وہ احادیث کو نہ بھولیں، اس دعا کا اثر تھا کہ ان کی روایات زیادہ تعداد میں امت کے سامنے آئی ہیں۔

(۴) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کو شام میں اہل کتاب کی کچھ کتابیں ہاتھ آگئی تھیں، وہ ان کتابوں کا مطالعہ کر کے لوگوں کے سامنے انہیں بیان کرتے، اس وجہ سے بہت سے تابعین نے احتیاط کی بناء پر ان سے روایت حاصل کرنے سے اجتناب کیا، اس وجہ سے ان کی روایت کی تعداد حضرت ابو ہریرہ کی نسبت کم رہی۔ (۱)

”و کنت لا اکتب“

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نہیں لکھا کرتے تھے، لیکن مستدرک حاکم میں ایک روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کے ایک شاگرد نے ان سے ایک حدیث روایت کی، حضرت ابو ہریرہ نے اس سے انکار کیا کہ میں نے یہ روایت نہیں کی، شاگرد نے عرض کیا کہ میں نے واقعی آپ ہی سے سنی۔ ہر، حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: اچھا میں اپنے پاس صحیفہ میں دیکھتا ہوں کہ یہ حدیث اس میں لکھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ میں جو حدیث نقل کرتا ہوں وہ میرے پاس لکھی ہوتی ہے، پھر جب اس صحیفے میں دیکھا تو واقعہ وہ روایت اس میں موجود تھی۔ (۲)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ خود لکھا کرتے تھے، جبکہ اس باب کی حدیث میں فرما رہے ہیں کہ میں

(۱) فتح الباری ۶/۱۶۶ کتاب العلم، باب کتابہ العلم

(۲) المستدرک للحاکم ۳/۵۸۳ ط: بیروت

احادیث نہیں لکھا کرتا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ لکھا کرتے تھے، یوں ان دونوں روایات میں تعارض ثابت ہو رہا ہے؟
اس تعارض کو دو طرح سے حل کیا گیا ہے:

- (۱) ابن عبدالبر نے دونوں روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ عہد نبویؐ میں تو نہیں لکھتے تھے، اس کے بعد پھر انہوں نے احادیث کو ایک جگہ لکھ لیا تھا، تو حدیث باب میں عہد نبویؐ کا ذکر ہے کہ اس وقت وہ نہیں لکھتے تھے، اور مستدرک حاکم کی روایت میں عہد نبویؐ کے بعد کا ذکر ہے کہ اس وقت انہوں نے احادیث کا ذخیرہ کتابی صورت میں جمع کر لیا تھا۔
- (۲) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تحقیقی بات یہی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے کسی بھی زمانے میں احادیث کو خود نہیں لکھا جیسا کہ ترمذی کی اس روایت سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے، ان کے پاس جو احادیث کا کتابی ذخیرہ موجود تھا، وہ انہوں نے دوسروں سے لکھوایا تھا، ان کے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا نہیں تھا، اس لیے دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ

یہ باب بنی اسرائیل سے روایت کرنے کے بارے میں ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً، وَحَدِّثُوا عَنِّي بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعِدًّا فَلْيَنْتَبِذْهُمُ النَّارُ.

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاص فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری باتیں (دوسروں تک) پہنچاؤ اگرچہ وہ ایک آیت ہی ہو، اور بنی اسرائیل سے روایت کرو، اس میں کوئی حرج نہیں، اور جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے، اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

بنی اسرائیل سے روایت کرنے کا حکم

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین امر ذکر فرمائے ہیں:

- (۱) حضور اکرم ﷺ کے ارشادات دوسروں تک پہنچائے جائیں اور اس میں دو باتوں کا خاص طور پر خیال رکھا جائے، ایک تو اس حدیث کی سند ذکر کی جائے اور دوسرا اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی اور اضافہ کرنے سے اجتناب کیا جائے، انہی الفاظ کو نقل کیا جائے جو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں، اس سے روایت بالسنیٰ کی نفی کرنا مقصود نہیں کیونکہ وہ تو مخصوص شرائط کے ساتھ بعض صورتوں میں جائز ہے جیسا کہ پیچھے اس کی تفصیل گزر چکی ہے، مقصود یہ ہے کہ حدیث کو نقل کرنے میں کامل احتیاط کی جائے۔
- ولو آية اصل عبارت یوں ہے: ولو كان المبلغ آية (اگرچہ آیت ہی پہنچائی جائے) یہاں اس ”آیہ“ سے کیا مراد

ہے اس میں دو قول ہیں:

☆..... اس سے قرآن مجید کی آیت مراد ہے، اور احادیث بھی سمنا اس میں داخل ہیں کیونکہ قرآن مجید باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے، وہ اطراف عالم میں مشہور اور پھیل چکا ہے پھر بھی اللہ نے اس کو آگے دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے تو احادیث کا پہنچانا تو بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگا۔

☆..... دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے کلام مفید یعنی وہ احادیث مراد ہیں، جو جوامع الکلم کے قبل سے ہیں، ان کے الفاظ تو بظاہر کم ہیں لیکن ان کے معنی اور مفہوم انتہائی وسیع ہوتے ہیں مثلاً: من صحت نبأ (جو خاموش رہا تو اس نے نجات پالی) اور فرمایا: الدین النصیحة (دین تو خیر خواہی کا نام ہے) معنی یہ ہیں کہ تمہارے پاس خواہ چھوٹی سی بھی حدیث ہو، اسے بھی ضرور دوسروں تک پہنچاؤ، ہو سکتا ہے کہ اس سے کسی انسان کی زندگی بدل جائے، وہ راہ راست پر آجائے، یوں اس کی راہنمائی کرنے والا بھی اس اجر و ثواب میں برابر کا شریک ہوگا۔ (۱)

(۲) نبی کریم ﷺ نے ابتداء اسلام میں بنی اسرائیل سے روایت کرنے سے بڑی سختی کے ساتھ منع فرمایا تھا، پھر جب شریعت کے امور مستحکم ہو گئے، صحابہ کرام زین میں ثابت قدم اور مضبوط ہو گئے، وہ احادیث رسول اور بنی اسرائیل کی روایات میں امتیاز کرنے لگے، ان کے سامنے یہ بات آگئی کہ بنی اسرائیل نے اپنی کتابوں کو جلا دیا تھا، اور اپنی کتابوں میں تحریف اور رد و بدل کر لی تھی، اس لیے قرآن مجید اور احادیث رسول کے مقابلے میں بنی اسرائیل کی روایات کی کوئی حیثیت نہیں تاہم اب اگر تم لوگ ان کی وہ روایات نقل کرو، جو قرآن و حدیث کے اصول اور شریعت کے موافق ہوں، جو عظم و نصیحت، قصے اور مثالوں پر مشتمل ہوں، عبرت کیلئے ان روایات کو نقل کرنے میں کوئی حرج اور گناہ نہیں، لیکن ایسے واقعات اور قصے جو سن گھڑت قسم کے ہوں، جن کو عقل بھی تسلیم نہ کرے، محض فرضی ہوں، انہیں بیان نہ کیا جائے، البتہ بنی اسرائیل کے احکام کو نقل کرنا اور ان کی تبلیغ کرنا جائز نہیں کیونکہ شریعت محمدیہ کے آجانے کے بعد دیگر تمام شریعتیں منسوخ اور کالعدم قرار دی گئی ہیں، لہذا شریعت محمدی کو چھوڑ کر دوسری کسی شریعت کے عقائد اور احکام و اعمال کی روایت اور تبلیغ کرنا جائز نہیں ہے۔ (۲)

(۳) تیسرا حکم یہ ہے کہ جب بھی کوئی حدیث بیان کی جائے یا اسے لکھا جائے تو مکمل تحقیق کے بعد اسے روایت کیا جائے، جان بوجھ کر نبی کریم ﷺ کی طرف ایسی کوئی بات منسوب کرنا جو حضور ﷺ سے ثابت نہیں، جائز نہیں، گناہ کبیرہ ہے، ایسے آدمی کا انجام جہنم ہے۔

(۱) تحفة الاحوذی ۲/۳۶۰، الکوکب الدرۃ ۳/۳۶۵، مرقاة المفاتیح ۱/۲۰۶، کتاب العلم،

(۲) بذل للمجہود ۱۵۵/۳۴۸، کتاب العلم، باب الحدیث عن بنی اسرائیل، الکوکب الدرۃ ۳/۳۶۶، مرقاة ۱/۲۰۷

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ الدَّالَّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ خیر کی طرف رہنمائی کرنے والا (اجرو ثواب میں) اس پر عمل کرنے والے کی طرح ہے۔
 عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ يَسْتَحْمِلُهُ، فَلَمْ يَجِدْ عِنْدَهُ مَا يَتَحَمَّلُهُ، فَقَدَّ لَهُ عَلَى آخِرِ
 فَحَمَلَهُ. فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ: إِنَّ الدَّالَّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ۔
 حضرت انس بن مالک سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ سے سواری مانگنے کیلئے آیا، لیکن اس
 نے آپ ﷺ کے پاس ایسی کوئی چیز نہ پائی کہ جس پر وہ سوار ہو سکے، آپ ﷺ نے اسے ایک دوسرے آدمی کا بتایا
 کہ تم اس کے پاس سواری کیلئے چلے جاؤ، ممکن ہے وہاں سے تمہارا کام ہو جائے، جب اس کے پاس آیا تو اس نے
 اسے سواری دے دی، پھر وہ دوبارہ نبی کریم ﷺ کے پاس یہ بتانے کیلئے حاضر ہوا (کہ اس آدمی نے سواری عطا کر
 دی ہے) تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، بیشک خیر کی طرف رہنمائی کرنے والا (اجرو ثواب میں) اس پر عمل کرنے
 والے کی طرح ہے۔

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْبَدْرِيِّ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ يَسْتَحْمِلُهُ، فَقَالَ: إِنَّهُ لَفَذٌ أَبَدٌ عِيبِي. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:
 ائْتِ فَلَتَا، فَلَتَاهُ، فَحَمَلَهُ فَقَالَ: رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ أَوْ قَالَ غَاوِلِهِ۔
 حضرت ابوسعود بدری فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس سواری مانگنے کیلئے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ
 میری سواری مجھ سے منقطع ہو گئی ہے یعنی مر گئی ہے، تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ فلاں کے پاس چلے جاؤ، چنانچہ وہ
 اس کے پاس گئے، تو انہوں نے اسے سواری دے دی، اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کسی کو خیر کا راستہ بتائے تو
 اس کیلئے بھی اتنا ہی اجر و ثواب ہے جتنا کہ کرنے والے کیلئے ہے، یا فرمایا: جتنا کہ اس پر عمل کرنے والے کیلئے ہے۔
 عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: اشفَعُوا وَلْتَوْ جُزْوَا وَلْيَقْضِي اللَّهُ عَلَى لِسَانِ نَبِيٍّ مَا شَاءَ۔
 حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم دوسروں کیلئے سفارش کیا کرو تا کہ تمہیں
 اجر دیا جائے، اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر وہی بات جاری فرماتے ہیں جو وہ چاہتے ہیں (خواہ آپ علیہ السلام
 سفارش کو قبول فرمائیں یا اسے رد کر دیں، وہ سب اللہ کی طرف سے ہے)۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا مِنْ نَفْسٍ تَقْتُلُ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ كِفْلٌ مِنْ ذَمِّهَا
 وَذَلِكَ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ أَسَنَّ الْقَتْلَ. وَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ: سَنَّ الْقَتْلَ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص ایسا نہیں جسے ظلم قتل کیا جائے
 مگر یہ کہ اس کے قتل کا ایک حصہ یعنی گناہ آدم کے بیٹے کو ہوتا ہے، کیونکہ اس نے ہی قتل کا طریقہ جاری کیا ہے،

عبدالرزاق راوی ”سن“ کی جگہ ”سن“ کا لفظ نقل کرتے ہیں (معنی دونوں کے ایک ہی ہیں) مشکل الفاظ کے معنی:۔ يستحمله: وہ آپ سے سواری طلب کرنے لگے۔ حملہ: اس شخص نے اسے سواری دے دی۔ قد ابدع بی: (صیغہ مجہول) وہ سواری مجھ سے منقطع ہو گئی ہے یعنی وہ مر گئی ہے۔ لتو جروا: (صیغہ مجہول) تاکہ تمہیں اجر و ثواب دیا جائے۔ ولیقضی اللہ: (لام تاکید کے ساتھ) اور البتہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرماتے ہیں، جاری فرماتے ہیں۔ کفل: (کاف کے نیچے زیر اور فاء کے سکون کے ساتھ) حصہ یعنی گناہ۔ آمن، سن: (دونوں الفاظ کے ایک ہی معنی ہیں: طریقہ جاری کیا، صرف ابواب کے اعتبار سے فرق ہے کہ ”آسن“ باب افعال سے اور ”سن“ مجرد سے ہے۔

خیر کا راستہ بتانے والے کی فضیلت

اس باب کی احادیث میں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ دوسروں کو خیر اور نیکی کا راستہ دکھایا جائے، یوں اسے بھی اتنا ہی اجر و ثواب ملے گا جتنا کہ اس نیکی پر عمل کرنے والے کو ملتا ہے اور اگر بالفرض دوسرے نے اس نیکی پر عمل نہ بھی کیا تو بتانے والے کو بہر حال خیر کی طرف رہنمائی کا اجر ضرور ملتا ہے۔

باب کی پہلی اور دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس آدمی کی رہنمائی کی کہ تم فلاں کے پاس چلے جاؤ، وہ تمہیں سواری دے دے گا، چنانچہ وہ صحابی ان کے پاس گئے تو انہوں نے سواری دے دی۔

تیسری حدیث میں آپ ﷺ نے صحابہ کو یہ حکم دیا ہے کہ جب تم کسی بندے کے بارے میں مناسب سمجھو تو میرے سامنے اس کی سفارش کرو یا کرو، سفارش کرنے سے تمہیں اجر و ثواب ملے گا، اس سے قطع نظر کہ تمہاری سفارش کو قبول کیا جائے یا نہ کیا جائے، کیونکہ رسول کی زبان اسی بات پر جاری ہوتی ہے، جو اللہ جل جلالہ چاہتے ہیں، اس سے کوئی غلط بات جاری نہیں ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی مسئلہ میں آپ سے سفارش کرانا چاہتا ہے اور وہ کام بھی شریعت کے مطابق ہو تو ایسے میں سفارش کر دینی چاہئے بشرطیکہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، اگلا بندہ سفارش قبول کرتا ہے یا نہیں، یہ اس کی صوابدید پر ہے، سفارش ایک درخواست ہے، لہذا سفارش پر اصرار یا اسے حکم کا درجہ نہ دیا جائے، دوسرا بندہ اگر سفارش قبول نہ کرے تو سفارش کرنے والے کے دل میں کسی قسم کا رنج اور میل نہیں آنا چاہئے، اور نہ ہی اپنی کسی نشست میں اس پر تبصرہ کیا جائے۔ (۱)

باب کی آخری حدیث کو اس باب سے مطابقت نہیں ہے، اسے ضمیمہ ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ اس حدیث میں قاتیل کا ذکر ہے جس نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ جاری کیا، اس نے اپنے بھائی حضرت ہاتیل کو محض ظلم کی وجہ سے مار دیا تھا، قاتیل نے خیر کا راستہ نہیں بلکہ شر کا راستہ دکھایا ہے، جبکہ اس باب میں خیر کی طرف رہنمائی کرنے والے کی فضیلت کا ذکر ہے، لہذا قیامت تک جتنے بھی ظلم قتل ہوئے، ان تمام کا گناہ قاتیل کو بھی ہوگا۔

باب مَا جَاءَ فِيْمَنْ دَعَا إِلَى هُدًى فَاتَّبَعَ أَوْ إِلَى ضَلَالَةٍ

یہ باب اس شخص کے بارے میں ہے جس نے ہدایت یا گمراہی کی طرف بلایا اور اس کی پیروی کی گئی
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورٍ مَنْ يَتَّبِعُهُ لَا يَنْقُصُ
ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ يَتَّبِعُهُ لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ
آثَامِهِمْ شَيْئًا

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا،
اس کیلئے اتنا ہی اجر ہوگا، جتنا اس کی تابعداری کرنے والوں کو ہوگا، یہ چیز (یعنی ہدایت کی طرف بلانے والے کا اجر)
ان کے اجر میں کچھ بھی کمی نہیں کرتی، اور جو شخص گمراہی کی طرف بلائے گا تو اس پر بھی اتنا ہی گناہ ہوگا، جتنا اس کی
پیروی کرنے والوں پر ہوتا ہے، اور یہ چیز (یعنی برائی کی طرف دعوت والے کا گناہ) ان کے گناہ میں کچھ بھی کمی نہیں
کرتی۔

عَنْ جَبْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ سَنَّ سُنَّةَ خَيْرٍ فَاتَّبَعَ عَلَيْهَا فَلَهُ أَجْرُهُ وَمِثْلُ أُجُورٍ مَنْ اتَّبَعَهُ
غَيْرَ مَنْقُوصٍ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ سَنَّ سُنَّةَ شَرٍّ فَاتَّبَعَ عَلَيْهَا كَانَ عَلَيْهِ وَزْرُهُ وَمِثْلُ أَوْزَارٍ مَنْ اتَّبَعَهُ غَيْرَ
مَنْقُوصٍ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا.

حضرت جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا اور اس
میں اس کی پیروی کی گئی تو اس کیلئے اس کا اجر ہوگا اور ان لوگوں کے اجر کے برابر ثواب ہوگا، جنہوں نے اس کی پیروی
کی ہوگی، ان کے ثواب میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں ہوگی، اور اگر کسی نے برائی کا کوئی طریقہ جاری کیا تو اس پر اس کا
گناہ ہوگا اور ان لوگوں کے گناہ کے برابر اسے بھی گناہ ہوگا، جنہوں نے اس کی پیروی کی ہوگی، ان کے گناہوں میں
کسی قسم کی کوئی کمی نہیں ہوگی۔

ہدایت اور گمراہی کا ذریعہ بننے والے کا حکم

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی کو ہدایت کے راستے کی طرف بلائے اور وہ اس کے مطابق عمل کر لے تو جس
طرح عمل کرنے والے کو ثواب ملتا ہے اسی طرح رہنمائی کرنے والے کو بھی پورا اجر اور ثواب ملتا ہے، اور اس کی وجہ سے عمل کرنے
والوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، اسی طرح اس شخص کا بھی حکم ہے جو کسی کو گمراہی اور غلط راستے کی طرف بلائے اور
وہ اس پر چل پڑے تو جیسے گمراہی پر چلنے والے کو گناہ ملتا ہے اسی طرح گمراہی کی طرف دعوت دینے والے کو بھی گناہ ہوتا ہے، اور

اس کی وجہ سے گمراہی پر چلنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، اس لیے آدمی کو چاہئے کہ وہ لوگوں کو غلط کام سے روک کر سیدھے راستے پر چلنے کی دعوت دے، سنت نبوی پر چلنے کی ترغیب دے، کسی بھی اسلامی حکم اور خیر کی طرف بلائے والا بن جائے، تاکہ اسے بھی یہ فضیلت حاصل ہو جائے۔ (۱)

باب ماجاء فی الأخذ بالسنة واجتناب البدع.

یہ باب سنت پر عمل کرنے اور بدعتوں سے اجتناب کے بارے میں ہے۔

عَنِ الْعِزَّابِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ: وَعَظَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمًا بَعْدَ صَلَاةِ الْفَلَاحِ، مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذُرْتُ مِنْهَا الْغَيُورُ وَوَجِلْتُ مِنْهَا الْقُلُوبُ، فَقَالَ رَجُلٌ: إِنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةٌ مَوْذِعٌ، فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: أَوْصِيَكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدٌ حَبِشِي، فَإِنَّهُ مِنْ يَعْشُ مِنْكُمْ يَرَى الْخِيَلًا كَثِيرًا، وَإِنَّا كُمْ وَمُخَدَّاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ لِمَنْ أَذْرَكَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِمْ سِتْنَى وَسِتْنَى الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهْدِيَيْنَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ.

حضرت عزاب بن ساریہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے نماز فجر کے بعد ہمیں خوب مؤثر انداز سے نصیحت کی کہ اس سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور دل لرزنے لگے، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ: (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) یہ رخصت ہونے والے کی (آخری) نصیحت اور وصیت ہے، لہذا آپ ہمیں کیا وصیت کرتے ہیں یا رسول اللہ؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے، اور (جائز امور میں) مسلمان حاکم کی بات (سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ (حاکم) حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ (میرے بعد) جو شخص تم میں سے زندہ رہا تو وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا اور تم (دین میں) نئی نئی چیزوں سے بچنا، کیونکہ یہ گمراہی (کا راستہ) ہے، لہذا تم میں سے جو شخص ایسا وقت پالے تو اس پر میری اور میرے ان خلفاء کی سنت اختیار کرنا لازم ہے جو راہنمائی کرنے والے اور ہدایت یافتہ ہیں، تم ان کی سنت کو دانتوں سے مضبوطی سے پکڑ لو۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُرَزِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِبِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ: اَعْلَمْ، قَالَ: مَا اَعْلَمُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: اَعْلَمْ بِاِبْلَاقِ. قَالَ: مَا اَعْلَمُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: اِنَّهُ مِنْ اَخِيَا سِتْنَةً مِنْ سِتْنِي قَدْ اُمِيتَتْ بَغْدِي فَإِنْ لَمْ مِنَ الْأَجْرِ وَمِنْ عَمَلٍ بَهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُضَ مِنْ أَجُورِهِمْ شَيْئًا، وَمَنْ ابْتَدَعَ بَدْعَةً ضَالَّةً لَا يُزِضُهَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ، كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُضُ ذَلِكَ مِنْ أَوْزَارِ النَّاسِ شَيْئًا.

حضرت عمرو بن عوف مرزنی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بلال بن حارث سے فرمایا کہ جان لو، انہوں نے عرض

کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا جان لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری سنتوں میں سے کسی ایسی سنت کو زندہ کیا، جو میرے بعد چھوڑی جا چکی تھی تو اس کیلئے بھی اتنا ہی اجر ہوگا، جتنا کہ اس پر عمل کرنے والے کیلئے ہوگا بغیر اس کے کہ ان کے اجر و ثواب میں کچھ کمی آئے، اور جس نے گمراہی کی بدعت کو ایجاد کیا، جسے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول پسند نہیں کرتے، تو اس کیلئے اتنے ہی گناہ ہوں گے، جتنے کہ اس بدعت پر عمل کرنے والوں کیلئے ہونگے، یہ چیز اس بدعت پر عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کچھ بھی کمی نہیں کرے گی۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَا بَنِيَّ، إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ، لَيْسَ فِي قَلْبِكَ غِشٌّ لَأَخِيكَ، فَافْعَلْ، ثُمَّ قَالَ لِي: يَا بَنِيَّ، وَذَلِكَ مِنْ سُنَّتِي، وَمَنْ أَخْبَأَ سُنَّتِي، فَقَدْ أَخْبَأَنِي. وَمَنْ أَخْبَأَنِي كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ.

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ مجھ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے میرے بیٹے، اگر تم اس بات پر قدرت رکھتے ہو کہ تم صبح اور شام اس طرح کرو کہ تمہارے دل میں کسی کیلئے کوئی کھوٹ اور کینہ نہ ہو، تو ایسا ہی کرو، پھر فرمایا: اے میرے بیٹے: یہ میری سنت ہے، اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا تو اس نے گویا مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا تو وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ الأخذ بالسنة: سنت کو لینا، حاصل کرنا، اس پر عمل کرنا۔ موعظة بليغة: بلیغ اور مؤثر نصیحت۔ ذرفت: آنکھیں بہ پڑیں، آنسو جاری ہو گئے۔ وجلت: دل اس نصیحت سے خوف زدہ ہو گئے۔ مودع: (دال کے نیچے زیر) الوداع کہنے والا، رخصت ہونے والا۔ بماذا تعهد البينا: آپ ہمیں کیا وصیت فرماتے ہیں۔ محدثات الامور: نئی نئی باتیں اور جدید امور۔ المهديين: ہدایت یافتہ لوگ۔ عضوا: ہم دانتوں سے پکڑو یعنی مضبوطی سے تھام لو، اس پر سختی کے ساتھ قائم رہو۔ نواجد: ”ناجدة“ کی جمع ہے: ڈاڑھ، اُمتیت: جو سنت کہ منادی گئی، مار دی گئی، یعنی اس پر عمل ترک کر دیا گیا۔ ابتلع: نیا طریقہ ایجاد کیا۔ غش: (غین کے نیچے زیر) کھوٹ، بغض، کینہ۔

سنت پر عمل کرنے اور بدعت سے بچنے کا حکم

اس باب کی احادیث میں نبی کریم ﷺ نے دو چیزوں کا حکم دیا ہے:

(۱) ہر دور میں سنت نبوی پر عمل کیا جائے، چنانچہ باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایک نہایت مؤثر انداز سے نصیحت فرمائی جیسا کہ ایک رخصت ہونے والا بڑا آدمی ہدایات اور تعلیمات دیا کرتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا جو بھی حکمران ہو، جائز امور میں اس کی اطاعت کرو، اگرچہ وہ جھوٹی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس سے یہ مراد نہیں کہ کوئی غلام خلیفہ بنے گا، کیونکہ ایک دوسری حدیث میں تصریح ہے کہ خلافت قریش میں رہے گی لہذا اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ اس حاکم کی ضرور اطاعت کرو، یہ نہ دیکھو

کہ اس کا خاندان اور حسب و نسب کیسا ہے، اور فرمایا کہ میرے بعد لوگوں میں طرح طرح کے اختلافات شروع ہو جائیں گے، اس وقت جو موجود ہوں تو انہیں چاہئے کہ وہ میری اور میرے خلفاء کی سنت پر عمل کریں اور ان کے نقش قدم پر چلیں، یوں وہ اس اختلاف کے شر سے محفوظ رہیں گے۔

خلفاء راشدین سے کون مراد ہیں، اس میں دو قول ہیں:

☆ خلفاء سے چار مشہور خلیفے مراد ہیں یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کیونکہ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تیس سال تک خلافت رہے گی، یہ عرصہ حضرت علی کی مدت خلافت تک پورا ہو جاتا ہے، اس لیے اکثر حضرات کے نزدیک خلفاء سے یہی مشہور چار خلیفے مراد ہیں۔

☆ دوسرا قول یہ ہے کہ خلافت ان چار خلفاء تک محدود نہیں ہے بلکہ ان کے بعد بھی خلافت رہے گی، کیونکہ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”یہ خلافت جاری رہے گی یہاں تک کہ اس میں بارہ خلفاء آئیں گے“ لہذا خلفاء کے مفہوم میں جہاں چاروں خلفاء داخل ہیں، اسی طرح اس میں بارہ خلفاء بھی شامل ہیں، اور ان چار خلفاء کا مقام چونکہ دیگر تمام صحابہ اور امت سے افضل ہے، اس لیے بعض روایات میں خاص طور پر ان کی سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے دیگر خلفاء کی نفی کرنا مقصود نہیں ہے۔ (۱)

دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی ایسی سنت کو زندہ کرے گا، جسے لوگوں نے دفن کر دیا ہوگا، اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہوگا تو اسے اس پر عمل کرنے والوں کے اجر کے برابر ثواب ملے گا، اور ان کے اجر میں کوئی کمی بھی نہیں ہوگی، اس کے برعکس اگر کسی نے گمراہ کن طریقہ ایجاد کیا، دوسرے لوگ اس غلط راستے پر چل پڑے ہیں، تو جس طرح ان لوگوں کو گناہ ہوگا، اسی طرح غلط طریقہ جاری کرنے والے کو بھی مستقل گناہ ہوگا۔

تیسری حدیث سے یہ حکم معلوم ہوا کہ انسان اس انداز سے زندگی گزارے کہ کسی کے بارے میں اس کے دل میں کوئی بغض، کینہ اور کھوٹ نہ ہو، دل بالکل صاف ہو، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ میرا طریقہ ہے اور جو شخص میرے طریقہ کے مطابق زندگی گزارے گا تو وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو خاص طور پر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(۲) ان احادیث میں نبی کریم ﷺ نے ”بدعت“ سے بچنے کا حکم دیا ہے، کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔ بدعت سے ہر وہ امر مراد ہے جو نہ تو قرآن و سنت سے ثابت ہو، اور نہ عہد رسالت، عہد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں ہو، اسے دین کا کام سمجھ کر کیا جائے یا چھوڑا جائے، یہ وہ بدعت ہے جس کی احادیث میں مذمت کی گئی ہے اور اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

لیکن وہ امر کہ جس کی اصل شریعت میں موجود ہو، اور دین پر عمل کرنے کیلئے اسے اختیار کیا جائے تو یہ شرعاً بدعت مذمومہ کے حکم میں نہیں ہے، ہاں لغوی اعتبار سے اسے بدعت کہا جاسکتا ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات تراویح کی جماعت کے بارے میں جو یہ فرمایا: نعمت البدعة هذه (کہ یہ ایک بہترین بدعت ہے) اسے بھی لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت کہا گیا ہے، چنانچہ موجودہ دور میں دین کی نشر و اشاعت کے جو بھی نئے طریقے اختیار کئے گئے ہیں یا اختیار کیے جا رہے ہیں، یہ تمام لغوی اعتبار سے بدعت ہی ہیں، لیکن چونکہ یہ اصول شریعت کے خلاف نہیں، اس لیے یہ مذموم بدعت میں شامل نہیں ہیں۔ (۱)

باب فی الإِنتہاء عَمَّا نَهَى عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں اس چیز سے رکنے کا بیان ہے جس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَنْزَلْتُ مَاءً تَرَكْتُمْ، فَإِذَا خَذْتُمْكُمْ، فَخُذُوا عَنِّي، فَإِنَّمَا هَلَكٌ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَفْرَةٍ سَوَّاهُمْ وَاسْتَغْلَاهُمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے تم اس چیز پر ہی چھوڑ دو جس چیز پر میں تمہیں چھوڑ دوں، جب میں تم سے کوئی چیز بیان کروں تو اسے تم لوگ مجھ سے لے لو (یعنی سیکھ لو) کیونکہ جو لوگ تم سے پہلے تھے (یعنی یہود و نصاریٰ) وہ زیادہ سوال کرنے اور اپنے انبیاء کے بارے میں اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔

ممنوع اشیاء سے اجتناب کا حکم

نبی کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کی طرح زیادہ سوال کرنے اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرنے سے منع فرمایا ہے کہ میں جس حالت میں تمہیں چھوڑ دوں، کوئی حکم لازم نہ کروں تو تم بھی غیر ضروری سوالات کے درپے نہ ہوا کرو کیونکہ زیادہ سوالات کرنے سے احکام زیادہ ہو جائیں گے پھر انہیں بجالانا دشوار ہو جائے گا، جو کچھ میں تمہارے سامنے بیان کروں تو اسے اطمینان سے مجھ سے سیکھ لو، اور زیادہ سوال نہ کرو کیونکہ یہود و نصاریٰ پر سخت قسم کے احکام کا نزول اس وجہ سے ہوا کہ وہ اپنے نبی سے زیادہ سوال کرتے اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرتے تھے، ان کی بات پر عمل نہ کرتے، جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گئے، اس لیے کہ بسا اوقات کسی مصلحت کی وجہ سے ایک امر سے خاموشی کی جاتی ہے، ایسے میں اگر اسی امر سے متعلق کوئی سوال کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ امر لوگوں پر لازم کر دیا جائے تو یہ حکم اس سوال کرنے کی وجہ سے لازم ہوا، لہذا ہر موقع پر غیر ضروری سوالات سے اجتناب کیا جائے، کہ اسی میں عافیت ہے۔ (۲)

(۱) تحفة الاحوذی ۳۶۶/۷

(۲) تحفة الاحوذی ۳۷۲/۷

باب مَا جَاءَ فِي عَالِمِ الْمَدِينَةِ.

یہ باب عالم مدینہ (کی فضیلت) کے بارے میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَوَايَةُ: يَوْشِكُ أَنْ يَضْرِبَ النَّاسُ أَكْبَادَ الْإِبِلِ، يَطْلُبُونَ الْعِلْمَ فَلَا يَجِدُونَ أَحَدًا، أَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ الْمَدِينَةِ.

حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ زمانہ قریب ہے کہ لوگ علم طلب کرنے کیلئے اونٹوں کے جگر کو ماریں گے (یعنی اونٹوں پر سفر کریں گے) لیکن وہ مدینہ کے عالم سے زیادہ بڑا عالم کسی کو نہیں پائیں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ یوشک: وہ زمانہ قریب ہے۔ يضرب اکباد الابل: اکباد جمع ہے کبد کی جگر، معنی یہ ہیں کہ وہ اونٹوں کے جگر کو ماریں گے یعنی ان پر بڑی تیزی سے سفر کریں گے حصول علم کیلئے، اس جملے سے درحقیقت سفر کی تیزی کو بیان کرنا مقصود ہے۔

عالم مدینہ سے کون مراد ہے

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ بڑے ذوق و شوق سے علم کو حاصل کرنے کیلئے اونٹوں پر بڑے دور دراز سے سفر کریں گے لیکن مدینہ کے عالم سے بڑا انہیں کوئی اور بڑا عالم نہیں ملے گا، ”عالم مدینہ“ سے کون مراد ہے، اس میں شارحین حدیث کے اقوال مختلف ہیں، امام ترمذی نے ابن عیینہ سے دو قول نقل کئے ہیں:

(۱) عالم مدینہ سے حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ مراد ہیں جو دارالہجرۃ کے امام، اور امام شافعی کے استاذ تھے۔

(۲) اس سے عمری زاہد عبدالعزیز بن عبداللہ مراد ہیں، جو علم و فقہ کے ساتھ نہایت عبادت گزار بھی تھے۔

صاحب تحفۃ الاحوذی فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے عمری زاہد کا نام صحیح نقل نہیں کیا، ان کا صحیح نام عمری زاہد عبداللہ بن عبدالعزیز بن عبداللہ ہے۔ (۱)

(۳) بعض حضرات کے نزدیک نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد صحابہ اور تابعین کے دور کے اعتبار سے ہے کہ ان کے زمانے میں مدینہ کے عالم سے زیادہ بڑا عالم کسی دوسری جگہ نہیں ہوگا کیونکہ عہد صحابہ اور تابعین کے بعد علم کی مقدس روشنی جب مدینہ سے باہر اطراف عالم میں پھیل گئی تو اس کے نتیجے میں دوسرے ممالک اور شہروں میں ایسے ایسے بڑے عالم و فاضل پیدا ہو گئے، جو اپنے علم و فضل اور دینی فہم و فراست کے اعتبار سے مدینہ کے علماء سے فائق اور بلند ہوتے تھے۔ (۲)

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۷۳/۷

(۲) مرقاة المفاتیح ۳۶۰/۱ کتاب العلم

(۳) بعض محدثین کے نزدیک اس حدیث میں کسی مخصوص عالم مدینہ کو بیان کرنا مقصود نہیں، بلکہ اس سے قرب قیامت کا وہ زمانہ مراد ہے جس میں اسلام مدینہ میں پناہ لے لیگا، اور علم اپنی وسعت و فراخی کے باوجود صرف مدینہ منورہ میں منحصر ہو جائے گا، اس وقت میں اہل علم بھی صرف مدینہ میں ہی ہونگے، اس کے علاوہ اور کہیں نہیں ہونگے، یہ اسلام کی غربت کا زمانہ ہوگا، جیسا کہ دوسری احادیث میں اس کی تصریح ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْفَقْهِ عَلَى الْعِبَادَةِ.

یہ باب اس بیان میں ہے کہ فقہ یعنی علم، عبادت سے افضل ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فَقِيهٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ أَلْفِ عَابِدٍ.

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک فقیہ (یعنی باعمل عالم دین) شیطان پر ایک ہزار عبادت گزاروں سے زیادہ سخت ہے۔

عَنْ قَيْسِ بْنِ كَيْسٍ، قَالَ: قَدِمَ رَجُلٌ مِنَ الْمَدِينَةِ عَلَى أَبِي الدَّرْدَاءِ وَهُوَ بِدِمَشْقَ، فَقَالَ: مَا أَقْدَمَكَ يَا أَيْحَى؟ فَقَالَ: حَدِيثٌ بَلَغَنِي أَنَّكَ أَخَذْتَهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، قَالَ: أَمَا جِئْتَ لِحَاجَةٍ؟ قَالَ: لَا. قَالَ: أَمَا قَدِمْتَ لِعِجَازَةٍ؟ قَالَ: لَا. قَالَ: مَا جِئْتَ إِلَّا لِيُطْلَبَ هَذَا الْحَدِيثُ قَالَ: فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَبْتَغِي فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْبَحَتَهَا رِصًا لِمُطَالِبِ الْعِلْمِ وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ حَتَّى الْجِبَّتَانِ فِي الْمَاءِ وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوْرَوْا دِينًا وَارِثًا وَلَا دِرْهَمًا، إِنَّمَا وَرَثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَ بِهِ أَخَذَ بِحَبْلِ الْوَرْدِ.

حضرت قیس بن کثیر فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ سے ایک شخص حضرت ابوالدرداء کے پاس آیا جبکہ وہ دمشق میں تھے، انہوں نے پوچھا: بھائی کیسے آنا ہوا؟ (انہوں نے جواب دیا) مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث بیان کرتے ہیں، حضرت ابوالدرداء نے فرمایا: آپ کسی اور حاجت کیلئے نہیں آئے؟ (صرف حدیث سننے کیلئے آئے ہیں)، اس شخص نے عرض کیا: نہیں، ابوالدرداء نے فرمایا: آپ تجارت کیلئے نہیں آئے؟ اس نے عرض کیا: نہیں، فرمایا: تم صرف اس حدیث کی طلب میں حاضر ہوئے ہو، حضرت ابوالدرداء نے فرمایا، میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص کسی ایسے راستے پر چلے، جس میں وہ علم کو طلب کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے، اور فرشتے طالب علم کی خوشنودی کیلئے اپنے پروں کو بچھاتے ہیں، اور بیٹھک عالم دین کیلئے آسمان وزمین میں موجود ہر چیز استغفار کرتی ہے، یہاں تک کہ مچھلیاں بھی پانی میں (اس کیلئے استغفار کرتی ہیں)، اور عالم کی فضیلت

عابد پر اس طرح ہے جیسے چاند کی فضیلت ہے تمام ستاروں پر، بیشک علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے، بیشک وہ علم کا وارث بناتے ہیں، لہذا جس نے اس علم کو حاصل کر لیا تو اس نے (انبیاء کی وراثت سے) کامل حصہ حاصل کر لیا (یعنی پایا)۔

عَنْ يَزِيدَ بْنِ سَلَمَةَ الْجُعْفِيِّ قَالَ: قَالَ يَزِيدُ بْنُ سَلَمَةَ يَا رَسُولَ اللَّهِ: إِنِّي قَدْ سَمِعْتُ مِنْكَ حَدِيثًا كَثِيرًا أَخَافُ أَنْ نُنْسِيهِ أَوْ لَوْ آخِزُهُ، فَحَذِّثْنِي بِكَلِمَةٍ تَكُونُ جَمَاعًا، قَالَ: أَتَقِي اللَّهَ لِيَمَّا تَعْلَمُ.

حضرت یزید بن سلمہ جعفی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے آپ سے بہت سی حدیثیں سنی ہیں، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد والی احادیث پہلی یاد کی ہوئی احادیث کو بھلا دیں (یعنی میں انہیں بھلا نہ دوں) لہذا مجھے کوئی جامع سی بات بتا دیجئے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جن چیزوں سے متعلق تمہیں علم ہے، ان میں اللہ جل جلالہ سے ڈرو (یعنی نیکی کے کام کرو اور نافرمانی سے پرہیز کرو)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: غُضِّلَتَانِ، لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُنَافِقٍ حَسَنٍ مُتَّعٍ وَلَا لَفِظَةٍ فِي الدِّينِ. حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو خصلتیں ایسی ہیں جو منافق میں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں، حسن اخلاق اور دین کی سمجھ۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ النَّبَاهِلِيِّ قَالَ: ذَكَرَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ رَجُلَانِ، أَحَدُهُمَا: عَابِدٌ وَالْآخَرُ: عَالِمٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فَضَّلْتُ الْعَالِمَ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضَّلْتُ عَلِيَّ أَدْنَاكُمْ. ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَأَهْلَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَتَّى الثَّمَلَةُ لِي جُجُرْهَا وَحَتَّى الْخُوثُ لِيَصْلُوْنَ عَلَى مَعْلَمِ النَّاسِ الْخَيْرِ.

حضرت ابو امامہ باہلی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو شخصوں کا تذکرہ کیا گیا، ان میں سے ایک عبادت گذار ہے اور دوسرا عالم ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جیسے میری فضیلت ہے تم میں سے ادنیٰ آدمی پر پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور تمام زمین و آسمان والے یہاں تک کہ چوٹی اپنے بل میں اور مچھلیاں (پانی میں) ایسے شخص کیلئے دعاء خیر کرتے ہیں جو لوگوں کو خیر یعنی دین کی باتیں سکھاتا ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَنْ يَشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَيْرٍ، يَسْمَعُهُ حَتَّى يَكُونَ مُنْتَهَاهُ الْجَنَّةُ.

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہرگز مومن علم کی بات سننے سے سیراب نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کی انتہاء جنت پر ہوتی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْكَلِمَةُ الْحَكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حکمت ودانائی والی بات مؤمن کی کھوئی ہوئی چیز ہے لہذا اسے وہ جہاں بھی پائے تو وہی اس کا زیادہ مستحق ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ أجنحة: جناح کی جمع ہے: پر۔ حیثان: حوت کی جمع ہے: مچھلیاں۔ وردة: وارث کی جمع ہے۔ وردثوا: وہ وارث بناتے ہیں۔ أخذ به: اس علم کو حاصل کر لیا۔ حظ وافر: کامل حصہ۔ جماع: جامع قسم کی بات۔ بنسی: (باب افعال سے) بھلا دے۔ حسن سمعت: اچھے اخلاق۔ نملۃ: چوٹی۔ جحر: (جیم پر پیش اور حاء کے سکون کے ساتھ) بل، سوراخ۔ الخیو: بھلائی کی بات یعنی علم دین۔ لن یشتبع: ہرگز سیراب نہیں ہوتا۔ الکلمۃ الحکمة: حکمت ودانائی والی بات، دینی فہم و بصیرت۔ ضالة: متاع گم شدہ، کھوئی ہوئی چیز۔ فهو أحق بها: وہ آدمی اس کا زیادہ حقدار ہے۔

علم کی فضیلت عبادت پر

اس باب کی تمام احادیث میں علم کی عبادت کے مقابلے میں فضیلت اور شرف کو بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ پہلی حدیث میں ہے کہ ایک عالم باعمل شیطان کے مقابلے میں ایک ہزار عبادت گزار کی طاقت رکھتا ہے، وہ اس طرح کہ شیطان جب بھی اپنی خفیہ تدبیروں کے ذریعہ انسان کو گمراہی کے راستے پر ڈالنا چاہتا ہے تو ایک عام آدمی تو اس کی لائن پر چل پڑتا ہے، اس کی چال میں پھنس جاتا ہے، وہ کام کر گزرتا ہے جو شیطان اس سے کرانا چاہتا ہے لیکن فقیہ عالم اس کی چال کو سمجھ جاتا ہے، اس کے گمراہ کن حملے کو پہچان لیتا ہے، وہ لوگوں کو بھی شیطان کا مکرو فریب بتا دیتا ہے، اور ایسے طریقے بھی کہ جن پر عمل پیرا ہو کر آدمی شیطان کے جال میں پھنسنے سے محفوظ رہتا ہے، جبکہ عبادت گزار شخص اس کی خفیہ چالوں اور حملوں کو نہیں پہچانتا، وہ ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ صرف اپنی عبادت میں ہی مشغول رہتا ہے، بسا اوقات عین عبادت کے وقت بھی شیطان اسے گمراہی کے راستے پر ڈال دیتا ہے، اور اسے معلوم بھی نہیں ہوتا کہ شیطان نے کس چور دروازے سے حملہ کیا ہے، ایسے میں یہ عابد نہ تو خود شیطان کی گمراہی سے بچ سکتا ہے اور نہ دوسروں کو اس سے محفوظ رہنے کی تدبیر بتا سکتا ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا کہ عالم باعمل شیطان پر بہت بھاری ہوتا ہے۔

دوسری حدیث میں اس آدمی کی طلب حدیث کا ذوق و شوق اور جذبہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک حدیث کیلئے مدینہ منورہ سے دمشق کا دشوار گزار سفر کیا، اور مقصد صرف اور صرف حضرت ابوالدرداء سے حدیث رسول ﷺ کا سنا تھا، اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہ تھا، وہ کوئی حدیث تھی جس کیلئے انہوں نے سفر و مشق کیا، اور حضرت ابوالدرداء نے جو یہ حدیث سنائی، کیا اسی کے لیے انہوں نے سفر کیا تھا؟ اس میں دو احتمال ہیں:

(۱) ممکن ہے کہ یہی وہ حدیث ہو جس کیلئے انہوں نے سفر کیا۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ حدیث تو حضرت ابوالدرداء نے ان کے ذوق و شوق کو دیکھ کر سنائی کیونکہ یہ طلب علم کی فضیلت پر

مشتمل ہے، اس حدیث کا سنا مقصود نہ تھا، وہ دوسری حدیث تھی جس کے سننے کیلئے انہوں نے سفر کیا، وہ چونکہ اس باب کے مناسب نہیں تھی اس لیے امام ترمذی نے اسے یہاں نقل نہیں کیا۔

یہ حدیث ممکن ہے کہ اس شخص نے پہلے اسے اجمالاً سنا ہو، اب تفصیلی طور پر سننے کیلئے سفر کیا ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ پوری حدیث انہوں نے پہلے سن رکھی ہو لیکن اس میں حضور ﷺ تک کئی واسطے تھے، ان واسطوں کو ختم یا کم کرنے کیلئے حضرت ابو الدرداء کی طرف سفر کیا تاکہ ان سے براہ راست وہ حدیث سن لی جائے۔

وان الملائكة لتضع أجنحتهن رضا الطالب العلم

فرشتوں کے پر بچھانے سے کیا مراد ہے، اس میں متعدد احتمال ہیں:

(۱) پروں کے بچھانے سے مراد یہ ہے کہ طالب علم کے سامنے اس علم کی شرف و فضیلت کی وجہ سے ادب اور احترام کے طور پر وہ فرشتے تواضع اختیار کرتے ہیں۔

(۲) وہ فرشتے اڑنا موقوف کر دیتے ہیں اور ذکر الہی سننے کیلئے طالب علم کے پاس اتر آتے ہیں، اس کو پروں کے بچھانے سے تعبیر کیا ہے۔

(۳) اس سے طلب علم میں مدد و نصرت، طالب علم کا تعاون اور رحمت خداوندی کو اس کی طرف متوجہ کرنا مراد ہے، تاکہ علم کا حصول اس کے لیے آسان ہو جائے۔

(۴) اکثر حضرات کے نزدیک پروں کے بچھانے سے اس کے حقیقی معنی مراد ہیں کہ وہ فرشتے واقعہ اپنے پر طالب علم کے احترام میں اس کے قدموں کے نیچے بچھاتے ہیں، گو کہ ہمیں اس کا مشاہدہ نہیں ہوتا لیکن اللہ کی قدرت سے یہ کوئی بعید نہیں، اس معنی کی تاکید مندرجہ ذیل واقعات سے بھی ہوتی ہے:

☆ امام طبرانی نے ابن ابی ساجی رحمہ اللہ کا واقعہ نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک محدث کے درس میں شرکت کیلئے بھرہ کی گلیوں سے گزر رہے تھے اور ہم سب جلدی جلدی چل رہے تھے، ہمارے ساتھ ایک ایسا آدمی بھی تھا، جو دینی اعتبار سے مشکوک تھا، وہ استہزاء کے انداز میں کہنے لگا کہ ”اپنے پاؤں فرشتوں کے پروں سے اٹھاؤ، انہیں توڑ نہ دینا“ ابھی وہ اسی جگہ پر ہی تھا کہ اس کے پاؤں خشک ہو گئے اور وہ زمین پر گر پڑا۔

☆ حافظ ابن قیم نے احمد بن شعیب رحمہ اللہ سے اسی قسم کا ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ہم بھرہ میں ایک محدث کے پاس تھے کہ انہوں نے یہ حدیث سنائی، اس مجلس میں موجود ایک معتزلی مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگا کہ بخدا میں کل جوتے پہن کر فرشتوں کے پروں کو ضرور روندوں گا، چنانچہ اس نے جب یہ کہا تو اس کے دونوں پاؤں خشک ہو گئے اور ان میں کیڑے پڑ گئے۔

والحیثان فی الماء

زمین کی مخلوق میں مچھلیاں بھی شامل تھیں لیکن انہیں الگ سے ذکر کر کے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ بارش کا برسا،

مچھلیوں کا پانی میں رہنا اور دنیا میں ہر قسم کی سرسبز و شادابی علماء کرام کی برکت سے ہے، چنانچہ ایک دوسری روایت میں ہے: **بہم بمطرون وبہم یزقون** (یعنی ان کی برکت سے بارش برتی ہے اور رزق دیا جاتا ہے)۔

ولفضل العالم علی العابد... عالم کی عابد پر فضیلت اس لیے ہے کہ عالم کا نفع دوسروں تک پہنچتا ہے، اس کی زبان اور قلم سے غرض ہر طریقہ سے اس کے علم کی روشنی دوسروں کو منور کرتی ہے، جبکہ عبادت کا فائدہ صرف عبادت گزار کو ہی ہوتا ہے اسی لیے عالم اور عابد کو چاند ستاروں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح چودھویں کا چاند جب اپنی پوری تابانی کے ساتھ آسمان پر نمودار ہوتا ہے تو دنیا کی ہر مخلوق اس سے روشن ہو جاتی ہے اور اس سے فائدہ اٹھاتی ہے مگر ستارہ خود اپنی جگہ تو روشن ہوتا ہے مگر وہ کسی اور چیز کو روشن نہیں کرتا۔

وان العلماء ورثة الانبياء... ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء کو صرف ضرورت کی حد تک دنیا کی طرف توجہ دینی چاہئے، کیونکہ وہ انبیاء کے وارث ہیں، لہذا اگر کوئی اہل علم دنیا کی طرف زیادہ متوجہ ہو جائے تو اس کا شمار انبیاء کے وارث میں نہیں ہوگا۔

امام غزالی فرماتے ہیں: علم کا بلکہ ایمان کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی اس بات کو سمجھ لے کہ دنیا فانی اور آخرت باقی رہنے والی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا سے اعراض اور آخرت کی طرف توجہ ہوگی۔

اسی قسم کا ایک قصہ حضرت ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ آپ نے بازار سے گذرتے ہوئے لوگوں کو تجارت میں مشغول دیکھا تو لوگوں سے فرمایا: تم یہاں ہو جبکہ میراث نبوت مسجد میں تقسیم ہو رہی ہے، یہ سن کر لوگ مسجد پہنچ گئے لیکن وہاں قرآن کریم، ذکر اللہ اور علمی حلقوں کے علاوہ اور کچھ نہ پایا تو وہ لوگ حضرت ابو ہریرہ سے کہنے لگے کہ کہاں ہے میراث؟ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: قرآن کریم اور علم ہی تو میراث نبوت ہے، جو نبی کریم ﷺ کے وارثین کے درمیان تقسیم ہو رہی ہے، تمہاری یہ دنیا نبی کریم ﷺ کی میراث شمار نہیں ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ اصل میراث دینی تعلیم یعنی قرآن و سنت کا علم ہے۔ (۱)

تقویٰ کا حکم

ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ نئی نئی احادیث سنوں گا تو پہلے والی احادیث کو بھول جاؤں گا، مجھے کوئی جامع قسم کی بات بتا دیجئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم تقویٰ اختیار کر لو، اللہ سے ڈرو، ان تمام امور میں جو تمہیں معلوم ہوں یعنی واجبات پر عمل کرو اور گناہوں سے پرہیز کرو، یہ پورے دین کا خلاصہ ہے۔

(۱) تحفة الاحوذی ۳/۴۵۱، مرقاة المفاتیح ۲۲/۱ کتاب العلم

منافق میں دو خصلتیں جمع نہیں ہو سکتیں

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حسن اخلاق اور دینی فقاہت اور سمجھ یہ دو خصلتیں منافق میں جمع نہیں ہو سکتیں، خواہ اس کا نفاق عقیدے میں ہو کہ عقیدہ ہی درست نہ ہو اور خواہ اس کا نفاق عملی ہو کہ اس کا ایمان تو درست ہے، لیکن اعمال کے لحاظ سے اس میں منافقت ہے، اس ارشاد سے درحقیقت مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرنا مقصود ہے کہ وہ ان دو صفات کے ساتھ آراستہ ہونے کی کوشش کریں تاکہ اللہ کے ہاں ان کا مقام بلند ہو جائے، لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں کے معاشرے سے رفتہ رفتہ یہ دو باتیں بھی نکلتی چلی جا رہی ہیں، اکثریت کے اخلاق نہایت گھٹیا اور انسانیت کے معیار سے کہیں زیادہ نیچے ہوتے ہیں اور غضب یہ ہے کہ انہیں درست کرنے اور اعلیٰ معیار پر لانے کی طرف کوئی توجہ بھی نہیں، ایسے ہی دین کی فہم و بصیرت اور فقاہت بہت ہی کم لوگوں میں باقی رہ گئی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان دو صفات سے آراستہ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

دینی استاذ کی فضیلت

حضرت ابوامامہ کی روایت میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو خیر یعنی علم دین سکھاتا ہے، اس کیلئے آسمان وزمین، خشکی اور تری کی تمام مخلوقات، دعاء رحمت کرتی ہیں کیونکہ وہ لوگوں کو سیدھا راستہ بتاتا ہے، اس کے علم سے دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے جبکہ عبادت کا نفع صرف عابد کی ذات تک ہی محدود ہوتا ہے۔ (۱)

مؤمن کا ذوق علم

مؤمن کو جب علم کی چاشنی لگ جاتی ہے تو وہ ہر وقت علم کی جستجو میں رہتا ہے، وہ جوں جوں علم کی بلندیوں پر پہنچتا رہتا ہے تو اس کی خواہش میں مزید اضافہ ہوتا جاتا ہے، یوں وہ زندگی بھر علم کی تلاش میں مصروف رہتا ہے، اسی میں اس کی موت بھی آ جاتی ہے، بالآخر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں پہنچا دیتے ہیں۔

باب کی آخری حدیث میں ہے کہ حکمت و دانائی اور دینی بات مؤمن کی متاعِ گم شدہ ہے، وہ جس بندے سے بھی اسے سن لیتا ہے تو وہ محفوظ کر لیتا ہے، یہ نہیں دیکھتا کہ وہ شخص کس قسم کا ہے، مجھ سے اعلیٰ ہے یا ادنیٰ، دنیاوی لحاظ سے اس کی کیا حیثیت ہے، اس کی اسے کوئی پروا نہیں ہوتی۔

لہذا اس حدیث سے یہ درس حاصل ہوتا ہے کہ حکمت کی بات جہاں سے بھی ملے، جس سے بھی حاصل ہو، اسے فوراً لے لیا جائے، کیونکہ مؤمن ہی اس کا زیادہ ہقدار ہے، اس سے وہ کہیں زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے۔

بعض حضرات نے اس حدیث یعنی الکلمۃ الحکمة..... کے یہ معنی بھی بیان کئے ہیں کہ لوگ قرآنی آیات اور احادیث کے مفہوم اور مطلب کے سمجھنے میں متفاوت ہوتے ہیں، ایسے میں جو شخص ناقص فہم والا ہو، اس کے سامنے اگر زیادہ فہم و بصیرت والا آدمی کسی آیت یا حدیث کے معنی و مفہوم کو بیان کرے تو اس کا یہ انکار نہ کرے بلکہ اسے حاصل کر لے، اسے سمجھنے کی کوشش کرے، اور آگے دوسرے لوگوں تک اس بات کو پہنچا دے کیونکہ حکمت کی بات مؤمن کی متاع گمشدہ ہے، وہ جہاں سے بھی اسے ملے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ (۱)



ابواب الاستیذان والآداب من رسول الله ﷺ

رسول اللہ ﷺ سے آداب اور اجازت لینے سے متعلق احادیث پر مشتمل ابواب۔

”استیذان“ کے معنی ہیں: اجازت طلب کرنا۔

”آداب“ ادب کی جمع ہے، ادب کے معنی کیا ہیں، اس کی مختلف تعبیریں ہیں:

- ۱۔ ادب کے معنی ہیں: وہ قول و فعل جسے اچھا اور قابل تعریف کہا جائے۔
 - ۲۔ بعض حضرات کے نزدیک ”عمدہ اخلاق“ کو ادب کہتے ہیں یعنی تقیہ، قناعت، صبر، شکر، بردباری، سخاوت، غیرت، دلیری اور مروت جیسے اوصاف سے آراستہ ہونا۔
 - ۳۔ ادب یہ ہے کہ نیکی کی راہ کو اختیار کیا جائے اور برائی سے بچا جائے۔
 - ۴۔ بڑوں کا ادب و احترام اور چھوٹوں پر شفقت کرنے کو ”ادب“ کہا جاتا ہے۔
- ان مذکورہ معنوں میں کوئی تعارض نہیں، بیک وقت یہ سارے ایک شخص میں جمع بھی ہو سکتے ہیں۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي إِفْشَاءِ السَّلَامِ.

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں سلام کو پھیلانے اور عام کرنے کا حکم ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تَتَوَضَّعُوا، وَلَا تَتَوَضَّعُوا حَتَّى تَقَابِلُوا، إِلَّا أَذَلَّكُمْ عَلَى أَمْرٍ إِذَا أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ تَحَابُّنَهُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم لوگ جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ مؤمن نہ ہو جاؤ، اور مؤمن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ تم آپس میں میں محبت کرنے لگو، کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم اسے کرنے لگو تو تم آپس میں محبت کرنے لگو گے، (وہ چیز یہ ہے کہ) تم سلام کو آپس میں پھیلاؤ اور عام کرو۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ افشاء: پھیلا نا، عام کرنا، رواج دینا۔ تحابوا: اصل میں تھا بوا تھا، ایک تا تخفیف کی وجہ سے گرا دی گئی ہے۔ تم آپس میں پیار و محبت کرو۔ ألا أدلکم: کیا میں تم کو نہ بتاؤں، کیا میں تمہاری راہنمائی نہ کروں۔ افشوا: پھیلاؤ، عام کرو، رواج دو۔

سلام کو پھیلانے کا حکم

لفظ ”سلام“ کے معنی ہیں: ہر قسم کے عیب سے پاک صاف ہونا، اور یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام ہے، جس کے معنی ہیں: وہ ذات جو ہر قسم کے نقص و عیب، آفت اور تغیر و فنا سے محفوظ اور سالم ہے، ایک حدیث میں ہے کہ ”لفظ“ سلام، اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا ہے، لہذا تم سلام کو پھیلاؤ اور عام کرو، جب کوئی شخص کسی مجلس کو سلام کرتا ہے تو اسے ان لوگوں پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہو جاتی ہے کہ اس نے ان کو اللہ کا نام یاد دلایا ہے، اگر وہ جواب دے دیں تو بہت اچھا، ورنہ فرشتے اسے سلام کا جواب دیتے ہیں،

امام نووی فرماتے ہیں کہ بالا جماع سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے، اور پھر بعض حضرات کے نزدیک سلام کا جواب اتنی آواز سے ضرور دیا جائے کہ دوسرا اسے سن سکے، لیکن حضرت تھانوی صاحب کی بعض کتابوں میں ہے کہ مطلق سلام کا جواب دینا واجب ہے اور دوسرے کو سنوانا مستحب ہے، ضروری نہیں، امام نووی فرماتے ہیں کہ سلام کا جواب دینا فوراً واجب ہوتا ہے، لہذا اگر خط میں کوئی سلام لکھے یا قاصد کے ذریعہ سلام بھیجے تو فوراً اس کا جواب دینا ضروری ہے، اور بذریعہ تحریر اس سلام کا جواب دینا بھی ضروری ہے لیکن اگر حضرت تھانوی صاحب کے قول کو لیا جائے تو مطلق اس تحریری سلام کا زبانی جواب دینا ضروری ہے، تحریری طور پر اس کا جواب پہنچانا ضروری نہیں ہے، اس قول میں آسانی ہے، (۱)

چند موقعے ایسے ہیں کہ ان میں نہ تو سلام دینا جائز ہے اور نہ ہی اس کا جواب دینا لازم ہے، ان میں سے چند مقام یہ ہیں: جو شخص نماز پڑھ رہا ہو، جمعہ کا خطبہ ہو رہا ہو، کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو، یا اذان یا اقامت کہہ رہا ہے، یا دینی کتاب کا درس دے رہا ہے یا انسانی ضروریات مثلاً استنجاء وغیرہ میں مصروف ہے یا کوئی کھانا کھا رہا ہو.....

دنیا کی ہر مہذب قوم میں یہ رواج ہے کہ جب وہ آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو اپنی محبت کے اظہار کیلئے کوئی نہ کوئی کلمہ ضرور کہتے ہیں، اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بھی اس موقع پر مختلف الفاظ کے استعمال کا رواج چل رہا تھا، کوئی کہتا تھا: حیاء اللہ (اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ رکھے) یا وہ یہ کہتے ہیں: أُنْعَمَ اللَّهُ بِكَ عَيْنًا (اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ تمہارے متعلقین کی آنکھیں ٹھنڈی کرے) یا یہ جملہ بولتے: أُنْعَمَ اللَّهُ ضَبَاحًا (خدا تمہاری صبح اچھی بنائے) وغیرہ، اسلام نے ان تمام الفاظ کی جگہ السلام علیکم کا طریقہ جاری کیا، یہ ایک قسم کی دعا ہے جس کے معنی ہیں: ”تم ہر تکلیف اور رنج و مصیبت سے دور رہو“ (۲)

السلام علیکم کا یہ کلمہ اس قدر شیریں اور میٹھا ہے کہ جب انسان دوسرے مسلمان کو سلام کرتا ہے تو آپس میں پیار و محبت اور انس کا ایک ماحول بن جاتا ہے، اگر انسان کسی اجتماع میں یا سفر کی گاڑی میں یا کسی بھی مناسب جگہ پر سلام نہ کرے تو آپس میں

(۱) تکملة فتح الملهم ۲/۲۴۵، کتاب السلام، باب من حق المسلم

(۲) معارف القرآن ۲/۹۷، سورة النساء

وحشت اور اجنبیت کی فضاء کا سماں رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ تم سلام کو ضرور پھیلاؤ، عام کرو، اسے بھی سلام کرو جسے تم جانتے ہو اور اسے بھی جسے تم نہیں جانتے، کیونکہ اس سے محبت پیدا ہوتی ہے، اور جب تک آپس میں محبت کا ماحول نہ ہو تو مسلمان کا ایمان مکمل نہیں ہوتا، اور جنت میں جانے کیلئے ایمان کا کامل ہونا ضروری ہے۔

باب مَا ذَكَرَ فِي فَضْلِ السَّلَامِ

یہ باب سلام کی فضیلت کے بیان میں ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ خُصَيْنٍ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ. قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: عَشْرُونَ. ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: عَشْرُونَ. ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ثَلَاثُونَ.

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: السلام علیکم تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کیلئے دس نیکیاں ہیں، پھر دوسرا آیا تو اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے لیے بیس نیکیاں ہیں، پھر ایک تیسرا شخص آیا اور اس نے اس طرح سلام کیا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ و بركاتہ، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کے لیے تیس نیکیاں ہیں۔

سلام کرنے کی فضیلت

اگر کوئی شخص ان الفاظ سے سلام کرے: ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ تو اس کے لیے تیس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، یہ الفاظ صحیح احادیث سے ثابت ہیں، بعض روایات میں اس سے زیادہ ”ومغفرۃ“ اور بعض میں ”ورضوانہ“ کے الفاظ بھی آتے ہیں، البتہ یہ احادیث ضعیف ہیں، اور فضائل اعمال میں اگرچہ ضعیف حدیث پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے لیکن چونکہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے یہ تصریح منقول ہے کہ سلام ”وبرکاتہ“ کے لفظ پر ختم ہو جاتا ہے، اس لیے سلام میں لفظ وبرکاتہ پر اضافہ کرنے سے اجتناب کیا جائے، کیونکہ اس سے زیادہ کلمات سے سلام کرنا مسنون نہیں ہے، گو کہ اس کا جواز ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي أَنَّ الْإِسْتِثْنَاءَ ثَلَاثَةٌ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ (گھر میں داخل ہونے کے لیے) اجازت لینا تین مرتبہ ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: اسْتَأْذَنَ أَبُو مُوسَى عَلَى عَمْرِو فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟ قَالَ عَمْرُو: وَاجِدَةٌ. ثُمَّ

سَكَتَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟ قَالَ غَمَزَ: لِنَتَانِ. ثُمَّ سَكَتَ سَاعَةً فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟ فَقَالَ غَمَزَ: ثَلَاثَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ غَمَزَ لِلْبُزَابِ: مَا صَنَعَ؟ قَالَ: رَجَعَ. قَالَ: عَلَيَّ بِهِ. فَلَمَّا جَاءَهُ قَالَ: مَا هَذَا الَّذِي صَنَعْتَ؟ قَالَ: الشُّنَّةُ. قَالَ: الشُّنَّةُ وَاللَّهُ لَتَأْتِيَنِي عَلَى هَذَا بَهْرَهَانٍ أَوْ بَيْتَةٍ أَوْ لَأَفْعَلَنَّ بِكَ. قَالَ: لَأَتَانَا وَنَحْنُ رَفِيقَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ. فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ: أَلَسْنُمُ أَغْلَمَ النَّاسِ بِحَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْإِسْتِثْنَانُ ثَلَاثُ فَإِنْ أُذِنَ لَكَ وَالْأَفْزَاجُ. فَجَعَلَ الْقَوْمُ يُنَازِحُونَهُ، قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: ثُمَّ رَفَعْتُ رَأْسِي إِلَيْهِ، فَقُلْتُ: مَا أَصَابَكَ فِي هَذَا مِنَ الْغَفْزَةِ فَلَانَا شَرِيكَكَ، قَالَ: فَاتْنِي غَمَزَ، فَأَخْبَرَهُ بِذَلِكَ، فَقَالَ غَمَزَ: مَا كُنْتُ غَلِمْتُ بِهِذَا۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ ابوموسیٰ نے عرسے (گھر میں داخل ہونے کی) اجازت طلب کی اور کہا السلام علیکم، کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ابھی تو ایک بار اجازت لی ہے، پھر وہ تھوڑی دیر خاموش رہے اور کہا: السلام علیکم، کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ابھی یہ اجازت دو مرتبہ ہوئی، پھر ابوموسیٰ تھوڑی دیر خاموش رہے اور کہا السلام علیکم کیا میں آ سکتا ہوں؟ یہ تین مرتبہ ہوئی ہے، پھر وہ واپس ہو گئے، تو حضرت عمرؓ نے چوکیدار سے فرمایا کہ: ابوموسیٰ نے کیا کیا؟ اس نے کہا: وہ واپس چلے گئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: انہیں میرے پاس لاؤ، جب ابوموسیٰ ان کے پاس آ گئے تو پوچھا کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ ابوموسیٰ نے فرمایا: میں نے سنت کی پیروی کی ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: کیا تم نے سنت کی اتباع کی ہے؟ اللہ کی قسم تم اس پر ضرور میرے پاس کوئی دلیل اور گواہ لاؤ، ورنہ میں تمہیں ضرور تنبیہ کروں گا، حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ ابوموسیٰ اس بارے میں ہم انصاریوں کی ایک جماعت کے پاس آئے اور فرمایا: اے انصار کی جماعت: کیا تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو سب سے زیادہ جاننے والے نہیں ہو؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اجازت تین مرتبہ مانگی جائے، اگر اجازت مل جائے تو داخل ہو جاؤ ورنہ لوٹ جاؤ، اس پر لوگ ان سے مزاح اور خوش طبعی کرنے لگے (یعنی یہ کہنے لگے کہ بہتر ہے کہ عمر تمہیں خوب تنبیہ دتا دیب کریں)۔

ابوسعید خدری فرماتے ہیں: پھر میں نے اپنا سر ابوموسیٰ کی طرف اٹھایا اور میں نے ان سے کہا: حضرت عمرؓ سے اس معاملے میں جو سزا آپ کو ملے، میں بھی اس میں آپ کا شریک ہوں، راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت ابوسعید خدری حضرت عمرؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو اس امر کی خبر دی (کہ اجازت تین مرتبہ مانگی جائے، اجازت نہ ملے تو لوٹ جاؤ، یعنی ابوموسیٰ کی انہوں نے تصدیق کر دی) تب حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں یہ بات نہیں جانتا تھا۔

عَنْ غَمَزَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: اسْتَأْذَنْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلَا فَاذْنُ لِي۔

حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے تین مرتبہ داخل ہونے کی اجازت مانگی تو آپ نے مجھے اجازت دیدی۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ پر اعتراض اس بات پر کیا تھا کہ تین مرتبہ میں اجازت نہ ملے تو لوٹ جانا چاہئے، چنانچہ انہیں اس کا علم نہیں تھا کہ نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ میں اجازت نہ ملنے پر لوٹ جانے کا حکم دیا ہے۔ مشکل الفاظ کے معنی: الاستیذان: اجازت طلب کرنا۔ واحدة: اصل عبارت ہے: الاستیذانة واحدة ایک بار اجازت طلب کرنا۔ رفقة: رفیق کی جمع ہے: دوست۔ فیماز حوالہ: وہ اس سے خوش طبعی اور مذاق کرنے لگے۔

تین مرتبہ تک اجازت طلب کرنے کا حکم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب انسان کسی کے گھریا آفس میں جائے تو بغیر اجازت کے اندر داخل نہ ہو، اگر متعلقہ آدمی سامنے ہو تو سلام کر کے اس سے اجازت لے، اور اگر وہ سامنے نہ ہو تو تین بار تک اجازت طلب کرے، اگر اجازت مل جائے تو ٹھیک ورنہ اب مزید یہاں نہ ٹھہرے، واپس ہو جائے، اگر دروازے پر کوئی گھنٹی لگی ہو تو اس سے اجازت حاصل کی جائے، تین مرتبہ کے بعد مزید کوئی گھنٹی نہ بجائے، واپس ہو جائے، یہی مسنون طریقہ ہے، اور اگر دروازے پر گھنٹی وغیرہ کا کوئی انتظام نہ ہو تو بلند آواز سے تین مرتبہ تک سلام ڈالے کہ اجازت پوچھے، جواب آجائے تو ٹھیک ورنہ واپس ہو جائے۔

حضرت ابو موسیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں داخل ہونے کیلئے تین مرتبہ اجازت طلب کی، اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو واپس چل پڑے، پھر انہیں بلا کر پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہی مسنون طریقہ ہے کہ تین بار تک کوئی اجازت نہ ملے تو آدمی واپس ہو جائے، حضرت عمر نے فرمایا اس بات پر کوئی دلیل اور گواہ پیش کرو، ورنہ تا دیا تمہیں سزا دی جائے گی،

حضرت ابو موسیٰ نے انصاری صحابہ کے مجمع میں اپنی تائید کے لیے شہادت طلب کی تو وہ مذاق سے ان کی گھراہٹ کو دیکھ کر خوش طبعی کرنے لگے، مقصد ان کی تو بین یا استہزاء نہیں تھا بلکہ وجہ یہ تھی کہ انہیں معلوم تھا کہ اس بارے میں واقعی دلیل موجود ہے، حضرت عمر کی طرف سے انہیں کوئی سزا نہ ہوگی تو پھر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق کے سامنے آکر شہادت دی کہ واقعہ یہ حدیث درست ہے اور یہی مسنون طریقہ ہے کہ تین بار کے بعد بھی اگر اجازت نہ ملے تو انسان کو واپس ہو جانا چاہئے، جب حضرت عمر فاروق نے فرمایا کہ میرے علم میں یہ بات نہیں تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ سے جو گواہ اور دلیل طلب کی، اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کے ہاں خبر واحد مقبول نہیں، کیونکہ جمہور کے نزدیک تو خبر واحد معتبر ہے خاص طور پر اس وقت جب کہ اس کا راوی حضرت ابو موسیٰ جیسا اللہ شخص ہو، جو کبار صحابہ رضی اللہ عنہ میں سے ہیں، ان کا گواہ طلب کرنا محض احتیاط کی وجہ سے تھا تا کہ حدیث روایت کرنے کی اہمیت لوگوں کے سامنے آجائے اور ان لوگوں کو جرأت نہ ہو جو ہر بات پر من گھڑت حدیث پیش کر دیتے ہیں حالانکہ وہ حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہوتی، پھر بھی وہ اس کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کر دیتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ کو اجازت کس وجہ سے نہیں دی تھی، جب کہ وہ اجازت طلب کر رہے

تھے، شارحین حدیث نے اس کی دو وجہیں لکھی ہیں:

۱۔ حضرت عمر فاروق نے اپنے دور خلافت میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو کوفہ کا گورنر بنایا تھا، اور انہیں پتہ چلا تھا کہ ابوموسیٰ کے دروازے پر لوگ اجازت کے لیے کھڑے رہتے ہیں، لیکن وہ اجازت نہیں دیتے تو حضرت عمر نے انہیں ادب سکھانے کے لیے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا، تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ اس طرح کرنے میں کتنی سخت اذیت اور تکلیف پہنچتی ہے، گویا اس سارے عمل سے ان کی اصلاح پیش نظر تھی۔

۲۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق نے بعد میں انہیں بلا کر فرمایا کہ ہم کسی کام میں مشغول تھے، اس وجہ سے آپ کو جواب نہ دے سکے۔ (۱)

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عمر نے حضور ﷺ کے پاس داخل ہونے کیلئے تین بار اجازت طلب کی اور آپ کو اجازت دیدی گئی اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو یہ بات معلوم تھی تو پھر حضرت ابوموسیٰ سے حضرت عمر نے اس بات پر دلیل اور گواہ کیوں طلب کئے؟

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت عمر فاروق کو یہ بات تو معلوم تھی، کہ تین بار تک اجازت طلب کی جائے، لیکن یہ بات معلوم نہیں تھی کہ تین بار اجازت کے بعد بھی اگر اجازت نہ ملے، تو آدمی واپس ہو جائے، اس لیے احتیاطاً انہوں نے اس بات پر دلیل طلب کی، تاکہ تحقیق کے ساتھ یہ بات ثابت ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ بعض باتیں کسی ماہر عالم کو معلوم نہ ہوں، ان سے چھوٹے کو معلوم ہوں، تاہم یہ بات ان کیلئے کوئی باعث عیب نہیں (۲)

باب مَا جَاءَ كَيْفَ رَدِّ السَّلَامِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ سلام کا جواب کس طرح دیا جائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: دَخَلَ رَجُلٌ الْمَسْجِدَ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ جَالِسٌ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: وَعَلَيْكَ، اذْجَعِ، فَصَلِّ، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ. فَلَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطَوِيلِهِ.

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا، اور رسول اللہ ﷺ مسجد کی ایک طرف تشریف فرما تھے، اس شخص نے نماز پڑھی، پھر حاضر خدمت ہو کر آپ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”وعلیک“ (اور تم پر بھی سلام ہو) جاؤ، دوبارہ نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی، پھر راوی نے پوری حدیث کو ذکر کیا۔

(۱) فتح الباری ۱/۳۳۶ کتاب الاستذان باب التسليم والاستذان ثلاثا

(۲) تحفة الاحوذی ۷/۳۸۵، مرقاة المفاتیح ۸/۴۸۸، کتاب الآداب، باب الاستذان

سلام کا جواب دینے کا طریقہ

سلام کا جواب دینے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ یوں کہے: **وعلیکم السلام** ورحمة اللہ وبرکاتہ، اور اگر صرف: **وعلیکم السلام** یا **وعلیک السلام** کہا جائے تو بھی درست ہے، اور اگر مسلمان کے جواب میں واو کے بغیر صرف ”علیک یا علیکم“ کہے تو یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔ اور اگر واو کے ساتھ بولے یعنی ”وعلیک“ یا ”وعلیکم“ تو اس کے بارے میں دو قول ہیں، ایک قول کے مطابق اس طرح جواب دینا بھی درست ہے، جیسا کہ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے صرف ”وعلیک“ سے جواب دیا ہے، اگرچہ اس حدیث کے دوسرے طرق میں ”وعلیکم السلام“ کے الفاظ بھی منقول ہیں۔

اور اگر ایک جماعت کو سلام کیا جائے تو ان میں سے ایک بندے کا جواب دینا بھی کافی ہے، سب کا جواب دینا ضروری نہیں، ہاں بہتر ضرور ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي تَبْلِيغِ السَّلَامِ.

یہ باب کسی کو سلام پہنچانے کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَهَا: إِنَّ جِبْرِيلَ يَقْرِئُكَ السَّلَامَ. قَالَتْ: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ.

حضرت ابوسلمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے انہیں بتایا کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا کہ جبرئیل تمہیں سلام کہتے ہیں، حضرت عائشہ نے جواب دیا: **وعلیہ السلام** ورحمة اللہ وبرکاتہ۔

غائبانہ سلام اور اس کے جواب کا مسنون طریقہ

اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے سلام پہنچائے تو اس کے جواب کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سلام دینے والے اور پہنچانے والے دونوں کو یہ شخص سلام کا جواب دے مثلاً وہ یوں کہے: **وعلیک وعلی فلان السلام** یا **وعلیک وعلیہ السلام**، سلام کے جواب کا یہ افضل طریقہ ہے، چنانچہ نسائی کی روایت میں اس کی تصریح منقول ہے، لیکن اگر یہ شخص غائبانہ سلام پہنچانے والے کو سلام ندے، صرف اس غائب کے سلام کا جواب دے تو یہ بھی جائز ہے، کیونکہ سلام پہنچانے والے کو سلام کے جواب میں شریک کرنا واجب نہیں، جیسا کہ حضرت عائشہ کی اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے، کیونکہ حضرت عائشہ نے جبرئیل امین کے سلام کے جواب میں نبی کریم ﷺ کو سلام نہیں کیا۔ (۲)

(۱) تکملة فتح اللہم ۲۴۵/۲ کتاب السلام، باب من حق المسلم، تحفة الاحوذی ۳۸۹/۷، الکوکب الدرۃ ۳۷۷/۳

(۲) فتح الباری ۴۵/۱۱، کتاب الاستئذان، باب اذا قال: فلان یقرئک السلام

باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ.

یہ باب اس شخص کی فضیلت کے بیان میں ہے جو سلام میں پہل کرتا ہے۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ: قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ: الرَّجُلَانِ يَلْتَقِيَانِ، أَيُّهُمَا يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ فَقَالَ: أَوَّلُهُمَا بِاللَّهِ.

حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں کہ عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول: جب دو آدمیوں کی آپس میں ملاقات ہو تو ان میں سے کون پہلے سلام کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں میں سے جو اللہ کے ہاں زیادہ نزدیک ہوگا، وہ سلام میں پہل کرے گا۔

سلام میں پہل کرنے کی فضیلت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص سلام میں پہل کرتا ہے، اسے اللہ کے ہاں خاص قرب اور نزدیکی حاصل ہوتی ہے، اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایسا شخص تکبر سے بری ہوتا ہے، اس میں عجز و انکساری اور تواضع پیدا ہوتی ہے، اس لیے سلام میں پہل کرنے کی عادت بنانی چاہئے، تاکہ انسان کو یہ فضیلت حاصل ہو جائے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ إِشَارَةِ الْيَدِ بِالسَّلَامِ

یہ باب سلام میں ہاتھ سے اشارہ کرنے کی کراہت کے بیان میں ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا، لَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ وَلَا النَّصَارَى لِأَنَّ تَسْلِيمَ الْيَهُودِ الْإِشَارَةُ بِالْأَصَابِعِ وَتَسْلِيمَ النَّصَارَى الْإِشَارَةُ بِالْأَكْفَبِ.

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم میں سے وہ شخص نہیں جو ہمارے علاوہ کسی اور کی مشابہت اختیار کرے، لہذا یہود و نصاریٰ کی مشابہت اختیار نہ کرو، کیونکہ یہودیوں کا سلام کرنا انگلیوں کے اشارہ سے اور نصاریٰ کا سلام ہتھیلیوں کے اشارہ سے ہوتا ہے۔

اشاروں کے ذریعہ سلام کرنے کا حکم

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ اور غیر مسلموں کے کسی بھی فعل اور طریقہ کو اور خاص طور پر سلام کرنے کے کسی بھی طریقے کو ہرگز اختیار نہ کیا جائے، کیونکہ اس سے ان کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے، لہذا سلام کیلئے انگلیوں یا ہتھیلیوں کے ذریعہ اشارہ کرنا، ہاتھ جوڑ لینا، کمر یا سر کو جھکانا، غرض کوئی بھی ایسی ہیئت اختیار کرنا جس سے ان کے ساتھ مشابہت

لازم آتی ہو، اس سے اجتناب کیا جائے، کیونکہ یہ لوگ سلام میں صرف اشاروں پر ہی اکتفاء کرتے تھے زبان سے سلام کے الفاظ نہیں بولتے تھے، مسلمانوں کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اس انداز سے سلام کی سنت ادا نہیں ہوتی، بلکہ یہود و نصاریٰ وغیرہ کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے آدمی اس وعید کا مستحق ہو جاتا ہے، لیکن اگر کسی مجبوری کی وجہ سے اشارہ کے ساتھ، زبان سے سلام کے الفاظ بھی بولے جائیں، تو یہ جائز ہے، یہ بخوار اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے، جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایک باب کے بعد باب التسلیم علی النساء میں نقل کیا ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ عَلَى الصِّبْيَانِ

یہ باب بچوں کو سلام کرنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ سَيِّارٍ قَالَ: كُنْتُ أُمَشِي مَعَ ثَابِتِ الْبُنَاتِيِّ فَمَرَّ عَلَيَّ صَبْيَانٌ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ ثَابِتٌ: كُنْتُ مَعَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِمْ وَقَالَ أَنَسٌ: كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَمَرَّ عَلَيَّ صَبْيَانٌ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِمْ. حضرت سیار کہتے ہیں کہ میں ثابت بنائی کے ساتھ جا رہا تھا کہ وہ بچوں کے پاس سے گزرے تو انہوں نے بچوں کو سلام کیا اور فرمایا کہ میں حضرت انس کے ساتھ تھا تو وہ بچوں کے پاس سے گزرے تو انہوں نے بچوں کو سلام کیا اور حضرت انس نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا کہ آپ کا گزر بچوں پر ہوا تو آپ ﷺ نے بچوں کو سلام کیا۔

بچوں کو سلام کرنا سنت ہے

نبی کریم ﷺ جب سمجھدار بچوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں سلام کرتے، یہ آپ ﷺ کے نہایت عاجز اور متواضع ہونے کی دلیل ہے، لہذا جب آدمی بچوں کے پاس سے گزرا کرے تو انہیں بھی سلام کیا کرے تاکہ انہیں بھی سلام کی سنت معلوم ہو جائے، اور اسلامی آداب ان کے ذہن میں راسخ ہو جائیں، کیونکہ جو چیز بچپن میں ذہن میں بیٹھ جائے، وہ کبھی ذہن سے نہیں نکلتی، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (۲)

باب مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ عَلَى النِّسَاءِ

یہ باب عورتوں کو سلام کرنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ تَحَدَّثُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ فِي الْمَسْجِدِ يَوْمَ مَا وَغَضِبَهُ مِنَ النِّسَاءِ فَعُوذُ فَاَلْوَى بِبَدَنِهِ

(۱) تحفة الاحوذی ۳۹۳/۷، مرقاة ۴۰/۸، کتاب الاداب، باب السلام

(۲) تحفة الاحوذی ۳۹۳/۷

بِالتَّسْلِيمِ وَأَشَارَ عَبْدُ الْحَمِيدِ بِبَيْدِهِ.

حضرت اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن مسجد سے گذرے اور وہاں عورتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے انہیں سلام کیا، پھر راوی عبد الحمید نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا۔

اجنبی عورت کو سلام کرنے کا مسئلہ

اگر عورتوں کی جماعت ہو اور فتنہ کا خطرہ نہ ہو تو ایسی صورت میں انہیں سلام کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر فتنہ کا اندیشہ ہو یا ایک عورت ہے، تو پھر سلام کرنا جائز نہیں، ہمارا یہ دور چونکہ فتنہ کا زمانہ ہے اس لیے علی الاطلاق عورتوں کو سلام کرنے سے اجتناب کیا جائے، البتہ اگر کوئی عورت اس قدر عمر رسیدہ ہو کہ جہاں فتنہ میں مبتلا ہونے یا کسی بدگمانی کا اندیشہ نہ ہو تو اسے سلام کرنا جائز ہوگا۔ اور نبی کریم ﷺ کیلئے عورتوں کو سلام کرنا جائز تھا، اور یہ آپ کی خصوصیت تھی کیونکہ نبی کریم ﷺ کا کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا کوئی خوف اور خطرہ نہ تھا، چنانچہ اس باب کی مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ کے اسی سلام کا ذکر ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ.

یہ باب گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَا بُنَيَّ إِذَا دَخَلْتَ عَلَى أَهْلِكَ فَسَلِّمْ، يَكُونُ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِكَ.

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے میرے بیٹے! جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو تم سلام کیا کرو، اس سے تم پر بھی برکت ہوگی اور تمہارے گھر والوں پر بھی۔

اپنے اہل خانہ کو بھی سلام کیا جائے

نبی کریم ﷺ نے حضرت انس سے فرمایا کہ جب تم اپنے گھر میں داخل ہوتے ہو تو اپنے گھر والوں کو سلام کیا کرو، اس سے تم پر بھی برکت ہوگی اور تمہارے اہل خانہ پر بھی، اس لیے اس سنت پر اہتمام سے کرنا چاہئے، عموماً لوگ جب گھر داخل ہوتے ہیں تو سلام نہیں کرتے، اور اس طرف ان کی توجہ بھی نہیں ہوتی، یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

باب مَا جَاءَ فِي السَّلَامِ قَبْلَ الْكَلَامِ

یہ باب کلام سے پہلے سلام کرنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: السَّلَامُ قَبْلَ الْكَلَامِ
حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سنت یہ ہے کہ کلام سے پہلے سلام کیا جائے،
وَبِهَذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا تَذْغُوا أَخَذًا إِلَى الطَّعَامِ حَتَّى يُسَلِّمَ.
اور اسی سند سے یہ بھی منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم کسی کو اس وقت تک کھانے کیلئے نہ بلاؤ، جب
تک کہ وہ سلام نہ کرے۔

پہلے سلام پھر کلام

اس حدیث سے یہ سنت ثابت ہوتی ہے کہ جب آپس میں ملیں تو گفتگو سے پہلے سلام کیا جائے، کیونکہ یہ امن و سلامتی کی
دعا ہے، اور اس سے وحشت و نفرت کے بجائے پیار و محبت اور انس کا ماحول قائم ہو جاتا ہے، اس لیے کلام شروع کرنے سے پہلے
سلام کرنا چاہیے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّسْلِيمِ عَلَى أَهْلِ الذِّمَّةِ.

یہ باب اس بیان میں ہے کہ ذمی کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَا تَبْدَعُوا الْيَهُودَ وَالتَّصَارِيحَ بِالسَّلَامِ، وَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي
الطَّرِيقِ فَاصْطَلُّوهُمْ إِلَى أَطْيَقِهِ.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں ابتداء نہ کرو، اور
جب ان میں سے کسی سے راستہ میں ملو تو اسے تنگ راستے کی طرف سے گزرنے پر مجبور کر دو۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِنَّ زَهْرًا مِنَ الْيَهُودِ دَخَلُوا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوا: السَّامُ عَلَيْكَ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ:
عَلَيْكُمْ. فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ: بَلْ عَلَيْكُمْ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَا عَائِشَةُ: إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الزَّفَقَ
فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ. قَالَتْ عَائِشَةُ: أَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا، قَالَ: قَدْ قُلْتُ: عَلَيْكُمْ.

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ کچھ یہودی نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: السام علیک (تم پر موت آئے)

آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: علیکم (تمہیں موت آئے) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا کہ: تم پر سام اور لعنت ہو، حضور ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ اللہ تعالیٰ تمام امور میں نرمی کو ہی پسند فرماتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: کیا آپ نے ان کی بات نہیں سنی، حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے بھی انہیں ”علیکم“ کہہ کر جواب دے دیا تھا (کہ موت تم پر ہی ہو)۔

اہل ذمہ اور کافر کو سلام کرنے کا مسئلہ

اس باب کی پہلی حدیث کی روشنی میں تمام فقہاء فرماتے ہیں کہ مسلمان کیلئے یہ بات جائز نہیں کہ وہ کافر کو سلام کرنے میں پہل کرے، کیونکہ سلام میں پہل کرنا درحقیقت اسلامی تہذیب کا ایک ایسا اعزاز ہے، جس کے مستحق وہی لوگ ہو سکتے ہیں، جو اسلامی تہذیب کے پیروکار اور مسلمان ہیں، یہ اعزاز اللہ کے باغی اور غیر مسلموں کو حاصل نہیں ہو سکتا، تاہم اگر وہ سلام کریں، تو جواب میں صرف ”علیکم یا علیکم“ کہا جائے، پورا جواب ذکر نہ کیا جائے۔

بعض حضرات کے نزدیک کافر کو بھی ابتداء اسلام کر سکتے ہیں اور اس میں اس کی ہدایت کی نیت کر لی جائے، تاہم جمہور کے نزدیک کافر کو سلام دینا درست نہیں، کیونکہ اس حدیث میں اس کی تصریح آگئی ہے، البتہ اگر کسی ذمی کافر کے ساتھ مسلمان کا کوئی کام وابستہ ہو، تو ایسی صورت میں اسے سلام کیا جاسکتا ہے۔

فاضطروه الی اُضیقہ

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم کسی تنگ راستہ سے گزر رہے ہو اور وہاں پر تمہاری کسی کافر سے ملاقات ہو جائے تو اس کے ادب و احترام کی بناء پر خود سائیڈ پہ ہو کر اسے راستہ نہ دو، اس جملہ کا یہ مطلب نہیں کہ کشادہ راستے میں تم اسے ایک طرف چلنے پر مجبور کر دو، تاکہ وہ راستہ اس کیلئے تنگ پڑ جائے، کیونکہ اس سے تو اسے اذیت ہوگی، جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے، اس لیے یہ مطلب مراد لینا درست نہیں۔ (۱)

کچھ یہودی لوگوں نے نبی کریم ﷺ کو یوں سلام کیا: السلام علیک آپ پر موت ہو، آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ”علیکم“ تم پر موت ہو، اس روایت میں ”علیکم“ واو کے بغیر ہے جبکہ بعض نسخوں میں واو کے ساتھ یعنی ”وعلیکم“ آتا ہے، واو کے ساتھ ہو تو اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

۱۔ یہ واو برائے عطف ہو، مطلب یہ ہوگا: ہم اور تم موت کے معاملے میں برابر ہیں، ہم سب نے ہی موت کی گھاٹی سے گزرنا ہے۔

۲۔ یہ واو عطف کیلئے نہ ہو بلکہ استیناف کیلئے ہو یعنی مستقل جملہ ہو، اس صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: وعلیکم

ماستحقون من الذم (اور تم پر وہ مذمت ہو جس کے تم مستحق ہو)۔

اور اگر ”واو“ کے بغیر ہو یعنی ”علیکم“ تو پھر تقدیر عبارت یوں ہوگی نہل علیکم السامہ (بلکہ تم پر موت ہو)۔
اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کے جواب میں ”علیکم“ بغیر واو کے، اور ”علیکم“ واو کے ساتھ دونوں طرح کہا جاسکتا ہے۔

(۱)

حضور ﷺ کو برا بھلا کہنے والے کا حکم

حضور ﷺ کو اگر کوئی شخص۔ العیاذ باللہ۔ برا بھلا کہے، تو اس کا شرعی حکم کیا ہے، اس بارے میں تفصیل ہے:
احناف کے نزدیک اگر کوئی ذمی یا اسلامی ملک میں ویزا لے کر آنے والا کافر، نبی کریم ﷺ کو سب و شتم کرے تو حاکم وقت اس کیلئے جو سزا مناسب سمجھے، تعزیراتی طور پر وہ اس پر نافذ کر دے، اس حرکت کی وجہ سے نہ تو اسے قتل کیا جائیگا، اور نہ ہی اس کا عقد ذمہ اور معاہدہ ختم ہوگا، ان کا استدلال حدیث باب سے ہے کہ آپ ﷺ نے اس یہودی کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔
اور اگر کوئی مسلمان نبی کریم ﷺ کی شان میں سب و شتم اور گستاخی کر دے، تو اس سے وہ مرتد ہو جائیگا، جس کی وجہ سے اسے قتل کر دیا جائے گا، امام بخاری کا میلان بھی اسی طرف ہے۔

شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں جو کوئی بھی سب و شتم کا ارتکاب کرے، خواہ وہ مسلمان ہو یا ذمی، اس کا سر قلم کر دیا جائیگا، اور اس سے اس ذمی کا معاہدہ بھی ختم ہو جائیگا، ان حضرات کا استدلال اس بات سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کعب بن اشرف، ابورافع اور ابن خطل وغیرہ کو قتل کر دیا تھا۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کے بارے میں جمہور یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے تالیف قلب کے طور پر ان یہودیوں کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا، گویا آپ ﷺ نے اس مصلحت کو اختیار فرمایا۔ (۲)

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جس کا نام ”الصارمہ المسلمون علی شاتم الرسول ﷺ“ ہے، اس میں انہوں نے خوب تفصیل کے ساتھ اس پر کلام کیا اور قرآن و سنت سے دلائل پیش کئے، بحث و تحقیق کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ نبی کریم ﷺ نے اس طرح کے گستاخ آدمی کو معاف بھی کیا اور بعض لوگوں کو آپ ﷺ نے قتل بھی کرایا، آپ ﷺ کے دور میں یہ دونوں امر پیش آئے، لیکن آپ ﷺ کے بعد امت میں سے اگر کوئی شخص نبی کریم ﷺ کی شان میں سب و شتم کرے، تو لازمی طور پر اسے قتل کیا جائے گا، خواہ وہ مسلمان ہو یا ذمی ہو۔ (۳)

(۱) تحفة الاحوذی ۳۹۹/۷

(۲) فتح الباری ۳۴۸/۱۲ کتاب استیابة المردین، باب اذا عرض الذمی او غیرہ بسب النبی ﷺ، نکملة فتح الملہم ۲۵۳/۲

(۳) نکملة فتح الملہم ۲۵۲/۲ کتاب السلام، حکم شاتم الرسول ﷺ

باب مَا جَاءَ فِي السَّلَامِ عَلَى مَجْلِسٍ فِيهِ الْمُسْلِمُونَ وَغَيْرُهُمْ

اس باب میں اس مجلس پر سلام کرنے کا ذکر ہے جس میں مسلمان اور کافر ہوں
عَنْ أَسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ بِمَجْلِسٍ، وَفِيهِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْيَهُودِ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ.
حضرت اسامہ بن زید فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ ایک ایسی مجلس کے پاس سے گزرے، جس میں
مسلمان اور یہودی باہم بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے (مسلمانوں کا ارادہ کر کے) اہل مجلس کو سلام کیا۔
مشکل الفاظ کے معنی:۔ اخلاط: خلط کی جمع ہے، ملے جلے لوگ، کس لوگ۔

مسلم و کفار کے اجتماع کو سلام کرنے کا طریقہ

اگر انسان کسی ایسے اجتماع میں جائے یا وہاں سے گزرے، جس میں مسلمان اور کافر ہر قسم کے لوگ ہوں، یا ایسی مجلس
کے پاس سے گزرے، جس میں کچھ اہل سنت ہیں اور کچھ بدعتی ہیں، کچھ عادل ہیں اور کچھ ظالم تو ایسی صورت میں سلام کرنے کا
طریقہ یہ ہے کہ جب انسان سلام کرے تو اس میں صرف مسلمان کو سلام کرنے کا قصد کرے اور اسے جو اہل سنت میں سے ہو، اور
عادل ہو، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مذکورہ حدیث میں سلام کے الفاظ تو عام استعمال فرمائے، لیکن اس سے صرف اہل اسلام کا ارادہ
کیا ہے، اس سے درحقیقت امت کو درس دینا مقصود تھا۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي تَسْلِيمِ الزَّاكِبِ عَلَى الْمَاشِي

یہ باب اس بیان میں ہے کہ سوار شخص، پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: يُسَلِّمُ الزَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي، وَالْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ. وَزَادَ ابْنُ الْمُنْثَنَّى فِي حَدِيثِهِ: وَيُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سوار، پیدل چلنے والے کو، پیدل چلنے والا
بیٹھے ہوئے آدمی کو اور تھوڑے آدمی، زیادہ تعداد کو سلام کریں، اور ابن منثنیٰ نے اپنی حدیث میں یہ الفاظ زیادہ بیان
کئے ہیں: ”اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔“

عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ يُسَلِّمُ الْقَارِئُ عَلَى الْمَاشِي وَالْمَاشِي عَلَى الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ عَلَى

(۱) تحفة الاحوذی ۷/۴۰۰، عارضة الاحوذی شرح سنن الترمذی للامام أبی بکر ابن العربی المالکی ۱۰/۱۷۳، ابواب
الاستیذان، باب ما جاء في السلام قبل الكلام

الکثیر۔

حضرت فضالہ بن عبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: گھڑسوار پیدل چلنے والے کو اور پیدل چلنے والا گھڑے ہوئے کو اور تھوڑے آدمی، زیادہ تعداد والے لوگوں کو سلام کریں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: يُسَلِّمُ الضَّعِيفُ عَلَى الْكَبِيرِ وَالْمَازُ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: چھوٹا بڑے کو، چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے زیادہ لوگوں کو سلام کیا کریں۔

کون کس کو سلام کرے

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے چار قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جنہیں پہلے سلام کرنا چاہئے:

۱۔ جو شخص کسی جانور یا گاڑی وغیرہ پر سوار ہو تو اسے پیادہ آدمی کو سلام کرنا چاہئے، تاکہ اس کے دل میں بڑائی اور تکبر کے بجائے تواضع اور انکساری پیدا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدل چلنے والے آدمی کے مقابلے میں سواری کے ذریعہ ایک گونا برتری اور فضیلت عطا فرمائی ہے، لہذا اسے عاجزی اختیار کرنی چاہئے۔

۲۔ پیدل چلنے والا گھڑے ہوئے آدمی کو سلام کرے، ”قائم“ سے وہ شخص مراد ہے جو ایک ہی جگہ پر برقرار ہو، خواہ وہ بیٹھا ہو، گھڑا ہو یا لیٹا ہو، اور شارحین حدیث نے اس کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں کہ مثلاً پیدل چلنے والے کو گویا اس آدمی کے ساتھ مشابہت حاصل ہے جو گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے، تو جس طرح گھر میں داخل ہونے والا پہلے سلام کرتا ہے اسی طرح پیادہ آدمی کو بھی پہلے سلام کرنا چاہئے اور اس وجہ سے بھی کہ بیٹھے ہوئے آدمی کو عموماً راہ گذر اور سوار سے وحشت سی ہوتی ہے، ایسے میں اسے پہلے سلام کرنے کا کہا گیا ہے، تاکہ بیٹھے ہوئے آدمی کو اس سے انس اور محبت پیدا ہو جائے۔

۳۔ جو لوگ کم تعداد میں ہوں اور ایسے لوگوں سے ملیں جو زیادہ تعداد میں ہوں تو انہیں زیادہ لوگوں پر پہلے سلام کرنا چاہئے ایک تو جماعت کی فضیلت کی وجہ سے اور دوسرا اس لیے کہ تھوڑے لوگوں کیلئے سلام کرنے میں آسانی ہے بنسبت کثیر لوگوں کے سلام کرنے کے۔

فقہ ابو الیث فرماتے ہیں کہ اگر ایک جماعت کچھ لوگوں کے پاس جائے تو انہیں چاہئے کہ سلام کریں، اگر کوئی بھی سلام نہ کرے تو سب گنہگار ہونگے، اور جماعت میں سے ایک آدمی نے بھی اگر سلام کر دیا تو یہ سب کی طرف کافی ہو جائے گا، اور اگر ان لوگوں میں سے کسی نے بھی جواب نہ دیا تو سب گنہگار ہونگے، ایک نے بھی جواب دے دیا تو یہ سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔

علامہ ماوردی نے ذکر کیا ہے کہ جو شخص اپنی کسی ضرورت کیلئے بازار جائے تو وہ ہر شخص کو سلام نہ کرے، صرف بعض کو سلام کرے، کیونکہ ہر شخص کو سلام کرنے کی وجہ سے اس کے کام میں حرج پیدا ہوتا ہے، ہاں اگر کوئی شخص کسی مین مقام یعنی شارع عام

اور بازار کی طرف صرف اسی غرض کیلئے جاتا ہے، تاکہ میں لوگوں کو زیادہ سے زیادہ سلام کروں، تو ایسا کرنا بغیر کسی کراہت کے درست ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر بسا اوقات اسی مقصد کیلئے بازار جایا کرتے تھے۔

۴۔ اور چھوٹے کو چاہئے کہ اپنے سے بڑے آدمی کو سلام کیا کرے، اس کے ادب و احترام اور تعظیم کی خاطر، کیونکہ حدیث میں بڑوں کی تعظیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مذکورہ حکم اس وقت ہے جب دو شخص آپس میں راستے میں ملاقات کریں، مثلاً ایک شخص اوپر سے آ رہا ہے اور دوسرا اوپر جا رہا ہے، اب جب وہ دونوں آپس میں ملاقات کریں تو اس شخص کو پہلے سلام کرنا چاہئے جو چھوٹا ہو، یا پیادہ ہو، لیکن اگر کوئی شخص یا چند افراد کسی اجتماع یا کسی کے ہاں جائیں تو پھر حکم یہ ہے کہ اس آنے والے کو پہلے سلام کرنا چاہئے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اور خواہ کم تعداد والے لوگ ہوں یا زیادہ تعداد والے ہوں (۱)

باب مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ عِنْدَ الْقِيَامِ وَعِنْدَ الْقُعُودِ

یہ باب مجلس میں بیٹھتے اور اٹھتے وقت سلام کرنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِذَا انْتَهَى أَحَدُكُمْ إِلَى مَجْلِسٍ، فَلْيَسْلِمْ، فَإِنْ بَدَأَ لَهُ أَنْ يَجْلِسَ فَلْيَجْلِسْ، ثُمَّ إِذَا قَامَ، فَلْيَسْلِمْ، فَلْيَسْبِ الْأُولَى بِأَحَقِّ مِنَ الْآخِرَةِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی کسی مجلس میں پہنچے تو اسے چاہئے کہ وہ انہیں سلام کرے پھر اگر وہ بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جائے پھر جب کھڑا ہو تو (رخصت ہوتے وقت پھر) سلام کرے، کیونکہ (آنے کے وقت) پہلا سلام کرنا (واپس چلتے وقت) دوسرا سلام کرنے سے زیادہ بہتر نہیں ہے (یعنی دونوں موقعوں پر سلام کرنا چاہئے)

مشکل الفاظ کے معنی: بدالہ: اس کیلئے ظاہر ہو جائے یعنی اس کا جی چاہے۔ بأحق: زیادہ بہتر، زیادہ مناسب۔

رخصت ہوتے وقت بھی سلام کرنے کا حکم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح ملاقات کے وقت سلام کرنا سنت اور اس کا جواب دینا ضروری ہے، اسی طرح مجلس سے رخصت ہوتے وقت بھی سلام کرنا مسنون اور رائج قول کے مطابق اس کا جواب دینا ضروری ہے، کیونکہ ملاقات کے وقت کا سلام دوسرے سلام سے زیادہ بہتر نہیں ہے یعنی دونوں موقعوں پر سلام کرنا سنت اور جواب دینا ضروری ہے البتہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ رخصت ہونے کے وقت جو سلام کیا جائے، یہ چونکہ محض ایک دعا ہے، اس لیے اس کا جواب دینا ضروری

نہیں ہے، صرف مستحب ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي الْإِسْتِئْذَانِ قِبَالَ الْبَيْتِ

یہ باب گھر کے سامنے کھڑے ہو کر اجازت مانگنے کے (حکم کے) بارے میں ہیں۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ كَشَفَ مِثْرًا، فَأَدْخَلَ بَصْرَهُ فِي الْبَيْتِ قَبْلَ أَنْ يُؤْذَنَ لَهُ، فَرَأَى عَوْرَةَ أَهْلِهِ، فَقَدْ أَتَى حَدًّا، لَا يَجُزُّ لَهُ أَنْ يَأْتِيَهُ، لَوْ أَنَّ هَيْئَةً أَذْخَلَ بَصْرَهُ، اسْتَقْبَلَهُ رَجُلٌ فَقَفَا عَيْنِيهِ مَا عَيَّرَ عَلَيْهِ وَإِنْ مَرَّ رَجُلٌ عَلَى بَابٍ، لَا يَسْغُرُ لَهُ غَيْرُ مُغْلَقٍ، فَتَنَظَّرَ فَلَا تَخْطِئْهُ عَلَيْهِ، إِنَّمَا التَّخْطِئَةُ عَلَى أَهْلِ الْبَيْتِ.

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی کا پردہ ہٹایا اور اپنی نظر اس کے گھر میں داخل کی (یعنی اس میں جھانکا) قبل اس کے کہ اسے اجازت دی جائے، اور اس نے اس گھر والوں کی کسی پوشیدہ چیز کو دیکھ لیا، تو اس نے ایسا کام کیا جو حد یعنی تعزیر کو واجب کرتا ہے، جس کا کرنا اس کیلئے حلال نہیں تھا، پھر جب اس نے اپنی نظر گھر میں داخل کی اور اس کے سامنے ایک شخص آیا جس نے اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ ڈالیں تو میں اس پر کوئی عیب نہیں لگاؤں گا (بعض نسخوں میں ما عیئر علیہ ہے: میں اس کے فعل کو تبدیل نہیں کروں گا) اور اگر کوئی شخص ایسے دروازے کے سامنے سے گذرا، جس پر نہ تو کوئی پردہ تھا اور نہ ہی وہ بند تھا، ایسے میں اس نے (گھر کے اندر) دیکھا تو اس میں اس کی کوئی غلطی نہیں بلکہ غلطی گھر والوں کی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ قبالة: (قاف پر پیش کے ساتھ) سامنے والا حصہ، بالمقابل۔ کشف: ہٹایا، زائل کیا۔ مِثْرًا: (سین کے نیچے زیر) پردہ۔ عورۃ اہلہ: اہل خانہ کی ایسی چیز جو پوشیدہ رکھی جاتی ہو، جسے لوگوں کے سامنے لانے سے شرم محسوس ہو۔ فقفا عینہ: اس کی دونوں آنکھوں کو پھوڑ دیا۔ ما عیئر: (صیغہ واحد متکلم) یہ عار سے ہے: میں اس پر کوئی عیب نہیں لگاؤں گا، کوئی شرم نہیں دلاؤں گا یعنی اسے کوئی سزا نہیں دوں گا، بعض نسخوں میں ما عیئر علیہ ہے: میں اس کے فعل کو تبدیل نہیں کروں گا۔ غیر مغلق: جو بند نہ ہو یعنی کھلا ہوا ہو۔ اتی حدًا: اس نے ایسا کام کر لیا جو تعزیر کے قابل ہے یعنی اس پر اسے سزا دی جانی چاہئے۔

اجازت کیلئے گیٹ کے ایک طرف کھڑے ہونا چاہئے

معاشرت سے متعلق اس حدیث میں ایک امر کا ذکر ہے کہ جب انسان کسی کے دروازے پر جائے تو گھٹنی بجانے یا دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد بالکل سامنے کھڑا نہ ہو، کیونکہ اس طرح کھڑے ہونے سے کسی شکاف کے ذریعہ نظر گھر کے اندر جاسکتی ہے یا جب دروازہ کھلے تو اس وقت گھر کے اندر نظر پڑ سکتی ہے، جبکہ اجازت سے پہلے تو اس کیلئے گھر کی طرف دیکھنا درست نہیں

ہے، اس پر حدیث میں وعید ہے کہ اگر اس کی وجہ سے کوئی شخص اس کی آنکھیں پھوڑ ڈالے تو اس پر کوئی عیب اور حرج نہیں گویا اس نے اچھا کیا ہے، البتہ اگر دروازہ پہلے سے کھلا ہو، کوئی پردہ بھی نہ ہو، ایسے میں اس کی نظر اجازت سے پہلے ہی گھر کے اندر پڑ گئی تو ایسی صورت میں دیکھنے والے پر کوئی گناہ نہیں، بلکہ یہ غلطی اہل خانہ کی ہے کہ انہوں نے اپنے لیے پردے کا صحیح طریقے سے بندوبست نہیں کیا۔ (۱)

باب مَنْ أَطْلَعَ فِي دَارِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ

یہ باب اس شخص کے حکم کے بارے میں ہے جو کسی کے گھر میں ان کی اجازت کے بغیر جھانکے۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ فِي بَيْتِهِ، فَأُطْلِعَ عَلَيْهِ زَجَلٌ، فَأَهْوَى إِلَيْهِ بِمَشْقَصٍ، فَتَأَخَّرَ الزَّجَلُ.

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں تھے کہ ایک شخص نے آپ کے گھر میں جھانکا، تو آپ ﷺ نے نیزے کا لمبا پھل اس کی طرف بڑھایا لیکن وہ شخص پیچھے ہٹ گیا۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ زَجَلًا أَطْلَعَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ جُحْرِ فِي خِجْرَةِ النَّبِيِّ ﷺ، وَمَعَ النَّبِيِّ ﷺ مِذْرَاقٌ يَحْكُ بِهَا رَأْسَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَوْ عَلِمْتُ أَنَّكَ تَنْظُرُ لَطَعْتُ بِهَا فِي عَيْنِكَ؛ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِسْتِظْدَانُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ.

حضرت سہل بن سعد ساعدی فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے حجرہ مبارک کے (دروازے کے) سوراخ سے جھانکا اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں کنگھی تھی، جس سے آپ ﷺ اپنے سر کو کھجار رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو جھانک رہا ہے تو میں اسے تیری آنکھ میں چھو دیتا، بیشک (ہماری شریعت میں) اجازت مانگنے کا حکم آنکھ کی وجہ سے مقرر کیا گیا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اطلع علیہ: وہ آپ کے گھر میں جھانکا۔ اھوی الیہ: آپ ﷺ نے اس کی طرف بڑھایا۔ مشقص: (میم کے نیچے زیر اور شین کے سکون کے ساتھ) نیزے کا لمبا پھل یعنی اگلا نوکدار لوہا۔ جحر: (جیم پر پیش اور حا کے سکون کے ساتھ) سوراخ۔ مذرآة: کنگھی، کنگھا خواہ وہ لکڑی کا ہو یا لوہے وغیرہ کا، بالوں کا برش، سینک جس سے سر کھجایا جائے، بعضوں نے کہا ہے کہ یہ ایک لکڑی ہوتی ہے جو بالوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنے کے لئے عورتیں سر میں لگاتی ہیں، جبکہ بعض حضرات کے نزدیک: مذرآة ایک لکڑی ہے جس میں کنگھی کی طرح دانٹے ہوتے ہیں۔ يحك رأسه: اپنے سر مبارک کھجار رہے تھے۔ لطعت بها: میں اسے چھو دیتا۔ من أجل البصر: آنکھ کے سبب۔

کسی کے گھر میں جھانکنا جائز نہیں

نبی کریم ﷺ نے بڑی سختی کے ساتھ اس بات سے منع فرمایا ہے کہ انسان کسی کے گھر میں جھانکے، آپ ﷺ ایسے آدمی کو نیزے کا پھل مارنے لگے تھے اور آنکھوں میں سرکھانے والی لکڑی، نکلیں چھوٹنے لگے تھے اور فرمایا کہ اجازت مانگنے کا حکم آنکھ کی وجہ سے ہوا ہے تاکہ آنکھ کسی حرام جگہ پر نہ پڑے۔ لہذا جب تک اجازت نہ مل جائے اس وقت تک اس گھر کی طرف اس کے دروازے وغیرہ کے شکاف یا سوراخ سے اندر کی طرف دیکھنا جائز نہیں۔

اس سے یہ حکم بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان اپنے کسی محرم رشتہ دار مثلاً بہن، ماں، خالہ اور پھوپھی وغیرہ کے ہاں جائے، تب بھی اجازت کے بغیر اندر جانا درست نہیں، ممکن ہے کہ وہ ایسی حالت میں ہوں کہ جس میں انسان کیلئے انہیں دیکھنا جائز نہیں ہوتا، اس لیے پہلے انہیں اپنے آنے کی اطلاع دی جائے تاکہ وہ ذہنی طور پر پہلے سے تیار ہوں۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ قَبْلَ الْإِسْتِثْنَاءِ

یہ باب اجازت سے پہلے سلام کرنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ كَلْدَةَ بِنِ حَنْبَلٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ صَفْوَانَ بْنَ أُمَيَّةَ بَعَثَ بَلْتَنَ وَلِيًّا وَضَعَا يَدَيْهِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَالنَّبِيُّ ﷺ بِأَعْلَى الْوَادِي، قَالَ: لَقَدْ خَلَعْتُ عَلَيْهِمْ وَلَمْ أُسَلِّمْ، وَلَمْ أَسْتَأْذِنْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اَرْجِعْ لَقُلْ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟ وَذَلِكَ بَعْدَ مَا أَسْلَمَ صَفْوَانٌ۔

قَالَ عَمْرُو: أَخْبَرَنِي بِهَذَا الْحَدِيثِ أُمَيَّةُ بْنُ صَفْوَانَ وَلَمْ يَقُلْ: سَمِعْتُهُ مِنْ كَلْدَةَ۔

حضرت کلدہ بن حنبل نے عمرو بن عبد اللہ کو بتایا کہ صفوان بن امیہ نے انہیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں دودھ، پیوی اور چھوٹے کھیرے دے کر بھیجا، آپ (ان دنوں مکہ مکرمہ کی) اعلیٰ وادی میں تھے، راوی کہتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے پاس سیدھا ہی داخل ہو گیا، اور میں نے نہ تو پہلے اجازت لی اور نہ ہی میں نے سلام کیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: واپس چلے جاؤ اور کہو السلام علیکم کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ اور یہ واقعہ صفوان کے اسلام لانے کے بعد کا ہے۔

عمرو بن ابی سفیان راوی کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث امیہ بن صفوان نے بتائی ہے، اور امیہ نے یہ نہیں کہا کہ میں نے یہ روایت کلدہ سے سنی ہے۔

عَنْ جَاهِلٍ، قَالَ: اسْتَأْذَنْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِي ذِينِ، كَانَ عَلَى أَبِي، فَقَالَ: مَنْ هَذَا، فَقُلْتُ: أَنَا. فَقَالَ: أَنَا، أَنَا، كَأَنَّهُ كَرِهَ ذَلِكَ۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے پاس آنے کیلئے اجازت مانگی اس قرض کے بارے میں گفتگو کرنے کیلئے جو میرے باپ پر تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: (دروازے پر) کون ہے؟ میں نے کہا: میں ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں میں، گویا آپ ﷺ نے اس جواب کو پسند نہیں فرمایا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لہذا: یہ لفظ ”عَنْب“ کی طرف ہے: ولادت کے بعد کا پہلا درود، جسے ہندی زبان میں پیوی کہا جاتا ہے۔ ضغابیس: ضغوس کی جمع ہے: چھوٹے کھیرے۔ اعلیٰ الوادی: مکہ مکرمہ کے ایک محلہ کا نام تھا۔

اجازت سے پہلے سلام کرنے کا حکم

مذکورہ احادیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ اجازت سے پہلے اگر ہو سکے تو سلام کیا جائے اور پھر اجازت طلب کی جائے جیسا کہ حضرت کلدہ کو آپ ﷺ نے فرمایا، لیکن اگر متعلقہ شخص سامنے نہ ہو جس سے اجازت لینی ہے تو پھر پہلے گھنٹی بجا کر یا دروازہ کھٹکٹا کر اجازت حاصل کی جائے، اور جب بندہ سامنے آئے تو اسے سلام کیا جائے۔

۲۔ اجازت طلب کرتے وقت اپنا پورا نام بتایا جائے جو اس کا لوگوں کے ہاں مشہور ہو، ایسا لفظ بولنا درست نہیں جو مجہول ہو اور واضح نہ ہو، کیونکہ اس سے اس بندے کو تکلیف ہوتی ہے جس سے اجازت طلب کی جا رہی ہے، چنانچہ حضرت جابر نے جب جواب میں عرض کیا: ”میں ہوں“ تو آپ ﷺ نے اس جواب کو پسند نہیں فرمایا، کیونکہ اس طرح کے الفاظ سے انسان کی شخصیت دوسرے کے سامنے واضح نہیں ہوتی۔

اس روایت میں اس چیز کا کوئی تذکرہ نہیں کہ حضرت جابر نے حضور ﷺ سے اجازت کس طرح لی تھی، لیکن بخاری کی روایت میں حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے دروازہ کھٹکٹایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول یہ تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے نہایت ادب و احترام کی وجہ سے اجازت کیلئے اپنے ناخنوں سے دروازہ کھٹکٹایا کرتے تھے، آپ ﷺ اس آواز کو سن کر سمجھ جاتے تھے کہ دروازے پر کوئی آیا ہے، یہ تب ہے کہ جب اس طرح کھٹکٹانے سے متعلقہ شخص تک آواز پہنچ جاتی ہو، اگر آواز نہ پہنچے تو اس سے زیادہ بھی کسی چیز سے کھٹکٹایا جاسکتا ہے۔ (۱)

”فی دین مکان علی ابی“ اس قرض کے بارے میں گفتگو کرنی تھی جو میرے والد پر تھا، میرے والد عبد اللہ انصاری غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے، قرض خواہوں نے جب مجھے زیادہ تنگ کیا تو میں حضور ﷺ سے مدد حاصل کرنے کیلئے خدمت میں حاضر ہوا، تاکہ اس قرض کی ادائیگی کے بارے میں کوئی بندوبست کیا جاسکے، میرے پاس تھوڑی سی کھجوروں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا، نبی کریم ﷺ نے حضرت جابر سے فرمایا کہ تم کھجوروں کے مختلف ڈھیر لگا دو، پھر آپ ﷺ خود تشریف لائے، بڑے ڈھیر کے آس

پاس تین چکر لگائے اور فرمایا کہ اپنے قرض خواہوں کو بلاؤ، وہ آتے گئے اور آپ ﷺ ان تمام لوگوں کو اپنے ہاتھ سے بڑے ڈھیر سے کھجوریں دیتے رہے، یہاں تک کہ تمام قرضخواہ ختم ہو گئے اور اس ڈھیر کی کھجوریں جوں کی توں باقی رہیں، ان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، یہ نبی کریم ﷺ کے معجزے کی برکت تھی کہ ان کھجوروں سے نہ صرف یہ کہ قرض ادا ہو گیا، بلکہ تمام کھجوریں اسی طرح بچ گئیں جیسے وہ پہلے تھیں، حضرت جابر فرماتے ہیں کہ پھر میں وہ تمام کھجوریں اپنی بہنوں کے لیے لے آیا۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ طُرُقِ الرَّجُلِ أَهْلَهُ لَيْلًا

یہ باب اس بیان میں ہے کہ انسان کے لئے رات کے وقت سفر سے اپنے گھر واپس آنا ناپسندیدہ ہے
عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَاهُمْ أَنْ يَطْرُقُوا النِّسَاءَ لَيْلًا.

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس بات سے منع فرمایا کہ وہ سفر سے واپسی میں رات کے وقت اپنی عورتوں کے پاس داخل ہوں۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَاهُمْ أَنْ يَطْرُقُوا النِّسَاءَ لَيْلًا قَالَ: فَطَرَقَ رَجُلَانِ بَعْدَ نَهْيِ النَّبِيِّ ﷺ فَوَجَدَا كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا.

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس بات سے منع فرمایا کہ وہ سفر سے واپسی میں رات کے وقت اپنی عورتوں کے پاس داخل ہوں، راوی کہتے ہیں کہ آپ کے منع کے بعد دو شخص رات کے وقت اپنے گھر داخل ہو گئے تو دونوں میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی بیوی کے پاس ایک ایک آدمی کو پایا (یہ گویا نبی کریم ﷺ کی نافرمانی کا وبال تھا)۔

سفر سے واپسی میں رات کے وقت گھر آنے کا حکم

مذکورہ احادیث سے دو حکم ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ سفر سے واپسی میں اچانک رات کے وقت گھر نہیں آنا چاہئے، دن کے وقت واپسی کی ترتیب بنائی جائے تاکہ اہل خانہ ہر لحاظ سے تیار ہو سکیں، دو آدمیوں نے اس ممانعت کے بعد رات کے وقت گھر میں واپسی کی تو اس کا وبال یہ ہوا کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی بیوی کے پاس ایک ایک مرد کو مشغول پایا۔

۲۔ ممانعت کا یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب گھر والوں کو واپسی کے وقت کا پتہ نہ ہو، لیکن اگر گھر والوں کو پہلے سے معلوم ہو کہ فلاں وقت واپسی ہے تو پھر رات کے وقت بھی گھر میں آنا بغیر کسی کراہت کے درست ہے، خواہ اس کا سفر لمبا ہو یا مختصر، جیسا کہ

موجودہ دور میں انسان جب سفر سے واپس آتا ہے تو اہل خانہ کو موبائل وغیرہ کے ذریعہ پہلے سے اطلاع ہوتی ہے، ایسے میں رات کے وقت آنا بھی درست ہے۔

طروق: (طا پر پیش کے ساتھ) رات کے وقت آنا۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي تَثْرِيْبِ الْكِتَابِ

یہ باب مکتوب کو خاک آلود کرنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِذَا كَتَبَ أَحَدُكُمْ كِتَابًا فَلْيَتَرَبَّهْ فَإِنَّهُ أَنْجَحٌ لِلْحَاجَةِ.

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم سے کوئی شخص کچھ لکھے تو اسے خاک آلود کر لینا چاہئے، کیونکہ یہ چیز مقصود کے حصول کیلئے بہت کارآمد اور نفع بخش ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ تثریب: خاک آلود کرنا، اس پر مٹی ڈالنا، مٹی چھڑکنا۔ فلیتربہ: اس کے دو تریجے ہیں: (۱) چاہئے کہ وہ اس مکتوب پر مٹی ڈال دے، خاک آلود کر دے۔ (۲) چاہئے کہ اس پر مٹی چھڑک کر جھاڑ دے۔ انجیح للحاجة: ضرورت اور مقصد کے حصول کیلئے بہت کارآمد اور نفع بخش ہے۔

تحریر کو خاک آلود کرنے کے معنی

کاغذ پر لکھنے کے بعد اس پر مٹی ڈالنے کا رواج قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے، اس ”تثریب“ سے کیا مراد ہے؟ اس میں تین قول ہیں:

۱۔ تحریر کے بعد اس کاغذ کو یوں ہی مٹی پر ڈال دیا جائے، اللہ پر اعتماد کر کے کہ وہی اسے اپنی منزل تک پہنچا دیں گے، آج کل کے عرف کے مطابق اس کی مثال لیٹر بکس سے دی جاسکتی ہے کہ اس میں انسان خط ڈال دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے مقام تک پہنچا دیتے ہیں۔

۲۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کاغذ پر مٹی چھڑک کر جھاڑ دو، تاکہ روشنائی خشک ہو جائے، اور حروف مٹ نہ سکیں، تاکہ پڑھنے والا اسے صحیح طریقے سے پڑھ سکے۔

۳۔ بعض کے نزدیک ”تثریب“ سے تواضع و انکساری مراد ہے، کہ خط میں ایسی تحریر لکھی جائے جس میں عجز و انکساری اور تواضع کا انداز ہو، انداز تحریر ہٹ دھرمی اور متکبرانہ نہ ہو، کیونکہ مہذب تحریر کا انسان پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ (۲)

(۱) تحفة الاحوذی ۲۰۹/۷

(۲) تحفة الاحوذی ۲۱۰/۷، مرقاة المفاتیح ۲۷۶/۸

باب

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَبَيْنَ يَدَيْهِ كَاتِبٌ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: ضَعِ الْقَلَمَ عَلَى أَذُنِكَ، لِأَنَّهُ أَذْكُرُ لِلْمَنْطَلِ.

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ کے سامنے ایک کاتب بیٹھا ہوا تھا، میں نے آپ ﷺ کو (کاتب سے) یہ فرماتے ہوئے سنا، قلم کو تم اپنے کان پر رکھ لو، کیونکہ یہ املاء کرانے والے کو زیادہ یاد کراتا ہے۔

کتابت کے وقت قلم کو کان پر رکھنا چاہئے

نبی کریم ﷺ نے لکھنے والے لوگوں کو یہ تنبیہ فرمائی کہ دوران کتابت جب ایک چیز کو لکھ لیں تو قلم کو کان پر رکھنا چاہئے، ہاتھ میں یا زمین پر نہیں رکھنا چاہئے، کان پر رکھنے کا یہ اثر ہوگا کہ ذہن میں وہ مضمون صحیح طریقے سے آئے گا جسے تحریر میں لانا چاہتے ہیں، اور املاء کرانا چاہتے ہیں تو زبان پر صحیح الفاظ کی آمد ہوگی، اور یہ اس بات کی گویا علامت ہے کہ وہ اس بارے میں کامل طریقے سے غور و فکر میں مصروف ہے، غفلت اور جلد بازی سے اس کام کو نہیں گذارنا چاہتا، جبکہ قلم کو ہاتھ میں رکھنا بے فکری، اور زمین پر رکھنا سستی اور غفلت کی علامت سمجھا جاتا ہے، اس لیے قلم کو کان پر رکھنے کا معمول بنانا چاہئے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي تَعْلِيمِ الشُّرَايَةِ

یہ باب سریانی زبان کی تعلیم کے بیان میں ہے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ أَتَعَلَّمَ لَهُ كَلِمَاتٍ مِنْ كِتَابِ يَهُودَ. قَالَ: إِنِّي وَاللَّهِ مَا آمَنْتُ يَهُودَ عَلَى كِتَابٍ، قَالَ: لَمَّا مَزَيْ نِصْفَ شَهْرٍ حَتَّى تَعَلَّمْتَهُ لَهُ، قَالَ: فَلَمَّا تَعَلَّمْتَهُ كَانَ إِذَا كَتَبَ إِلَى يَهُودَ كَتَبْتُ إِلَيْهِمْ، وَإِذَا كَتَبُوا إِلَيْهِمْ قَرَأْتُ لَهُ كِتَابَهُمْ.

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں یہود کی کتاب سے چند کلمات آپ کے لیے سیکھ لوں، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم مجھے یہودیوں کی اس تحریر پر بالکل اطمینان نہیں ہوتا، جو وہ میرے لیے کرتے ہیں (ممکن ہے کہ وہ اس میں کچھ اپنی طرف سے اضافے اور تبدیلی کر دیں یا کی کر دیں) زید بن ثابت کہتے ہیں کہ ادھامینہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ میں نے آپ ﷺ کیلئے (یہودیوں کی زبان اور ان سے خط

و کتابت کرنا) سیکھ لیا، راوی کہتے ہیں کہ جب میں نے اسے سیکھ لیا تو آپ ﷺ جب یہود کی طرف کوئی تحریر بھیجنا چاہتے تو میں ہی اس کو ان کی طرف لکھتا، اور جب یہودی آپ ﷺ کی طرف کوئی تحریر بھیجتے تو میں ان کی تحریر کو آپ ﷺ کے سامنے پڑھتا۔

ضرورت کے وقت غیر مسلم قوموں کی زبان سیکھنے کا حکم

”سریانی“ اور ”عبرانی“ دو پرانی زبانیں ہیں، چنانچہ انجیل سریانی زبان میں اور تورات عبرانی زبان میں نازل ہوئی تھی، سریانی عربی زبان کے مشابہ تھی، اور اس وقت یہ زبان یہودیوں کے ہاں زیادہ مشہور اور متعارف تھی۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت زید بن ثابت کو یہودیوں کی سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا، کیونکہ ابتداء ہجرت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس زبان سے بالکل آشنا نہ تھے، نبی کریم ﷺ کو جب یہودیوں کی طرف کوئی خط لکھنا ہوتا یا ان کی طرف سے نبی کریم ﷺ کی طرف کوئی خط آتا، تو آپ ﷺ مجبوراً یہ خدمات کسی یہودی سے لیتے، لیکن آپ ﷺ کو ان کی تحریر پر یا خط پڑھ کر سنانے پر اطمینان نہیں تھا، ممکن ہے کہ وہ یہودی اپنی طرف سے تحریر میں کچھ اضافہ کر دیں، تبدیلی یا کمی کر دیں، اور خط سنانے میں بھی خیانت کر لیں، اس لیے نبی کریم ﷺ نے اپنے ایک مخلص صحابی کو یہ زبان سیکھنے کا حکم دیا تاکہ یہ خدمات پھر وہ انجام دیں، چنانچہ پندرہ دنوں میں انہوں نے یہ زبان سیکھ لی، اس کے بعد خط لکھنے یا پڑھنے کی خدمات حضرت زید بن ثابت ہی سرانجام دیتے۔ (۱)

مذکورہ تفصیل سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ شرعی ضرورت کے تحت دنیا کی کوئی بھی زبان عربی، انگلش، ترکی، چینی، جرمنی اور فرانسیسی وغیرہ سیکھی جاسکتی ہے اگرچہ وہ کفار کی زبان ہو، آپ ﷺ نے اس وقت کے تقاضے کے مطابق صحابی کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا جو کہ اس وقت وہ یہودیوں کی زبان تھی، لہذا موجودہ دور میں اہل علم کو خاص طور پر انگریزی زبان سیکھنے کا اہتمام کرنا چاہئے تاکہ اس کے ذریعہ دین اسلام کی صحیح طریقے سے نشر و اشاعت کی جاسکے اور اس زبان میں جو اسلام اور اہل اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ چل رہا ہے، مؤثر طریقے سے اس کا دفاع کیا جاسکے، یہ ایک شرعی ضرورت ہے جس پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

۲۔ اس واقعے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ عالم الغیب نہیں تھے، اس لیے کہ آپ ﷺ کو یہودیوں کی تحریر پر اعتماد نہیں تھا کہ کہیں وہ اپنی طرف سے کمی بیشی نہ کر دیں، اگر آپ ﷺ اللہ جل جلالہ کی طرح عالم الغیب ہوتے تو پھر اس خطرے اور عدم اطمینان کے کیا معنی؟ آپ ﷺ کو تو پتہ ہوتا، اس لیے یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ عالم الغیب ہیں، کسی بھی طرح درست نہیں۔

”ما امن“ یہ واحد متکلم ہے باب سحر سے: میں مامون اور مطمئن نہیں۔

باب فی مکاتبة المشرکین

یہ باب مشرکین سے خط و کتابت کرنے سے متعلق ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَتَبَ قَبْلَ مَوْثِدِهِ إِلَى كِسْرَى وَإِلَى قَيْصَرٍ وَإِلَى النَّجَاشِيِّ وَإِلَى كُلِّ جَبَّارٍ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللَّهِ، وَأَنَسَ بِالنَّجَاشِيِّ الَّذِي صَلَّى عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے کسری، قیصر، نجاشی اور ہر جابر حاکم کی طرف خطوط لکھوائے، جن میں انہیں اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی، یہ نجاشی وہ نہیں جس پر آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی تھی۔

مشرکین کی طرف خط و کتابت

نبی کریم ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے بہت سے کفار کی طرف خطوط روانہ فرمائے، جن میں انہیں اسلام کی دعوت دی گئی تھی، چنانچہ قیصر و کسری، نجاشی اور ہر اس حاکم کی طرف جو ظالم و جابر تھا، دعوت اسلام کے خطوط بھیجے گئے تاکہ وہ نعمت اسلام سے سرفراز ہو جائیں۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ ”کسری“ ملک فارس کے بادشاہوں کا ”قیصر“ روم کے بادشاہوں کا، ”نجاشی“ ملک حبشہ کے بادشاہوں کا، ”خاقان“ ترکی کے بادشاہوں کا، ”فرعون“ قبطیوں کے بادشاہ کا، ”عزیز“ مصر کے بادشاہ کا اور ”تبع“ ملک حمیر کے بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا۔

”والی کل جبار“ چنانچہ آپ ﷺ نے عبد اللہ بن حذیفہ کو کسری کی طرف، سلطی بن عمرو کو یمامہ کے ہوزہ بن علی کی طرف، علاء بن حضرمی کو ہجر کے منذر بن سادی کی طرف، وحیہ کو قیصر کی طرف، عمرو بن امیہ کو نجاشی کی طرف، سائب کو مسلمہ کی طرف اور حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس کی طرف بھیجا تھا۔ (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار کو اسلام کی طرف کسی بھی طریقہ سے دعوت دی جاسکتی ہے، خواہ خط و کتابت، فون اور انٹرنیٹ سے ہو یا بذریعہ ملاقات ہو۔

نجاشی کا ذکر

ملک حبشہ کے بادشاہ کا لقب ”نجاشی“ ہوا کرتا تھا، نبی کریم ﷺ کی بعثت کے وقت ایک عیسائی عالم بادشاہ تھا، اس کا نام

احمہ بن ابجر یا ابجر تھا، اور عربی نام ”عطیہ“ تھا انہیں جب اسلام کا پتہ چلا تو اپنے طور پر ہی اسلام قبول کر لیا، لیکن نبی کریم ﷺ کی طرف ہجرت کر کے حالات کی وجہ سے نہ آ سکے، اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ بہت محبت کرنے والے تھے، مکہ مکرمہ میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کفار کی طرف سے زندگی گزارنا دشوار ہو گیا تو بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے تھے جہاں اس نجاشی بادشاہ نے ان کی بہت ہی آؤ بھگت اور خدمت کی تھی۔ (۱)

ان کی خدمات سے نبی کریم ﷺ بہت خوش تھے، یہی وجہ ہے کہ جب سن نو ہجری میں نجاشی کی وفات ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلایا، اس موقع پر معجزانہ طور پر ان کی نقش کو آپ کے سامنے کر دیا گیا تھا چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ (۲)

اس حدیث میں تو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”ولیس النجاشی الذی صلی علیہ کہ وہ نجاشی نہیں کہ جس کی حضور ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی۔ لیکن ابی فرماتے ہیں کہ اہل سیر واقدی وغیرہ کا کہنا یہ ہے کہ اس حدیث میں جس نجاشی کی طرف خط لکھنے کا ذکر ہے، یہ وہی نجاشی ہیں جن کی نماز جنازہ آپ ﷺ نے پڑھائی تھی، اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے اس خط کا یوں جواب دیا تھا:

الی محمد رسول اللہ ﷺ، من اصحاب النجاشی: سلام علیک یا رسول اللہ ﷺ ورحمة اللہ وبرکاتہ، فأشهد أنك رسول اللہ صدوقاً، وقد بايعتک۔ (۳)

(میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ، اللہ جل جلالہ کے سچے رسول ہیں اور میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے)

باب مَا جَاءَ كَيْفَ يُكْتَبُ إِلَى أَهْلِ الشِّرْكَ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ مشرکین کو کس طرح خط لکھا جائے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سَفْيَانَ بْنَ حَزْبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ نَفَرًا مِنْ قُرَيْشٍ وَكَانُوا أَجَازًا بِالشَّامِ فَاتَّزَعُوا فَذَكَرَ الْحَدِيثَ قَالَ: ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَرَأَ لِأُولَئِكَ فِيهِ: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى هِرَقْلَ، عَظِيمِ الثَّرْوَمِ، السَّلَامُ عَلَيَّ مِنَ اتَّبَعِ الْهُدَى أَمَا بَعْدُ.

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ابوسفیان بن حرب نے انہیں بتایا کہ ہرقل نے ان کی طرف قریش کے قافلے

(۱) الاصابة ۱/۳۴۷ باب الألف بعد ما الصاد

(۲) مرقاة المفاتیح ۵۷۳ کتاب الصلاة، باب ما لا يجوز من العمل...

(۳) تكملة فتح الملهم ۱۵۰/۳ کتاب الجهاد، باب كتب النبی ﷺ الى ملوک الکفار

کے ساتھ (حاضر ہونے کا) پیغام بھیجا، جبکہ وہ کاروبار کے لیے شام گئے ہوئے تھے، چنانچہ یہ تمام قریشی اس کے پاس حاضر ہو گئے، اور پھر ابوسفیان نے حدیث ذکر کی، پھر ہر قل نے حضور ﷺ کا خط منگوا یا، اس کے سامنے وہ خط پڑھا گیا، اس میں لکھا تھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ تحریر اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے ہر قل کی طرف بھیجی گئی ہے، جو روم کا بڑا حاکم ہے، سلام ہو اس پر، جو ہدایت کے راستے کی اتباع کرے، اما بعد۔

اہل شرک وغیرہ کی طرف خط لکھنے کے آداب

سن چہ جبری میں جب مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ بندی کا ایک مدت تک کیلئے معاہدہ ہو گیا تو پھر نبی کریم ﷺ نے اپنی دعوت کو وسعت دینے کیلئے مختلف بادشاہوں کو خطوط لکھے، اس وقت دو بڑی طاقتیں شمار ہوتی تھیں ایک روم کی طاقت جس کا بادشاہ قیصر کہلاتا تھا، اس کا اصل نام ”ہر قل“ تھا، دوسری کسری کی طاقت تھی، آپ ﷺ نے ان دونوں کو اسلام کی دعوت دینے کیلئے خطوط ارسال فرمائے۔

آپ ﷺ کے اس خط سے مندرجہ ذیل آداب ثابت ہوتے ہیں:

- ۱۔ خط کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا سنت ہے، خواہ وہ خط مسلمان کی طرف لکھا جائے یا کسی کافر کی طرف، آپ ﷺ نے ہر قل کے خط میں بسم اللہ لکھی ہے۔
- ۲۔ خط لکھنے والے کو پہلے اپنا نام لکھنا چاہئے پھر اس کا نام، جسے خط لکھا جا رہا ہے، چنانچہ آج کل ہمارے عرف میں غلطی دائیں جانب ابتداء میں ہی خط لکھنے والا اپنا نام لکھتا ہے، اس سے بھی مقصود حاصل ہو جاتا ہے، بعض لوگ اپنا نام خط کے شروع میں نہیں لکھتے بلکہ خط کے آخر میں لکھتے ہیں یہ طریقہ خلاف سنت بھی ہے اور دوسرے کو ایذا پہنچانے کا بھی ذریعہ ہے، لہذا اسے ترک کرنا چاہئے۔
- ۳۔ خط لکھنے والا اگر کسی منصب اور شرف و اعزاز کا مالک ہو، تو اسے بھی تعارف کے طور پر ذکر کر دے جس طرح کہ نبی کریم ﷺ نے اس خط میں ”عبداللہ و رسولہ“ لکھا ہے۔
- ۴۔ نبی کریم ﷺ نے ”الی ہر قل عظیمہ الروم“ لکھا، ملک (بادشاہ) کا لفظ استعمال نہیں فرمایا، کیونکہ اگر ملک کا لفظ استعمال فرما لیتے تو اس کی بادشاہت پر مہر تصدیق لگ جاتی کہ گویا آپ ﷺ نے اس کے بادشاہ ہونے کو تسلیم کر لیا ہے حالانکہ حقیقت میں بادشاہت صرف اللہ جل جلالہ کی ہے یا اس کی جسے اللہ اور اس کا رسول ﷺ نامزد کر دے، کافر اللہ کا نائب نہیں ہو سکتا، اس لیے آپ ﷺ نے ملک کا لفظ استعمال نہیں فرمایا، لیکن چونکہ وہ اس ملک کا سربراہ تھا، لوگ اس کی عزت و تکریم کرتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے اس کے منصب کا ذکر فرمایا کہ جو روم کا بڑا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ خط میں متعلقہ شخص کے ظاہری منصب کو ذکر کرنا چاہئے، تاکہ اس کی کچھ حوصلہ افزائی سی ہو جائے۔

۵۔ سلام کے موقع پر آپ ﷺ نے سلام علی من اتبع الهدی (سلام ہو اس پر جس نے ہدایت اور سیدھی راہ کی پیروی کی) تحریر فرمایا ہے، کیونکہ کافر کو السلام علیکم کے الفاظ سے سلام کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس سلام سے اسے ذرا انس ہو جائے گا اور ساتھ ہی اسلام قبول کرنے اور اس کی پیروی کی دعوت بھی ہو جائے گی۔

کافر کو سلام کرنے کا مسئلہ باب ما جاء فی کراهیة التسلیم علی الذمی میں تفصیل سے گذر چکا ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

۶۔ خط میں ابتدائی تحریر کے بعد اصل مقصود کو ذکر کرنے سے پہلے ”اما بعد“ کا لکھنا بہتر ہے تاکہ دونوں چیزوں میں فرق ہو جائے۔ (۱)

کیا ہر قتل مسلمان ہو گیا تھا

اس میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ ہر قتل نے اسلام قبول کر لیا تھا یا نہیں، چنانچہ حافظ ابن عبد البر نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ہر قتل مسلمان ہے لیکن جمہور کے نزدیک ہر قتل مسلمان نہیں ہوا تھا، اس پر متعدد احادیث شاہد ہیں، اس نے غزوہ تبوک اور موتہ میں مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کی تھی، اس میں بڑی شدید لڑائی ہوئی، بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے، لہذا اگر یہ ہر قتل مسلمان ہو گیا ہوتا تو غزوہ تبوک اور موتہ میں اس طرح مسلمانوں کے مقابلے میں نہ آتا، ایک صریح روایت مسند احمد میں منقول ہے کہ جب نبی کریم ﷺ تبوک میں مقیم تھے تو آپ ﷺ نے حضرت وحیہ کلبی کے ذریعہ خط لکھا تھا، اس کے جواب میں اس نے لکھا کہ ”میں مسلمان ہوں“ نبی کریم ﷺ کے پاس جب اس کا جواب پہنچا، پڑھ کر سنایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کذب، ہو علی نصرانیۃ وہ جھوٹا ہے، ابھی تک وہ اپنے نصرانی مذہب پر قائم ہے، اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے صراحتاً اس کے اسلام کے دعویٰ کی تکذیب فرمادی اور یہ کہ ابھی تک وہ اپنے عیسائی مذہب پر قائم ہے۔ (۲)

بسم اللہ کی جگہ ۷۸۶ لکھنے کی شرعی حیثیت

سنت یہ ہے کہ انسان خط وغیرہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھے، صرف ۷۸۶ یا باسما نہ لکھنے سے بسم اللہ کی سنت ادا نہیں ہوتی، البتہ اگر کوئی شخص زبان سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر خط لکھنا شروع کر دے اور خط کے شروع میں ۷۸۶ لکھے یا کچھ بھی نہ لکھے تو اس سے سنت ادا ہو جائے گی، آج کل عموماً خطوط وغیرہ کو پڑھنے کے بعد ردی کی نوکری میں ڈال دیا جاتا ہے، اس لئے مناسب یہی ہے کہ سنت پر عمل کرنے کے لئے زبان سے بسم اللہ پڑھ لے، تحریر میں نہ لکھے، تاکہ بے ادبی نہ ہو۔ (۳)

(۱) تحفة الاحوذی ۴/۱۵۷، تکملة فتح الملهم ۱۳۶/۳ کتاب الجہاد، باب کتب النبی ﷺ الی ہر قل...

(۲) فتح الباری ۵۹۱/۱ کتاب بدء الوحی، تکملة فتح الملهم ۱۳۴/۳، کشف الباری ۱/۱۷۱

(۳) انعام الباری ۳۵۷/۱، فتاویٰ عثمانی ۱۳۴/۱ کتاب العلم، معارف القرآن ۵۷۸/۶

باب مَا جَاءَ فِي خَتَمِ الْكِتَابِ.

یہ باب خط پر مہر لگانے کے جواز کے بارے میں ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: لَمَّا أَرَادَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى الْعَجَمِ، قِيلَ لَهُ: إِنَّ الْعَجَمَ لَا يَقْبَلُونَ إِلَّا كِتَابًا عَلَيْهِ خَاتَمٌ، فَاضْطَنَعَ خَاتَمًا. قَالَ: فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي كَفِّهِ.

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے اہل عجم کی طرف (خط) لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ لوگ مہر کے بغیر کوئی تحریر قبول نہیں کرتے، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک انگوٹھی بنوائی، راوی کہتے ہیں کہ گویا میں آپ ﷺ کی ہتھیلی میں اس کی سفیدی کو دیکھ رہا ہوں، جس میں آپ ﷺ کی مہر تھی۔

تحریر پر مہر لگانے کا جواز

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر ذمہ دار آدمی اپنی مہر بنوالے تاکہ خطوط وغیرہ بھیجنے کے وقت ان پر مہر لگادی جائے تو یہ جائز ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے سن چہ ہجری کے آخر اور رسالت ہجری کے شروع میں مختلف بادشاہوں کی طرف خطوط ارسال کرنے سے پہلے یہ مہر بنوائی تھی، یہ درحقیقت چاندی کی انگوٹھی تھی، جس پر نقش تھا ”محمد رسول اللہ“ اسی سے مہر کا کام بھی لیا جاتا تھا۔ (۱)

باب كَيْفَ السَّلَامِ

یہ باب سلام کی کیفیت کے بیان میں ہے۔

عَنِ الْوَقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: أَقْبَلْتُ أَنَا وَصَاحِبَانِي لِي قَدْ ذَهَبَتْ أَسْمَاعُنَا وَأَبْصَارُنَا مِنَ الْجُهْدِ، فَجَعَلْنَا نَعْرِضُ أَنْفُسَنَا عَلَى أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَلَيْسَ أَحَدٌ يَقْبَلُنَا فَاتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ فَاتَى بَنَاءُ أَهْلَهُ فَإِذَا ثَلَاثَةٌ أَغْنَزُوا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اخْتَلِبُوا هَذَا اللَّبَنَ بَيْنَنَا. فَكُنَّا نَخْتَلِبُهُ فَيُشْرَبُ كُلُّ إِنْسَانٍ نَصِيبَهُ وَتَرْفَعُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ نَصِيبُهُ فَيَجْعَلِي مَرْسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنَ اللَّيْلِ فَيَسْلِمُ عَلَيْنَا تَسْلِيمًا، لَا يُوقِظُ النَّائِمَ وَيَسْمَعُ الْيَقِظَانِ، ثُمَّ يَأْتِي الْمَسْجِدَ فَيُصَلِّي ثُمَّ يَأْتِي شَرَابَهُ فَيُشْرَبُهُ.

حضرت مقداد بن اسود فرماتے ہیں کہ میں اور میرے دو ساتھی مدینہ میں آئے، ہمارے کان اور آنکھیں فقر و فاقہ کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھیں، ہم اپنے آپ کو صحابہ کے سامنے پیش کرتے تو کوئی ہمیں قبول ہی نہ کرتا، پھر ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ ہمیں اپنے گھر لے آئے، اور وہاں تین بکریاں تھیں، نبی کریم ﷺ نے ہمیں فرمایا: ان بکریوں کا دودھ نکالو، ہم دودھ نکالتے تھے تو ہر شخص دودھ دوہنے کے بعد اپنا حصہ پی لیتا، اور رسول اللہ ﷺ کا حصہ رکھ

(۱) تحفة الاحوذی ۱/۷۷ تکملة فتح الملمم ۱۳۵/۲ کتاب اللباس والزينة، باب فی اتخاذ النبی ﷺ خاتما

دینا، نبی کریم ﷺ رات کو تشریف لاتے اور آپ اس انداز سے سلام کرتے کہ سونے والے کو نہ جگاتے اور بیدار شخص کو سنا دیتے، پھر (نماز تہجد کے لیے) مسجد تشریف لے جاتے اور نماز پڑھتے پھر اپنے حصہ کی طرف آتے اور اسے پی لیتے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اقبلت: میں آیا۔ ذہبت أسمعنا وأبصارنا: ہمارے کان اور آنکھیں ختم ہو گئی تھیں یعنی کمزور ہو گئی تھیں۔ جہد: (جیم پر زبر اور ہا کے سکون کے ساتھ) فقر وفاقہ، مشقت۔ أعجز: عجز کی جمع ہے: بکریاں۔ احتلبوا: تم لوگ دودھ نکالو۔ ہر فع: یہ لفظ یا اور نوں کے ساتھ نقل کیا گیا ہے یا کی صورت میں واحد نہ کر غائب کا صیغہ ہوگا: وہ اٹھا کر رکھ دیتا تھا اور نوں کی صورت میں جمع شکم کا صیغہ ہے: ہم رکھ دیتے تھے۔ لا یوقظ: وہ بیدار نہ کرتے، نہ جگاتے۔ یقظان: بیدار آدمی۔ ثم یاتنی شراہ: پھر اپنے دودھ کے پاس آتے۔

سلام کرنے میں بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچائی جائے

حدیث باب سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ اگر انسان ایسے لوگوں کو سلام کرے کہ جہاں کوئی سو رہا ہو تو اتنی اونچی آواز سے سلام نہ کرے، کہ جس سے سویا ہوا آدمی بھی بیدار ہو جائے، بلکہ اس انداز سے سلام کرے کہ جس سے صرف بیدار شخص تک سلام کی آواز پہنچ جائے اور سویا ہوا آدمی بیدار بھی نہ ہو، چنانچہ نبی کریم ﷺ اسی طریقے سے سلام کرتے کہ جس سے سوتا ہوا آدمی بیدار نہ ہوتا تھا، کیونکہ اسے بیدار کرنا گویا اسے ایذا پہنچاتا ہے، اور اسلام نے کسی کو تکلیف پہنچانے سے انتہائی سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔

۲۔ فقر وفاقہ سے مارے ہوئے لوگ اگر کسی سے سہارا طلب کریں تو اگر استطاعت ہو تو ضرور ان کی غم خواری کی جائے، لیکن اگر انسان کی معیشت بہت ہی کمزور ہو کہ وہ انہیں کسی بھی طرح سہارا نہ دے سکتا ہو تو اچھے انداز سے معذرت کر دے اور ان کیلئے دعا کر دے، حدیث باب میں حضرت مقداد وغیرہ نے اپنے آپ کو پہلے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر پیش کیا تھا، وہ چونکہ خود انتہائی تنگدست تھے اس لیے وہ ان کی کوئی مواساة اور غم خواری نہ کر سکے۔

۳۔ جس قدر ہو سکے، کمزور اور ضعیف لوگوں کی ہر لحاظ سے خدمت کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے، نبی کریم ﷺ کی یہی سنت ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّسْلِيمِ عَلَى مَنْ يَبُولُ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ اس شخص کو سلام کرنا مکروہ ہے جو پیشاب کر رہا ہو۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا سَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يَقُولُ فَلَمْ يَزِدْ عَلَيْهِ يَغْنِيهِ السَّلَامُ.
حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کو سلام کیا، جبکہ آپ پیشاب کر رہے تھے تو آپ نے اسے سلام کا جواب نہیں دیا۔

بعض مواقع پر سلام کرنا مکروہ ہے

اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو، نماز، تلاوت اور اذان و اقامت کہہ رہا ہے، دینی گفتگو کر رہا ہے یا سن رہا ہے، یا طبعی حاجت میں مشغول ہو جیسے کھانا اور قضاء حاجت وغیرہ،..... ایسے تمام موقعوں پر سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر کوئی سلام کر دے تو اس کا جواب دینا بھی درست نہیں اور نہ ہی اس پر لازم ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يَقُولَ عَلَيْكَ السَّلَامُ مُبْتَدِئًا

یہ باب اس بیان میں ہے کہ ابتداء میں علیک السلام کہنا مکروہ ہے۔

عَنْ أَبِي تَمِيمَةَ الْهَجَرِيِّ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ قَوْمِهِ، قَالَ: طَلَبْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَلَمْ أَقْدِرْ عَلَيْهِ، فَجَلَسْتُ لِذَا الْقَوْمِ هُوَ فِيهِمْ، وَلَا أَعْرِفُهُ، وَهُوَ يَصْلُحُ بَيْنَهُمْ، فَلَمَّا لَرَعُ، قَامَ مَعَهُ بَعْضُهُمْ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَلَمَّا رَأَيْتُ ذَلِكَ، قُلْتُ: عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: إِنَّ عَلَيْكَ السَّلَامَ تَحِيَّةَ الْمَوْتِ، إِنَّ عَلَيْكَ السَّلَامَ تَحِيَّةَ الْمَوْتِ. فَلَمَّا نِمْتُ أَقْبَلَ عَلَيَّ لَقَالَ: إِذَا لَقِيَ الرَّجُلُ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ فَلْيَقُلْ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ. ثُمَّ رَدَّ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ: وَعَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ، وَعَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ، وَعَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ.

حضرت ابو تیمہ جہمی اپنی قوم کے ایک شخص کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کو تلاش کرنے کیلئے نکلا تو میں آپ ﷺ کو نہ پاسکا، اسی (فکر میں) میں بیٹھ گیا، اتنے میں چند لوگ آئے، آپ ﷺ بھی انہی میں تھے، میں آپ ﷺ کو نہیں پہچانتا تھا، آپ ﷺ ان کے درمیان صلح کر رہے تھے، جب آپ ﷺ فارغ ہو گئے تو ان میں سے بعض نبی کریم ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ، جب میں نے یہ کیفیت دیکھی تو میں نے عرض کیا: علیک السلام یا رسول اللہ (تین بار اسی طرح میں نے کہا) تو آپ ﷺ نے فرمایا: علیک السلام میت کا سلام ہے، پھر آپ ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: جب آدمی اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو یوں کہے: السلام علیکم ورحمۃ

(۱) رد المحتار ۲/۴۳۲ کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا۔ تحفۃ الاحوذی ۱/۲۵۰ ابواب الطہارۃ، باب فی

کراہیۃ السلام غیر متوضی

اللہ وبرکاتہ، پھر آپ ﷺ نے میرے سلام کا جواب یوں دیا: وعلیک رحمۃ اللہ (تمیں بار فرمایا)
عَنْ جَابِرِ بْنِ سَلَمَةَ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ: عَلَيْكَ السَّلَامُ. فَقَالَ: لَا تَقُلْ: عَلَيْكَ السَّلَامُ وَلَكِنْ
قُلْ: السَّلَامُ عَلَيْكَ.

حضرت جابر بن سلیم فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا: علیک السلام آپ
ﷺ نے فرمایا: علیک السلام نہ کہو بلکہ السلام علیک کہو۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا سَلَّمَ، سَلَّمَ ثَلَاثًا وَإِذَا كَلَّمَ بِكَلِمَةٍ، أَعَادَهَا ثَلَاثًا.
حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سلام کرتے تو تین بار سلام کرتے، اور جب بات
کرتے تو اسے تین بار دہراتے (تاکہ اسے سمجھا جاسکے)

سلام کے مسنون الفاظ

سلام کے مسنون الفاظ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہیں، خواہ زندہ لوگوں کو سلام کیا جائے یا مردوں کو کیا جائے، حدیث
باب میں نبی کریم ﷺ نے جو یہ فرمایا: عَلَيْكَ السَّلَامُ تحية الموتی (علیک السلام مردوں کا سلام ہے) اس کا یہ مطلب نہیں کہ
مردوں کو اس انداز سے سلام کیا جائے بلکہ اس سے زمانہ جاہلیت کی ایک رسم کو بیان فرمایا ہے کہ اسلام سے پہلے شعراء اور دیگر لوگ
علیک السلام کے الفاظ سے مردوں کو سلام کیا کرتے تھے، جبکہ اسلام میں یہ کوئی تخصیص نہیں، اسلام میں سلام کے مسنون کلمات زندہ
اور مردہ دونوں قسم کے لوگوں کیلئے السلام علیکم ہی ہیں، ان میں کوئی تفریق نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اس صحابی رضی اللہ عنہ کو فوراً سلام کا جواب نہیں دیا بلکہ پہلے اسے سلام کرنے کے مسنون کلمات
ارشاد فرمائے اور پھر اسے سلام کا جواب دیا، اس سے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ اگر سلام کے کلمات میں رد و بدل کیا
جائے یا مسنون طریقے سے سلام نہ کیا جائے تو ایسے میں اس کا جواب دینا انسان پر لازم نہیں ہے جواب دے دے، تو جائز اور اگر
جواب نہ دے تو گنہگار نہیں ہوگا۔

باب کی آخری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے:

۱۔ بسا اوقات آپ علیہ السلام لوگوں کے مجمع کو تین بار سلام کیا کرتے تھے، یہ معمول نہیں تھا، جب اس کی ضرورت محسوس
ہوتی کہ مجمع نے آواز کو پہلی دفعہ صحیح نہیں سنا، یا کچھ نے سنا ہے اور بعض نے نہیں سنا، تو پھر تین بار سلام فرماتے تھے۔

حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تین مرتبہ سلام کرنے کے معنی یہ لکھتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کسی مجمع میں تشریف
لے جاتے تو تین مرتبہ سلام فرماتے، ایک مرتبہ مجمع کی ابتداء میں داخل ہوتے وقت، دوسری مرتبہ مجمع کے درمیان میں اور تیسری بار
مجمع کے آخر میں سلام فرماتے، تاکہ سب لوگوں کو سلام ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مجمع بڑا ہو، تو ضرورت کے لحاظ سے ایک سے زیادہ بار سلام کرنا مسنون ہے۔
۲۔ نبی کریم ﷺ جب گفتگو فرماتے تو ٹھہر ٹھہر کر ارشاد فرماتے اور کبھی اسے تین بار دہراتے تاکہ سننے والے اچھی طرح سمجھ سکیں، اس لیے جب انسان گفتگو اور بیان کرے تو ٹھہر ٹھہر کر بولے، اس قدر عجلت کے ساتھ نہ بولے کہ جس سے سننے والے کو سمجھ ہی نہ آئے اور نہ ان کے ذہن نشین ہو سکے۔ (۱)

باب

عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ، وَالنَّاسُ مَعَهُ، إِذْ أَقْبَلَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ، فَأَقْبَلَ الثَّانِي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَذَهَبَ وَاحِدٌ، فَلَمَّا وَقَفَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ سَلَّمَا، فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَرَأَى فُرُجَةً فِي الْخَلْفَةِ، فَجَلَسَ فِيهَا، وَأَمَّا الْآخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ، وَأَمَّا الْآخَرُ، فَأَذْبَرَ ذَاهِبًا، فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ: أَلَا أَخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلَاثَةِ، أَمَّا أَحَدُهُمْ فَأَوَى إِلَى اللَّهِ، فَأَوَاهُ اللَّهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَاسْتَخْيَا فَاسْتَخْيَا اللَّهُ مِنْهُ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَأَعْرَضَ فَأَعْرَضَ اللَّهُ عَنْهُ.

حضرت ابو واقد لیثی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرماتے اور صحابہ کرام آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ تین آدمی آئے، ان میں سے دو تو حضور ﷺ کی طرف آگئے اور ایک چلا گیا، جب وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑے ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ کو سلام کیا، ان میں سے ایک نے لوگوں کے حلقہ میں تھوڑی سی جگہ دیکھی تو وہ وہاں بیٹھ گیا، اور دوسرا لوگوں کے پیچھے ہی بیٹھ گیا، اور تیسرا تو پیٹھ پھیر کر چلا ہی گیا، جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں تمہیں ان تین آنے والوں کا حال نہ بتاؤں؟ ان میں سے ایک نے اللہ کی طرف ٹھکانہ بنانا چاہا تو اللہ نے اسے پناہ دے دی، اور دوسرے نے شرم محسوس کی تو اللہ نے اس سے بھی شرم کر لی (یعنی اسے معاف کر دیا) اور تیسرے نے اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے منہ موڑ لیا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: كُنَّا إِذَا أَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ جُلُوسًا أَخَذْنَا حَيْثُ يَنْتَهِي.

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے تو ہم میں سے ہر شخص جہاں جگہ پاتا تو وہاں وہ بیٹھ جاتا۔

مشکل الفاظ کے معنی:- ثلثة نفر: تین آدمی۔ فرجة: خالی جگہ۔ أذبر ذاهبا: پیٹھ پھیر کر چلا گیا۔ أوى الى الله: اللہ کی طرف پناہ لی یعنی وہ اس مجلس میں قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ استخى الله منه: اللہ تعالیٰ نے اس سے شرم کی یعنی اللہ نے اس پر رحم کیا، عذاب نہیں دیا بلکہ اس کے گناہوں کو معاف کر دیا۔

مجلس میں بیٹھنے کے آداب

مذکورہ احادیث میں مندرجہ ذیل آداب اور امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) عالم دین اور استاذ ضرورت کی بناء پر عام مجمع سے ذرا بلند اور ممتاز جگہ پر بیٹھ جائے تو یہ بہتر ہے تاکہ پورے مجمع کو بات سننے کا صحیح موقع مل جائے۔

(۲) مسجد میں علم دین سیکھنے اور وعظ و نصیحت کے حلقے لگانا جائز ہے۔

(۳) دینی حلقوں میں شریک ہونا نہایت اجر و ثواب کا باعث ہے۔

(۴) انسان اگر کسی مجلس میں بیٹھنا چاہے تو اگر اس میں کوئی خالی جگہ ہو کہ وہاں تک آسانی سے کسی کو تکلیف پہنچائے بغیر پہنچا جا سکتا ہو تو اس جگہ میں بیٹھنا سب سے بہتر ہے، اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں، حدیث میں اسے ادوی الی اللہ سے ذکر کیا ہے کہ اس نے داعیہ کے قریب بیٹھ کر گویا اللہ کے ہاں پناہ لی ہے یعنی اس پر اسے بہت اجر و ثواب ملتا ہے، اور اگر مجمع کچھ بھرا ہوا ہو تو پھر مجلس کے آخر میں جہاں بھی مناسب جگہ ہو وہاں پر بیٹھ جائے، ایسی صورت میں لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے آنا جائز نہیں ہے۔

(۵) جب کوئی شخص اچھا کام کرے یا کوئی خاص کارنامہ سرانجام دے تو اس پر اس کی حوصلہ افزائی کرنا سنت ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان دو آدمیوں کی حوصلہ افزائی فرمائی، جو مجلس میں باقاعدہ شریک ہوئے۔

اواہ اللہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا یہ عمل قبول فرما لیتے ہیں اور اسے اپنے ہاں مقام قرب عطا فرما دیتے ہیں اور بعض نے یہ معنی مراد لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اہل جنت میں لکھ دیتے ہیں۔

فأعوذ باللہ عنہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم نہیں فرمایا بلکہ اس سے ناراض ہوئے، خاص طور پر اس صورت میں کہ جب وہ تیسرا آدمی بغیر کسی عذر اور وجہ کے وہاں سے چلا گیا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ جانے والا شخص منافق ہو اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بذریعہ وحی اطلاع دے دی ہو اس لیے آپ ﷺ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے اس سے اعراض کیا ہے“

حیث ینتہی اس کے دو مطلب ہیں:

(۱) مجلس میں جہاں مناسب سمجھے، وہاں پر بیٹھ جائے، جبکہ مجلس کے درمیان میں خالی جگہ پر آسانی سے پہنچا جاسکتا ہو۔

(۲) مجلس کے انتہاء اور آخر میں ہی بیٹھ جائے جبکہ مجلس میں کوئی خالی جگہ اور گنجائش نہ ہو، کیونکہ ایسی صورت میں آگے آنے سے دوسرے لوگوں کو یقیناً تکلیف پہنچے گی جو کسی بھی لحاظ سے جائز اور درست نہیں ہے۔ (۱)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک سے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں مصافحہ کا رواج تھا؟
فرمایا: جی ہاں (رواج تھا)

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: مِنْ تَعَامُ التَّحِيَّةِ لَا تُخَذُّ بِالْيَدِ

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاتھ پکڑنا یعنی مصافحہ کرنا حییٰ یعنی سلام کو پورا کرنا ہے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: لَا تَسْمُرُ إِلَّا لِمَصْلٍ أَوْ مُسَافِرٍ.

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رات کو بات کرنا اس شخص کیلئے جائز ہے جس کا ارادہ نماز پڑھنے کا ہو یا وہ مسافر ہو۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: تَعَامُ عِيَادَةَ الْمَرِيضِ أَنْ يَضَعَ أَحَدُكُمْ يَدَهُ عَلَى جَبْهِهِ أَوْ قَالَ: عَلَى يَدِهِ، فَهَسَأَلَهُ كَيْفَ هُوَ، وَتَعَامُ تَحِيَّاتُكُمْ بَيْنَكُمْ الْمَصَافِحَةُ.

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مریض کی بیمار پرسی کرنے کا کامل طریقہ یہ ہے کہ تم میں سے بیمار پرسی کرنے والا اپنا ہاتھ مریض کی پیشانی پر یا فرمایا کہ اس کے ہاتھ پر رکھے پھر اس سے حال دریافت کرے کہ وہ کیسا ہے، اور تمہارا پورا سلام مصافحہ کرنا ہے۔

عَنِ الْحَزَّاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ، يَلْتَقِيَانِ، فَيَتَصَافَحَانِ إِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ أَنْ يَفْتَرِقَا

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی دو مسلمان ایسے نہیں جو آپس میں ملاقات کریں اور مصافحہ کریں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں قبل اس کے کہ وہ جدا ہوں۔

مصافحہ ایک ہاتھ سے مسنون ہے یا دونوں ہاتھوں سے

اس باب کی احادیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) آپس میں ملاقات کے وقت اور رخصت ہوتے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مصافحہ کرنے

والوں کے صغیرہ گناہ معاف فرمادیتے ہیں، البتہ اجنبی عورت اور بے ریش خوبصورت لڑکے سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) مصافحہ ایک ہاتھ سے ہو یا دونوں ہاتھوں سے احادیث میں دونوں طرح کے مصافحہ کا ذکر ہے، اس لیے مصافحہ خواہ

ایک ہاتھ سے کیا جائے یا دونوں ہاتھوں سے، اس سے سنت بہر حال ادا ہو جائے گی، (۱) لیکن چونکہ ایک ہاتھ سے مصافحہ

(۱) فتح الباری ۶/۱۱ کتاب الاستئذان، باب: الأخذ باليد فتاوى محمودية ۱۹/۱۱ الفصل الثالث في المصافحة والمعانقة ط:

کرنے کا طریقہ اس زمانے میں کافروں کا شعار بن چکا ہے، اس لیے بعض علماء فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے تاکہ کفار کے ساتھ مشابہت لازم نہ آئے، نیز دونوں ہاتھوں سے مصافحہ ادب و احترام اور تواضع کے زیادہ قریب بھی ہے۔ (۱)

(۳) بعض لوگ ہر نماز کے بعد اہتمام کے ساتھ امام سے اور نمازیوں سے مصافحہ کرتے ہیں، اور اسے انتہائی ضروری سمجھتے ہیں، یہ طریقہ درست نہیں، علماء نے اسے بدعت قرار دیا ہے، لیکن اگر اسے ضروری قرار نہ دیا جائے، بس ویسے ہی کبھی کسی ضرورت کی وجہ سے انسان امام سے یا کسی نمازی سے نماز کے بعد مصافحہ کر لے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (۲)

باب مَا جَاءَ فِي الْمُعَانَقَةِ وَالْقُبْلَةِ

یہ باب معانقہ یعنی گلے ملنے اور بوسہ سے متعلق ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَدِمَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ الْمَدِينَةَ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي بَيْتِي، فَأَتَاهُ فَقَرَعَ الْبَابَ، فَقَامَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ غُرْبًا، يَجُوزُ ثَوْبُهُ، وَاللَّهُ مَا زَايَنَا غُرْبًا نَأْتِيهِ غُرْبًا قَبْلَهُ وَلَا يَنْفَعُهُ، فَأَعْتَقَهُ وَقَبَّلَهُ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زید بن حارثہ مدینہ منورہ آئے، (اس وقت) رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تھے، وہ آئے تو انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ ﷺ برہنہ حالت میں ہی کپڑے کھینچتے ہوئے ان کی طرف تشریف لے گئے، اللہ کی قسم میں نے آپ ﷺ کو نہ تو اس سے پہلے کبھی برہنہ دیکھا اور نہ بعد میں، پھر آپ ﷺ نے انہیں اپنے گلے لگایا اور بوسہ دیا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ قَرَعَ الْبَابَ: دروازہ کھٹکھٹایا، يَجُوزُ ثَوْبُهُ: اپنے کپڑے کھینچتے ہوئے۔ فَأَعْتَقَهُ: اسے اپنے گلے سے لگایا، مُعَانَقَةُ: قبلہ: اس کو بوسہ دیا۔

معانقہ مسنون ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی انسان سفر و غیرہ سے آئے تو مرد کا مرد سے گلے لگا کر ملنا سنت ہے، اور چہرے پر بوسہ دینا بھی جائز ہے بشرطیکہ کوئی فتنہ نہ ہو۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو نبی کریم ﷺ سے ملاقات کیلئے گھر پہ آئے، دستک دی، آپ ﷺ برہنہ حالت میں ہی باہر تشریف لے آئے۔

لَقَامَ إِلَيْهِ عَرِيَانًا اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی کریم ﷺ بالکل ننگے ہو کر باہر نکلے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی عموماً گھر میں سر سے ٹوپی اور قمیص اتار کر بیٹھتا ہے، ناف سے لے کر گھٹنے تک جو ستر کا حصہ ہے وہ چھپا ہوتا ہے، باقی کپڑوں کو اتار دیا جاتا ہے، اور جب کوئی دروازہ پر آتا ہے تو پھر انسان جلدی سے تمام کپڑے پہن کر دروازے پر چلا جاتا ہے، لیکن نبی کریم ﷺ کو حضرت زید بن حارثہ کی اتنی خوشی ہوئی کہ اوپر کی چادر اوڑھنا بھی بھول گئے اور ایسے ہی چادر کے بغیر ان کا استقبال کیا۔

سوال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قسم کھا کر یہ فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کو اس طرح برہنہ حالت میں نہ تو اس سے پہلے کبھی دیکھا اور نہ اس کے بعد، جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ کی طویل صحبت حاصل رہی اور ایک بستر اور ایک لحاف میں سونا ثابت ہے تو پھر یہ کیسے کہا ہے کہ میں نے اس طرح برہنہ آپ ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس کلام کے معنی یہ ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو کسی کے استقبال کیلئے اس طرح بغیر چادر کے اس موقع کے علاوہ کبھی نہیں دیکھا، گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بطور اختصار کے یہ جملہ ذکر فرمایا فَوَاللَّهِ مَا رَأَيْتُهُ عَرِيَانًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ اور مراد اس سے مذکورہ طریقے سے استقبال ہے۔

(۲) بعض نے یہ مطلب ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ ہے کہ میں نے کمرے سے باہر کبھی آپ ﷺ کو اس طرح برہنہ حالت میں نہیں دیکھا، کمرے کے اندر دیکھنے کی نفی کرنا مراد نہیں۔

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معافہ ایک جائز اور مسنون عمل ہے جبکہ حضرت انس کی گزشتہ باب کی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معافہ مشروع اور مسنون نہیں ہے، بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان سفر سے واپس آئے یا طویل عرصے کے بعد ملاقات ہو تو اس وقت معافہ کرنا اور گلے لگانا مسنون ہے جیسا کہ آپ علیہ السلام نے حضرت زید کی آمد پر معافہ فرمایا، اور جب انسان کسی سفر سے واپس نہ آئے تو پھر صرف معافہ کرنا مسنون ہے، معافہ نہ کیا جائے، چنانچہ حدیث انس میں اسی وجہ سے آپ ﷺ نے معافہ سے منع فرمایا کہ وہاں کسی کا سفر سے آنے کا ذکر نہیں تھا، اس لئے دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں بلکہ دونوں کے مفہوم الگ الگ ہیں۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي قُبْلَةِ الْيَدِ وَالرِّجْلِ

یہ باب ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دینے کے بارے میں ہے۔

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَمَّالٍ، قَالَ: قَالَ يَهُودِيٌّ لِيَصَاحِبِهِ، اذْهَبْ بِنَا إِلَى هَذَا النَّبِيِّ. فَقَالَ صَاحِبُهُ: لَا تَقُلْ: نَبِيُّ، إِنَّهُ

لَوْ سَمِعْتُمْ كَمَا كُنْتُمْ أَزِيدُهُمْ. فَاتَّخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِنَسَائِهِمْ بَيْتًا. فَقَالَ لَهُمْ: لَا تَشْرَبُوا بِأَهْلِهِ شَيْئًا، وَلَا تَشْرَبُوا، وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَلَا تَمْسُوا يَمِينِي إِلَى دِي سُلْطَانٍ لِيُقْتَلَ، وَلَا تَسْخَرُوا، وَلَا تَأْكُلُوا الرِّبَا وَلَا تَقْلُبُوا أَمْرَهُنَّ وَلَا تَزْنُوا الْفِرَارَ يَوْمَ الرَّخْبِ وَعَلَيْكُمْ عَاصَةُ الْيَهُودَ: أَنْ لَا تَقْتُلُوا فِي السَّبْتِ. قَالَ: لَقَبْتُلُوا الْيَهُودَ خُلْدًا فَقَالَا: نَشْهَدُ أَنْكَ سَئِئ. قَالَ: لَمَّا يَخْتَفِكُمْ أَنْ تَقْبَحُوا؟ قَالُوا: إِنْ دَاوُدَ دَخَرْتَهُ أَنْ لَا يَزَالَ فِي دُزِيعَيْنِ، وَإِنَّا نَحْفَافُ إِنْ كُنَّا نَكُ أَنْ تَقْلَعْنَا الْيَهُودَ.

حضرت صفوان بن عسال فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا: تم ہمیں اس نبی کے پاس لے چلو، اس کا (یہودی) ساتھی کہنے لگا کہ انہیں نبی نہ کہو کیونکہ اگر انہوں نے سن لیا (کہ یہودی بھی مجھے نبی کہتے ہیں) تو (خوشی سے) ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی، چنانچہ وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ سے نو (۹) واضح احکام کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، اس نفس کو قتل نہ کرو جسے مار ڈالنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ، کسی بے گناہ کو حاکم کے پاس نہ لے جاؤ (جھوٹے الزام لگا کر) تاکہ وہ اسے قتل کر دے، جاؤ نہ کرو، سود نہ کھاؤ، پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ، میدان جنگ میں پیچھے ہٹ پھیرو، اور اے یہودیو: تم پر خاص طور پر یہ لازم ہے کہ تم ہفتہ والے دن میں اللہ کے حکم سے تجاوز نہ کرو، راوی کہتے ہیں کہ پھر ان دونوں یہودیوں نے نبی کریم ﷺ کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں چوم لیے اور کہنے لگے کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ واقعی اللہ کے نبی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تمہیں میری اتباع سے کوئی چیز روکتی ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے جواب دیا کہ واقعہ یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ دعا کی تھی کہ نبی ہمیشہ ان کی اولاد میں ہی ہوا کریں اور ہم ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے آپ کی پیروی کر لی تو یہودیوں میں مار ڈالیں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- لہٰذا بعد اُحیٰن : ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی، مطلب یہ ہے کہ وہ ہماری زبان سے اگر یہ سن لیں کہ ہم انہیں نبی کہہ رہے ہیں تو وہ اور زیادہ خوش ہو جائیں گے کہ یہودی بھی مجھے نبی تسلیم کرتے ہیں۔ بیعتات : واضح، ظاہر و باہر احکام، لاتقدوا : تم بہتان نہ لگاؤ، الزام نہ لگاؤ۔ محصنة : پاکدامن عورت۔ لا حولوا القرار : تم پیچھے ہٹیں نہ بھاگو۔ يوم الزحف : پیش قدمی کے وقت، میدان جنگ میں۔ لا تعدوا : تم حد سے تجاوز اور زیادتی نہ کرو۔

ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دینے کا مسئلہ

اگر ایک شخص دوسرے کے ہاتھ پادوں پر بوسہ دے، تو اس کا کیا حکم ہے، اس میں تفصیل یہ ہے:

(۱) اگر چہرے اور ہاتھ پر شہوت کے ساتھ بوسہ دیا جائے تو یہ اپنی بیوی اور باندی کے علاوہ کسی کے ساتھ جائز نہیں، ایسے ہی

اپنی بیوی اور باندی کے علاوہ کسی کو بوسہ دینے میں شہوت کا خطرہ ہو تو بھی بوسہ دینا جائز نہیں۔

(۲) اگر چھوٹے بچوں کو شفقت و محبت کی بناء پر بوسہ دیا جائے یا کسی کی علمی فضیلت و شرف اور بزرگی کی وجہ سے بوسہ دیا جائے تو یہ مسنون ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ جس کو بوسہ دیا جا رہا ہے اس کے بارے میں یہ یقین ہو کہ وہ اس سے تکبر و غرور میں مبتلا نہیں ہوگا لہذا اگر اس کے بارے میں اندیشہ ہو کہ وہ اس قدر تعظیم و تکریم کی وجہ سے تکبر میں مبتلا ہو جائے گا تو پھر اسے بوسہ دینا مکروہ ہے، حدیث باب میں ہے کہ ان دو یہودیوں نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک پر بوسے دیئے، جب آپ ﷺ نے ان کے سوال کا جواب ارشاد فرمایا اور اگر کسی کا ہاتھ اس کی دنیاوی شان و شوکت اور مال و دولت کی وجہ سے چوما جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔

(۳) پاؤں پر بوسہ دینے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک مطلقاً جائز ہے، خواہ پاؤں چومنے کیلئے کتنا ہی جھکنا پڑے جبکہ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ قدم بوی اس صورت میں جائز ہے، جبکہ رکوع سجدہ کی ہمت کی طرح سر نہ جھکے، (۱)

دو یہودیوں کا حضور ﷺ سے ایک سوال

ایک دن دو یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے بطور امتحان کے سوال کیا کہ ”تسع آیات بینات“ سے کیا مراد ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے دو جگہ ”تسع آیات“ کا ذکر فرمایا ہے، ایک سورۃ نمل کی آیت نمبر ۱۲ میں اور دوسرا سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱۰۱ میں: وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ۔

تسع آیات (نو نشانیاں) سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

(۱) اس سے وہ نو معجزات مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت عطا فرمائے گئے، جب ان کی قوم سرکشی اور انسانیت کی تمام سرحدیں عبور کر گئی، تو مختلف اوقات میں ان پر یہ عذاب اتارے جاتے رہے پھر بھی وہ باز نہ آئے تو بالآخر انہوں نے جب حضرت موسیٰ کا تعاقب کیا تو وہ سب بحر قلزم کا لقمہ بن گئے، یہ نو معجزات یہ ہیں:

(۱) عصا (۲) ید بیضاء (۳) پانی کا طوفان (۴) ٹڈیوں کا عذاب (۵) غلے میں گھن کے کیڑے اور سر کے بال اور کپڑوں میں جوڑوں کی کثرت (۶) مینڈک (۷) خون (۸) قحط سالی (۹) پھلوں کی پیداوار میں کمی۔

اگر حدیث باب میں تسع آیات سے یہ نو معجزے مراد لیے جائیں تو سوال ہوگا کہ نبی کریم ﷺ نے ان یہودیوں کے جواب میں معجزات کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ صرف احکام کا ذکر فرمایا ہے؟ تو شارحین حدیث اس کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے تو یہ نو معجزات ذکر فرمائے تھے لیکن راوی نے اختصار کی بناء پر اس وجہ سے انہیں ذکر نہیں کیا کہ وہ تو قرآن مجید میں واضح طور پر مذکور ہیں اور نبی کریم ﷺ نے اس کے ساتھ کچھ احکام کا بھی ذکر فرمایا گوکہ ان کے بارے میں سوال نہیں کیا گیا تھا۔

(۲) اور اگر ”تسبیح آیات“ سے نوا احکام مراد لیے جائیں تو پھر روایت میں اختصار ماننے کی ضرورت نہیں البتہ اس صورت میں یہ سوال ضرور ہوگا کہ سوال نوا احکام کے بارے میں تھا جبکہ روایت میں دس احکام بیان کیے گئے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے نوا احکام تو ذکر فرمائے جو تمام امتوں میں مشترک تھے اور پھر مزید حکم ان کے فائدے کیلئے ذکر فرمادیا، جو خاص طور پر یہود سے متعلق تھا کہ وہ ہفتہ کے دن صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہا کریں، مچھلیوں کا شکار نہ کیا کریں۔

ان داود دعا ربہ ان لا یزال من خدیثہ نبی یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہم آپ پر اس وجہ سے ایمان نہیں لا رہے کہ حضرت داود علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی کہ ہمیشہ میری اولاد میں ایک نبی ہوا کرے، اور نبی کی دعا قبول ہوتی ہے تو محالہ ان کی اولاد میں نبی ضرور آئے گا، جب وہ نبی ظاہر ہوگا تو تمام یہودی اس نبی کی اتباع کریں گے، ان کی شان و شوکت ہوگی، اب اگر ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو پھر اس وقت ہماری شامت آجائے گی، یہودی ہمیں اس بناء پر قتل کر دیں گے، لہذا اس وجہ سے ہم ایمان نہیں لا رہے، یہ سراسر جھوٹ اور الزام تراشی ہے اور ایک غلط بات کی نسبت حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف کی جارہی ہے، انہوں نے اس قسم کی کوئی دعا نہیں کی تھی، وہ اس طرح کی دعا کیسے کر سکتے تھے جبکہ ان پر نازل ہونے والی کتاب ”زبور“ میں یہ موجود تھا کہ محمد ﷺ نبی آخر الزمان تشریف لائیں گے، ان کی یہ یہ صفات ہوں گی اور وہ خاتم النبیین ہوں گے اور ان کا دین سابقہ تمام دینوں کو منسوخ کر دے گا، اور قتل کرنے کی بات بھی ان یہودیوں کی غلط ہے کیونکہ جو لوگ یہود میں سے ایمان لائے ہیں، انہیں قتل نہیں کیا گیا، حاصل یہ کہ ایمان قبول نہ کرنے کے جو عذر انہوں نے بیان کئے، وہ کسی بھی لحاظ سے درست نہیں ہیں۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي مَرْحَبَا

یہ باب مرحبا یعنی خوش آمدید کہنے کے بارے میں ہے۔

عَنْ أُمِّ هَالِسٍ، تَقُولُ: ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ غَامَ الْفُجَحِ، فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ تَسْتَشْوِهُ بِثَوْبٍ قَالَتْ: فَسَلَّمْتُ فَقَالَ: مَنْ هَذِهِ؟ قُلْتُ: أَنَا أُمُّ هَالِسٍ فَقَالَ: مَرْحَبَا بِأُمِّ هَالِسٍ.

حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو میں نے آپ کو غسل کرتے ہوئے پایا اور فاطمہ نے ایک کپڑے سے آپ ﷺ کیلئے پردہ کر رکھا تھا، فرماتی ہیں کہ میں نے سلام کیا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں ام ہانی ہوں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ام ہانی کو مرحبا یعنی خوش آمدید ہو۔

عَنْ عِكْرَمَةَ بِنْتِ أَبِي جَهْلٍ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ جُنَّةٍ: مَرْحَبَا بِالزَّوَاكِبِ الْمُهَاجِرِ۔ حضرت عکرمہ بنت ابی جہل فرماتی ہیں کہ جب میں حضور ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: مہاجر سوار کیلئے

مرحبا یعنی خوش آمدید ہو۔

آنے والے شخص کیلئے اچھے کلمات کہنا سنت ہے

ان دونوں احادیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کے ہاں آئے تو دوسرے کو چاہئے کہ آنے والے کے استقبال میں اچھے کلمات کا استعمال کرے، جس سے اسے وحشت نہ ہو بلکہ اس ماحول سے انس اور لگاؤ ہو جائے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ام ہانی اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہم کیلئے مرحبا کا لفظ استعمال فرمایا: جس کے معنی ہیں کہ تم ایک کشادہ اور مانوس جگہ پہ آگئے ہو، کیونکہ آنے والے آدمی کیلئے اگر سخت اور نامناسب کلمات استعمال کیے جائیں تو یہ اخلاق حسہ اور سنت بندی کے سراسر خلاف ہے، اس لیے ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

”فوجدتہ یغتسل“ ان الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوران غسل آپ ﷺ نے حضرت ام ہانی سے گفتگو فرمائی، حالانکہ حقیقت ایسی نہیں، اس لیے شارحین حدیث نے اس کے مطلب میں تین امکان ظاہر کیے ہیں:

- (۱) ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے ابھی غسل کرنا شروع نہ فرمایا ہو، اس وقت آپ ﷺ نے یہ گفتگو فرمائی ہو۔
- (۲) یا یہ کہ آپ ﷺ غسل سے فارغ ہو چکے تھے، عرف میں اس طرح کی صورتحال میں فوجدتہ یغتسل کہہ دیا جاتا ہے۔
- (۳) یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ کچڑا باندھ کر نہا رہے ہوں، اور حضرت فاطمہ نے ناف سے اوپر کے حصے کے پردے کیلئے کچڑا کھڑا کر رکھا ہو، ایسے میں دوران غسل بھی گفتگو کی جاسکتی ہے، اس لیے اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ آپ ﷺ نے برہنہ حالت میں گفتگو فرمائی ہے، کسی بھی طرح درست نہیں۔ (۱)

کچھ حضرت عکرمہ بن ابی جہل کے بارے میں

ابتداء میں حضرت عکرمہ بن ابی جہل اپنے باپ کی طرح اسلام کے سخت خلاف تھے، اسلام کے خلاف ہر سازش میں پیش پیش رہتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھی قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا، فتح مکہ کے موقع پر یہ یمن کی طرف بھاگ کر چلے گئے، ان کی بیوی ام حکیم بنت حارث نے اسلام قبول کر لیا، اور دربار نبوی میں حاضر ہو کر حضور ﷺ سے اپنے شوہر کے لئے امان طلب کیا، ادھر حسن اتفاق سے حضرت عکرمہ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا، کہ جب وہ یمن کے ساحل سے کشتی پر سوار ہوئے تو سمندر میں ان کی کشتی سخت ہواؤں میں پھنس گئی تو کشتی کے سوار آپس میں کہنے لگے کہ آج اللہ کی طرف رجوع کرو کیونکہ تمہارے خدا اس مشکل کو حل نہیں کر سکتے، اس موقع پر حضرت عکرمہ نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ اگر اس وقت اللہ تعالیٰ نے ہمیں نجات دی تو میں مکہ مکرمہ میں محمد ﷺ کے پاس حاضر ہوں گا اور ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لوں گا، چنانچہ اللہ نے انہیں ان سمندری ہواؤں سے بچا لیا تو وہ

حاضر خدمت: دے اور اسلام قبول کر لیا، جب انہیں نبی کریم ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: مرحبا بالراکب المهاجر۔
 حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”میں نے جنت میں ایوہل کیلئے انگوڑا گچھا دیکھا ہے“
 جب حضرت عکرمہ نے اسلام قبول کر لیا تو آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہ سے فرمایا کہ جنت کے اس گچھے سے مراد یہ ہے کہ ایوہل کی
 نسل سے حضرت عکرمہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

بعد میں یہ مختلف معرکوں میں شریک ہوتے رہے، بالآخر یرموک کی لڑائی میں شہید ہو گئے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي تَشْمِيتِ الْعَاطِسِ

یہ باب چھینکنے والے کے جواب کے حکم کے بارے میں ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ مِثٌّ بِالْمَغْرُوفِ: يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا تَقَبَّلَ، وَيُجِيبُهُ إِذَا دَعَاهُ، وَيُسَبِّحُهُ إِذَا عَطَسَ، وَيَعُوذُ بِهِ إِذَا مَرَضَ، وَيَنْتَبِغُ جَنَازَتَهُ إِذَا مَاتَ، وَيُحِبُّ لِقَاءَ يَحِبُّ لِنَفْسِهِ
 حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان کے مسلمان پر دستور کے مطابق چھ حقوق
 ہیں: اسے سلام کرے جب وہ اس سے ملے، اس کی دعوت کو قبول کرے جب وہ اسے بلائے، اس کی چھینک کا
 جواب یرحمک اللہ سے دے جب وہ چھینک مار کر الحمد للہ کہے، اس کی بیماری پر سی کرے جب وہ بیمار ہو جائے، اس
 کے جنازے کے ساتھ چلے جب وہ مر جائے اور اس کیلئے بھی وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔
 عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لِلْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ مِثٌّ خِصَالٍ: يَعُوذُ بِهِ إِذَا مَرَضَ، وَيُسَبِّحُهُ
 إِذَا مَاتَ، وَيُجِيبُهُ إِذَا دَعَاهُ، وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا تَقَبَّلَ، وَيَنْتَبِغُ لَهُ إِذَا غَابَ أَوْ شَهِدَ.
 حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن کے مؤمن پر چھ حقوق ہیں: اس کی
 عیادت کرے جب وہ بیمار ہو جائے، اس کی تجمیز و تکفین میں شریک ہو جب وہ مر جائے، اس کی دعوت کو قبول کرے
 جب وہ اسے بلائے، اور اسے سلام کرے جب وہ اس سے ملاقات کرے، اس کی چھینک کا جواب دے جب وہ
 چھینکے، اور اس کی خیر خواہی کرے جب وہ غائب ہو یا موجود ہو۔

چھینک کا جواب دینے کی حیثیت

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے چھ حقوق ذکر فرمائے ہیں جو ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر ہیں:

(۱) جب وہ اسے سلام کرے تو یہ اس کا اچھے انداز سے سلام کا جواب دے، اس کی مزید تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

(۲) کھانے کی دعوت کرے تو اسے قبول کرے، دعوت کا قبول کرنا سنت ہے اور بعض حضرات کے نزدیک واجب ہے، لہذا دعوت کو قبول کرنا چاہئے، بشرطیکہ اس میں کوئی خلاف شرع کام نہ ہو، اگر اس پر دگرگام میں موسیقی ہو تو پھر اس میں شرکت نہیں کرنی چاہئے، معذرت کر دے، البتہ اگر وہ خلاف شرع کام کو ختم کر سکتا ہو تو پھر شرکت درست ہے۔

(۳) جب اس کے پاس کوئی چھینکے اور الحمد للہ کہے تو سننے والے کو چاہئے کہ وہ یرحمک اللہ سے اسے جواب دے، ”تشمیت“ کہتے ہیں: چھینکنے والے کو یرحمک اللہ سے جواب دینا۔

چھینک کا جواب دینے کی کیا حیثیت ہے؟ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے:

- ☆ چھینک کا جواب دینا سنت ہے، یہ امام نووی اور مالکیہ کا مذہب ہے۔
- ☆ اہل ظاہر اور شافعیہ کے نزدیک یہ جواب دینا فرض عین ہے
- ☆ حنفیہ اور جمہور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ چھینک کا جواب دینا واجب علی الکفایہ ہے یعنی اگر بعض افراد بھی اس کا جواب دے دیں تو سب کی طرف سے یہ واجب ادا ہو جائے گا۔

(۴) مریض کی عیادت کرے۔ (۵) جب مرجائے تو اس کی تجھیز و تدفین اور نماز جنازہ میں شریک ہو۔

(۶) مسلمان بھائی کیلئے وہی کچھ پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے، اور دوسری روایت میں چھٹا حق یہ ہے کہ مسلمان بھائی کیلئے خیر خواہی کے جذبات رکھتا ہو خواہ وہ بھائی اس کے پاس حاضر ہو یا غائب، ایسا نہ ہو کہ سامنے ہو تو اس کی خوشامد کرے اور غائب ہو تو اس کی برائی کرے، یہ طریقہ منافقین کا ہوتا ہے، جسے ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ كَيْفَ تَشْمِيتِ الْعَاطِسِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ چھینکنے والے کو کیسے جواب دیا جائے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: كَانَ الْيَهُودُ يَتَقَاطِسُونَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ يَزْجُونَ أَنْ يَقُولَ لَهُمْ: يَزْحَمُكُمُ اللَّهُ، فَيَقُولُ:

يَهْدِيكُمُ اللَّهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ

حضرت ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ یہودی نبی کریم ﷺ کے پاس چھینکتے اور امید رکھتے کہ حضور ﷺ ان کیلئے یرحمکم اللہ کہیں، مگر آپ ﷺ یہی فرماتے یهدیکم اللہ ویصلح بالکم (اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے اور تمہارا حال درست کر

دے)

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ كَانَ مَعَ الْقَوْمِ فِي مَقَرٍّ، فَعَطَسَ وَجَلَّ مِنَ الْقَوْمِ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ. فَقَالَ: عَلَيْكَ وَعَلَى أَوْلِيَّكَ، لَكَ أَنْ تَزْجَلَ وَجَدَ فِي نَفْسِهِ، فَقَالَ: أَمَا إِلَيَّ لَمْ أَقُلْ إِلَّا مَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: عَطَسَ وَجَلَّ عِنْدَ

النَّبِيِّ ﷺ: فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَّكَ، إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ، فَلْيَقُلْ: الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَلْيَقُلْ لَعَمْرُؤُا عَلَيْهِ: يَزُحْمُكَ اللَّهُ وَلْيَقُلْ: يَغْفِرُ اللَّهُ لِي وَلَكُمْ.

حضرت سالم بن عبید کچھ لوگوں کے ساتھ سفر میں تھے کہ ان میں سے ایک نے چھینک ماری تو اس نے کہا: السلام علیکم تو سالم نے کہا کہ تجھ پر اور تیری ماں پر سلام ہو، یہ بات اس آدمی پر گراں گذری (یا یہ ترجمہ: وہ شخص اپنے دل میں ہی غصہ ہو گیا) سالم نے فرمایا: میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا، وہی کہا ہے جو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا (جب) ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے پاس چھینک ماری تو اس نے کہا السلام علیکم تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم پر اور تمہاری ماں پر سلام ہو (پھر فرمایا) جب تم میں سے کوئی آدمی چھینکے تو اسے چاہئے کہ وہ الحمد للہ رب العالمین کہے، اور جو شخص اسے چھینک کا جواب دے تو کہے: یرحمک اللہ، اور چھینکنے والا پھر کہے: یغفر اللہ لی ولکم (اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمادے)

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، قَالَ: إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ: الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَىٰ كُلِّ حَالٍ وَلْيَقُلْ الَّذِي نَزَّلَهُ عَلَيْهِ: يَزُحْمُكَ اللَّهُ وَلْيَقُلْ هُوَ: يَهْدِيكُمْ اللَّهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ

حضرت ابویوب انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی چھینکے تو کہے الحمد للہ علی کل حال (ہر حال میں اللہ ہی کیلئے تمام تعریفیں ہیں) اور اسے جواب دینے والا کہے: یرحمک اللہ (اللہ تم پر رحم کرے) اور پھر چھینکنے والا کہے: یمہدیکم اللہ ویصلح بالکم (اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے اور تمہارا حال بہتر کر دے)

مشکل الفاظ کے معنی:- یشمت: چھینک کا جواب یرحمک اللہ سے دے۔ عاطس: چھینکنے والا۔ یتعاطسون: وہ چھینک مارتے تھے۔ یرجون: وہ امید رکھتے۔ وجدفی نفسہ: دل میں گراں گذری، اپنے دل میں غصہ ہو گئے۔ بال: اس کے تین معنی ہیں: دل، خوشحالی اور حال، احادیث میں اس لفظ کے تینوں معنی استعمال ہوئے ہیں، تاہم اس حدیث میں ویصلح بالکم میں ”حال“ کے معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔

چھینک کا جواب کن الفاظ سے دیا جائے

اس باب کی احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- (۱) اگر کوئی کافر چھینک مارے اور قریب میں مسلمان ہو تو وہ یرحمک اللہ نہ کہے، کیونکہ رحمت اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے، بلکہ ان کی ہدایت کیلئے دعا کرے ان الفاظ سے: یمہدیکم اللہ ویصلح بالکم، چنانچہ یہود آپ ﷺ کی مجلس میں چھینک مارتے تھے تاکہ حضور ﷺ ان کیلئے یرحمک اللہ کے ذریعہ دعا دیں لیکن آپ ﷺ ایسا نہ فرماتے بلکہ یمہدیکم اللہ ویصلح بالکم ہی ارشاد فرماتے۔
- (۲) چھینکنے والے کو جب یرحمک اللہ سے جواب دیا جائے تو اس کے بعد چھینکنے والا کیا کہے؟ احادیث میں اس موقع کیلئے دو

طرح کے الفاظ منقول ہیں (۱) ۱) یھدیکم اللہ ویصلح بالکم (۲) یغفر اللہ لی ولکم
جمہور علماء فرماتے ہیں کہ آدمی کی مرضی ہے کہ ان دو الفاظ میں سے جو بھی کہہ لے، سنت ادا ہو جائے گی، اور اگر بیک
وقت دونوں طرح کے الفاظ کہہ دے تو یہ سب سے بہتر ہے۔

(۳) چھینکنے والا الحمد للہ کہے، السلام علیکم اس وقت نہ کہے، ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے پاس چھینک مار کر السلام علیکم کہا تو
آپ ﷺ نے فرمایا: علیک علی اک، چھینک کا جواب اس طرح دینے کا مقصد یہ تھا کہ چھینک کے وقت السلام علیکم نہیں کہنا چاہئے
اور اس طرف اشارہ کرنا تھا کہ تمہاری تربیت ماں نے کی ہے جب ہی تم نے چھینک کے وقت ایسا کہا ہے، اگر تمہاری تربیت باپ
کرتے تو تم اس طرح نہ بولتے، بلکہ صحیح جملہ بولتے، یہ حدیث چونکہ حضرت سالم نے سنی ہوئی تھی اس لیے انہوں نے بھی چھینک
کے وقت السلام علیکم کہنے والے کو اسی طرح جواب دیا، جو نبی کریم ﷺ نے دیا تھا، پھر آپ ﷺ نے صحیح طریقہ ارشاد فرمایا۔ (۱)

باب مَا يَقُولُ الْعَاطِسُ إِذَا عَطَسَ

یہ باب ان کلمات کے بیان میں ہے کہ جو چھینکنے والا چھینک کے وقت کہے گا

عَنْ نَافِعٍ أَنَّ زَجْلًا عَطَسَ إِلَى جَنْبِ ابْنِ عَمْرٍو فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ. قَالَ ابْنُ عَمْرٍو أَنَا
أَقُولُ: الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ، وَلَيْسَ هَكَذَا عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، عَلَّمَنَا أَنْ نَقُولَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ
عَلَى كُلِّ حَالٍ۔

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر کی موجودگی میں چھینک ماری اور الحمد للہ والسلام علی
رسول اللہ ﷺ کہا، ابن عمر نے فرمایا: میں بھی کہتا ہوں الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ ﷺ مگر اس طرح نبی کریم ﷺ
نے ہمیں نہیں سکھایا، بلکہ ہمیں یہ سکھایا کہ (چھینک کے بعد) ہم یہ کہیں: الحمد للہ علی کل حال (ہر حال میں تمام تعریفیں
اللہ جل جلالہ ہی کے لیے ہیں)۔

چھینکنے کی دعا

احادیث میں چھینکنے کے وقت کی دعا کے بارے میں تین طرح کے الفاظ منقول ہیں:

(۱) الحمد للہ (۲) الحمد للہ رب العالمین (۳) الحمد للہ علی کل حال۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ چھینکنے کے وقت آدمی الحمد للہ کہے اور اگر الحمد للہ رب العالمین کہے تو یہ اس سے
بہتر ہے اور اگر الحمد للہ علی کل حال کہے تو یہ سب سے افضل ہے، کیونکہ اللہ کی حمد و ثناء پر مشتمل کلمات جس قدر زیادہ ہوں گے، اسی قدر ان
کی عظمت اور فضیلت بھی بڑھ جاتی ہے۔

فقال ابن عمر: وإنا أقول: الحمد لله والسلام على رسول الله، حضرت ابن عمر کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ دل تو میرا بھی یہی چاہتا ہے کہ میں بھی چھینک کے وقت یہی کہوں جو آپ نے کہا ہے، لیکن ایسا ہمیں حضور ﷺ نے نہیں سکھلایا، اس لیے ہمیں ایسا نہیں کہنا چاہئے وہی کلمات کہنے چاہئیں جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي إِيحَابِ التَّشْمِيتِ بِحَمْدِ الْعَاطِسِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ چھینک مارنے والا الحمد للہ کہے تو یرحمک اللہ سے اس کا جواب دیا جائے
عن أنس بن مالك أَن رَجُلَيْنِ عَطَسَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَشَمَّتْ أَحَدَهُمَا وَلَمْ يَشْمِثِ الْآخَرُ، فَقَالَ الَّذِي لَمْ يَشْمِثْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ شَمَّتْ هَذَا وَلَمْ يَشْمِثْ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّهُ حَمْدُ اللَّهِ وَإِنْكَ لَمْ تَحْمَدِ اللَّهَ.
حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ دو شخصوں نے نبی کریم ﷺ کے پاس چھینک ماری تو آپ ﷺ نے ان میں سے ایک کی چھینک کا جواب دیا اور دوسرے کو جواب نہیں دیا، اس شخص نے عرض کیا جس کو آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا: یا رسول اللہ! آپ نے اس کی چھینک کا تو جواب دیا اور میری چھینک کا جواب نہیں دیا؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس لیے کہ اس نے چھینک کے وقت اللہ کی تعریف بیان کی (یعنی الحمد للہ کہا) اور یرحمک آپ نے اللہ کی اس وقت حمد و ثناء بیان نہیں کی۔

چھینک کا جواب کب دیا جائے

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ چھینک کا جواب یرحمک اللہ سے انسان پر اس وقت واجب علی الکفایہ ہوتا ہے جب چھینکنے والا بلند آواز سے الحمد للہ کہے جسے دوسرا انسان سن سکے لہذا اگر وہ الحمد للہ نہ کہے یا بلند آواز سے نہ کہے کہ جس سے دوسرا آدمی سن سکے تو پھر چھینک کا جواب دینا لازم نہیں ہوتا۔

طبرانی کی روایت میں ہے کہ یہ دو شخص حضرت عامر بن طفیل اور ان کے بھتیجے تھے۔ (۲)

باب مَا جَاءَ كَمْ يَشْمِثُ الْعَاطِسُ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ چھینکنے والے کو کتنی مرتبہ تک جواب دیا جائے۔

عن سلمة بن الأكوع قَالَ: عَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَأَنَا شَاهِدٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَزْخَمُكَ اللَّهُ. ثُمَّ عَطَسَ الْغَايِبُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: هَذَا رَجُلٌ مَرْكُومٌ

(۱) تحفة الاحوذی ۹/۸

(۲) تحفة الاحوذی ۱۳/۸

حضرت سلمہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے پاس چھینک ماری، میں بھی وہاں موجود تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یرحمک اللہ (اللہ تم پر رحم فرمائے) پھر دوسری بار اس نے چھینک ماری تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شخص زکام میں مبتلی ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ: إِلَّا أَنَّهُ قَالَ لَهُ فِي الْفَالِقَةِ: أَنْتَ مَرْكَوْمٌ۔
اسی سند کے ایک طریق میں ہے کہ آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ چھینکنے پر فرمایا کہ اس آدمی کو زکام ہے۔
عَنْ عُثَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: شَمَتَ الْغَاطِسُ ثَلَاثًا، فَإِنْ زَادَ فَإِنْ شِئْتَ فَشِئْتَ وَإِنْ شِئْتَ فَلَا۔
حضرت عبید بن رفاعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: چھینکنے والے کو تین بار تک جواب دو پھر اگر اس سے زیادہ چھینکے تو تمہیں اختیار ہے، چاہو تو اسے جواب دو، اور چاہو تو نہ دو۔

چھینک کا جواب کتنی مرتبہ تک دیا جائے

حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ چھینک کا جواب دینے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے زکام ہے جبکہ امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت ابو ہریرہ سے اور حضرت سلمہ کی اس روایت کے دوسرے طریق میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ چھینک کا جواب دیا اور پھر فرمایا کہ اسے زکام ہے، بظاہر دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہے؟ اس لیے بعض علماء نے ان دونوں قسم کی روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ حدیث سلمہ میں ایک مرتبہ چھینک کا جواب دینے کے بعد آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا کہ اسے زکام ہے اس لیے پھر آپ ﷺ نے مزید جواب نہیں دیے، لیکن اگر پہلی مرتبہ چھینک کے جواب کے بعد آدمی کو زکام کا پتہ نہ چل سکے، تو پھر تین بار تک ضرور چھینک کا جواب دے، اس کے بعد آدمی کی مرضی ہے، چاہے تو جواب دے اور چاہے تو نہ دے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي خَفْضِ الصَّوْتِ وَتَخْمِيرِ الْوَجْهِ عِنْدَ الْغَطَاسِ

یہ باب چھینک کے وقت آواز کو پست کرنے اور چہرے کو ڈھانپ دینے کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا غَطَسَ غَطَى وَجْهَهُ بِيَدِهِ، أَوْ بِنَفْسِهِ، وَغَضَّ بِهَا صَوْتَهُ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو چھینک آتی تو آپ ﷺ اپنے چہرے کو اپنے ہاتھوں یا کپڑے سے ڈھانپ لیتے اور چھینک کے وقت اپنی آواز کو پست فرما لیتے۔

مشکل الفاظ کے معنی:- خفض الصوت: آواز کو پست کرنا، پست آواز۔ تخمیر الوجه: چہرے کو ڈھانپنا، چہرے کو چھپانا۔

غض بہا: چھینک کے وقت آواز کو پست اور آہستہ کر لیتے۔

چھینک مارنے کے آداب

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے چھینک مارنے کے دو آداب ذکر فرمائے ہیں، ایک چھینکتے وقت ہاتھوں سے یا کسی کپڑے سے چہرے کو ڈھانپ دیا جائے اور دوسرا یہ کہ بلند آواز سے نہ چھینکا جائے، کیونکہ یہ دونوں چیزیں تہذیب و تمدن اور شائستگی کی علامت بھی ہیں اور آداب شریعت کا تقاضا بھی ہیں، اس لیے کہ چھینک کے وقت چہرے کی شکل بگڑ جاتی ہے، بسا اوقات کوئی بلغم وغیرہ بھی نکل آتی ہے، اگر چہرے کو نہ ڈھانپا گیا تو ساتھ میں بیٹھے انسان کو تکلیف ہوگی، اسی طرح بلند آواز کے ساتھ چھینک مارنے سے لوگ خوف زدہ بھی ہو جاتے ہیں، معاشرہ میں اسے سنجیدگی اور وقار کے خلاف سمجھا جاتا ہے، اس لیے آہستہ آواز سے چھینک ماری جائے اور الحمد للہ بلند آواز کے ساتھ کہا جائے تاکہ دوسرا شخص سن کر اس چھینک کا جواب دے سکے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ إِنْ اللَّهَ يُحِبُّ الْغَطَّاسَ وَيَكْرَهُ التَّكَاؤُبَ

یہ باب اس بارے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند اور جمائی لینے کو ناپسند کرتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: الْغَطَّاسُ مِنَ اللَّهِ، وَالتَّكَاؤُبُ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا تَغَابَبَ أَخَذَ كُمَ فَلْيَضْغُ يَدَهُ عَلَى فِئِهِ وَإِذَا قَالَ: آهَ آهَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَضْحَكُ مِنْ جَوَافِهِ، وَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْغَطَّاسَ وَيَكْرَهُ التَّكَاؤُبَ، فَإِذَا قَالَ التَّوَجَّلُ: آهَ آهَ إِذَا تَغَابَبَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَضْحَكُ مِنْ جَوَافِهِ

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: چھینک اللہ کی طرف سے اور جمائی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، لہذا جب تم میں سے کوئی جمائی لے تو اسے چاہئے کہ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے اور جب جمائی لینے والا آہ آہ کہتا ہے تو شیطان اس کے منہ کے اندر سے ہنستا ہے (یعنی شیطان اس کی غفلت سے خوش ہوتا ہے) بیشک اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند اور جمائی کو ناپسند کرتے ہیں، چنانچہ جب کوئی جمائی لیتے وقت آہ آہ کہتا ہے تو شیطان اس کے اندر سے (اس کی غفلت پر) ہنستا ہے (جب وہ اپنے منہ پر ہاتھ نہ رکھے تو)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنْ اللَّهَ يُحِبُّ الْغَطَّاسَ، وَيَكْرَهُ التَّكَاؤُبَ، فَإِذَا غَطَّاسٌ أَخَذَ كُمَ فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ فَحَقِّي عَلَى كُمِّي مِنْ سَبْعَةِ أَنْ يَقُولَ: يَزْخَمُكَ اللَّهُ وَأَهْمَا التَّكَاؤُبَ فَإِذَا تَغَابَبَ أَخَذَ كُمَ فَلْيَضْغُ مَا اسْتَطَاعَ وَلَا يَقُولَ: هَاهُ هَاهُ، فَإِنَّمَا ذَلِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ يَضْحَكُ مِنْهُ.

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند اور جمائی کو ناپسند

فرماتے ہیں، لہذا جب تم میں سے کوئی چھینکے تو وہ الحمد للہ کہے، اور ہر سننے والے پر حق ہے کہ وہ جواب میں یرحمک اللہ کہے، اور جہاں تک جمائی کا تعلق ہے تو جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو حتی الوسع اسے روکنے کی کوشش کرے اور ہا ہا نہ کرے، کیونکہ یہ شیطان کی طرف سے ہے جس سے وہ ہنستا ہے (یعنی اس کی غفلت پر مسکراتا ہے)

چھینک پسندیدہ اور جمائی نا پسندیدہ ہے

چھینک کی وجہ سے انسان میں چستی اور نشاط پیدا ہوتا ہے، دماغ سے کدورتیں اور بوجہ زائل ہو جاتا ہے، فہم و بصیرت میں اضافہ اور عبادت میں تازگی آ جاتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتے ہیں، اور حدیث میں چھینک کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے، جبکہ جمائی آنے کا باعث کثرتِ اکل اور نفس کا بھاری پن ہے، اس کی وجہ سے آدمی کے اندر غفلت و سستی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عبادات میں نشاط اور یکسوئی ختم ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جمائی سے شیطان بہت خوش ہوتا ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے وہ اس آدمی کو آسانی کے ساتھ برے وساوس اور غلط راستے پر لگا لیتا ہے، حدیث میں اسی وجہ سے جمائی کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے، لہذا جمائی کو روکنے کی کوشش کرے اور جب جمائی آئی جائے تو اپنے منہ پر ہاتھ یا کوئی کپڑا رکھ لینا چاہئے تاکہ شیطان کے اثرات سے بچا جاسکے۔ (۱)

علماء کرام فرماتے ہیں کہ جب انسان کو جمائی آنے لگے تو دل ہی دل میں یہ تصور کرے کہ نبی کریم ﷺ کو بھی جمائی نہیں آئی تو اس سے وہ جمائی ختم ہو جائے گی، یہ بزرگوں کا مجرب طریقہ ہے، اس لیے جمائی سے بچنے کیلئے یہ طریقہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔

باب مَا جَاءَ إِنْ الْغَطَّاسَ فِي الصَّلَاةِ مِنَ الشَّيْطَانِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ نماز میں چھینک آنا شیطان کی طرف سے ہے۔

عَنْ عَبْدِ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، رَفَعَهُ، قَالَ: الْغَطَّاسُ، وَالنَّعَّاسُ، وَالتَّخَاؤُبُ فِي الصَّلَاةِ، وَالْحَيِضُ وَالْقَيْءُ وَالزُّغَافُ مِنَ الشَّيْطَانِ.

حضرت عدی بن ثابت اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز کے دوران چھینک، اونگھ، جمائی، حیض، قے اور نکیر کا آنا شیطان کے اثر سے ہوتا ہے۔

نماز میں چھینک کا آنا پسندیدہ نہیں

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے چھ چیزوں کو ذکر فرمایا کہ یہ نماز میں پیش آجائیں تو یہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں،

اور تین چیزوں یعنی چھینک، اوجھ اور بھائی کے بعد ”فی الصلوة“ کا لفظ ذکر کیا، اس طرف اشارہ کرنے کیلئے کہ پہلی تین چیزیں گو کہ دوران نماز مکروہ ہیں تاہم ان سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اور آخری تین چیزیں یعنی حیض، قے اور تکبیر نماز میں پیش آجائیں تو ان سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، ان چھ چیزوں کو شیطان کا اثر اس لیے فرمایا ہے کہ ان کے پیش آنے سے شیطان خوش ہوتا ہے اور اس کی نماز کو توڑنا اور خشوع و خضوع کو ختم کرنا اس کیلئے آسان ہو جاتا ہے۔

یہ ذہن میں رہے کہ عام حالات میں چھینک کا آنا باعث رحمت ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے یعنی اس سے عبادات میں نشاط پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ پچھلے باب کی روایات میں یہ گزر چکا ہے، لیکن اگر یہ چھینک نماز کے اندر آجائے تو یہ شیطانی اثر سے ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے نماز کے خشوع و خضوع میں خلل واقع ہوتا ہے۔ (۱)

باب كَرَاهِيَةٌ أَنْ يَقَامَ الزَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يُجْلِسُ فِيهِ

باب: یہ بات مکروہ ہے کہ آدمی کو اس کی جگہ سے اٹھا دیا جائے اور پھر اس میں خود بیٹھا جائے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَا يَقُمْ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يُجْلِسُ فِيهِ.

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے کہ پھر خود اس کی جگہ پر بیٹھ جائے۔

دوسرے کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنا جائز نہیں

اگر کوئی شخص کسی مباح جگہ پر بیٹھ جائے مثلاً مسجد میں یا علم و وعظ کیلئے کس جگہ کوئی بیٹھ جائے تو اب دوسرے کسی انسان کیلئے جائز نہیں کہ وہ اسے وہاں سے اٹھا دے اور خود اس کی جگہ پر بیٹھ جائے، کیونکہ اس میں اس کی حق تلفی ہے، علامہ نووی نے اس طرح کرنے کو حرام قرار دیا ہے، چنانچہ اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے حضرت ابن عمر کا یہ طریقہ تھا کہ اگر کوئی شخص انہیں خود بھی اپنی جگہ پر بیٹھنے کو کہتا تو وہ نہ بیٹھتے، یہ ان کا کمال تقویٰ تھا اور نہ جب دوسرا شخص اپنی خوشی سے اس جگہ پر بیٹھنے کا کہے تو شرعاً اس کی جگہ پر بیٹھنا جائز ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ اگر مسجد میں کسی جگہ کو درس اور افتاء کیلئے خاص کر لیا جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، ایسے میں پھر کسی اور کو اس جگہ پر نہیں بیٹھنا چاہئے۔ (۲)

(۱) تحفة الاحوذی ۲۲/۸

(۲) تحفة الاحوذی ۲۳/۸، شرح مسلم للنووی ۲/۲۱۷، کتاب السلام، باب تحریم اقامة الانسان.....

باب مَا جَاءَ إِذَا قَامَ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب کوئی شخص مجلس سے اٹھ کر جائے اور پھر واپس آجائے تو وہ اپنی جگہ بیٹھنے کا زیادہ حقدار ہے۔

عَنْ وَهْبِ بْنِ خَلْدَيْفَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: الرَّجُلُ أَحَقُّ بِمَجْلِسِهِ وَإِنْ خَرَجَ لِحَاجَتِهِ ثُمَّ عَادَ فَهُوَ أَحَقُّ بِمَجْلِسِهِ.

حضرت وہب بن خدیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی اپنی جگہ کا زیادہ حقدار ہے، لہذا اگر وہ کسی ضرورت کیلئے اٹھ کر جائے اور پھر واپس آجائے تو وہ اپنی جگہ کا زیادہ مستحق ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص مسجد وغیرہ میں کسی جگہ پہ بیٹھا ہو اور کسی ضرورت کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لئے وہاں سے اٹھ کر جائے اور پھر واپس آجائے تو وہ شخص ہی اپنی جگہ کا زیادہ حقدار ہے، دوسرے کسی آدمی کیلئے اس کی جگہ میں بیٹھنا درست نہیں۔ جانے والے کو چاہیے کہ اگر اس نے دوبارہ واپس آنا ہے تو اس جگہ اپنی کوئی چیز رکھ کر جائے، یا ساتھ میں بیٹھے آدمی کو بتادے کہ میں ابھی واپس آ رہا ہوں، کسی اور کو نہ بیٹھنے دیا جائے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْجُلُوسِ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ بَغَيْرِ إِذْنِهِمَا

یہ باب اس بارے میں ہے کہ دو مخصوص کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر بیٹھنا مکروہ ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَا يَجْلُ لِلرَّجُلِ أَنْ يَفْرُقَ بَيْنَ الثَّانِيَنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی شخص کیلئے یہ بات حلال نہیں کہ وہ دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر بیٹھ جائے۔

دو شخصوں کے درمیان بیٹھنے کا حکم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب دو شخص اکیلے بیٹھے ہوں تو کسی تیسرے کیلئے جائز نہیں کہ وہ ان کے درمیان تفریق کرے یعنی ان کی مرضی کے بغیر ان کے درمیان بیٹھ جائے، کیونکہ اس سے انہیں وحشت اور تکلیف ہوگی، ممکن ہے کہ وہ اپنی کسی خاص بات میں مشغول ہوں یا کوئی اہم مشورہ کر رہے ہوں، البتہ اگر وہ بیٹھنے کی اجازت دے دیں تو پھر کوئی حرج نہیں۔ (۲)

(۱) تحفة الاحوذی ۲۳/۸

(۲) تحفة الاحوذی ۲۵/۸

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْقُعُودِ وَسَطِ الْحَلَقَةِ

یہ باب حلقے اور مجمع کے درمیان بیٹھنے کی کراہت کے بارے میں ہے۔

عَنْ أَبِي مَجْلَزٍ أَنَّ زَجَلًا قَعَدَ وَسَطَ حَلَقَةٍ فَقَالَ خَذْبَةُ: مَلْعُونٌ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ أَوْ لَعَنَ اللَّهُ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ: مَنْ قَعَدَ وَسَطَ الْحَلَقَةِ

حضرت ابو مجلز فرماتے ہیں کہ ایک شخص حلقہ کے درمیان بیٹھا تو خذیفہ نے فرمایا: حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق وہ شخص ملعون ہے یا فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی زبان سے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو حلقہ کے درمیان بیٹھے۔

مجمع کے درمیان گھسنے کا حکم

جو شخص مجمع کے درمیان گھس جائے تو اس پر لعنت کی گئی ہے یعنی وہ شخص اللہ جل جلالہ کی رحمت سے دور کر دیا جاتا ہے، یہ لعنت کس وجہ سے کی گئی ہے، شارحین حدیث نے اس کی تین وجہیں لکھی ہیں:

(۱) مجمع کے درمیان میں جانے کیلئے چونکہ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگے گا، جس سے انہیں اذیت ہوگی، اس لیے ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس عمل کو باعث لعنت قرار دیا ہے۔

(۲) بسا اوقات مجمع کے درمیان میں ایسی جگہ میں بیٹھ جاتا ہے جہاں سے بعض لوگ دوسرے لوگوں کو نہیں دیکھ سکتے، اور انہیں اس سے تکلیف ہوتی ہے۔

(۳) بعض علماء کے نزدیک اس آدمی سے وہ مسخرہ شخص مراد ہے جو حلقہ کے درمیان اس لیے جاتا ہے تاکہ لوگ اسے دیکھ کر ہنسیں، ایسے شخص پر لعنت کی گئی ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ قِيَامِ الزَّجْلِ لِلزَّجْلِ

یہ باب ایک شخص کا دوسرے کیلئے تعظیماً کھڑے ہونے کی کراہت کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا لِمَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَةِ لَذْلِكِ.

حضرت انس فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب نہیں تھا، اس کے باوجود وہ لوگ جب حضور ﷺ کو دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اسے پسند

نہیں فرماتے۔

عَنْ أَبِي مَجْلَزٍ قَالَ: خَرَجَ مُعَاوِيَةُ، فَقَامَ عِنْدَ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ وَابْنِ صَفْوَانَ حِينَ رَأَوْهُ. فَقَالَ: اجْلِسْ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ سَرَّهَ أَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الزَّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

حضرت ابو مجلز فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نکلے تو عبداللہ بن زبیر اور ابن صفوان انہیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے، حضرت معاویہؓ نے فرمایا: تم دونوں بیٹھ جاؤ، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کو یہ بات اچھی لگے کہ لوگ اس کے سامنے (تصویروں کی طرح) کھڑے رہیں تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔
یتمثل له: اس کے لئے کھڑے ہو جائیں۔

دوسرے انسان کیلئے کھڑے ہونے کا حکم

اس باب کی احادیث میں ہے کہ جب کوئی انسان بیٹھا ہو اور دوسرا کوئی اس کے پاس آجائے تو اس کیلئے کھڑا ہونا ناپسندیدہ ہے، نبی کریم ﷺ اس موقع پر کھڑے ہونے کو پسند نہیں فرماتے تھے، آپ ﷺ کے بعد پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی طریقہ رہا ہے، اس موقع پر کھڑے ہونے کو تکبر کرنے والے اور عجمی لوگ پسند کرتے تھے۔
لیکن بعض دوسری احادیث سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے، اسی وجہ سے اس مسئلے میں اہل علم کے ہاں اختلاف ہے، چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان صاحب علم و فضل ہو، تو اس کے ادب و احترام میں کھڑا ہونا مستحب ہے جبکہ ابو عبداللہ بن حاج مالکی اسے ممنوع قرار دیتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے درج ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے:

(۱) حدیث میں ہے کہ اہل قریظہ جب حضرت سعد کے فیصلہ پر متفق ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد کو بلایا، جب وہ آگئے تو نبی کریم ﷺ نے اہل قریظہ سے فرمایا: قوموا الی سیدکم کہ تم اپنے سردار کیلئے کھڑے ہو جاؤ، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ تعظیماً کھڑا ہونا درست ہے۔

ابن حاج مالکی اس حدیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہونے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ حضرت سعد بیمار تھے وہ سواری سے اترنے پر قادر نہیں تھے تو آپ ﷺ نے اہل قریظہ سے فرمایا کہ اٹھو اور اپنے سردار کو سواری سے اتارو، چنانچہ بعض روایات میں اس کی تصریح منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قوموا الی سیدکم فانزلوہ کھڑے ہو کر اپنے سردار کو سواری سے اتارو، اس لیے اس روایت سے اس بات پر استدلال کرنا کہ صاحب علم و فضل کی تعظیم کیلئے کھڑے ہوا جائے، ضعیف اور مخدوش ہے۔

(۲) حضرت کعب بن مالک کی توبہ جب قبول ہوئی تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا، مصافحہ کیا اور

مبارکباد دی، اس سے معلوم ہوا کہ ادب کے طور پر کھڑے ہوا جاسکتا ہے۔

ابن الحاج مالکی فرماتے ہیں کہ حضرت طلحہؓ انہیں مبارک دینے کیلئے کھڑے ہوئے آپس کے تعلق کی وجہ سے جو ان کے درمیان تھا، ورنہ اس موقع پر کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ نبی کریم ﷺ ان کیلئے کھڑے ہوئے، اور نہ ہی آپ ﷺ نے کسی صحابی کو حکم دیا اور نہ صحابہ میں سے کسی نے ایسا کیا، اگر یہ عمل درست ہوتا تو آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر عمل پیرا ہوتے اور اسے کرنے کا ارشاد فرماتے، اس لیے اس روایت سے اس موقف پر استدلال کرنا درست نہیں۔

(۳) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب نبی کریم ﷺ کے ہاں تشریف لے جاتیں تو نبی کریم ﷺ ان کیلئے کھڑے ہو جاتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے اس سے معلوم ہوا کہ تعظیماً انسان کھڑا ہو سکتا ہے؟

ابن الحاج مالکی فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے استدلال اس لیے درست نہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت فاطمہ کو اپنی جگہ پر بٹھانے کیلئے کھڑے ہوتے تھے، کیونکہ وہ مکان تنگ تھا، تو آپ ﷺ انہیں جگہ دینے کیلئے کھڑے ہو جایا کرتے، محض اکرام کی وجہ سے قیام نہیں تھا۔

(۴) ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے رضاعی بھائی آئے تو آپ ﷺ ان کیلئے کھڑے ہو گئے اور اپنے سامنے انہیں بٹھایا۔ ابن الحاج مالکی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے بھائی کیلئے اس لئے کھڑے ہوئے تھے تاکہ انہیں جگہ دیں اور اپنے سامنے انہیں بٹھائیں، ورنہ اگر ان کے ادب و اکرام میں کھڑے ہوتے تو ان کے مقابلے میں رضاعی والدین زیادہ حق دار تھے کہ ان کیلئے حضور ﷺ کھڑے ہوتے حالانکہ رضاعی والدین جب آئے تو آپ ﷺ نے ان کا خوب اکرام کیا تاہم ان کے آنے پر کھڑے نہیں ہوئے۔

مذکورہ تمام احادیث کی روشنی میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی صاحب علم و فضل کے ادب و اکرام میں کھڑے ہوا جائے تو یہ جائز ہے، اور اگر کسی کو بڑا جاننے کی وجہ سے انسان کھڑا ہو تو یہ پسندیدہ نہیں، چنانچہ علامہ عینی نے بخاری کی شرح میں ابوالولید بن رشد سے قیام کی چار قسمیں ذکر کی ہیں:

(۱) اس شخص کیلئے کھڑا ہونا ممنوع ہے جو محض تکبر و سرکشی کی وجہ سے اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کیلئے کھڑے ہوا کریں۔

(۲) اس شخص کیلئے کھڑا ہونا مکروہ ہے جو فی الحال تو متکبر نہیں لیکن خطرہ ہے کہ اگر اس کیلئے لوگ اس طرح کھڑے ہوتے رہے تو اس میں تکبر اور بڑائی پیدا ہو جائے گی، نیز اس طرح کھڑے ہونے میں متکبرین کے ساتھ مشابہت بھی لازم آتی ہے، اس لحاظ سے بھی کھڑے ہونے سے اجتناب کرنا بہتر ہے۔

(۳) ادب و اکرام اور حسن سلوک کی وجہ سے اس شخص کیلئے کھڑا ہونا جائز ہے جو متکبر نہ ہو۔

(۴) کھڑا ہونا اس وقت مستحب ہوتا ہے جب کوئی سفر سے واپس آئے، یا کسی کو کوئی خوشی حاصل ہوئی تاکہ اسے مبارک دی

جائے یا کوئی جلائے مصیبت ہے تو اسی تسلی دی جائے، ان مواقع پر کھڑا ہونا پسندیدہ ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي تَقْلِيمِ الْأُظْفَارِ

یہ باب ناخن کاٹنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: خُمْسُ مِنَ الْفُطْرَةِ: الْإِسْتِخْدَاذُ وَالْحِثَانُ، وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمُ الْأُظْفَارِ.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچ چیزیں فطرت (یعنی انبیاء کی سنتوں میں) سے ہیں زیر ناف بال صاف کرنا، عتہ کرنا، مونچھیں تراشنا، بغل کے بال نوچنا اور ناخن کاٹنا۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: خُمْسُ مِنَ الْفُطْرَةِ: قَصُّ الشَّارِبِ وَإِغْفَاءُ اللَّحْيَةِ وَالسَّوَاكِ وَالِاسْتِغْسَاقُ وَقَصُّ الْأُظْفَارِ وَغَسْلُ التَّوَاجِمِ وَتَقْلِيمُ الْإِبْطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَالنِّقَاصُ الْمَاءِ. قَالَ زَكْرِيَّا: قَالَ مُصَنَّبٌ: وَنَيْسَبُ الْقَاهِرَةِ الْآنَ تَكُونُ الْمَضْمُتَةُ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دس چیزیں فطرت میں سے ہیں: مونچھیں تراشنا، ڈاڑھی بڑھانا، سواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن کاٹنا، انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا، بغل کے بال اکھاڑنا، زیر ناف بال صاف کرنا، استنجاء کرنا۔

زکریا کہتے ہیں کہ مصعب نے فرمایا: میں دسویں چیز کو بھول گیا، مگر وہ کلی کرنا ہی ہوگی۔

مشکل الفاظ کے معنی:- تقليم: کاٹنا، تراشنا۔ اظفار: غنقر کی جمع ہے ناخن۔ الاستحداد: استرے سے زیر ناف بال صاف کرنا۔ قص الشارب: مونچھیں تراشنا۔ نصف: اکھاڑنا، نوچنا۔ ابط: (ہمزہ کے نیچے زیر اور باء کے نیچے زیر اور ساکن دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں) بغل۔ اغفاء: بڑھانا۔ استغساق: ناک میں پانی ڈال کر اسے اچھی طرح صاف کرنا۔ ہواجم: برحمتہ کی جمع ہے: انگلیوں کے جوڑ۔ حلق العانة: زیر ناف بال صاف کرنا۔ النقص الماء: استنجاء کرنا۔

امور فطرت کا ذکر

اس باب کی احادیث میں نبی کریم ﷺ نے فطرت کے امور کا ذکر فرمایا ہے، یہاں ”فطرت“ سے ”سنت“ مراد ہے، کیونکہ ان احادیث میں مذکور تمام امور پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں سنت تھے اور دین اسلام میں بھی انہیں سنت قرار

(۱) تحفة الاحوذی ۳۲/۸، فتح الباری ۵۸/۱۱ کتاب الاستئذان، باب قول النبی ﷺ: قوموا الى سيدكم، عمدة القاری ۲۲/۲۵۲ ط: رشیدیہ کوئٹہ

دیا گیا ہے، اور ان پر عمل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ باب کی مذکورہ دونوں حدیثوں میں تعارض ہے کہ ایک میں پانچ امور فطرت کا ذکر ہے جبکہ دوسری حدیث میں دس امور کا بیان ہے؟

شارحین حدیث نے اس کے تین جواب ذکر کئے ہیں:

(۱) نبی کریم ﷺ کو پہلے پانچ امور بتائے گئے تو آپ ﷺ نے پانچ کو ذکر فرمایا پھر بعد میں جب دس کا بتایا گیا تو آپ ﷺ نے دس امور ارشاد فرمائے۔

(۲) عدد اقل عدد اکثر کی نفی نہیں کرتا، اس لیے کوئی تعارض نہیں۔

(۳) یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے موقع محل کے اعتبار سے تعداد کو بیان فرمایا ہو، بعض جگہ آپ ﷺ نے پانچ کا ذکر مناسب سمجھا اور بعض جگہ آپ ﷺ نے دس امور ذکر فرمادیئے۔

امور فطرت کی تفصیل یہ ہے:

(۱) زیر ناف بال صاف کرنا، خواہ صفائی سیفی، استرے یا بال صفا پوڑ سے ہو یا ہیر ریمونگ کریم یا اور کسی بھی ایسی چیز سے کہ جس سے آسانی سے بال صاف ہو جائے ہوں اور جلد کو نقصان بھی نہ پہنچتا ہو۔

زیر ناف بالوں کی حد یہ ہے کہ جو بال ناف کے نیچے سے لے کر چھوٹے پیشاب کے عضو تک اور اس کے آس پاس ہوں، ایسے ہی جو بال پاخانہ کی جگہ کے ارد گرد ہوں یعنی ان اعضاء کے آس پاس وہ جگہ جو استنجاء میں دھوئی جاتی ہے، اس جگہ کے تمام بالوں کو صاف کرنے کا حکم ہے۔

(۲) ختنہ کرنا، یہ سنت مؤکدہ اور ایک قول کے مطابق واجب ہے، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بالغ ہونے سے پہلے ختنہ کرنا واجب ہے، جمہور کے نزدیک ختنہ کا کوئی وقت متعین نہیں ہے، بڑی عمر میں بھی کرایا جاسکتا ہے تاہم ولادت کے ساتویں دن ختنہ کرنا مستحب ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن اور حسین کا ختنہ ساتویں دن کرایا تھا۔

(۳) مونچھیں کاٹنا، اس پر تفصیلی کلام آگے مستقل باب میں آ رہا ہے۔

(۴) بغل کے بال صاف کرنا، اگر انسان میں ان بالوں کو نوچ کر صاف کرنے کی ہمت ہو تو نوچ کر بال صاف کرنا بہتر ہے، اس کے علاوہ سیٹی یا کسی بھی بال صفا کریم سے یہ بال صاف کیے جاسکتے ہیں، پہلے دائیں بغل کے اور پھر بائیں بغل کے بال صاف کئے جائیں، بہتر یہ ہے کہ ہر جہہ کو یہ بال صاف کر لیے جائیں تاکہ ان کی بدبو سے دوسرے کسی انسان کو اذیت نہ ہو، اور چالیس دن سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

(۵) ناخن کاٹنا، ناخن جب بڑے ہو جائیں تو عموماً ان میں میل جمع ہو جاتا ہے، جو پاکیزگی کے خلاف ہے، ایسے ہی میل کی وجہ سے بسا اوقات پانی جڑوں تک نہیں پہنچ پاتا، اس لیے ناخن کاٹنے کا خوب اہتمام ہونا چاہئے۔

ناخن تراشنے میں انگلیوں کی کیا ترتیب ہونی چاہئے؟ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ احادیث میں اس کی کوئی تصریح موجود نہیں البتہ امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں بڑے وثوق سے لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کیا جائے پھر درمیان کی انگلی، اس کے ساتھ والی اور چھوٹی انگلی کے ناخن کاٹے جائیں، پھر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے شروع کر کے انگوٹھے تک کے ناخن تراشنے جائیں، آخر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن کاٹا جائے اور پاؤں کے ناخن تراشنے میں ابتدا دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے کی جائے اور بالترتیب بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کیا جائے۔

(۶) داڑھی کو بڑھانا، اس کی تفصیل آگے مستقل ابواب میں آرہی ہے۔

(۷) مسواک کرنا، یہ بالاتفاق سنت ہے، مختلف احادیث میں اس کی بہت سی فضیلتیں منقول ہیں، جو صرف زیتون، پیلو اور نیم کی مسواک سے حاصل ہوتی ہیں، ٹوتھ پیسٹ، منجن اور انگلی کی رگڑ سے دانت صاف کرنے کی سنت تو ادا ہو جاتی ہے لیکن مسواک کی سنت ان چیزوں سے حاصل نہیں ہوتی، اس لیے مسواک کا ضرور اہتمام کرنا چاہئے۔

(۸) ناک میں پانی چڑھانا اور اسے صاف کرنا، وضو میں ناک کی صفائی سنت ہے جبکہ غسل میں ناک میں پانی پہنچانا فرض ہے۔

(۹) انگلیوں کو دھونا بھی سنون ہے، ان میں بعض اوقات میل جمع ہو جاتا ہے، خصوصاً جو لوگ ہاتھ سے کاشت وغیرہ کا کام کرتے ہیں ان کی انگلیاں سخت ہو جاتی ہیں اور ان میں میل جمع جاتا ہے، لہذا انہیں دھونے کا خوب اہتمام کرنا چاہئے، اسی طرح بدن کے وہ اعضاء جن میں میل جمع جانے کا گمان ہو جیسے کان، بغل اور ناف وغیرہ ان کو بھی اہتمام سے دھونے کا حکم ہے۔

(۱۰) پانی کو کم کرنا یعنی انتقاص الماء۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

☆ پانی کو کم کرنے سے مراد ہے پانی سے استنجا کرنا، کیونکہ استنجا سے بھی پانی کم ہو ہی جاتا ہے، اس لئے اسے انتقاص الماء سے تعبیر کیا ہے۔

☆ دوسرا مطلب یہ ہے کہ پانی سے استنجا کی صورت میں پیشاب کے قطرے دک جاتے ہیں، یوں پیشاب میں کمی ہو جاتی ہے۔ (۱)

باب فی التَّوْقِیْتِ فِی تَقْلِیْمِ الْأَظْفَارِ وَأَخْذِ الشَّارِبِ

یہ باب مونچھیں کترنے اور ناخن کاٹنے کی مدت کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَنَسٍ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ وَقَّتَ لَهُمْ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً تَقْلِيمَ الْأَظْفَارِ وَأَخْذَ الشَّارِبِ وَخَلَقَ الْعَالَةَ
حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کیلئے ناخن کاٹنے، مونچھیں کترنے اور زیر ناف بال
مونڈنے کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس روز مقرر کی ہے۔

عَنْ أَنَسٍ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: وَقَّتْ لَنَا فِي قَضَى الشَّارِبِ وَتَقْلِيمِ الْأَظْفَارِ وَخَلَقِ الْعَالَةِ وَكَتَفِ الْإِبْطِ أَنْ لَا

نَفْرُكْ أَكْفَرُ مِنْ أَرْبَعِينَ يَوْمًا.

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے لیے مونچھیں کترنے، ناخن کاٹنے، زیر ناف بال مونڈنے اور بغل کے بال اکھاڑنے میں (زیادہ سے زیادہ چالیس دن کا) وقت (اس لیے) مقرر کیا گیا ہے کہ ہم چالیس دن سے زیادہ تک (یہ بال) نہ چھوڑیں۔

کتنی مدت میں مونچھیں اور ناخن کاٹے جائیں

مذکورہ احادیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ مونچھیں تراشنے، ناخن کاٹنے، بغل اور زیر ناف بالوں کی صفائی کیلئے چالیس دن کی حد مقرر کی گئی ہے کہ ان سے زیادہ نہ چھوڑے جائیں۔

اور بہتر یہ ہے کہ ہر ہفتہ مونچھیں تراشنے، ناخن کاٹنے، بغل اور زیر ناف بالوں کی صفائی کا اہتمام کیا جائے، چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر جمعہ کو نماز جمعہ کیلئے تشریف لے جانے سے پہلے اپنے ناخن تراشتے اور مونچھیں کترتے تھے۔

ناخن کاٹنے کے بعد انہیں یا تو پانی میں بہا دیا جائے یا زمین میں دفن کر دیا جائے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دفن کیا کرتے تھے، اور فرماتے کہ نبی کریم ﷺ زائد بال اور ناخن کو دفن کرنے کا حکم دیتے تھے تاکہ جادوگران کے ذریعہ اپنا کوئی عمل نہ کر سکیں۔ (۱)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جسم کے زائد بال اور ناخن کاٹنے سے مقصود نظافت اور صفائی ہے، نبی کریم ﷺ نے عرب ممالک کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن بیان فرمائی ہے، ہمارے ان علاقوں کے اعتبار سے مناسب یہ ہے کہ بیس دن سے زیادہ تک یہ بال نہ چھوڑے جائیں، ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر جمعہ کو اپنی مونچھیں تراشتے اور ناخن کاٹتے، زیر ناف بال بیس دن میں اور بغل کے بال چالیس دن میں اکھاڑتے تھے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہر جمعہ کو یا پندرہ دن میں یہ بال صاف کر لئے جائیں، چالیس دن تک تاخیر کی گنجائش ہے، اس سے زیادہ لیٹ کرنا مکروہ ہے۔ (۲)

باب مَا جَاءَ فِي قَضَى الشَّارِبِ

یہ باب مونچھیں کترنے کے حکم کے بارے میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْضِي أَوْ يَأْخُذُ مِنْ شَارِبِهِ وَكَانَ ابْنُ أَبِي هُرَيْرَةَ يَحْلِلُ الرَّحْمَنُ يَفْعَلُهُ.

(۱) تحفة الاحوذی ۳۲/۸

(۲) الکوکب الدرر ۳۰۱/۳

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے مونچھیں کترتے تھے یا لیتے تھے (راوی کو الفاظ میں شک ہے) اور آپ فرماتے: کہ رحمٰن کے خلیل ابراہیم علیہ السلام بھی ایسا ہی کرتے تھے۔
 عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: مَنْ لَمْ يَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهِ فَلَيْسَ مِنَّا.
 حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنی مونچھیں نہیں لیتا تو وہ ہم میں سے نہیں (یعنی ہماری سنت پر عمل کرنے والا نہیں)

مونچھیں تراشنے کا طریقہ اور حکم

احادیث میں مونچھیں تراشنے کے بارے میں مختلف الفاظ منقول ہیں، بعض روایات میں قص الشارب کے الفاظ ہیں کہ: مونچھیں تراشی جائیں اور حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں أحفوا الشوارب، بعض روایات میں اہکوا الشوارب اور صحیح مسلم کی روایت میں جزوا الشوارب کے الفاظ ہیں، الاحفاء کے معنی ہیں: جڑ سے اکھاڑنا، ہبک کے معنی ہیں: خوب مبالغہ کے ساتھ صاف کرنا اور ”جز“ کاٹنے اور کترنے کو کہتے ہیں۔

ان مختلف الفاظ کی وجہ سے ائمہ کرام میں اختلاف ہے کہ مونچھیں کاٹنے کا مسنون طریقہ حلق کرنا ہے یا قینچی سے کترنا یا یہ کہ دونوں طریقوں میں اختیار ہے۔

امام مالک اور امام نووی رحمہما اللہ قص الشارب کی وجہ سے یہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ مونچھیں قینچی وغیرہ سے اس قدر باریک تراشی جائیں کہ کھال نظر آنے لگے، اور ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے، جڑ سے نہ اکھیڑی جائیں، ان کا حلق کرنا ان کے نزدیک مسنون نہیں، بلکہ امام مالک رحمہ اللہ نے اسے بدعت اور مشکہ قرار دیا ہے اور أحفوا الشوارب کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ مونچھیں اس قدر تراشی جائیں کہ ہونٹوں کا کنارہ ظاہر ہو جائے، انہیں بلیڈ یا سترے وغیرہ سے صاف کرنا مراد نہیں۔

جبکہ جمہور علماء کے نزدیک مونچھیں تراشی جائیں یا انہیں سترے وغیرہ سے صاف کیا جائے، دونوں صورتیں مسنون ہیں لہذا ان میں سے جوئی صورت بھی اختیار کی جائے، اس سے سنت ادا ہو جاتی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی دونوں طریقے منقول ہیں، چنانچہ امام طحاوی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مونچھوں کا جڑ سے صاف کرنا نقل کیا ہے، جن میں حضرت ابوسعید خدری، ابوسید، رافع بن خدیج، سہل بن سعد، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ اور حضرت ابو ہریرہ شامل ہیں۔

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ امام نووی نے جو ”احفاء“ کے معنی بیان کیے ہیں کہ ”مونچھیں اس طرح تراشی جائیں کہ ہونٹ کے کنارے ظاہر ہو جائیں“ یہ معنی کسی بھی لغت کی کتاب سے ثابت نہیں، بلکہ صحاح، قاموس اور کشاف وغیرہ میں احفاء کے معنی استیصال ہی کے لکھے ہیں کہ جڑ سے بالوں کو صاف کر دیا جائے، اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں: أن رسول الله ﷺ كان يحفّ شاربه کہ نبی کریم ﷺ اپنی مونچھیں جڑ سے صاف کرتے تھے، اور جن

روایات میں ”قص“ کے الفاظ ہیں وہ ”إحفاء“ کی روایات کے منافی نہیں، کیونکہ ”قص“ کبھی تو اس مبالغہ کے ساتھ ہوتا ہے کہ وہ احفاء میں داخل ہو جاتا ہے اور کبھی صرف مونچھیں تراشی جاتی ہیں اور احفاء والی روایت میں صرف ایک ہی جہت متعین ہے کہ مونچھیں استرے وغیرہ سے صاف کی جائیں یہی وجہ ہے کہ طبری فرماتے ہیں کہ انسان کو اختیار ہے چاہے تو وہ مونچھیں تراشے یا انہیں استرے وغیرہ سے صاف کر لے، ہر صورت میں سنت ادا ہو جاتی ہے، احتاف کے نزدیک تراشنے کے بجائے جڑ سے مونچھوں کو صاف کرنا افضل ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي الْأَخْذِ مِنَ اللَّحْيَةِ.

یہ باب ڈاڑھی سے کچھ بال لینے کے بارے میں ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْخُذُ مِنَ لَحْيَتِهِ مِنْ غَرَضِهَا وَطُولِهَا. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ. وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ يَقُولُ: عَمْرُ بْنُ هَازُونَ مَقَارِبُ الْحَدِيثِ، لَا أَعْرِفُ لَهُ حَدِيثًا، لَيْسَ إِسْنَادُهُ أَصْلًا أَوْ قَالَ: يَنْتَفِرُ ذِبْهُ إِلَّا هَذَا الْحَدِيثُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْخُذُ مِنَ لَحْيَتِهِ مِنْ غَرَضِهَا وَطُولِهَا وَلَا تَعْرِفُ لَهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ هَازُونَ وَرَأَيْتُهُ حَسَنَ الرَّأْيِ فِي عَمْرِو بْنِ هَازُونَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَسَمِعْتُ قُتَيْبَةَ يَقُولُ: عَمْرُ بْنُ هَازُونَ كَانَ صَاحِبَ حَدِيثٍ وَكَانَ يَقُولُ: الْإِيمَانُ قَوْلٌ وَعَمَلٌ قَالَ: سَمِعْتُ قُتَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعُ بْنُ الْجَرَّاحِ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَصَبَ الْمُنَجِّقَ عَلَى أَهْلِ الطَّائِفِ، قَالَ قُتَيْبَةُ: قُلْتُ لَوْ وَكِيعٌ: مَنْ هَذَا؟ قَالَ: صَاحِبُكُمْ عَمْرُ بْنُ هَازُونَ.

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی داڑھی مبارک لمبائی اور چوڑائی دونوں جانب سے تراشتے تھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے، اور امام بخاری کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ فرماتے: عمر بن ہارون مقارب الحدیث ہیں، مجھے ان کی ایسی کسی حدیث کا علم نہیں جس کی کوئی اصل نہ ہو یا یوں فرماتے کہ مجھے ان کی کسی ایسی حدیث کا علم نہیں جس میں وہ متفرد ہوں سوائے اس حدیث باب کے کہ اس میں وہ متفرد ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام بخاری عمر بن ہارون کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔ اور قتیبہ انہیں ”صاحب حدیث“ کہتے تھے، وہ کہتے ہیں کہ ان کا عقیدہ تھا کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے، قتیبہ وکیع سے، اور وہ ”ایک شخص“ سے اور وہ ثور بن یزید سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اہل طائف پر تحقیق نصب کی، قتیبہ نے وکیع سے پوچھا کہ یہ ”شخص“ کون ہیں؟ وکیع نے فرمایا: یہ آپ کے ساتھی عمر بن ہارون ہیں۔

باب مَا جَاءَ فِي إِغْفَاءِ اللَّحْيَةِ

یہ باب ڈاڑھی بڑھانے کے بیان میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَخْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَغْفُوا اللَّحْيَ.

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مونچھیں صاف کرنے میں خوب مبالغہ کرو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَمَرَ نَايَا خَفَاءَ الشَّوَارِبِ وَإِغْفَاءَ اللَّحْيِ.

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خوب مبالغہ کے ساتھ مونچھیں تراشنے اور داڑھیوں کے بڑھانے کا حکم دیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: - اخفوا: تم خوب مبالغہ کے ساتھ تراشو، جڑ سے صاف کر دو۔ الشوارب: شاربہ کی جمع ہے: مونچھیں۔ اغفوا: تم بڑھاؤ۔ اللحی: (لام کے نیچے زیر اور پیش دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے، تاہم زیر کے ساتھ پڑھنا زیادہ فصیح ہے) لحيۃ کی جمع ہے: داڑھی۔

داڑھی کی مقدار

بہت سی احادیث میں داڑھی کو اپنے حال پر چھوڑنے اور بڑھانے کا حکم ہے۔ داڑھی کتنی بڑھانی چاہئے؟ اس بارے میں حدیث میں کوئی مقدار متعین نہیں کی گئی، البتہ ایک مشیت سے کم داڑھی کاٹنے کی اجازت کسی سے منقول نہیں، بلکہ ایسا کرنا حرام ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کرام کے اس میں دو نقطہ نظر ہیں:

(۱) بعض حضرات ان احادیث کو ظاہر پر ہی محمول کر کے یہ فرماتے ہیں کہ داڑھی کو اپنے حال پر ہی چھوڑ دیا جائے، لمبائی یا چوڑائی سے داڑھی کو لینا مکروہ ہے، چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ داڑھی ایک مشیت سے زیادہ نہیں کاٹی جائے گی، اسے اپنے حال پر ہی چھوڑ دیا جائے گا۔

(۲) جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ جب داڑھی ایک مشیت سے بڑھ جائے تو اس زائد مقدار کو کاٹ دیا جائے، علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ایک مشیت کے برابر داڑھی رکھنا مسنون ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی حدیث باب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی داڑھی کو لمبائی اور چوڑائی سے کاٹ لیتے تھے، اس روایت کی سند پر اگرچہ کلام کیا گیا ہے کیونکہ اس میں عمر بن ہارون ایک راوی ہیں جن پر کلام کیا گیا ہے اور انہیں ”متروک“ قرار دیا گیا ہے لیکن چونکہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عمر کے آثار، تابعین اور جمہور علماء کے تعامل سے اس کی تائید ہوتی ہے، اس لیے ایک مشیت سے زائد مقدار کو کاٹنا بعض کے نزدیک مباح، بعض کے نزدیک مستحب اور اکثر حضرات کے نزدیک سنت ہے۔

ایک مشت سے زیادہ داڑھی اس قدر بڑھ جائے کہ بدنما نظر آنے لگے تو ایسی صورت میں زائد بال تراش دینے کو بعض علماء نے ضروری اور بعض نے مستحب کہا ہے، ہاں ایک مشت داڑھی رکھنے پر اجماع ہے، (۱)

مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”حدیث میں داڑھی بڑھانے کا حکم اور تاکید آئی ہے اور اس کی مقدار بتلانے کیلئے کوئی قوی روایت نبی کریم ﷺ سے مروی نہیں، ہاں فعلی روایت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طریقہ عمل مروی ہے کہ ایک مشت سے زیادہ داڑھی کو کتر وادیتے تھے اور ایک مشت کے اندر کتروانے کی کوئی سند نہیں ہے، اس لیے فقہاء کرام نے ایک مشت داڑھی رکھنے کو واجب قرار دیا ہے اور اس سے کم رکھنے والے کو تارک واجب ہونے کی بناء پر فاسق کہا ہے“ (۲)

مذکورہ تفصیل سے یہ حکم معلوم ہوا کہ ایک مشت سے کم داڑھی رکھنا یا بالکل اسے منڈوا دینا جائز نہیں، بہت سے لوگ داڑھی میں مختلف ڈیزائن بناتے ہیں بعض صرف ٹھوڑی والی جگہ پر کچھ بال رکھ لیتے ہیں اور عرب ممالک میں بھی مختلف صورتیں رائج ہیں..... یہ تمام طریقے من گھڑت ہیں قرآن و سنت سے ان کا کوئی ثبوت نہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”باب ما جاء في الاخذ من اللحية“ میں حدیث مخفیہ کو کیوں ذکر کیا ہے؟

شارحین فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے یہ حدیث یہاں اس لئے ذکر کی ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اس حدیث مخفیہ میں ”رجل“ سے عمر بن ہارون مراد ہے، یا اس وجہ سے ذکر کی ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ”دکح بن جراح“ جیسے جلیل القدر محدث نے بھی عمر بن ہارون سے روایت نقل کی ہے۔ (۳)

باب مَا جَاءَ فِي وَضْعِ اخْذِ الرِّجْلَيْنِ عَلَى الْاُخْرَى مُسْتَلْقِيَا

یہ باب ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر چٹ لیٹنے کے بیان میں ہے۔

عن عباد بن تمیم، عن عمرو بن لای النبی ﷺ مُسْتَلْقِيَا فِي الْمَسْجِدِ وَاضْغًا اخْذَ رِجْلَيْهِ عَلَى الْاُخْرَى.
عباد بن تمیم اپنے چچا یعنی حضرت عبداللہ بن زید بن عامر کعب انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو مسجد میں چٹ لیٹے ہوئے دیکھا، آپ ﷺ نے اپنا ایک پاؤں دوسرے پر رکھا ہوا تھا۔

(۱) تحفة الاحوذی ۴/۸ قدیمی کراچی

(۲) کفایت المفتی ۱۷۶۹ کتاب الحظر والاباحہ بال اور داڑھی کے احکام

(۳) تحفة الاحوذی ۴/۸

باب مَا جَاءَ فِي الْكَرَاهِيَةِ فِي ذَلِكَ

یہ باب اس کی کراہت سے متعلق ہے۔

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَاءِ وَالِاخْتِبَاءِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، وَأَنْ يَرْفَعَ الرَّجُلُ إِخْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى، وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلَى ظَهْرِهِ۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی کپڑے میں ہاتھ اور جسم کو لپیٹنے اور ایک ہی کپڑے میں اکڑوں بیٹھنے سے منع فرمایا، اور اس سے بھی منع فرمایا کہ آدمی اپنے ایک پاؤں کو دوسرے پر اٹھا کر رکھے، جبکہ وہ اپنی پشت پر سیدھا لیٹا ہو یعنی چت لیٹا ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی :- مستلقاً: گدی کے بل سیدھا لیٹنے والا، چت لیٹنے والا۔ اشتمال الصماء: اس کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں: (۱) اہل لغت کے ہاں اس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنے آپ کو کپڑے کے اندر اس طرح لپیٹ لے کہ اس سے ہاتھ پاؤں نکالنے کیلئے کپڑے میں کوئی راہ اور کوئی شکاف نہ چھوڑے، صماء کے معنی ٹھوس چیز کے آتے ہیں ایسے کپڑے کو صماء اس لیے کہتے ہیں کہ آدمی اپنے ہاتھ پاؤں پر تمام راستے اور شکاف بند کر دیتا ہے، اس ٹھوس چٹان کی طرح جس میں کوئی سوراخ نہیں ہوتا۔ (۲) حضرات فقہاء نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ آدمی ایک کپڑا اس طرح اوڑھے کہ کوئی دوسرا کپڑا اس کے جسم پر نہ ہو، پھر جب وہ ایک جانب سے کپڑا اٹھاتا ہے اور اسے کندھے پر رکھ دیتا ہے تو ستر کھل جاتا ہے۔ (۱)
احتباء: اکڑوں بیٹھنا، یہ وہ نشست ہے جس میں آدمی سرین کے بل بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کر کے ان کے گرد سہارا لینے کیلئے دونوں ہاتھ باندھ لیتا ہے یا کمر اور گھٹنوں کے گرد کپڑا باندھ لیتا ہے۔

ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر لیٹنے کا حکم

پہلے باب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی چٹ لیٹا ہو اور ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر اٹھا کر رکھے تو جائز ہے، آپ ﷺ اس طرح لیٹا کرتے تھے، جبکہ دوسرے باب کی حدیث جابر میں اس طرح لیٹنے سے منع فرمایا ہے، بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہے؟

اس تعارض کے ازالے کیلئے دو جواب دیئے گئے ہیں:

- (۱) علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ ممانعت کی حدیث منسوخ ہے۔
- (۲) بعض علماء نے ان دونوں قسم کی حدیثوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ ٹانگ کو ٹانگ پر اٹھا کر رکھنا دو قسم کا ہوتا ہے:

☆ دونوں ٹانگیں پھیلی ہوئی ہوں اور ایک دوسری پر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ایسی صورت میں ستر نہیں کھلتا۔

☆ ایک ٹانگ کھڑی ہو اور دوسری ٹانگ گھٹنے پر رکھی جائے تو اگر اس نے تہ بند باندھ رکھا ہو تو پھر اس طرح ٹانگیں ایک دوسری پر اٹھا کر رکھنا ممنوع ہے، اس میں ستر کھلنے کا اندیشہ ہوتا ہے، لیکن اگر شلوار پہنی ہو یا تہ بند یا دامن خوب لمبے ہوں جس میں ستر عورت کا امکان نہ ہو تو پھر ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر اٹھا کر رکھنا بغیر کسی کراہت کے درست ہے۔

اشتمال الصماء میں اہل لغت کی تفسیر کے مطابق بدن کو ایک ہی چادر اور کپڑے میں اس طرح لپیٹ لینا کہ کوئی اور کپڑا جسم پر نہ ہو، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور فقہاء کی تفسیر کے مطابق چادر کو اس طرح اوڑھنا کہ اس کی ایک جانب کندھے پر ڈال دی جائے، اور ستر کھل جائے، یہ ممنوع ہے، ایک تو اس لیے کہ اس طرح آدمی بالکل مجبوس اور بے دست و پا ہو جاتا ہے اور اپنا بچاؤ نہیں کر سکتا۔ دوسرا یہ کہ اس میں ستر کھلنے کا اندیشہ ہوتا ہے، پہلی صورت میں صرف کراہت ہے اور دوسری صورت جس میں ستر کے کھل جانے کا اندیشہ ہو، جائز نہیں ہے۔

اور ایک کپڑے میں اکڑوں بیٹھنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ اس میں عموماً ستر کھل جاتا ہے، لیکن اگر اس انداز سے بیٹھا جائے کہ ستر کے کھلنے کا امکان نہ ہو تو پھر اس نشست میں کوئی حرج نہیں، نبی کریم ﷺ بھی اکڑوں بیٹھا کرتے تھے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْإِضْطِجَاعِ عَلَى الْبُطْنِ

یہ باب پیٹ کے بل لیٹنے کی کراہت کے بیان میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: رَأَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَجُلًا مُضْطَجِعًا عَلَى بَطْنِهِ فَقَالَ: إِنَّ هَذِهِ ضِجْعَةٌ لَا يُحِبُّهَا اللَّهُ. حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو پیٹ کے بل لیٹے ہوئے دیکھا تو فرمایا: یہ ایسا لیٹنا ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے۔

پیٹ کے بل سونانا پسندیدہ ہے

اس حدیث میں سونے کا ایک ادب بیان فرمایا کہ جب انسان سوئے تو پیٹ کے بل نہ لیٹا کرے، اس انداز سے لیٹنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، سونے کا یہ انداز اہل جہنم کا ہوگا، اور طبی لحاظ سے بھی الٹے ہو کر سونا درست نہیں، اس سے انسان کا معدہ خراب ہو جاتا ہے، اس لیے کسی شرعی عذر کے بغیر اس انداز سے آرام کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ (۲)

(۱) تحفة الاحوذی ۵۰/۸، الکوکب الدرہ ۴۰/۳

(۲) تحفة الاحوذی ۴۵/۸

باب مَا جَاءَ فِي حِفْظِ الْعَوْرَةِ

یہ باب ستر کی حفاظت کے بارے میں ہے۔

عَنْ يَهْزَبِ بْنِ حَكِيمٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ: عَوْرَتُنَا مَا نَأْتِي مِنْهَا وَمَا نَذُرُ؟ قَالَ: احْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ رَوْحِكَ أَوْ مِمَّا مَلَكَتْ يَمِينُكَ، فَقَالَ: الرَّجُلُ: يَكُونُ مَعَ الرَّجُلِ؟ قَالَ: إِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَا يَرَاهَا أَحَدٌ فافعل. قُلْتُ: وَالرَّجُلُ يَكُونُ خَالِيًا. قَالَ: فَاللهُ أَحَقُّ أَنْ يَسْتَخِيَا مِنْهُ.

بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ: ہم اپنا ستر کس سے چھپائیں اور کس سے ہم چھوڑ دیں یعنی نہ چھپائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنا ستر چھپا کر رکھو سوائے اپنی بیوی اور اپنی باندی کے (کہ ان کے سامنے کھول سکتے ہو) عرض کیا: اگر مرد کسی مرد کے ساتھ ہو تو؟ فرمایا: اگر تم یہ کر سکو کہ تمہارے ستر کو کوئی بھی نہ دیکھے تو ایسا کرو (یہ بہت اچھا ہے) میں نے عرض کیا: بعض اوقات آدمی تنہا اور اکیلا ہی ہوتا ہے (تو پھر کیا حکم ہے)؟ فرمایا: تو پھر اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ ان سے شرم کی جائے (لہذا اکیلے میں بھی ستر کو نہ کھولا جائے)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ عودۃ عورة کی جمع ہے: ستر، وہ چیز جسے ظاہر کرنے سے شرم آئے۔ ما نأتی منها: ہم اپنا ستر کس سے چھپائیں۔ وما نذُر: اور کس سے ہم چھوڑ دیں یعنی نہ چھپائیں۔ احفظ عورتک: تم اپنے ستر کو ڈھانچو، تم اپنے ستر کو بچا کر رکھو۔ ما ملک یمنک: وہ جس کا آپ کا دایاں ہاتھ مالک ہو، یعنی باندی اور ”یمین“ کا لفظ اس موقع پر اس لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ اہل عرب جب غلاموں کی خرید و فروخت کے معاملات کرتے اور ان کے ہاں کوئی عقد طے پا جاتا تو آپس میں دائیں ہاتھ سے مصافحہ کرتے، اس لیے غلام اور باندیوں کے موقع پر ”یمین“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ أحق: زیادہ حقدار، زیادہ لائق ہے۔ ان يستحي منه: (صیغہ مجہول) یہ کہ اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا کی جائے۔

ستر کو ڈھانپنے کا حکم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کیلئے اپنی بیوی اور باندی کے علاوہ کسی اور کے سامنے ستر کھولنا جائز نہیں، اسی طرح اگر بہت سے مرد یا بہت سی خواتین ایک جگہ جمع ہوں تو انہیں بھی آپس میں ایک دوسرے سے ستر کو چھپا کر رکھنا چاہئے، اگر انسان کمرے میں اکیلا ہو تب بھی برہنہ ہونا درست نہیں کیونکہ انسانوں میں سے اگرچہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا، لیکن اللہ جل جلالہ تو دیکھ رہے ہیں، تو ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ سے شرم کی جائے اگرچہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، البتہ قضاء حاجت، استنجاء اور غسل کیلئے بیت الخلاء میں ستر کھولنا جائز ہے۔

مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے اور عورت کا ستر چہرے اور ہاتھ پاؤں کے علاوہ سارا جسم ہے، اس کو کسی بھی وقت لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا اور کھولنا جائز نہیں، خواہ نماز کی حالت ہو یا نماز سے باہر البتہ ازدواجی تعلقات کیلئے یا ضرورت کی وجہ سے علاج کے موقع پر ستر کو کھولا جاسکتا ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي الْإِتِّكَاءِ

یہ باب تکیہ لگانے کے بیان میں ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مُتَّكِئًا عَلَى وَشَادَةِ عَلَى يَسَارِهِ.

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اپنی بائیں جانب تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا۔

تکیہ پر ٹیک لگانے کا حکم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کی وجہ سے تکیہ پر ٹیک لگائی جاسکتی ہے خواہ اپنی دائیں جانب ہو یا بائیں جانب، البتہ دوران مطالعہ کا تکیہ پر ٹیک لگانے سے احتراز کرنا بہتر ہے کیونکہ اس سے عموماً آردی میں غفلت اور سستی آجاتی ہے، جس سے مطالعہ متاثر ہو جاتا ہے۔

باب

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَا يَزُومُ الرَّجُلُ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يَجْلِسُ عَلَى تَكْرٍ مَتَوَلَّى الْيَمِينِ إِلَّا بِإِذْنِهِ.

حضرت ابو مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی شخص کو اس کی حکومت اور علاقے میں نماز نہ پڑھائی جائے (یعنی اسے امام کے بجائے مقتدی نہ بنایا جائے) اور اس کے گھر (یا دفتر) کی مخصوص نشست پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھا جائے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لا یزوم: (میضہ مجہول) نماز نہ پڑھائی جائے، مقتدی نہ بنایا جائے۔ فی سلطانہ: اس کی بادشاہی، حکومت اور علاقے میں۔ تکرمة: اعزازی نشست، مخصوص مسند۔ لا یجلس: (میضہ مجہول) نہ بیٹھا جائے۔

مقرر امام ہی نماز پڑھائے

اس حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) اگر کسی مقام پر حاکم وقت نماز پڑھاتا ہو یا اس کی طرف سے کوئی نائب امام ہو تو ایسی صورت میں وہ مقرر کردہ امام ہی نماز پڑھائے، کسی دوسرے کیلئے مناسب نہیں کہ وہ زبردستی اس کی جگہ پر نماز پڑھانے کیلئے آگے ہو جائے، اگرچہ مقرر امام علم و فضل اور تقویٰ کے اعتبار سے کم ہو اور دوسرا شخص اس کے مقابلے میں ہر لحاظ سے بہتر ہو، تب بھی ناخذ امام ہی نماز پڑھائے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر اپنے فضل و شرف اور وسیع علم و تقویٰ کے باوجود حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، ہاں اگر وہ امام دوسرے کو اپنی خوشی سے آگے کر دے تو پھر دوسرے کیلئے نماز پڑھانا بغیر کسی کراہت کے درست ہے۔

(۲) انسان جب کسی کے دفتر میں جائے یا کسی کے ہاں مہمان ہو تو وہاں اس کی مخصوص جگہ پر بیٹھنا درست نہیں، کیونکہ ہر آدمی کی اپنی ایک خاص جگہ ہوتی ہے، بہت سا حساب و کتاب وہاں موجود ہوتا ہے، جس پر دوسرے کا مطلع ہونا بسا اوقات اسے پسند نہیں ہوتا، اس لیے جب تک متعلقہ شخص انسان کو خود نہ بٹھا دے اور اجازت نہ دے دے اس وقت تک کسی اور کیلئے اس کی مخصوص جگہ پر بیٹھنا کسی بھی لحاظ سے مناسب نہیں۔ (۱)

باب مَا جَاءَ أَنَّ الزَّجْلَ أَحَقُّ بِصُدْرِ دَايَتِهِ

یہ باب اس بارے میں ہے کہ جانور کا مالک اس پر آگے بیٹھنے کا زیادہ حقدار ہے۔

عَنْ بَرْزَنْدَةَ يَقُولُ: بَيْنَمَا التَّبِيُّ يَمْشِي، إِذْ جَاءَهُ زَجْلٌ، وَمَعَهُ جَمَانٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَزْكَبُ. وَقَالَ الزَّجْلُ: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَأَنْتَ أَحَقُّ بِصُدْرِ دَايَتِكَ، إِلَّا أَنْ تَجْعَلَهُ لِي. قَالَ: لَنْ جَعَلْتَهُ لَكَ. قَالَ: فَرَكِبَ. حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ پیدل چل رہے تھے کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا، اس کے ساتھ ایک گدھا بھی تھا، عرض کیا اے اللہ کے رسول: سوار ہو جائیں، اور خود وہ شخص پیچھے ہٹ گیا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں، تم اپنے جانور پر آگے بیٹھنے کے زیادہ حقدار ہو، الا یہ کہ تم اپنا یہ حق مجھے دے دو، اس نے عرض کیا: میں نے آپ کو اپنا حق دے دیا، راوی کہتے ہیں: پھر نبی کریم ﷺ اس پر سوار ہو گئے۔

حدیث سے چند امور کا ثبوت

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور کا مسنون ہونا ثابت ہوتا ہے:

- (۱) ضرورت کے وقت گدھے پر سوار ہوا جاسکتا ہے۔
- (۲) اگر سواری اور گاڑی کے پاس کوئی بڑا آدمی گزرے تو ادب کا تقاضا ہے کہ گاڑی والا اس محترم انسان کو اپنی گاڑی میں بٹھالے۔

(۳) اس صحابی نے آپ کو سواری کے اگلے حصے پر بٹھانا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سواری کا مالک آگے بیٹھنے کا زیادہ حقدار ہے الایہ کہ وہ خود آگے بٹھا دے تو پھر دوسرا شخص آگے بیٹھ جائے۔

(۴) نبی کریم ﷺ جانور کے اگلے حصے پر نہیں بیٹھے، یہ آپ ﷺ کی تواضع اور انصاف کی بہت بڑی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے حق بات کو بیان فرمایا اور خود پیچھے بیٹھنے پر راضی ہو گئے، ورنہ عموماً ایسے موقع پر بڑے لوگ خود ہی آگے بیٹھ جاتے ہیں، یہ سمجھ کر کہ سواری کا مالک اس پر راضی ہوگا حالانکہ اس نے صراحتہ اجازت نہیں دی ہوئی، نبی کریم ﷺ نے اس رسم کو ختم کرنے کیلئے اسے اصل مسئلہ بتایا، جب اس نے خوشی سے آگے بیٹھنے کا عرض کیا تو پھر آپ ﷺ بیٹھ گئے۔

فتاٰخر الرجل (وہ آدمی پیچھے ہٹ گیا) اس کے دو مطلب ہیں:

- (۱) وہ شخص سواری میں پیچھے ہو گیا کہ آگے حضور ﷺ بیٹھیں، اور وہ آپ ﷺ کے ساتھ پیچھے بیٹھ جائے۔
- (۲) وہ صحابی اس سواری سے ہی پیچھے ہو گئے کہ میں سوار نہیں ہوتا، حضور ﷺ ہی اس پر تشریف فرما ہو جائیں۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي اتِّخَاذِ الْأَنْمَاطِ

یہ باب جہالرداروں کی کپڑے کے استعمال کی اجازت کے بارے میں ہے۔

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: هَلْ لَكُمْ أَنْمَاطٌ. قُلْتُ: وَآتَى تَكُونُ لَنَا أَنْمَاطٌ. قَالَ: أَمَّا إِنَّهَا سَتَكُونُ لَكُمْ أَنْمَاطٌ. قَالَ: فَإِنَّا أَكُولُ لَأَمْرًا آتَى: أَخْبَرَنِي عَنْهُ أَنْمَاطُكَ، فَتَقُولُ: أَلَمْ يَقُلِ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّهَا سَتَكُونُ لَكُمْ أَنْمَاطٌ. قَالَ: فَأَذْغَهَا۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس جہالرداروں کی کپڑے ہیں؟ میں نے عرض کیا: ہمارے پاس جہالرداروں کی چادریں کہاں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: عنقریب تمہارے لیے یہ جہالردار چادریں ہوں گی، حضرت جابر فرماتے ہیں کہ پھر میں اپنی بیوی سے کہتا کہ تو اپنی جہالردار چادریں مجھ سے دور کر، تو وہ کہتی: کیا رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمایا کہ عنقریب تم لوگوں کے پاس یہ جہالردار چادریں ہوں گی، حضرت جابر فرماتے ہیں کہ پھر میں اسے چھوڑ دیتا اور کچھ نہ کہتا۔

انمط کو استعمال کرنے کی اجازت

انمط: نمط کی جمع ہے: ایک قسم کا جہالرداروں کی کپڑا جو اونٹ کے کجاوہ پر ڈالا جاتا ہے، بستر کا اوپر والا کپڑا، نرم قالین جسے اونٹ کے کجاوے پر ڈالا جاتا ہے اور اس سے پردے بھی بنائے جاتے ہیں، جہالردار چادر، غالیچہ۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے پیش گوئی دی ہے کہ عنقریب تم لوگوں کے پاس اس قسم کا عمدہ کپڑا آئے گا، امام نووی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ معجزہ صادق ہوا کہ جلد ہی اس امت پر رزق کی کشادگی کر دی گئی، لہذا عمدہ لباس، کپڑے اور چادریں اگر جائز طریقے سے حاصل ہوں اور ریشم کی نہ ہوں تو شرعاً ان کا استعمال جائز ہے (۱)۔

”آخری عینی المناطک“ حضرت جابر کا یہ قول محض زہد کی وجہ سے ہے، ورنہ اس کے استعمال کے جواز کا انہیں علم تھا، لیکن جب ان کی اہلیہ بتاتی کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے تو پھر وہ خاموش ہو جاتے، (۲)۔

باب مَا جَاءَ فِي رُكُوبِ ثَلَاثَةِ عَلَى دَابَّةٍ

یہ باب ایک جانور پر تین آدمیوں کے سوار ہونے کے جواز کے بارے میں ہے

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَمْثُوحِ قَالَ: لَقَدْ قُدْتُ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ عَلَى بَغْلَيْهِ الشَّهْبَاءِ حَتَّى أَذْخَلْتُهُ خُجْرَةَ النَّبِيِّ ﷺ، هَذَا أَفْذَاهُ وَهَذَا أَخْلَفُهُ.

حضرت سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے شہباء نامی خمر کی لگام پکڑ کر آگے آگے چلا، اس پر نبی کریم ﷺ اور حسن و حسین سوار تھے، یہاں تک کہ میں اسے نبی کریم ﷺ کے حجرہ مبارک میں لے گیا، یہ آگے سوار تھے اور وہ پیچھے (یعنی حضرت حسن آگے اور حضرت حسین پیچھے سوار تھے)

مشکل الفاظ کے معنی:۔ قُدت: میں لگام پکڑ کر آگے آگے چلا۔ قدام: آگے۔ خلف: پیچھے۔ شہباء: سیاہی مائل سفید رنگ، یہ اس خمر کا نام تھا۔

جانور پر تین آدمی سوار ہو سکتے ہیں

اس باب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور پر تین افراد سوار ہو سکتے ہیں، جبکہ بعض دیگر روایات میں تین آدمیوں کے سوار ہونے سے منع کیا گیا ہے بلکہ بعض میں لعنت کے الفاظ بھی منقول ہیں، بظاہر دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہے؟

امام نووی وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ اگر وہ جانور طاقتور ہو کہ تین افراد کو آسانی سے اٹھا سکتا ہو تو پھر اس پر تین آدمی بھی سوار ہو سکتے ہیں، جیسا کہ حدیث باب میں تین کے سوار ہونے کا ذکر ہے اور اگر وہ جانور کمزور ہو تو پھر اس پر تین آدمیوں کا سوار ہونا ممنوع ہے، لہذا اہممانعت کی روایات اس صورت کے ساتھ متعلق ہیں، مطلقاً تین آدمیوں کا سوار ہونا ممنوع نہیں ہے۔ (۳)

(۱) تحفۃ الاحوذی ۴/۸، فتح الباری ۲۸۰/۹، کتاب النکاح، باب الانباط ونحوہا للنساء

(۲) الکوکب الدرۃ ۳۰۵/۳

(۳) تحفۃ الاحوذی ۴/۸

باب مَا جَاءَ فِي نَظَرَةِ الْمُفَاجَأَةِ

یہ باب (عورت پر) اچانک نظر پڑ جانے (کے حکم) سے متعلق ہے۔

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ نَظَرَةِ الْفَجَاءَةِ فَأَمَرَنِي أَنْ أَصْرِفَ بَصَرِي.

حضرت جریر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے اجنبی عورت پر اچانک نظر پڑ جانے کا (حکم) پوچھا؟ تو آپ ﷺ نے مجھے اپنی نظر پھیر لینے کا حکم دیا۔

عَنِ ابْنِ بَرِئَةَ عَنْ أَبِيهِ رَفَعَهُ قَالَ يَاعَلِيٍّ: لَا تَنْفِخِ النَّظْرَةَ، النَّظْرَةُ: لِإِنَّ لَكَ الْأَرْوَى، وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ. حضرت بریدہ مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے علی! پہلی نگاہ کے بعد دوسری نگاہ مت ڈالو، اس لیے کہ پہلی نگاہ تیرے لیے ہے (یعنی بغیر قصد و اختیار اور اچانک پڑنے کی وجہ سے معاف ہے) اور دوسری نگاہ تمہارے لیے نہیں ہے (لہذا اس پر گرفت ہوگی)

مشکل الفاظ کے معنی:۔ فجاءة: (قام پر پیش اور جیم پر زبر) اچانک۔ لا تنفخ: تو پیچھے مت ڈال۔

پہلی نظر معاف ہے

اگر کسی اجنبی عورت پر اچانک نظر پڑ جائے، اس میں اس کے ارادے اور اختیار کا کوئی دخل نہ ہو تو یہ نگاہ معاف ہے، اس پر اس سے باز پرس نہیں ہوگی، لیکن اگر پہلی نظر ہی قصد و اختیار سے ہو یا دوبارہ اپنے اختیار اور ارادے سے دیکھ لے یا پہلی نگاہ کے بعد سے مسلسل دیکھتا رہے، تو ایسا کرنا اس کیلئے جائز نہیں ہے، اس پر اس سے باز پرس اور مواخذہ ہوگا لہذا اگر خدا خواستہ کسی عورت پر اچانک نظر پڑ جائے تو انسان کو چاہئے کہ فوراً اپنی نظر کو پھیر لے کہ اس میں اس کیلئے اجر و ثواب ہے، اور اسے ایمان کی حلاوت اور محاسن حاصل ہوگی۔ (۱)

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چہرے کا چھپانا عورت پر لازم نہیں ہے بلکہ مستحب ہے اور مردوں پر لازم ہے کہ اپنی نگاہوں کو پست رکھیں، البتہ اگر کوئی شرعی وجہ ہو تو پھر عورت کے چہرے کو دیکھا جاسکتا ہے، مثلاً علاج معالجہ، گواہی کے وقت، پیغام نکاح کے وقت اور خرید و فروخت کے وقت، لیکن ان مقامات پر بھی بقدر ضرورت دیکھنے کی اجازت ہے، ضرورت سے زیادہ جائز نہیں۔ (۲)

(۱) تحفة الاحوذی ۳۹۸/۸

(۲) تکملة فتح الملهم ۲۴۰/۲، کتاب الآداب، باب نظر الفجاءة

باب مَا جَاءَ فِي اخْتِجَابِ النِّسَاءِ مِنَ الرِّجَالِ

یہ باب عورتوں کا مردوں سے پردہ کرنے کے بیان میں ہے۔

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ نُبَيْهَانَ مَوْلَى أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّهَا حَدَّثَتْهُ أَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَمِمْوْنَةُ قَالَتْ: فَبَيْنَا نَخْنَعُ عِنْدَهُ، أَقْبَلَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ وَذَلِكَ بَعْدَ مَا أَمَرْنَا بِالْحِجَابِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: اخْتَجِبْنَ مِنْهُ. فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ: أَلَيْسَ هُوَ أَعْمَى لَا يَبْصُرُنَا وَلَا يَغْرِفُنَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَفَعَمِيَا وَإِنِّي أَنُكِّمُ، أَلَسْتُمَا تَبْصِرَانِ بِهِ.

ابن شہاب، مبہان سے روایت کرتے ہیں جو ام سلمہ کے آزاد کردہ ہیں کہ مبہان نے ان کو بتایا کہ ام سلمہ نے ان کو بتایا کہ وہ یعنی ام سلمہ اور میمونہ نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں کہ ابن ام مکتوم سامنے آئے اور حضور ﷺ کے پاس داخل ہوئے، یہ واقعہ ہم پر پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا، تم دونوں ان سے پردہ کرو، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا یہ ناپید نہیں ہیں؟ نہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی ہمیں پہچانتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی ناپید ہو، کیا تم دونوں انہیں دیکھ نہیں سکتیں، (یعنی وہ اگرچہ نہیں دیکھ سکتے لیکن تم دونوں تو انہیں دیکھ سکتی ہو)

مشکل الفاظ کے معنی :- احتجاب: چھپ جانا، پردہ کرنا۔ اقبل: سامنے آگئے، آگے بڑھے۔ احتجابا منه: (میمنہ امر) تم دونوں ابن ام مکتوم سے پردہ کرو۔ عمیاء: عجمیاء کا تثنیہ ہے، دونوں اندھی ہو۔ أستماتا بصرانہ: کیا تم دونوں انہیں دیکھ نہیں رہیں۔

عورتوں کا غیر محرم مردوں کو دیکھنے کا مسئلہ

عورت کا اپنے محرم رشتہ داروں کے علاوہ کسی مرد کو دیکھنے کا کیا حکم ہے، اس میں اہل علم کے دو نقطہ نظر ہیں، جن کی تفصیل

درج ذیل ہے:

(۱) بعض علماء فرماتے ہیں کہ عورت کیلئے غیر محرم مرد کو دیکھنا مطلقاً حرام ہے، خواہ شہوت اور بری نیت سے دیکھے یا بغیر کسی نیت و شہوت کے، دونوں صورتیں حرام ہیں، ان حضرات کا استدلال حضرت ام سلمہ کی حدیث سے ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں ذکر کیا ہے، اور اس روایت میں تصریح ہے کہ ان کا یہ واقعہ پردے کے احکام نازل ہونے کے بعد پیش آیا تھا۔

(۲) جمہور علماء کے نزدیک اگر کوئی عورت کسی ضرورت کی وجہ سے شہوت کے بغیر کسی مرد کو ناف سے اوپر اور گھٹنے کے نیچے والے حصہ سے دیکھ لے تو یہ جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں، ان حضرات کا استدلال حضرت عائشہ کی اس حدیث سے ہے جس میں ہے کہ مسجد نبوی کے احاطہ میں کچھ حبشی نوجوان عید کے دن اپنا سپاہیانہ کھیل دکھا رہے تھے، رسول اللہ ﷺ اس کو دیکھنے لگے اور

حضرت عائشہ نے بھی آپ ﷺ کی آڑ میں کھڑے ہو کر ان کا کھیل دیکھا اور اس وقت تک دیکھتی رہیں جب تک کہ خود ہی اس سے اکتا گئیں، رسول اللہ ﷺ نے اس سے نہیں روکا۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں عورتیں مساجد میں آتیں، بازار اور سفر پہ جاتیں، ان تمام صورتوں میں انہیں حکم تھا کہ وہ پردہ کریں تاکہ مرد انہیں نہ دیکھ سکیں، لیکن مردوں کو پردہ کرنے کا حکم نہیں دیا تاکہ عورتیں انہیں نہ دیکھ پائیں، اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ عورت شہوت کے بغیر کسی مرد کو ضرورت کی وجہ سے دیکھ سکتی ہے، اگرچہ اس کیلئے بہتر یہی ہے کہ شہوت کے بغیر بھی کسی مرد کو نہ دیکھے۔

جمہور علماء حدیث باب کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اس میں افضل امر کا ذکر ہے کہ تقویٰ اور پرہیزگاری کا تقاضا یہ ہے کہ عورت کسی غیر محرم مرد کی طرف بالکل نہ دیکھے، یہ تقویٰ کا اعلیٰ درجہ ہے، لہذا اس حدیث سے عدم جواز پر استدلال کرنا درست نہیں۔ (۱)

شرعی پردہ کے درجات اور ان کے احکام کی تفصیل

پردہ سے متعلق قرآن مجید کی سات آیات اور ستر روایات منقول ہیں، ان تمام نصوص سے شرعی پردے کے تین درجات معلوم ہوتے ہیں:

(۱) حجاب اشخاص بالبیوت یعنی عورتیں اپنے گھروں میں ہی رہیں، ان کی نقل و حرکت مردوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو، شرعاً اصل مطلوب یہی درجہ ہے کہ خواتین اپنی چار دیواری میں ہی رہیں، اس کے علاوہ پردے کے جو درجات اور صورتیں ہیں وہ ضرورت کے بقدر ہیں، یہ حکم قرآن مجید کی چند آیات اور بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔

(۲) حجاب بالہیقع والجلباب یعنی ضرورت کے موقع پر جب کسی عورت کو گھر سے باہر جانا پڑے تو اس وقت کسی برقع یا لمبی چادر کو سر سے پیر تک اوڑھ کر نکلنے کا حکم ہے، جس سے ہاتھ، چہرہ غرض یہ کہ جسم کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو۔

یہ حکم سورہ احزاب کی اس آیت سے ثابت ہے: یا ایہا النبی قل لازواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیہن من جلابیبہن اے نبی آپ اپنی ازواج مطہرات، بنات طاہرات اور عام مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیں کہ اپنی جلباب استعمال کریں۔

’جلباب‘ اس لمبی چادر کو کہتے ہیں کہ جس میں عورت سر سے پیر تک چھپ جائے، حضرت عبداللہ بن عباس سے جلباب کو استعمال کرنے کی یہ صورت منقول ہے کہ عورت سر سے پاؤں تک اس میں لپٹی ہوئی ہو، چہرہ اور ناک بھی اس سے چھپا ہوا ہو، صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لیے کھلی ہو۔

لہذا جب عورت کو گھر سے باہر جانے کی ضرورت ہو تو پردے کا یہ درجہ اختیار کرنا اس پر ضروری ہے مگر احادیث صحیحہ میں

اس پر بھی چند پابندیاں عائد کی ہیں:

(۱) خوشبو لگا کر اور میک اپ کر کے نہ نکلے (۲) کسی بھی قسم کا زیور نہ پہنا ہو۔ (۳) راستہ کے کنارے پر چلے۔ (۴) مردوں کے ہجوم میں داخل نہ ہو۔ (۵) ضرورت کے بغیر نہ تو کسی سے بات کرے اور نہ غیر محرم مرد کو دیکھے۔ (۶) جب ضرورت پوری ہو جائے تو فوراً اپنے گھر واپس آ جائے۔

(۳) پردے کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ برقع یا بڑی چادر میں سارا بدن چھپا ہوا ہو، مگر چہرہ اور ہتھیلیاں کھلی ہوں۔

اس بارے میں آئمہ کے درمیان اختلاف ہے امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کے نزدیک چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی بالکل اجازت نہیں ہے، خواہ فتنہ کا خوف ہو یا نہ ہو جبکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک چہرہ اور ہتھیلیاں کھول سکتے ہیں بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو یعنی عورت کی طرف میلان کا خطرہ یا احتمال ہو تو وہاں ان کو کھولنا ممنوع ہوگا اور جہاں یہ احتمال نہ ہو، وہاں جائز ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ حسن اور زینت کا اصل مرکز انسان کا چہرہ ہے اور یہ زمانہ چونکہ فتنہ و فساد اور خواہش پرستی کا ہے اس لیے متاخرین فقہاء حنفیہ نے اس بات پر فتویٰ دیا ہے کہ نوجوان عورت کیلئے چہرہ اور ہتھیلیاں کھول کر گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے، گویا اب پردے کے صرف دو ہی درجے رہ گئے، ایک عورتوں کا اپنے گھروں کے اندر ہی رہنا، بغیر ضرورت کے باہر نہ نکلنا، اور دوسرا برقع یا بڑی چادر کے ساتھ نکلنا جب گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت ہو۔ (۱)

فقہاء کرام کے درمیان یہ اختلاف اس لیے پیدا ہوا کہ قرآن مجید میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منها یعنی عورت کیلئے اپنی زینت کی کسی چیز کو مردوں کے سامنے ظاہر کرنا جائز نہیں، بجز ان چیزوں کے جو خود بخود ظاہر ہوئی جاتی ہیں یعنی کام کاج اور نقل و حرکت کے وقت جو چیزیں عادیہ کھل ہی جاتی ہیں اور عادیہ ان کا چھپانا مشکل ہے وہ مستثنیٰ ہیں، ان کو ظاہر کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

”الا ما ظہر منها“ سے کیا مراد ہے؟ اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس کی تفسیریں مختلف ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اس سے وہ اوپر کے کپڑے مراد ہیں جیسے برقع اور لمبی چادر، یہ کپڑے زینت کے کپڑوں کو چھپانے کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ زینت کی کسی چیز کو ظاہر کرنا جائز نہیں سوائے ان کپڑوں کے یعنی برقع یا بڑی چادر کے جنہیں ضرورتاً پہن کر انسان باہر نکلتا ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباس نے الا ما ظہر منها کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ اس سے چہرہ اور ہتھیلیاں مراد ہیں کیونکہ جب عورت کسی ضرورت سے باہر نکلنے پر مجبور ہو تو نقل و حرکت اور لین دین کے وقت چہرے اور ہتھیلیوں کو چھپانا مشکل ہے۔

اس لیے حضرت عبداللہ بن مسعود کی تفسیر کے مطابق تو غیر محرم مردوں کے سامنے عورت کو چہرہ اور ہاتھ کھولنا بھی جائز نہیں،

صرف اوپر کے کپڑے یعنی برقع اور بڑی چادر کا اظہار ضرورت کی وجہ سے مستثنیٰ ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباس کی تفسیر کے مطابق چہرہ اوہاتھوں کی ہتھیلیاں بھی غیر محرموں کے سامنے کھولنا جائز ہے، اس لیے فقہاء امت میں بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ چہرہ اوہتھیلیاں پردے سے مستثنیٰ اور ان کا غیر محرموں کے سامنے کھولنا جائز ہے یا نہیں مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر چہرہ اور ہتھیلیوں پر نظر ڈالنے سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو ان کا دیکھنا بھی جائز نہیں اور عورت کو ان کا کھولنا بھی جائز نہیں۔

قاضی بیضاوی اور خازن نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ عورت کیلئے اصل حکم یہ ہے کہ وہ اپنی زینت کی کسی چیز کو بھی ظاہر نہ ہونے دے مگر جو چیزیں نقل و حرکت اور کام کاج کرنے میں عادتہ کھل جاتی ہیں ان میں برقع اور چادر بھی داخل ہے اور چہرہ اور ہتھیلیاں بھی کہ جب عورت کسی مجبوری اور ضرورت سے باہر نکلتی ہے تو برقع یا چادر وغیرہ کا ظاہر ہونا تو متعین ہی ہے، لیکن دین کی ضرورت میں بعض اوقات چہرہ اور ہاتھ کی ہتھیلیاں بھی کھل جاتی ہے تو وہ بھی معاف ہیں، گناہ نہیں، لیکن اس آیت سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ مردوں کو چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھنا بھی بلا ضرورت جائز ہے بلکہ مردوں کا تو وہی حکم ہے کہ نگاہ پست رکھیں، اگر عورت کہیں چہرہ اور ہاتھ کھولنے پر مجبور ہو جائے تو مردوں کو لازم ہے کہ شرعی عذر اور ضرورت کے بغیر اس کی طرف نہ دیکھیں، اس توجیہ میں دونوں روایتیں اور تفسیریں جمع ہو جاتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید اور احادیث میں عورت کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے گھر میں رہا کرے، اور جب کسی ضرورت سے باہر جائے تو صحیح طریقے سے شرعی پردہ کر کے جائے کہ چہرہ اور ہاتھ بھی چھپے ہوئے ہوں، البتہ شرعی عذر اور ضرورت کی وجہ سے چہرے کو کھولنا جائز ہے مثلاً علاج معالجہ میں، گواہی دینے کے وقت، ہجوم کے وقت یا معاملات میں لیکن دین کے وقت اگر چہرہ کھل جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں، تاہم ان تمام صورتوں میں مردوں کو یہی حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہیں پست ہی رکھیں۔ (۱)

ہمارا یہ زمانہ چونکہ نہایت فتنہ و فساد اور شر پر مشتمل ہے اس لیے ایسے میں اگر کسی خاتون کو باہر جانے کی ضرورت پیش آجائے تو مکمل شرعی پردہ کے ساتھ نکلے اور اپنے ساتھ ضرور کسی محرم کو بھی لے کر جائے کیونکہ اکیلے عورت کے نکلنے میں بہت خطرات ہیں، اس کے ساتھ کوئی بھی افسوسناک اور پریشان کن معاملہ پیش آسکتا ہے۔

باب مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الدُّخُولِ عَلَى النِّسَاءِ إِلَّا بِإِذْنِ الْأَزْوَاجِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ شوہروں کی اجازت کے بغیر ان کی بیویوں کے پاس جانا ممنوع ہے۔

عَنْ ذُكْوَانَ عَنْ مَوْلَى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ عَمْرًا بْنَ الْعَاصِ أَرْسَلَهُ إِلَى عَلِيٍّ يَسْتَأْذِنُهُ عَلَى اسْمَاءَ بِنْتِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ إِذَا فَرَّغَ مِنْ حَاجَتِهِ سَأَلَ الْمَوْلَى عَمْرًا بْنَ الْعَاصِ عَنْ ذَلِكَ؟ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَانَا أَنْ نَدْخُلَ عَلَى النِّسَاءِ بِغَيْرِ إِذْنِ أَزْوَاجِهِنَّ.

اور دنیا طلبی میں یوں مصروف ہو جاتے ہیں کہ اسلامی احکام کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، یہ عورت عقل و دین کے اعتبار سے ناقص ہونے کے باوجود بسا اوقات مرد کو ایسے کاموں میں مبتلا کر دیتی ہے جو دین اور عقل کے اعتبار سے کسی بھی طرح درست نہیں ہوتا، اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے کہ: **زین للناس حب الشهوات من النساء**۔ اس لیے عقل مند وہ شخص ہے جو اس حدیث کی وجہ سے متنبہ ہو جائے اور اس انداز سے زندگی گزارے کہ جس میں حتی الامکان وہ عورتوں کے فتنے سے محفوظ رہے۔ (۱)

باب ماجاء فی کراهیة اتخاذ القصة

یہ باب بالوں کا گچھانانے کی کراہت کے بارے میں ہے۔

عَنْ حَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ بْنَ الْمَدِينَةَ يَخْطُبُ يَقُولُ: أَيُّنَ عِلْمًاؤُكُمْ يَا أَهْلَ الْمَدِينَةِ؟ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَنْهَى عَنْ هَذِهِ الْقِصَّةِ وَيَقُولُ: إِنَّمَا هَلَكْتُ بَنُو إِسْرَائِيلَ حِينَ اتَّخَذُوا بِسَاطِئَهُمْ. حميد بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ کو مدینہ منورہ میں خطاب کرتے ہوئے سنا، وہ فرما رہے تھے: اے مدینہ والو تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے نبی کریم ﷺ کو بالوں کا اس طرح گچھانانے سے منع فرماتے ہوئے سنا اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل اس وقت ہلاک ہوئے جب ان کی عورتوں نے اس طرح بال بنانے شروع کئے۔

باب ماجاء فی الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة

یہ باب بالوں کو جوڑنے والی، جڑوانے والی، گودنے والی اور گدوانے والی عورت کے حکم سے متعلق ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَعَنَ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوِشِمَاتِ وَالْمُتَغَيِّبَاتِ لِلْحُسْنِ مُغَيِّرَاتٍ خَلَقَ اللَّهُ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے گودنے والیوں، گدوانے والیوں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو زیب و زینت اور حسن حاصل کرنے کیلئے (بھنوں کے) بالوں کو اکھڑاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیز کو تبدیل کرتی ہیں۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَعَنَ اللَّهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوِشِمَةَ. قَالَ نَالِغ: الْوُشْمُ فِي اللَّفْظِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے بالوں کو جوڑنے والی، جڑوانے والی، گودنے والی اور گدوانے والیوں پر لعنت فرمائی ہے۔

نافع فرماتے ہیں: دشم یعنی گودنا مسوڑے میں ہوتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ قصۃ: (قاف پر پیش اور صاد پر تشدید اور زبر کے ساتھ) بالوں کی لٹ، کچھا۔ بعض احادیث میں ”کہۃ من شعر“ کے الفاظ ہیں، کہۃ اور قصۃ ایک ہی معنی میں ہیں۔ واصلة: بال جوڑنے والی عورت۔ مستوصلة: بال جڑوانے والی عورت۔ وشم: اس کے معنی گودنے کے ہیں جس میں سوئی وغیرہ چھو دی جاتی ہے اور پھر اس جگہ میں ہر ایسا نیلا رنگ بھردیا جاتا ہے۔ واشمة: گودنے والی عورت، اس کی جمع واشمات ہے۔ مستوشمة: گدائی کرانے والی عورت، اس کی جمع مستوشمات ہے۔ منتمصات: منتمصۃ کی جمع ہے، یہ ”منص“ سے ہے، جس کے معنی بال اکھڑنے کے آتے ہیں اور ”نامصۃ“ وہ عورت جو اپنے چہرے سے بال اکھڑے اور منتمصۃ: اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے چہرے اور ہمنوں کے بال کسی عورت سے اکھڑواتی ہے۔ مجہفات: مجہفۃ کی جمع ہے: طلب کرنے والی عورتیں، چاہنے والی خواتین۔ مغبرات: بغیرۃ کی جمع ہے، تبدیل کرنے والی عورتیں

خواتین کیلئے بالوں کے ساتھ دوسرے بال جوڑنے، لٹ اور گچھا بنانے کا حکم

قدیم زمانے سے عورتوں میں زیب و زینت کے مختلف طریقے رائج ہیں، اور جیسے جیسے وقت گذرتا جا رہا ہے تو خواتین کے فیشنوں میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے، مذکورہ ابواب کی احادیث میں بھی ان کی زیب و زینت کے چند ناجائز طریقے بیان کئے گئے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) بعض خواتین اپنے بال لے یا گھنے ظاہر کرنے کیلئے دوسرے کسی مرد یا عورت کے بال لے کر اپنے بالوں میں ملا لیتی تھیں اور کچھ عورتیں یہ پیشہ کرتی تھیں کہ دوسری عورتوں کو اپنے بال کرائے پر دیا کرتی تھیں، چونکہ اس میں جھوٹ اور فریب ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے بالوں کے ساتھ کسی اور کے بال جوڑنے اور جڑوانے والی دونوں عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

پہلے باب کی حدیث میں ”قصۃ“ کا ذکر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہودی عورتیں اپنے بالوں کے ساتھ کسی اور انسان کے بال جوڑ کر لٹ بناتی تھیں تاکہ وہ خوب بڑی اور گھنی نظر آئیں، پھر رفتہ رفتہ اس وقت مسلمان عورتوں میں بھی یہ چیز آنا شروع ہو گئی، اس سے نبی کریم ﷺ نے بڑی سختی کے ساتھ منع فرمایا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں نے جب اپنے بالوں کی اس طرح لٹیں بنانا شروع کیں تو پھر وہ تباہ و برباد ہو گئیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت کے آخری حج سن اکاون ہجری کے موقع میں مدینہ منورہ میں خطاب فرمایا اور اپنے سپاہی کے ہاتھ سے بالوں کا وہ گچھا لیا جو انہوں نے مدینہ کے بازار سے لیا تھا، اور فرمایا کہ تمہارے علماء کہاں ہیں جو لوگوں کو ان چیزوں سے منع نہیں کرتے گویا علماء کرام کو وعظ و نصیحت کی تاکید کی جا رہی ہے کہ وہ لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن

المنکر کیا کریں، اور بعض نے اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا کہ اس سے علماء کی قلت کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ یہ خطاب جمع کا نہیں تھا بلکہ دوران ہفتہ ہوا تھا، جس میں اہل علم نہیں تھے بلکہ اکثر جاہل قسم کے لوگ شریک ہوئے تھے۔ اساذمترم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ بات قابل نظر ہے کہ ”آئین علماء کم“ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ علماء اس وقت غائب تھے، بلکہ یہ جملہ بطور محاورے کے ذکر کیا جاتا ہے، اس سے زجر و تنبیہ اور متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے اگرچہ وہ تمام حاضر اور موجود ہی ہوں۔ (۱)

(۲) اسی طرح گودنے اور گدوانے کا طریقہ بھی قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے اسے عربی میں دشم کہتے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ جسم کے کسی حصہ کی جلد پر سوئی یا اس طرح کی کوئی چیز چھوئی جائے یہاں تک کہ خون بہنے لگے، پھر اس میں سرمہ یا نیل بھر دیا جاتا ہے، اس طریقہ سے لوگ اپنے بازوؤں پر اپنا نام یا جسم پر مختلف جانوروں یا دیگر چیزوں کی تصویریں بناتے ہیں، افسوس یہ ہے کہ مسلم معاشرہ میں بھی یہ رسم موجود ہے، نبی کریم ﷺ نے اس طرح کرنے والی اور کر دانے والی دونوں پر لعنت فرمائی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی ہے۔

نافع کہتے ہیں کہ ”دشم“ مسوڑوں میں ہوتا ہے، یہ انہوں نے اپنے زمانے کے عرف کے اعتبار سے ایک مثال ذکر کی ہے ورنہ یہ مسوڑوں کے ساتھ خاص نہیں، جسم کے کسی بھی حصہ پر دشم کا عمل کر لیا جاتا تھا۔

(۳) اس عورت پر بھی لعنت فرمائی ہے جو اپنے بال دوسروں سے اکھڑاتی اور نوچاتی ہے، عموماً خواتین چہرے اور ہمنوؤں کو بنانے اور باریک کرنے کیلئے بال اکھڑاتی ہیں۔ حدیث باب کی وجہ سے اس طرح کرنا بھی ناجائز اور حرام ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ اگر کسی خاتون کے چہرے پر داڑھی نکل آئے، چہرے پر زائد بال پیدا ہو جائیں، مونچھیں اور تھوڑی پر بال آجائیں یا دو ہمنوؤں کے درمیان بال اس طرح بڑے اور گھنے ہو جائیں کہ بدنما معلوم ہوں تو یہ اس وعید میں داخل نہیں بلکہ انہیں صاف کرنا مستحب ہے یا کوئی انگلی زائد نکل آئے یا کوئی دانت اس طرح منہ میں پیدا ہو جائے کہ جسے باقی رکھنے میں شدید تکلیف ہوتی ہو تو اسے بھی کنوا یا جاسکتا ہے۔

لعن اللہ الواصلة... اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاتون اپنے بالوں کے ساتھ کسی اور کے بال جوڑ لے تو یہ گناہ کبیرہ ہے اور باعث لعنت ہے، فقہاء کرام کا اس مسئلہ کے حکم کی تفصیل میں اختلاف ہے، جو درج ذیل ہے:

(۱) مالکیہ اور اکثر شوافع کے نزدیک بال کے ساتھ کسی اور کے بال ملانا مطلقاً منوع ہے، چاہے انسان کے بال ہوں یا غیر انسان کے، یا کوئی ریشم اور پٹے کے دھاگے ہوں، بالوں کے ساتھ اس طرح کی کوئی بھی چیز جوڑنا بالکل منوع ہے۔

(۲) حنابلہ، حنفیہ اور بعض شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ کسی انسان کے بال جوڑنا تو بالکل جائز نہیں، اسی طرح انسان کے علاوہ کسی اور چیز کے ناپاک بال جوڑنا بھی جائز نہیں، جیسے مردار جانور یا خنزیر کے بال ہوتے ہیں البتہ انسان کے علاوہ دوسرے پاک بال یا

مصنوعی بال جوڑنا جائز ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ شافعیہ کے ہاں اس مسئلے میں تفصیل یہ ہے کہ انسان کے بال جوڑنا تو ادب و احترام کی وجہ سے حرام ہے، انسان کے علاوہ کسی جانور کے پاک بال ہوں تو ان کو چوٹی میں شامل کرنے کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر اس خاتون کا شوہر یا اس کا مولیٰ نہ ہو (باندی ہونے کی صورت میں) تو اس کیلئے اپنی چوٹی میں ان بالوں کو شامل کرنا بھی حرام ہے، اور اگر اس کا شوہر یا آقا ہو تو ان کی اجازت کے بعد اس کیلئے اپنے بالوں کے ساتھ یہ بال جوڑنا جائز ہے۔

(۳) بالوں کے ساتھ بالوں کو اور ہر اس چیز کو جوڑنا بھی ممنوع ہے جس پر بال کا گمان ہونے لگے، لیکن اس طرح کا کوئی التباس نہ ہو تو پھر اسے بالوں کے ساتھ جوڑنا جائز ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔

(۴) فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں کہ مذکورہ ممانعت کا تعلق صرف بالوں کے ساتھ ہے کہ بال کے ساتھ کسی اور کے بال نہیں جوڑ سکتے لہذا چوٹی میں بالوں کے علاوہ دوسری چیزیں اون وغیرہ شامل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

گودنے والے عضو کی طہارت کا حکم

جسم کے جس حصے پر گودا گیا ہے اس کی طہارت کے بارے میں درج ذیل تفصیل ہے:

(۱) امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جسم کے جس حصے پر گودا گیا ہے وہ ناپاک ہو جاتا ہے، لہذا اس میں جو رنگ وغیرہ بھرا گیا ہے اسے صاف کرنا واجب ہے، ہاں اگر یہ اندیشہ ہو کہ اسے صاف کرنے کی صورت میں وہ عضو تلف یا شل ہو جائے گا یا اس کی افادیت ختم ہو جائے گی تو پھر اس رنگ کو زائل کرنا واجب نہیں، یہ شوافع کا مسلک ہے۔

(۲) احتاف کا مسلک یہ ہے کہ جب خون جم جائے اور زخم مندمل ہو جائے، صرف رنگ کا سبز یا سرخ نشان رہ جائے تو اب اسے زائل کرنا واجب نہیں، اب یہ جسم کا جزو بن چکا ہے، لہذا اس کے اوپر پانی ڈال دیا جائے تو طہارت حاصل ہو جائے گی، جس طرح داڑھی میں خضاب لگایا جائے تو طہارت کا حکم حاصل ہو جاتا ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي الْمُتَشَبِّهَاتِ بِالزَّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ

یہ باب ان عورتوں سے متعلق ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لَقَدْ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهَاتِ بِالزَّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهِينَ بِالنِّسَاءِ مِنَ الزَّجَالِ. حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کے ساتھ

(۱) تکملة فتح الملهم ۱۹۰/۲ کتاب اللباس باب تحريم فعل الواصلة، رد المحتار على الدر ۱۳۲/۱ کتاب الطهارة، مطلب فی حکم الوشم، مرقاة المفاتیح ۲۸۰/۸ کتاب اللباس، باب الرجل، تحفة الاحوذی ۵۶/۸

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتی ہیں اور ان مردوں پر (لعنت فرمائی ہے) جو عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں۔
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمُخَنَّثِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَوَخِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ.
حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کی طرح شکل و صورت بنا کر بھڑے نہیں، اور ان عورتوں پر لعنت بھیجی ہے جو شکل و صورت اور وضع قطع میں بتکلف مردانہ پن اختیار کریں۔
مشکل الفاظ کے معنی:- المتشبهات: متشبیہ کی جمع ہے: مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی خواتین۔ المخنثین: مخنث کی جمع ہے: وہ مرد جو عورتوں کی طرح شکل و صورت بنا کر بھڑے بن جائیں۔ متوجلات: مترجلہ کی جمع ہے: وہ عورتیں جو شکل و صورت اور وضع قطع میں بتکلف مردوں کی مشابہت اختیار کریں۔

عورتوں کی مردوں کے ساتھ اور مردوں کی عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے کا حکم

مذکورہ احادیث سے دو حکم ثابت ہوتے ہیں:

- (۱) ایسی عورتوں پر نبی کریم ﷺ نے لعنت فرمائی ہے جو اپنے لباس، بول چال، بناؤ سنگھار اور چلنے میں مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں اور مردوں کی طرح اپنی وضع قطع بناتی ہیں، چنانچہ آج مسلم معاشرہ کی بعض خواتین اس گناہ میں مبتلا ہیں کہ ان کا لباس مردوں کی طرح انتہائی مختصر، چست اور تنگ ہوتا ہے کہ جسم کی ساری نزاکتیں صاف معلوم ہوتی ہیں، یہ انتہائی بڑا گناہ ہے لیکن اگر عورت علم و فکر اور رائے میں مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہے تو یہ مذموم نہیں بلکہ شرعاً پسندیدہ ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے بہت سے مسائل میں مردوں کی طرح ہوا کرتی تھی۔
- (۲) اسی طرح ان مردوں پر بھی لعنت منقول ہے جو اپنی ظاہری وضع قطع، بول چال اور زیب و زینت میں عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں،

امام نووی فرماتے ہیں کہ مخنث کی دو قسمیں ہیں:

- ☆ ایک وہ مخنث ہے جس میں پیدائشی طور پر عورتوں کی صفات غالب ہوں، وہ بتکلف عورتوں کی طرح اپنے آپ کو نہیں بناتا، ایسے شخص پر کوئی گناہ نہیں، وہ لعنت کی اس وعید میں داخل نہیں کیونکہ وہ معذور ہے لیکن اگر وہ عورتوں کے ساتھ مشابہت والے امور رفتہ رفتہ ترک کر سکتا ہے تو پھر اس پر ان امور کا ترک کرنا ضرور لازم ہوگا۔

- ☆ دوسرا وہ مخنث ہے جس میں مردوں کی صفات غالب ہوں لیکن وہ بتکلف اپنی ظاہری شکل و صورت، بول چال اور حرکات میں اپنے آپ کو عورت ظاہر کرتا ہے، اس کا یہ عمل قابل مذمت ہے اور ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حدیث میں لعنت کی وعید آئی ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ خُرُوجِ الْمَرْأَةِ مُتَعَطِّرَةً

یہ باب اس بیان میں ہے کہ عورت کا خوشبو لگا کر نکلتا مکروہ یعنی منوع ہے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: كُلُّ عَيْنٍ رَائِيَةٌ وَالْمَرْأَةُ إِذَا اسْتَعْطَرَتْ لَمَزَتْ بِالْمَجْلِسِ لَهَا كَذَا وَكَذَا يَغْنِي رَائِيَةً.

حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (نظر بد ڈالنے والی) ہر آنکھ زنا کار ہے، اور جب کوئی عورت عطر لگا کر (مردوں کی) مجلس کے قریب سے گزرے تو وہ ایسی ویسی ہے یعنی زنا کار ہے۔

خوشبو لگا کر مردوں کے پاس سے گزرنے والی عورت کا حکم

اس حدیث سے ایک تو یہ عمومی حکم ثابت ہوتا ہے کہ بد نظری کرنے والی ہر آنکھ زنا کار ہے، یہ حکم مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے، جو مرد عورتوں کو شہوت کے ساتھ دیکھے یا جو عورت نامحرم مردوں کی تاک جھانک کرے، ایسے مرد اور عورت کی آنکھ زنا کار ہے، کیونکہ جس طرح زنا حرام ہے اسی طرح زنا تک پہنچانے کے جو بھی محرکات اور اسباب ہوں وہ بھی حرام ہوتے ہیں، زنا کا ایک سبب اس حدیث میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ کسی عورت کا خوشبو لگا کر مردوں کے پاس سے گزرنے والی باعث زنا ہے، یہ خوشبو اس بات پر آمادہ کرے گی کہ مرد اس عورت کی طرف بری نظروں سے دیکھے، یوں اس نظر کا زنا ہو جائے گا۔

لہذا اگر عورت کو کسی مجبوری کی وجہ سے کہیں جانا ہو تو مکمل شرعی پردے کے ساتھ جائے، خوشبو لگا کر نہ لکھے، کیونکہ خوشبو لگا کر نکلتا اگرچہ برقعہ کے اندر ہی ہو، اتنا برا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے والی عورتوں کو اس حدیث میں زنا کار فرمایا ہے، یوں بھی عورت کو تیز خوشبو لگانا منع ہے اگرچہ گھر کے اندر ہی ہو۔ (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر ایسا عمل کہ جس سے کوئی مرد کسی غیر محرم عورت سے یا کوئی عورت کسی غیر محرم مرد سے رابطہ کرے..... وہ منوع ہے، لہذا ایسے مرد و عورت کیلئے موبائل کا استعمال کسی بھی طرح جائز نہیں جو اسے غیر شرعی اور غیر اخلاقی کاموں کیلئے استعمال کرتے ہوں، جو اس کے ذریعہ اپنی جنسی خواہشات کو غیر شرعی مقام پر پورا کرنے کی تگ و دو میں رہتے ہوں، اور موبائل تو اس زمانے کا بہت بڑا فتنہ ہے، اور عموماً نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اسے غلط ہی استعمال کرتے ہیں، اس لیے غیر شادی شدہ اور زیر تعلیم لڑکی کے پاس تو موبائل ہونا ہی نہیں چاہئے، ہاں شادی کے بعد اگر شوہر اس پر رضامند ہو اور ضرورت بھی ہو تو ایسی صورت میں عورت کے لیے موبائل رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

باب مَا جَاءَ فِي طِيبِ الزَّجَالِ وَالنِّسَاءِ

یہ باب مردوں اور عورتوں کی خوشبو سے متعلق ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: طِيبُ الزَّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ وَطِيبُ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ وَخَفِيَ رِيحُهُ.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مردوں کی خوشبو ایسی ہو جس کی خوشبو ظاہر ہو (یعنی دوسروں کو بھی محسوس ہو) اور اس کا رنگ پوشیدہ (یعنی ہلکا) ہو اور عورتوں کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ ظاہر ہو اور خوشبو پوشیدہ ہو (یعنی بہت معمولی خوشبو آ رہی ہو)۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ خَيْرَ طِيبِ الزَّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ وَخَيْرَ طِيبِ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ وَخَفِيَ رِيحُهُ وَنَهَى عَنْ مِثْقَةَ الْأَرْجَوَانِ.

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مردوں کیلئے بہترین خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو ظاہر یعنی تیز ہو اور رنگ پوشیدہ یعنی ہلکا ہو، اور عورتوں کیلئے وہ خوشبو سب سے بہتر ہے جس کا رنگ ظاہر ہو (یعنی تیز ہو) اور جس کی خوشبو پوشیدہ ہو (یعنی ہلکی اور کم ہو) اور نبی کریم ﷺ نے سرخ رنگ کی ریشمی زین پوش سے منع فرمایا ہے۔

مِثْقَةُ الْأَرْجَوَانِ كَيْفَ مَعْنَى

مِثْقَةُ: (نیم کے نیچے زیر، یا کے سکون اور ثناء پر زبر کے ساتھ)

(۱) سرخ رنگ کی چھوٹی سی گدی جو سوار اپنے نیچے رکھا کرتے تھے۔

(۲) سرخ رنگ کا وہ کپڑا جو زین کے اوپر ڈالا جاتا تھا، اور عام طور پر ریشم کا ہوا کرتا تھا۔

(۳) ارغوانی گھاس سے بھری ہوئی گدی جو سرخ ہوتی تھی۔

أَرْجَوَان: (الف وجم کے پیش اور راء کے سکون کے ساتھ) اس کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) سرخ رنگ کی ریشمی زین پوش یعنی سرخ رنگ کا ریشمی کپڑا جو زین کے اوپر ڈالا جاتا تھا۔

(۲) نہایہ میں ہے کہ ارجوان دراصل ”ارغوان“ کا معرب ہے، اور ارغوان اس پودے کو کہتے ہیں جس کا پھول نہایت تیز

سرخ رنگ کا ہو، پھر جو رنگ اس پھول کے رنگ کے مشابہ ہوتا ہے جیسے نارنجی، اسے بھی ارجوان کہہ دیا جاتا ہے۔

(۳) قاموس میں ہے کہ ارجوان سرخ رنگ کو کہتے ہیں۔

(۴) سرخ اون۔ (۱)

مردوں اور عورتوں کی خوشبو میں فرق

اس باب کی احادیث سے دو حکم ثابت ہوتے ہیں:

(۱) مردوں کو ایسی خوشبو استعمال کرنی چاہئے جس کی خوشبو تیز ہو اور جس کا اثر دوسروں تک بھی پہنچ جائے، رنگ اس کا بالکل ہی نہ ہو یا ہو تو ہلکا ہو جیسے گلاب، عنبر، عود، شامہ اور پرفیوم وغیرہ اور عورتوں کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ کپڑوں پر ظاہر ہو جائے مگر اس کی خوشبو بہت معمولی ہو جو اس کی ذات تک ہی محدود ہو یا زیادہ سے زیادہ اس کے شوہر تک پہنچ جائے جب وہ قریب ہو۔

یہ ذہن میں رہے کہ عورت کیلئے خوشبو لگانے کا جواز صرف گھر کے اندر تک ہے، خوشبو لگا کر گھر سے باہر جانا اس کیلئے جائز نہیں ہے جیسا کہ پچھلے باب کی روایت میں گذر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسی عورت کا یہ عمل زنا شمار ہوگا، اس لیے عورت کیلئے تیز خوشبو لگانا جائز نہیں، اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ نبی کریم ﷺ نے خواتین کی عفت و عصمت کو محفوظ رکھنے کیلئے کیسے کیسے اصول اور کیسی عمدہ نصیحتیں ارشاد فرمائی ہیں لیکن افسوس کہ آج کا مسلمان اسلامی تعلیمات سے بہت دور ہو چکا ہے، غیر مسلم قوموں اور فاسق لوگوں کے جو طور طریقے، جوڈیزائن اور فیشن اس کے سامنے آتے ہیں، اندھا دھند انہیں اختیار کر لیا جاتا ہے، یہ نہیں سوچا جاتا کہ شرعی لحاظ سے اس طرح کا لباس اور خوشبو وغیرہ میرے جائز ہے یا نہیں؟ اللہ ہی اس قوم پر رحم فرمائے۔

(۲) گھوڑے یا اونٹ وغیرہ پر سوار ہونے کیلئے ایسی گدی بنانا جو ریشم کے کپڑے کی ہو یا سرخ رنگ کا کپڑا ہو تو اس کا استعمال ممنوع ہے، اگر وہ کپڑا ریشمی ہو تو اس کا استعمال مردوں پر حرام ہے اور اگر ریشم کا نہ ہو تو اس کا استعمال پسندیدہ نہیں کہ اس میں عیش و عشرت کرنے والے فاسق قسم کے لوگوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مرد کیلئے سرخ زین پوش کا استعمال درست نہیں تو سرخ رنگ کا کپڑا پہننا مرد کیلئے بدرجہ اولیٰ درست نہیں۔ (۲)

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ رَدِّ الطِّيبِ

یہ باب خوشبو کو رد کرنے کی کراہت کے بارے میں ہے۔

عَنْ ثَمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: كَانَ أَنَسُ لَا يَرُدُّ الطِّيبَ. وَقَالَ أَنَسُ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَرُدُّ الطِّيبَ.

(۱) مرقاة ۲۲۶/۸، کتاب اللباس، تحفة الاحوذی ۴۵۵/۵، ابواب اللباس، باب ما جاء في ركوب اللباس، الكوكب الدرر

۴۱۱/۳

(۲) تحفة الاحوذی ۶۰/۸، الكوكب الدرر ۴۱۲/۳، مرقاة ۲۲۶/۸

حضرت ثمامہ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ انسؓ بھی خوشبو کو رد نہیں کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ نبی کریم ﷺ بھی کبھی خوشبو کو رد نہیں فرماتے تھے۔

عَنْ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فَلَا تَلْبَسُ لَأَكْثَرُ الْمَوَسَائِدِ وَالْمُذَهْنِ وَاللَّبَنِ.

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزوں کو رد کرنا مناسب نہیں، نیکے، خوشبو اور دودھ۔

عَنْ أَبِي عَفْصَانَ التَّهْدِي قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذَا أُعْطِيَ أَحَدُكُمْ الزَّيْحَانِ فَلَا يَزِدُّهُ فَإِنَّهُ خَرَجَ مِنَ الْجَنَّةِ.

حضرت ابو عثمان تہدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کو کوئی خوشبودی جائے تو اسے رد نہ کرے، کیونکہ وہ جنت سے نکلے۔

مشکل الفاظ کے معنی:- طیب: (طا کے نیچے زیر اور یا کے سکون کے ساتھ) خوشبو، عطر۔ لاہود: (صیغہ مجہول) رد نہ کیا جائے، اسے لینے سے انکار نہ کیا جائے۔ وسائد: وسادہ کی جمع ہے۔ نیکے۔ دھن: (دال پر پیش اور ہاء کے سکون کے ساتھ) تیل، یہاں حدیث میں اس سے خوشبو یا خوشبودار تیل مراد ہے۔ زیحان: (راء پر زبر کے ساتھ) ہر خوشبودار پودا، نازبو۔

خوشبو سے انکار نہیں کرنا چاہئے

جب کسی انسان کو خوشبو پیش کی جائے تو وہ اسے قبول کر لے، رد نہ کرے، ایک تو اس وجہ سے کہ اس کا بوجھ نہیں اور عموماً زیادہ مہنگی بھی نہیں ہوتی، لہذا مہنگی خوشبو جیسے عود ہندی اور ثمامہ وغیرہ اس حدیث میں داخل نہیں کہ اسے رد کیا جاسکتا ہے، دوسرا اس وجہ سے کہ خوشبو جنت سے آئی ہے، تیسرا اس لیے کہ نبی کریم ﷺ بھی خوشبو کو بہت پسند کرتے، اور اسے استعمال بھی فرماتے، لہذا اگر انسان مہمان ہو اور اسے میزبان ایسی چیزیں پیش کرے جو اس پر بوجھ نہ ہوں مثلاً نیکے، خوشبو، آئل اور دودھ وغیرہ تو مہمان کو چاہئے کہ وہ انہیں قبول کر لے، بحکف قبول نہ کرنا تکبر کی علامت ہے، اور اس میں ہدیہ دینے والے کی دل آزاری بھی ہے، اس لیے اگر کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور کوئی شرعی مانع بھی نہ ہو تو اس قسم کی چیزیں ہدیہ میں قبول کر لینی چاہئیں۔ (۱)

باب فی کراهیۃ مباشرۃ الرجل الرجل والمرأۃ المرأۃ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ دوسرا دوسرے عورتوں کا آپس میں برہنہ جسم کر کے ملنا مکروہ یعنی حرام ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا تَبَاشِرُوا الْمَرْأَةَ الْمَرْأَةَ حَتَّى تَصِفَهَا لِرَوْحِهَا كَأَلَمَا يَنْظُرُ إِلَيْهَا.

حضرت عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی عورت اپنا برہنہ جسم کسی دوسری عورت کے

برہنہ جسم سے نہ لگائے (یا یوں ترجمہ کریں: ایک عورت دوسری عورت کے ساتھ یوں ملاقات نہ کرے) کہ پھر اپنے شوہر کے سامنے دوسری عورت کا پورا (حال، نقشہ حسن و جمال اور گداز پن) اس طرح بیان نہ کرے کہ جیسے وہ اس عورت کو دیکھ رہا ہے۔

عَنْ نَبِيِّ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا تَنْظُرُ الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ وَلَا يَفْضِي الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فِي الْقَوْبِ الْوَاحِدِ وَلَا تُفْضِي الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ فِي الْقَوْبِ الْوَاحِدِ.

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی مرد کسی دوسرے مرد کے ستر کی طرف نہ دیکھے، کوئی عورت کسی دوسری عورت کے ستر کی طرف نہ دیکھے، دوسرے برہنہ ہو کر ایک کپڑے یعنی چادر میں نہ لپیٹیں، اور نہ دو برہنہ عورتیں ایک کپڑے میں جمع ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنی: - مباحرة: براہ راست، ایک جگہ کا دوسری جگہ کے ساتھ بغیر کسی حائل کے ملنا، چھونا۔ لا تباهر المرأة المرأة: (۱) کوئی عورت اپنا برہنہ جسم کسی دوسری عورت کے برہنہ جسم کے ساتھ نہ لگائے۔ (۲) کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ باہم مجلس اور ملاقات نہ کرے۔ حتی تصفها لزوجها: کہ پھر اپنے شوہر کے سامنے اس کا پورا حال بیان کرنے لگے۔ لا يفضي: نہ پہنچے، جمع نہ ہوں، ایک ساتھ نہ لپیٹیں۔

شوہر کے سامنے کسی دوسری عورت کے جسم کا حال بیان کرنے کی ممانعت

کسی عورت کا اپنے جسم کو برہنہ کر کے کسی دوسری برہنہ عورت سے جسم کو ملانا، ملاقات کرنا اور پھر اس کے جسم کے خدوخال، حسن و جمال اور گداز پن اپنے شوہر کے سامنے بیان کرنا انتہائی برا ہے، ایسے کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، کیونکہ کسی عورت کے اوصاف اس انداز سے اپنے شوہر کے سامنے بیان کرنا بھی ایک طرح کی بے پردگی ہے جیسے کسی عورت کو آنکھ سے براہ راست دیکھا جائے تو طبیعت اس کی طرف مائل ہو جاتی ہے، ایسے ہی دیکھے بغیر اس کے حسن و جمال کا حال سن کر دل میں دیکھنے اور ملاقات کرنے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے عورت کو اس طرح کے تذکرہ سے منع کیا گیا ہے۔

ممانعت کا یہ حکم اس مصلحت اور اندیشہ کی وجہ سے ہے کہ بسا اوقات ایک غیر عورت کے پرکشش اوصاف سن کر اس کا شوہر اس عورت کی محبت کے فتنہ میں مبتلی ہو سکتا ہے، معاملہ انتہائی سنگین صورت اختیار کر جائے تو وہ اپنی بیوی کو طلاق تک دے دیتا ہے، طلاق کا وقوع نہ بھی ہو تب بھی یہ اس کے فتنہ میں بہر حال مبتلی ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ بہت سے گناہوں کا ارتکاب کر لیتا ہے، اس لیے کسی دوسری عورت کا اپنے شوہر کے سامنے اس طرح تذکرہ ہرگز نہ کیا جائے کہ جس سے اس کا مرد اس غیر عورت کا دلدادہ اور اس پر فریفتہ ہو جائے۔

ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہونا حرام ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو مرد یا دو عورتیں ایک ساتھ برہنہ حالت میں ایک چادر میں نہ لپٹیں کہ یہ بے حیائی اور بے شری کی بات ہے اور یہ مزید کسی بڑے گناہ کا بھی باعث بن سکتا ہے، البتہ میاں بیوی اس سے مستثنیٰ ہیں یہ ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہو سکتے ہیں۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ ایک مرد کا دوسرے مرد کے ستر کی طرف یا ایک عورت کا دوسری عورت کے ستر کی طرف دیکھنا ناجائز اور حرام ہے۔

شریعت نے مرد و عورت کے جسم کے جن حصوں اور اعضاء کو چھپانا ضروری قرار دیا ہے انہیں ”ستر“ کہا جاتا ہے، ان حصوں کو عام نظروں سے چھپانا اور ڈھانکنا ضروری ہے، ان احکام کی تفصیل یہ ہے:

(۱) مرد کا ستر اس کے جسم کا وہ حصہ ہے جو زیر ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک ہوتا ہے، اس حصہ کو دیکھنا نہ تو کسی مرد کیلئے جائز ہے اور نہ کسی عورت کیلئے، ہاں اس مرد کی بیوی اور باندی اس حصے کو بھی دیکھ سکتی ہیں، اس حصے کے علاوہ مرد کا بقیہ جسم مرد بھی دیکھ سکتا ہے اور عورت بھی بشرطیکہ عورت کے دیکھنے میں کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، اگر کسی عورت کو اپنے نفس پر کنٹرول نہ ہو تو پھر وہ غیر مرد کے جسم کے کسی بھی حصے کو نہیں دیکھ سکتی۔

(۲) اسی طرح عورت کا ستر عورت کے حق میں اس کے جسم کا زیر ناف سے زانوں تک کا حصہ ہے، لہذا عورت کے جسم کے اس حصے کو کسی عورت کیلئے بھی ضرورت کے بغیر دیکھنا ناجائز نہیں ہے، جبکہ اجنبی مرد کے حق میں عورت کا ستر اس کا پورا جسم ہے، یعنی مرد کیلئے کسی اجنبی عورت کے جسم پر نظر ڈالنا ناجائز نہیں ہے، ایک قول کے مطابق عورت کا چہرہ، دونوں ہاتھ اور پاؤں دیکھے جاسکتے ہیں بشرطیکہ اس میں کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، اور یہ زمانہ چونکہ طرح طرح کے فتنوں پر مشتمل ہے، اور چہرہ عورت کی زیب و زینت کا اصل مرکز ہے جس پر نظر ڈالنے سے انسان فتنہ میں ضرور مبتلی ہو جاتا ہے، اس لیے اجنبی عورت کے جسم پر نظر ڈالنا بالکل ناجائز ہے البتہ شرعی عذر ہو تو پھر دیکھا جاسکتا ہے جیسے کوئی عورت حج کے سامنے گواہی دے یا علاج معالجہ کا موقع ہو۔

(۳) مرد اپنی بیوی کے جسم کا ہر حصہ دیکھ سکتا ہے، اسی طرح اپنی اس باندی کا پورا جسم بھی دیکھ سکتا ہے جس سے اس کیلئے ”تعلقات“ قائم کرنا حلال ہو۔

(۴) عورت کا ستر اس کے محرم کے حق میں اس کی پیٹھ، پیٹ اور ناف سے گھٹنوں تک کے نیچے کا حصہ ہے، لہذا کسی محرم کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ عورت کے ان اعضاء کو چھوئے، ہاں عورت کا سر، چہرہ، ہنڈلی، بازو اور سینہ وہ محرم رشتہ وارد دیکھ سکتا ہے جس سے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، لیکن اگر کوئی محرم شیطانی خواہشات اور برے افکار کا مالک ہو تو پھر اس سے پردہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے، اور اس کیلئے اپنی محرم عورت کو دیکھنا بھی جائز نہیں ہوتا۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي حِفْظِ الْعَوْرَةِ

یہ باب ستر کی حفاظت کے حکم کے بارے میں ہے۔

عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ: عَوْرَاتُنَا مَا نَأْتِي مِنْهَا وَمَا نَذَرُ؟ قَالَ: اخْفِظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ. قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ: إِذَا كَانَ الْقَوْمُ بَغْضَهُمْ فِي بَغْضِي قَالَ إِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَا يَزَاها أَحَدٌ فَلَا تُرِيْنَهَا قَالَ: قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ: إِذَا كَانَ أَحَدُنَا خَالِيًا؟ قَالَ: فَاللهُ أَحَقُّ أَنْ يَسْتَخِي النَّاسَ مِنْهُ۔

حضرت بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ ہم کس سے ستر کو چھپائیں اور کس سے چھوڑ دیں یعنی نہ چھپائیں؟ فرمایا: اپنے ستر کو اپنی بیوی اور باندی کے علاوہ ہر ایک سے چھپاؤ، میں نے عرض کیا؟ اے اللہ کے رسول ﷺ: جب کہ لوگ آپس میں ملے جلے ہوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تجھ سے یہ ہو سکے کہ تیری شرمگاہ کو کوئی بھی شخص نہ دیکھے تو ہرگز تو یہ کسی کو نہ دکھلا، میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی ﷺ: جب ہم میں سے کوئی اکیلا اور تنہا ہو تو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ لوگ اس سے شرم و حیا کریں (یعنی تنہائی میں بھی برہنہ نہ ہونا چاہئے، اور اللہ جل جلالہ سے شرم کرنا چاہئے) مشکل لفظ کی تشریح:۔ فلا تریٰ منها: (یہ ارادہ سے ہے) تو ہرگز اس شرمگاہ کو نہ دکھلا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ باب مکرر ذکر کر دیا ہے، اس لیے اس کی تشریح پہلے اسی باب کے تحت گزر چکی ہے، وہاں دیکھ لیا جائے۔

باب مَا جَاءَ أَنَّ الْفَخْدَ عَوْرَةٌ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ ران ستر میں داخل ہے۔

عَنْ جَزْهِدٍ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِجَزْهِدٍ فِي الْمَسْجِدِ وَقَدْ انْكَشَفَ لِعِذَّةٍ فَقَالَ: إِنَّ الْفَخْدَ عَوْرَةٌ۔ حضرت جرہد کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مسجد میں ان کے پاس سے گزرے جبکہ ان کی ران کھلی ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ران ستر میں داخل ہے۔

عَنْ جَزْهِدٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ بِهِ وَهُوَ كَاشِفٌ عَنْ وَجْهِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: غَطِّ لِعِذَّتِكَ، فَإِنَّهَا مِنَ الْعَوْرَةِ۔ حضرت جرہد فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ان کے پاس سے گزرے جبکہ وہ اپنی ران کھولے ہوئے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی ران کو ڈھانپ لو کیونکہ وہ ستر میں داخل ہے۔

عَنْ جَرِّهْدٍ الْأَسْلَمِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: الْقِحْدُ عَوْرَةٌ
 حضرت جرہد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ران ستر میں داخل ہے۔
 عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: الْقِحْدُ عَوْرَةٌ
 حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ران ستر میں داخل ہے۔

ران ستر میں داخل ہے

مذکورہ اور اس مفہوم کی دیگر تمام احادیث کی روشنی میں جمہور علماء فرماتے ہیں کہ ران ستر میں داخل ہے، لہذا اسے اپنی بیوی اور باندی کے علاوہ کسی اور انسان کے سامنے کھولنا ناجائز اور حرام ہے، آج کل بعض لوگ گرمی، کھیل یا ورزش کے وقت اتنا مختصر لباس پہنتے ہیں کہ جس سے ان کی رانیں نظر آرہی ہوتی ہیں، یہ گناہ کبیرہ ہے، ایسا لباس ہرگز نہ پہنا جائے، جو مرد و عورت اس لباس میں انہیں قصد و ارادہ سے دیکھیں گے وہ بھی گنہگار ہونگے البتہ ضرورت کے موقع پر ران یا اس کا کچھ حصہ کھولا جاسکتا ہے جیسے جنگ و جدال اور مرض کی حالت میں، اس کے علاوہ اسے کھولنا ناجائز نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ سے دو موقعوں پر ران کا کچھ حصہ کھولنا منقول ہے، ایک مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ ران کھول کر تشریف فرماتے تھے کہ اتنے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اجازت لے کر آگئے پھر حضرت عمر آپ ﷺ کے پاس آگئے، آپ ﷺ اسی حالت میں بیٹھے رہے پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آنے لگے تو نبی کریم ﷺ نے اپنی ران کو ڈھانپ لیا، دوسری حضرت انس کی وہ روایت ہے جسے امام بخاری اور امام احمد نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ خیمبر کے موقع پر نبی کریم ﷺ کی ران مبارک کھلی ہوئی تھی یہاں تک کہ اس کی سفیدی اب بھی مجھے یاد ہے لیکن یہ دونوں واقعے نبی کریم ﷺ کی خصوصیت پر محمول ہیں، ان سے ران کے ستر نہ ہونے پر استدلال کرنا کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي النَّظَافَةِ

یہ باب صفائی اور پاکیزگی کے بیان میں ہے۔

عَنْ صَالِحِ بْنِ أَبِي حَسَنٍ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ: إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ، نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ، كَرِيمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ، جَوَادٌ يُحِبُّ الْجُودَ، فَتُظَفُّوا، أَوْ أَهْ قَالَ: أَفَيَسْتَكْمُ وَلَا تَكْتَسِبُهَا الْيَهُودُ.
 قَالَ: لَدَّ كَثُوثُ ذَلِكَ لِمَهَا جَرِّ بْنِ مَسْمَارٍ فَقَالَ: حَدَّثَنِيهِ عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ
 وَمِثْلُهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: تُظَفُّوا أَفَيَسْتَكْمُ.

صالح بن ابی حسان حضرت سعید بن مسیب سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور پاکیزگی کو پسند فرماتے ہیں،

وہ صاف ہیں اور صفائی کو پسند کرتے ہیں وہ مہربان ہیں اور مہربانی کو پسند کرتے ہیں، وہ سخی ہیں اور سخاوت کو پسند فرماتے ہیں، لہذا تم لوگ پاک صاف رہا کرو، صالح راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ ابن مسیب نے فرمایا: اپنے صحنوں کو (صاف ستھرا رکھا کرو) اور یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو، صالح کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث مہاجر بن مسمار کے سامنے بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے یہ حدیث عامر بن سعد نے اپنے والد سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اسی طرح بیان کی مگر یہ کہ مہاجر نے اپنی روایت میں فرمایا: ”تم اپنے صحنوں کو ضرور صاف ستھرا رکھا کرو“ (اس طریق میں گمان، تردد اور شک کا ذکر نہیں ہے)

مشکل الفاظ کے معنی:- نظافۃ: (نون پر زبر کے ساتھ) پاکیزگی، صفائی ستھرائی۔ طیب: ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک ذات، پاکیزگی۔ طیب اور نظافۃ میں یہ فرق ہے کہ طیب نجاستوں سے پاک کرنے اور نظافۃ میل کچیل دور کرنے کو کہتے ہیں۔ (۱) کرم: مہربان، بڑا سخی و فیاض جس کی بخشش و عطاء کا سلسلہ منقطع نہ ہو۔ کرم: مہربانی، سخاوت۔ جود: سخاوت جو اد: (جیم پر زبر اور دو اد پر زبر کے ساتھ) سخی، فیاض، جو کچھ اس کے پاس ہو، وہ سب خرچ کر دینے والا۔ نظفوا: تم صاف ستھرا رکھا کرو۔ اُفنیۃ: فناء کی جمع ہے: محض۔

صفائی اور ستھرائی کا حکم

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) انسان کو اپنے رہن بہن میں صفائی ستھرائی کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، اس کا جسم، کپڑے اور گھر وغیرہ ہر قسم کی گندگی اور نجاست سے پاک ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نظافت و طہارت اور پاکیزگی کو پسند فرماتے ہیں اس میں ان لوگوں کیلئے درس عبرت ہے جن کے کپڑے انتہائی میلے کچیلے اور جسم سے بدبو آ رہی ہوتی ہے، وہ اپنی صفائی کی طرف توجہ نہیں دیتے، ایسا کرنا ان کیلئے جائز نہیں ہے۔

(۲) مسلمان کو چاہئے کہ وہ عمدہ اخلاق اور کریمانہ صفات سے آراستہ ہو۔

(۳) اللہ تعالیٰ انتہائی سخی اور فیاض ہیں، لہذا مسلمانوں کو بھی سخاوت کی سنت پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔

(۴) حدیث کے آخر میں خاص طور پر گھروں کو صاف ستھرا رکھنے کا حکم دیا ہے کہ جب گھر پاک صاف ہو تو مہمانوں کا بھی دل خوش ہوگا۔

اس حدیث میں صالح بن ابی حسان گمان ظاہر کر رہے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ ابن مسیب نے اُفنیۃکم کا لفظ بھی ارشاد فرمایا ہے، لیکن مہاجر بن مسمار کے طریق میں بغیر کسی شک اور تردد کے یہ لفظ منقول ہے۔

(۵) یہودی مشابہت اختیار نہ کرو، ان کے گھر ہر قسم کی نجاست سے لت پت ہوتے تھے، خست و کمینہ پن اور بخل ان کا شعار تھا، ان تمام امور میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ یہود کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کریں۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي الْإِسْتِعَارِ عِنْدَ الْجَمَاعِ

یہ باب جماع کے وقت پردے میں ہونے کے (حکم کے) بیان میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِنَّا كُنْمُ وَالتَّعْزِي لَإِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَا يُفَارِقُكُمْ إِلَّا عِنْدَ الْفَاطِطِ وَحِينَ يُفَضِّي الزَّجْلُ إِلَى أَهْلِهِ فَاسْتَحْبِوْهُمْ وَأَكْرِمْوْهُمْ۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: برہنہ ہونے سے پرہیز کرو، کیونکہ تمہارے ساتھ ایسے (فرشتے) ہوتے ہیں جو تم سے کسی بھی وقت جدا نہیں ہوتے سوائے قضاء حاجت اور اس وقت کے کہ جب آدمی اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے (اس وقت یہ فرشتے تھوڑی دیر کیلئے الگ ہو جاتے ہیں) لہذا تم ان (فرشتوں) سے حیاء کرو اور تم ان کا اکرام کرو (اس طرح کہ اپنے آپ کو برہنہ نہ کرو)

مشکل الفاظ کے معنی:- الاستعار: چھپنا، پردہ میں ہونا۔ ایاکم و الصعری: تم اپنے آپ کو برہنہ ہونے سے بچاؤ۔ من لا یفارقکم: جو تم لوگوں سے جدا نہیں ہوتے یعنی فرشتے۔ عند الفاطط: قضاء حاجت کے وقت۔ یفضی: آدمی پنپنے یعنی اپنی بیوی سے جماع کرے۔

جماع کے وقت بھی حتی الامکان پردہ میں رہا جائے

اس حدیث میں جماع کا ادب بیان کیا گیا ہے کہ جماع کے وقت بھی جس قدر ہو سکے پردہ میں رہا جائے، کیونکہ ہر انسان کے ساتھ کچھ فرشتے ہوتے ہیں، جو انسان کے برہنہ ہونے کے وقت اس سے دور اور الگ ہو جاتے ہیں، اس لیے برہنہ ہونے سے اجتناب کرنا چاہئے البتہ ضرورت کے مواقع اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جسے قضاء حاجت اور جماع کے وقت..... (۲)

باب مَا جَاءَ فِي دُخُولِ الْحَمَامِ

یہ باب غسل خانہ میں داخل ہونے سے متعلق ہے۔

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَدْخُلُ حُلَيْلَتَهُ الْحَمَامَ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَدْخُلُ الْحَمَّامُ بَغِيرَ إِذَارٍ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَجْلِسُ عَلَى مَائِدَةٍ
يَذَارُ عَلَيْهَا بِالْخَمْرِ

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ جل جلالہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ اپنی بیوی حمام میں نہ بیٹھے، اور جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو وہ تہ بند کے بغیر حمام میں داخل نہ ہو، اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چلتا ہو۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى الزَّجَالَ وَالنِّسَاءَ عَنِ الْحَمَّامَاتِ ثُمَّ رَخَّصَ لِلزَّجَالِ فِي الْمَنَائِدِ
حضرت عائشہ فرماتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں اور عورتوں کو حماموں میں جانے سے منع فرمایا پھر مردوں کو تہ بند باندھ کر جانے کی اجازت دے دی۔

عَنْ أَبِي الْمَلِیحِ الْهَذَلِيِّ أَنَّ نِسَاءَ أَمِنْ أَهْلِ حِمْنَصٍ أَوْ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ دَخَلْنَ عَلَى عَائِشَةَ فَقَالَتْ: أَتُتْنُ اللَّائِي
يَدْخُلْنَ نِسَاءً كُنَّ الْحَمَّامَاتِ؟ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَا مِنْ امْرَأَةٍ تَصْغُرُ لِبَاسِهَا فِي غَيْرِ بَيْتٍ زَوْجِهَا
إِلَّا هَتَكَتِ السُّتْرَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ رَبِّهَا.

حضرت ابوالملیح ہذلی فرماتے ہیں کہ حمص یا شام کی کچھ عورتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (ان سے) فرمایا: تم وہی ہو کہ تمہاری عورتیں حماموں میں داخل ہوتی ہیں؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ایسی کوئی عورت نہیں کہ جو اپنے شوہر کے گھر کے علاوہ اپنے کپڑے کہیں اتارے مگر یہ کہ اس نے وہ پردہ پھاڑ دیا جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان تھا۔

مشکل الفاظ کے معنی:- حمام: غسل خانہ، یہاں حدیث میں اس سے وہ حمام مراد ہیں جن کا عہد نبوت میں حجاز سے باہر رواج تھا، جن میں مرد و عورت بغیر کسی پردے کے ایک ساتھ نہایا کرتے تھے۔ حلیلہ: بیوی۔ مائیدہ: دسترخوان، دعوت۔ یدار علیہا: اس دسترخوان پر گھمایا جائے۔ میازر: منور کی جمع ہے: تہ بند، لنگی۔ ہتک الستر: اس نے پردے کو پھاڑ دیا۔

حمام، کلب اور تالابوں میں غسل کرنے کے احکام

زمانہ جاہلیت سے بعض علاقوں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ مرد و عورت ایک ہی جگہ حمام میں بغیر کسی پردے کے غسل کیا کرتے تھے، چنانچہ حجاز سے باہر عہد نبوت میں بھی ایسے حماموں کا رواج تھا جن میں مرد و عورت بغیر کسی پردے کے اکٹھے ہو کر نہایا کرتے تھے، اور یہ ان کے رواج اور تہذیب میں داخل تھا، نبی کریم ﷺ نے اولاً مرد و عورت دونوں کو اس قسم کے حمام میں غسل کرنے سے منع فرمایا، پھر بعد میں آپ ﷺ نے مردوں کو حمام میں غسل کرنے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی کہ وہ ان میں تہ بند باندھ کر غسل کیا کریں، اور خواتین کی ممانعت اب بھی باقی ہے کیونکہ ایک تو وہاں مرد و عورت کا اختلاط ہوتا ہے اور دوسرا عورتوں

کیلئے صحیح طرح پردے کا بندوبست بھی نہیں ہوتا، اس لئے خواتین اپنے گھر میں ہی پردے میں غسل کیا کریں۔
 الاھتکت الستور: اس سے حیاء کا پردہ اور ستر مراد ہے کہ جب اس عورت نے شوہر کے گھر کے علاوہ دوسری جگہ کسی شرعی وجہ کے بغیر اپنا ستر کھول دیا تو اس نے گویا وہ پردہ حیاء ختم کر دیا جو اس کے اور پردہ گار کے درمیان تھا۔ (۱)
 ہمارے زمانے میں گلیوں میں جو تالاب بنائے جاتے ہیں اس میں غسل کیلئے یہ ضروری ہے کہ عورتوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو، صرف مرد ہی نہ ہاتے ہوں، اور کوئی مرد کسی دوسرے مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک نہ دیکھے، لہذا ایسے تالاب کہ جہاں مرد و عورت ایک ساتھ غسل کرتے ہوں اس میں غسل کرنا جائز نہیں ہے یہ یہود و نصاریٰ اور کفار کا طریقہ ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس طرح کے تالابوں سے اجتناب کیا کریں۔

گناہوں پر مشتمل تقریبات میں شرکت کا حکم

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ کسی ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ ایسی دعوت اور تقریبات میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے جن میں شراب، موسیقی اور گناہوں کا ارتکاب ہو، اگر پہلے سے معلوم ہو کہ فلاں تقریب میں خلاف شرع کام ہو گئے تو ایسی تقریب میں شرکت کی دعوت کو قبول ہی نہ کیا جائے، اور اگر پہلے سے معلوم نہ ہو، وہاں جا کر پتہ چلے کہ اس میں رقص و غناء اور شراب وغیرہ ہو گئے تو پھر وہاں نہ ٹھہرے بلکہ اس تقریب کا بائیکاٹ کر کے واپس آجائے، کیونکہ اللہ کو ناراض کر کے کسی انسان کو خوش کرنا جائز نہیں ہے۔ (۲)

افسوس کہ آج عالم اسلام کی بہت سی تقریبات اور پروگراموں میں سرعام شراب نوشی ہوتی ہے، بے پردگی اور بے حیائی پر مشتمل خاص قسم کے پروگرام ہوتے ہیں، یہ اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والی بات ہے، نبی کریم ﷺ نے شراب کو تمام برائیوں کی بڑ قرار دیا ہے بس لیبل اسلام کا لگا رکھا ہے اور کام سارے کافروں والے کیے جا رہے ہیں، اللہ ہی حفاظت فرمائے۔

باب مَا جَاءَ أَنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ ضُورَةٌ وَلَا كَلْبٌ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی تصویر اور کتا ہو۔
 عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا طَلْحَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا ضُورَةٌ قَتَمَائِيلَ

(۱) تحفة الاحوذی ۸/۸۸، بذل للجهود ۱۶/۳۳، کتاب الحجام الکوکب الدرۃ ۳/۱۵۷

(۲) فتاویٰ ہندیہ ۵/۳۳۳، الکوکب الدرۃ ۳/۱۴۳

حضرت ابن عباس ابوطحہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (رحمت کے) فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتے اور جاندار کی تصویر ہو۔

عَنْ زَالِعِ بْنِ إِسْحَاقَ أَخْبَرَهُ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ نَعُوذُ فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ أَخْبِرْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ: أَنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ تُمَائِيلُ أَوْ صُورَةٌ. شَكَكَ إِسْحَاقُ لَا يَهْدِي إِلَيْهِمَا قَالَ.

حضرت رافع بن اسحاق فرماتے ہیں کہ میں اور عبد اللہ بن ابوطحہ، ابوسعید خدری کی پیار پر سی کیلئے گئے تو حضرت ابوسعید خدری نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (رحمت کے) فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں مجس یا کوئی جاندار کی تصویر ہو، اسحاق راوی کو شک ہے کہ ان میں سے کونسا لفظ ارشاد فرمایا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَتَانِي جَبْرِئِيلُ فَقَالَ إِنِّي كُنْتُ أَتَيْتُكَ الْبَارِحَةَ فَلَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَكُونَ دَخَلْتُ عَلَيْكَ الْبَيْتَ الَّذِي كُنْتُ فِيهِ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ فِي بَابِ الْبَيْتِ بِمَقَالِ الرِّجَالِ وَكَانَ فِي الْبَيْتِ قِرَامٌ مَسْغَرٌ فِيهِ تُمَائِيلُ وَكَانَ فِي الْبَيْتِ كَلْبٌ لَمْ يَزُ أَسِ التَّمْعَالِ الَّذِي بِالْبَابِ فَلْيَقْطَعْ قَيْصِرَ كَهَيْئَةِ الشَّجَرَةِ وَمُزْ بِالسَّغَرِ فَلْيَقْطَعْ وَيَجْعَلْ مِنْهُ مِثْلَ مِثْلَيْنِ مُتَبَدِّلَيْنِ يُؤْطَانِ وَمُزْ بِالْكَلْبِ فَيُخْرِجْ. فَقَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَكَانَ ذَلِكَ الْكَلْبُ جَزْرًا لِلْحَسَنِ أَوْ الْخُسَيْنِ تَحْتَ نَصْبٍ لَهُ فَأَمَرَهُ فَأُخْرِجَ.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا کہ میں کل گذشتہ رات آپ کے پاس آیا تھا، مجھے آپ کے پاس داخل ہونے سے اور کسی چیز نے نہیں روکا مگر یہ اس کے دروازے (کے پردے) پر مردوں کی تصویریں تھیں، اس گھر (کے دروازے پر) ایک پردہ تھا جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں اور گھر میں ایک کتابھی تھا، لہذا آپ دروازے والی تصویر کے سر کے بارے میں حکم دے دیجئے کہ اسے کاٹ دیا جائے تاکہ وہ درخت کی طرح ہو جائے، اور اس پردے کے بارے میں حکم دے دیں کہ اسے کاٹ دیا جائے اور اس سے ایسے دو ٹکے بنائے جائیں جو بچھے رہیں اور (پاؤں میں) روندے جائیں، اور آپ ﷺ کتے کے بارے میں حکم دے دیجئے کہ اسے نکال دیا جائے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا اور وہ کتابھی کتے کا بچہ تھا جو حسین یا حسن کا تھا، جو آپ ﷺ کی چار پائی یا سامان کے نیچے تھا، پھر آپ ﷺ کے حکم سے اسے نکال دیا گیا۔

مشکل الفاظ کے معنی :-۔ صورۃ: تصویر۔ تمائیل: تمثال کی جمع ہے، مجسمہ، پتھر کا تراشا ہوا یا تانبے، پتیل وغیرہ کا ڈھالا ہوا مجسمہ جو کسی حیوان یا انسان کی عکاسی کرتا ہو، تصویر جو کاغذ وغیرہ پر بنی ہوئی ہو۔ بارحہ: گذشتہ رات۔ قوام: (قاف کے نیچے زیر کے ساتھ) سرخ پردہ، مختلف رنگوں کا موٹا اونٹنی کپڑا جس کا پردہ بنایا جاتا ہے اور قرام ستر کے معنی ہیں پردے کا کپڑا یعنی پردہ۔ متبذلین: وہ دونوں ٹکے پڑے رہیں، بچھے رہیں۔ ئوطان: جنہیں قدموں سے روندنا جائے۔ جوو: (جیم کے نیچے زیر، پیش اور را

کے سکون کے ساتھ) کتے کا پلا، کتے کا بچہ، ہر درندہ کا چھوٹا بچہ۔ نصند: (نون اور ضاد پر زبر کے ساتھ) تہ بہ تہ رکھا ہوا سامان، اور بعض نے کہا کہ اس سے چار پائی مراد ہے کہ اسے بھی سامان کے اوپر رکھا جاتا ہے۔

تصویر والے گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے

لا تدخل الملائكة بیتا فيه کلب ولا صورة تماثيل

کوئے فرشتے داخل نہیں ہوتے، اس بارے میں دو قول ہیں:

- (۱) اکثر علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ ان سے رحمت کے فرشتے مراد ہیں کہ وہ ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے، لہذا موت کے فرشتے اور وہ فرشتے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو انسان کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں، کیونکہ وہ انسان سے کسی بھی وقت جدا نہیں ہوتے۔
- (۲) علامہ قرطبی اور دوسرے بعض علماء فرماتے ہیں کہ لفظ ملائکہ حدیث میں عام ہے، اس میں اس طرح کی کوئی تخصیص نہیں، لہذا اس سے تمام قسم کے فرشتے مراد ہیں، استثناء کوئی نہیں، باقی اعمال کی نگرانی پر مامور فرشتوں کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ بقا ہر تو گھر کے باہر رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ انہیں گھر کے اندر کے افراد کے اعمال معلوم کرنے کی صلاحیت عطا فرمادیتے ہیں۔

”بیت“ سے ہر وہ جگہ مراد ہے جہاں انسان رہتا ہے خواہ وہ گھر کا کمرہ ہو یا کوئی مکان اور خیمہ ہو۔ اور ”کلب“ سے ہر قسم کا کتا مراد ہے خواہ وہ کسی بھی قسم کا ہو البتہ ضرورت کی وجہ سے شکار اور کھیتی وغیرہ کی حفاظت کی خاطر جو کتا رکھا جاتا ہے وہ اس حکم میں داخل نہیں، اور فرشتے کتے کی وجہ سے اس لیے داخل نہیں ہوتے کہ وہ خود بھی نجس ہے اور نجاستیں کھاتا رہتا ہے، اور بعض کتوں کو حدیث میں شیطان کہا گیا ہے اور کتے کے جسم سے بدبو آتی ہے جبکہ فرشتے ان تمام امور سے نفرت کرتے ہیں۔

ولا صورة تماثيل اس سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کے جاندار کی تصویر حرام اور گناہ کبیرہ ہے چاہے وہ سایہ دار مجسم کی شکل میں ہو یا اس کا سایہ نہ ہو، اسی طرح گھر کی دیواروں، کپڑوں، پردوں اور دوسرے اونچے مقامات پر تصویر رکھنا حرام ہے البتہ ایسی جگہ جہاں آدمی بیٹھتا، چلتا یا لیٹتا ہے چونکہ یہ توہین اور حقیر کے مقامات ہیں اس لیے اکثر علماء نے ایسی صورت میں تصویر رکھنے کو حرام نہیں کہا ہے لہذا اچھونے اور نکیہ وغیرہ پر اگر تصویر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس پر اشکال ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے تذکرے میں ہے: یعملون له ایشاء من معاریب و تماثل یہاں ”تماثل“ کی تفسیر تصویروں سے کی گئی ہے، اگر شرعاً تصویر جائز نہیں تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے جنات کیوں تصویر بناتے تھے؟ اس شبہ کے دو جواب دیے گئے ہیں:

- (۱) ان کی شریعت میں اس کی محبت تھی جبکہ اسلام میں یہ جائز نہیں ہے۔

(۲) یہ بھی ممکن ہے کہ تمثال سے جاندار کی تصویر مراد نہ ہو بلکہ غیر جاندار چیزوں کی تصویریں اور نقشے مراد ہوں۔ (۱)

تصویر کا سر مٹا دیا جائے

اس باب کی تیسری حدیث سے درج ذیل احکام ثابت ہوتے ہیں:

- (۱) گھر کے پردے پر اگر جاندار کی تصویر ہو تو رحمت کے فرشتے اس میں داخل نہیں ہوتے۔
- (۲) جاندار کی تصویر کا اگر سر یا اس کے اہم اعضاء مٹا دیئے جائیں تو پھر وہ تصویر کے حکم سے نکل جاتی ہے۔
- (۳) اگر تصویر والے کپڑے کو ایسی جگہ استعمال کر لیا جائے کہ جہاں اسے قدموں سے رونداجاتا ہو، اس پر لیٹا جاتا ہو تو یہ جائز ہے۔
- (۴) گھر میں کتا ہو تو جب تک اسے نکال نہ دیا جائے، رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، نبی کریم ﷺ کو معلوم نہیں تھا کہ کتے کا بچہ سامان میں یا سامان والی چارپائی کے نیچے چھپا ہوا تھا، جس کی وجہ سے جبرئیل امین گھر میں داخل نہ ہو سکے۔
- (۵) کتے کا بچہ گھر میں چھپا ہوا تھا لیکن نبی کریم ﷺ کو معلوم نہیں تھا، اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ غیب کا علم نہیں رکھتے تھے، اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو ضرور آپ ﷺ کو اس بچہ کا علم ہوتا، اس سے ثابت ہوا کہ علم غیب صرف اللہ جل جلالہ کی صفت ہے، کسی بھی رسول کیلئے یہ صفت ثابت کرنا، یہ اس نبی کی تعظیم نہیں، حقیقت میں اس کی توہین ہے کہ اسے اللہ کے برابر درجہ دیا جا رہا ہے۔

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ لُبْسِ الْمُعْضَفِرِ لِلرَّجُلِ وَالْقَسِيِّ

یہ باب مردوں کیلئے کسم سے رنگے ہوئے کپڑے پہننے کی کراہت کے بیان میں ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: مَرَّرَ رَجُلٌ، وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَحْمَرَانِ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَلَمْ يَرُدِّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْهِ السَّلَامَ.

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَمَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُمْ كَرِهُوا لُبْسَ الْمُعْضَفِرِ، وَرَأَوْا: أَنَّ مَا ضَبَغَ بِالْحَمْزَةِ بِالْمَدِّ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ فَلَا بُاسَ بِهِ إِذَا لَمْ يَكُنْ مُعْضَفَرًا.

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ ایک شخص گدرا اور اس کے جسم پر دوسرا رنگ کے کپڑے تھے، اس نے نبی کریم ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے اسے سلام کا جواب نہیں دیا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اہل علم کے ہاں اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے مردوں کیلئے کسم کا رنگا ہوا کپڑا

(۱) فتح الباری ۲/۱۰۶۲ کتاب اللباس، باب التصاویر، تحفة الاحوذی ۶/۸۷ شرح مسلم للنووی ۲/۲۰۰ کتاب اللباس، باب

تحريم صورة اللباس، نكلمة فتح اللهم ۱۵۲/۴

پہننا مکروہ قرار دیا ہے، اور علماء نے اس کپڑے کے پہننے کو جائز قرار دیا ہے جو گیر و غیرہ سے رنگا گیا ہو اور کسم کا رنگا ہوا نہ ہو۔

قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ وَعَنِ الْقَيْسِي وَعَنِ الْمَيْقِرَةِ وَعَنِ الْجَعَةِ. قَالَ أَبُو الْأَخْوَصِ: وَهُوَ شَرَابٌ يَتَّخِذُ بِمَضْرُوءٍ مِنَ الشَّعِيرِ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہننے، ریشمی کپڑا پہننے، ریشمی زین پوش اور جعہ سے منع فرمایا ہے، ابوالاحوص راوی کہتے ہیں کہ ”جعہ“ مصر کی ایک شراب ہے جو، جو سے بنائی جاتی ہے۔

عَنِ الثَّوْرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ: أَمَرَنَا بِاتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ وَعِيَاذَةِ الْمَرِيضِ وَتَشْمِيتِ الْغَاطِسِ وَاجَابَةِ الدَّاعِي وَنَصْرِ الْمَظْلُومِ وَإِزَارِ الْمُقْسِمِ وَرَدِّ السَّلَامِ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ: عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ أَوْ خَلْقَةِ الذَّهَبِ وَآثَةِ الْفِضَّةِ وَثَنَيسِ الْحَرِيرِ وَالذِّبَاجِ وَالْإِسْتَنْزِقِ وَالْقَيْسِي.

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا اور سات ہی چیزوں سے منع فرمایا، آپ نے ہمیں حکم دیا: (۱) جنازوں کے ساتھ چلنے کا (۲) بیمار کی عیادت کا (۳) چھینکنے والے کو جواب دینے کا (۴) دعوت قبول کرنے کا (۵) مظلوم کی مدد کرنے کا (۶) قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنے کا (۷) اور سلام کا جواب دینے کا اور آپ نے ہمیں سات چیزوں سے منع کیا: (۱) (مردوں کیلئے ممنوع ہے) سونے کی انگوٹھی یا سونے کا چھلہ پہننا (۲) چاندی کے برتن استعمال کرنا (۳) ریشم کے کپڑے پہننا (۴) باریک ریشم سے (۵) موٹے ریشم سے (۶) قسی کا کپڑے پہننے سے (منع فرمایا ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ معصفر: وہ کپڑا جسے کسم سے رنگا گیا ہو، اور ”کسم“ زرد رنگ کا ایک پودا ہے جسے پانی میں ڈال کر کپڑے رنگے جاتے ہیں اس کپڑے کا رنگ عموماً سرخ ہو جاتا ہے (۱) عربوں میں اس کا خاصہ رواج تھا۔ قسی: (قاف پر زبر اور سین کے نیچے زیر اور سین اور یاء کی تشدید کے ساتھ) مصر کا ایک کپڑا جو ریشم اور کتان سے بنایا جاتا تھا، اور ”قس“ کی طرف منسوب تھا جو ساحل بحر کا ایک گاؤں تھا جہاں یہ کپڑا تیار ہوتا تھا، چونکہ اس میں ریشم بھی ملایا جاتا تھا اس لیے اس کا ترجمہ ”ریشمی کپڑے“ سے کر دیا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ قس اصل میں قزی ہے جو ”قز“ کی طرف منسوب ہے جو ایک قسم کا ریشم ہے پھر اس زاء کو سین سے بدل دیا تو قسی ہو گیا۔ میشرة: زین پوش یعنی وہ کپڑا جس میں روئی بھری جاتی ہے اور اسے گھوڑے وغیرہ کی زین پر ڈال کر بیٹھا جاتا ہے، اسے ”نمد زین“ بھی کہتے ہیں، عموماً یہ کپڑا ریشم کا ہوتا تھا، عیش و عشرت میں مبتلی دنیا دار اسے فخر و غرور کے طور پر استعمال کیا کرتے ہیں۔ جعہ: (جیم کے نیچے زیر اور سین پر زبر کے ساتھ) وہ شراب جسے جو سے تیار کیا جاتا ہے۔ ابوار المقسم: قسم

(۱) فتح الباری ۳/۶۱۰ کتاب اللباس، باب الثوب الاحمر، تحفة الاحوذی ۳۲۲/۵ ابواب اللباس، باب ما جاء فی کراہیة المعصفر للرجال۔

کھانے والے کی قسم کو پورا کرنا۔ حریو: ریشم خواہ وہ باریک ہو یا موٹا۔ دیباچ: باریک ریشم۔ استبرق: (ہمزہ کے نیچے زیر کے ساتھ) موٹا ریشم۔ معدو: (میم اور دال پر زبر کے ساتھ) گیرو، ایک قسم کی لال مٹی۔

کسم سے رنگے ہوئے کپڑے کا حکم

اس باب کی احادیث سے استدلال کر کے حنفیہ فرماتے ہیں کہ مردوں کیلئے کسم سے رنگے ہوئے کپڑے کا استعمال ناجائز اور حرام ہے، اگرچہ امام نووی رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ سے جواز کا قول نقل کیا ہے لیکن حنفیہ کا مسلک مٹا کر مردہ تحریمی کا ہی ہے، ابن قدامہ نے متابہ کے ہاں بھی کراہت کا قول نقل کیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور قول اباحت کا ہے، لیکن امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ امام شافعی تک ممانعت کی روایت نہیں پہنچی ورنہ وہ بھی منع فرمادیتے، بیہقی نے شوافع کے ہاں کراہت کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ سے اس بارے میں مختلف روایات منقول ہیں، ایک روایت اباحت کی ہے، اور ایک دوسری روایت ہے کہ اس طرح کے کپڑے کا استعمال گھر میں کیا جاسکتا ہے لیکن گھر سے باہر بازار اور تقریبات میں یہ کپڑا پہن کر جانا درست نہیں ہے۔ (۱)

کسم سے جو کپڑا رنگا جاتا ہے وہ نہایت گہرے سرخ رنگ کا ہوتا ہے اس لیے نبی کریم ﷺ نے مردوں کیلئے حرام قرار دیا ہے، لہذا اہلکے سرخ رنگ کا کپڑا، یا ایسا کپڑا جس میں سرخ دھاریاں ہوں، بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔ (۲)

اس باب کے تحت جو پہلی روایت میں ”ثوبان احمران“ کے الفاظ ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اہل علم کے ہاں ان ”دو سرخ کپڑوں“ سے وہ سرخ کپڑے مراد ہیں جنہیں عصفر یعنی کسم سے رنگا گیا ہو، ایسے کپڑوں کا استعمال مردوں کیلئے ممنوع ہے، لیکن اگر کپڑے کو کسم کے علاوہ کسی اور چیز سے سرخ رنگا گیا ہو مثلاً گیرو وغیرہ سے تو اس کپڑے کو استعمال کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ تیز سرخ نہ ہو۔ (۳)

باب کی دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے چار چیزوں سے منع فرمایا ہے:

(۱) مردوں کیلئے سونے کی انگوٹھی پہنانا ناجائز ہے، خواتین کیلئے جائز ہے، خواہ وہ انگوٹھی سونے کی ہو یا چاندی کی البتہ مردوں کیلئے چاندی کی ایسی انگوٹھی پہنانا جائز ہے جو ساڑھے چار ماشے تک ہو اور لوہے کی انگوٹھی مرد و عورت دونوں کیلئے ناجائز اور حرام ہے۔

(۲) قسی کا کپڑا جو ریشم اور کتان سے تیار ہوتا تھا، اس کا استعمال مردوں کیلئے حرام ہے۔

(۳) زین پوش اگر ریشم کا ہو تو اس کا استعمال مردوں کیلئے جائز نہیں، خواہ وہ کسی بھی رنگ کا ہو، اور اگر ریشم کا تو نہ ہو لیکن سرخ

(۱) تکملة فتح للمہم ۱۳/۴ کتاب اللباس، باب النہی عن لبس الرجل، کشف الباری (ص: ۶۰۷) کتاب اللباس، باب الثوب للزعر

(۲) فتح الباری ۳/۱۰، تحفة الاحوذی ۳۲۲/۵

(۳) تحفة الاحوذی ۴۵/۸، الکوکب الدرر ۳/۱۶۶

رنگ کا ہو تو اس کا استعمال مکروہ ہے، اور اگر ریشم بھی نہ ہو اور نہ ہی سرخ کلر کا ہو تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

(۴) اس شراب کو حرام قرار دیا ہے جو جو سے تیار کی جاتی ہے۔

اس دوسری روایت میں ثوب معصفر کا ذکر نہیں، یوں اسے باب سے مناسبت نہیں ہے لیکن اس حدیث کے دوسرے طریق میں الفاظ اس طرح ہیں: بھی رسول اللہ ﷺ عن لبس القسی و المعصفر کہ نبی کریم ﷺ نے قسی کے کپڑے اور کسم کے رنگے ہوئے کپڑے کے پہننے سے منع فرمایا ہے، اس طریق کے اعتبار سے اس روایت کو باب سے مناسبت ہو جاتی ہے اور اگر حدیث میں موجود لفظ ”میشرة“ کی یہ تشریح کی جائے کہ وہ سرخ زین پوش جسے کسم سے رنگا گیا ہو، اس کا استعمال ممنوع ہے، تو پھر اس حدیث کو باب سے مناسبت ہو جائے گی ایسے میں پھر دوسرے طریق کو مطابقت پیدا کرنے کیلئے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

باب کی تیسری روایت میں سات چیزوں کا حکم اور سات ہی چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔

ابرار المقسم قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کے بارے میں قسم کھائے اور تم اس کی قسم پوری کرنے پر قادر ہو، اور شرعاً اس میں کوئی گناہ بھی نہ ہو تو تمہیں اس کی قسم کو پورا کرنا چاہئے، مثلاً ایک شخص آپ کو مخاطب کرتے ہوئے قسم کھائے کہ میں تم سے جدا نہیں ہوں گا جب تک کہ تم فلاں کام نہ کرو، اب اگر تم اس کام کے کرنے پر قادر ہو تو کرو تا کہ اس کی قسم نہ ٹوٹے اور وہ حادث نہ ہو۔

اور اس حدیث میں وغمان عن سبع فرمایا لیکن اس کی تفصیل میں صرف چھ چیزیں درج ہیں، اس طریق میں ساتویں چیز کا ذکر نہیں، البتہ اس حدیث کے دوسرے طریق میں جسے امام بخاری نے ذکر کیا ہے، ان الفاظ کا اضافہ ہے: النہی عن المیاثر المحرکہ آپ ﷺ نے سرخ زین پوش کے استعمال سے منع فرمایا جسے کسم سے رنگا گیا ہو، اس طریق کو سامنے رکھا جائے تو پھر سات کا عدد پورا ہو جاتا ہے اور ساتویں چیز کے اعتبار سے اس حدیث کو باب کے ساتھ بھی مطابقت اور مناسبت ہو جائے گی۔

یہ ذہن میں رہے کہ اس حدیث میں جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے اس کا تعلق مردوں سے ہے، خواتین کیلئے مذکورہ چیزوں کا استعمال جائز ہے، البتہ سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال مرد و عورت دونوں کیلئے ممنوع ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الْبَيَاضِ

یہ باب سفید کپڑے پہنے (کی فضیلت) کے بارے میں ہے۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْبَيْضُ الْبَيَاضُ فَإِنَّهَا أَطْهَرُ وَأَطْيَبُ وَكَفَنُوا فِيهَا مَوْتَانَا كُمْ۔ حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ یہ زیادہ پاکیزہ

(۱) تکملة فتح للمهم ۹۲/۴ کتاب اللباس، باب تحريم استعمال اناء الذهب، مرقاة المفاتيح ۶/۴ کتاب الجنائز باب حياة للريض، تحفة الاحوذی ۷۵/۸

اور (طبعاً و شرعاً) زیادہ اچھا ہوتا ہے اور سفید کپڑوں میں ہی اپنے مردوں کو کفن دیا کرو۔
 مشکل الفاظ کے معنی :- البسوا: تم پہنا کرو، اطہرو: زیادہ پاکیزہ۔ اطیب: طبعاً اور شرعاً ہر لحاظ سے اچھا اور خوشنما ہوتا ہے۔ کفنوا: تم کفن دیا کرو۔ موتی: میت کی جمع ہے: مردہ، مرحوم۔

سفید کپڑے پہننے کی فضیلت

سفید کپڑا پہننا افضل ہے کیونکہ اس میں گندگی جلد نظر آ جاتی ہے یوں اسے بار بار دھویا جاتا ہے، اس کے مقابلے میں رنگین کپڑا میل کچیل کو جذب کر لیتا ہے وہ جلد میلا نظر نہیں آتا، تاہم مردوں کیلئے سفید کے علاوہ دوسرے رنگین کپڑوں کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ وہ کلر شوخ نہ ہو کہ جس سے عورتوں کے لباس کے ساتھ مشابہت ہو جائے۔
 بہتر یہ ہے کہ مردوں کو سفید کپڑے میں کفنا یا جائے، کیونکہ اب اس کی ملاقات فرشتوں سے ہوگی، جیسا کہ اس بندے کیلئے سفید لباس پہننا افضل ہوتا ہے جو جمعہ، عیدین اور دیگر تقریبات میں شریک ہوتا ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي التَّخْصُّصِ فِي لُبْسِ الْحُمْرَةِ لِلرَّجَالِ

یہ باب مردوں کیلئے سرخ کپڑا پہننے کی اجازت کے بارے میں ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِي لَيْلَةِ إِضْحِيَّانٍ فَجَعَلْتُ أَنْظُرَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَإِلَى الْقَمَرِ وَعَلَيْهِ خَلَّةٌ حُمْرَاءُ فَإِذَا هُوَ عِنْدِي أَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ.

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو چاندنی رات میں دیکھا تو میں ایک نظر سے رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا اور دوسری نظر سے چاند کو (کہ ان میں زیادہ حسین کون ہیں) آپ ﷺ کے جسم مبارک پر سرخ جوڑا تھا، تو میرے نزدیک نبی کریم ﷺ چاند سے (کہیں) زیادہ حسین تھے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: رَأَيْتُ عَلِيَّ بْنَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ خَلَّةً حُمْرَاءَ.

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سرخ جوڑے میں دیکھا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- اضحیٰ: (ہمزے اور حاء کے نیچے زیر کے ساتھ) چاندنی رات۔ خلۃ: جوڑا، پوشاک، لباس۔ احسن: زیادہ حسین اور خوبصورت۔

مردوں کیلئے سرخ رنگ کے کپڑے پہننے کا حکم

مردوں کیلئے سرخ رنگ کا کپڑا پہننا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں، بعض روایات سے جواز اور بعض سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے، روایات کے اس تعارض کی وجہ سے فقہاء کے اقوال بھی اس بارے میں مختلف ہیں، ائمہ اربعہ کے نزدیک مردوں کیلئے اس کا استعمال درست ہے، جبکہ حضرات احناف کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، راجح قول یہ ہے کہ مردوں کیلئے سرخ رنگ کا کپڑا پہننا مکروہ تنزیہی ہے، لیکن اگر وہ کپڑا شدید قسم کا سرخ ہو کہ جس سے عورتوں کے لباس کے ساتھ اس کی مشابہت ہو جائے تو پھر مردوں کے لئے اس کا استعمال درست نہیں۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي الثَّوْبِ الْأَخْضَرِ

یہ باب سبز کپڑے پہننے کے حکم کے بارے میں ہے۔
عَنْ أَبِي دَاوُدَ قَالَ زَأَيْتَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَغَلِيْبُهُ زَانِ الْأَخْضَرَ ان.
حضرت ابو داؤد فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دو سبز چادروں میں دیکھا ہے۔

سبز کپڑے پہننے کا حکم

اس حدیث سے مردوں کیلئے سبز لباس کا جواز معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو سبز چادریں زیب تن فرمائی ہیں۔

باب مَا جَاءَ فِي الثَّوْبِ الْأَسْوَدِ

یہ باب سیاہ کپڑے پہننے کے حکم کے بارے میں ہے۔
عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ غَدَاةٍ وَعَلَيْهِ مِزْ طَمْنٍ شَعْرٍ أَسْوَدَ.
حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک صبح تشریف لائے جبکہ آپ ﷺ کے جسم مبارک پر سیاہ بالوں والی ایک چادر تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی:- ہر دان: برد کا شنیہ ہے: دو چادریں۔ موط: (میم کے نیچے زیر) چادر، خواہ وہ اون، کتان، ریشم کی ہو یا بالوں سے بنی ہوئی ہو۔

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۱۹/۵ ابواب اللباس، باب ماجاء فی الثوب الاحمر للرجال، امداد الفتاویٰ ۱۲۵/۴، کفایت المفتی ۱۵۷/۹،

سیاہ لباس کا حکم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردوں کیلئے سیاہ لباس کا استعمال جائز ہے۔

باب مَا جَاءَ فِي الْقُزْبِ الْأَصْفَرِ

یہ باب زرد رنگ کے کپڑے پہننے سے متعلق ہے۔

عَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ، وَكَانَتْ رَبِيعِيَّةً، وَقِيلَتْ: جَدَّةُ أَبِيهَا أُمُّ أُوَيْدٍ، أَنَّهَا قَالَتْ: قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَذَكَرَتِ الْحَدِيثَ بِطَوِيلِهِ حَتَّى جَاءَ زَجَلٌ وَقَدْ انْقَضَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ. وَعَلَيْهِ نَعْنَى النَّبِيِّ ﷺ - أَسْمَالُ مَلَيْتَيْنِ كَانَتَا بِزَعْفَرَانٍ وَقَدْ لَفَضَتَا وَمَعَهُ عَسِيبٌ نَخْلَةٌ.

حضرت قیلہ بنت مخرمہ سے روایت ہے۔ اور صفیہ ودھیہ بنت علیہ یہ دونوں حضرت قیلہ کی پرورش میں تھیں اور حضرت قیلہ ان دونوں کے باپ کی ثانی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، پھر انہوں نے طویل حدیث ذکر کی، (وہ فرماتی ہیں کہ) یہاں تک کہ ایک شخص آیا جبکہ سورج بلند ہو چکا تھا اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ، رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا: وعلیک السلام ورحمۃ اللہ، اور آپ پر۔ حضرت قیلہ کی مراد یہ ہے کہ علیہ میں ”و“ ضمیر حضور ﷺ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ دو پرانی چادریں تھیں جو زعفران سے رنگی ہوئی تھیں اور ان کا رنگ اڑ چکا تھا، اور نبی کریم ﷺ کے پاس کھجور کی ایک چھوٹی سی شاخ بھی تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی:- أَسْمَالُ: سہل (سین اور میم پر زبر کے ساتھ) کی جمع ہے، یہاں اس سے شنیہ مراد ہے: دو پرانے کپڑے۔ مَلِیْتَيْنِ: ملیہ، ملاء کاثنیہ ہے، اور ملیہ ”ملاء“ (میم پر پیش کے ساتھ) کی تصغیر ہے تہ بند، وہ چادر جو ایک ہی طرز پر بنی گئی ہو اور اس میں کوئی جوڑ نہ ہو، بڑی چادر، یہ دونوں کپڑے چونکہ ان سلسلے تھے، اس لیے بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ: بغیر سلی ہوئی چادروں کے کیا ہے۔ لَفَضَتَا: ان دونوں کپڑوں سے زرد رنگ اڑ چکا تھا۔ وَمَعَهُ: اور حضور ﷺ کے پاس۔ عَسِيبٌ: (عین پر پیش اور سین پر زبر کے ساتھ) عَسِيب کی تصغیر ہے: کھجور کی چھوٹی سی شاخ

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّرَّغُفْرِ وَالْخُلُوقِ لِلزَّجَالِ

یہ باب مردوں کیلئے زعفران اور خلوق خوشبو استعمال کرنے کی کراہت کے بارے میں ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ التَّرَّغُفْرِ لِلزَّجَالِ.

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مردوں کیلئے زعفران کو (جسم اور کپڑوں پر) بطور خوشبو کے استعمال کرنے سے منع فرمایا۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ التَّزَعُّفِ. قَالَ شُعْبَةُ: وَمَعْنَى كَرَاهِيَةِ التَّزَعُّفِ لِلزَّجَالِ: أَنْ يَنْزِعَ غُفْرَ الزَّجَلِ
يَعْنِي أَنْ يَنْتَقِلَبَ بِهِ

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زعفران کے استعمال سے (مردوں کو) منع فرمایا ہے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ کراہیۃ التزعفر للزجال کے معنی یہ ہیں کہ مرد کا زعفران کو خوشبو کے طور پر استعمال کرنا مکروہ ہے۔

عَنْ يَعْلَى بْنِ مَرْثُةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَبْصَرَ زَجَلًا مَتَّعًا خَلْقًا قَالَ: اذْهَبْ فَأَغْسِلْهُ ثُمَّ اغْسِلْهُ ثُمَّ لَا تَعُدْ.

حضرت یعلیٰ بن مرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو خلوٰق خوشبو لگائے ہوئے دیکھا تو فرمایا: جاؤ، اسے دھو دو اور دوبارہ دھو نہ لو (یعنی آئندہ ایسا نہ کرنا)۔

مشکل الفاظ کے معنی: تزعفر: اس نے زعفران کو خوشبو کے طور پر استعمال کیا، زعفران سے کپڑوں کو رنگ لگایا۔ خلوٰق: ایک خوشبو ہے جو زعفران اور دوسری چیزوں سے بنائی جاتی ہے، لیکن اس کا اکثر حصہ زعفران ہوتا ہے، عموماً اس کا رنگ سرخ اور زرد ہوتا ہے، خواتین اس خوشبو کو استعمال کرتی ہیں۔ أبصر: آپ ﷺ نے دیکھا۔ متعلقاً: خلوٰق خوشبو لگائے ہوئے۔ ثم لا تعد: پھر تو نہ لو (یعنی آئندہ ایسا نہ کرنا)۔

خلوٰق اور زعفران کو استعمال کرنے کا حکم

مذکورہ دو بابوں کی احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) مردوں کیلئے خلوٰق خوشبو کا استعمال جائز نہیں ہے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے اس صحابی کو کہ جس نے یہ خوشبو لگائی ہوئی تھی، فرمایا کہ تم جاؤ اور اس کو اچھی طرح دھو، چنانچہ تین بار اس نے دھویا تا کہ خوب اچھی طرح اس کا اثر ختم ہو جائے اور اسے فرمایا کہ آئندہ یہ خوشبو استعمال نہ کرنا البتہ خواتین کیلئے اس خوشبو کا استعمال جائز ہے۔

(۲) حضرت انس بن مالک کی اس حدیث سے استدلال کر کے حضرات حنفیہ اور شافعیہ مرد کیلئے زعفران کے استعمال کو مطلقاً ممنوع قرار دیتے ہیں کہ اس کا استعمال نہ جسم میں جائز ہے اور نہ ہی کپڑوں اور بالوں میں، لہذا خوشبو کے طور پر بھی زعفران کا استعمال جائز نہیں، اور امام مالک کے نزدیک بدن میں اس کا استعمال ممنوع ہے لیکن کپڑوں میں اس کے استعمال کی مجالش ہے، امام مالک کا استدلال سنن ابی داؤد کی حدیث سے ہے جسے حضرت ابوسعید خدری نے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس آدمی کی نماز کو قبول نہیں فرماتے جس کے جسم پر خلوٰق خوشبو ہو، اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ خوشبو جسم پر نہ ہو بلکہ کپڑوں پر ہو تو یہ جائز ہے، لیکن جمہور اہل سنت فرماتے ہیں کہ ممانعت پر مشتمل روایات زیادہ صحیح ہیں لہذا انہی کا اعتبار ہوگا جبکہ ابوداؤد کی اس حدیث کا

ایک راوی ”ابوجعفر رازی“ ہے جس کے بارے میں کلام ہے، اس وجہ سے اس حدیث کا اعتبار نہیں ہوگا۔

حنفیہ اور شافعیہ کے مسلک کی روشنی میں یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ صحیحین میں حضرت انس کی روایت ہے کہ جس میں حضرت عبدالرحمن بن عوف کے متعلق ذکر ہے کہ وہ شادی کے بعد نبی کریم ﷺ کی مجلس میں آئے تو ان پر زردی کا اثر تھا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ان پر زعفران تھا، آپ ﷺ نے ان پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، بظاہر اس واقعہ سے مردوں کیلئے زعفران کا استعمال جائز معلوم ہو رہا ہے، لہذا اس حدیث اور حدیث باب کے درمیان تعارض پیدا ہو گیا؟

شارحین حدیث نے اس کے بارے میں مختلف جوابات دیئے ہیں جنہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے:

(۱) حضرت عبدالرحمن کا واقعہ حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے، لیکن اس جواب کے درست ہونے کیلئے تاریخی اعتبار سے دلیل کی ضرورت ہے۔

(۲) حضرت عبدالرحمن نے خلوق خوشبو استعمال نہیں کی تھی، ان کی بیوی نے استعمال کی تھی، اس سے ان کے کپڑوں پر بغیر کسی قصد و ارادے کے لگ گئی، امام نووی نے اس جواب کو راجح قرار دیا ہے۔

(۳) اس وقت حضرت عبدالرحمن کے پاس چونکہ اور کوئی خوشبو نہیں تھی، اس لیے انہوں نے ضرورت کے وقت اس خوشبو کو مباح سمجھ لیا۔

(۴) یہ بہت معمولی مقدار میں تھی جو قابل غصہ ہے۔

(۵) بعض حضرات کے نزدیک خلوق کا استعمال عام لوگوں کیلئے تو ممنوع ہے، لیکن دولہا اس سے مستثنیٰ ہے، بالخصوص جب وہ جوان

بھی ہو، لہذا شادی کے موقع پر اس کے استعمال کی اجازت ہے، ابھید نے یہی جواب دیا ہے، امام بخاری کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ (۱)
یہاں ایک اور اشکال ہوتا ہے کہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا: حالت احرام میں آدی کونسے کپڑے پہن سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: احرام میں مرد قمیص، شلوار، پگڑی، ٹوپی اور موزے نہیں استعمال کر سکتا الا یہ کہ اگر اس کے پاس جوتے نہ ہوں تو موزوں کو کاٹ کر استعمال کر سکتا ہے، اور آخر میں فرمایا: ولا تلبسوا من الثیاب شیئا مسہ الزعفران او درس“ کہ تم ایسا کپڑا بھی احرام میں نہیں پہن سکتے جس پر زعفران لگا ہو لہذا اس سے معلوم ہوا کہ اگر انسان احرام میں نہ ہو تو پھر زعفران سے رنگا ہوا کپڑا پہنا جاسکتا ہے کیونکہ آپ سے احرام کی حالت میں کپڑے پہننے سے متعلق سوال تھا تو اس کے جواب میں آپ ﷺ نے یہ امور ارشاد فرمائے ہیں۔

اس اشکال کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) عراقی نے دونوں حدیثوں کو یوں جمع کیا کہ احرام سے متعلق جو آپ ﷺ سے سوال کیا گیا، اس کا جواب ولا تلبسوا من الثیاب سے پہلے تک ہے، اور آگے آپ ﷺ نے ”ولا تلبسوا“ سے ایک نیا حکم بیان فرمایا ہے، اس لحاظ سے کوئی تعارض

نہیں ہوگا، مطلب یہ ہوگا کہ کسی بھی وقت زعفران یا اس سے بنی ہوئی خوشبو کا استعمال مرد کیلئے حلال نہیں۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر کی اس حدیث سے اس آدمی کیلئے جو احرام میں نہ ہو، زعفران کے استعمال کا جواز سمنا معلوم ہوتا ہے جبکہ حدیث باب میں حضرت انس کی حدیث میں صراحت زعفران کے استعمال کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے، اور یہ طے شدہ اصول ہے کہ جو حکم کلام سے صراحہ کے ساتھ ثابت ہو وہ اس حکم سے مقدم ہوتا ہے جو کلام سے سمنا ثابت ہو، لہذا ابن عمر کی حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ غیر احرام میں زعفران کا استعمال جائز ہے، کسی بھی لحاظ سے درست نہیں۔

پچھلے باب یعنی باب ماجاء فی الثوب الاصفر میں جو حدیث منقول ہے اس سے بھی زعفران کے استعمال کے جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ آپ ﷺ نے جو دو پرانی چادریں پہن رکھی تھیں ان پر سے زعفران کا رنگ اڑ گیا تھا، جب آپ ﷺ نے انہیں استعمال فرمایا، اس لیے وہ حدیث حضرت انس کی اس حدیث کے معارض نہیں کہ جس میں صراحت کے ساتھ زعفران کے استعمال کو مردوں کیلئے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

(۱) سنن نسائی اور مؤطا امام مالک میں روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر زعفران سے رنگا ہوا کپڑا استعمال کیا کرتے تھے ان سے سوال ہوا تو ابن عمر نے جواب دیا کہ نبی کریم ﷺ بھی زعفران سے رنگا ہوا کپڑا استعمال کیا کرتے تھے، اس روایت سے علی الاطلاق زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے کا استعمال جائز معلوم ہو رہا ہے؟ (۱)

شارح ہدایہ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس بارے میں اباحت اور جواز کی روایات ہیں لیکن جمہور علماء نے ان روایات کو ترجیح دی جن میں زعفران کے استعمال کو مردوں کیلئے ممنوع قرار دیا گیا ہے، دو وجہ سے:

(۱) محرم کو مسج پر ترجیح ہوتی ہے۔ (۲)

(۲) نسائی کی روایت میں عبداللہ بن زید ایک راوی ہیں جن کے بارے میں کلام ہے، نیز اس روایت کی اصل صحیح بخاری میں ہے، اس میں زرد رنگ کا ذکر نہیں ہے، اس لیے اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ (۳)

باب ماجاء فی کز اھیة الحریر والدیناج

یہ باب ریشم اور باریک ریشم کے استعمال کی کراہت کے بارے میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْكَوْزِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ لَبَسَ الْحَرِيرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ.

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو یہ ذکر کرتے ہوئے سنا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس

(۱) تحفة الاحوذی ۸/۸۰، ۸۱

(۲) أوجز للمسالک ۱۲/۱۷ کتاب اللباس، باب ماجاء فی لبس الثیاب المصبغة، كشف الباری، اللباس (ص: ۲۰۶)

(۳) تحفة الاحوذی ۸/۸۲

(مرد) نے دنیا میں ریشمی کپڑا پہنا تو وہ آخرت میں اسے نہیں پہن سکے گا۔

ریشمی لباس کے استعمال کا مسئلہ

مردوں کیلئے ریشم کا استعمال عام حالات میں تمام فقہاء امت کے نزدیک بالاتفاق ناجائز اور حرام ہے، اور اضطراری حالت میں بالاتفاق جائز ہے۔

البتہ بیماری اور جنگ و سفر وغیرہ میں خالص ریشم کا لباس مردوں کیلئے اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے:

(۱) امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک اس صورت میں خالص ریشم کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

ان حضرات کا استدلال ان تمام روایات سے ہے جن میں ریشمی لباس کے استعمال کی ممانعت منقول ہے، ترمذی ہی کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے میری امت کے مردوں پر سونے اور ریشم کا لباس حرام قرار دیا ہے اور خواتین کیلئے اسے حلال کیا ہے۔

(۲) امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور احتاف میں سے صاحبین کے نزدیک اس صورت میں خالص ریشمی لباس کا استعمال مردوں کیلئے جائز ہے۔

یہ حضرات عبدالرحمن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں صحابہ کو سفر میں خارش یا کسی دوسرے مرض کی وجہ سے ریشمی قمیص استعمال کرنے کی اجازت دی تھی۔

امام ابوحنیفہ اور امام مالک ان روایات کو حالت اضطراری یا ان دونوں صحابہ کی خصوصیت پر محمول کرتے ہیں۔ (۱)

مردوں کیلئے ریشمی لباس کی جائز مقدار

مردوں کیلئے چار انگلیوں کے بقدر یا اس سے کم، لباس میں ریشم کا استعمال جائز ہے، چار انگلیوں کی رخصت خود حدیث میں منقول ہے، یہ تو خالص ریشم کا حکم ہے، البتہ اگر کوئی کپڑا ریشم اور اون وغیرہ سے کس بنا ہو تو جمہور کے نزدیک ایسی صورت میں غالب کا اعتبار ہوگا، ریشم غالب ہے تو ناجائز اور مغلوب ہے تو جائز ہے۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ ایسا کپڑا جس کا تانا ریشم کا ہو اور بانا ریشم کا نہ ہو تو اس کا استعمال مردوں کیلئے جائز ہے، کیونکہ کپڑا بننے میں اصل بانا ہوتا ہے، تانا نہیں (لبائی میں جو دھاگہ ہوتا ہے اسے تانا اور چوڑائی میں جو ہوتا ہے اسے بانا کہتے ہیں) (۲)

(۱) فتح الباری ۳۵۱/۱۰، کشف الباری کتاب اللباس (ص: ۱۹۲)

(۲) فتح القدیر مع الہدایۃ ۲۵۴/۸ کتاب الذبائح، فصل فی اللبس

دنیا میں ریشمی لباس استعمال کرنے والے مردوں کا حکم

من لبس الحریر فی الدنیا لم یلبسہ فی الآخرة جس مرد نے دنیا میں ریشم کا لباس استعمال کیا تو وہ اسے آخرت میں نہیں پہن سکے گا، اس جملے کے کیا معنی ہیں؟ اس بارے میں تین قول ہیں:

(۱) دنیا میں ریشمی لباس پہننے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ اہل جنت کا لباس ریشمی ہوگا، قرآن میں ہے ولباسم فیہا حریر، لہذا جو شخص دنیا میں ریشم کا لباس پہنے گا تو وہ قیامت کے دن جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(۲) ایسا شخص اگر اپنی دوسری نیکیوں کی بدولت جنت میں داخل ہو بھی گیا تو بھی جنت کا ریشمی لباس اسے نہیں ملے گا اور نہ ہی اس کی اسے خواہش ہوگی۔

(۳) امام سیوطی فرماتے ہیں کہ اکثر حضرات کے نزدیک اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ ایسا شخص ابتداء جنت میں نہیں جائے گا، البتہ اپنے گناہوں کی سزا پانے کی بعد پھر جنت میں داخل ہو سکے گا۔ (۱) اس کے بارے میں مزید تفصیل معارف ترمذی جلد اول ابواب الاثریۃ کے پہلے باب میں گزر چکی ہے۔

باب

عَنِ الْجَمُورِ بْنِ مَخْرَمَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَسَمَ الْقَبِيئَةَ وَلَمْ يَعْطِ مَخْرَمَةَ شَيْئًا، فَقَالَ مَخْرَمَةُ: يَا بَنِيَّ، انْطَلِقْ بِنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، لَأَنْطَلِقَ مَعَهُ قَالَ: ادْخُلْ لَا دَخْلَ لِي، لَدَعَوْتُهُ لَمْ يَخْرُجِ النَّبِيُّ ﷺ، وَعَلَيْهِ قَبَاءٌ مِنْهَا فَقَالَ: خَبَأْتُ لَكَ هَذَا، قَالَ: فَتَطْرُقُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: رَضِيَ مَخْرَمَةُ.

حضرت مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ چوغے تقسیم فرمائے اور مخرمہ کو آپ ﷺ نے کچھ نہیں دیا تو مخرمہ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! ہمیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلو، چنانچہ میں ان کے ساتھ گیا (وہاں پہنچے تو مجھ سے) فرمایا: اندر جاؤ اور نبی کریم ﷺ کو بلاؤ، میں نے آپ ﷺ کو بلایا، آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ کے جسم پر ان میں سے ایک چوغہ تھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ چوغہ میں نے تمہارے لیے بچا کر رکھا ہوا تھا، چنانچہ مخرمہ نے اس چوغہ کی طرف دیکھ کر کہا کہ مخرمہ (اس پر) راضی اور خوش ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:- القبیۃ: قباء کی جمع ہے: چوغہ، جبہ، ایک ڈھیلا لباس جو کپڑوں کے اوپر پہنا جاتا ہے۔ انطلق بنا: ہمیں لے چلو۔ خبأت لک: میں نے تمہارے لیے محفوظ رکھا ہے، بچا کر رکھا ہے۔

حضرت مخرمہ کو قبا دینے کا واقعہ

اس باب میں حضرت مخرمہ بن نوفل کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا اور غزوہ حنین میں شریک ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے قبائیم فرمائے، مخرمہ کو عام تقسیم کے وقت نہیں دیا، حضرت مخرمہ چونکہ نابینا تھے (۱) اس لیے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ ہمیں حضور ﷺ کے پاس لے چلو، وہاں پہنچے تو آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی، آپ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ کے پاس ان قباؤں میں سے ایک قبائمی، حضور ﷺ نے مخرمہ سے فرمایا کہ یہ قبا میں نے تمہارے لیے محفوظ کر کے اور چھپا کر رکھی تھی، مسور کہتے ہیں کہ میرے والد مخرمہ نے اسے لے کر فرمایا کہ مخرمہ راضی ہے۔ فقال: رضی مخرمہ، ”قال“ کی ضمیر حضور ﷺ کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے چنانچہ راوی نے اسی کو اختیار کیا ہے لیکن حافظ ابن حجر کا خیال یہ ہے کہ قال کا فاعل مخرمہ ہے یعنی مخرمہ جبہ لے کر کہنے لگے کہ مخرمہ راضی ہو گیا۔

فخرج وعليه قباء منضا، بعض روایات میں ہے کہ وہ جبہ ریشم کا تھا، لہذا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے گویا ریشم استعمال کیا، حالانکہ آپ ﷺ نے ریشم کے استعمال سے منع فرمایا ہے؟ اس کے بارے میں دو قول ہیں:

(۱) اس وقت تک مردوں کیلئے ریشم کا استعمال حرام قرار نہیں دیا گیا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اسے استعمال فرمایا۔

(۲) آپ ﷺ نے اس جبہ کو پہنا ہوا نہیں تھا بلکہ صرف اپنے ہاتھ پر رکھ کر لائے اور مخرمہ کے حوالے کر دیا۔

خبأت لک هذا، یہ آپ کے حسن اخلاق کی علامت ہے کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام کا کس قدر خیال رکھتے تھے۔ (۲)

باب مَا جَاءَ إِنْ اللَّهَ تَعَالَى يُحِبُّ أَنْ يُزَى أَكْثَرُ نِعْمَتِهِ عَلَى عَبْدِهِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو پسند کرتا ہے کہ بندے پر اس کی نعمت کا اثر دیکھا جائے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنْ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ يُزَى أَكْثَرُ نِعْمَتِهِ عَلَى عَبْدِهِ. حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر دیکھا جائے۔

اللہ کی عطاء کردہ نعمتوں کا اظہار کیا جائے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو دنیاوی نعمتیں عطاء فرمائیں، مال و دولت اور رہن سہن کے اعتبار سے

(۱) الاصابة ۳۳۶، حرف المیم۔

(۲) فتح الباری ۳۳۶/۱۰ کتاب اللباس، باب القباء و فروج حریر، تحفة الاحوذی ۸۵/۸

خوشحال ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے عمل سے اس چیز کا اظہار کرے، اچھا لباس پہنے، اہل و عیال کو بھی اچھا کھلائے اور پہنائے، یہ سب کچھ اللہ کا شکر ادا کرنے کیلئے ہو، اس میں غرور و تکبر اور اپنی بڑائی کا اظہار جتنا ناپیش نظر نہ ہو، تاکہ معاشرے کے فقراء اور حاجت مند لوگ اس کی طرف صدقات و زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے رجوع کر سکیں، ایسے میں نعمتوں کا اظہار گویا شکر ہے اور انہیں چھپانا یعنی اپنے عمل سے انہیں ظاہر نہ کرنا ایک قسم کی ناشکری ہے، اسی طرح اگر کسی انسان کو اللہ تعالیٰ نے علم نبوت میں فضل و شرف عطاء فرمایا ہو تو اس پر لازم ہے کہ لوگوں کے سامنے اس کا اظہار کرے تاکہ عوام اس سے استفادہ کر سکیں۔

یہاں اشکال ہوتا ہے کہ اس حدیث سے یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا اظہار کیا جائے جبکہ دوسری بعض روایات میں بذات یعنی سادگی اختیار کرنے کا حکم اور ترغیب دی گئی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان بس سادے انداز سے ہی زندگی گزارے، بظاہر دونوں روایات میں تعارض لازم آرہا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ترک زینت اور سادگی اختیار کرنے کا حکم اس وقت ہے جب انسان میں عمدہ لباس وغیرہ کی استطاعت نہ ہو، ان حالات میں اسے اپنے لباس اور رہن سہن میں تکلف نہیں اختیار کرنا چاہئے، بس صبر و استقامت کے ساتھ سادگی کے ساتھ زندگی گزارنا رہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو اعلیٰ طرز زندگی کی ہمت دی ہو، تو وہ عمدہ لباس اور اچھا رہن سہن اختیار کر سکتا ہے، اس کے باوجود اپنے جسم پر اچھا لباس وغیرہ کے ذریعہ ان نعمتوں کا اظہار نہیں کرتا تو یہ ناپسندیدہ ہے، یہ انتہائی بخل اور خسرت کی علامت ہے، اسے اس انداز سے قناعت کر کے زندگی نہیں گزارنی چاہئے، (۱)

باب مَا جَاءَ فِي الْخُفِّ الْأَسْوَدِ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں سیاہ موزوں کا ذکر ہے۔

عَنْ بُرَيْدَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَهْدَى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ خُفَّيْنِ أَسْوَدَيْنِ سَاذَجَيْنِ فَلَبَسَهُمَا لَمْ يَتَوَضَّأْ وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا.
حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں موزوں کا ایک سیاہ جوڑا ہدیہ کے طور پر بھیجا، جس پر کوئی نقش نہیں تھا، (یعنی سادے تھے) اور آپ ﷺ نے (طہارت کی حالت میں) اسے پہنا پھر وضو کیا اور ان پر مسح کیا۔

سیاہ موزوں کا ذکر

اس حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

- (۱) سیاہ موزوں کا استعمال درست ہے جن پر کوئی نقش نہ ہو۔
- (۲) طہارت حاصل کر کے موزے پہن لیے جائیں پھر جب وضو ٹوٹ جائے اور انسان وضو کرے تو اس وقت سے وہ ان

بوزوں پر مسح کر سکتا ہے مقیم ہے تو ایک دن اور ایک رات تک اور مسافر کیلئے تین دن اور تین راتوں تک مسح کرنا جائز ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ نَتْفِ الشَّيْبِ

یہ باب سفید بال نوچنے اور اکھاڑنے کی ممانعت کے بارے میں ہے۔

عَنْ عُمَرُو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ نَتْفِ الشَّيْبِ وَقَالَ: إِنَّهُ نَوْرُ الْمُسْلِمِ.
حضرت عمر بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سفید بال نوچنے سے منع کیا اور فرمایا کہ یہ مسلمان کا نور ہے۔

سفید بال مسلمان کیلئے باعث وقار

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ سر اور داڑھی میں سے سفید بالوں کو نکالنا ایک ناپسندیدہ اور مکروہ عمل ہے۔ سفید بال مسلمان کیلئے ایک نور اور وقار کا باعث ہوتے ہیں، عموماً بالوں کی سفیدی بڑھاپے کی علامت ہوتی ہے، اور بڑھاپے میں یہ وقار ظاہر ہوتا ہے، حدیث میں ہے کہ انسانوں میں سب سے پہلے سفید بال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی داڑھی میں دیکھے تو عرض کیا کہ میرے پروردگار یہ کیا ہے؟ جواب آیا کہ: یہ وقار ہے، حضرت ابراہیم نے عرض کیا کہ پروردگار میرے وقار میں اضافہ فرما۔

”وقار“ ایک ایسا وصف ہے جو انسان کو گناہ اور بے حیائی کی باتوں سے روکتا ہے، آخرت، نیکی اور توبہ کی طرف متوجہ کرتا ہے، اس لحاظ سے یہ وصف انسان میں اس نور کو پیدا کرتا ہے جو میدان حشر میں ظلمت و تاریکیوں کو چیرتا ہوا آگے آگے چلے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا: سَعَىٰ نَوْرِهِمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ، اس توجیہ کی روشنی میں گویا اس ”نور“ سے قیامت کے دن کا نور مراد ہے چنانچہ ایک روایت میں اس کی تصریح ہے۔

اور اگر ”نور“ سے یہ معنی مراد لئے جائیں کہ سفید بالوں کی وجہ سے اس آدمی کا چہرہ نورانی اور خوبصورت ہو جاتا ہے تو یہ بھی درست ہے، اور حقیقت میں تو دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں کہ ایسے آدمی کا چہرہ دنیا میں خوشنما بھی ہو جاتا ہے اور آخرت میں یہ نور اس کیلئے ظلمت و تاریکیوں میں ایک مینارۂ روشنی ثابت ہوگا۔ (۲)

اشکال ہوتا ہے کہ جب بالوں کی سفیدی دنیا اور آخرت دونوں میں نورانیت کا باعث ہے، تو پھر سفید بالوں پر خضاب کی اجازت نہیں ہونی چاہئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خضاب میں اللہ کی خلقت کو تبدیل کرنا لازم نہیں آتا جبکہ سفید بال نوچنے میں اللہ کی

(۱) تحفة الاحوذی ۸/۸۷

(۲) مرقاة المفاتیح ۲۹۶/۸ کتاب اللباس، باب الترجل

تخلیق میں تبدیلی کرنا لازم آتا ہے، اس لیے سفید بالوں کو نوچنے سے منع کیا گیا ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ إِنْ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمِنٌ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمِنٌ.

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمِنٌ.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔

عَنْ سَفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ: إِنِّي لَأُحَدِّثُ الْحَدِيثَ فَمَا أَذْغِ مِنْهُ خَوْفًا.

سفیان بن عیینہ سے روایت ہے کہ عبدالملک بن عمیر فرمایا کرتے: بیشک میں کامل طریقے سے حدیث بیان کرتا

ہوں، اس سے ایک طرف بھی کم نہیں کرتا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ المستشار: وہ شخص جس سے مشورہ لیا جائے۔ مؤتمن: امانت دار۔ فما اخروم: میں کم نہیں کرنا، ناقص انداز سے بیان نہیں کرتا۔

مشورہ دینے والے کیلئے حکم

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جس آدمی سے مشورہ لیا جائے تو اسے اس کام کیلئے وہی مشورہ دینا چاہئے جسے وہ

امانت و دیانت کے لحاظ سے بہتر سمجھتا ہو، اسے صحیح مشورہ نہ دینا گویا امانت میں خیانت کرنے کے مترادف ہے، نیز اسے وہ مشورہ

صیغہ راز میں رکھنا چاہئے، دوسروں کے سامنے اس بارے میں گفتگو کرنے سے احتراز کرنا چاہئے۔ (۲)

باب مَا جَاءَ فِي الشُّؤْمِ

یہ باب نوحہ سے متعلق ہے۔

عَنْ سَالِمٍ وَخَمْرَةَ ابْنَيْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِيهِمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: الشُّؤْمُ فِي فَلَانٍ، فِي الْمَرْأَةِ،

وَالْمَسْكِينِ، وَالْذَّائِقَةِ.

(۱) تحفة الاحوذی ۸/۸۸۷

(۲) تحفة الاحوذی ۸/۸۷۸

حضرت سالم اور حمزہ اپنے والد عبد اللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نحوست تین چیزوں میں ہے یعنی عورت، گھر اور جانور میں۔

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: إِنْ كَانَ الشُّؤْمُ عَلَى شَيْءٍ فَلْيُزَلَّهِ الدَّابَّةُ وَالْمَسْكَنُ.

نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو عورت، جانور اور گھر میں ہوتی۔
عَنْ حَكِيمِ بْنِ مَعَاوِيَةَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: لَا شُّؤْمَ وَقَدْ يَكُونُ الْيَمْنُ فِي الدَّارِ وَالْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ.
حکیم بن معاویہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: نحوست کسی چیز میں نہیں ہوتی اور کبھی گھر، عورت اور گھوڑے میں برکت ہوتی ہے۔

کیا گھر، عورت اور گھوڑے میں نحوست ہو سکتی ہے

شوم کے معنی ”نحوست“ کے ہیں اور اس کی ضد ”یمن“ ہے جس کے معنی برکت کے ہیں۔

باب کی مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر، گھوڑے اور عورت میں نحوست ہوتی ہے۔

ان روایات پر اشکال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی ایک دوسری صحیح حدیث میں ہے: لا عدوی ولا طيرة کہ بیماری ایک سے دوسرے کو نہیں لگتی اور پرندے کے اڑنے میں کوئی بدشگونی نہیں ہے، گویا اس حدیث میں بدشگونی سے منع کیا گیا ہے، عورت، گھر اور گھوڑے کے اندر نحوست کا یہ تصور بدفالی اور بدشگونی ہی تو ہے، اس لیے بظاہر دونوں قسم کی روایات میں تضاد ہے۔

شارحین حدیث کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) امام مالک رحمہ اللہ نے احادیث باب کو اپنے ظاہری معنی پر محمول فرمایا ہے کہ ان چیزوں یعنی گھر، عورت اور گھوڑے سے بدشگونی اور نحوست آتی ہے بسا اوقات ان کی وجہ سے ضرر و نقصان اور ہلاکت و بربادی ہو جاتی ہے، لہذا ان تین چیزوں میں نحوست کی احادیث اس عام قانون سے مستثنیٰ ہیں کہ بدشگونی اور بدفالی نہیں ہوتی۔

(۲) بعض علماء کے نزدیک یہ حدیثیں قرآن کریم کی اس آیت ”مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ“ سے منسوخ ہیں، جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز میں کوئی نحوست اور شوم نہیں، بس جو مصیبت و آفت وغیرہ آتی ہے تو وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قضاء و قدر کی وجہ سے ہے۔

(۳) بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ کلام حرف شرط کے ساتھ ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں ان کا انشوم کی تصریح ہے، مطلب یہ ہے کہ بالفرض اگر کسی چیز میں نحوست ہو سکتی تو وہ عورت، گھر اور گھوڑے میں ہو سکتی ہے لیکن چونکہ نحوست کسی چیز میں نہیں ہوتی اس لیے ان تین چیزوں میں بھی اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، تو اس حدیث یعنی ان کا انشوم..... کے معنی یہ ہیں کہ اگر نحوست اور بدشگونی کی کوئی حقیقت اور اس کا ثبوت ہوتا تو ان تین چیزوں میں ہوتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ نحوست اور شوم ثابت نہیں،

تاہم جسے دنیا میں نیک بیوی، اچھی رہائش اور پرسکون سواری مل گئی تو یہ اس کی سعادت ہے اور جوان میں آزمائش میں مبتلی ہو گیا تو یہ اس کی بد نصیبی اور بد بختی کی علامت ہے۔ (۱)

(۴) بعض علماء فرماتے ہیں کہ شوم کی دو قسمیں ہیں ایک شوم بمعنی نحوست ہے اور دوسرا شوم بمعنی عدم موافقت ہے، اس باب کی احادیث میں شوم سے عدم موافقت کے معنی مراد ہیں اور لاعدوی و لا طيرة میں شوم سے نحوست کے معنی مراد ہیں، اس صورت میں گھر میں شوم کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ گھر تنگ ہو، پڑوسی اچھے نہ ہوں یا وہاں کی آب و ہوا مزاج کے موافق نہ ہو، اسی طرح عورت میں شوم کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اولاد نہ ہو، زبان دراز ہو، عفت اور پاکدامنی کا خیال نہ رکھتی ہو اور گھوڑے میں عدم موافقت کے معنی یہ ہیں کہ وہ جہاد میں کام نہ آئے، سرکش ہو یا اس کی قیمت برداشت سے باہر ہو۔

لہذا اس سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی کے پاس ایسا مکان ہو جسے وہ پسند نہ کرتا ہو تو اسے وہ مکان بدل لینا چاہئے، کسی اور مکان میں منتقل ہو جائے، بیوی ایسی ہو جس کے ساتھ رہنا اور تعلقات قائم کرنا اسے ناگوار ہو تو اسے طلاق دے کر فارغ کر دینا چاہئے، ایسی سواری مثلاً گھوڑا ہو جو اسے اچھا نہیں لگتا، ناپسند ہے تو اسے فروخت کر کے ایسی سواری خرید لے جو اس کیلئے دنیا اور آخرت دونوں کے اعتبار سے بہتر ہو۔

اس حدیث میں خاص طور پر ان تین چیزوں کو اس لیے ذکر کیا کہ ان کی مصیبتیں انتہائی سخت بھی ہوتی ہیں اور پریشان کن بھی بہت زیادہ ہوتی ہیں، کیونکہ ان تین چیزوں کے ساتھ انسان کا ہر وقت واسطہ پڑتا ہے، تو اگر یہ حراج کے موافق نہ ہوں تو جب بھی انہیں دیکھے گا اور ان سے واسطہ پڑے گا تو اسے اذیت اور تکلیف ہوگی، اس وجہ سے خاص طور پر ان تین چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۲)

باب مَا جَاءَ لَا يَتَنَاجَى الثَّانِي دُونَ ثَالِثٍ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى الثَّانِي دُونَ صَاحِبِهِمَا. وَقَالَ سَنَفِيَانِ لِي حَدِيثُهُ: لَا يَتَنَاجَى الثَّانِي دُونَ الثَّالِثِ لِإِنْ ذَلِكَ يَخْرُؤُهُ.

حضرت عبد اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم لوگ تین ہو تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی نہ کریں، (اور سفیان نے اپنی حدیث میں لا یتناجی کے الفاظ ذکر کئے ہیں) کیونکہ اس طرح کرنا اسے غمگین کر دے گی (اور مومن کو اذیت پہنچانا جائز نہیں ہے)۔

(۱) تکملة فتح الملهم ۳۸۰/۲ کتاب الطب، باب الطيرة والنفال

(۲) تحفة الاحوذی ۹۰/۸، تکملة فتح الملهم ۳۸۱/۲ الکوکب الدرر ۳۱۸/۳

تیسرے کی موجودگی میں دو آدمیوں کی سرگوشی کا حکم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی جگہ صرف تین آدمی ہوں تو اس تیسرے کی موجودگی میں دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں کہ اسے اس سے تشویش ہوگی اور سوچے گا کہ شاید میرے بارے میں کوئی بات ہو رہی ہے، یہی حکم اس وقت بھی ہے جب ایک سے زیادہ بندے ہوں لیکن چند افراد یا پوری ایک جماعت ایک شخص کو چھوڑ کر سرگوشی کرنا شروع کر دے، تو یہ بھی شرعاً ممنوع ہے۔ لیکن اگر اس تیسرے شخص سے اجازت حاصل کر لی جائے یا سرگوشی کرنے والوں کے علاوہ ایک سے زیادہ بندے موجود ہوں تو پھر سرگوشی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

جمہور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ سرگوشی کی ممانعت کا حکم تمام اوقات میں اور سفر حضر سے متعلق ہے، یہ حکم صرف سفر کے ساتھ خاص نہیں جبکہ بعض حضرات نے اس بارے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ سرگوشی کی ممانعت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا تا کہ منافقین کی شرارتوں اور سازشوں سے بچا جاسکے، منافقین اپنی سرگوشی کے ذریعہ مسلمانوں کو پریشان کرتے تھے پھر جب اسلام اطراف عالم میں پھیل گیا، اس کی شان و شوکت اور دبدبے سے امن و سکون کی فضاء قائم ہو گئی، اسلام اور اہل اسلام غالب ہو گئے تو اس وقت سرگوشی کی ممانعت کا حکم منسوخ ہو گیا ہے، لیکن قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ بات محض دعویٰ کی حد تک ہی ہے، کسی دلیل سے اس کی تائید نہیں ہوتی، اس لیے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي الْعِدَّةِ

یہ باب وعدے سے متعلق ہے۔

عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَبْيَضَ قَدْ شَابَ وَكَانَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ يُشَبِّهُهُ وَأَمَرَنَا بِفَلَانَةٍ عَشَرَ قُلُوصًا فَلَدَّهَبْنَا نَقِضُهَا فَأَتَانَا مَوْثُهُ فَلَمْ يَغْطُوا شَيْئًا فَلَمَّا قَامَ أَبُو بَكْرٍ قَالَ: مَنْ كَانَتْ لَهُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عِدَّةٌ فَلْيَجِئْ. فَنَقَمْتُ إِلَيْهِ فَأُخْبِرْتُ فَأَمَرَنَا بِهَا.

حضرت ابو جعفر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ سفید مائل سرخ یعنی گورے تھے اور بڑھاپا آنے لگا تھا، اور حسن بن علی (شکل و صورت میں) آپ ﷺ کے مشابہ تھے، اور آپ ﷺ نے ہمارے لیے تیرہ نو جوان اوتنیوں کا حکم دیا تھا، ہم انہیں لینے کیلئے گئے تو آپ ﷺ کی وفات کی خبر ہم تک پہنچ گئی، تو ہمیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ بھی نہ دیا، پھر جب ابو بکر نے خلافت سنبھالی تو فرمایا: اگر کسی کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ کوئی وعدہ تھا

(۱) تحفة الاحوذی ۹۳/۸ فتح الباری ۹۸/۱۱ کتاب الاستئذان، باب اذا كانوا اكثر من ثلاثة، تكملة فتح الملهم ۲۸۹/۴ کتاب السلام، باب تحريم مناجاة الاثنين۔

تو وہ آئے، چنانچہ میں کھڑا ہوا اور آپ ﷺ کے وعدے سے متعلق بتایا، تو انہوں نے ہمیں وہ اونٹیاں دینے کا حکم دے دیا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- ابیض: سرخ مائل سفید، گورا۔ قد شاب: آپ ﷺ کا بڑھا پا ظاہر ہو گیا تھا۔ یشبہہ: جس بن علی آپ ﷺ کے مشابہ تھے شکل و صورت میں۔ قلو صا: (قاف پر زبر کے ساتھ) جوان اونٹنی۔

حضور ﷺ کے وعدہ کا صدیق اکبرؓ کی طرف سے پورا کرنے کا حکم

نبی کریم ﷺ نے بطور انعام کے حضرت ابو جحیفہ اور ان کے خاندان کو تیرہ جوان اونٹیاں دینے کا حکم فرمایا تھا، جب یہ لوگ اس مامور کے پاس گئے تاکہ اس سے وہ وصول کریں تو اتنے میں نبی کریم ﷺ کی وفات ہو گئی، جس کی وجہ سے انہوں نے ان کو اونٹیاں نہیں دیں، جب صدیق اکبرؓ کا دور خلافت آیا تو پھر انہوں نے اونٹیاں دینے کا حکم دیا، اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی بڑا کسی سے کوئی وعدہ کر لے اور پورا کرنے سے پہلے اس کی وفات ہو جائے تو اس کے وارثوں کو وہ وعدہ نبھانا چاہئے

وکان الحسن بن علی یسهم، حضرت حسن نبی کریم ﷺ کے نصف اعلیٰ یعنی سر سے سینے تک شکل میں مشابہ تھے، اور حضرت حسین بن علی سینے سے نیچے جسم کے ساتھ مشابہ تھے۔ (۱)

باب ماجاء فی فداک ابی وأمی

یہ باب ”میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں“ کہنے کے بیان میں ہے۔

عن علی بن ابی طالب قال: ما سمعت النبی ﷺ یجمع أبویہ لأخذ غنیر سفید بنی أبی وقاص.

حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سعد بن وقاص کے علاوہ کسی کیلئے یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ (آپ ﷺ نے اسے فرمایا ہو) میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔

عن سعید بن المسیب یقول: قال علی: ما جمع رسول الله ﷺ أباه وأمه لأخذ إلا لسفید بنی أبی وقاص، قال له یوم أخذ: ازم فداک ابی وأمی. وقال له: ازم أنهما الفلام الحزور.

حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے سعد بن ابی وقاص کے علاوہ کسی کو اس طرح نہیں کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، جنگ احد کے موقع پر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: تیرا مارو، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں، اور ان سے فرمایا: اے طاقتور نو جوان تیرا اندازی کرو۔

مشکل الفاظ کے معنی :- ازم: تیرا مارو، تیرا اندازی کرو۔ حزور: (حاء اور زاء پر زبر اور واو پر تشدید کے ساتھ) طاقتور نو جوان، بہادر۔

”میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں“ کہنے کا حکم

جمہور اس روایت سے استدلال کر کے فرماتے ہیں کہ کسی کی تعظیم اور اعلیٰ کارکردگی کی بنیاد پر اسے یوں کہا جائے کہ ”میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں“ تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرات صحابہ میں سے دو آدمیوں کے لئے یہ جملہ استعمال فرمایا ہے ایک غزوہ احد کے موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص کیلئے اور دوسرا غزوہ خندق کے دن حضرت زبیر بن العوام کیلئے، روایت باب میں حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ جملہ صرف حضرت سعد کیلئے کہا ہے، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے؟ شارحین نے اس کے دو جواب دیے ہیں:

(۱) واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی نے یہ بات اپنے علم اور سماع کے مطابق کہی ہے ورنہ حضور ﷺ نے حضرت زبیر بن عوام کیلئے بھی یہ جملہ استعمال فرمایا ہے۔

(۲) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت علی کی مراد یہ ہو کہ غزوہ احد کے دن نبی کریم ﷺ نے یہ جملہ صرف حضرت سعد بن ابی وقاص کے لیے استعمال فرمایا ہے، کسی اور صحابی کیلئے ارشاد نہیں فرمایا۔ اس جواب کے لحاظ سے دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہوگا۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي يَابَنْتَى

یہ باب کسی کو ”اے میرے بیٹے“ کہ کر پکارنے کے جواز میں ہے۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ: يَا بَنْتَى.

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے مجھے ”اے میرے بیٹے“ کہ کر مخاطب کیا ہے۔

کسی کو شفقتاً بیٹا کہ کر پکارنے کا حکم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر انسان اپنے نبی بیٹے کے علاوہ کسی چھوٹے کو بیٹا کہ کر پکارے تو یہ جائز ہے، کیونکہ یہ پکارنا محض محبت اور شفقت کے اظہار کیلئے ہے، ایسے ہی اپنے ہم عمر انسان کو بھائی کہ کر پکارنا بھی جائز ہے۔ لہذا ہر وہ لفظ جو عرف میں دوسروں کیلئے استعمال کیا جائے اور اس میں کسی قسم کی توہین و تحقیر اور نفرت کا پہلو نہ ہو تو اس طرح کے الفاظ سے ایک دوسرے کو خطاب کیا جاسکتا ہے۔ (۲)

(۱) تحفة الاحوذی ۹۶/۸

(۲) تحفة الاحوذی ۹۷/۸

باب مَا جَاءَ فِي تَفْجِيلِ اسْمِ الْمَوْلُودِ

یہ باب نومولود کا نام جلدی رکھنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ عُمَرُو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ بِتَسْمِيَةِ الْمَوْلُودِ يَوْمَ سَابِعِهِ وَوَضَعَ الْأَذَى عَنْهُ وَالْعَقَى.

حضرت عمر بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پیدائش کے ساتویں دن نومولود کا نام رکھنے، اس کی تکلیف کو دور کرنے یعنی اس کے بال مونڈھنے اور عقیقہ کرنے کا حکم دیا۔

نومولود کا نام جلدی رکھنا سنت ہے

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے نومولود بچے سے متعلق اس کے سر پرستوں کیلئے تین حکم بیان فرمائے ہیں:

(۱) بچے کا نام پیدائش کے ساتویں دن رکھا جائے، پیدائش والے دن اور اس سے اگلے دن نام رکھنے کا ذکر بھی حدیث میں موجود ہے، ان تمام روایات سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر ہو سکے بچے کا نام رکھنے میں جلدی کرنی چاہئے۔

(۲) بچے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا جائے، اس ”اذی“ سے کیا مراد ہے، اس بارے میں چار قول ہیں:

☆ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ اذی سے وہ بال مراد ہیں جو ولادت کے وقت بچے کے سر پر ہوتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ساتویں دن بچے کے سر کے بال بھی صاف کر دینے چاہئیں۔

☆ بعض حضرات کے نزدیک ”اذی“ سے ہر وہ چیز مراد ہے جس سے بچے کو اذیت اور تکلیف ہو، خواہ وہ ولادت کے وقت کے سر کے بال ہوں یا اس کے علاوہ جسم پر اور کوئی گندگی ہو۔ (۱)

☆ ”اذی“ سے وہ خون مراد ہے جو زمانہ جاہلیت میں عقیقہ کرتے وقت بچے کے سر پر ڈال دیا جاتا تھا، چنانچہ جس بکری یا جانور کو عقیقہ میں ذبح کرتے تھے، اس کا خون بچے کے سر پر ڈال دیا کرتے تھے۔ اسلام نے اس سے منع کر دیا کہ اس طرح بچے کے سر پر خون نہ بہایا جائے۔

☆ بعض نے ”اذی“ سے فتنہ مراد لیا ہے، معنی یہ ہے کہ عقیقہ کے ساتھ ہی بچے کا فتنہ بھی کر دیا جائے۔ (۲)

(۳) پیدائش کے ساتویں دن بچے کا عقیقہ کرنا سنت ہے، اس سے بچے کے سر سے تکلیفیں اور مصیبتیں دور ہوتی ہیں، ساتویں

(۱) تحفة الاحوذی ۹۸/۸، فتح الباری ۴۳۷/۹

(۲) عمدة القاری ۲۱: ۸۷ کتاب العقیقة ”باب ماجاء اماطة الاذی عن الصبی فی العقیقة“

دن نہ ہو سکے تو چودھویں یا اکیسویں دن کا لحاظ کر کے عقیقہ کیا جائے اس کے بعد بھی ساتویں دن کا حساب کر کے بالغ ہونے سے پہلے پہلے عقیقہ کیا جاسکتا ہے، البتہ بالغ ہونے کے بعد پھر عقیقہ کا حکم ساقط ہو جاتا ہے، کوئی دوسرا اس کی طرف سے عقیقہ نہیں کر سکتا، ہاں اگر خود اپنی طرف سے عقیقہ کرنا چاہے تو اس کی گنجائش ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے نبی بننے کے بعد خود اپنا عقیقہ کیا تھا، یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے، لیکن اس سے بعض علماء نے بالغ ہونے کے بعد خود اپنا عقیقہ کرنے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْأَسْمَاءِ

یہ باب ان ناموں کے بارے میں ہے جن کا رکھنا مستحب ہوتا ہے۔
عَنِ ابْنِ عُثْمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَحَبُّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: عَبْدُ اللَّهِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ.
حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام ناموں میں سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں۔

اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ نام

اس حدیث میں عبداللہ اور عبدالرحمن کا ذکر ہے، اور قرطبی فرماتے ہیں کہ انہی کے حکم میں عبدالرحیم، عبدالملک اور عبدالصمد بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ اسماء کیوں محبوب ہیں؟ اس کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں:

- (۱) ان میں لفظ ”عبد“ ہے جو عبدیت اور بندگی کے معنی میں ہے، اور مقام عبدیت انسان کیلئے سب سے افضل مقام ہے، کہ یہ ایک بندہ ہے اور اس کا ایک معبود ہے جس کی اس نے بندگی اور عبادت کرنی ہے، اور لفظ عبد کی اضافت اللہ کی طرف ہے، جس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ یہ اللہ، رحمن، صمد..... کا بندہ ہے، اس ترکیب کی وجہ سے اسے یہ فضیلت حاصل ہوگئی۔
- (۲) بعض حضرات کے نزدیک ان دو اسماء کو اس لیے خاص طور پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ قرآن مجید میں لفظ عبد کی نسبت لفظ اللہ اور لفظ رحمن کے علاوہ کسی اور نام کی طرف نہیں کی گئی مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَنذَرْتُكُمْ عَذَابَ الْكَاثِبِينَ (دوسری آیت میں ہے: وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ، اور طبرانی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم اپنے بچوں کے نام رکھو، تو ایسے نام رکھو، جن میں عبدیت کے معنی پائے جاتے ہوں۔) (۲)

(۱) عمدۃ القاری ۸۸۲/۲ کتاب العقیقۃ، باب اماطۃ الاذی، فتح الباری ۶۴۲/۹ کشف الباری کتاب الاطعمۃ (ص: ۲۰۲)

(۲) تکملة فتح الملهم ۲۰۶/۴ کتاب الاداب باب النهی عن التکنی۔ تحفة الاحوذی ۱۰۰/۸

باب مَا يَكْرَهُ مِنَ الْأَسْمَاءِ

یہ باب ان احادیث کے بارے میں ہے جن میں ناپسندیدہ ناموں کا ذکر ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعُقَاطِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا تَهْنِئَنَّ أَنْ تَسْمِيَ رَافِعَ وَهَزْكَ وَبَسَارَ.
حضرت عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں (تم لوگوں کو) نہایت تاکید کے ساتھ رافع، ہزک اور
بیسار جیسے نام رکھنے سے منع کرتا ہوں۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَا تَسْمِ غُلَامَكَ رِبَاخَ وَلَا أَفْلَحَ وَلَا يَسَارَ وَلَا تَجْمِجْ، يُقَالُ:
أَنْتُمْ هُوَ؟ لَيُقَالَ: لَا.

حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اپنے بچے کا نام رباح، افلح، یسار اور جمج
نہ رکھو، اس لیے کہ کبھی پوچھا جائے گا کہ وہ یہاں ہے؟ تو جواب دیا جائے گا کہ: نہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يُنْبِغُ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ: أَخْنَعُ اسْمٌ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ زَجَلٌ قَسَمَى بِمَلِكِ الْأَمْلاَكِ. قَالَ
سَفِيَانُ: شَاهَانُ شَاهٌ، وَأَخْنَعُ يَغْنَى: أَفْبَحُ.

حضرت ابو ہریرہ اس حدیث کو حضور ﷺ تک پہنچاتے ہیں یعنی مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے قبیح آدمی وہ شخص ہوگا جس کا نام ملک الاملاک ہوگا، سفیان راوی کہتے ہیں:
یعنی شہنشاہ اور ”اخنع“ کے معنی ”قبح“، یعنی قبیح ترین کے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:- لائہین: میں ضرور بضرور منع کرتا ہوں۔ بسمی: (صیغہ مجہول) نام رکھا جائے۔ رافع: رفعت
و بلندی والا۔ ہزک: غیر و برکت۔ یسار: غناء و مالداری۔ رباح: (را پر زبر کے ساتھ) نفع، فائدہ۔ افلح: بامراد کامیاب ہونا۔
نجیح: کامیاب، کامران۔ اخنع: ذلیل ترین، قبیح ترین، زیادہ ناپسندیدہ، زیادہ غصہ دلانے والا۔ ملک: (میم پر زبر اور لام
کے نیچے زیر) بادشاہ۔ املاک: ملک یا ملک (میم پر زبر اور لام کے نیچے زیر کے ساتھ) کی جمع ہے: شہنشاہ۔

چند ناپسندیدہ نام

ان مذکورہ احادیث میں چند ایسے ناموں کو بیان کیا گیا ہے جنہیں کسی انسان کیلئے رکھنا ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے، مثلاً
یسار، جمج افلح..... وغیرہ، اور حدیث سمرہ میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر اس طرح کے نام والے شخص کو مثلاً یسار کو بلایا کہ گھر
میں موجود ہے، جواب ملا کہ نہیں ہے، یہ جواب اگرچہ اس خاص انسان کے اعتبار سے تو درست ہے مگر لفظ ”یسار“ کے حقیقی معنی یعنی
مالدار یا تو نگری کے اعتبار سے درست نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ گھر میں غناء و مالدار اور خوشحالی نہیں، ظاہر ہے کہ اس

طرح کا جواب دینا برا ہے، اور بد شکونی بھی ہے، مذکورہ دیگر اسماء کو بھی اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے، تاہم دو باتیں ذہن میں رہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ یہ نام رکھنے کی ممانعت مکروہ تحریمی کے طور پر نہیں ہے، بلکہ کراہت تنزیہی یعنی ناپسندیدہ ہے، لہذا اگر کسی کا اس طرح کا نام رکھ لیا جائے تو یہ جائز ہے حرام نہیں، چنانچہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ایک غلام کا نام ”رباح“ تھا اور آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام کا نام یہاں تھا، آپ ﷺ نے ان اسماء کو برقرار رکھا، اگر یہ نام رکھنے حرام ہوتے تو کبھی بھی آپ انہیں برقرار نہ رکھتے، بدل دیتے، ایسے ہی عبد اللہ بن عمر نے اپنے آزاد کردہ کا نام ”نافع“ رکھا، جو بہت بڑے محدث تھے۔

(۲) ممانعت یعنی کراہت کا یہ حکم صرف انہی اسماء کے ساتھ خاص نہیں جن کا ذکر خاص طور پر احادیث میں آگیا ہے بلکہ اس حکم میں ہر وہ نام شامل ہے جو ان اسماء کے معنی میں ہو، یعنی جس کا ترجمہ ایسا ہو کہ اس شخص کی عدم موجودگی میں جب نئی کا جواب دیا جائے تو وہ اس کے معنی کے اعتبار سے درست نہ ہو، جواب دینا برا ہو اور نیک فالی کے خلاف ہو۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر سے حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارادہ کیا کہ یعلیٰ، برکہ، فلاح، یسار اور نافع وغیرہ نام رکھنے سے منع کر دیں، لیکن پھر میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اس سے خاموش رہے، آپ ﷺ کی وفات ہو گئی اور منع نہیں فرمایا، جبکہ حدیث باب یعنی سرہ بن جندب کی روایت میں ممانعت کا ذکر ہے، بظاہر دونوں احادیث میں تعارض ہے؟

علماء کرام نے دونوں میں تطبیق یوں دی ہے کہ حدیث جابر میں آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ یسار اور فلاح وغیرہ نام رکھنے کو حرام قرار دیں لیکن پھر آپ ﷺ نے امت پر شفقت کی وجہ سے ایسا نہیں کیا کہ اس میں اختلاء عام ہے، اور ممانعت میں لوگوں کو شدید تکلیف اور حرج ہوگا، لوگ عموماً اچھے اور برے نام رکھنے میں تفریق اور ایجاز نہیں کرتے، اور حدیث سرہ بن جندب میں نبی سے نئی تنزیہی مراد ہے، اس لیے جمہور فرماتے ہیں کہ اس قسم کے نام رکھنا جائز تو ہیں تاہم پسندیدہ نہیں۔ (۱)

شہنشاہ..... ذلیل ترین نام بر لقب

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ اور ذلیل ترین نام یا لقب شہنشاہ ہے، جس شخص کا یہ نام ہوگا وہ بھی اللہ کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ اور ذلیل ہوتا ہے، کیونکہ یہ صفت اللہ جل جلالہ کی ہے وہ تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے، اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ سفیان بن عیینہ نے ”ملک الاملاک“ کی تفسیر ”شاهان شاہ“ (جس کو آسانی کیلئے شہنشاہ بھی پڑھتے اور بولتے ہیں) سے کی ہے، چونکہ عجمیوں میں اور خاص کر فارسی بولنے والوں میں اس نام کا رواج تھا، اس لیے سفیان بن عیینہ نے اس کی تفسیر کر کے بتلا دیا کہ ممانعت کا یہ حکم صرف عربی زبان کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ دوسری زبانوں میں بھی اس مفہوم کا نام رکھا جائے گا تو وہ بھی اس ممانعت میں داخل ہے۔

شہنشاہ کی طرح ہر وہ اسم بھی ممنوع ہے جو اس کے معنی میں ہو جیسے خالق الخلق، احکم الحاکمین، سلطان السلاطین اور امیر الامراء اور بعض حضرات کے نزدیک ایسے نام رکھنا بھی ممانعت میں داخل ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں جیسے رحمن، قدوس اور جبار، اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے زمانے میں جو عبد الرحمن کو رحمن اور عبد القدوس کو قدوس اور عبد الجبار کو جبار کہہ کر پکارا جاتا ہے، شرعاً اس طرح نام کو کاٹ کر پکارنا جائز نہیں ہے۔ (۱)

بعض نے ”قاضی القضاة“ کو ممنوع قرار دیا ہے، لیکن اکثر حضرات کہتے ہیں کہ یہ لفظ امام ابو یوسف کے زمانے سے رائج ہے، اور کسی نے اس پر تنقید نہیں کی، اس لیے یہ لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

”شہاب شاہ“ یہ ترکیب مقولہ ہے، اصل میں شاہ شاہان ہے، حافظ ابن حجر اور دوسرے شارحین فرماتے ہیں کہ عجمی زبان میں مضاف الیہ مقدم ہوتا ہے۔ (۲) لیکن یہ بات علی الاطلاق درست نہیں، کیونکہ اردو اور ہندی وغیرہ میں تو مضاف الیہ، مضاف پر مقدم ہوتا ہے، لیکن فارسی زبان میں عربی کی طرح مضاف ہی مقدم ہوتا ہے، چنانچہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اور ان کی اتباع میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے اس ترکیب کو ”مقلوب“ ہی قرار دیا ہے۔ (۳)

باب مَا جَاءَ فِي تَغْيِيرِ الْأَسْمَاءِ

یہ باب ناموں کو تبدیل کرنے کے بیان میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ غَيَّرَ اسْمَهُ عَاصِيَةً وَقَالَ: أَلْتَبَّ جَمِيلَةٌ.

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ”عاصیہ“ کا نام بدل دیا اور اس سے فرمایا کہ: تم جمیلہ ہو۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَغْيِرُ الْإِسْمَ الْقَبِيحَ

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ برے نام بدل دیا کرتے تھے۔

برے نام تبدیل کرنے کا حکم

نبی کریم ﷺ برے نام مثلاً عاصیہ یا ایسے نام جن سے انسان کے تزکیہ و تقویٰ کا اظہار ہوتا تو اس کو تبدیل فرمادیتے تھے مثلاً برہ نام تھا، اسے بدل کر زینب رکھ دیا، اس طرح ایک کثیر تعداد کے آپ ﷺ نے نام تبدیل کئے۔

اس بارے میں حنفی احادیث منقول ہیں، ان سے ناموں سے متعلق تین باتیں ثابت ہوتی ہیں کہ جن ناموں میں ان

(۱) تکملة فتح الملهم ۲۱/۴ کتاب الاداب، باب تحريم التسمي بملك الاملاک، تحفة الاحوذی ۱۰۲/۸، فتح الباری ۱۰/۲۱۶

(۲) فتح الباری ۱۰/۲۱۶

(۳) لامع الدراری ۱۰/۳۲۶

میں سے کوئی بات پائی جائے تو پھر وہ نام رکھنا مناسب نہیں۔

(۱) ایسا نام رکھنا مناسب نہیں جس کے معنی قبیح اور برے ہوں جیسے عاصیہ (نافرمان) اس کے معنی میں قباحت ہے کہ مسلمان کی یہ شان نہیں کہ وہ اللہ کا نافرمان ہو۔

(۲) ایسے اسماء جن میں بدگلوئی کا موقع ملتا ہو جیسے اُفح، یسار وغیرہ۔

(۳) وہ نام جن سے انسان کے ترکیہ و تقویٰ اور اس کی پاکدامنی اور پاکبازی کا اظہار ہوتا ہو جیسے ”برہ“ کہ اس کے معنی ہیں ”نیک و پارسا“ یہ نام رکھنا بھی مناسب نہیں کہ اس سے انسان کے پارسا اور نیک ہونے کے معنی ظاہر ہوتے ہیں (۱)

بعض ناموں میں معنی کا لحاظ ہوتا ہے

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ناموں میں لغوی معنی کا اعتبار ہوتا ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ صرف اس نام سے صرف اس شخص کی ذات ہی مراد ہوتی ہے جس کا وہ نام ہو؟ اس لحاظ سے ناموں کی دو قسمیں ہیں:

- ۱۔ بعض نام ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے اصلاً تو اس انسان کی ذات مراد ہوتی ہے، تاہم لغوی معنی کی طرف اس میں بہر حال اشارہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے ”ملک الاملاک“ یعنی شہنشاہ کو ذلیل ترین نام کہا ہے، اگر لغوی معنی کی طرف اس میں اشارہ نہ ہوتا تو اسے ”ذلیل ترین“ نام نہ کہا جاتا، یا جیسے اُفح، یسار، فح وغیرہ ہیں یا بڑہ اور عاصیہ ہیں کہ ان کی جگہ آپ نے زینب اور جمیلہ نام رکھا، اس وجہ سے اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اپنے بچوں کے اچھے نام رکھا کرو کہ نام کا کسی درجہ میں اس انسان کی ذات پر اثر پڑتا ہے۔
- ۲۔ بعض نام ایسے ہوتے ہیں جن سے صرف انسان کی ذات ہی مراد ہوتی ہے، ان میں لغوی معنی کی طرف کسی قسم کا اشارہ نہیں پایا جاتا، جیسے یوسف، ابراہیم کہ ان سے صرف ذات ہی مراد ہوتی ہے، یا جیسے ابو عمیر ایک کنیت ہے، اس میں کسی لغوی معنی پر دلالت نہیں ہوتی، گویا یہ ”باب المراتب فی الشئ“ کے قبیل سے ہے یعنی ایک چیز کے اندر مختلف مراتب اور درجات ہو سکتے ہیں ایسے ہی ناموں کا معاملہ ہے کہ بعض ناموں میں ان کے لغوی معنی کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور بعض میں نہیں ہوتا۔ (۲)

باب مَا جَاءَ فِي أَسْمَاءِ النَّبِيِّ ﷺ

یہ باب نبی کریم ﷺ کے ناموں کے بیان میں ہے

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ لِي أَسْمَاءً: أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا الْمَاجِي الْوَلَدِي يَمْخُو اللَّهُ بِهِ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْخَاشِعُ الَّذِي يُخْشَى النَّاسَ عَلَى قَدَمِي، وَأَنَا الْعَلِيلُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدِي نَبِيٌّ.

(۱) تكملة فتح الملهم ۲/۱۴۲ کتاب الاداب، باب استحباب تغيير الاسم القبيح، تحفة الاحوذی ۱۰۳/۸

(۲) فیض الباری ۲/۱۰۱

حضرت جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک میرے بہت سے نام ہیں، میں محمد ہوں اور میں احمد (بھی) ہوں، میں حاجی یعنی مٹانے والا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے سبب کفر کو مٹاتے ہیں، میں حاشر یعنی جمع کرنے والا ہوں کہ لوگوں کو میرے قدموں پر جمع کیا جائے گا (یعنی میں میدان حشر میں سب سے پہلے آؤں گا، اور لوگ میرے پیچھے ہوں گے) اور میں عاقب یعنی سب کے آخر میں آنے والا ہوں کہ اس کے بعد کوئی نمی نہیں ہے۔

حضور ﷺ کے چند مخصوص نام

یوں تو نبی کریم ﷺ کے اسماء مبارک بہت ہیں لیکن اس حدیث میں آپ کے صرف پانچ ایسے اسماء کا ذکر ہے، جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں، آپ سے پہلے ان سے کسی کا نام نہیں رکھا گیا اور پہلی امتوں میں آپ کے یہ نام معروف و مشہور بھی تھے، ان خصوصیتوں کی وجہ سے یہاں پر آپ کے صرف پانچ ناموں کو ہی ذکر کیا گیا ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ محمد، یہ آپ کا مشہور ترین نام ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کا مکرر ذکر ہے، اس کے معنی ہیں: وہ ذات جس کی بار بار تعریف کی جائے، یا وہ شخص جس میں تمام قابل تعریف خصلتیں جمع ہوں، آپ سے پہلے کسی شخص کا نام محمد نہیں رکھا گیا، البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے جب لوگوں کو اپنے علماء اور کاہنوں کے ذریعہ یہ پتہ چلا کہ ایک آخری نبی آنے والا ہے، جس کا نام محمد ہوگا تو کچھ لوگوں نے اپنے نومولود بچوں کا نام بھی محمد رکھنا شروع کر دیا، جن کی تعداد زیادہ سے زیادہ پندرہ تک تھی، تاہم اس سے اس نام کی خصوصیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۲۔ احمد: اس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی زیادہ تعریف کرنے والا، نبی کریم ﷺ کو قیامت کے دن مقام محمود میں کچھ ایسے کلمات القاء کئے جائیں گے کہ آپ سے پہلے ان کلمات کے ذریعہ کسی نے اللہ کی حمد و ثناء نہیں کی ہوگی، آپ تمام انبیاء میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والے ہیں، اس وجہ سے آپ کو سورۃ الحمد یعنی سورہ فاتحہ، لواء الحمد یعنی قیامت کے دن حمد و ثناء کا جہنڈ اور ”مقام محمود“ عطا کیا گیا ہے، اس نام کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بعد ایک نبی ہوگا، جس کا نام احمد ہوگا، ان تمام خصوصیات کی وجہ سے آپ کا نام ”احمد“ رکھا گیا۔

۳۔ الماحی (مٹانے والا) کہ آپ کی برکت سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائیں گے، اس کفر کے مٹانے سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں شارحین کے درج ذیل اقوال ہیں:

☆ حرمین شریفین اور پورے جزیرہ عرب سے کفر کو مٹانا مراد ہے۔

☆ اس سے دلائل کے اعتبار سے اسلام کا غلبہ اور شان و شوکت مراد ہے۔

☆ جو شخص اسلام قبول کر لے گا تو اس کی وجہ سے اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور جو آپ کی اتباع اور پیروی کرے گا تو آپ کی برکت سے اس کے گناہوں کو مٹا دیا جائے گا یعنی معاف کر دیا جائے گا۔

- ۴۔ الحاشر (جمع کرنے والا) کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب سے پہلے حضور ﷺ کو جمع کریں گے یعنی آپ کو اٹھائیں گے اور پھر دوسرے لوگ آپ کے پیچھے ہوں گے، گویا لوگوں کے حشر کا سبب حضور ﷺ کا حشر ہوگا۔
- ۵۔ العاقب: سب کے آخر میں آیا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْجَمْعِ بَيْنَ اسْمِ النَّبِيِّ ﷺ وَ كُنْيَتِهِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ کسی کے لئے نبی کریم ﷺ کا نام اور آپ کی کنیت ایک ساتھ جمع کرنا پسندیدہ ہے۔

عن أبي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى أَنْ يَجْمَعَ أَحَدٌ بَيْنَ اسْمِهِ وَ كُنْيَتِهِ وَيُسَمِّيَ مُحَمَّدًا أَبَا الْقَاسِمِ.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص آپ کے نام اور کنیت کو جمع کرے اور اپنا نام یوں رکھے ”محمد ابو القاسم“۔

عن جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذَا سَمَّيْتُمْ بِاسْمِي فَلَا تَكْتَنُوا بِي.

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میرے نام سے اپنا نام رکھو تو پھر میری کنیت سے اپنی کنیت نہ رکھو۔

عن عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: أَرَأَيْتَ إِنْ وَلِدَ لِي بَعْدُ كُ، أَسَمِّيهِ مُحَمَّدًا وَ أَكْنِيهِ بِكُنْيَتِي؟ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: فَكَأَنْتَ رُخْصَةً لِي.

حضرت علی بن ابی طالب نے عرض کیا یا رسول اللہ: مجھے بتادیجئے اگر آپ کے بعد میرے ہاں کوئی بیٹا ہو تو کیا میں اس کا نام محمد رکھ سکتا ہوں اور اس کی کنیت آپ کی کنیت سے رکھ سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں (رکھ سکتے ہیں) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ یہ میرے لئے رخصت اور اجازت تھی۔

رَوَى عَنْ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ سَمِعَ زَجَلًا فِي الشُّوقِ، يَتَنَادَى: يَا أَبَا الْقَاسِمِ، فَانْتَفَتِ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: لَمْ أَغْنِكُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي.

نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے بازار میں ایک آدمی کو سنا کہ اس نے یا ابا القاسم کہہ کر ایک دوسرے آدمی کو بلایا تو نبی کریم ﷺ اس کی طرف متوجہ ہو گئے، اس نے کہا: حضور میں نے آپ کو نہیں بلایا، حضور ﷺ نے فرمایا: میری کنیت سے اپنی کنیت نہ رکھا کرو۔

ابوالقاسم کنیت رکھنے کا حکم

آپ ﷺ کا نام اور ابوالقاسم کنیت رکھنے کا کیا حکم ہے، اس بارے میں روایات مختلف ہیں، اس لئے اس مسئلے میں علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں، جنہیں امام نووی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ امام شافعی اور اہل ظاہر کے نزدیک ”ابوالقاسم“ کنیت رکھنا مطلقاً ممنوع ہے خواہ اس کا نام محمد ہو یا احمد یا ان میں سے کوئی بھی نہ ہو، وہ اس روایت کے ظاہر سے استدلال کرتے ہیں جس میں نبی کریم ﷺ نے ابوالقاسم کنیت رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

۲۔ ابن جریر کا مذہب یہ ہے کہ ”ابوالقاسم“ کنیت رکھنا مکروہ منزهی اور خلاف ادب ہے، حرام نہیں۔

۳۔ بعض کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی اس کنیت اور نام کو ایک ساتھ جمع کرنا جائز نہیں لیکن اگر دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا جائے تو بغیر کسی کراہت کے جائز ہے، لہذا مذکورہ ممانعت اس شخص کے لئے ہے جس کا نام ”محمد“ یا ”احمد“ ہو، یہ حکم اس باب کی حدیث جابر سے ثابت ہوتا ہے۔

۴۔ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ ابوالقاسم کنیت رکھنے کی ممانعت نبی کریم ﷺ کے زمانے کے ساتھ خاص تھی، کیونکہ اس وقت التباس کا اندیشہ ہوتا تھا جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے یا ابوالقاسم کہہ کر کسی اور کو بلایا، لیکن جب حضور ﷺ نے اس کی آواز سنی تو آپ اس کی طرف متوجہ ہو گئے تو وہ کہنے لگا کہ میں آپ کو نہیں بلارہا، تب حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری کنیت سے اپنی کنیت نہ رکھا کرو،

اس سے معلوم ہوا کہ ممانعت کی وجہ ”التباس“ تھا، اور اب جب آپ دنیا سے تشریف سے گئے تو التباس کا کوئی خطرہ نہیں رہا، اس لئے یہ کنیت رکھی جاسکتی ہے، اس کی واضح دلیل اس باب میں مذکور حضرت علی کی روایت ہے جس میں انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ کی وفات کے بعد اگر میرے ہاں بچہ پیدا ہو جائے تو کیا میں اس کا نام محمد اور ابوالقاسم کنیت رکھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں رکھ سکتے ہیں۔ (۱)

جو حضرات اس کنیت رکھنے کے قائل نہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اس روایت میں یہ اضافہ ہے۔ ”وہی لک خاصۃ دون الناس“ کہ یہ اجازت صرف حضرت علی کے لئے ہے عام لوگوں کے لئے نہیں۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ سند کے اعتبار سے یہ اضافہ ثابت نہیں، اس لئے ان حضرات کا اس جملے سے کنیت نہ رکھنے پر استدلال کرنا درست نہیں۔ (۲)

(۱) تکملة فتح للملهم ۲۰۵/۴، کتاب الاداب، باب النہی عن التکنی بأبی القاسم، فتح الباری ۶۰۰/۱۰، تحفة الاحوذی ۱۰۵/۸

(۲) شرح معانی الآثار ۴۳۳/۲، کتاب الکراہۃ، باب التکنی بأبی القاسم

باب مَا جَاءَ إِنْ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةٌ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ بعض اشعار حکمت پر مشتمل ہوتے ہیں

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ: إِنْ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةٌ.

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک بعض اشعار حکمت پر مشتمل ہوتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنْ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةٌ

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ بعض اشعار میں حکمت ہوتی ہے۔

بعض اشعار حکمت پر مشتمل ہوتے ہیں

مذکورہ احادیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بعض اشعار میں وعظ و نصیحت، حکمت اور دانائی کی باتیں ہوتی ہیں، ایسے واقعات، مثالیں اور تشبیہات ہوتی ہیں کہ ان میں غور و فکر کرنے سے بسا اوقات انسان بہت کچھ عبرتیں اور سبق سیکھ لیتا ہے۔
حکما: (حارث پریش اور کاف کے سکون کے ساتھ) حکمت۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي إِنْشَادِ الشِّعْرِ

یہ باب بلند آواز سے شعر پڑھنے کے (حکم کے) بیان میں ہے

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَضَعُ لِحَسَنٍ مِنْتَوَالِي الْمَسْجِدِ، يَقُومُ عَلَيْهِ قَائِمًا، يُفَاحِزُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَوْ قَالَ: يُنَافِخُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَيَقُولُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنْ اللَّهَ يُؤَيِّدُ حَسَنًا بِرُوحِ الْقُدُسِ مَا يُفَاحِزُ أَوْ يُنَافِخُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت حسان کے لئے مسجد نبوی میں منبر رکھنے کا حکم دیتے، جس پر وہ کھڑے ہوتے اور کفار کے مقابلے میں (اپنے اشعار کے ذریعہ) رسول اللہ ﷺ کی برتری ثابت کرتے، (راوی کہتے ہیں) یا حضرت عائشہؓ نے یوں فرمایا: وہ حضور ﷺ کی طرف سے (کفار کے مخالف اشعار اور ہجو کا اپنے اشعار کے ذریعہ) دفاع کرتے، اور رسول اللہ ﷺ فرماتے: بیشک اللہ جل جلالہ حسان بن ثابت کی جبرئیل امین کے ذریعہ مدد و نصرت کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی کفار کے مقابلے میں برتری ثابت کرتے رہتے ہیں یا

یوں فرمایا کہ: جب تک وہ آپ ﷺ کی طرف سے دفاع اور مقابلہ کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ مَكَّةَ فِي غَمْرَةِ الْقَضَاءِ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ زُوَاْحَةَ بَيْنَ يَدَيْهِ يَمْشِي، وَهُوَ يَقُولُ: خَلُّوا بَيْتِي الْكَفَّارَ عَنْ سَبِيلِهِ الْيَوْمَ نَضْرِبُكُمْ عَلَى تَنْزِيلِهِ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْهَامُ عَنْ مَقِيلِهِ وَتَذْهَبُ الْخَلِيلُ عَنْ خَلِيلِهِ فَقَالَ لَهُ غَمْرٌ: يَا ابْنَ زُوَاْحَةَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَفِي حِزْمِ اللَّهِ تَقُولُ الشِّعْرَ؟ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ خَلَّ عَنْهُ يَا غَمْرُ فَلَمْ يَأْسُرْغْ لَهُمْ مِنْ نَضْحِ النَّبْلِ. وَزَوَى فِي غَيْرِ هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ مَكَّةَ فِي غَمْرَةِ الْقَضَاءِ وَكَتَفَ بَنُ مَالِكِ بْنِ يَدَيْهِ وَهَذَا أَصَحُّ مِنْهُ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ لِأَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ زُوَاْحَةَ قِيلَ يَوْمَ مَوْثِقَةٍ إِنَّمَا كَانَتْ غَمْرَةُ الْقَضَاءِ بَعْدَ ذَلِكَ.

حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عمرہ کی فضا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، تو عبد اللہ بن رواحہ رسول اللہ ﷺ کے آگے یہ اشعار پڑھتے جا رہے تھے: اے کفار کی اولاد! آپ ﷺ کا راستہ خالی کر دو، آج ان کی آمد پر ہم تمہیں مار دیں گے ایسی مار جو دماغ کو اس کی جگہ سے ہلا کر رکھ دے گی، اور دوست کو اس کے دوست سے غافل کر دے گی، حضرت عمر نے ان سے فرمایا: اے ابن رواحہ! رسول اللہ ﷺ کے سامنے اور حرم میں تم شعر پڑھ رہے ہو؟ (یہ بات سن کر) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عمر! اسے چھوڑ دو، کیونکہ یہ اشعار کافروں کے حق میں تیرے چپکنے سے کہیں زیادہ جلد اثر انداز ہوتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ عمرہ کی فضا ادا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو کعب بن مالک آپ کے آگے تھے، یہ حدیث بعض محدثین کے نزدیک زیادہ صحیح ہے، اس لئے کہ عبد اللہ بن رواحہ غزوہ موتہ کے موقع پر شہید ہو گئے تھے، اور عمرہ فضا اس کے بعد ہوا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قِيلَ لَهَا: هَلْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَمَقَّلُ بِشَيْءٍ مِنَ الشِّعْرِ؟ قَالَتْ: كَانَ يَتَمَقَّلُ بِشِعْرِ ابْنِ زُوَاْحَةَ وَيَقُولُ: وَيَأْتِيكَ بِالْأَغْبَارِ مَنْ لَمْ تَزِدْ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کبھی کوئی شعر مثال اور نمونہ کے طور پر پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ نے جواب دیا: نبی کریم ﷺ ابن رواحہ کا شعر پڑھا کرتے تھے، چنانچہ آپ فرماتے: ویاتیک بالآخبار من لم تزود (تمہارے پاس وہ لوگ خبریں لائیں گے جن کو تم نے زور اور فراہم نہیں کیا ہوگا)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَشْعَرُ كَلِمَةٍ تَكَلَّمْتُ بِهَا الْعَرَبُ: كَلِمَةُ لَيْبٍ: أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ. حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سب سے عمدہ اور اچھا شعر جو کسی عرب شاعر نے کہا ہے، وہ لبید شاعر کا یہ قول ہے: أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ (جان لو کہ اللہ کے علاوہ ہر چیز باطل یعنی فنا ہونے والی ہے)۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: جَالَسْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَكْثَرَ مِنْ جَانَةِ مَرْقَةٍ، فَكَانَ أَصْحَابُهُ يَتَنَاشَدُونَ الشِّعْرَ

وَيَتَذَكَّرُونَ أَشْيَاءَ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَهِيَ سَاكِتٌ فَرَبَّمَا تَبَسَّمْ مَعَهُمْ.

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ سو سے زیادہ بار بیٹھا، چنانچہ حضرات صحابہ ایک دوسرے کو اشعار سناتے اور زمانہ جاہلیت کی یادیں تازہ کرتے تھے، آپ ﷺ خاموش رہتے، ہاں کبھی کبھی ان کے ساتھ مسکرا دیتے۔

مشکل الفاظ کے معنی: - انشاد الشعر: بلند آواز سے شعر پڑھنا۔ یضع لحسان: حسان بن ثابت کے لئے منبر رکھنے کا حکم دیتے۔ یفاخو: اشعار کے ذریعہ کفار کے مقابلہ میں نبی کریم ﷺ کی برتری ثابت کرتے، اظہار فخر کرتے، فخر یہ اشعار کہتے۔ ینافح: اشعار کے ذریعہ آپ ﷺ کا دفاع کرتے۔ ما یفاخو و ینافح: اس میں ”ما“ مادام کے معنی ہے یعنی جب تک وہ اشعار کے ذریعہ آپ کی برتری ثابت کرتے رہتے یا آپ کا دفاع کرتے رہتے۔ خلوا: خالی چھوڑ دو۔ علی تنزیلہ: آپ ﷺ کے آنے پر۔ هام: ہامۃ کی جمع ہے، دماغ، کھوپڑی۔ عن مقبلہ: اس کی جگہ سے۔ یدھل: غافل کر دے گا۔ فلہی أسرع: یہ اشعار کہیں زیادہ جلدی اثر انداز ہوتے ہیں۔ نضح النبل: تیر کے پھینکنے سے۔ یتعمل بشئ من الشعر: آپ ﷺ مثال اور نمونہ کے طور پر کبھی شعر پیش کرتے؟ من لم تزود: وہ شخص جن کو آپ نے توشہ فراہم نہیں کیا ہوگا۔ أشعر کلمۃ: سب سے عمدہ اور اچھا شعر۔ باطل: فنا ہونے والی ہے۔ یتناشدون الشعر: صحابہ کرام ایک دوسرے کو شعر سناتے۔ یتذاکرون أشیاء من أمر الجاہلیۃ: جاہلیت کی یادیں دوبارہ تازہ کرتے۔

اشعار کہنے اور پڑھنے کا حکم

اس باب کی احادیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ ایسا شعر جو حکمت و موعظت، علم و معرفت، دین اسلام کے دفاع اور مسلمان مجاہدین کو جوش دلانے اور جانثاری پر آمادہ کرنے پر مشتمل ہو، اسے کہنا اور سننا جائز ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ مسلمان شعراء اور کافر شاعروں کے حکمت پر مشتمل اشعار کو کبھی کبھار پڑھتے تھے اور سنا بھی کرتے تھے کہ ان سے دلوں کو تازگی اور انگلوں کو جلا ملتی ہے۔ ان احادیث میں تین شعراء کا ذکر ہے حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہم۔

حضرت حسان بن ثابت رسول اللہ ﷺ کے شاعر

”حسان بن ثابت بن منذر انصاری رسول اللہ ﷺ کے شاعر تھے، انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی شاعرانہ صلاحیت نبی کریم ﷺ کی تعریف اور اسلام کے دفاع پر صرف کی۔ ابو سعید کہتے ہیں کہ حسان بن ثابت کو دیگر تمام شعراء پر تین وجہ سے فضیلت حاصل ہے، زمانہ جاہلیت میں انصار کے شاعر تھے، عہد نبوت میں نبی کریم ﷺ کے شاعر تھے اور زمانہ اسلام میں پورے یمن کے شاعر تھے۔

حدیث باب میں ہے کہ نبی کریم ﷺ بسا اوقات حضرت حسان کے لئے مسجد نبوی میں باقاعدہ منبر رکھواتے، جس پر وہ کھڑے ہو کر اشعار پڑھا کرتے تھے، یہ اشعار رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دفاع اور کفار کے مقابلے میں آپ کی برتری کو ثابت کرنے کے امور پر مشتمل ہوا کرتے تھے، اور آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک وہ ان میں مشغول رہتے ہیں اس وقت تک اللہ تعالیٰ جبرائیل امین کے ذریعہ ان کی مدد کرتے رہتے ہیں کہ ان کے ذہن میں اچھے مضامین اور خوبصورت کلام کا القاء ہوتا رہتا ہے۔ جمہور کے نزدیک ان کی ایک سو بیس سال عمر تھی، ساٹھ سال زمانہ جاہلیت میں اور ساٹھ سال ہی اسلام میں گزارے ہیں۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن رواحہ

حضرت عبداللہ بن رواحہ قبیلہ خزرج کے مشہور شاعر تھے، یہ ان صحابہ میں سے ہیں جو لیلہ عقبہ میں شریک تھے، غزوہ بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوتے رہے یہاں تک کہ غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے۔ کفار و مشرکین کی ہجو میں فی البدیہہ اشعار کہتے تھے، بارہا انہوں نے اس قسم کے اشعار کہے ہیں، حدیث میں ہے کہ عمرہ القضاء کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے آگے چل رہے تھے اور ساتھ ہی مذکورہ اشعار پڑھ رہے تھے، خلوانبی الکفار.....، حضرت عمر فاروقؓ کہنے لگے کہ اے ابن رواحہ، رسول اللہ ﷺ کے سامنے اور حرم میں تم شعر پڑھ رہے ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو، شعر کہنے دو، کیونکہ یہ اشعار کفار پر تیرے کہیں زیادہ سخت گراں گذرتے ہیں۔ (۲)

وهذا أصح عند بعض أهل الحديث لأن عبد الله بن رواحة قتل يوم موتة...

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ امام ترمذی رحمہ اللہ سے سہو ہوا ہے کیونکہ عمرہ القضاء غزوہ موتہ سے پہلے واقع ہوا ہے، اس موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہ موجود تھے، یہ ذی قعدہ ۷ھ ہجری میں پیش آیا جبکہ غزوہ موتہ کے لئے آپ ﷺ نے جمادی الاولیٰ ۸ھ میں سریہ روانہ فرمایا ہے، اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ غزوہ موتہ پہلے اور عمرہ القضاء بعد میں پیش آیا ہے، درست نہیں ہے۔ (۳)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ بسا اوقات مثال اور نمونہ کے طور پر کوئی شعر پیش فرمایا کرتے تھے، اور فرماتی ہیں کہ ابن رواحہ کے اس شعر کو پڑھتے تھے:

مَنْ يَنْبَغِي لَكَ الْإِيَّامُ مَا كُنْتُ جَاهِلًا وَيَا تَيْبُكَ بِالْأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تَزِدْ

(۱) الاصابة في تمييز الصحابة ۵۵/۲ حرف الحاء

(۲) الاصابة ۶۳/۴، حرف العين

(۳) فتح الباری ۶۳۸/۷ کتاب المغازی، باب عمرہ القضاء الکوکب الدرر ۳۲۰/۳ تحفة الاحوذی ۱۱۳/۸

عنقریب ایام تمہارے سامنے ایسی چیز کو ظاہر کر دیں گے جس سے تو جاہل تھا۔ اور تمہارے پاس وہ چیزیں خبریں لائیں گی جن کو تم نے تو شہ نہیں فراہم کیا ہوگا۔

اس میں من لم تزد سے ”ایام“ مراد ہیں کہ انسان دن اور زمانے سے بہت کچھ سبق اور تجربے سیکھتا ہے۔ یہ ذہن میں رہے کہ اس حدیث میں حضرت عائشہؓ نے جو اس شعر کی نسبت عبد اللہ بن رواحہ کی طرف کی ہے یہ مجاز ہے، ورنہ درحقیقت یہ شعر طرفہ بن عبد بکری کا ہے چنانچہ مسند احمد میں حضرت عائشہؓ نے خود تصریح فرمائی ہے کہ آپ علیہ السلام طرفہ کے اس شعر: ویاتیک بالآخبار..... کو پڑھا کرتے تھے۔ (۱)

مشہور شاعر لبید بن ربیعہ

لبید بن ربیعہ بن مالک عامری رضی اللہ عنہ عربی زبان کے مشہور شاعر ہیں، انہوں نے زمانہ اسلام اور جاہلیت دونوں کو پایا، ان کی کنیت ابو عقیل ہے، انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی، ایک سو بیس، ایک سو تیس اور ایک سو چالیس کی مختلف روایات ہیں، انہوں نے اپنی طویل عمر کی شکایت اپنے ایک مشہور شعر میں یوں کی ہے:

وَلَقَدْ سَمِعْتُ مِنَ الْحَيَاةِ وَطَوَّلِهَا وَ سَوَّالِ هَذَا النَّاسِ: كَيْفَ لَبَيْدُ

ترجمہ: خدا کی قسم میں طویل زندگی اور لوگوں کے اس سوال سے اکتا چکا ہوں کہ: لبید کی حالت کیسی ہے؟ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے شعر گوئی چھوڑ دی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانہ اسلام میں شعر کہنے سے متعلق پوچھا تو فرمانے لگے: اللہ تعالیٰ نے مجھے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران شعر کے نعم الہدٰی کے طور پر عطا کر دی ہیں، اس لئے اب مجھے شعر کہنے کی ضرورت نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے صرف ایک شعر کہا ہے اور وہ یہ ہے:

مَا عَاتَبَ الْمَرْءَ الْكَرِيمَ كَنْفُسِهِ وَالْمَرْءَ يَصْلُحُهُ الْجَلِينُ الصَّالِحُ

ترجمہ: شریف شخص کو اس کی اپنی ذات سے زیادہ کوئی ملامت نہیں کرتا اور ہر شخص کی اصلاح اس کا نیک اور اچھا دوست کرتا ہے۔ یا یہ شعر کہا:

الْحَمْدُ لِلَّهِ إِذْ لَمْ يَأْتِنِي أَجْلِي حَتَّى كَسَانِي مِنَ الْإِسْلَامِ مِزْبَالًا

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں کہ اس نے میری موت آنے سے پہلے مجھے اسلام کا لباس پہنایا۔ حدیث باب میں نبی کریم ﷺ نے ان کے شعر کے ایک مصرعہ کو اشعر کلمۃ یا اصدق کلمۃ فرمایا کیونکہ یہ کتاب اللہ کی آیت: کل من علیہا فان کے معنی پر مشتمل ہے، یہ ان کے ایک قصیدہ کا مصرعہ ہے، اس قصیدے کے چند اشعار یہ ہیں:

۱۔ اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ وَ كُلُّ نَعِيمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ
آگاہ رہو اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے، اور ہر نعمت یقیناً زائل ہونے والی ہے۔

۲۔

إِذَا الْمَرْءُ أَسْرَى لَيْلَةً ظَنَّ أَنَّهُ قَضَى عَمَلًا وَالْمَرْءُ مَا عَاشَ أَمِلٌ
جب آدمی ایک رات کا سفر طے کر لیتا ہے تو یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس نے اپنا کام نٹالیا، حالانکہ ہر شخص پوری زندگی امیدوں میں ہوتا ہے۔

۳۔

حَبَائِلُهُ مَبْثُوثَةٌ بِسَبِيلِهِ وَيُضِلُّ إِذَا مَا أَخْطَأَتْهُ الْحَبَائِلُ
اس کی امیدوں کے جال راستہ میں ہر طرف منتشر اور پھیلے ہوئے ہیں، جب اسے وہ اہداف حاصل نہ ہوں تو فنا اور ہلاکت کا شکار ہو جاتا ہے۔

۴۔

فَقُولَا لَهُ وَإِنْ كَانَ يَفْتَسِمُ أَمْرَهُ أَلَمْ يَعِظْكَ الذُّهْرُ؟ أَمْ كَ هَابِلٌ
آپ ان سے کہہ دیں اگرچہ اس نے اپنا کام تقسیم کر رکھا ہے کہ حیرانی ماں محروم ہو، کیا تو نے زمانے سے اب تک عبرت حاصل نہیں کی۔

۵۔

فَإِنْ أَنْتَ لَمْ تَصْدِقْ نَفْسَكَ فَاتَّسَبَّ لَعَلَّكَ تَهْدِيكَ الْفُزُونُ الْأَوَائِلُ
اگر تیری ذات تیری تصدیق نہ کرے تو پھر تو اپنا سبب بیان کر، شاید کہ پچھلے لوگ تجھے کوئی راستہ بتادیں۔

۶۔

وَ كُلُّ امْرِئٍ يَوْمًا سَيَعْلَمُ سَعْيَهُ إِذَا كَشَفَتْ عِنْدَ الْإِلَهِ الْمَخَاصِلُ
اور ہر شخص کی محنت عنقریب اس دن ظاہر ہو جائے گی جب اللہ کے سامنے اس کے کئے کے نتائج سامنے آئیں گے۔
لبید نے یہ قصیدہ اسلام قبول کرنے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کہا تھا۔ (۱)

دور جاہلیت کے اشعار کا تذکرہ

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں سو سے زیادہ مرتبہ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھا ہوں، اس نشست میں کبھی

(۱) الشعر والشعراء لابن قتیبہ (ص: ۱۲۴) تکملة فتح اللہم ۲۳/۲ کتاب الشعر، باب الشعر

کبھار صحابہ کرام ایک دوسرے کو اشعار سناتے اور زمانہ جاہلیت کی یادیں تازہ کرتے، کوئی کہتا کہ زمانہ جاہلیت میں میرے بت نے سب سے زیادہ نفع مجھے دیا ہے، دوسروں نے پوچھا: وہ کیسے؟ کہنے لگا کہ میں نے وہ بت ”حمیس“ (کھجور، پنیر یا ستواورنگی سے ملا کر بنایا ہوا کھانا) سے بنایا تھا، پھر جب قحط کا زمانہ آیا تو اسے روزانہ تھوڑا تھوڑا کر کے کھاتا رہا، ایک اور شخص نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ دولومڑ میرے بت کے اوپر چڑھ کر پیشاب کر رہے ہیں، میں نے دل میں کہا کہ یہ کیسا خدا ہے کہ جس پر دولومڑ پیشاب کر رہے ہیں، وہیں سے مجھے اس بت سے نفرت ہو گئی اور میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کر لیا۔

یہ سارا کچھ نبی کریم ﷺ بھی سن رہے ہوتے اور کبھی کبھار صحابہ کو دیکھ کر مسکرا دیتے، اس سے یہ حکم معلوم ہوا کہ کبھی انسان پرانی باتیں بطور عبرت کے ذکر کرے تو اس کی گنجائش ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مجلس میں اگر امیر کے سامنے لوگ اپنی گزشتہ باتیں کرنے لگیں تو امیر ان کے ساتھ وہ باتیں سن سکتا ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ لِأَنْ يَمْتَلِيَّ جَوْفُ أَحَدِكُمْ قَيْحًا خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَمْتَلِيَّ شِعْرًا

یہ باب اس بیان میں ہے کہ تم میں سے کسی کا اپنے پیٹ کو پیپ سے بھر لینا اس کے لئے بہتر ہے نسبت اس کے کہ وہ اسے شعروں سے بھرے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَأَنْ يَمْتَلِيَّ جَوْفُ أَحَدِكُمْ قَيْحًا خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمْتَلِيَّ شِعْرًا

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کسی کا اپنے پیٹ کو پیپ سے بھر لینا اس کے لئے بہتر ہے نسبت اس کے کہ وہ اسے شعروں سے بھرے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَأَنْ يَمْتَلِيَّ جَوْفُ أَحَدِكُمْ قَيْحًا خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَمْتَلِيَّ شِعْرًا.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کسی کا اپنے پیٹ کو ایسی پیپ سے بھر لینا کہ جو اس کے پیٹ کو خراب کر دے، یہ اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ اسے شعروں سے بھر لے۔

مشکل الفاظ کے معنی:- قیح: پیپ۔ جوف: پیٹ۔ أن يمتلي: کہ وہ بھر لے۔ یوہ: (یا پرز برا و راء کے نیچے زیر) وہ پیپ جو اس کے پیٹ کو خراب کر دے، یہ وری سے مشتق ہے، اور ”وری“ اس بیماری کو کہتے ہیں جو پیٹ کو خراب کر دے، بعض نے کہا: وہ بیماری جو پھپھڑے تک پہنچ جائے اور اسے خراب اور زخمی کر دے اور ”یوہ“ میں ”ہ“ ہمنیر ”جوف“ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

ہر وقت شعر و شاعری میں مصروف رہنے اور برے اشعار کی مذمت

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے برے اشعار کی مذمت یوں ارشاد فرمائی کہ اگر کسی کے پیٹ میں ایسی پیپ پیدا ہو

جائے، جو اس کے پیٹ کو خراب کر دے یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ برے اشعار سے لبریز ہو، کیونکہ پیپ کا فساد صرف دنیا کی زندگی تک محدود ہے، جبکہ برے اشعار اس کی دینی زندگی کو تباہ کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کی آخرت خراب ہو جائے گی، اس لئے برے اشعار کی زیادہ مذمت کی گئی ہے۔

جوف احد کم میں دو احتمال ہیں:

- ۱۔ اس سے پیٹ مراد ہے۔
- ۲۔ بعض کے نزدیک اس سے ”دل“ مراد ہے کہ اس تک جب پیپ کے اثرات پہنچتے ہیں تو انسان کی ہلاکت اور موت آ جاتی ہے۔

خیر له من ان یعتلی شعرا

اس ”شعر“ سے کس قسم کے اشعار مراد ہیں؟ اس کے بارے میں شارحین حدیث کے تین قول ہیں:

- ۱۔ بعض کے نزدیک اس سے ان اشعار کی مذمت بیان کی گئی ہے جو نبی کریم ﷺ کی جھوٹ اور مذمت پر مشتمل ہوں، العیاذ باللہ۔
- ۲۔ اس حدیث کے ذریعہ ایسی شاعری کی مذمت بیان کی گئی ہے، جو انسان کو فرائض و واجبات کی ادائیگی سے غافل کر دے، شاعری کا مشغلہ اس کے اوپر ایسا غالب ہو جائے کہ اسے تلاوت قرآن، علم دین اور ذکر الہی سے روک دے، اس استغراق کی وجہ سے جو وہ شعر کہے گا وہ مذموم ہے خواہ وہ شعر کتنے ہی اچھے معنی اور مضمون پر مشتمل ہو۔
- ۳۔ یہاں ان اشعار کی مذمت بیان کرنا مقصود ہے جو فحش و بے حیائی، کفر و فسق، کسی معین عورت کی مدح و ثناء، جھوٹ اور کسی کی تعریف میں مبالغہ آرائی کے مضمون پر مشتمل ہوں، اس قسم کے شعر کہنا، انہیں سننا اور سنانا جائز نہیں۔

لیکن اگر شعر کہنے میں شرعی حدود کی رعایت کی گئی ہو یعنی بہت زیادہ اس کا مشغلہ نہ رکھا جائے، اس میں کسی کی جھوٹ اور برائی نہ ہو، کسی کی تعریف میں مبالغہ آرائی نہ ہو، اس میں جھوٹ اور خلاف شرع تشبیہات نہ ہوں، کسی معین عورت کا ذکر نہ ہو، شعر میں ان امور کی رعایت رکھی گئی ہو تو وہ بغیر کسی کراہت کے جائز ہے، بلکہ ابن عبدالبر نے اس کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔ لہذا اگر شعر کے اندر اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کی تعظیم کا ذکر ہو، اللہ کی قدرت و وحدانیت، اس کی طاعت اور دنیا کی حقارت بیان کی گئی ہو، یا وہ مجاہدین کو حوصلہ اور ہمت دلانے کے مفہوم پر مشتمل ہو تو ایسا شعر شرعاً قابل تعریف ہے، اسے کہنا، سننا اور دوسروں کے سامنے اسے پڑھنا جائز ہے۔

اس پر دلیل صحیح مسلم کی روایت ہے کہ جس میں حضرت شریذ بن سوید ثقفیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن نبی کریم ﷺ کے پیچھے سوار تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں امیہ بن ابی صلت کے کچھ اشعار یاد ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: سنائے، میں نے ایک شعر سنایا، آپ نے فرمایا: اور سنائے، میں نے دوسرا شعر سنایا، اس طرح میں نے سو شعر آپ ﷺ کو سنا ڈالے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي الْفَصَاحَةِ وَالْبَيَانِ

یہ باب فصاحت اور بیان سے متعلق ہے

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ يُفَضُّ الْبَلِيغَ مِنَ الرِّجَالِ، الَّذِي يَتَخَلَّلُ بِلِسَانِهِ، كَمَا تَتَخَلَّلُ الْبَقْرَةُ. حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں میں سے اس شخص کو انتہائی ناپسند کرتے ہیں جو کلام میں حد سے زیادہ فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ کرے اور جو اپنی زبان سے اس طرح لپیٹ لپیٹ کر باتیں کرے (یعنی منہ پھاڑ پھاڑ کر باتیں کرے) جس طرح گائے اپنے چارے کو لپیٹ لپیٹ کر جلدی جلدی اپنی زبان کے ذریعہ کھاتی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ یہ غرض: منغوض اور ناپسند کرتا ہے۔ یہ متخلل بلسانہ: اپنی زبان کو لپیٹ لپیٹ کر باتیں کرتا ہے، یعنی منہ پھاڑ پھاڑ کر باتیں کرتا ہے۔ البلیغ: اپنے کلام و بیان میں زیادہ فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ کرنے والا۔ یہ متخلل البقرة: جس طرح گائے اپنی زبان سے لپیٹ لپیٹ کر جلدی جلدی اپنے چارے کو کھاتی ہے۔

زبان درازی ایک ناپسندیدہ عمل

اپنی بات دوسروں کے سامنے اچھے انداز سے پیش کرنا تاکہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے، یہ شرعاً مطلوب اور پسندیدہ ہے، بلاوجہ ضرورت سے زیادہ فصاحت و بلاغت کا استعمال اور خوب مبالغہ آرائی کرنا یہ درست نہیں ہے، یہ طرز عمل عموماً نام و نمود، ریاکاری اور اپنی بڑائی جتانے کے لئے ہوتا ہے، اپنی زبان کو پھاڑ پھاڑ کر تکلف اور تصنع کے ساتھ بڑی زبان درازی کے ساتھ گفتگو کی جاتی ہے جیسے گائے اپنی زبان کو لپیٹ کر اپنا چارہ جلدی سے کھاتی ہے، ایسے شکم کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتے ہیں۔

حدیث میں تشبیہ کے طور پر صرف گائے کا ذکر کیا، کیونکہ دوسرے جانور اپنے دانتوں کے ذریعہ کھاتے ہیں، جبکہ گائے اپنی زبان کو لپیٹ کر چارہ کھاتی ہے، اس تشبیہ سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جس طرح گائے اپنے چارے میں اچھے اور برے میں کوئی فرق نہیں کرتی بلکہ جو کچھ اس کے سامنے ہو، اسے وہ جلدی سے کھا لیتی ہے، اسی طرح زبان دراز شخص اپنے مخصوص مقصود کو حاصل کرنے کے لئے ہر انداز اور ہر قسم کی خوشامد پر مبنی کلام کرتا ہے، تاکہ وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو جائے اور تجربہ یہ ہے کہ ایسا بندہ زبان کی بہت سی بے اعتدالیوں میں مبتلی ہو جاتا ہے، اس لئے اپنی بات دوسروں سے اچھے انداز سے ضرور کی جائے، اور بغیر کسی تکلف کے اگر اس میں فصاحت و بلاغت کا استعمال ہو جائے تو یہ بھی مذموم نہیں، اور نہ ہی اس وعید میں داخل ہے، لیکن اپنی تحریر و بیان اور کلام میں ضرورت سے زیادہ فصاحت و بلاغت سے گریز کیا جائے کہ یہ ناپسندیدہ ہے۔ (۱)

باب

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: خَمَرُوا الْآيَةَ وَأَوْكُوا الْأَشْيَةَ وَأَجِفُوا الْأَبْوَابَ وَأَطْفُوا الْمَصَابِيحَ فَإِنَّ الْفَوَاسِقَ تَمَاجِزُ الْقَبِيلَةَ فَأَخْرَقَتْ أَهْلَ الْبَيْتِ.

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: برتنوں کو ڈھانپ دو، مشکیزوں کے منہ باندھ دو، دروازے بند کر لو اور چراغ بجھا دو، کیونکہ اکثر چوبہائی کو کھینچ کر (ادھر ادھر) لے جاتا ہے، پھر وہ پورے اہل خانہ کو جلادیتی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:- خمر و اہتم ڈھانپ دو، ان کے اوپر ڈھکن رکھ دو۔ ائیۃ: اہتمام کی جمع ہے: برتن۔ اوکوا اہتم باندھ دو، بند کر دو۔ امشیۃ: سقاء کی جمع ہے: مشکیزے۔ اجیفوا اہتم بند کر دو۔ فواسق: فاسقہ کی تصغیر ہے، چوہا، اور فسق کے معنی ہوتے ہیں ”حد سے تجاوز کرنا“ چوہا بھی چونکہ اپنے بل سے نکل کر لوگوں کی طرف آ جاتا ہے اور پھر انہیں مختلف طریقوں سے نقصان پہونچاتا ہے، اس لئے اسے بھی فوسقہ کہتے ہیں۔ جزت: کھینچ کر لے جاتا ہے۔ فیلہ: بقی۔ احرقت: وہ بقی جلادیتی ہے۔

رہن سہن سے متعلق چند آداب

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے رہن سہن سے متعلق چند امور اور آداب ذکر فرمائے ہیں:

- ۱۔ برتنوں کو ڈھانپ کر رکھا کریں، انہیں ڈھانپے بغیر رکھنا درست نہیں۔ کیونکہ ایسے برتن میں بہت سی بلائیں اور بیماریاں اتر آتی ہیں۔
- ۲۔ مشکیزے، گھڑے اور پانی کی بوتلوں کے ڈھکن بند کر کے رکھا کریں کہ اس طرح کرنے سے موذی کیڑوں کے شر سے انسان محفوظ رہتا ہے، کیونکہ اگر یہ برتن ننگے ہوئے تو ان میں کوئی کیڑا جاسکتا ہے اور انسان لاعلمی میں اس پانی کو بسا اوقات پی جاتا ہے، وہ دیکھتا نہیں کہ اس کے اندر کیا کچھ ہے، اس لئے برتنوں کو ڈھانپ کر رکھنے کا معمول بنانا چاہیے۔
- ۳۔ اپنے گھر اور آفس کے دروازے رات کے وقت اہتمام سے بند کر لئے جائیں۔
- ۴۔ رات سوتے وقت اپنے چراغ کو بجھا دیا کریں، کیونکہ بسا اوقات چوہا اس بقی کو کھینچ کر ادھر ادھر لے جاتا ہے، جس سے دوسری چیزوں کو آگ لگ جاتی ہے، ہوتے ہوتے پورا گھر جل جاتا ہے، یہی حکم بجلی کی لائنوں کا ہے کہ رات کے وقت، انہیں بند کر دیا جائے البتہ ایک یا دو لائٹیں اگر ضرورت ہوں تو انہیں جلانے میں کوئی حرج نہیں۔ (۱)

باب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِذَا سَأَلْتُمْ فِي الْخَصْبِ فَأَغْطُوا الْإِبِلَ حَظَّهَا مِنَ الْأَرْضِ، وَإِذَا سَأَلْتُمْ فِي السَّنَةِ فَبَاذُوا بِهَا نَفْسَهَا وَإِذَا عَزَمْتُمْ فَاجْتَنِبُوا الطَّرِيقَ لِأَنَّهَا طُرُقُ الدَّوَابِّ وَمَأْوَى الْهَوَامِّ بِاللَّيْلِ.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم سبزے کی کثرت اور چارے کے زمانے میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین سے ان کا حصہ دو، اور خشک سالی کے دنوں میں سفر کرو تو ان کی قوت باقی رہنے تک جلدی سفر مکمل کرنے کی کوشش کرو اور جب رات کے آخری حصے میں آرام کے لئے اترو تو راستے پر آرام کرنے سے پرہیز کرو، اس لئے کہ رات کے وقت یہ جانوروں کے راستے اور زہر پلے کیڑے مکوڑوں کا ٹھکانہ ہوتے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:- خصب: (خاء کے نیچے زیر اور صاد کے سکون کے ساتھ) سبزے اور چارے کی کثرت و فراوانی۔ حظها: ان کا حصہ۔ سنة: (سین پر زبر کے ساتھ) خشک سالی، قحط۔ نفیها: (نون کے نیچے زیر اور قاف کے سکون کے ساتھ) ان کا گودا یعنی طاقت باقی ہو۔ عزمتم: تم رات کے آخری حصے میں آرام کے لئے اترو، پڑاؤ ڈالو۔ باذروا بہا بجم اس سواری کے ذریعہ سفر مکمل کرنے کی جلدی جلدی کوشش کرو۔ طریقی: (طا اور را پر پیش کے ساتھ) طریق کی جمع ہے: راستے۔ ماوی: ٹھکانہ۔ هوام: (ہیم پر تشدید کے ساتھ) ہامۃ کی جمع ہے: زہر پلے جانور۔

سفر سے متعلق چند آداب

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے سفر سے متعلق تین آداب ذکر فرمائے ہیں:

- ۱۔ سبزے اور چارے کی کثرت اور فراوانی ہو تو دوران سفر سواری کے جانور کو وقفہ وقفہ سے چارہ کھانے کا موقع دیا جائے کہ اس سے اس میں مزید قوت اور ہوشیاری پیدا ہوگی۔
- ۲۔ جب خدا نخواستہ خشک سالی اور قحط کا زمانہ ہو، راستے میں چارہ وغیرہ کوئی خاص نہ ہو تو پھر جلدی سے اس کے ذریعہ اپنا سفر پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جب تک کہ اس کی ہڈیوں میں گودا اور طاقت ہو، ایسے میں سفر میں تاخیر کی وجہ سے اس کی ہمت جواب دے گئی تو پھر سفر کی تکمیل مشکل ہو سکتی ہے۔

آجکل عموماً گاڑیوں کے ذریعہ سفر ہوتا ہے تو اس میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ اس میں پانی، پٹرول، ڈیزل، سی این جی اور جو چیزیں گاڑی سے متعلق ضروری ہوں، ان تمام امور کا ہر وقت خیال رکھا جائے تاکہ بعد میں دشواری پیش نہ آئے۔

۳۔ رات کے آخری حصے میں اگر مکمل فضا میں کسی جگہ آرام کے لئے ٹھہریں تو ایسی جگہ کا انتخاب کیا جائے کہ جس سے صبح طریقے سے آرام ہو سکے اور زہر پلے جانوروں سے بھی بچا جاسکے، اس کے لئے راستے اور گزرگاہ کا انتخاب نہ کیا جائے کہ ان جگہوں

میں عموماً رات کے وقت حشرات الارض آجاتے ہیں، جو کسی انسان کو تکلیف پہونچا سکتے ہیں۔ ایسے ہی اگر کسی ہوٹل اور سرائے میں قیام کرنا چاہیں تو یہ دیکھ لیں کہ کوئی ہوٹل آرام کے لحاظ سے بہتر ہے، اس کے اخراجات بھی قابل برداشت ہوں اور شرعی لحاظ سے اس میں ٹھہرنے میں کوئی قباحت بھی نہ ہو، جب ان تمام امور کے لحاظ سے تسلی ہو جائے تو پھر اس ہوٹل وغیرہ میں قیام کیا جاسکتا ہے۔ (۱)

باب

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَتَأَمَّ الزَّجَلُ عَلَى سَطْحٍ، لَيْسَ بِمَخْجُورٍ عَلَيْهِ. حضرت جابر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کے گرد ایسی دیوار (یا جنگل) نہ ہو جو گرنے سے مانع ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَتَخَوَّنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْأَيَّامِ مَعَ الْغَلَّةِ الشَّامَةِ عَلَيْنَا. حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دن کے اوقات میں مناسب موقع تلاش کر کے وعظ و نصیحت کے ذریعہ ہماری دیکھ بھال اور ذہنی تربیت کیا کرتے تھے (اور ہر وقت وعظ و نصیحت نہیں کرتے تھے) ہم پر اکٹھا ہٹ کے اندیشہ سے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- سطح: چھت۔ لیس بمخجور علیہ: جس کے آس پاس کوئی دیوار، جنگل اور رکاوٹ نہ بنائی گئی ہو کہ جس سے انسان گرنے سے بچ سکے۔ يتخو لنا بالموعظة: مناسب موقع تلاش کر کے وعظ و نصیحت کے ذریعہ آپ علیہ السلام ہماری دیکھ بھال اور ذہنی تربیت کیا کرتے تھے۔ معاملة السامة: اکٹھا ہٹ کے خوف اور اندیشہ سے۔

کس قسم کی چھت پر آرام کیا جائے

باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس چھت پر سونے سے منع فرمایا کہ جس کے اطراف میں کوئی دیوار، جنگل اور رکاوٹ نہ ہو کہ اس سے انسان گر سکتا ہے، یہی حکم ہر اس جگہ اور چار پائی پر سونے کا ہے کہ جہاں سے انسان نیند کی حالت میں غفلت کی وجہ سے گر سکتا ہو، لہذا ایسی جگہ پر نہیں سونا چاہیے۔ (۲)

(۱) تحفة الاحوذی ۱۵۱/۸

(۲) تحفة الاحوذی ۱۵۳/۸

وعظ و نصیحت میں میانہ روی کا حکم

باب کی دوسری حدیث سے وعظ و نصیحت میں میانہ روی اور اعتدال کا حکم ثابت ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کو سمجھانے اور وعظ و نصیحت کرنے کے لئے مناسب موقع تلاش کیا کرتے تھے کہ جس میں ان میں نشاط، توجہ اور اہتمام ہوتا، ہر وقت وعظ نہ فرماتے تھے کہ اس سے انسانی طبیعت میں اکتاہٹ اور بے وقعتی پیدا ہو جاتی ہے، جس سے اس نشست کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے علماء کرام نے لکھا ہے کہ جو شخص وعظ و نصیحت کرتا ہو، اس کو بھی اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے، کبھی کبھار مناسب موقع دیکھ کر وعظ کرے، ہر وقت نہ کرے کہ اس طرح اس بات کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے، اور لوگ اس سے اکتانے لگتے ہیں، یوں اس بات کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ یہ حکم صرف وعظ و نصیحت سے متعلق ہے، تعلیم و تعلم یعنی پڑھانے اور پڑھنے کے بارے میں نہیں ہے، چنانچہ جو شخص اپنے تمام کام چھوڑ کر پڑھنے کے لئے آیا ہو، اسے روزانہ ترتیب کے مطابق اپنے کام میں مصروف رہنا چاہیے، یہ اس حدیث کے منافی نہیں، اس کی دلیل اصحاب صفہ کا طریقہ کار ہے کہ ان صحابہ کرام نے اپنے آپ کو تعلیم کے لئے ہر فکر سے ماوراء ہو کر وقف کر دیا تھا، ان کے شب و روز تعلیم میں صرف ہوتے تھے، نبی کریم ﷺ روزانہ علم کی باتیں ان کے سامنے ارشاد فرماتے اور وہ خود بھی نبی کریم ﷺ کے طرز عمل کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ روزانہ تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنا سنت سے ثابت ہے، البتہ وعظ و نصیحت میں میانہ روی اور اعتدال کو اختیار کرنا چاہیے کہ یہی مسنون طریقہ ہے، نیز اس سے اس بات کی اہمیت میں مزید اضافہ بھی ہو جاتا ہے۔ (۱)

باب

عَنْ أَبِي صَالِحٍ قَالَ، سَمِعْتُ عَائِشَةَ وَأُمَّ سَلَمَةَ: أَمَيَّ الْعَمَلِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ؟ قَالَتَا: مَا دِيمَ عَلَيْهِ وَإِنْ قَلَّ.

حضرت ابو صالح فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ سے پوچھا گیا کہ نبی کریم ﷺ کے نزدیک کونسا عمل سب سے زیادہ محبوب تھا؟ ان دونوں نے جواب دیا: وہ عمل جس پر دوام اختیار کیا جائے، اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔

پسندیدہ عمل کونسا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیکی کا کوئی بھی کام، جس پر مداومت اور پابندی کے ساتھ عمل کیا جائے، وہ نبی کریم ﷺ

کے نزدیک سب سے افضل ہے، نسبت اس کے کہ انسان زیادہ عمل کرے لیکن اس میں دوام نہ ہو، لہذا نیکی کے اعمال پر اعتدال، استقامت اور دوام کے ساتھ عمل پیرا ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (۱)



ابواب الامثال من رسول الله ﷺ

رسول اللہ ﷺ سے مثالوں سے متعلق منقول احادیث پر مشتمل ابواب

بَاب مَا جَاءَ فِي مَثَلِ اللَّهِ لِعِبَادِهِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے مثال کا ذکر ہے
عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ الْكَلَابِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ اللَّهَ صَوَّبَ مَثَلًا صِرَاطًا، مُسْتَقِيمًا عَلَى كُنْفَيِ
الصِّرَاطِ زُرَّانٍ، لِهَمَّا أَبْوَابُ مَفْتَحَةٍ عَلَى الْأَبْوَابِ مَنُورٌ، وَدَاعٌ يَدْعُو عَلَى رَأْسِ الصِّرَاطِ وَدَاعٌ يَدْعُو
فَوْقَهُ (وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ) وَالْأَبْوَابُ أَلْيَى عَلَى كُنْفَيِ
الصِّرَاطِ خُذُوا اللَّهُ، فَلَا يَقَعُ أَحَدُكُمْ فِي خُذُودِ اللَّهِ حَتَّى يُكْشَفَ السِّتْرُ، وَالَّذِي يَدْعُو مِنْ فَوْقِهِوَ اعْظُمُ بِهِ.
حضرت نواس بن سمعان کلابی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال اس
طرح دی ہے کہ وہ ایسی راہ ہے جس کے دونوں جانب دیواریں ہیں، ان کے بہت دروازے ہیں جو کھلے ہوئے
ہیں، اور ان پر پردے لگے ہوئے ہیں، اور ایک بلانے والا راستہ کے کنارے پہ کھڑے ہو کر اور دوسرا راستہ کے
اوپر کھڑے ہو کر بلا رہا ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ..... (اللہ تعالیٰ جنت کی طرف بلاتے
ہیں اور جسے چاہتے ہیں، اسے سیدھی راہ پر چلا دیتے ہیں) اور وہ دروازے جو راستے کے دونوں جانب ہیں یہ اللہ
تعالیٰ کی حدود ہیں (یعنی وہ چیزیں جو انسان پر حرام ہیں) ان میں کوئی آدمی محتلی نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ پردے
کو ہٹا دیا جائے (یعنی صغیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کر لے) اور اس راستہ کے اوپر پکارنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف
سے نصیحت کرنے والا ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمًا، فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ
جِبْرِيلَ عِنْدَ رَأْسِي وَمِيكَائِيلَ عِنْدَ رِجْلِي، يَقُولُ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: اضْرِبْ لَهُ مَثَلًا. فَقَالَ: اسْمَعْ، سَمِعْتُ
أَذُنَكَ وَاعْقُلَ، عَقَلَ قَلْبُكَ، إِنَّمَا مَثَلُكَ وَمَثَلُ أَتَيْكَ كَمَثَلِ مَلِكٍ اتَّخَذَ دَارَ الْمَنِيِّ فِيهَا بَيْتًا ثُمَّ جَعَلَ
فِيهَا مَائِدَةً ثُمَّ بَعَثَ رَسُولًا يَدْعُو النَّاسَ إِلَى طَعَامِهِ، فَمِنْهُمْ مَنْ أَجَابَ الرَّسُولَ، وَمِنْهُمْ مَنْ تَوَكَّاهُ، فَاللَّهُ هُوَ
الْمَلِكُ وَالْدَارُ الْإِسْلَامُ، وَالْبَيْتُ الْجَنَّةُ، وَأَنْتَ يَا مُحَمَّدُ رَسُولُ، فَمَنْ أَجَابَكَ دَخَلَ الْإِسْلَامَ، وَمَنْ
دَخَلَ الْإِسْلَامَ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ دَخَلَ الْجَنَّةَ أَكَلَ مَا فِيهَا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہماری طرف تشریف لائے، اور فرمایا: میں
نے خواب میں دیکھا کہ جبرئیل امین میری سروالی جانب اور میکائیل میری پاؤں والی جانب کھڑے ہیں، اور ان

میں سے ایک اپنے ساتھی سے کہہ رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لئے مثال بیان کرو، تو دوسرے نے کہا: (اے نبی) بیٹے، آپ کے کان ہمیشہ سنتے رہیں، اور سمجھئے، آپ کا دل ہمیشہ سمجھتا ہی رہے، بے شک آپ کی اور آپ کی امت کی مثال اس بادشاہ کی طرح ہے، جس نے ایک بڑا گھر بنایا پھر اس میں ایک چھوٹا گھر بنایا اور پھر اس میں (دعوت کے لئے) ایک دسترخوان لگوا دیا، پھر ایک نمائندے کو بھیجا جو لوگوں کو کھانے پر بلائے، (اس نے سب کو بلایا) چنانچہ ان میں سے بعض نے اس کی دعوت کو قبول کیا جب کہ بعض نے قبول نہیں کیا، اس میں ”بادشاہ“ سے اللہ جل جلالہ، بڑے گھر سے ”اسلام“ چھوٹے گھر سے ”جنت“ اور اے محمد ”رسول“ سے آپ ہی مراد ہیں، لہذا جس نے آپ کی دعوت کو قبول کیا تو وہ اسلام میں داخل ہو گیا، اور جو اسلام میں داخل ہو گیا تو وہ جنت میں داخل ہو گیا، اور جو جنت میں داخل ہو گیا تو اس نے اس میں موجود تمام چیزیں کھالیں۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْعِشَاءَ، ثُمَّ انْصَرَفَ فَأَخَذَ بِيَدِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ حَتَّى خَرَجَ بِهِ إِلَى بَطْحَاءٍ مَكَّةَ فَأَجْلَسَهُ ثُمَّ خَطَّ عَلَيْهِ خَطًّا ثُمَّ قَالَ: لَا تَبْرَحَنَّ خَطُّكَ فَإِنَّهُ سَيَنْتَهِي إِلَيْكَ رِجَالٌ فَلَا تُكَلِّمُهُمْ فَإِنَّهُمْ لَا يَكْلِمُونَكَ. قَالَ: ثُمَّ مَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَيْثُ أَرَادَ فَبَيْنَا أَنَا جَالِسٌ فِي خُطْبَى، إِذْ أَتَانِي رِجَالٌ كَأَنَّهُمْ الزُّطُ، أَفْعَارُهُمْ وَأَجْسَامُهُمْ لَا أَرَى عِزَّةً وَلَا أَرَى قِسْرًا وَنَتَهَوْنَ إِلَيَّ لَا يَجَاوِزُونَ الْخُطَّ ثُمَّ يَصْدُرُونَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حَتَّى إِذَا كَانَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ لَكُنَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَدْ جَاعَلَنِي وَأَنَا جَالِسٌ فَقَالَ لَقَدْ أَرَانِي مِنْذُ اللَّيْلَةِ، ثُمَّ دَخَلَ عَلَيَّ فِي خُطْبَى فَتَوَسَّدَ لِحَدِي فَرَقَدْتُ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا رَقَدَ تَفَحَّحَ

فَبَيْنَا أَنَا قَاعِدٌ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ مُتَوَسِّدٌ لِحَدِي إِذَا آتَا بِرِجَالٍ، عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ بَيْضٌ، اللَّهُ أَعْلَمُ مَا بِهِمْ مِنْ الْجَمَالِ، فَاتَّهَزُوا إِلَيَّ فَجَلَسَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ عِنْدَ رَأْسِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَطَائِفَةٌ مِنْهُمْ عِنْدَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ قَالُوا ابْنَتَيْنِ: مَا زَأَيْنَا عَبْدًا أَطْأُوْنِي مِثْلَ مَا أُوْنِي هَذَا النَّبِيُّ: إِنَّ عَيْنَيْهِ تَنَامَانِ، وَقَلْبُهُ يَقْطُنُ، أَصْرِيوَالَهُ مَغْلًا، مِثْلَ سَيْدٍ، بَنَى قَصْرًا ثُمَّ جَعَلَ مَأْدِبَةً فَدَعَا النَّاسَ إِلَى طَعَامِهِ وَشَرَابِهِ فَمَنْ أَجَاهَهُ أَكَلَ مِنْ طَعَامِهِ وَشَرِبَ مِنْ شَرَابِهِ وَمَنْ لَمْ يَجِبْهُ عَاقِبَهُ أَوْ قَالَ: عَذَّبَهُ، ثُمَّ ارْتَفَعُوا، وَاسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عِنْدَ ذَلِكَ فَقَالَ: سَجَعْتُ مَا قَالَ هُوَ لَاءُ؟ وَهَلْ تَلَدَرِي مَنْ هُوَ لَاءُ؟ فُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: هُمُ الْمَلَائِكَةُ أَتَقْدِرِي مَا الْمِثْلُ الَّذِي حَضَرُوهُ؟ فُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: الْمِثْلُ الَّذِي حَضَرُوهُ، الرَّحْمَنُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى، بَنَى الْجَنَّةَ، وَدَعَا إِلَيْهَا عِبَادَهُ، فَمَنْ أَجَاهَهُ، دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ لَمْ يَجِبْهُ عَاقِبَهُ أَوْ عَذَّبَهُ.

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی جماعت کرائی پھر آپ الگ ہوئے تو عبداللہ بن مسعودؓ کا ہاتھ پکڑا، یہاں تک کہ آپ انہیں مکہ کے بطحاء کی طرف لے گئے، پھر وہاں انہیں بٹھا دیا اور ان کے گرد ایک خط کھینچا (یعنی انہیں حصار میں بٹھایا) اور ان سے فرمایا: اپنے اس خط یعنی حصار سے ہرگز نہ نکلنا،

اس دوران تمہارے پاس کچھ لوگ آئیں گے لیکن تم نے ان سے بات نہیں کرنی، وہ بھی تم سے بات نہیں کریں گے،

راوی کہتے ہیں پھر نبی کریم ﷺ نے جہاں جانے کا ارادہ کیا تھا وہاں تشریف لے گئے، اس دوران کہ میں اس خط یعنی حصار کے اندر بیٹھا ہوا تھا کہ میرے پاس کچھ لوگ آئے گویا کہ وہ اپنے بال اور جسم کے لحاظ سے جٹ ہیں، نہ تو میں انہیں برہنہ دیکھتا اور نہ کپڑوں میں ملبوس، وہ میری طرف آتے لیکن اس خط سے تجاوز نہ کر سکتے، پھر وہ نبی کریم ﷺ کی طرف چلے جاتے، یہاں تک کہ جب رات کا آخری حصہ ہو گیا (تو پھر وہ نہ آئے) لیکن رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے، میں بیٹھا ہوا تھا، اور فرمایا: میں پوری رات نہیں سو سکا پھر آپ میرے پاس خط میں داخل ہو گئے اور میری ران کو نکلیے بنایا اور سو گئے، اور رسول اللہ ﷺ جب سوئے تو خراٹے لیتے تھے،

میں اسی حال میں بیٹھا تھا اور رسول اللہ ﷺ میری ران کو نکلیے بنا کر سو رہے تھے کہ اچانک میں (دیکھتا ہوں کہ میں) کچھ لوگوں کے پاس ہوں جن پر سفید لباس ہے، (وہ انتہائی خوبصورت تھے) ان کے حسن و جمال کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، وہ سب میرے پاس پہنچ گئے، پھر ان کی ایک جماعت نبی کریم ﷺ کی سردالی جانب اور دوسری جماعت پاؤں والی جانب بیٹھ گئی، پھر وہ آپس میں کہنے لگے: ہم نے کبھی بھی ایسا بندہ نہیں دیکھا جسے وہ سب کچھ دیا گیا ہو، جو اس نبی کو عطا کیا گیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان کی آنکھیں بظاہر سوتی ہیں (لیکن) ان کا دل جاگتا ہے، اس کے لئے اس سردار کی مثال بیان کرو جس نے ایک محل تعمیر کرایا، پھر دسترخوان لگوا دیا، اور لوگوں کو کھانے پینے کے لئے بلایا جس نے اس کی دعوت کو قبول کیا تو اس نے کھانے کی چیز کو کھایا اور پینے کی چیز کو پیا، اور جس نے قبول نہیں کیا تو اس نے اسے سزا دی یا فرمایا: اسے عذاب دیا، پھر وہ لوگ اٹھ گئے اور نبی کریم ﷺ جاگ گئے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم نے سنا ہے کہ ان لوگوں نے کیا کہا ہے؟ اور تمہیں پتہ ہے کہ یہ کون لوگ تھے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: یہ فرشتے تھے، اس مثال کو تم سمجھتے ہو، جو انہوں نے بیان کی؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے جو مثال بیان کی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ رحمن نے جنت بنائی اور اس کی طرف اپنے بندوں کو بلایا، تو جس نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا تو وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جس نے اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو اس نے کھانے کی چیز کو کھایا، اور پینے کی چیز کو پیا، اور جس نے قبول نہیں کیا تو اس نے اس کو سزا دی یا فرمایا: اس نے اسے عذاب دیا۔

مشکل الفاظ کے معنی :- امثال: مثل (میم اور ثاء پر زبر کے ساتھ): ایک چیز کو حکم کے اعتبار سے دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دینا۔ کنفی الصراط: راستہ کی دونوں جانب۔ زودان: زور کا ثنیہ ہے: دود یواریں، اور ایک دوسری حدیث میں ”سوران“ ہی تھا، پھر اس سین کو زاء سے بدل دیا، معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔ مفتحة: کھلے ہوئے۔ مستود: مستر (سین کے نیچے زیر

کے ساتھ) کی جمع ہے: پردے۔ ثم انصرف: پھر آپ الگ ہو گئے، نماز سے فارغ ہو گئے۔ لاتبوحن: تم مسلسل اسی خط کے اندر رہنا۔ مستہمی: پہنچیں گے۔ زط: (زاء پر پیش کے ساتھ) زطی کی جمع ہے: جٹ لوگ، پاکستان اور ہندوستان میں ایک قوم ہے جسے ”جٹ“ کہا جاتا ہے، جو اپنے بالوں اور جسم میں تہذیب کا لحاظ نہیں کرتے۔ أشعارهم وأجسامهم: ترکیب نحوی کے لحاظ سے ان پر دو قسم کا اعراب پڑھا جاسکتا ہے: ۱۔ یہ منصوب ہوں اس صورت میں ان سے پہلے ”فی“ حرف جار محذوف ہوگا، اسے نحوی اصطلاح میں منصوب بنزع الخافض کہتے ہیں۔ ۲۔ یہ دونوں لفظ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوں، اس صورت میں ان کی خبر: مثل الزط محذوف ہوگی۔ قشر: (قاف کے نیچے زیر اور شین کے سکون کے ساتھ) چیز کا ڈھکن، چھلکا، یہاں اس سے لباس مراد ہے۔ ولقد أرانی منذ اللیلۃ: میں پوری رات نہیں سو سکا۔ یصدرون: وہ واپس چلے جاتے، لوٹ جاتے۔ نوسد: نکیہ بنایا۔ فعذی: میری ران۔ نفع: خراٹے مارتے۔ یقظان: بیدار۔ عاقبه: وہ اس کو سزا دیتے۔

بندوں کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے چند مثالیں

مذکورہ احادیث میں بندوں کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین مثالیں نبی کریم ﷺ نے ذکر فرمائی ہیں، ان تمام مثالوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ انسان کو مختلف طریقوں سے یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آخرت یعنی جنت و جہنم..... کو پیدا فرمایا ہے، دنیا میں راہنمائی کے لئے رسولوں کو بھیجا، جو ان کی بات سن کر ایمان قبول کر لے گا، قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارے گا، تو وہ کامیاب ہو جائے گا اور جنت میں پہنچ جائے گا، جس نے اعراض کیا، اس رسول کی بات کو قبول نہ کیا تو وہ دنیا اور آخرت دونوں میں ناکام ہو جائے گا۔

حتیٰ یکشف البستر اس کے معنی یہ ہیں کہ جب انسان گناہ اور مشتبہ امر کا ارتکاب کرے تو پھر وہ حدود اللہ میں تعدی اور زیادتی کرنے والا شمار ہوگا۔

”واعظ ربہ“ اس سے انسان کا دل مراد ہے کہ وہ انسان کو خاموش زبان سے ہر کام سے متعلق بتا دیتا ہے کہ یہ صحیح کام ہے اسے کر لینا چاہیے، یہ غلط ہے اس سے احتراز کرنا چاہیے، علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس سے فرشتہ کا تصرف مراد ہے جو وہ مومن کے دل میں کرتا ہے کہ یہ کام کر لو یا نہ کرو، اور دوسرا تصرف شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، جو انسان کو غلط اور ناجائز امور میں مہملی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

سمعت اذک، آپ کے کان سنتے رہیں، وحمل قلبک اور آپ کا دل ہمیشہ سمجھتا رہے، یہ دعائیہ جملے ہیں۔

باب کی تیسری حدیث میں جنات کی تبلیغ کا ذکر ہے، آپ ﷺ نے عبداللہ بن مسعود کو ایک خط یعنی حصار میں بٹھا دیا تا کہ جنات سے محفوظ رہیں، آپ علیہ السلام ساری رات انہیں تبلیغ کرتے رہے، پھر جب آپ سو گئے تو فرشتوں کی دو جماعتیں آئیں، ایک سر کی جانب اور دوسری پاؤں کی جانب..... جس کی تفصیل ترجمہ میں موجود ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عام انسان بھی فرشتوں کو دیکھ سکتا ہے، چنانچہ فرشتوں کی ان جماعتوں کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی دیکھا، وہ سفید لباس میں تھے، اور بہت ہی خوبصورت لگ رہے تھے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي مَثَلِ النَّبِيِّ ﷺ وَالْأَنْبِيَاءِ قَبْلَهُ

یہ باب نبی کریم ﷺ اور آپ سے پہلے انبیاء کرام کی مثال کے بیان میں ہے
عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّمَا مَقْلَى وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي كَمَثَلِ بَنِي إِسْرَءِيلَ إِذَا أَفْأَسَتْهُمْ أَوْ أَحْسَنَتْهُمْ إِلَّا مَوْضِعَ لِبْنَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَدْخُلُونَهَا وَيَخْرُجُونَ مِنْهَا وَيَقُولُونَ: لَوْ لَمْ يَوْضِعِ اللَّهُ لِبْنَةً. حضرت جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا، اسے مکمل کیا اور خوبصورت بنایا (یعنی اس کی آرائش و تزئین کی) مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی، چنانچہ لوگ اس میں داخل ہونے لگے، اس کی تعمیر اور خوبصورتی پہ تعجب کرتے، اور کہتے کہ کاش اینٹ کے برابر یہ جگہ خالی نہ ہوتی (تو کیا خوب ہوتا)

مشکل الفاظ کے معنی :- لبنة: (لام پر زبر اور باء کے نیچے زیر) کچی اینٹ، اور جب اسے آگ پر پکا لیا جائے تو اسے 'اجر' کہا جاتا ہے۔ يَصْعَبُونَ مِنْهَا: اس گھر کے حسن و جمال پر تعجب کرتے۔

قصر نبوت کی آخری اینٹ

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور سابقہ انبیاء کی مثال اس شخص کی مانند ہے جس نے ایک خوبصورت گھر بنایا، اس میں ہر چیز پایہ تکمیل تک پہنچ گئی مگر ایک اینٹ کی جگہ باقی ہے، اب جب لوگ اس گھر میں داخل ہونا شروع ہوئے تو سب کو وہ گھر بہت ہی اچھا لگا، لیکن جب وہ خالی جگہ دیکھتے تو یہ کہتے کہ کاش اینٹ کی جگہ خالی نہ ہوتی تو بہت ہی اچھا ہوتا۔

اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور عمدہ اخلاق کو اس محل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس کی بنیادیں مضبوط ہوں، اور اس کی عمارت کو اچھی طرح بنایا گیا ہو مگر ایک اینٹ کے برابر اس گھر میں جگہ خالی چھوڑ دی گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی نبوت کے ذریعہ اس خالی جگہ کو پر کر دیا، تو آپ ﷺ اس محل کی آخری اینٹ ہیں کہ آپ نے عمدہ اخلاق اور نبوت کی تکمیل فرمادی۔

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ سلسلہ نبوت کے وہ آخری نبی ہیں کہ جن کے بعد اور کوئی نبی

قیامت تک نہیں آئے گا، چنانچہ ختم نبوت قطعی اور متواتر دلائل سے ثابت ہے، اس پر ایمان لانا ضروری ہے، جو آدمی اس کا انکار کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي مَثَلِ الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ.

یہ باب نماز، روزے اور صدقہ کی مثال سے متعلق ہے

عَنِ الْحَارِثِ الْأَشْعَرِيِّ حَدَّثَنَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ أَمَرَ يَحْيَى بْنَ زَكَرِيَّا بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ يَعْمَلَ بِهَا وَيَأْمُرَ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا وَإِنَّهُ كَأَدْنَى نَبِيٍّ بِهَا فَقَالَ عِيسَى: إِنَّ اللَّهَ أَمَرَكَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ لَتَعْمَلَ بِهَا وَتَأْمُرَ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا لِإِنَّمَا أَنْ تَأْمُرَهُمْ وَإِنَّمَا أَمَرَهُمْ. فَقَالَ يَحْيَى: أُنَحِّشِي إِنْ سَبَقْتَنِي بِهَا أَنْ يَخْشَفَ بِي أَوْ أُعَذِّبَ لَجَمْعِ النَّاسِ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَاثْمَلًا الْمَسْجِدَ وَقَعْدُوا عَلَى الشَّرَفِ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ أَعْمَلَ بِهِنَّ وَأَمُرُكُمْ أَنْ تَعْمَلُوا بِهِنَّ: أَوَّلُهُنَّ أَنْ تَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَإِنْ مَثَلَ مَنْ أَشْرَكَ بِاللَّهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اشْتَرَى عَبْدًا مِنْ خَالِصٍ مَالِهِ بِدَهَبٍ أَوْ وَرَقٍ فَقَالَ هَذَا دَارِي وَهَذَا عَمَلِي فَأَعْمَلَ وَأَدَّى إِلَيَّ فَكَانَ يَعْمَلُ وَيُؤَدِّي إِلَيَّ غَيْرَ سَيِّدِهِ، فَأَيُّكُمْ يَرْضَى أَنْ يَكُونَ عَبْدُهُ كَذَلِكَ وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَكُمْ بِالصَّلَاةِ لِإِذَا صَلَّيْتُمْ فَلَا تَلْتَفِتُوا لِإِنَّ اللَّهَ يَنْصِبُ وَجْهَهُ لَوَجْهِ عَبْدِهِ فِي صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ وَأَمَرَكُمْ بِالصِّيَامِ لِإِنْ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ فِي عَصَابَةٍ مَعَهُ ضَرْفٌ فِيهَا مِسْكٌ فَكُلُّهُمْ يَعْجَبُ أَوْ يَعْجِبُهُ رِيحُهَا وَإِنْ رِيحُ الصَّابُونِ أَطْلَبَ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ وَأَمَرَكُمْ بِالصَّدَقَةِ لِإِنْ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَسْرَهُ الْعَدُوَّ فَأَوْثَقُوا يَدَيْهِ إِلَى عُنُقِهِ وَقَدَمُوهُ لِيَضْرِبُوا عُنُقَهُ فَقَالَ: أَنَا أَلَدِيهِ مِنْكُمْ بِالْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ. فَقَدَى نَفْسَهُ مِنْهُمْ وَأَمَرَكُمْ أَنْ تَذْكُرُوا اللَّهَ لِإِنْ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ الْعَدُوُّ إِلَى الْوَسْوَاعِ حَتَّى إِذَا آتَى عَلَى حِصْنٍ خَصِيصٍ فَأَخْرَزَ نَفْسَهُ مِنْهُمْ كَذَلِكَ الْعَبْدُ لَا يَخْرُزُ نَفْسَهُ مِنَ الشَّيْطَانِ إِلَّا بِذِكْرِ اللَّهِ

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا أَمُرُكُمْ بِخَمْسِ، اللَّهُ أَمَرَنِي بِهِنَّ: السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ وَالْجِهَادُ وَالْهَجْرَةُ وَالْجَمَاعَةُ لِإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قَبْلَ ذِي شَيْءٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ إِلَّا أَنْ يَرَا جَعٍ وَمَنْ ادَّعَى دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ لِإِنَّهُ مِنْ جَفَا جَهَنَّمَ. فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ: وَإِنْ صَلَّى وَصَامَ قَالَ: وَإِنْ صَلَّى وَصَامَ، فَأَدْعُوا بِدَعْوَى اللَّهِ الَّتِي سَمَّاهُمُ الْمُسْلِمِينَ الْمُؤْمِنِينَ عِبَادَ اللَّهِ.

حضرت حارث اشعری کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھی علیہ السلام کو پانچ باتوں کا حکم

(۱) تکملة فتح للملهم ۴/۹۳ کتاب الفضائل، باب ذکر کونه صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین، تحفة الاحوذی ۱۲۳/۸،

دیا کہ وہ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی حکم دیں کہ وہ بھی ان پر عمل کریں، سبھی علیہ السلام نے انہیں پہونچانے میں تھوڑی تاخیر سی کی تو حضرت عیسیٰ نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ چیزوں کا حکم دیا، تاکہ آپ ان پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو حکم دیں کہ وہ بھی ان پر عمل پیرا ہوں، لہذا آیا تو آپ انہیں حکم دیدیں ورنہ میں حکم دے دیتا ہوں، حضرت سحیحی نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ اگر آپ ان باتوں کو پہونچانے میں مجھ سے سبقت لے گئے تو مجھے دھندا دیا جائے گا یا مجھے عذاب دیا جائے گا، پھر انہوں نے لوگوں کو بیت المقدس میں جمع کیا تو پوری مسجد بھر گئی، اور لوگ اونچی جگہوں پر بیٹھ گئے، پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ چیزوں کا حکم دیا کہ میں ان پر عمل کروں اور تمہیں حکم دوں کہ تم بھی ان پر عمل کرو،

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے خالص اپنے سونے یا چاندی کے مال سے کوئی غلام خریدا، پھر اس سے کہا: یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا عمل ہے لہذا تو کام کر اور مجھے کما کر دے، چنانچہ وہ کام کرتا اور اس کی کمائی کسی اور کو دے دیتا، تم میں سے کون اس بات پر راضی ہے کہ اس کا غلام اس طرح کا ہو۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں نماز پڑھنے کا حکم دیا، لہذا جب تم نماز پڑھو تو کسی اور جانب توجہ نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ دوران نماز اپنے بندے کے چہرے کی طرف اپنا منہ کئے رہتے ہیں، جب تک کہ وہ کسی اور طرف التفات نہ کرے۔

۳۔ اور میں تمہیں روزہ رکھنے کا حکم دیتا ہوں، اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ایک ایسی جماعت میں ہے جس کے پاس مشک سے بھری ہوئی ایک قھیل ہے جسے تمام لوگ پسند کرتے ہیں یا راوی نے یوں کہا: اس کی خوشبو سب کو اچھی لگتی ہے، اور روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی اس خوشبو سے کہیں زیادہ پسند ہے۔

۴۔ اور میں تمہیں صدقہ دینے کا حکم دیتا ہوں، اس کی مثال ایسے شخص کی طرح ہے جسے دشمن نے قید کر لیا، پھر انہوں نے اس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیئے، اور اسے آگے کیا تاکہ اس کی گردن کو اڑا دیں (یعنی قتل کر دیں)، اس شخص نے کہا: میں تمہیں اپنا قلیل و کثیر یعنی سارا مال بطور فدیہ کے دیتا ہوں، چنانچہ اس شخص نے انہیں فدیہ دے کر اپنے آپ کو بچا لیا۔

۵۔ اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرو، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے دشمن بڑی تیزی سے اس کے پیچھے لگے ہوں یہاں تک کہ وہ ایک محفوظ قلعہ میں داخل ہو جائے اور اپنی جان ان سے بچالے، اسی طرح کوئی بندہ اللہ کے ذکر کے بغیر، اپنے آپ کو شیطان (کے ابتلاء) سے نہیں بچا سکتا۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اور میں بھی تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ جل جلالہ نے مجھے حکم کیا ہے۔ ۱۔ بات سننا۔ ۲۔ اطاعت کرنا۔ ۳۔ جہاد کرنا۔ ۴۔ ہجرت کرنا۔ ۵۔ اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مشک رہنا۔

کیونکہ جو شخص ایک بالشت کے برابر بھی جماعت سے الگ ہو جائے تو اس نے (گویا) اپنی گردن سے اسلام کا پھندا اتار دیا مگر یہ کہ وہ دوبارہ جماعت کی طرف لوٹ آئے (تو اس نے اپنا اسلام بچا لیا) اور جس نے لوگوں کو زمانہ جاہلیت والی برائیوں کی طرف بلایا تو وہ جہنم کے انگاروں میں سے ہے (یعنی وہ اس کا ایندھن ہے) ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگرچہ اس نے نماز پڑھی اور روزہ رکھا ہو؟ آپ نے فرمایا: (جی ہاں) اگرچہ اس نے نماز پڑھی ہو اور روزہ رکھا ہو، لہذا تم لوگوں کو اس اللہ کی طرف بلاؤ، جس نے تمہارا نام، اے اللہ کے بندو "مسلمین" اور مومنین" رکھا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اُن یعطی بہا: کہ وہ ان کلمات کے پہنچانے میں تاخیر کریں۔ ان سبقتی: اگر آپ مجھ سے سبقت کر گئے۔ شوف: (شین پر پیش اور را پر زیر کے ساتھ) شرفۃ کی جمع ہے: بلند جگہ، نصب و جہد لوجہ عبدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنا چہرہ اپنے بندے کے چہرے کی طرف کیا ہوا ہے یعنی دوران نماز اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت انسان کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ عصابہ: (عین کے نیچے زیر): جماعت، گروپ۔ صرة: (صاد پر پیش اور را پر تشدید اور زیر کے ساتھ): تخیل، بیگ، ج صرر۔ کلہم یعجب: ان میں سے ہر ایک پسند کر رہا تھا۔ اُسره: اس کو قید کر لیا۔ اوثقوا: انہوں نے باندھ دیا، جکڑ دیا۔ انا الفدی منکم: میں تمہیں فدیہ دے کر جان چھڑاتا ہوں۔ بالقلیل و الکثیر: قلیل و کثیر مال سے یعنی پورے مال سے۔ سراعا: (سین کے نیچے زیر) تیز رفتار، یہ لفظ ترکیبی لحاظ سے "عدو" سے حال ہے۔ حصن حصین: محفوظ قلعہ۔ احرز نفسه: اس نے اپنی جان کو بچا لیا، محفوظ کر لیا۔ قید شبیر: (قاف کے نیچے زیر کے ساتھ) ایک بالشت کے برابر۔ خلع ربقة الاسلام: اس نے اسلام کا پھندا اتار دیا۔ الا ان یراجع بگر یہ کہ وہ دوبارہ جماعت کی طرف لوٹ آئے۔ جشی: (جیم پر پیش) جشوة کی جمع ہے: انگارے۔ عباد اللہ: اس سے پہلے یا حرف ندا مخدوف ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے: یا عباد اللہ اے اللہ کے بندو۔

حضرت یحییٰ نے پانچ چیزوں کا حکم دیا

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ وہ پانچ چیزوں پر خود بھی عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی عمل کرنے کا حکم دیں، اس میں ان سے تھوڑی سی تاخیر ہوئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان باتوں کا بنی اسرائیل کو حکم دو دور نہ میں انہیں حکم دے دیتا ہوں، حضرت یحییٰ نے کہا کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر آپ نے اس کام میں مجھ سے سبقت کر لی تو مجھے زمین میں دھنسا دیا جائے گا یا یوں فرمایا کہ مجھے عذاب دیا جائے گا پھر حضرت یحییٰ نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں جمع کیا، مسجد لوگوں سے کچھ گچھ بھرنی، اور لوگ بلند جگہ پر بیٹھ گئے، پھر وہ پانچ حکم ان کو بتائے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، کیونکہ مشرک کی مثال اس آدمی کی سی ہے جس نے اپنے خالص مال سے کوئی غلام خریدا اور اسے کہا کہ یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا کام ہے جو تم نے کرنا ہے، لہذا کام کرو اور اس کی آمدن

میرے پاس جمع کرادینا، لیکن وہ غلام کام کر کے اور کما کر اپنے آقا کو دینے کے بجائے کسی اور کو وہ کمائی دیدیتا ہے، تو بتاؤ کہ تم میں سے کون ہے جو اس طرح کے غلام کو پسند کرے تو جب تم اپنے غلام کے بارے میں یہ برداشت نہیں کر سکتے تو پھر اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرانا کیسے درست ہو سکتا ہے اور کیسے وہ برداشت کر سکتا ہے جبکہ وہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔

۲۔ اللہ نے تمہیں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اس انداز سے کہ اس میں تمہاری پوری توجہ ہو، مکمل خشوع و خضوع ہو، کیونکہ نمازی پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

۳۔ اللہ نے تمہیں روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے، روزے دار کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک گروپ میں ہو اور اس کے پاس مشک کی ایک تھیلی ہو، جس کی خوشبو سب کو اچھی لگ رہی ہو، لیکن روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی اس خوشبو سے بہت زیادہ اچھی ہے اور اللہ کو بہت پسند ہے۔

۴۔ اور میں تمہیں صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہوں، اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کو دشمن نے قید کر کے اس کے ہاتھ گردن کے ساتھ باندھ دیئے اور اسے قتل کرنے لگے کہ اس شخص نے فدیہ دے کر اپنی جان ان سے چھڑائی، اسی طرح صدقہ سے انسان پر آنے والی آفت، گرفت اور اللہ کا عذاب ہٹ جاتا ہے۔

۵۔ کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے کا تمہیں حکم دیتا ہوں، اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے پیچھے دشمن بڑی تیز رفتاری سے لگے ہوں، لیکن اس نے ایک محفوظ قلعے میں پناہ لے کر اپنی جان کو بچا لیا، اسی طرح انسان نفس و شیطان کے شرور سے اسی وقت اپنے آپ کو بچا سکتا ہے، جب وہ اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتا ہو۔ (۱)

نبی کریم ﷺ نے پانچ چیزوں کا حکم دیا

یہ قصہ بیان کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں:

۱۔ اپنے بڑوں اور امیر کی بات سنا کرو۔ ۲۔ جائز امور میں اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرو۔ ۳۔ ضرورت کے وقت اسلام کی سر بلندی کے لئے اور دشمن کے شر سے بچنے کے لئے جہاد کرنا۔ ۴۔ ہجرت کرنا، اس میں ہجرت کی دونوں قسمیں داخل ہیں۔ ۱۔ نقل مکانی کرنا، ۲۔ گناہوں کو چھوڑنا۔ ۵۔ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ منسلک رہنا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس ”جماعت“ سے صحابہ، تابعین اور سلف صالحین کے پیروکار مراد ہیں کہ ان کے ساتھ جڑے رہیں اور ان کے نقش قدم پر چلیں، جو شخص اس مقدس جماعت سے اپنے آپ کو الگ کر لے تو وہ گویا گمراہی کے راستے پر چل پڑا ہے، فقد خلع ربة الاسلام: اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

☆ اس نے اسلام کا پسند اور کڑا تار دیا، مطلب یہ ہے کہ اسلام کی حدود، احکام، اوامر اور ممنوع چیزوں کا لحاظ نہیں کیا۔

☆ بعض کے نزدیک اس سے ”اللہ کا عہد“ مراد ہے کہ اس جماعت کو چھوڑنا گویا اس عہد کو توڑ دینا ہے جو اسلام کی وجہ سے اس کے اور اللہ کے درمیان ہوا تھا۔

الا ان یراجع یعنی اگر دوبارہ وہ اس جماعت کی طرف لوٹ آئے تو پھر اس نے اپنے اسلام کو بچالیا۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ جو بھی گمراہ قسم کے لوگ ہیں وہ ضرور کسی نہ کسی جہت سے اس جماعت سے الگ ہوتے ہیں، ان کے نقش قدم پر وہ نہیں ہوتے جس کی وجہ سے وہ شکوک و شبہات یا الحاد کا شکار ہو جاتے ہیں، اس لئے کبھی بھی صحابہ اور امت کے نیک لوگوں کی جماعت سے الگ نہیں ہونا چاہیے۔

جو شخص جاہلیت کا دعویٰ کرے تو وہ بلائے والا جہنم کی آگ کا انگارہ ہوگا اگرچہ وہ بظاہر نماز روزہ کرتا ہو، دمن ادعی دعویٰ الجاہلیۃ اس میں ”دعویٰ جاہلیت“ سے کیا مراد ہے؟ شارحین نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں:

- ۱۔ وہ ان تمام برائیوں اور طریقوں کی طرف لوگوں کو بلائے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھے۔
- ۲۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ لڑائی کے وقت جب کوئی فریق شکست کھانے لگتا ہے تو وہ اپنے خاندان اور قبیلے کو مدد کے لئے بلاتا ہے کہ آؤ، میری اس مقابل کے خلاف مدد کرو۔

نبی کریم ﷺ نے زمانہ جاہلیت کے جو بھی طریقے اور برائیاں تھیں ان تمام سے بچنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اللہ کے بندو: تم لوگوں کو اللہ کے دین اور اس کی اطاعت کی طرف بلاؤ، وہ اللہ کہ جس نے تمہارا ”مسلمین اور مؤمنین“ نام رکھا، لہذا اسلام اور ایمان کے تقاضے پورے کرو، اور زمانہ جاہلیت کو بھول جاؤ۔ (۱)

کیا حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ کا زمانہ ایک تھا

حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ دونوں آپس میں رشتہ دار تھے، بنی اسرائیل کی طرف ایک وقت میں مختلف قوموں کی طرف مختلف انبیاء کو بھیجا جاتا رہا، چنانچہ اس حدیث میں بھی ان دونوں حضرات کی نبوت کا ذکر ہے، لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہوتے ہوئے حضرت یحییٰ کو یہ پانچ باتیں پہنچانے کا حکم کیسے دیا؟ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اپنا نائب کیسے بنایا جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مقابلے میں زیادہ ہے؟ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ درست ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درجہ بلند ہے، لیکن اس وقت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کوئی کتاب نہیں اتاری گئی تھی، جس طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام پر کوئی مستقل کتاب نازل نہیں کی گئی بلکہ وہ سابقہ شریعت کے مطابق لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے تھے، اس لحاظ سے یہ دونوں نبی اس وقت برابر تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو پانچ چیزوں کا حکم دیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے

بھی حضرت یحییٰ سے فرمایا کہ آپ یہ باتیں جلدی سے بنی اسرائیل تک پہنچادیں۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي مَثَلِ الْمُؤْمِنِ الْقَارِي لِلْقُرْآنِ وَغَيْرِ الْقَارِي

یہ باب اس مؤمن سے متعلق ہے جو قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے اور جو تلاوت نہیں کرتا

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْأَثْرِ جَذَةٍ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، كَمَثَلِ التَّغْمَةِ لَا رِيحَ لَهَا وَطَعْمُهَا خَلْوٌ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الزَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مَرٌّ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ رِيحُهَا مَرٌّ وَطَعْمُهَا مَرٌّ.

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس مؤمن کی مثال جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے، سنگترے، مالے اور نارنگی کی طرح ہے جس کی خوشبو اچھی ہوتی ہے اور اس کا ذائقہ بھی بہت عمدہ ہوتا ہے، اور اس مؤمن کی مثال جو قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرتا، کھجور کی سی ہے جس کی خوشبو تو کوئی نہیں ہوتی لیکن اس کا ذائقہ میٹھا ہوتا ہے، اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے نازیبو کی طرح ہے کہ اس کی خوشبو بہت اچھی ہوتی ہے لیکن اس کا ذائقہ تلخ اور کڑوا ہوتا ہے، اور اس منافق کی مثال جو قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتا، ایلوے کی مانند ہے جس کی خوشبو کڑوی اور ذائقہ بھی کڑوا ہوتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الزَّرْعِ، لَا تَزَالُ الرِّيحُ تَنْفِثُهُ وَلَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ يَصْبِيحُ بِبَلَاءٍ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ، كَمَثَلِ شَجَرَةِ الْأَرْزِ، لَا تَهْتَرُ حَتَّى تُسْتَخْصَدَ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن کی مثال اس کھیتی کی مانند ہے، جسے ہوائیں مسلسل دائیں بائیں جھکاتی رہتی ہیں، (اسی طرح) مؤمن کو بھی ہمیشہ آزمائش لگی رہتی ہے، اور منافق کی مثال درخت صنوبر کی طرح ہے جو کہ ہواؤں سے کبھی نہیں ہلتا یہاں تک کہ وہ اکھڑ جائے اسے کاٹ دیا جائے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَهِيَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ، حَدِّثُونِي مَا هِيَ؟ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: فَوَقَّعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي وَوَقَّعَ فِي نَفْسِي: أَنَّهَا التَّخْلَةُ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: هِيَ التَّخْلَةُ. فَاَسْتَحْيَيْتُ أَنْ أَقُولَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: فَحَدَّثْتُ عُمَرَ بِالَّذِي وَقَّعَ فِي نَفْسِي. فَقَالَ: لِأَنْ تَكُونَ قُلَّتْهَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ لِي كَذًا وَكَذًا.

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ایسا بھی

ہے کہ موسم خزاں میں بھی اس کے پتے نہیں جھڑتے، اور وہ مؤمن کی طرح ہے (زیادہ منافع کے اعتبار سے) مجھے بتاؤ کہ وہ کونسا درخت ہے؟ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ لوگ جنگل کے درختوں کے بارے میں سوچنے لگے، اور میرے دل میں یہ خیال آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہو سکتا ہے، اتنے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، میں نے شرم محسوس کی کہ میں بتاؤں (کہ وہ درخت کھجور ہے، کیونکہ میں چھوٹا تھا) عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اپنے والد عمر کو اس خیال کے بارے میں بتایا جو اس درخت کے بارے میں میرے دل میں آیا تھا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر تم نے حضور ﷺ کے سامنے اس درخت کا بتا دیا ہوتا تو یہ میرے لئے ایسا ایسا مال ہونے کے مقابلے میں زیادہ محبوب ہوتا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ہمزے پر پیش، تاساکن، را پر پیش اور جیم پر زبردتشدید کے ساتھ) بالٹا، سنگترہ، نارنگی۔ طعمہا: اس کا ذائقہ۔ ریحانۃ: نازیوں، ہر خوشبودار پودا۔ مو: (میم پر پیش اور را پر تشدید) کڑوا، تلخ۔ حنظلۃ: ایلوا، نفیثہ: (تا پر پیش، فا پر زبر اور یا کے نیچے زیر اور تشدید کے ساتھ) ہوا میں اس کھیت کو ادھر ادھر جھکاتی رہتی ہیں۔ یصیبہ ہلاء بمؤمن کو ہمیشہ آزمائش پہنچتی رہتی ہے، لگی رہتی ہے۔ اُرد: (ہمزے پر زبر اور پیش کے ساتھ) درخت صنوبر۔ لا تہتز: وہ حرکت نہیں کرتا، ہلکا نہیں۔ حتی تستحصد: اس لفظ کو معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے، معروف کی صورت میں اس کا ترجمہ ہوگا: یہاں تک کہ وہ درخت یکدم خود ہی اکھڑ جائے اور مجہول ہو تو ترجمہ یوں ہوگا: یہاں تک کہ اسے کاٹ دیا جائے، (۱) وقع الناس: صحابہ کرام سوچنے لگے۔ فی شجر البوادی: جنگلات کے درختوں کے بارے میں۔ فاستحیت: میں نے شرم محسوس کی۔ أحب الی: مجھے یہ زیادہ محبوب تھا نسبت اس کے کہ میرے پاس ایسا اور ایسا مال ہوتا۔

تلاوت کرنے اور نہ کرنے والے مؤمن کی مثال

اس باب کی پہلی حدیث میں اس مؤمن کی مثال جو تلاوت قرآن کرتا ہے، مالٹے سے دی گئی ہے، جس کی خوشبو اچھی اور ذائقہ بھی بہت عمدہ ہوتا ہے، قرآن کریم پڑھنے والا اسی طرح بہترین ہوتا ہے، اور جو آدمی مؤمن تو ہے لیکن قرآن مجید نہیں پڑھتا، اس کی مثال کھجور جیسی ہے جس کا ذائقہ تو عمدہ ہوتا ہے لیکن خوشبو اس میں کچھ بھی نہیں تو ایمان کی وجہ سے ایسا شخص پسندیدہ تو ہے لیکن قرآن پڑھنے کی خوشبو سے وہ محروم ہے، اور وہ منافق جو قرآن پڑھتا ہے وہ نازیب کی طرح ہے کہ اس کی خوشبو تو عمدہ ہے لیکن اس کا ذائقہ تلخ ہوتا ہے، اور وہ منافق جو قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال ایلوے کی طرح ہے کہ اس کا ذائقہ بھی تلخ ہے، اور خوشبو بھی اس میں نہیں ہوتی۔

اس مثال سے مؤمن کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت کو پابندی کے ساتھ روزانہ کیا کرے تاکہ وہ

اللہ کے ہاں ایک بہترین مؤمن قرار پائے، نازگی اور مالے کی طرح مفید اور خوشبودار انسان بن جائے۔ (۱)

مؤمن اور منافق کی مثال

حدیث میں مؤمن کی مثال کھیت سے دی گئی ہے جسے مختلف اطراف سے ہوائیں گھماتی اور پھراتی رہتی ہیں، اس سے اس سبزے کی نشوونما ہوتی ہے، اسی طرح مؤمن کو ہر وقت مختلف مصائب اور آزمائشیں جھنجھوڑتی رہتی ہیں، وہ ہمیشہ آسودہ اور خوشحال نہیں ہوتا، کبھی تندرست، کبھی بیمار، کبھی خوش، کبھی پریشان، کبھی معاشی اعتبار سے اچھا اور کبھی تنگدست رہتا ہے، ایک حالت پر برقرار نہیں رہتا، جب کہ منافق کی یہ حالت نہیں ہوتی، اس کی مثال صنوبر کے درخت کی طرح ہے کہ وہ اپنی جگہ کھڑا رہتا ہے، تیز و تند ہواؤں سے وہ حرکت نہیں کرتا، لیکن اچانک وقت آنے پر اکھڑ جاتا ہے یا اسے کاٹ دیا جاتا ہے، اسی طرح منافق بظاہر خوش باش اور عیش و عشرت میں ہوتا ہے کہ اچانک اس پر موت آ جاتی ہے اور یکدم اس کا خاتمہ کر دیتی ہے، آخرت کی نعمتوں میں پھر اس کا کچھ حصہ نہیں ہوتا۔

نیز اس مثال سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جس طرح کھیت اور سبزے کا ہواؤں سے ہلنا اور جھومنا اس کی نشوونما اور بڑھنے کا باعث ہوتا ہے اسی طرح مؤمن پر جب مشکلات اور مصائب آتے ہیں تو یہ چیز اس کے گناہوں کی معافی اور درجات کی بلندی کا باعث ہوتی ہے، وہ ان روح فرسا حالات میں اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے مایوس نہیں ہوتا، صبر کرتا ہے اور اللہ سے اجر اور خیر کا امیدوار ہوتا ہے، جب وہ آزمائش اور مصیبت ٹپتی ہے تو وہ اللہ کا شکر کرتا ہے، بہر حال مؤمن خوشی کے موقع پر شکر، آزمائش اور مصیبت کے دنوں میں صبر کرتا ہے، جبکہ منافق مصائب کے آنے سے اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے اور اسی مایوسی اور غم میں گھل کر ختم ہو جاتا ہے، ان مصائب سے نہ تو اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور نہ ہی درجے بلند ہوتے ہیں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مؤمن کی یہ مثال غالب کے اعتبار سے بیان کی گئی ہے ورنہ ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی آدمی مؤمن بھی ہو اور اللہ نے اسے ہر قسم کی مصائب اور آزمائشوں سے محفوظ رکھا ہو۔ (۲)

مؤمن کی مثال درخت کھجور سے

باب کی تیسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے مؤمن کو کھجور کے درخت کے مشابہ قرار دیا ہے، یہ تشبیہ کس اعتبار سے ہے، اس بارے میں شارحین حدیث کے اقوال درج ذیل ہیں:

۱۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ تشبیہ اس چیز میں ہے کہ جس طرح کھجور کا درخت ہر لحاظ سے فائدے مند ہوتا ہے، اس کا

(۱) تحفة الاحوذی ۱۶۷/۸

(۲) فتح الباری ۱۳۲/۱۰ تکملة فتح الملہم ۱۵۰/۶ کتاب صفات المنافقین، باب: مثل المؤمن كالزروع۔

تنا، شہتیر اور ستون بنانے کے کام آتا ہے، اس کا پھل ہر وقت، ہر حال اور ہر زمانے میں کھلایا جاتا ہے، اسے ذخیرہ بھی کیا جاتا ہے، اس کا گودا اور میٹھارس بھی نکالا جاتا ہے، اس کے پتوں سے بہت سی مفید چیزیں چٹائیاں وغیرہ بنتی ہیں، اس کی مکھنل جانوروں کا چارہ ہے، غرضیکہ اس درخت کی کوئی چیز ضائع نہیں جاتی، اسی طرح مومن کی کوئی بھی دعا بے کار نہیں جاتی، جو بھی دعا کرتا ہے، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے یا تو وہی چیز یا اس سے بہتر عطا کر دیتے ہیں، یا اس کی برکت سے کوئی آفت اور مصیبت ٹل جاتی ہے، یا اسے آخرت میں ذخیرہ کر دیا جاتا ہے۔

۲۔ بعض کے نزدیک یہ مثال بابرکت ہونے کے اعتبار سے دی گئی ہے کہ جس طرح کھجور کا درخت بابرکت ہے کہ اس کی کوئی چیز بے کار نہیں ہوتی، اسی طرح اگر کامل مومن ہو تو اس کا ہر عمل خیر و برکت کا باعث ہوتا ہے۔

۳۔ کھجور کی جڑیں زمین میں ثابت اور مستحکم ہوتی ہیں اور اس کی شاخیں آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں، یہی وصف مومن کا بھی ہے کہ ایمان اس کے قلب و جگر میں راسخ اور مضبوط ہوتا ہے اور اس کے ثمرات یعنی اعمال و اخلاق آسمان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اور اللہ جل جلالہ کے پاس پہنچتے رہتے ہیں۔

۴۔ جس طرح کھجور کا درخت ہر وقت، ہر موسم اور ہر حال میں پھل دیتا ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ فلاں موسم میں تو پھل دے اور فلاں میں نہ دے، اسی طرح مومن کے اعمال صالحہ کا کوئی وقت اور موسم متعین نہیں بلکہ ہر وقت، ہر موسم، ہر لمحہ اور ہر آن میں اس کے اعمال کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے۔ (۱)

اس حدیث میں یہ امور ثابت ہوتے ہیں:

- ۱۔ بسا اوقات کوئی عالم کسی شاگرد سے بطور امتحان کے کوئی چیز پوچھ لے تو یہ مسنون ہے۔
- ۲۔ وہ پہیلی جو فائدے مند اور علمی بات پر مشتمل ہو، اس سے کسی انسان کی توہین و تحقیر اور اسے محض لاجواب کرنا پیش نظر نہ ہو تو یہ جائز ہے، لیکن اگر پہیلی کسی اچھے معنی پر مشتمل نہ ہو یا اس سے کسی انسان کو محض زچ کرنا مقصود ہو تو ایسی پہیلی کا پوچھنا درست نہیں۔ (۲)

باب مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ

یہ باب پانچ نمازوں کی مثال کے بیان کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْرًا بَيْنَابِ أَحَدِكُمْ يَفْتَسِلُ مِنْهُ كُلُّ يَوْمٍ خَمْسَ مَوَاتٍ،

(۱) فتح الباری ۱/۹۳ کتاب العلم، باب قول المحدث حدثنا۔ تکملة فتح للمہم ۶/۱۵۴ کتاب صفات المنافقین باب: مثل للؤمن

مثل النخلة۔ معارف القرآن ۵/۲۳۶

(۲) تحفة الاحوذی ۸/۱۷۱

هَلْ يَنْقَى مِنْ ذَرِيَّتِهِ؟ قَالُوا: لَا يَنْقَى مِنْ ذَرِيَّتِهِ غَقَالَ: فَلَذَلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللَّهُ بِهِنَّ
الْخَطَايَا.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم بتاؤ کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر کوئی
نہر چلتی ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو، تو کیا اس کے بدن پر کوئی میل باقی رہے گی؟ صحابہ نے عرض
کیا: نہیں، کوئی میل باقی نہیں رہے گی، آپ ﷺ نے فرمایا: یہی مثال ہے پانچ نمازوں کی کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ
سے تمام (صغیرہ) گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی :- درن: (دال اور را پر زبر کے ساتھ) میل کچیل۔ یمحو: مٹا دیتا ہے۔

پانچ نمازوں کی مثال

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے پانچ نمازوں کی مثال دی کہ جو شخص پانچوں نمازیں ان کے آداب و شروط اور
خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرے تو وہ صغیرہ گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے وہ شخص ہر طرح کی میل سے صاف ہو
جاتا ہے جو دن میں پانچ مرتبہ غسل کرے۔ (۱)

باب

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَثَلُ أَمَّتِي مَثَلُ الْمَطَرِ لَا يَنْزِي أَوْلَهُ خَيْرٌ أَمْ أَحْوَرُهُ
حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے، معلوم
نہیں اس بارش کا اول بہتر ہے یا آخر۔

امت محمدیہ کی مثال بارش سے

اس حدیث میں امت مسلمہ کو بارش کے مشابہ قرار دیا کہ جس طرح باران رحمت ساری کی ساری خیر و برکت اور نفع کا
ذریعہ ہوتی ہے، اس میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ خیر بارش کے کس حصے میں ہے، اسی طرح اس امت کے پہلے لوگ اور بعد کے لوگ
خیر اور نفع پہنچانے کے اعتبار سے سب برابر ہیں، گویا لفظ ”خیر“ اس معنی کے اعتبار سے اسم تفضیل کے طور پر استعمال نہیں ہوا۔
اس پر سوال یہ ہے کہ امت کا ابتدائی طبقہ صحابہ و تابعین کا بعد کے لوگوں کے ساتھ خیر اور نفع پہنچانے میں برابر کیسے
ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب علماء کرام نے یہ دیا کہ پہلے دور کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف پایا، آپ کی اتباع

کی، اسلام کو پھیلایا، آپ کی ہر موقع پر مدد و نصرت اور دفاع کیا، دین اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کے غلبہ کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا، یہ ایسی خصوصیات ہیں جو امت کے بعد کے لوگوں کو حاصل نہیں، پھر بعد کے لوگوں نے اس شریعت کو جوں کا توں تسلیم کیا، اس پر ثابت قدم رہے، دین اسلام کے شعائر اور ادارہ کاران کو مستحکم کیا، اسلام کی روشنی کو مشرق و مغرب تک پھیلایا اور اس کے ثمرات اور برکتوں سے لوگوں کو اسلام کے قریب کیا،

اور اگر ”خیر“ سے اہم تفصیل کے معنی مراد ہوں تو یہ بھی درست ہے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ ”خیر“ کے اسباب متعدد ہوتے ہیں، بعض اسباب کے اعتبار سے دور اول کے امتی بہتر تھے، بعض دیگر اسباب کے لحاظ سے بعد کے لوگ بہتر ہیں۔

حاصل یہ نکلا کہ اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ یہ امت نافع اور اچھا ہونے میں یکساں اور برابر ہے، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ بعد کے لوگوں کی یہ فضیلت جزوی ہے، ورنہ جمہور علماء کے نزدیک یہ طے شدہ بات ہے کہ کلی فضیلت صرف حضرات صحابہ کو حاصل ہے، اس میں باقی امت ان کے برابر نہیں ہو سکتی۔

علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے صرف اس بات کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اس دین کو پھیلانے اور لوگوں تک پہنچانے کے اعتبار سے پوری امت نافع ہے، اس سے بعد کے لوگوں کی صدر اول کے لوگوں پر فضیلت ثابت کرنا مقصود نہیں۔ اسی طرح قاضی عیاض نے بھی فرمایا کہ جس طرح بارش کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا کونسا حصہ زیادہ مفید اور نفع بخش ہے اسی طرح یہ امت ”خیر“ پہنچانے میں یکساں اور برابر ہے، اس سے درحقیقت بعد کے لوگوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ وہ نیکی کے کاموں میں آگے بڑھیں کیونکہ اللہ کے فیض کا دروازہ کشادہ ہے، اس سے بعد کے لوگوں کے لئے پہلے لوگوں پر فضیلت ثابت کرنا درست نہیں کیونکہ بالاتفاق پہلے لوگ افضل ہیں۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس امت کو بارش کے ساتھ تھیمہ علم اور ہدایت کے اعتبار سے دی گئی ہے، چنانچہ ایک اور حدیث میں ”بارش“ کو علم اور ہدایت کے مشابہ قرار دیا گیا ہے، اس لئے زیر بحث حدیث میں بھی ”امت“ سے ”علماء کامل“ مراد ہیں کہ جو خود بھی کامل ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی درجہ کمال تک پہنچاتے ہیں، اس تشریح کے اعتبار سے ”خیر“ سے ”نفع“ کے معنی مراد ہوں گے، اور اس صورت میں ”افضلیت“ میں پوری امت کا یکساں اور برابر ہونا لازم نہیں آتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ امت اپنے کسی دور میں خیر سے خالی نہیں ہوگی جیسا کہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس امت کو ”امت مرحومہ“ ارشاد فرمایا ہے، کیونکہ اس امت کا نبی ”نبی رحمت“ ہے، جبکہ دوسری امتوں کے ہاں ”خیر“ کا وجود صرف ابتدائی دور میں رہا، اور پھر بعد والوں میں ٹکڑا گیا اور اس طرح آیا کہ انہوں نے اپنی مقدس آسمانی کتابوں تک کو بدل ڈالا، ان میں اپنی منشاء کے مطابق تحریف کر کے اپنے دین کا حلیہ ہی مسخ کر دیا، جس پر ان کے دور اول کے لوگ تھے۔ (۱)

باب مَا جَاءَ فِي مَثَلِ ابْنِ آدَمَ وَأَجَلِهِ وَأَمَلِهِ

یہ باب انسان، اس کی موت اور اس کی امید کی مثال کے بیان کے بارے میں ہے
عَنْ بَرْزَنْدَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: هَلْ تَذَرُونَ مَا هَذِهِ وَمَا هَذِهِ؟ وَزَمِي بَخْصَاتَيْنِ. قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ
أَعْلَمُ. قَالَ: هَذَا الْآمِلُ وَهَذَا الْغَافِلُ۔

حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اس کی اور اس کی کیا مثال ہے اور
آپ نے دو کنگریاں پھینکیں؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: وہ
امید ہے اور یہ موت ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّمَا النَّاسُ كِبَابِلٌ مَائِدَةٍ لَا يَجِدُ الرَّجُلُ فِيهَا رَاحِلَةً
حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں کی مثال اس طرح ہے کہ (کسی
کے پاس) سوانٹ ہوں لیکن وہ ان میں ایک بھی سواری کے قابل نہیں پاتا۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّمَا النَّاسُ كِبَابِلٌ مَائِدَةٍ لَا يَجِدُ الرَّجُلُ فِيهَا رَاحِلَةً أَوْ قَالَ لَا يَجِدُ فِيهَا
إِلَّا رَاحِلَةً۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں کی مثال سو (100) اونٹوں کی سی ہے کہ تم
ان میں ایک بھی سواری کے قابل نہ پاؤ، یا یہ فرمایا کہ ان میں سے صرف ایک اونٹ سواری کے قابل پاؤ۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ: قَالَ إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ أَقْبَى كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْدَعَ نَارًا فَجَعَلَتْ الدُّوَابُّ
وَالْفَرَاحُ يَقْفَعْنَ فِيهَا، وَأَنَا أَخَذْتُ بِخِزْمَتِكُمْ، وَأَنْتُمْ تَقْفَحُمُونَ فِيهَا۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری اور میری امت کی مثال اس شخص کی سی
ہے، جس نے آگ جلائی، تو اس میں کیڑے کوڑے، پروانے اور تتلیاں گرنے لگیں، چنانچہ میں پا جامہ باندھنے کی
جگہوں سے تمہیں (بچانے کے لئے) پکڑ رہا ہوں، اور تم ہو کہ اس میں داخل یعنی گرتے چلے جا رہے ہو۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّمَا أَجَلُكُمْ فِيمَا خَلَا مِنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْغُضْرِ إِلَى مَغَارِبِ
الشَّمْسِ وَإِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَعْمَلَ عَمَلًا فَقَالَ: مَنْ يَعْمَلْ لِي إِلَى يَصْفِ
التَّهَارِ عَلَى قَيْرَاطٍ قَيْرَاطٍ؟ فَعَمِلَتْ الْيَهُودُ عَلَى قَيْرَاطٍ قَيْرَاطٍ فَقَالَ: مَنْ يَعْمَلْ لِي مِنْ يَصْفِ التَّهَارِ إِلَى
الْقُضْرِ عَلَى قَيْرَاطٍ قَيْرَاطٍ؟ فَعَمِلَتْ النَّصَارَى عَلَى قَيْرَاطٍ قَيْرَاطٍ أَنْتُمْ تَعْمَلُونَ مِنْ صَلَاةِ الْغُضْرِ إِلَى
مَغَارِبِ الشَّمْسِ عَلَى قَيْرَاطَيْنِ، قَيْرَاطَيْنِ لِقُضْبَتِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى وَقَالُوا: نَحْنُ أَكْثَرُ عَمَلًا وَأَقْلَى

عطاء قال: هل ظلمتكم من حَقِّكم شيئاً؟ قالوا: لا. قال: فإنَّه قَطْلِي، أَوْ قِيدَ مَنْ أَشَاءُ.

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں کی عمریں گزشتہ امتوں کے مقابلے میں اتنی ہیں جیسے عصر سے غروب آفتاب تک کا وقت، اور تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے کئی مزدوروں کو کام پر لگایا اور ان سے کہا کہ: کون میرے لئے دوپہر تک ایک ایک قیراط کے عوض کام کرے گا؟ چنانچہ یہود نے ایک ایک قیراط کے بدلے کام کیا، پھر اس شخص نے کہا کہ کون میرے لئے ایک ایک قیراط پر دوپہر سے عصر تک کام کرے گا؟ تو نصاریٰ نے ایک ایک قیراط پر اس وقت کام کیا، پھر اب تم لوگ عصر سے غروب آفتاب تک دو دو قیراط کے عوض کام کرتے ہو، اس پر یہود و نصاریٰ غضبناک ہو گئے، اور کہنے لگے کہ ہم کام زیادہ کرتے ہیں اور معاوضہ ہمیں کم دیا جاتا ہے، وہ شخص (یا، اللہ تعالیٰ) ان سے کہتا ہے کہ کیا میں نے تم لوگوں کے حق میں کسی چیز میں زیادتی کی ہے (کہ میں نے اس مزدوری میں سے کچھ رکھ لیا ہو) وہ کہنے لگے: نہیں، تو وہ کہتا ہے کہ یہ میرا فضل ہے، میں جسے چاہتا ہوں، اسے عطا کر دیتا ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ حصّاتین: دو کنکریاں۔ راحلۃ: قابل سوار اونٹ راوٹی۔ استوفد: اس نے آگ جلائی، آگ سلگائی۔ الدواب: دابہ کی جمع ہے: کیڑے مکوڑے۔ فواش: (فا پر زبر کے ساتھ) پروانے، تئلیاں۔ یقعن فیہا: وہ اس میں گرنے لگے۔ حجاز: (حام پر پیش اور جم پر زبر کے ساتھ) حجرۃ کی جمع ہے، ازار اور پاجامہ باندھنے کی جگہ۔ تفحمون: تم اس میں داخل ہو رہے ہو، گرتے چلے جا رہے ہو۔ فیما خلا من الامم: گزشتہ امتیں۔ أجل: اس کے دو معنی ہیں: ۱۔ پوری زندگی کی مدت، ۲۔ موت۔ استعمال: اس نے کام پر لگایا۔ عمال: (عین پر پیش کے ساتھ) عامل کی جمع ہے: مزدور، کام کرنے والے۔ قیراط: وزن اور پیمائش کی ایک مقدار جو مختلف زمانوں میں بدلتی رہی ہے اور اب وزن میں گندم کے چار دانے کے مساوی ہے، بعض نے کہا: یہ نصف دانق ہے اور دانق درہم کے چھٹے حصے کو کہتے ہیں۔ اہل: اہل عرب جب لفظ اہل بولتے ہیں تو اس سے وہ سوانٹ مراد لیتے ہیں۔

موت اور امیدوں کی مثال

نبی کریم ﷺ نے دو کنکریاں پھینکیں ایک دور اور دوسری ذرا قریب، پھر پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اس کی اور اس کی کیا مثال ہے؟ پھر آپ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ دور کی کنکری سے امیدیں مراد ہیں کہ جنہیں حاصل کرنے کے لئے انسان رات دن ایک کرتا ہے، اور دوسری قریب کی کنکری سے موت مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ انسان کی موت اس کی امیدوں سے بہت قریب ہے، پھر بھی انسان موت سے غافل ہے، اس کی تیاری نہیں کر رہا، امیدوں اور خواہشات کی تکمیل میں مصروف ہے جو اس سے بہت دور ہیں، لہذا امیدوں اور خواہشات کے بجائے انسان کو موت کی تیاری کرنی چاہیے۔

الناس کا بل مائتہ کے دو مطلب

شارحین حدیث نے اس حدیث کے دو مطلب بیان کئے ہیں:

- ۱۔ لوگوں میں قابل، باصلاحیت اور صاحب فضل و تقویٰ بہت کم ہوتے ہیں، ناکارہ لوگوں کی کثرت ہوتی ہے، جس طرح سوانظوں میں سواری اور کام کے قابل بمشکل ایک اونٹنی ملتی ہے، اسی طرح کام کے لوگ بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ (۱)
- علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ تو بہت ہیں لیکن اچھے لوگ کم ہیں، اور ”لوگوں“ سے خیر القردن کے لوگ مراد نہیں کیونکہ ان کی فضیلت کی تو خود حضور اکرم ﷺ نے گواہی دی ہے، بلکہ بعد میں آنے والے لوگ مراد ہیں۔ (۲)
- ۲۔ ایسے لوگ جو زاہد ہوں، دنیا سے بے رغبتی کا انہیں ملکہ حاصل ہو، اور آخرت کے حصول کے لئے اعمال میں مشغول رہتے ہوں، بہت کم ہیں، فضول اور غافل قسم کے لوگ تو بہت ہیں جیسے سوانٹ بوجھ اٹھانے کے تو قابل ہوتے ہیں لیکن ان میں سواری کے قابل بمشکل کوئی ایک ہی ہوتا ہے۔ (۳)

حضور ﷺ آگ جلانے والے کی طرح ہیں

اس باب کی حدیث نمبر ۴ کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حرام اور ممنوع اشیاء کو کھول کھول کر بیان فرما دیا ہے، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری مثال اس شخص کی سی ہے جو آگ جلائے، اور پھر وہ پروانوں اور تیلیوں کو اس میں گرنے سے بچانے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس میں گرتے چلے جاتے ہیں اسی طرح میں تمہیں پکڑ پکڑ کر جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں کہ یہ گناہ نہ کرو، فلاں معصیت کا ارتکاب نہ کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ اور ہلاکت سے بچ جاؤ لیکن تم ہو کہ لذت پرستی، نفس و شیطان کے فریب اور گناہوں میں مشغول ہوتے چلے جا رہے ہو، یوں تم لوگ گویا دوزخ کی آگ میں گرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ (۴)

اس امت کی فضیلت و خصوصیت

باب کی آخری حدیث میں اس امت کی ایک فضیلت، شرف اور خصوصیت کو بیان کیا گیا ہے کہ اس امت کے لوگوں

(۱) فتح الباری ۴/۴۱۱، تحفۃ الاحوذی ۱۴۸/۸

(۲) شرح ابن بطال ۲/۶۱۰، الکوکب الدری ۳/۲۳۳

(۳) تحفۃ الاحوذی ۱۴۹/۸

(۴) تحفۃ الاحوذی ۱۴۹/۸

کی عمریں گزشتہ امتوں کے لوگوں کی عمروں کے مقابلے میں بہت کم ہیں، جیسے دن کے آغاز سے نماز عصر کے وقت کے مقابلے میں عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک کا وقت ہے، اس کے باوجود اس امت کے لئے اجر و ثواب زیادہ متعین کیا گیا ہے گویا عمل اور محنت کم ہے لیکن اجر و ثواب زیادہ جبکہ پہلی امتوں کا عمل اور محنت کا وقت زیادہ اور اجر و ثواب کم متعین کیا گیا ہے، یہ اس امت کی خاص فضیلت اور خصوصیت ہے۔

اس بات کو حدیث میں یوں سمجھایا گیا کہ تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس شخص کی سی ہے جو کچھ مزدوروں کو کام پر لگائے، اس معاہدے کے ساتھ کہ جو آدمی آدھے دن تک کام کرے گا، اسے ایک ایک قیراط ملے گا، چنانچہ یہود نے ایسا کیا، پھر اس شخص نے کہا کہ آدھے دن سے عصر کے وقت تک ایک ایک قیراط پر کون کام کرے گا؟ نصاریٰ اس پر تیار ہو گئے، دیکھئے ان دونوں کے اوقات عمل زیادہ ہیں، اس کے مقابلے میں ان کی اجرت کم مقرر کی گئی ہے، اور امت محمدیہ کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے کوئی عصر سے غروب تک کام کرے اور اسے پہلوں کی مزدوری کے مقابلے میں دوہرا اجر یعنی دو دو قیراط فی آدمی کو ملیں، گویا کم وقت میں زیادہ اجر و ثواب انہیں حاصل ہو۔

اس پر یہود و نصاریٰ غضبناک ہو گئے کہ ہماری محنت اور عمل زیادہ ہے، اور اس کے مقابلے میں اجر و ثواب بہت قلیل ہے اور امت محمدیہ کا وقت کم ہے اور اجر و ثواب اسے زیادہ دیا گیا ہے، اس شخص نے ان سے کہا کہ کیا میں نے تمہارے حق میں کوئی کمی کی ہے، کیا میں نے تمہارے ساتھ کوئی ظلم کیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، اس پر اس شخص نے کہا کہ یہ میرا فضل ہے میں جسے چاہوں زیادہ دوں، اور جسے چاہوں کم دوں، اور تمہارے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا ہے، اس میں کوئی کمی نہیں کی گئی باقی یہ کہ میں بعض کو زیادہ کیوں دے رہا ہوں یہ میری اپنی مرضی ہے، اس لئے تمہیں اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔

یہ شرح اس تقدیر پر ہے کہ قال: هل ظلمتکم من حقکم شیناً؟ میں ”قال“ کا قائل یعنی فاعل وہ شخص ہو جس نے کام کے لئے کچھ مزدوروں کو کام پر لگایا ہے، جب کہ اس روایت کے بخاری کے طریق میں اس ”قال“ کا فاعل ”اللہ جل جلالہ“ مذکور ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ سے فرمائیں گے کہ کیا میں نے تمہارے حق میں کوئی کمی کی ہے، وہ جواب دیں گے: نہیں، پھر اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ امت محمدیہ کو جو میں نے اجر و ثواب زیادہ دیا ہے یہ میرا فضل ہے جسے میں چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں، لہذا تمہیں اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہود و نصاریٰ کا یہ کلام کہاں ہوگا؟ اس میں دو احتمال ہیں:

۱۔ یہ کلام قیامت کے دن ہوگا جب وہ امت محمدیہ کا اجر و ثواب زیادہ دیکھیں گے، نبی کریم ﷺ نے ماضی کا لفظ استعمال فرمایا، اس طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ یہ امر ضرور واقع ہوگا۔

۲۔ یا اس طرح کی بات اس وقت انہوں نے کہی ہوگی جب ان کو اپنے اپنے زمانہ میں اپنی آسمانی کتابوں کے ذریعہ اپنے رسولوں کی زبان سے اس امت کی یہ خصوصیت اور فضیلت معلوم ہوئی ہوگی۔

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے جو بھی اجر و ثواب ملتا ہے وہ نہ تو عبادات و اعمال میں رنج اور تھکاوٹ اٹھانے سے ملتا ہے اور نہ ہی کسی استحقاق سے کیونکہ بندہ اپنے مولیٰ کے نزدیک اپنی عبادت اور حسن کارکردگی کی وجہ سے اجر و ثواب کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ جو بھی عطا فرماتے ہیں تو وہ محض اپنے فضل و کرم سے دیتے ہیں اور اسے اس چیز کا پورا اختیار ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے، اسے زیادہ ثواب عطا فرمادے۔

اس حدیث میں یہود و نصاریٰ سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنے زمانے کے انبیاء پر ایمان لایا، ان کی باتوں پر عمل کیا اور اپنی کتابوں میں کسی قسم کی تبدیلی اور تحریف نہیں کی، کیونکہ جو ایسے نہ ہوں بلکہ انہوں نے کتابوں میں تحریف کر دی ہو تو وہ اجر و ثواب کے سرے سے مستحق ہی نہیں۔

ایک اہم فائدہ

امام ابو حنیفہ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ عصر کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ دوگنا ہو جائے، چنانچہ حنفی علماء اس مذہب کی پتانید کے لئے اس حدیث سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ نصاریٰ کے کام کا وقت امت محمدیہ کے عمل کے وقت سے زیادہ، اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب یوں کہا جائے کہ عصر کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ دوگنا ہو جائے، کیونکہ اگر آئرمہ ٹلٹ اور صاحبین کے مسلک کے مطابق یوں کہا جائے کہ ظہر کا وقت اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب ہر چیز کا سایہ ایک گنا ہو جائے یعنی مثل اول تک اور جب مثل ثانی شروع ہو جائے تو اس وقت سے عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، تو پھر نصاریٰ کا عمل کا وقت امت محمدیہ کے عمل کے وقت سے زیادہ نہیں ہوگا جبکہ حدیث سے اس چیز کو ثابت کرنا مقصود نہیں، مقصد تو یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ دونوں کے مقابلے میں امت محمدیہ کا وقت عمل کم ہے لیکن اجر و ثواب زیادہ ہے، یہ معنی اسی وقت ثابت ہو سکتے ہیں جب یوں کہا جائے کہ عصر کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ دوگنا ہو جائے، یہی امام ابو حنیفہ کا مشہور مذہب ہے۔ (۱)

هذا والی هذا المجلد الثانی ل "معارف ترمذی" بحمد الله تعالى وعونه، مساء الجمعة ۱۲ رجب ۱۴۳۵ھ الموافق ۲۵ یونیو ۲۰۱۴م واسأل الله سبحانه وتعالى أن یوفقنی لاکمال باقی الشرح علی ما یحبہ ویرضاه، انه سمیع قریب مجیب الدعوات، وهو علی کل شیء قدير، و بالاجابة جدید، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلی العظیم، ویلیه ان شاء الله "المجلد الثالث" وأوله شرح "ابواب فضائل القرآن عن رسول الله ﷺ"۔

مصادر و مراجع

معارف ترمذی جلد دوم

قرآن مجید		
تفسیر ابن کثیر	حافظ ابن کثیر	قدیمی کتب خانہ کراچی
معارف القرآن	مفتی محمد شفیع صاحب	ادارۃ المعارف کراچی
صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاری	قدیمی کتب خانہ کراچی
صحیح مسلم	امام مسلم	قدیمی کتب خانہ کراچی
سنن ترمذی	ابویحییٰ ترمذی	قدیمی کتب خانہ کراچی
سنن ابی داؤد	سلیمان بن اشعث	قدیمی کتب خانہ کراچی
شرح معانی الآثار	امام احمد بن طحاوی	انجیم سعید کراچی
المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبد اللہ الحاکم	بیروت
عمدة القاری	علامہ بدر الدین عینی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
فتح الباری	حافظ ابن حجر عسقلانی	دارالکتب العلمیہ بیروت
عارضۃ الاحوذی	ابن العربی مالکی	دار احیاء التراث بیروت
تحفۃ الاحوذی	عبدالرحمن مبارکپوری	بیروت اور قدیمی کراچی
شرح الطیبی	حسین بن محمد طیبی	ادارۃ القرآن کراچی
مرقاۃ المفاتیح	ملا علی قاری	رشیدیہ کوئٹہ، حقانیہ پشاور
العرف النذی علی جامع الترمذی	مولانا انور شاہ کشمیری	انجیم سعید کراچی
بذل المحمود	خلیل احمد سہارنپوری	بیروت
کشف الباری	مولانا سلیم اللہ خان	مکتبہ فاروقیہ کراچی
فتح المسلم	علامہ شبیر احمد عثمانی	مکتبہ دارالعلوم کراچی
مکملۃ فتح المسلم	محمد تقی عثمانی	مکتبہ دارالعلوم کراچی

درس ترمذی	محمد تقی العثماني	مکتبہ دارالعلوم کراچی
الاصابة فی تمییز الصحابة	حافظ ابن حجر عسقلانی	بیروت
فتح القدير	علامہ ابن الصمام	رشیدیہ کوئٹہ
المغنی	موفق الدین ابن قدامة	بیروت
امداد الفتاوی	مولانا اشرف علی تھانوی	مکتبہ دارالعلوم کراچی
احسن الفتاوی	مفتی رشید احمد لدھیانوی	ایچ ایم سعید کراچی
کفایت المفتی	مفتی کفایت اللہ	دارالاشاعت کراچی
فتاوی محمودیہ	مفتی محمود الحسن	مکتبہ فاروقیہ کراچی
مناوی حقانیہ	مولانا عبدالحق والعلما	جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک
فقهی مقالات	محمد تقی العثماني	میں پبلشرز کراچی
فتاوی الجوزیہ الدامیہ للبحوث العلمیہ والافتاء		دارالعاصمۃ، الریاض
جدید آلات کا حکم	مفتی محمد شفیع	ادارۃ المعارف کراچی
انعام الباری	محمد تقی عثمانی	مکتبہ الحراء کراچی
اکمال اکمال العلم	محمد بن خلفہ الابی	بیروت
القاموس الوحید	وحید الزمان قاسمی	ادارہ اسلامیات لاہور
رد المحتار	ابن عابدین شامی	ایچ ایم سعید کراچی
تقریر بخاری	شیخ الحدیث محمد زکریا	مکتبہ الشیخ کراچی
شرح مسلم	امام نووی	قدیمی کراچی
اشرط الساعۃ	سید محمد	بیروت
مظاہر حق	نواب محمد قطب الدین دہلوی	دارالاشاعت کراچی
مجمع البحرین	مفتی نظام الدین شامزئی	مکتبہ الحبيب کراچی
لامع الدراری	مولانا رشید احمد گنگوہی	امدادیہ، مکہ مکرمہ
فیض الباری	مولانا محمد انور شاہ کشمیری	رشیدیہ کوئٹہ

اوجز السالك	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا	ادارة تالیفات، ملتان
جواهر الفقہ	مفتی محمد شفیع	ادارة المعارف کراچی
الہدایۃ والنہایۃ	اسماعیل بن عمر ابن کثیر	بیروت
فتاویٰ عثمانی	مفتی محمد تقی عثمانی	مکتبہ معارف القرآن کراچی
حاشیہ جامع ترمذی	احمد علی سہارنپوری	ایچ ایم سعید کراچی
شرح ابن بطال	علی بن خلف، ابن بطال	مکتبہ الرشید، ریاض
فتاویٰ ہندیہ	شیخ نظام و جملۃ من المحدث	رشیدیہ، کوئٹہ
الشعر والشعراء	ابن قتیبہ	بیروت
معجم ما سنعجم من اسماء البلاد والمواضع		بیروت

قطبی کی بہترین اردو شرح

تیسیر قطبی

مؤلف

مفتی محمد طارق

استاذ الحدیث جامعہ فریدیہ، اسلام آباد

مکتبہ شریعہ الہ آباد

اقبال روڈ، اعظم مارکیٹ، کبوتری چوک راولپنڈی فون: 0333-5375336

اسلامی عبادات

قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں
ایمان، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ

مؤلف
مفتی محمد طارق
استاذ الکھریٹ جامعہ فریدیہ، اسلام آباد

مکتبہ تبیین القرآن

اقبال روڈ، اہم مارکیٹ، کینی چاک راولپنڈی فون: 0333-5375336